کہیں مدت میں ساقی ایسا بھیجتا ہے مستانہ ٭ بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستورِ میخانہ

# تذکرۂ

# مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ

۱۹۱۵ء ـــــ ۲۰۱۴ء

حافظ عبدالجبار سلفی



ادارہ مظہر التحقیق

کہیں مدت میں ساقی ایسا بھیجتا ہے مستانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستورِ مئے خانہ

# تذکرۂ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ

## (۱۹۱۵ء ...... ۲۰۱۴ء)

ایک ایسے عالمِ باعمل کی علمی و عملی زندگی کی رُوداد، جس نے اپنی حیاتِ مُستعار کا ایک ایک گوشہ اصحابِ رسول ﷺ کے دفاع کے لیے وقف کئے رکھا۔ خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم، اہل بیتِ رسول علیہم السلام، ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن اور بناتِ طاہرات کی شرعی عظمتوں، رفعتوں اور مرتبوں سے مُسلمانانِ عالم کی قامتِ زیبا پر محبت و اخوت کی عُباء مزیّن کرنے والے خوش بخت عالم دین کی علمی، تعلیمی، تصنیفی، تحریکی، سیاسی، روحانی اور سماجی خدمات کا انمول مرقع!

تحقیق و تصنیف
حافظ عبد الجبار سلفی

ناشر:
ادارہ مظہر التحقیق
0321-4145543/0300-4273864

# تذکرۂ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ

(۱۹۱۵......۲۰۱۴ء)


اشاعتِ اوّل ........................ اگست ۲۰۱۶ء

مُصنف ........................ مولانا حافظ عبدالجبار سلفی

تعداد ........................ ۱۱۰۰

ناشر:

**ادارہ مظہر التحقیق**

برائے رابطہ: مولانا عبدالرؤف نعمانی، خطیب جامع مسجد میاں برکت علی

ذیلدار روڈ، اچھرہ، لاہور

0321-4145543/0300-4273864

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# انتساب

میں اپنی اس محنتِ شاقہ اور جگر کاوی کو قائد اہل سنت، وکیلِ صحابہ کرامؓ، مظہرِ شریعت و طریقت، حضرت مولانا قاضی مظہر حُسین رحمہ اللہ، فاضلِ اجل دارالعلوم دیو بند۔ خلیفۂ مجاز شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حُسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے نام نامی سے منسوب کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں، جن کی مُعتدل جُہدِ مُسلسل کے آگے اہلِ باطل کی بجلیوں کے کُوندے ماند پڑ گئے، جن کے ولولۂ ایمانی سے گلشنِ عمل میں بہار آئی۔ اور جن کی شوخیٔ تحریر نے روافض و خوارج کے نظریاتی ایوانوں میں دراڑ ڈال کر رکھ دیئے۔

الحمدللہ! کتاب ہذا کا حقیر مصنف حضرت اقدس رحمہ اللہ سے اپنی نسبت پر نازاں وشاداں ہے اور ان کی فکر ونظر کو اہلُ السنت والجماعت کے لیے باعثِ فخر وتقلید سمجھتا ہے! اللہ کریم تاریک راہوں کے مسافروں کو آپ کی فکری روشنی نصیب فرمائے۔ اور جنت الفردوس میں آپ کو اعلیٰ مقام عطا کرے۔ آمین

عبدالجبار سلفی

# ایک ضروری وضاحت

کوئی مُصنف، مرتّب، مؤلف یا ادارہ اس کتاب کو یا اس کے کسی پیرایہ اور عبارت کو کتاب اور مصنف کا حوالہ دیئے بغیر درج کرنے کا اخلاقی حق نہیں رکھتا۔ کیونکہ اس کتاب کا ایک نامکمل مگر اہم ابواب کا کمپیوٹر پرنٹ چند افراد کی چالاکی اور تیزیٔ طبع کی وجہ سے اُن کے ہاتھ آ گیا تھا، جس کی بناء پر مصنف کو خدشہ ہے کہ وہ اس میں اپنے خیالات و نظریات شامل کر کے شائع کروانا چاہتے ہیں۔ اہل علم باخبر رہیں، مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی تفصیلی سوانح آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کے تحقیقی مباحث کو کوئی شہرت پسند، زر پرست، حاسد اور سرقہ باز اگر شائع کرے گا تو یہ اس کی علمی بد دیانتی، غیر شرعی حرکت اور گھٹیا پن متصور ہوگا۔ زیرِ نظر کتاب کے متعلق اشاعت سمیت کسی بھی قسم کی معلومات کا جس کسی کو شوق اُبھرے تو وہ براہِ راست مصنف سے رابطہ کرے۔ شکریہ

عبدالجبار سلفی
0322-8464167

# حُسنِ ترتیب

## باب نمبر 1

## باب نمبر 2



## باب نمبر 3

## باب نمبر 4



## باب نمبر 5

## باب نمبر 8

## باب نمبر 9



## باب نمبر 10



## باب نمبر 11



## باب نمبر 12



## باب نمبر 13

## باب نمبر 16



## باب نمبر 17

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# سُخنِ اوّل

محقق العصر حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ (متوفی دسمبر ۲۰۱۴ء) کا جب انتقال ہوا تو راقم الحروف کا ایک مضمون بعنوان ''مولانا محمد نافع رحمہ اللہ، چند یادیں، چند باتیں'' شائع ہو کر ماہ نامہ حق چار یار بابت فروری ۲۰۱۵ء کے صفحات کی زینت بنا۔ اس مضمون کے چند اقتباسات یہ ہیں:

''یہ جون ۲۰۰۳ء کی ایک گرم دوپہر تھی۔ اچانک میرے دماغ سے خیالی جھونکا گزرا اور میں آناً فاناً محمدی شریف جھنگ جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اپنے محبوب بندے باعمل عالمِ دین، عظمتِ صحابہؓ کے شیدائی، دفاعِ صحابہؓ کے جذبہ سے سرشار، انتہائی پُرجوش، مگر اس سے بڑھ کر پُرہوش، علم و تحقیق کے زراحمر، سادگی، عاجزی اور ملنساری میں اپنی مثال آپ، حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی زیارت کا جذبہ کچھ ایسا بھر دیا کہ میں اپنا آپ بھول گیا اور ''رحماء بینھم'' ''حدیثِ ثقلین، بناتِ اربعہ، سیرت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہم ایسی لبریز از علم اور معاندین کے لیے لبِ تیغ کتابوں کے عالی مرتبت مصنف سے ملنے کو بے چین ہو گیا۔ لاہور سے چنیوٹ اور چنیوٹ سے جامعہ آباد تک سفر کے دوران میں اپنے دماغ میں اس عظیم عالم دین کے کئی نقشے بناتا اور پھر محو کرتا گیا۔ زیارت اور شوقِ ملاقات کا یہ حال تھا کہ مجھے بازوؤں کی جگہ گویا عقاب کے پَر لگ گئے تھے، چونکہ جامعہ سٹاپ سے آگے قصبہ محمدی شریف جانے کے لئے تانگے اور رکشے کے چلنے کا انتظار میرے لیے قیامت سے کم نہیں تھا، اس لیے میں نے پیدل ہی ''اڑان'' بھری اور تین، چار کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے قصبہ محمدی شریف پہنچ گیا۔ ایک راہگیر سے گھر کا پتہ پوچھا تو وہ میرے ساتھ چل پڑا اور کہا میں آپ کو ''نافع بابا'' کے گھر چھوڑ کے آتا ہوں۔ میں اس کے ساتھ چل پڑا اور میری آنکھوں میں جگنو چمک رہے تھے، میرا دل چاہتوں کا چشمۂ صافی بنا ہوا تھا، لے جانے والے نے مجھے ایک کچے مکان کی حویلی کے پاس چھوڑا اور کہا یہ ''نافع بابا جی'' کا گھر ہے۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا، وہ جا چکا تھا اور میں دروازے پر دستک دینے سے پہلے سوچوں کے دریا میں ڈوب گیا۔ مجھے اس کچے مکان کے گارے سے محبتِ صحابہؓ کی وہ خوشبو آئی کہ شامتہ

العنبر اور عود وخس کی بے بسی پہ ترس آنے لگا اور مجھے یوں محسوس ہوا، جیسے دنیا بھر کے عالی شان محلات اور فلک بوس عمارتوں کے مکین، چمکیلے، بھڑکیلے لباسوں میں ملبوس اور انواع واقسام کے کھانوں کو مقصدِ زندگی سمجھنے والے شرمندہ شرمندہ سے لگ رہے ہوں۔

قصرِ مَر مَر سے شہنشاہ نے ازرہِ غرور
تری کٹیا کو جو دیکھا تو بہت شرمایا

لڑکھڑاتے ہاتھوں کے ساتھ میں نے دستک دی اور پھر روایتی جواب سننے کے لیے خود کو ذہنی طور پہ تیار کرلیا۔ مثلاً آپ کو آنے سے پہلے اطلاع کرنا چاہیے تھی؟ آپ بے وقت آدھمکے ہیں؟ آپ کا تعارف کیا ہے؟ کیوں ملنا چاہتے ہیں؟ پہلے کبھی آنا ہوا یا نہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ایک جواں بخت نے میری بدگمانیوں کا آئینہ کُرچی کُرچی کردیا اور اخلاقِ حسنہ کی اعلیٰ صفت کے ساتھ مکان کے اندر لے گیا۔ کچے کمرہ میں بچھی ایک چارپائی کے صاف ستھرے بستر پر پرخطۂ برصغیر کا آفتابِ علم اپنی کرنیں بکھیر رہا تھا، لاغر وضعیف جسم، آنکھوں پر موٹے شیشوں والی عینک، پتلی سی سادہ ٹوپی زیب سَر، آنکھوں میں علم وتقوٰی کا مخصوص نور، اُجلا لباس زیب تن، خوبصورت، تروتازہ وروشن باوقار اور خوبصورت چہرہ، اور زمان ومکان پہ اپنی محبوبیت بکھیرنے والے محقق اہل سنت، ضیغم اسلام، حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کو دیکھتے ہی علامہ اقبال کی ''ضربِ کلیم'' مجھے بھولا ہوا سبق یاد کروا گئی:

؎ کہتا ہے زمانے سے یہ درویش جواں مرد
جاتا ہے جدھر بندۂ حق، تُو بھی اُدھر جا
ہنگامے ہیں میرے تری طاقت سے زیادہ
بچتا ہوا بُنگاہِ قلندر سے گزر جا
میں کشتی و ملاح کا محتاج نہ ہوں گا
چڑھتا ہوا دریا ہے اگر تُو، تو اُتر جا
توڑا نہیں جادو میری تکبیر نے ترا؟
ہے تجھ میں مکر جانے کی جرأت تو مکر جا
مہرومہ و انجم کا محاسب ہے قلندر
ایام کا مرکب نہیں، راکبِ ہے قلندر

اور قصبہ محمدی شریف کی دیہاتی وصحرائی زندگی کو شہری طمطراق پر ترجیح دے کر پوری زندگی استغناء اور خودداری سے گزارنے والی اس باکمال شخصیت کا جادو یوں سَر چڑھ کر بولا:

؎ فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندۂ صحرائی یا مردِ کوہستانی
دنیا میں محاسب ہے تہذیب فسوں گر کا
ہے اس کی فقیری میں سرمایۂ سُلطانی
یہ حسن و لطافت کیوں؟ وہ قوت و شوکت کیوں؟
بلبل چمنستانی، شہباز بیابانی
اے شیخ بہت اچھی ہے مکتب کی فضا لیکن
بنتی ہے بیاباں میں فاروقی و سلطانی
صدیوں میں کہیں پیدا ہوتا ہے حریف اس کا
تلوار ہے تیزی میں صہبائے مُسلمانی

آگے چل کر اس مضمون میں راقم نے مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے روزنامچوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ:

''پُرانے بزرگوں میں روزمرہ کے چیدہ چیدہ واقعات کو قلمبند کرنے کا بہت رجحان تھا۔ آج کل تو نہ ہونے کے برابر ہے اور اس کی بنیادی وجہ یہی سمجھ میں آتی ہے کہ اب ہم اپنے ضمیر کا سامنا نہیں کر سکتے اور ڈائری ضمیر کا ریکارڈ ہوتی ہے۔ ان لوگوں کا جنون اور تمام تر جدوجہد دینِ متین کی سربلندی کے لیے ہوتی تھی اس لیے ان کا تمام تر وقت مطالعہ، تدریس، تبلیغ، فرقہائے باطلہ کا تعاقب اور اپنی ذاتی اصلاح کے لیے نماز و نوافل، تلاوت، وظائف اور صبر و توکل میں صَرف ہوتا تھا، اب زیرو میٹر گاڑی، پلاٹ، پلازے، خوبصورت و قیمتی لباس، تفاخر، تصنع، بناوٹ، تکلف، تکبر، کتاب دشمنی، عدم حوصلہ و تحمل اور مادیت پرستی کے دلدل میں ناف تک دھنسے ہوئے ''اہلِ علم'' بے چارے اپنی ڈائریوں میں لکھیں تو کیا لکھیں؟ اب عزت کا معیار گاڑی اور چار عدد کلاشنکوف بردار آ ٹھہرے۔ خیر یہ ایک مستقل مرحلۂ ماتم ہے، مگر اہل سنت ماتم بھی تو نہیں کر سکتے؟ سو کڑوے کسیلے گھونٹ پی کر ہی رہ جاتے ہیں اور فصبرٌ جمیل کے جامِ یعقوب سے مزے اڑاتے ہیں۔''

اسی طرح راقم الحروف نے حضرت مولانا علیہ الرحمۃ کی ڈائریوں پر تبصرہ کرتے ہوئے ان الفاظ میں خواہش کا اظہار بھی کیا تھا:

''مشتے نمونہ از خروارے مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی ڈائریوں میں کچھ اقتباسات آپ کے پیشِ خدمت کیے ہیں۔ ان سے حضرت کی ہمہ جہت شخصیت اور ہمہ گیر مصروفیات کا طائرانہ اندازہ کیا جاسکتا ہے اگر آپ اس سلسلہ میں محسوس کرتے ہوں کہ اس کام کا دائرہ بڑھا کر مستقل توجہ دینی چاہیے اور حضرت مولانا محمد

نافع رحمہ اللہ کی سوانح اور ڈائریوں پر تحقیقی وتوضیحی اور تشریحی کام ہونا چاہیے تا کہ آنے والی نسلیں اس عظیم المرتبت شخصیت سے رہتی دنیا تک فائدہ اٹھاتی رہیں تو ہمیں مطلع فرمائیں تا کہ ہم اس سلسلہ میں بھاگ دوڑ کر کے اپنی اور آپ کی خواہش کی تکمیل کر سکیں۔'' ❶

## تصنیف کا آغاز:

مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی رحلت کے ڈیڑھ ماہ بعد آپ رحمہ اللہ کے دونوں صاحبزادگان جناب میاں مختار احمد صاحب عمر اور جناب میاں غلام ابوبکر صدیقی صاحب، دارالکتاب لاہور کے منتظم جناب حافظ محمد ندیم صاحب کے ہمراہ میرے ہاں لاہور تشریف لائے اور مجھے اپنے والد گرامی رحمہ اللہ کی سوانح حیات رقم کرنے کا حکم دیا، ان دنوں بندہ کا سفرِ عمرہ طے تھا، ان حضرات سے وعدہ کر لیا کہ ان شاء اللہ واپسی پہ کام کا آغاز کر دوں گا۔ چنانچہ بندہ اپنے اہل خانہ کے ہمراہ مؤرخہ ۲، مارچ ۲۰۱۵ء بروز پیر حجاز مقدس کو روانہ ہو گیا اور مؤرخہ ۳۱ مارچ بروز منگل صبح سات بجے پاکستان واپسی ہوئی۔ اس کے چند دن بعد راقم الحروف حافظ محمد ندیم صاحب کے ہمراہ قصبہ محمدی شریف گیا، ایک دن وہاں گزار کر کتاب سے متعلقہ ضروری مطلوبہ مواد، خطوط اور ڈائریوں میں چند ڈائریوں کا انتخاب کر کے واپس لاہور آیا اور پھر ''چل مرے خامہ بسم اللہ'' کہہ کر اپنی پوری بساط اور ہمت کے ساتھ اپنا کام شروع کر دیا۔ اس دوران مجھے کس قسم کی رکاوٹوں اور آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا؟ وہ فی الحال یہاں حیطۂ تحریر میں نہیں لایا جا سکتا۔ تاہم اتنا ضرور ہے کہ یہ کتاب تصنیف کرنے میں جتنی بھی مشکلات پیش آئیں، ان میں میرے لیے روحانی سکون اور قلبی طمانیت کا ایسا ذخیرہ موجود تھا کہ میں مصائب کے بطن سے آرائش کا جنم دیکھ کر ہکا بکا رہ جاتا۔ الحمد للہ! اللہ تعالیٰ نے نہایت سُرعت اور کامیابی کے ساتھ یہ کام مکمل کروایا۔ راقم الحروف نے کتاب ہذا میں تمام مندرجات اور واقعات از روئے تحقیق پورے استناد اور وثوق کے ساتھ شامل کیے ہیں۔ اور کوئی ایسی بات عمدًا ایسی نہیں لکھی جو مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے افکار و نظریات یا ان کے فلسفۂ اعتدال سے متصادم ہو، اس کے باوجود بھی اگر کوئی کمی کوتاہی پائی جائے تو اس میں راقم الحروف کی کم علمی، کم ظرفی اور پس ہمتی کا دخل ہے۔ جس سے غض بصر کر لیا جائے تو احسان ہوگا۔ اور علمی و تحقیقی اعتبار سے اگر راقم کو آگاہ کر دیا جائے تو احسان عظیم!

راقم الحروف میاں مختار احمد عمر، میاں غلام ابوبکر صدیقی، حافظ محمد ندیم، جناب شبیر احمد خان میواتی، اور مولانا عبدالرؤف نعمانی کا بصمیم قلب شکریہ ادا کرتا ہے کہ ان حضرات کے قیمتی مشوروں نے مجھے یہ گھاٹی عبور کرنے

❶ مضمون از قلم عبدالجبار سلفی، مطبوعہ ماہنامہ حق چار یار، فروری ۲۰۱۵ء

کا حوصلہ دیا۔ سرگودھا سے مولانا مفتی شاہد مسعود اور فیاض احمد باجوہ نے بھی اپنی قیمتی آراء سے نوازا، وہ تمام حضرات بھی شکریے کے مستحق ہیں جو گاہے گاہے کتاب کی تکمیل کے لیے مسلسل برقی رابطوں سے مجھے اُکساتے رہے۔ اور ناسپاسی ہوگی اگر میں اپنے اہل خانہ کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور دستِ دعا نہ اٹھاؤں، کہ انہوں نے مجھے ہر قسم کے خانگی و خاندانی معاملات میں الجھنے نہ دیا اور میری وقت، بے وقت کی چائے، پانی اور دیگر جُملہ ضرورتوں کا اپنی وسعت سے بڑھ کر خیال رکھا۔ اسی طرح برادرم عبدالستار اعوان اور عزیزم حافظ عثمان حسن نے پروف خوانی کی۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی جھولیاں خیر و برکت سے بھر دے اور مولانا محمد نافع رحمہ اللہ سمیت تمام اہل حق کی معیت میں قیامت کے دن ہمیں اپنی رحمت و کرم کے بادل نصیب فرمادے۔ آمین

عبدالجبار سلفی
۳۶۱۔ ایل بلاک سبزہ زار سکیم ملتان روڈ، لاہور
۳، اگست ۲۰۱۶ء، بروز منگل
بوقت بین المغرب والعیشاء

# باب نمبر 1

## آباء واجداد کا تذکرہ

- ……حضرت میاں امام الدینؒ المعروف میاں محمدی (جد اعلیٰ)
- ……حضرت مولانا میاں عبدالرحمٰنؒ (جد امجد)
- ……حضرت مولانا میاں عبدالغفورؒ (والد گرامی)
- ……ولادت وتعلیم علامہ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ

اور خاندان کے دیگر حضرات کے حالاتِ زندگی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# آباء واجداد، خاندان اور وطن

چنیوٹ پہلے ضلع جھنگ میں تھا اب مستقل ضلع بن چکا ہے۔ پنجاب کے یہ دو اضلاع اپنی مٹی کے اثرات کے اعتبار سے انفرادیت کے حامل ہیں۔ یہاں کے لوگ بھی دیگر لوگوں کی طرح مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھتے ہیں، بہت زیادہ پڑھے لکھے بھی ہیں، اور کم پڑھے لکھے بھی ہیں، یہاں کے علماء وفضلاء اور شعراء وادباء میں سے بعض ملک گیر اور بعض جہاں گیر شہرت کے مالک ہیں۔ معاشی واقتصادی اور کنبہ و قبیلہ کے لحاظ سے فطری، طبقاتی تقسیم کے باوجود یہاں کے لوگ باعتبار مزاج ''گرم'' ہیں۔ اور یہ گرمی بطور نفرت یا تعنت کے نہیں، بلکہ یہ ان کے خون میں شامل ہے۔ جذباتیت اور لب ولہجے کی تیزی بھی ان کے مزاج کا پتہ دیتی ہے۔ یہاں کے جرائم پیشہ لوگ جُرم کے نشان چھوڑنے میں جری ہیں تو مذہبی ودینی لوگ غیرتِ مذہبی پر خون کا آخری قطرہ تک بہا دینے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کا اپنا ایک نظام ہے اور یہ نظام ہی دراصل ساری کائنات کی جان ہے، جس طرح سنگلاخ پہاڑوں اور چٹانوں سے ٹھنڈے ومیٹھے پانی کے چشمے بہتے ہیں، جس طرح سنگِ مرمر سے زیتون کی نازک کونپلیں پھوٹ پڑتی ہیں اور جیسے نوک دار کانٹوں سے گلاب کے سرخ وسفید پھول کھل اٹھتے ہیں، بعینہٖ اس کھردرے خطہ سے اور نہایت جذباتی معاشرہ میں اللہ تعالیٰ نے قریہ محمدی شریف سے مولانا محمد نافع کو پیدا کیا۔ اس مٹی سے اس قدر معتدل، صابر، قانع، متبحر، ذی حشم، پیکر عجز ونیاز اور بے مثال وباکمال شخصیت کا پیدا ہونا ہی ایک مستقل اور دلچسپ عنوان ہے۔ کیونکہ آگ اور پانی کے اس سنجوگ میں کئی تاریخی واقعات رُونما ہوئے، جس کی بڑی حد تک معلومات افزاء جھلکیاں ہمارے مخدوم وممدوح مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی ذاتی ڈائریوں میں موجود ہیں جو ۱۹۴۶ء سے لے کر ۲۰۱۴ء تک پھیلی ہوئی ہیں، اور اس کتاب کی دوسری جلد میں پورے کا پورا ریکارڈ پیش خدمت کیا جا رہا ہے۔ الحمد للہ علی ذلک.

جھنگ اور چنیوٹ کا ایک مخصوص مذہبی ماحول ہے۔ دیہی علاقوں میں قادیانیت اور شیعیت کا زور ہے۔ متموّل طبقہ غرباء کو اپنے شکنجے میں کس کے رکھتا ہے یہاں کی جذباتی طبیعتوں پر باطل فرقوں نے کئی بار منافع

بخش تجارت کی ہے۔ یہاں تک کہ چنیوٹ سے متصل چناب نگر (سابقہ ربوہ) میں قادیانیوں کا مرکز قرار پایا تو جھنگ کو شیعہ اسٹیٹ بنانے کی بھی بارہا مرتبہ کوششیں ہوئیں۔

اس منفرد اور مخصوص خطہ میں مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے آباء واجداد نے دریائے چناب کے کنارے ڈیرہ لگایا، رزقِ حلال، اور تقویٰ وطہارت سے عبارت ان کی زندگی قیامت تک آنے والوں کو ''زندگی'' گزارنے کا سلیقہ مہیا کرگئی۔ یہ عظیم خاندان بے حد وضع دار، خوددار، خاموش طبع اور ازسرتاپاء اخلاص ومروّت سے لبالب ہے۔

## علماءِ علم الانساب کا وضع کردہ ایک قول:

علماء نفسیات اور علم الانساب کے ماہرین کا کہنا ہے کہ آباء واجداد کی جملہ خصوصیات اور عظمت ومعنویت پوری آب وتاب کے ساتھ صرف تین نسلوں تک باقی رہتی ہے۔ اس کے بعد یہ فیضانِ آبائی بند ہوجاتا ہے اور آگے کاروباری سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ اور کَبَّرَنِیْ مَاتَ الْکُبَرَاء (بڑوں کی موت نے مجھے بڑا بنادیا) کی سی کیفیت ظاہر ہونا شروع ہوجاتی ہے۔ مگر یہ بھی نادر الوقوع ہے کہ بعض کا خمیر اخلاص وحمیت میں اس حد تک گوندھ دیا جاتا ہے کہ ان پر یہ قاعدہ صادق نہیں آتا، اور آگے کئی نسلوں تک ان کا اجراء فیضان علماء علم الانساب کی تحقیق کے پرخچے اڑا دیتا ہے۔ سیّدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نبوی فیض ان کی اولاد کے سترہ ہزار انبیاء علیہم السلام تک پھیلا، اور اس سے آگے، بلکہ بہت آگے خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ کر گویا ابدی عظمتوں کا امین بن گیا۔ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد اس امت کے بے شمار لوگ ایسے آئے کہ ان کی نسلوں کو اللہ تعالیٰ نے سونے کی زنجیر بنا دیا اور نسل درنسل وہ دین اسلام کے آفاقی اصولوں پر چلتے ہوئے خدمت دین کا مقدس ومطہر فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ اس سلسلہ میں متعدد مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں، مگر اپنے مجوزہ اس طویل سوانحی اور فکری وتاریخی سفر کے پیش نظر طوالت سے گریز کرتے ہوئے ہم کہیں گے کہ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے آباء واجداد بھی انہی خوش نصیب لوگوں میں سے تھے، جن کے زہد وتقویٰ اور علم وفضل کی لہروں نے کئی کھیتوں کو سیراب کیا اور ان کے خلوص ومروّت کے بحر تموج نے غیروں کو بھی اتنا متاثر کیا کہ اس کی نظیر لانا مشکل ہے۔

## حضرت امام الدین رحمہ اللہ المعروف فقیر صاحب:

آپ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے جد اعلیٰ تھے۔ جنہوں نے دریائے چناب کے کنارے دسویں صدی ہجری کے لگ بھگ بستی آباد کی۔ آپ رحمہ اللہ کھوکھر برادری سے تعلق رکھتے تھے اور آپ کے والد ماجد

حافظ اللہ داد رحمہ اللہ شاہ پور (سرگودھا) سے متصل ایک گاؤں ''دتنگی والا'' کے رہائشی تھے جو فکرِ معاش میں شہر لالیاں سے بجانب مغرب پانچ چھ میل کے فاصلے پر شاہ جیونہ [1] روڈ پر واقع موضع ''ولّہ'' میں آ کر رہائش پذیر ہو گئے تھے۔

## گاؤں کے نمبردار کی بیٹی سے عقدِ نکاح:

حافظ اللہ داد رحمہ اللہ کی شرافت طبعی سے متاثر ہو کر گاؤں کے نمبردار نے یہیں موضع ''ولّہ'' میں اپنی بیٹی کا نکاح ان کے ساتھ کر دیا تھا۔ جس کے چند برس بعد اللہ تعالیٰ نے بیٹا عطا فرمایا، اور اس نومولود کا نام ''امام الدین'' تجویز ہوا۔ اس زمانہ میں قرب وجوار میں تعلیم کا کوئی انتظام نہ تھا، چنانچہ امام الدین ملتان شہر میں حضرت خواجہ بہاء الحق زکریا رحمہ اللہ ملتانی کی خانقاہ میں تشریف لے گئے۔ وہاں تعلیم وتعلّم کے ساتھ زائرین کی خدمت اور لنگر خانے کی بعض ذمہ داریوں کا بار اٹھایا اور اپنے کام میں منہمک ہو گئے۔ اور کچھ عرصہ کے بعد بقدرِ ضرورت دینی تعلیم اور تربیت وسلوک کی منزلیں طے کرنے کے بعد وطن مالوف کو لوٹے۔

## قریہ محمدی شریف کی آبادکاری اور ایک کرامت کا ظہور:

اولیاء کی کرامت برحق ہے۔ جو چیزیں خارقِ عادات ہوں تو ان کا صدور وظہور یا تو نبی سے ہوتا ہے یا غیر نبی سے، اگر نبی سے دعویٰ نبوت سے پہلے ہو تو ''ارہاص'' کہلاتا ہے اور اگر دعویٰ نبوت کے بعد ہو تو ''معجزہ'' کہلاتا ہے۔ معجزہ وارہاص کی بے شمار مثالیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت سے قبل ومابعد کی زندگی میں ملتی ہیں جو مستند کتبِ احادیث میں موجود ہیں۔ اور اگر خرق عادت کا ظہور غیر نبی سے ہو تو دیکھا جائے گا کہ وہ ولی ہے یا غیر ولی، اگر تو پابند شریعت اور متبع سنت ہے تو اس کے ہاتھ سے ظاہر ہونے والی یہ چیز ''کرامت'' کہلائے گی۔ اور اگر وہ کوئی بڑا ولی یا کامل شیخ نہ ہو، بلکہ صرف ''صالح ونیک'' مشہور ہو تو پھر یہ چیز ''معونت'' کہلاتی ہے۔ اور اگر یہ خرق عادت چیز کسی ایسے بندے سے ظاہر ہو جو نہ معروف معنوں میں پابند شریعت ہو نہ معاشرے کا صالح اور باکردار انسان، تو اس کے ہاتھ سے ظاہر ہونے والی چیز ''استدراج'' جادو

---

[1] شاہ جیونہ ضلع جھنگ کا معروف قصبہ ہے۔ جہاں حضرت محبوب عالم رحمہ اللہ کا مزار ہے، آپ سلسلہ چشتیہ صابریہ کے معروف بزرگ تھے، ان کی اولاد میں ایک معروف بزرگ حضرت سید محمد غوث شاہ رحمہ اللہ ہیں، جو سات سو مربع زمین کے مالک تھے۔ آنے والے وقتوں میں بعض ناخلف اور نالائق لوگوں نے بزرگوں کے کردار کو بٹہ لگایا، اور سیاسی وجاگیرداری نظام رائج کر کے صرف اور صرف دنیا کے دھندوں میں پھنس کر رہ گئے۔ چنانچہ آج شاہ جیونہ خاندان وہاں دہشت اور رعونت کی علامت بن چکا ہے، جو کبھی محبت والفت اور للّٰہیت وشفقت علی الخلق کا نشان تھا۔ بلکہ شاہ جیونہ گدی پر شیعہ مسلط ہو چکے ہیں۔ پیر خضر حیات سجادہ نشین شاہ جیونہ ۱۹۵۵ء میں جھوک دایہ ضلع جھنگ میں ہونے والے مناظرہ میں شیعہ علماء کا میزبان وپشتی بان تھا، جس کا تفصیلی تذکرہ اپنے مقام پر موجود ہے۔ سلفی

یا بلفظ دیگر ''رنگ بازی'' کہلائے گی۔ ❶ چنانچہ حضرت امام الدین رحمہ اللہ جب وطن واپس لوٹے تو ان کے مرشد نے انہیں خلعتِ خلافت سے نوازتے ہوئے رخصت کیا، اور ایک تلقین بھی کی، اس تلقین کا ماخذ اگرچہ زبانی روایت سے زیادہ نہیں ہے، مگر پایۂ صداقت کو پہنچ جائے تو نہایت دلچسپ وعجیب ہے۔ بلکہ آنے والے وقتوں میں علم وعرفان کی لامتناہی بارش کا نزول، اور اس آبِ عرفان سے لاجُرعہ، یعنی بغیر سانس لیے ایک ہی گھونٹ سے. پی کر بھی سیراب نہ ہونے والوں کو دیکھ کر مذکورہ کرامت پایۂ تحقیق کو پہنچ ہی جاتی ہے۔ وہ کرامت کیا ہے؟ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے بڑے بھائی مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ کے سوانح نگار پروفیسر حافظ محمد سعد اللہ لکھتے ہیں:

''امام الدین نامی اس درویش کو گھر سے آئے اور اپنی والدہ سے جدا ہوئے کئی سال گزر چکے تھے، اس لیے وطن مالوف اور والدہ محترمہ کے لیے اداس ہوجانا ایک فطری امر تھا۔ بنا بریں شیخ سے گھر جانے کی اجازت چاہی، اور عرض کی کہ زندگی رہی تو پھر حاضری دوں گا، شیخ پہلے ہی چہرے مہرے سے اداسی اور ان کی باطنی وروحانی استعداد کا اندازہ لگا چکے تھے۔ شیخ نے بخوشی گھر لوٹ جانے کی اجازت دینے کے ساتھ اپنے روحانی فیض کو عام کرنے کی بھی اجازت دی۔ اپنے سلسلہ سہروردیہ کے ضروری اعمال اور پیر خانہ کے ساتھ عقیدت مندانہ تعلق قائم رکھنے کی تلقین فرمائی اور شیشم کے درخت کا ایک خشک عصا (چھڑی، ڈنڈا) پکڑاتے ہوئے فرمایا: رستے میں جہاں بھی ٹھہرو، وہاں اسے گاڑ دینا، جس جگہ یہ خشک عصا ہرا ہو جائے اور جڑ پکڑ جائے، وہی جگہ تمہارے مستقل ٹھہرنے اور روحانی فیض عام کرنے کا مقام ہوگا۔ شیخ سے رخصت ہو کر وطن واپس آتے ہوئے رستے میں کئی جگہ حضرت فقیر صاحب رات کو ٹھہرے، حسب ہدایت وہاں خشک عصا زمین میں گاڑا، مگر یہ عصا کہیں ہرا ہوا، نہ جڑ پکڑی، چلتے چلتے جب موجودہ بستی محمدی شریف کی جامع مسجد (عرف پکی مسجد) کی جگہ پر پہنچے تو یہاں ایک کنواں تھا، کنواں دیکھ کر فقیر صاحب نے وضو کیا۔ نماز پڑھی اور رات یہیں گزارنے کا فیصلہ کیا۔ رات کو حسب ہدایت کنویں کے کنارے خشک عصا گاڑ دیا اور محو استراحت ہو گئے۔ صبح اٹھے تو دیکھا کہ یہ خشک عصا خرق عادت کے طور پر ہرا ہو چکا اور جڑ پکڑ چکا تھا۔ سمجھ لیا کہ پیر ومرشد کے فرمان کے مطابق یہی مقام ان کے مستقل ٹھہرنے اور قیام کرنے کی جگہ ہے۔ اس جگہ پر کنگر برادری کے لوگ آباد تھے۔ بتایا جاتا ہے کہ اس آبادی کے نمبردار کا نام ''سلطان کنگر'' تھا۔ فقیر صاحب نے اسے بتایا کہ میرے شیخ کے فرمان اور واضح نشانی کے مطابق یہ جگہ ان کی مستقل جائے قیام ہے۔ اس جگہ کے بدلے اللہ تمہیں بڑا اجر اور نقد برکات عنایت فرمائے گا۔ سلطان کنگر عصا والی

❶ مولانا محمود حسن گنگوہی ''ملفوظاتِ فقیہہ الامت جلد اول، قسط آخر صفحہ نمبر ۸۵ مطبوعہ ۱۹۸۶ء۔

کرامت دیکھ کر یہ جگہ فقیر صاحب کو دینے پر رضا مند ہوگیا۔ اس نے صرف یہ محمدی شریف والی جگہ ہی نہیں بلکہ ازرہِ عقیدت اردگرد کی مزید سات کنوؤں کی زمین بھی فقیر صاحب کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کرکے دعائیں لیں۔ اور خود یہاں سے کوئی پانچ چھ فرلانگ کی مسافت پر مغرب کی جانب ڈیرہ لگالیا۔ جو آج کل ''قلعہ کنگراں'' کے نام سے مشہور ہے۔.......... فقیر صاحب نے اپنی اس جائے قیام اور آبادی کا نام شاید امت محمدیہ اور حضور ﷺ کے اسم گرامی کی پاک نسبت سے ''محمدی'' تجویز کیا۔ جوان کے وجود مسعود، کامل ایمان وعمل صالح، زہد وتقویٰ اور پاکیزہ سیرت واَخلاق کے باعث آگے چل کر ''محمدی شریف'' کے نام سے مشہور ہوئی۔ اور خود (حضرت امام الدین رحمہ اللہ نے) محمدی جوان کے اسم بامسمی لقب یا عرف سے علاقے میں شہرت پائی۔'' ❶

## کڑک محمدی:

حافظ محمد ادریس صاحب مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے ساتھ ایک ملاقات میں اپنی یادیں تازہ کرتے ہوئے مذکورہ کرامت کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''بعض لوگوں کے نزدیک یہ کرامت بھی ہوگی، مگر حقیقت یہ ہے کہ بعض درختوں کی شاخیں موسم بہار میں، بالخصوص دریاؤں یا نہروں کے کنارے زمین میں قلم کی صورت میں لگائی جاتی ہیں اور وہ ہری بھری ہو جاتی ہیں اور ایک درخت کی صورت اختیار کرلیتی ہیں۔ جامعہ محمدی جس جگہ آج آباد ہے، یہ دریائے چناب سے زیادہ دور نہیں، ممکن ہے اس زمانے میں دریا اور بھی قریب سے گزرتا ہو، اس علاقے میں یہ شاخ ہری ہوگئی۔ بزرگ نے یہیں ڈیرہ لگالیا ''کڑک'' جنگلی زبان میں خشک لکڑی کو کہتے ہیں۔ پنجابی میں سوکھی ہوئی چیز کو ''کڑک'' کہا جاتا ہے۔ اسی نسبت سے بستی کا نام ''کڑک محمدی'' پڑ گیا، بعد میں یہاں جامعہ محمدی قائم ہوئی تو اس نے اتنی شہرت پکڑی کہ کڑک صرف کاغذوں میں رہ گیا، زبانوں پر بستی کا نام جامعہ محمدی شریف چڑھ گیا اور اب یہی زبانِ زدعام ہے۔'' ❷

## تبصرہ:

حافظ صاحب موصوف غالباً یہ واقعہ تسلیم کرنے پر تو رضامند ہیں، مگر اسے کرامت کہنے میں متذبذب ہیں۔ اس لیے انہیں ''موسم بہار'' میں ''دریاؤں اور نہروں'' کے کنارے گھومنا پڑا۔ حالانکہ یہ بلاوجہ کا تکلف

❶ محمد سعد اللہ/ سوانح مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ/ مئی ۲۰۱۰ء/ صفحہ نمبر ۳۳/ مطبوعہ لاہور۔

❷ حافظ محمد ادریس/ عزیمت کے راہی حصہ پنجم/ جولائی ۲۰۱۵ء/ صفحہ نمبر ۲۹۳/ مطبوعہ ادارہ معارف اسلامی منصورہ، ملتان روڈ۔ لاہور

ہے۔ اگر واقعہ ایسا ہی ہے جیسے کہا جا رہا ہے تو ملتان میں شیخ کو ایک خشک عصا دے کر باضابطہ تلقین کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ بہرکیف اگر واقعہ صحیح ہے تو اسے کرامت تسلیم نہ کرنا خشک مزاجی کے سوا کچھ نہیں، لہٰذا قبول کرنے میں تامل نہیں ہونا چاہیے علاوہ ازیں مولانا محمد نافع ؒ کے خاندان میں ایک نہایت قریبی رشتہ دار (یعنی بھتیجے) اور صاحب علم نے ''محمدی شریف'' کی وجہ تسمیہ کے حوالہ سے جو کچھ لکھا ہے، وہ زیادہ معتبر محسوس ہو رہا ہے۔ چنانچہ مولانا فضل کریم سیالوی لکھتے ہیں:

''حضرت فقیر (حافظ امام الدین ؒ صاحب) قریباً گیارہویں صدی ہجری میں گزرے ہیں۔ اپنے علاقہ کے مشہور و معروف صاحب کرامات بزرگ تھے۔ حضرت غوث بہاؤ الدین زکریا ؒ ملتانی کی اولاد میں سے جو بزرگ اس دور میں مجاز تھے، ان سے فقیر صاحب ؒ موصوف فیض یافتہ تھے، سلسلۂ روحانی سہروردیہ خاندان کے ساتھ منسلک تھا۔ حضرت فقیر صاحب ؒ کے نام نامی کے ساتھ یہ قریہ منسوب ہے۔ پُرانے کاغذات وتحریرات میں اس کا نام ''موضع امام الدین'' لکھا جاتا تھا، بعد میں عوام النّاس نے تخفیفِ لفظی کرتے ہوئے اس نام کو ''میاں مامدی'' بنا دیا۔ جس کو اہل علم حضرات نے ''محمدی'' کے نام سے موسوم کیا۔'' ❶

حضرت فقیر میاں امام الدین ؒ کی اور بھی کرامات مشہور ہیں، مثلاً طاہر نامی ایک جوان کو باطنی توجہات سے آناً فاناً حافظ قرآنِ مجید بنا دینا، قریہ محمدی شریف کا آپ ؒ کے تقویٰ وطہارت کی برکت سے چوری وڈکیتی سے محفوظ رہنا، قریہ محمدی شریف میں تمباکو کی کاشت سے لوگوں کو روکنا اور پھر اس ممانعت کے اثرات کا آج تک باقی رہنا، ڈھول بجانے والوں اور ناچ رقص جیسے پیشے کرنے والوں کو مذکورہ قریہ میں سکونت نہ دینا اور اس کا آج تک باقی رہنا، وغیرہ وغیرہ زبان زد عام وخواص ہیں، البتہ ان کا ذکر کرتے ہوئے کفرانِ نعمت کے حوالہ سے حافظ محمد سعد اللہ صاحب کا یہ کہنا بجا ہے کہ:

''چوری سے محفوظ رہنے والی برکت فقیر صاحب کی زندگی میں ہی نہیں بلکہ صدیوں بعد بھی موجود رہی۔ مگر جب خود اہالیانِ محمدی شریف ہی ناشکرے ثابت ہوئے اور چوری میں ملوث ہو کر اور باہر کے چوروں کے معاون ومددگار بن کر کفرانِ نعمت کرنے لگے تو اللہ کریم نے یہ برکت اٹھالی۔'' ❷

چنانچہ لوٹ کھسوٹ اور چوری چکاری کے واقعات مولانا محمد نافع ؒ کی ذاتی ڈائریوں میں تاریخ، وقت، چوروں کی تعداد، متعلقہ برادری اور مال مسروقہ کی پوری تفصیل کے ساتھ موجود ہیں۔ جو قدرے خراش تراش کے ساتھ آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔

---

❶ ماہ نامہ ضیائے حرم لاہور ''شمس العارفین نمبر'' جنوری ۱۹۸۰ء/ بہ ادارت پیر حضرت کرم شاہؒ۔

نوٹ: یہ سطور دراصل مولانا محمد نافع کے مضمون کی ہیں، اس پر تبصرہ اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔

❷ تذکرہ مولانا محمد ذاکر/ مصنف/ مطبوعہ سن ومقام ایضاً/ صفحہ نمبر ۳۸۔

## مولانا محمد نافع کے دادا گرامی! مولانا میاں عبدالرحمٰن (متوفی ۱۳۳۰ھ):

حضرت فقیر صاحب رحمہ اللہ (میاں امام الدین رحمہ اللہ) کے اپنے اور آگے مزید دو، تین بزرگوں کے مکمل احوال کہیں نہیں ملتے۔ البتہ تیرھویں صدی ہجری میں اپنے آباء کی جانشینی کا سہرا جن کے سر سجا، وہ حضرت مولانا میاں عبدالرحمٰن صاحب تھے۔ آپ بھی کامل درجہ کے ولی اور نہایت خدارسیدہ بزرگ تھے۔ ان کے احوال خود مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے قلم بند فرمائے تھے، جو کاتب الحروف کو ان کے ذاتی ذخیرہ سے میسر آئے ہیں۔ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی تمام تر صفات میں سے ایک نہایت اعلیٰ صفت ''میانہ روی'' تھی اور یہ میانہ روی صرف قول کی حد تک نہ تھی، بلکہ رہن سہن، بودو باش، خوراک و پوشاک، محبت وعقیدت اور یہاں تک کہ مخالف کے ساتھ طرزِ تخاطب تک میں چھلکتی ہے۔ چنانچہ آپ رحمہ اللہ نے اپنی محتاط اور حساس طبیعت کے پیش نظر اپنے آباء کے احوال قلم بند کرتے ہوئے بھی کسی قسم کی کوئی مبالغہ یا حاشیہ آرائی نہ کی، وگرنہ آج کل تو لوگ اپنے بزرگوں کی ''ناکردہ'' نیکیوں کو بھی ان کے کھاتے میں ڈال دیا کرتے ہیں اور خود کردہ گناہوں پر ذرہ برابر ندامت ظاہر نہیں کرتے۔ غلوِ عقیدت ایک موذی مرض ہے۔ یہودیت ونصرانیت اور شیعیت وخارجیت کی پہلی اینٹ یہی تھی۔ اس لیے اپنے جد امجد کے جو حالات مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے خود لکھے ہیں اور اپنی بیاض میں محفوظ رکھے وہ ہر اعتبار سے ثقہ اور بہترین معلومات پر مشتمل ہیں۔ البتہ ہم یہاں ایک انکشاف کرنا ضروری سمجھتے ہیں، کیونکہ اس سے کسی بھی وقت بہت بڑی غلط فہمی پیدا ہوسکتی ہے اور مولانا محمد نافع رحمہ اللہ جیسی عظیم ہستی موضوعِ سخن بن سکتی ہے۔

## ایک ہی مضمون دو مختلف ناموں سے کیسے شائع ہوگیا؟

مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے اپنے دستِ مبارک سے خاندان کے بعض بزرگوں کے احوال لکھے تھے۔ جد امجد مولانا میاں عبدالرحمٰن رحمہ اللہ کے حالات والا قلمی مسودہ کاتب الحروف کے پیش نظر ہے۔ اس کے اختتام پر ۱۱، دسمبر ۱۹۷۹ء بمطابق ۲۰ محرم الحرام ۱۴۰۰ھ کی تاریخ اور سن درج ہے اور یہی مضمون مولانا حافظ محمد سعد اللہ صاحب نے اپنی کتاب ''تذکرہ مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ'' میں بھی شائع کیا ہے، لیکن عجیب بات یہ ہے کہ جب مولانا پیر کرم شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اپنی نگرانی میں ماہ نامہ ''ضیائے حرم'' لاہور کا ''شمس العارفین نمبر'' جاری کیا جو جنوری ۱۹۸۰ء میں شائع ہوا تھا تو مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کا یہی مضمون مولانا فضل کریم سیالوی کے

نام سے چھپا۔ جنوری ۸۰ء سے صرف ایک ماہ قبل دسمبر ۷۹ء میں لکھا جانے والا یہ مضمون یقیناً ماہ نامہ ''ضیائے حرم'' کے کار پردازان نے فرمائش کر کے مولانا محمد نافع رحمہ اللہ سے لکھوایا ہوگا، مگر اس کا مولانا فضل کریم سیالوی کے نام سے چھپنا سمجھ سے بالاتر ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہ مضمون مولانا فضل کریم سیالوی صاحب، جو مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے قریب ترین [1] رشتہ داروں میں سے ہیں، نے آپ رحمہ اللہ سے لکھوایا ہوگا اور پھر سیال شریف سے قربت کی بناء پر اپنے نام سے چھپوا دیا ہوگا، تاہم یہ طرز عمل اس وقت کے تقاضے کے پیش نظر تو اتنا قبیح نہ تھا، مگر مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی محتاط طبیعت کے پیش نظر اب اس کی اصل حقیقت کا منکشف ہونا نہایت ضروری ہے۔ تاکہ ریکارڈ درست رہے اور مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی عظمتِ علمی پر کوئی ہلکی سی بھی آنچ نہ آسکے۔ [2] اس وضاحت کے بعد اب جد امجد مولانا میاں عبد الرحمن کے حالاتِ زندگی ملاحظہ فرمائیے۔

---

[1] یعنی بھتیجے اور فرزند نسبتی ہیں۔

[2] صاحبزادہ میاں محمد ابوبکر (ابن مولانا محمد نافع رحمہ اللہ) نے راقم کو بتایا کہ یہ مضمون والد صاحب گرامی نے میرے سامنے لکھ کر مولانا فضل کریم سیالوی صاحب کے سپرد کیا تھا اور ساتھ ہی حکماً فرما دیا تھا کہ آپ کے نام سے ہی شائع ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔ فلہٰذا مذکورہ بحث اس مقامِ اطمینان پر مختتم ہوگئی کہ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے انہیں اس امر کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔

# مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے جد امجد

# حضرت مولانا میاں عبد الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ کا تذکرہ

حضرت خواجہ شمس العارفین رحمہ اللہ کی مشہور خانقاہ سیال شریف (تحصیل شاہ پور صدر، ضلع سرگودھا) میں بے شمار خوش بخت لوگوں نے حاضر ہو کر روحانی فیض حاصل کیا۔ ظواہری و باطنی علوم سے سیراب ہوئے۔ چشمہ معرفت جاری تھا۔ اکناف واطراف سے لوگ پہنچ کر اکتساب فیضان کرتے تھے۔ انہی حضرات میں حضرت میاں صاحب (مولانا عبد الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ) ساکن موضع محمدی شریف تحصیل چنیوٹ، ضلع جھنگ [1] بھی تھے۔ جنہوں نے حضرت اعلیٰ صاحب رحمہ اللہ موصوف کی روحانی درس گاہ سے شوق الٰہی کا سبق حاصل کیا۔ ذیل میں حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ مذکور کے مختصر سے حالات ناظرین کرام کی خدمت میں ذکر کیے جاتے ہیں:

## سلسلۂ نسب:

عبد الرحمٰن بن غلام محی الدین (المعروف میاں غلام) بن خدایار بن کریم بخش بن خیر محمد بن سعد اللہ بن میاں امام الدین صاحب (جد اعلیٰ) رحمۃ اللہ علیہ۔ آپ اپنے جد اعلیٰ کی ساتویں پشت میں شریک ہیں اور یہ تین بھائی تھے۔ عبد الرحمٰن، عبد الکریم اور عبد الرحیم۔ ان تینوں میں سے میاں عبد الرحمٰن بڑے تھے۔ حضرت فقیر صاحب رحمہ اللہ (حافظ امام الدین صاحب رحمہ اللہ) قریباً گیارہویں صدی ہجری میں گزرے ہیں۔ علاقہ ہذا کے مشہور و معروف صاحب کرامات بزرگ تھے۔

حضرت غوث بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمہ اللہ کی اولاد میں سے اس دور میں جو بزرگ صاحب مجاز تھے، ان سے حضرت فقیر صاحب رحمہ اللہ موصوف فیض یافتہ تھے۔ سلسلہ روحانی سہروردی خاندان کے ساتھ منسلک تھا۔ حضرت فقیر صاحب رحمہ اللہ کے نام نامی کے ساتھ یہ قریہ (محمدی شریف) منسوب ہے۔ پرانے کاغذات وتحریرات میں اس قریہ کا نام ''موضع امام الدین'' لکھا جاتا تھا۔ بعد میں عوام نے اوّل وآخر میں تخفیفِ لفظی

---

[1] اب چنیوٹ مستقل ضلع ہے اور قریہ محمدی شریف ضلع چنیوٹ کی حدود میں ہے۔

کرتے ہوئے اس نام کو ''میاں مامدی'' بنا دیا۔ اس کے بعد اسی نام کو اہل علم حضرات نے ''محمدی'' کے نام سے موسوم کیا۔

علاقہ ہذا میں ہمیشہ سے موضع مذکور کے لیے دینی و علمی و روحانی مرکز کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ حفظ القرآن اور دینی درس حضرت فقیر صاحب رحمہ اللہ موصوف کے دور سے جاری ہے اور یہ بغیر انقطاع کے مسلسل چلا آرہا ہے۔ بزرگوں کی برکات سے خدا کرے یہی دینی سلسلہ تا قیامت قائم رہے۔ مالک کریم کی جناب میں یہی امید کی جاتی ہے۔

## نیابت اور قائم مقام ہونا:

حضرت فقیر صاحب رحمہ اللہ موصوف کی اولاد میں ہمیشہ ایک جانشین (صاحب سجادہ) چلا آرہا ہے۔ حضرت میاں عبدالرحمٰن صاحب رحمہ اللہ خاندانی روایات کے اعتبار سے اپنے نانا جان میاں حافظ بدرالدین بن محمد یار بن کریم بخش رحمہم اللہ کے قائم مقام ہوئے تھے۔ مسجد کی آبادی، دینی درس اور حفظ القرآن وغیرہ امور آپ کی نگرانی میں جاری تھے۔ حافظ بدرالدین صاحب رحمہ اللہ اپنے دور کے بڑے با اخلاص زاہد اور متقی بزرگ تھے۔ حلال روزی کی تلاش ان کا خصوصی وصف تھا۔ حافظ صاحب رحمہ اللہ موصوف نے یہ اوصاف حمیدہ اپنے شیخ شمس الدین رحمہ اللہ ''شیخ جی چکی والے، ضلع کیمل پور سے حاصل کیے تھے۔ شیخ چکی والے رحمہ اللہ قریباً تیرہویں صدی ہجری کی ابتداء میں نہایت متقی صاحب ورع نقشبندی بزرگ گزرے ہیں۔ حافظ بدرالدین صاحب رحمہ اللہ ان سے فیض یافتہ اور صاحب مجاز تھے اور تیرہویں صدی ہجری کا وسط آپ رحمہ اللہ کا بابرکت دور ہے۔ وجہ یہ ہے کہ حافظ بدرالدین صاحب رحمہ اللہ موصوف کے دست مبارک سے ایک نسخہ قصیدہ بردہ شریف (بمع ترجمہ پنجابی اشعار کے) پایا گیا ہے۔ اس پر جناب نے اپنے دستخطوں کے ساتھ ۱۲۶۲ھ (بارہ سو باسٹھ ہجری) تاریخ درج کی ہے۔ [1]

---

[1] قولہ۔ تاریخ درج ہے: یہاں سے ذیل چیزیں معلوم ہوتی ہیں:
جناب حافظ بدرالدین صاحب رحمہ اللہ کی عربی تعلیم بڑی پختہ تھی اور عمدہ تعلیم یافتہ تھے۔ ادبی اشعار کے ساتھ آپ کا عمدہ ذوق تھا۔ قصیدہ بردہ شریف کو پنجابی زبان میں منضبط کرنا بڑا علمی کارنامہ ہے۔ معمولی تعلیم کا آدمی یہ کام سرانجام نہیں دے سکتا اور ظاہر بات ہے کہ جب آنموصوف رحمہ اللہ کا علمی مقام فائق تھا تو آنجناب کی سرپرستی و نگرانی میں عربی دینی تعلیم جاری رہتی ہوگی اور بے شمار لوگ ان کے فیض علم سے فیض یافتہ ہوئے ہوں گے۔ گویا حافظ بدرالدین صاحب رحمہ اللہ کے دور میں دینی تعلیم بھی جاری تھی اور روحانی فیض کا سلسلہ بھی قائم تھا اور لوگ دونوں قسم کے فیوض سے مستفید ہوتے تھے۔

## سیال شریف حاضری کا باعث:

حضرت میاں عبدالرحمٰن صاحب رحمہ اللہ کے برادری کے ایک قریبی رشتہ دار یعنی اپنے نانا بزگوار مذکور کے پوتے حافظ محمد امیر صاحب رحمہ اللہ (بن محکم دین بن حافظ بدر الدین رحمہ اللہ) گھر سے روپوش ہو کر کہیں چلے گئے تھے۔ ان کی تلاش کے لیے حضرت میاں عبدالرحمٰن صاحب رحمہ اللہ موصوف نے سفر اختیار فرمایا اور مختلف مواضعات میں ان کی تلاش کی خاطر چکر لگاتے ہوئے علاقہ خوشاب ضلع سرگودھا کے ایک دیہات میں پہنچے۔ اس علاقہ میں جا کر معلوم ہوا کہ یہاں ایک بزرگ بستی سیال شریف میں رہتے ہیں اور وہاں درس وتدریس کا بھی سلسلہ جاری ہے۔ اس اطلاع پر جناب میاں صاحب رحمہ اللہ وہاں تشریف لے گئے تو وہاں حافظ محمد امیر صاحب رحمہ اللہ سے ملاقات ہوگئی اور حضرت خواجہ شمس العارفین رحمہ اللہ کا شرف زیارت بھی حاصل ہوا۔[1] حافظ محمد امیر صاحب رحمہ اللہ نے اپنا حال احوال بیان کیا اور ذکر کیا کہ میں تو حضرت خواجہ صاحب رحمہ اللہ سے بیعت ہو چکا ہوں اور میں نے یہاں مستقل اقامت کا ارادہ کرلیا ہے۔

## حافظ محمد امیر صاحب رحمہ اللہ کی خدمات:

حافظ محمد امیر صاحب رحمہ اللہ موصوف اپنے شیخ کی خدمت بڑے اخلاص سے سرانجام دیتے تھے۔ خصوصاً دو کام حافظ صاحب رحمہ اللہ موصوف کے سپرد تھے۔ ایک تو قرآنِ مجید کے درس کے مدرس تھے اور دوسرا حضرت شیخ کی طہارت اور وضو کے لیے کوزہ (لوٹا) بھرنے کی سعادت ان کو نصیب تھی۔ دربار عالیہ پر جو درس قائم تھا، اس میں حضرت شیخ رحمہ اللہ کی اولاد شریف میں سے صاحبزادہ محمد امین صاحب رحمہ اللہ (جو حضرت شیخ کے پوتے تھے) بھی حافظ محمد امیر صاحب رحمہ اللہ کے ہاں قرآنِ مجید پڑھتے تھے۔ ایک دفعہ حافظ صاحب رحمہ اللہ نے صاحبزادہ صاحب کو کسی غلطی کی وجہ سے پیٹتے ہوئے اٹھا کر زمین پر دے مارا تو اس پر حضرت اعلیٰ صاحب رحمہ اللہ کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد الدین صاحب رحمہ اللہ، حافظ محمد امیر صاحب رحمہ اللہ سے سخت ناراض ہوگئے اور حافظ محمد امیر صاحب رحمہ اللہ اس وجہ سے کچھ وقت کے لیے غائب ہوگئے اور حضرت اعلیٰ صاحب رحمہ اللہ کے حضور میں مفوضہ خدمت سرانجام نہ دے سکے۔ حضرت اعلیٰ صاحب رحمہ اللہ نے حافظ محمد امیر صاحب رحمہ اللہ کو یاد فرمایا اور حاضر نہ ہونے کی وجہ دریافت فرمائی تو خدام نے عرض کیا کہ اس طرح واقعہ ہوا ہے اور صاحبزادہ محمد الدین صاحب رحمہ اللہ اُن سے ناراض ہوئے ہیں تو حضرت اعلیٰ صاحب رحمہ اللہ نے حافظ محمد امیر صاحب رحمہ اللہ کو بلوایا اور خطا درگزر کرتے ہوئے فرمایا، جس کا مفہوم یہ تھا کہ سزا دینے میں بچوں کی

---

[1] حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمہ اللہ مراد ہیں۔

ہڈیاں نہ توڑیں [1] باقی معاف ہے۔ چنانچہ حافظ صاحب مذکور تاحین حیات اسی خدمت پر مامور رہے اور ان کا انتقال بھی سیال شریف میں ہی ہوا اور گورستان ''دادا باغ'' میں مدفون ہوئے۔

## تشرف بیعت اور دواماً آمد و رفت:

سیال شریف میں حافظ محمد امیر صاحب رحمہ اللہ کے قیام کی وجہ سے میاں عبدالرحمٰن صاحب رحمہ اللہ کا یہ تعلق قائم ہوا۔ حضرت اعلیٰ صاحب رحمہ اللہ کی بابرکت مجلس میں شریک ہوئے۔ اس اثناء میں میاں صاحب رحمہ اللہ موصوف نے روحانی رابطہ قائم کرتے ہوئے شرف بیعت حاصل کیا۔ پھر یہ سلسلہ آمد و رفت دائماً جاری رہا۔ شوق وذوق میں اضافہ ہوتا گیا۔ میاں صاحب رحمہ اللہ موصوف کو اپنے شیخ رحمہ اللہ کے ساتھ کمال عقیدت تھی اور حضرت اعلیٰ رحمہ اللہ کی خدمت میں کثرت سے حاضر ہوتے تھے اور اپنے اشتیاق کی پیاس بجھاتے اور فیض مجلس سے سیراب ہوتے تھے۔ پھر اسی طرح علاقہ ہذا سے اور بھی بہت سے لوگ جناب میاں صاحب رحمہ اللہ کی معیت میں حضرت اعلیٰ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔ حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ موصوف نے اپنے اکلوتے بیٹے میاں عبدالغفور صاحب [2] رحمہ اللہ کو بھی صغرسنی میں ہی اپنے شیخ رحمہ اللہ حضرت اعلیٰ صاحب کی خدمت میں حاضر کیا اور بیعت کرا دیا تھا۔

ایک دفعہ حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ اپنے شیخ حضرت اعلیٰ صاحب رحمہ اللہ کی خدمت عالیہ میں اپنے بیٹے (میاں عبدالغفور صاحب) سمیت حاضر ہوئے۔ یہ صغیر السن تھے۔ تقریباً آٹھ سال عمر ہوگی۔ حضرت شیخ صاحب رحمہ اللہ کے حضور میں جیسے خود مؤدبانہ صورت میں دوزانو بیٹھے تھے، اسی طرح اپنے لڑکے مذکور کو بھی نہایت ادب کے ساتھ دوزانو شکل میں اپنے ساتھ بٹھایا۔ حضرت شیخ صاحب رحمہ اللہ نظر عنایت فرما رہے تھے۔ اسی اثناء میں حضرت شیخ صاحب کے پوتے (صاحبزادہ محمد امین صاحب) حضرت شیخ صاحب کی مجلس میں اپنے طفلانہ انداز میں اچھلتے کودتے ہوئے پہنچے تو حضرت شیخ رحمہ اللہ نے اپنے عزیز پوتے کو فہمائش کرتے ہوئے فرمایا: ''تم بھی آرام سے مجلس میں اسی طرح بیٹھو جس طرح (عبدالغفور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) وہ کھوکھر لڑکا ادب سے بیٹھا ہوا ہے۔''

---

[1] آج کل بعض مدارس میں بعض ناخواندہ قاری صاحبان قرآنی طلبہ پر جو وحشیانہ تشدد کرتے ہیں اور ہڈیاں تک توڑ دیتے ہیں، نہایت سفاکیت ہے۔ اس کی حوصلہ شکنی اور سدّ باب ہونا چاہیے۔ حضرت شمس العارفینؒ کی مذکورہ نصیحت قابل غور ہے یعنی بقدر ضرورت زجر و توبیخ استاذ کرسکتا ہے مگر ہڈیاں توڑنے کا قطعاً اختیار نہیں رکھتا۔ سلفی

[2] آپ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے والد گرامی تھے۔ ان کا تذکرہ اگلے اوراق میں آرہا ہے۔

حصولِ برکات کا یہ سلسلہ چلتا رہا اور اوراد و وظائف حاصل ہوتے رہے حتیٰ کہ حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ موصوف کو اپنے شیخ رحمہ اللہ (شمس العارفین سیالوی) سے اپنے سلسلہ کی اجازت بیعت بھی نصیب ہوئی۔ حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ کو ایک نسبت نیابت اپنے نانا جان حافظ بدر الدین صاحب رحمہ اللہ سے حاصل تھی۔ اب دوسری نسبت اپنے شیخ رحمہ اللہ کامل کے دربار سے فیضان ہوئی۔ اس طریقہ سے آپ دو نعمتوں سے متمتع ہوئے۔ ایک وقت پہنچا کہ آنحضرت شیخ شمس العارفین رحمہ اللہ کا ۲۴ ماہ صفر ۱۳۰۰ھ میں وصال ہو گیا۔ آنحضرت رحمہ اللہ کی مسند عالیہ پر آنجناب رحمہ اللہ کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد الدین صاحب رحمہ اللہ خلیفہ اور جانشین ہوئے اور ''حضرت ثانی صاحب رحمہ اللہ'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔

حضرت میاں عبد الرحمن صاحب رحمہ اللہ کامل نیاز مندی کے ساتھ حضرت ثانی صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے تھے اور بابرکت مجالس سے مستفید ہوتے تھے حتیٰ کہ اگر کوئی اہم چیز قابل مشورہ پیش آتی تو حضرت ثانی صاحب رحمہ اللہ کی طرف رجوع کرتے اور آنجناب رحمہ اللہ کے ارشاد کے موافق عمل درآمد کرتے تھے۔

## حصولِ اراضی کا مشورہ:

جب علاقہ ہذا میں نہری آبادی شروع ہوئی (یہ تقریباً ۱۸۹۵ء کا زمانہ تھا) حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ موصوف نے حضرت ثانی صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضری دی اور عرض کیا کہ اپنے علاقہ میں زمین آباد ہو رہی ہے۔ حکومت لوگوں میں زمین کے رقبے تقسیم کر رہی ہے۔ کس طرح ارشاد ہے؟ زمین کا نہری رقبہ حاصل کیا جائے یا نہیں؟ تو حضرت ثانی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: نہری رقبہ ملتا ہے تو لے لیں۔ اولاد کے کام آئے گا۔

## زہد و عبادت:

حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ کی درویشانہ زندگی تھی۔ عبادت الٰہی، ذکر اذکار شغل تھا۔ اپنی مسجد کے حجرہ میں قیام رہتا تھا۔ اپنے قریہ محمدی میں آبائی اور جدی تھوڑی سی زمین تھی۔ اسی کی آمدن پر گزر اوقات تھی۔ علاقہ میں جب نہری آبادی ہوئی۔ اپنے چک نمبر ۲۳۸ ر ج ب روڈہ کی آباد کاری کے دوران ایک دفعہ حضرت میاں صاحب موصوف رحمہ اللہ اپنے مربع میں تشریف لے گئے۔ تا حال مکان تو بنے ہی نہ تھے۔ زمین دوز ایک گہرائی بنا کر اس پر گھاس وغیرہ ڈال کر گزر اوقات کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ اس خلوت خانہ میں اوراد و وظائف میں مشغول تھے کہ ایک عورت آئی اور جو مزارع اور خدام وہاں موجود تھے، ان سے

دریافت کرنے لگی کہ ''سنا ہے محمدی والے میاں صاحب رحمہ اللہ یہاں آئے ہوئے ہیں۔ کہنے لگی کہ گڑی والے (سجادہ نشین) گڑی چھوڑ کر ان کاموں کے لیے آجاتے ہیں؟ اس عورت کی گفتگو حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ نے سن لی اور بڑے متاثر ہوئے۔ فرمایا: اللہ کریم نے اس عورت کی زبان سے یہ بات کہلا دی ہے اور فوراً اسی وقت تیاری کر کے اپنے موضع محمدی شریف میں واپس تشریف لائے اور پھر کبھی اپنے مربع میں تشریف نہیں لے گئے۔

## ایک مجذوب کے کشف کا واقعہ:

سردیوں کے موسم میں مسجد سے ملحقہ حجرہ میں نمازی نماز (جماعت) کے انتظار میں جمع ہوتے اور آگ جلا کر بیٹھتے تھے۔ ایک دفعہ نمازیوں میں میاں حماد کا تذکرہ چلا (میاں حماد ایک مجذوب فقیر تھے اور عموماً ننگے بدن پھرتے تھے) مجلس میں بعض لوگ کہنے لگے: ''حماد کیا فقیر کیا؟ لوگوں کے سامنے آبادیوں میں شرم گاہ ننگے کیے ہوئے پھرتا ہے، حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ موصوف مجلس میں موجود تھے۔ آپ نے میاں حماد کی طرف داری کرتے ہوئے فرمایا: تم بھی اسی طرح ننگے بدن ہو کر ایک دفعہ شہر میں چل کر دیکھو! اگر طاقت ہے! خیر مجلس ختم ہوگئی۔ لوگ چلے گئے۔ میاں صاحب رحمہ اللہ موصوف فرماتے تھے کہ میں حجرہ میں سویا ہوا تھا۔ اسی رات کو نصف شب کے قریب میاں حماد آئے۔ حجرہ کے باہر ایک درخت تھا، اس کے نیچے کھڑے ہو گئے۔ خطاب کرتے ہوئے فرمانے لگے: ''میاں عبدالرحمٰن جاگتے ہو؟'' میاں صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: ''ہاں جی''، فرمایا: ''شاباش آپ نے اچھا جواب دیا'' بس اتنا کہہ کر غائب ہوگئے۔

## سفرِ حج:

حضرت ثانی خواجہ محمد دین صاحب رحمہ اللہ کے دور کے بعد حضرت ثالث (حضرت خواجہ ضیاء الدین صاحب رحمہ اللہ) اپنے جد امجد کے جانشین ہوئے۔ اس دور میں بھی حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ باقاعدہ آستانہ عالیہ سیال شریف حاضر ہوتے تھے۔ ۱۳۲۹ھ میں حضرت ثالث صاحب رحمہ اللہ نے حج کی تیاری فرمائی تو اس مبارک سفر میں میاں عبدالرحمٰن صاحب رحمہ اللہ موصوف نے بھی اپنی پیرانہ سالی کے باوجود شرکت سفر کی سعادت حاصل کی اور شرف معیت کو غنیمت سمجھا۔ اس سفر میں اور بھی متعدد خلفاء وصلحاء شریک سفر ہوئے تھے۔ جس سال اس مبارک قافلہ نے حرمین شریفین کی حاضری دی، اس سال حج اکبر تھا۔

## محمدی شریف میں واپسی:

جب سفر حج سے واپسی ہوئی تو یہ تمام حضرات سیال شریف حاضر ہوئے۔ ماہ صفر والے بڑے عرس کا موقع آگیا تھا۔ یہاں محمدی شریف میں حج سے واپسی کی اطلاع بھی پہلے آچکی تھی۔ اس لیے محمدی شریف اور گردونواح کے کافی لوگ بطور استقبال وزیارت کے سیال شریف حاضر ہوئے۔ ۲۴ صفر المظفر کو اختتام عرس ہوا۔ حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ موصوف اس سفر میں کافی بیمار ہو گئے تھے۔ نہایت نحیف ولاغر تھے۔ اجازت لے کر واپسی ہوئی تو ایک پنگھوڑا یا ڈولی سی بنا کر اس میں حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ کو اٹھا کر لایا گیا۔ محمدی شریف تک سفر اسی طرح طے ہوا۔ یہاں کے بے شمار لوگ قریہ سے دور استقبال کے لیے دریائے چناب کے کنارے جمع ہوئے اور ثواب زیارت سے بہرہ ور ہوئے۔

## شفقت علی الخلق کا واقعہ:

ان ایام میں جناب میاں صاحب کو ''استطلاق البطن'' کا عارضہ لاحق تھا۔ حضرت سیّد اللہ جوایا صاحب رحمہ اللہ حکیم معالج تھے۔ علاج معالجہ کے باوجود اس عارضہ سے نجات نہیں ہو رہی تھی۔ ایک روز شاہ صاحب (معالج) نے پرندے کے گوشت کی یخنی تجویز کی (غالباً تیتر یا بٹیر تھا) ایک صاحب پرندہ پکڑ لائے۔ حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ نے دیکھ لیا۔ دریافت فرمایا: پرندہ کس لئے لائے ہو؟ وجہ عرض کی گئی تو فرمایا: ''اس کو بھی اپنی جان پیاری ہے میرے لیے اس کی جان نہ لو۔'' آپ رحمہ اللہ کے ارشاد کے مطابق پرندے کو واگزار کر دیا گیا۔ اللہ والوں پر شفقت علی الخلق کی صفت کا غلبہ ہوتا ہے۔ اس کا اس موقع پر صحیح مظاہرہ پایا گیا۔

## سفرِ آخرت:

حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ ان دنوں بیس پچیس روز بیمار رہے۔ عبادت، ریاضت حتی المقدور جاری رہی۔ فہمائش ونصائح وصایا اپنوں اور اپنے ملنے والوں کو فرماتے رہے۔ قدرت کی طرف سے مقرر وقت آگیا اور ۲۰ ربیع الاوّل ۱۳۳۰ھ/ بمطابق ۱۹۱۱ء انتقال فرما کر اللہ تعالیٰ کے ہاں جوارِ رحمت میں پہنچ گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

## جنازہ اور دفن:

حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ کا جنازہ موضع مینگنی کے مولوی دوست محمد صاحب نے پڑھایا۔ خلق کثیر نے شرکت کی۔ قریہ محمدی شریف کے اپنے گورستان کی شرقی جانب ملحقہ زمین خالی پڑی تھی، جو میاں صادق محمد و میاں محمد اعظم پسران میاں محمد بخش میانہ برادری کی ملکیت تھی۔ ان دونوں برادران نے دفن کے لیے ہدیۃً دے دی۔ وہاں مزار بنایا گیا۔ بعد میں اس پر ہمارے میاں صاحب رحمہ اللہ (مولانا عبدالغفور صاحب) نے ایک مختصر اور سادہ سا ''محل'' (مکان) تعمیر کرا دیا اور اطراف میں حفاظتی طور پر ایک کچی چار دیواری بنوا دی۔

# مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے اپنے قلم سے والد گرامی مولانا میاں عبدالغفور رحمہ اللہ کا تذکرہ

## نام ونسب واولاد وقریبی رشتہ دار:

آپ کا اسم گرامی حضرت مولانا عبدالغفور رحمہ اللہ ہے اور خاندانی سلسلہ نسب اس طرح ہے:

''مولانا حافظ عبدالغفور بن مولانا میاں عبدالرحمٰن بن میاں غلام (محی الدین) بن خدا یار بن کریم بخش بن خیر محمد بن سعد اللہ بن میاں حافظ امام الدین (جد اعلیٰ) بن حافظ اللہ داد۔ رحهم الله تعالى عليهم.''

حضرت دادا صاحب (مولانا عبد الرحمٰن صاحب) تین بھائی تھے۔ آپ سب سے بڑے تھے پھر حافظ عبدالکریم صاحب تھے اور سب سے چھوٹے میاں عبدالرحیم صاحب تھے۔

## میاں عبدالکریم صاحب رحمہ اللہ:

میاں عبدالکریم صاحب رحمہ اللہ بڑے صالح اور شریف النفس فرد تھے اور حافظ القرآن تھے۔ ان کی اولاد میں بڑے لڑکے غلام فرید تھے جو حافظ قرآنِ مجید تھے۔ بقدر ضرورت دینیات پڑھے ہوئے تھے (عنقریب ان کا ذکر درس قرآن میں پھر آئے گا۔) دادا عبدالکریم صاحب موصوف کے دو لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں۔ بقضائے الٰہی سب فوت ہو گئے آگے نسل نہیں چل سکی۔ میاں عبدالکریم صاحب کی زوجہ اماں بختاور دختر جمال دین صاحب تھیں۔ آئندہ درس قرآن کے عنوان میں میاں صاحب موصوف اور ان کی زوجہ بختاور بی بی دونوں کا ذکر کیا جائے گا۔

## میاں عبد الرحیم صاحب رحمہ اللہ:

سب سے چھوٹے میاں عبد الرحیم صاحب رحمہ اللہ بڑے نیک سیرت عبادت گزار قانع مرد اور درویش صفت تھے۔ اپنا زراعت پیشہ تھا۔ اس دور میں کنواں کے ذریعے آبپاشی ہوتی تھی۔ جب ان کی آبپاشی کی باری ہوتی تو بیل جوت دیتے اور بیشتر دفعہ خود نماز میں مصروف ہوجاتے۔ لوگوں میں مشہور ہے کہ جب بستی کی عورتیں پانی بھرنے کے لیے آتیں تو بیلوں کو چلا کر کنوئیں سے پانی بھر لیتیں اور چلی جاتیں۔ بیل کسی وقت چلتے اور کسی وقت کھڑے رہتے۔ اس طرح میاں صاحب آبپاشی کرتے تھے۔

اللہ والوں کے کام اللہ تعالیٰ خود بناتا ہے ہوتا یہ تھا کہ میاں صاحب موصوف کی کھیتی اور کھیتی سے آمدن دوسرے حصہ دارانِ چاہ سے ہمیشہ اچھی عمدہ اور زیادہ ہوتی تھی۔ یہ ان کی عبادت کے نمایاں برکات تھے۔

پنجگانہ نماز باجماعت مسجد میں ادا کرنا معمول تھا۔ صبح کی نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد بیل جوت کر کبھی (بستی ایک میل دور دریا کی طرف) جھلار کنواں کی طرف جانا ہوتا تو اشراق کا اگر وقت راستہ میں ہوگیا تو بیل کھڑے کر کے نوافل ادا کرتے تھے۔ اس کے بعد جا کر ہل چلاتے۔

عشاء کی جماعت کے بعد بعض اوقات مسجد میں اللہ اللہ کرتے رہتے تھے۔ حافظ غلام محمد صاحب رحمہ اللہ کلاں کہتے تھے ایک دفعہ عشاء کے بعد حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ (دادا صاحب) نماز سے فارغ ہونے کے بعد مسجد سے نکلنے لگے تو میں ساتھ تھا۔ سردیوں کا موسم تھا میاں عبد الرحیم صاحب رحمہ اللہ ابھی مشغولِ وظائف تھے۔ حضرت (دادا صاحب) نے فرمایا: ''عبد الرحیم! مسجد کا دیا بجھا دینا'' عبد الرحیم صاحب نے جواب دیا کہ ''ابھی بجھا دینا ہے یا سحور کو؟'' تو حضرت موصوف نے مجھے فرمایا کہ ''تم جا کر چراغ بجھا دو یہ تو تمام رات ایسے ہی گزار دیں گے۔''

آپ بڑے باخدا متوکل عابد و زاہد انسان تھے۔ اپنے حضرت میاں صاحب (دادا صاحب) سے پہلے ان کی وفات ہوئی۔ ان کے ہاں دو لڑکے تھے ایک حافظ نظام دین دوسرے میاں نصیر دین صاحب۔

## حضرت دادا صاحب رحمہ اللہ:

مولانا عبد الرحمٰن رحمہ اللہ کا انتقال ۲۰ ربیع الاوّل ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء میں تمام بھائیوں کے بعد ہوا۔ بڑے پایہ کے صوفی اور درویش کامل تھے۔ طبیعت میں شوق و ذوق کا غلبہ تھا۔ اپنے شیخ طریقت کے ساتھ والہانہ محبت رکھتے تھے۔ ذکر اذکار اور عبادت ہی زیادہ شغل تھا۔ ان کے کچھ حالات قبل ازیں الگ تحریر

کیے گئے ہیں اس لیے یہاں اجمالاً ذکر کیا ہے۔

حضرت دادا موصوف رحمہ اللہ کے ہاں ایک لڑکا والدم مولانا حافظ عبد الغفور رحمہ اللہ صاحب اور ایک دختر تھی (یعنی عمہ محترمہ فتح بی بی صاحبہ) حضرت والد صاحب رحمہ اللہ بڑے تھے اور پھوپھی صاحبہ چھوٹی تھیں۔

## عمہ محترمہ فتح بی بی:

پھوپھی صاحبہ بڑی شریفۃ النفس صالحہ عابدہ عورت تھیں۔ ہمارے ماموں میاں محمد یار صاحب رحمہ اللہ کے نکاح میں تھیں۔ ان کے ہاں چار لڑکیاں تھیں اور ایک لڑکا مسمی نور محمد ہوا وہ بیچارہ جواں سال ہو کر مراقیہ کے مرض کا شکار ہوا۔ بہت مدت بیمار رہا۔ میر میاں صاحب (اس کے ماموں تھے) انہوں نے اس کی تیمار داری کا حق ادا کیا اس کے والد محمد یار بہت پہلے فوت ہو چکے تھے۔ اس وجہ سے ہمارے والد صاحب ہی تمام نگرانی فرماتے رہے۔ علاج معالجہ کیا گیا۔ آخر کار ۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ/ ۱۹۳۲ء کو فوت ہو گیا۔ پھوپھی صاحبہ نے اور ان کی بہنوں نے بڑے صبر سے کام لیا۔ مالک کی رضا پر راضی ہو گئیں۔ عمہ محترمہ کا آئندہ ''خواتین کے درس'' میں پھر ذکر آئے گا۔ یہ درس قرآن مجید پڑھاتی تھیں رحمہا اللہ۔ آخر عمر میں نظر نہیں رہی تھی۔ اپنے صوم وصلوٰۃ میں عمر تمام کر دی۔ ہمارے بھائی مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ اور حافظ صالح محمد صاحب سفر حج پر گئے ہوئے تھے۔ بعد میں بتاریخ ۱۹ ذوالقعدہ ۱۳۷۷ / ۸ جون ۱۹۵۸ء عمہ محترمہ کا انتقال ہو گیا۔ ہمارے سلف کی یہ آخری یادگار تھی جو ہم سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گئی۔ [1]

## والدہ صاحبہ:

جناب والدہ صاحبہ (مسماۃ عائشہ بی بی دختر میاں پیر محمد صاحب) ہماری خواہر محترمہ سے پہلے فوت ہو چکی تھیں۔ یعنی والدہ محترمہ کی وفات ۲۷ ذوالحجہ ۱۳۴۵ھ/ ۱۹۲۶ء کو ہو چکی تھی۔

والدہ صاحبہ نہایت نیک طینت، حلیمۃ الطبع، صالحہ خاتون تھیں۔ غریب عورتوں کی خفیہ خیرات سے مدد کرنا ان کا شیوہ تھا۔ اور اپنی اولاد کو برے القاب سے نہیں یاد کرتی تھیں۔ بندہ تو چھوٹا تھا والدہ صاحبہ کا انتقال ہو گیا تھا۔ حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ ہم سب کے حق میں فرماتے تھے کہ تم کو تمہاری والدہ کی دعائیں ہیں۔ وہ بطور دعائیہ کلمہ کے کہتی تھیں کہ تم ''اچھے ہو چنگے ہو'' برے کلمات سے نہیں یاد کرتی تھیں۔

---

[1] متذکرہ پھوپھی صاحبہ کی وفات پر مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے اپنی ذاتی ڈائری یوں درج کی ''آج بوقت عصر عمہ محترمہ فتح بی بی بنت مولانا عبد الرحمن صاحب رحمہ اللہ رحلت فرما گئی ہیں۔ ترجیع۔ لیلۃ دوشنبہ کو دفن کر دیا گیا۔ سلف کی آخری نشانی تھی جو آج سفر کر گئی ہے۔ بہت سی خیر و برکت کا خاتمہ ہو گیا۔ مولانا محمد ذاکر صاحب اور حافظ صالح محمد صاحب ہر دو برادران حج کے لیے گئے ہوئے ہیں کہ عمہ محترمہ کا انتقال ہوا۔ (ڈائری ۸ جون ۱۹۵۸ء)

(جیسا کہ عام عورتوں کی سخت کلامی کی عادت ہوتی ہے۔) ہمارے والد صاحب کی اولاد میں تین لڑکے یعنی مولانا محمد ذاکر جو آگے چل کر ناظم و مہتمم جامعہ محمدی شریف نام سے مشہور ہوئے۔ حافظ صالح محمد صاحب اور محمد نافع عفا اللہ عنہ ہیں۔ اور ایک لڑکی مسماۃ غلام فاطمہ بی بی تھی۔

## ہمشیر صاحبہ:

ہمشیر صاحبہ (غلام فاطمہ بی بی) مولانا محمد ذاکر سے چھوٹی باقی ہم سب سے بڑی تھیں۔ بہت نیک سیرت اور صوم وصلوٰۃ کی پابند صالحہ خاتون تھیں والد صاحب نے ان کا نکاح اور شادی اپنے چچازاد برادر میاں نصیر الدین صاحب ولد میاں عبدالرحیم صاحب سے کرا دی تھی۔ ان کی عمر نے وفا نہ کی کچھ مدت کے بعد ایک طویل عرصہ بیمار رہ کر فوت ہوگئیں۔ اور ان کی کوئی اولاد نہ ہوئی۔ ہمارے حضرت میاں صاحب اپنی اکلوتی دخترِ کے ساتھ بدرجہ غایت شفقت اور پیار فرماتے تھے۔ قرآنِ مجید کی تعلیم کے ساتھ ساتھ فقہ کی کتاب ''انواع بارک اللہ'' جو منظوم فقہ ہے بھی پڑھائی تھی۔ شادی سے کچھ مدت بعد جب یہ بیمار ہوئیں تو حضرت والد صاحب نے علاج معالجہ غایت توجہ کے ساتھ فرمایا۔ اور تعویذات وغیرہ کے ساتھ بھی حیلہ جات بہت فرمائے لیکن قدرت کی طرف سے شفاء مقدر نہیں تھی اس وجہ سے یہ ذرائع وسائل کارگر نہ ہوسکے۔ قریباً ایک سال بیمار رہنے کے بعد ۱۹ شوال ۱۳۴۷ھ / ۱۹۲۸ء کو بوقت ظہر ان کا انتقال ہوا۔ حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ کو ان کی وفات کی وجہ سے شدید صدمہ ہوا۔ جب ان کی وفات ہوئی تو بندہ قرآنِ مجید کا قریباً ساتواں پارہ پڑھتا تھا۔

## حافظ صالح محمد صاحب رحمہ اللہ:

ہم بھائیوں میں درمیانے برادر تھے۔ مختصراً ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔ انہوں نے قرآنِ مجید اپنے والد صاحب رحمہ اللہ سے حفظ کیا تھا۔ اور فارسی نظم کی کتابیں حضرت استاذ اللہ جوایا شاہ صاحب رحمہ اللہ سے پڑھی تھیں۔ اور ابتدائی کتابیں دینیات کی بھی شاہ صاحب رحمہ اللہ سے اور اپنے والد صاحب رحمہ اللہ سے پڑھی تھیں۔ اس کے بعد خانگی معاملات کی نگرانی خصوصاً اپنے زراعت پیشہ کی نگہداشت ان کے سپرد کر دی گئی جو انہوں نے مدت العمر بڑے اخلاص سے پوری کی۔ باقی گھر والوں کو اپنی خانگی ضروریات سے انہوں نے مستغنی کر دیا تھا۔ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ ان پر اس بہترین کارکردگی کی وجہ سے ہمیشہ خوش وراضی رہتے تھے۔

زراعت کی آمدن سے بڑے اہتمام کے ساتھ عشر نکالا کرتے تھے۔ اس مسئلہ کے عملدر آمد پر حافظ صاحب موصوف کی خصوصی توجہ رہتی تھی۔ محترم حافظ صاحب مرحوم ومغفور صوم وصلوٰۃ کے نہایت پابند تھے۔ اور خصوصاً نماز باجماعت کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے تھے۔ ان چیزوں میں ان کا مخلصانہ

عمل قابل رشک تھا۔

حافظ صاحب رحمہ اللہ کا رشتہ عقیدت حضرت خواجہ ضیاء الدین رحمہ اللہ (حضرت ثالث) سجادہ نشین سیال شریف کے ساتھ قائم تھا۔ اوراد ووظائف کو بڑی پابندی کے ساتھ ادا کیا کرتے تھے۔ اور اپنے والد بزرگوار حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ سے بھی کئی اوراد ووظائف کی ان کو اجازت تھی اور بڑے اخلاص کے ساتھ پورا کرتے تھے۔

۱۳۷۷ھ بمطابق ۱۹۵۸ء میں ہر دو برادران (حضرت مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ وحافظ صاحب) نے سفر حج اختیار فرمایا اور بسلامت وخیریت اس مبارک سفر حج اور زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہو کر واپس تشریف لائے۔ ان کے سفر حج کے دوران میں پھوپھی صاحبہ کا انتقال ہوگیا تھا۔ جیسا کہ ہم نے قبل ازیں درج کر دیا ہے۔

حافظ صاحب رحمہ اللہ کی اہم دینی خدمات میں سے یہ چیز بھی قابل ذکر ہے کہ کلاں مسجد محمدی شریف کو بڑے اہتمام اور شوق سے جدید تعمیر کرایا۔ بڑی کوشش سے اہل دیہہ اور دیگر لوگوں کو توجہ دلا کر اس کو مکمل کرایا۔ ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۷ء کو مسجد مکمل ہوگئ نیز مسجد کے ساتھ ملحقہ چاہ خورد سابقہ دیرینہ تھا وہ بوسیدہ ہو چکا تھا۔ اس کو ذرا بڑا کر کے جدید بنوایا اور مسجد ہذا کو پہلے مکمل کروایا۔ اس کے بعد حج کو تشریف لے گئے تھے۔

پھر ایک مدت سے چک روڈا کی آمد ورفت کم کر کے مسجد ہذا کے درس میں تدریس کے اندر معاونت فرماتے تھے۔ اور طلبہ کو قرآنِ مجید حفظ کرانے کے کار خیر میں وقت صَرف کرتے تھے۔

اسی دوران حافظ صاحب رحمہ اللہ کے اپنے اکلوتے لڑکے مولوی فضل کریم صاحب نے اپنے والد صاحب سے قرآن مجید حفظ کیا۔ ان کے والد مرحوم کا نام میاں احمد دین تھا۔

محترم حافظ صاحب رحمہ اللہ کو مدت دراز سے مختلف بیماریاں لاحق تھیں اور کئی عوارض طبیعت میں پیدا ہوگئے تھے۔ ساتھ ساتھ علاج جاری رہتا تھا۔ کافی زمانہ علاج معالجہ کراتے رہے لیکن مرض سے نجات نہ ہوسکی۔ آپ کے عوارض عسیر العلاج ہوگئے تھے۔

بیماری کے ایام میں بھی صوم وصلوٰۃ اوراد ووظائف کی پابندی حتی المقدور بڑے اہتمام سے ہمیشہ کرتے تھے۔ جو اس دور میں متقی مومن کے لیے قابل نمونہ ہے۔ آخر کار انہوں نے بڑے صبر کے ساتھ یہ بیماری کا سفر طے کیا اور بتاریخ ۱۷ جمادی الثانیہ ۱۳۸۴ھ بمطابق ۲۴/اکتوبر ۱۹۶۴ء ۸/کاتک ۲۰۲۱ بکرمی بروز ہفتہ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچ گئے۔ حافظ صاحب کی اولاد میں دو لڑکیاں ہوئیں اور ایک لڑکا۔ جس کا نام مولوی

حافظ فضل کریم ہے یہ اپنے والد صاحب کے صحیح خلف الرشید ہیں۔ حافظ القرآن ہیں اور درس نظامی کے عالم دین ہیں۔ اپنے والد صاحب کے قائم مقام خانگی معاملات زراعت وغیرہ میں اپنی ذمہ داری سے بجا طور پر عہدہ برآ ہو رہے ہیں۔

## حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب رحمہ اللہ:

مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ حضرت والد صاحب کی اولاد میں سب سے بڑے فرزند تھے۔ حضرت دادا صاحب کی زندگی میں مولانا صاحب نے قرآن مجید کی تعلیم کی ابتدا اپنے دادا جی صاحب سے ہی کی تھی اور ان کے وصال کے بعد اپنے والد صاحب سے قرآنِ مجید کی تعلیم حاصل کی۔ فارسی نظم کی تعلیم حضرت اللہ جوایا شاہ صاحب سے حاصل کی اور اس کے بعد ابتدائی کتابیں ''کافیہ'' تک مولانا سلطان محمود صاحب چنیوٹی سے چنیوٹ میں ہی پڑھیں۔ اس کے بعد آپ نے کچھ مدت ملتان شریف اور بہاولپور (جامعہ عباسیہ) میں دینی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد آپ نے دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام سیال شریف ضلع سرگودھا میں کتب دینی کی تعلیم اوّل مدرس حضرت مولانا محمد حسین رحمہ اللہ و دیگر اساتذہ سے حاصل کی۔

دورانِ تعلیم ملک میں تحریک خلافت شروع ہوئی۔ اس میں اپنے استاذ موصوف کے ساتھ قید ہوئے اور حکومت برطانیہ کی طرف سے سزا یافتہ ہو کر ایک سال سے زائد جیل میں رہے۔ یہ واقعہ قریباً ۱۹۲۲ء کا ہے۔

اس کے بعد دورہ حدیث شریف کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ سے ۱۳۴۵ھ میں دورہ حدیث تمام کیا۔ مولانا مرحوم کی خورد سالی میں حضرت دادا صاحب نے حضرت ثانی صاحب (خواجہ محمد دین صاحب) سیال شریف سے بیعت کرا دی تھی۔ پھر بڑے ہو کر حضرت ثالث خواجہ ضیاء الدین رحمہ اللہ سے تربیت روحانی و دینی حاصل کرتے رہے۔ ان اکابر کے برکات کی وجہ سے روحانیت میں مولانا مکمل درویش صفت تھے۔ بعد ازاں اس علاقہ میں دینی تعلیم کی خاطر آپ نے محرم الحرام ۱۳۵۲ھ موافق مئی ۱۹۳۳ء میں مدرسہ کی ابتدا کی جو بعد میں اپنے مراحل گزار کر ''ادارہ جامعہ محمدی شریف'' کے نام سے موسوم ہوا۔

مولانا مرحوم کی زندگی کے چند پہلو (قومی و دینی خدمات) پر ایک مختصر سا مضمون قبل ازیں مرتب کیا گیا جو ماہنامہ ''الجامعہ'' کے ''مولانا محمد ذاکر'' نمبر میں بتاریخ جنوری فروری ۱۹۷۷ء شائع ہو چکا ہے۔[1] مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ

[1] اور اب مستقل سوانحی کتب بھی چھپ چکی ہیں۔ مثلاً: ''ذکر ذاکر'' از نصرت اثیر اور ''تذکرہ مولانا محمد ذاکر'' از پروفیسر حافظ محمد سعد اللہ وغیرہما۔ (سلفی)

صاحب ایک باعمل عالم دین متقی اور دین وقوم کے سچے خادم تھے جن کی تمام زندگی امور خیر کے لیے وقف رہی اور اسی پر ان کا خاتمہ بالخیر ہوا۔

مولانا مرحوم نے اپنے ادارہ جامعہ محمدی سے مدت العمر کوئی مشاہرہ حاصل نہیں کیا۔ یہ چیز ان کی فی زمانہ ضرب المثل کے درجہ میں ہے اور اس کی نظیر اس دور میں ملنا مشکل ہے۔

ان کی تاریخ انتقال ۳ ذوالحجہ ۱۳۹۸ھ موافق ۲۵ نومبر ۱۹۷۶ء ۱۰ مگھر ۲۰۳۳ بکرمی بروز خمیس ہے۔

مولانا مرحوم کی اولاد میں ایک لڑکے مولوی محمد رحمت اللہ صاحب ہیں جو مولانا صاحب کی وفات کے بعد ادارہ جامعہ محمدی شریف کے ناظم و مہتمم ہیں۔ مولانا مرحوم کی اور بھی اولاد ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہوئی تھی۔ مگر خورد سالی میں ہی وفات پا گئے تھے۔ اس لڑکے کا نام نعمت اللہ رکھا گیا تھا۔

# تعلیم و تعلّم اور علمی مشاغل

## حفظ القرآن:

حضرت والد مولانا عبد الغفور صاحب مرحوم نے خورد سالی میں حافظ محمد صاحب (حافظ جوئیہ صاحب) سے قرآن مجید حفظ کیا تھا۔ حافظ محمد صاحب محمدی شریف کے قرآنی درس کے مشہور قدیمی استاذ تھے اور نابینا تھے۔ محمدی شریف اور اس کے گرد ونواح کے بیشتر حفاظ نے ان سے قرآنِ مجید حفظ کیا اور حافظ محمد صاحب کے ایک برادر حافظ جیون تھے۔ وہ بھی نابینا تھے دونوں بھائیوں نے مدت تک للہ فی اللہ درس قرآن مجید پڑھایا کوئی معاوضہ مقرر نہیں تھا۔

اس کے بعد آپ نے فارسی درسیات حضرت استاد سید اللہ جوایا شاہ صاحب رحمہ اللہ مرحوم سے پڑھیں۔ شاہ صاحب فارسی نظم ونثر اور ابتدائی دینیات کے مشہور لائق استاذ تھے۔ نیز فن طب کے بھی ایک ماہر طبیب مانے جاتے تھے۔ نہایت شریف النفس اور کریم اخلاق انسان تھے۔ محمدی شریف کے لوگ ان سے علمی استفادہ کرتے تھے۔ ان کا انتقال ۱۳۶۲ھ بمطابق ۱۹۴۳ء میں ہوا۔

اس کے بعد آپ نے چنیوٹ میں دینی تعلیم مولانا سلطان محمود صاحب کھوکھر مرحوم سے حاصل کی۔ مولانا سلطان محمود صاحب چنیوٹ میں مسجد کھوکھراں میں پڑھاتے تھے اور اپنے وقت کے مشہور صالح اور عالم فاضل تھے۔ اور یہ مسجد میاں خدایار کھوکھر کے نام سے مشہور تھی۔

## تعلیم کا اہتمام:

ہمارے دادا صاحب رحمہ اللہ کو اپنے اکلوتے بیٹے کی دینی تعلیم کا خاص فکر تھا۔ جب چنیوٹ میں والد صاحب کو دینی تعلیم کے لیے بھیجا تو ان کا خرچ وخوراک پہنچانے کے لیے خاص اہتمام فرماتے تھے۔ مولانا سلطان محمود صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ ہمارے اکابر کی رشتہ داری تھی۔ وہ یہ ہے کہ مولانا صاحب موصوف ہماری نانی صاحبہ نور بیگم زوجہ میاں پیر محمد صاحب رحمہ اللہ کے حقیقی برادر تھے۔ اور ہماری والدہ کے ماموں تھے اور ان کی اپنی بہن کے ہاں محمدی شریف میں آمد ورفت رہتی تھی۔ قبلہ والد صاحب اور برادر مکرم حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب رحمہ اللہ دونوں کے استاذ تھے۔

ہمارے والد صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں مسجد کھوکھراں میں سبق پڑھ رہا تھا دیکھتا ہوں کہ حضرت میاں عبد الرحمٰن صاحب بنفس نفیس اپنے سر پر میری خوراک کے لیے آٹا اٹھائے ہوئے تشریف لائے۔ مجھے بڑی شرم محسوس ہوئی۔ اور از خد ندامت ہوئی کہ میری خاطر خود حضرت نے دس کوس کا پیدل سفر کر کے خوراک پہنچانے کی زحمت گوارا فرمائی۔ یہ واقعہ دینی تعلیم دلانے کے لیے آپ کے کمال اخلاص پر دلالت کرتا ہے اور ان کے نزدیک علم دین کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔

تعلیم کے لیے اگر آپ نے کہیں دوسری جگہ سفر کیا تھا تو اس کی تفصیلات معلوم نہیں ہو سکیں البتہ بعض دفعہ گھوٹہ (ملتان) جانے کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ پھر وہاں کچھ زیادہ قیام نہ کر سکے اور واپس آگئے تھے۔ اس سفر میں میاں حضور محمد انصاری کے سفر کے ساتھی ہونے کا ذکر فرماتے تھے۔ مشکوٰۃ شریف تک کتابیں پڑھی تھیں پھر دوسرے مشاغل میں مصروف ہو گئے۔

## فراہمیٔ کتب:

حضرت دادا صاحب (میاں عبد الرحمٰن صاحب) کے دور میں اپنے ذاتی کتب خانہ میں صرف چند کتب تھیں۔ مثلاً مثنوی شریف مولانا روم، شرح مثنوی بحر العلوم، فتاویٰ برہنہ، تفسیر حسینی وغیرہ وغیرہ۔ پھر حضرت والد صاحب نے اپنے مقدور کے مطابق فراہمی کتب کی طرف توجہ فرمائی۔ اور مختلف اوقات میں متعدد کتابیں خرید کر جمع فرمائیں۔ مثلاً فتاویٰ عالمگیری عربی اور اس کا اردو ترجمہ، مکمل بحر الرائق، المبسوط شمس الائمہ سرخسیؒ، الفتاویٰ للشامی، تفسیر مواہب الرحمٰن، اردو تفسیر خازن مع معالم التنزیل بغوی وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح ہدایہ

اوّلین واخرین وشرح وقایہ وکنز الدقائق قدوری وغیرہ فقہ کی درسی کتب بھی فراہم فرمائی تھیں۔ ❶

## سلسلہ عقیدت اور خلافت:

حضرت دادا صاحب نے ہمارے والد صاحب کو اپنے شیخ حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی رحمہ اللہ کے ساتھ خوردسالی ہی میں بیعت کرا دیا تھا۔ پھر شیخ موصوف کے انتقال کے بعد حضرت خواجہ محمد الدین صاحب رحمہ اللہ کے دور میں حسب دستور حاضر ہو کر روحانی استفادہ کرتے رہے۔ اور اپنے والد بزرگوار سے بھی متعدد وظائف واوراد ان کو حاصل ہوئے اور یہ استفادہ کا سلسلہ جاری رہا۔

حضرت دادا صاحب رحمہ اللہ کے انتقال کے وقت حضرت خواجہ ضیاء الدین ثالث صاحب کا دور تھا حضرت والد صاحب کو حضرت ثالث صاحب کی طرف سے سلسلہ چشتیہ کی خلافت ونیابت عنایت فرمائی گئی۔ آنموصوف اپنے اکابر کی جانب سے مجاز تھے۔

اور مدت دراز سے حضرت فقیر صاحب رحمہ اللہ کے خاندان میں دیرینہ دستور چلا آیا ہے کہ قدیمی بڑی مسجد میں اپنی برادری کی طرف سے خاندان ہذا میں سے ایک شخص کو جانشین تجویز کیا جاتا ہے۔ وہ اس دینی سلسلہ کے قیام اور آبادی مسجد کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

ایک زمانہ میں میاں شاہ محمد صاحب یہاں مسجد میں مصلّی نشین تھے۔ ان کے بعد حضرت حافظ بدرالدین صاحب تیرھویں صدی کے وسط میں یہاں مصلی نشین رہے۔ پھر ان کے بعد ان کے دختر زادے حضرت میاں عبدالرحمٰن صاحب سجادہ نشین تھے۔ پھر ان کے بعد ہمارے والد صاحب رحمہ اللہ اپنے اکابر کے قائم مقام اپنے خاندان کی طرف سے یہاں جانشین مقرر ہوئے اور تاحین حیات اس منصب پر قائم رہے۔ یعنی ۱۳۳۰ھ سے لے کر ۱۳۶۵ھ تک فائز رہے۔

۱۹ ربیع الاوّل ۱۳۶۵ھ میں حضرت والد صاحب کا انتقال ہوا جیسا کہ مندرجہ واقعات کے آخر میں ان شاء اللہ ذکر کیا جائے گا۔

---

❶ باپ، دادا کا یہ کتابی ذوق پھر حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ میں منتقل ہوا۔ آپ نے فراہمیٔ کتب کی خاطر کس قدر مشکلات اٹھائیں؟ اور ہندو پاکستان ہی نہیں بلکہ ایران وعرب ممالک تک خطوط کے ذریعہ کتابوں کی معلومات لے کر کس طرح کتب کے حصول کے لیے تکلیف اٹھاتے رہے؟ یہ احوال ذاتی ڈائریوں میں پڑھ کر جاڑے کی شدید سردی میں بھی پیشانی پہ پسینہ آجاتا ہے۔ آج نادر ونایاب اور بیش بہا علوم پر مبنی جامعہ محمدی شریف کا وسیع کتب خانہ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کا ہی جمع کردہ ہے اور ہر کتاب، ہر کتاب کا ہر صفحہ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے علم وتقویٰ سے معمور نظروں کی خوشبوئیں بکھیر رہا ہے۔ سلفی

## ایام نیابت، مسجد کی نگرانی اور محمدی شریف کے قرآنی مدارس:

اکابر کے دستور کے موافق مسجد کی آبادی اور حفاظت کے لیے حضرت والد صاحب مسجد کے ساتھ متصل حجرہ میں رہائش پذیر رہتے اور اذان و جماعت کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔ اگر کوئی صاحب جماعت کرانے کے لیے موزوں موجود ہوتا تو اس کو امامت کے لیے مقدم فرما دیتے۔ ورنہ خود عمامہ باندھ کر نماز پڑھایا کرتے تھے۔ اور درس قرآنِ مجید جو حضرت فقیر صاحب رحمہ اللہ کے زمانہ سے جاری چلا آتا ہے اس کی خاص نگرانی فرمایا کرتے تھے اور عصر کے بعد قرآنِ مجید حفظ کرنے والوں کے اسباق بھی بعض اوقات خود سنا کرتے تھے۔

یہ قرآنِ مجید کے درس کا سلسلہ قدیم الایام سے قریہ ہذا میں جاری ہے اور یہاں اللہ تعالیٰ کے فضل سے مردوں کے بھی کئی درس چلے آئے ہیں اور خواتین کے بھی، ان درسوں کا اجمالاً یہاں ذکر کر دینا مناسب سمجھا گیا۔

### حافظ جوئیہ صاحبان کا درس:

ایک درس تو جوئیہ صاحبان (حافظ محمد صاحب، حافظ جیون صاحب) کا تھا یہ دونوں بزرگ باہم برادر تھے۔ حافظ جیون بڑے و حافظ محمد چھوٹے تھے اور دونوں مادر زاد نابینا تھے۔ بڑے متقی اور پرہیزگار تھے اور للہ فی اللہ تعلیم قرآن دیتے تھے اور حافظ لال صاحب کھوکھر کے یہ دونوں شاگرد تھے۔

دونوں حضرات چاہ چکی والہ پر کھیتی باڑی بھی کرتے تھے اور ساتھ ساتھ وہیں درس بھی پڑھایا کرتے۔ مدت العمر دونوں بزرگوں کا یہی معمول رہا اور بعض ایام قریہ محمدی کی بڑی مسجد میں درس قرآن پڑھاتے تھے۔

ان ہر دو حافظ صاحبان کی وجہ سے اہل قریہ اور علاقہ والوں کو قرآنی تعلیم کے سلسلہ میں بہت نفع ہوا بچوں کے علاوہ کئی بچیوں نے بھی ان سے قرآنِ مجید کی تعلیم حاصل کی۔

مسجد ہذا کو عرف عام میں پکی مسجد سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس مسجد میں گزشتہ ایام میں میاں حافظ عبد الکریم رحمہ اللہ صاحب بھی درس دیا کرتے تھے۔

حافظ جوئیہ صاحبان کا انتقال ہمارے دادا صاحب رحمہ اللہ کے دور میں ہو گیا تھا۔ اسے بعد ان کے شاگرد حافظ غلام محمد صاحب (کلاں) ولد میاں شیر محمد صاحب یہاں قرآنِ مجید کا درس دینے لگے۔

## درس حافظ غلام محمد صاحب رحمہ اللہ:

حافظ غلام محمد صاحب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بڑے میاں صاحب (حضرت میاں عبد الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ) استاذ حافظ محمد صاحب جوئیہ مرحوم کی وفات کے بعد میری والدہ صاحبہ "صاحب بی بی" (اعوانی) کے پاس تشریف لے گئے اور جا کر فرمایا کہ یہ لڑکا (غلام محمد) مسجد میں درس کے لیے ہمیں دے دو۔ تو انہوں نے بخوشی منظور کرلیا اور ہمارے والد میاں شیر محمد صاحب اس بات پر رضا مند ہو گئے بس اس کے بعد حافظ غلام محمد صاحب اپنی تمام زندگی یہاں قرآنِ مجید پڑھاتے رہے اور ان کا انتقال ہمارے والد صاحب رحمہ اللہ کے انتقال کے چند سال بعد ۸ رجب ۱۳۷۰ھ موافق ۱۵/اپریل ۱۹۵۱ء کو شب اتوار میں ہوا۔

حافظ غلام محمد صاحب موصوف مجرد تھے شادی شدہ نہ تھے۔ اس وجہ سے ان کی کوئی اولاد نہ ہوئی۔ ان کی خدمات اہل مسجد کے لیے اور شہر والوں کے لیے رمضان شریف میں قابل دید ہوتی تھیں۔ سحری کے لیے تمام شہر کو جگانا پھر مسجد والے طلبہ و مسافرین و معتکفین کے لیے کھانا لانا۔ پھر افطاری کے لیے اسی طرح انتظامات کرنا ان کا مستقل معمول تھا۔ اور ساتھ ہی حفاظ طلبا کا قرآنِ مجید سننا اور ان کی تعلیمی نگرانی رکھنے کا کام مذکورہ تمام مصروفیات کے باوجود نہایت عمدہ طریقہ سے پورا کرتے تھے۔

کم وبیش قریباً چالیس برس حافظ غلام محمد صاحب مرحوم نے قرآن شریف پڑھایا اور بلا معاوضہ خدمت کی۔ حافظ صاحب مذکور طماع وحریص نہ تھے۔ خصوصاً مزاج میں تکبر نہ تھا اگر کسی سے رنجیدہ و ناراض ہوتے تو تھوڑے وقت کے بعد خود بخود راضی وخوش ہوجاتے دل میں کینہ وعناد نہ رکھتے تھے اور خدمت خلق کا جذبہ ان میں بدرجہ اتم موجود تھا۔ اس قسم کے اخلاق وکردار و اعمال حسنہ رکھنے والے افراد کا دور ہذا میں پایا جانا محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

## درس کچی مسجد:

کچی مسجد میں بھی قدیمی درس قرآنِ مجید چلا آتا ہے حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کے دور سے پہلے ہی حضرت دادا صاحب کے زمانے میں حافظ غلام فرید صاحب ولد عبد الکریم صاحب مسجد ہذا میں درس پڑھاتے تھے اور اذان و جماعت کی نگرانی کرتے تھے۔

حافظ غلام فرید صاحب کچی مسجد میں مذکورہ ذمہ داری بڑے عمدہ طریق سے پوری کرتے تھے اور نیز یہ کام بھی ان کے معمول میں داخل تھا کہ ہمارے دادا صاحب (حضرت میاں عبد الرحمٰن) کے لیے گھر سے کھانا

لاکر پکی مسجد میں پہنچایا کرتے تھے۔ ان ایام میں ہمارے والد صاحب چک روڈہ ۲۳۸ میں مقیم تھے۔

حافظ غلام فرید صاحب مرحوم کے انتقال کے بعد کچھ ایام حافظ محمد دین ولد حافظ سلطان (ڈھڈھی) درس پڑھاتے رہے پھر ان کے چھوڑ دینے کے بعد حافظ احمد ولد میاں تاجہ اس درس کے مدرس مقرر ہوئے اور مسجد کی تمام نگرانی اذان جماعت صفائی وغیرہ ان کے سپرد رہی اور بڑا عمدہ انتظام انہوں نے قائم رکھا۔ تاحین حیات اس فریضہ کو نہایت عمدگی سے سرانجام دیتے رہے اور ۲۹ ربیع الآخر ۱۳۷۷ھ ۲۳ نومبر ۱۹۵۲ء کو ان کا انتقال ہوا۔ تقریباً ۳۳ برس درس قرآن اور مسجد کی خدمت بجالائے۔

حافظ احمد مرحوم بڑے مخلص، حلال کسب کمانے والے متدین اور شریف النفس مومن مرد تھے۔ طبیعت میں طمع ولالچ نہ تھا۔ بڑے صابر وشاکر تھے۔ ان کے سات عدد لڑکے متواتر ہو کر سب کے سب فوت ہوگئے۔ اب نرینہ اولاد نہ تھی لیکن ہرگز حرف شکایت منہ پر نہ لاتے تھے۔ یہ ان کے کمال ایمان کی نشانی تھی۔

## خواتین کے درس:

مدت دراز سے حضرت فقیر صاحب رحمہ اللہ کی اولاد میں عورتیں بھی درس قرآنِ مجید پڑھاتی رہی ہیں۔

۱: ان میں ایک درس مسماۃ ست بھرائی صاحبہ زوجہ مولوی بہاول بخش صاحب رحمہ اللہ کا تھا۔ کافی مدت انہوں نے خواتین کو قرآن کی تعلیم سے نفع پہنچایا۔ پھر ان کے بعد ان کی بیٹی مسماۃ رحمت بی بی صاحبہ نے درس جاری رکھا اور اس کار خیر کو اپنی زندگی تک تمام کیا۔

۲: دوسرا درس مسماۃ اماں بختاور صاحبہ (زوجہ حافظ عبد الکریم صاحب رحمہ اللہ) کا تھا۔ یہ حافظ غلام فرید صاحب کی والدہ تھیں۔ انہوں نے قرآنِ مجید کا درس تمام عمر چلایا ان سے بچیوں اور بچوں کو بے شمار فائدہ ہوا۔

۳: خواتین کا تیسرا درس ہماری پھوپھی صاحبہ مسماۃ فتح بی بی کا تھا یہ بھی اپنی تمام زندگی میں درس قرآن مجید کی تعلیم دیتی رہیں۔ ان کے بعد ان کی لڑکی مسماۃ حیات بیگم صاحبہ نے درس قرآنِ مجید جاری رکھا اور اسی پر ان کا اختتام حیات ہوا۔ (غفر اللہ لہن)

# عبادات اپنے معمول کے ساتھ

## لوگوں کو تعلیم وتلقین اور ان کے لیے بابرکت افادات

## دینی کتب کے مطالعہ کا شغل

حضرت والد صاحب رحمہ اللہ اپنے بزرگانِ دین اور مشائخ کے طریقہ پر عبادت کے معمولات جاری رکھتے تھے اور اپنا تمام وقت ان معمولات کی تکمیل میں ہی مصروف رکھنے کی کوشش فرماتے دوسرے دنیاوی مشاغل متروک تھے۔

جب سے آپ اپنے والد صاحب (میاں عبد الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ) کے قائم مقام مصلیٰ نشین ہوئے تو فرضی عبادت کے ساتھ نفلی عبادات کو بھی بالالتزام بجالاتے تھے۔ نفلی عبادات میں قیام اللیل یعنی نماز تہجد اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے اس پر دوام فرمایا کرتے تھے۔ بعض اوقات فرماتے تھے کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے مسجد کی خدمت نصیب فرمائی ہے تہجد کی نماز ناغہ نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس کی ہمیشہ توفیق عنایت فرماتے رہیں۔

تہجد کی گفتگو کے سلسلہ میں بعض دفعہ فرمایا کرتے کہ جب راتیں طویل ہوجایا کرتی ہیں تو تہجد خوان کے لیے گویا کہ ''فصل پختہ'' کمانے کے ایام آگئے اور اب وہ اپنی کمائی زیادہ کر سکے گا۔ اور راتیں کم ہونے پر اس کو حسرت زیادہ ہوجاتی ہے۔

اس وجہ سے کہ عبادت کے لیے اس کو وقت کم میسر آتا ہے۔ رات میں کثرت عبادت کے سلسلہ میں یہ بات بھی بعض اوقات جناب موصوف سے سنی گئی کہ بعض دفعہ اس طرح بھی ہوا ہے کہ عشاء کے بعد نوافل پڑھ کر جب آپ وضو کر کے سوئے اور پھر تہجد کے لیے اٹھے تو داڑھی ابھی تک خشک نہیں ہوئی تھی۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ آپ رات میں بہت قلیل عرصہ آرام فرماتے تھے۔ اور پھر تہجد کے لیے کھڑے ہوجاتے تھے۔ حسب معمول مشائخ تہجد کے وقت کے اوراد ووظائف ادا فرمایا کرتے تھے اور ''پاس انفاس'' کا شغل بعد از دیگر وظائف جاری رکھتے۔

طلوع فجر سے پہلے سنت کے مطابق تھوڑا سا آرام فرمالیتے پھر اذان کے بعد حسب معمول بعد از طہارت بروقت سنت فجر ادا کرلیتے اور اس وقت کے ورد میں مشغول رہتے پھر نماز باجماعت ادا ہوتی۔ فرض نماز کے بعد دعائے خیر تک مسجد میں ہی اوراد میں مصروف رہتے۔ دعائے خیر کے بعد اپنے حجرہ (متصل

مسجد) میں تشریف لے جا کر مشائخ کے دستور کے مطابق اوراد و وظائف بمع دلائل الخیرات کے ادا فرماتے۔ اور حسب موسم دروازہ بند رہتا۔ دروازہ کھولنے کے بعد بندہ کو قرآن مجید کا سبق پڑھاتے پھر قضائے حاجت کے لیے باہر تشریف لے جاتے فراغت کے بعد وضو کر کے حسب دستور نوافل، چاشت ادا فرماتے۔ پھر اگر کوئی شخص تعویذ حاصل کرنے یا کوئی چیز دم کرانے کے لیے آیا ہوتا تو اس کی ضرورت کو پورا فرماتے اور پہلے کچھ مدت یہ معمول بھی رہا کہ چاشت کے نوافل کے بعد گھر تشریف لے جایا کرتے اور اپنی اکلوتی بیٹی (غلام فاطمہ بی بی) وخواہر زادی (طالعہ بی بی) کو کتب دینیہ (انواع بارک اللہ وغیرہ) کا سبق پڑھایا کرتے تھے۔ اس کے بعد مسجد میں تشریف لا کر مطالعہ میں مصروف ہوتے۔ اسی طرح کسی مسئلہ کی دریافت کے لیے کوئی صاحب آجاتے تو حسب موقع اس کو زبانی یا تحریری مسئلہ کا جواب فرماتے نیز اس وقت کتب دینیہ کا مطالعہ فرمایا کرتے تھے تصوف کی کتابوں میں سے عام طور پر مثنوی شریف از مولانا روم رحمہ اللہ بمع اپنی شروح کے اور بعض اوقات ''مطالب رشیدی''، اور ''آداب الطالبین'' وغیرہ کا مطالعہ فرمایا کرتے اور کبھی فقہ کی کتابوں میں سے ''عالمگیری'' (اردو) اور ''غایت الاوطار شرح در المختار'' وغیرہ حسب ضرورت ملاحظہ فرماتے۔

اگر کبھی فقہی مسئلہ کی وضاحت کے لیے مشورہ کی ضرورت ہوتی تو حضرت الاستاذ سیّد اللہ جوایا شاہ صاحب مرحوم بھی تشریف لاتے اور دیگر فقہ کی کتابوں کی طرف رجوع کر کے مسئلہ کو حل کیا جاتا تھا۔

مزید براں اگر بعض اوقات کسی مسئلہ میں پوری تشفی نہ ہو سکتی تو چنیوٹ میں مولانا سلطان محمود صاحب رحمہ اللہ کی طرف رجوع کیا جاتا۔

مسنون طریقہ کے موافق دوپہر کو ہمیشہ قیلولہ فرماتے تھے۔ بعد ازاں ظہر کی اذان سے پہلے طہارت حاصل کر کے مسجد میں نوافل اور اوراد و وظائف میں مصروف ہو جایا کرتے اس کے بعد اذان و جماعت ہوتی۔ نماز ظہر کے بعد حسب معمول باداموں پر ختم خواجگان پڑھا جاتا اس میں بعض نمازی اور طالب علم بھی شریک ہوتے۔

ختم مذکور کی دعائے خیر کے بعد کوئی صاحب تعویذ لینے دم کرانے یا کسی اور ضرورت کے لیے موجود ہوتا تو اس کی حاجت پوری فرماتے۔ اور جمعہ کے روز ختم خواجگان مذکور کے بعد حاضرین کے لیے خصوصی چند نصائح وفکر آخرت کا ذکر فرمایا کرتے جو مسترشدین کے حق میں نہایت مؤثر ہوتا تھا۔ اس کے بعد قرآنِ مجید کی تلاوت فرماتے اور کبھی تلاوت قرآن مجید صبح دلائل الخیرات کے وظیفہ کے بعد فرما لیتے تھے۔

پھر اس کے بعد تفسیر حسینی (فارسی) کا عموماً مطالعہ فرمایا کرتے اور بعض دفعہ تفسیر ''مواہب الرحمٰن'' بھی

مطالعہ میں رکھتے تھے حسب ضرورت کسی دوسری کتاب کی طرف حاجت ہوتی تو رجوع کرتے تھے اور عصر تک عموماً اسی طرح معمول جاری رہتا تھا۔

پھر عصر کی اذان و جماعت ہوتی۔ نماز عصر کے بعد ضروری اور اد مسبعات عشر وغیرہ سے فارغ ہوتے تو بعض قرآنی طالب علموں کے اسباق خود سنتے تھے اور بندہ بھی اس وقت سبق سناتا تھا۔ اور بندہ نے قرآنِ مجید آں موصوف سے حفظ کیا تھا۔ ❶

اس مصروفیت کے بعد اپنے حجرہ میں تشریف لا کر ذکر خفی میں مشغول رہتے۔ اس سے پہلے بعض ایام میں یہ معمول رہا کہ عصر کے اوراد کے بعد قبیل المغرب گورستان تشریف لے جاتے اور اپنے اکابر کی مزارات پر فاتحہ خوانی کرتے تھے۔ اور پھر بعد میں اس طرح کر لیا جاتا کہ صبح قضائے حاجت سے فراغت کے بعد طہارت کرتے اور گورستان اگر تشریف لے جانا ہوتا تو تشریف لے جاتے ورنہ اس کے بعد مسجد میں آ کر حسب معمول مشاغل میں مصروف ہوتے۔

جماعت کے بعد اس وقت کے اوراد و وظائف مثلاً نوافل اوّابین و حفظ الایمان وغیرہ حسب دستور مشائخ ادا فرماتے اسی طرح مغرب کے بعد کافی وقت مسجد میں ہی اوراد کے سلسلہ میں مصروف رہتے پھر مسجد سے اپنی جگہ میں تشریف لاتے اور ماحضر کھانا جو ہوتا تناول فرماتے دیگر مہمان یا طالب علم مسجد ہذا اسی وقت کھانا کھایا کرتے تھے۔ اور بعض ایام میں اس طرح بھی ہوتا کہ مغرب کے اوراد و وظائف سے فارغ ہونے کے بعد گھر میں پھوپھی صاحبہ (فتح بی بی) کے ہاں مزاج پرسی کے لیے تشریف لاتے پھر تھوڑی دیر کے بعد واپس حجرہ میں آ کر کھانا تناول فرماتے۔ اس کے بعد کچھ وقت حاضرین کے ساتھ حسب ضرورت گفتگو میں مصروف ہوتے۔ وہ گفتگو عموماً پند و نصائح یا مسائل وغیرہ کی ہوتی تھی اور رشد و ہدایت کی چیزیں اور بزرگان دین کے ملفوظات بیان فرماتے پھر اس وقت کے بعد عشاء کی اذان و جماعت ہوتی۔ اذان کے بعد اور جماعت سے پہلے (۴۹) انچاس عدد حسب معمول سات آدمی فجر کی اذانیں کہتے تھے۔ ❷ اس کے بعد

---

❶ والد گرامی سے کیا گیا حفظ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے پوری زندگی محفوظ رکھا، روزانہ تلاوت کا معمول تو تھا ہی، رمضان شریف میں نماز تراویح کے اندر سنانے اور خصوصاً حفاظ کے ساتھ منزل کا دور اہتماماً کرتے تھے، یہ تفصیل مطبوعہ ڈائریوں میں ملاحظہ کی جاسکے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ سلفی

❷ جس زمانہ میں ہندوستان کے اندر طاعون کی وباء عام ہوگئی تھی تو اس میں قریہ محمدی شریف میں بھی کافی اموات ہوئی تھیں۔ چنانچہ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے والد گرامی حضرت مولانا میاں عبدالغفور رحمہ اللہ صاحب نے گاؤں کے چاروں کونوں پر اذانیں دلوانے کی ہدایت کی تھی، یہ عمل بطور دافع بلیات تھا، جس کے بعد قریہ سے مرض طاعون کا خاتمہ ہوا اور اہل دیہہ نے سکون کا سانس لیا۔ جب یہ خطرہ ٹل گیا تو آپ نے مسجد کے اندر عشاء کی اذان کے بعد جماعت کھڑی ہونے سے پہلے یہ عمل جاری کروا دیا، جو آج تک جاری ہے۔ کاتب السطور بھی کئی بار مشاہدہ کر چکا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ سات آدمی باوضو کھڑے ہو کر فجر کی اذان ہاتھ باندھ کر پڑھتے ہیں، اور ہر آدمی کو سات مرتبہ اذان کہنا ہوتی ہے یوں اُنچاس مرتبہ کہنے سے مذکورہ عمل مکمل ہوتا ہے۔ سلفی

نماز باجماعت ادا ہوتی۔ جماعت عشاء کے بعد آپ مسجد سے باہر اپنی جگہ میں تشریف لاتے وہاں آکر بقایا نماز ونوافل ادا فرماتے پھر اس فراغت کے بعد باہر قضائے حاجت کے لیے تشریف لے جاتے واپسی پر طہارت وضو کر کے نوافل ادا فرماتے ان نوافل کے بعد اپنی جگہ میں جا کر باوضو ہونے کی حالت میں سونے کے لیے آرام فرماتے۔ مدت العمر اس طرح یہ معمولات جاری رہے۔

## تنبیہ:

حضرت والد صاحب موصوف رحمہ اللہ جو اوراد ووظائف اپنے اپنے اوقات میں ادا فرمایا کرتے تھے وہ کتاب ''مجموعہ وظائف دلائل الخیرات'' صفحہ ۱۲ تا صفحہ ۱۶ مطبوعہ لاہور کے اندر فارسی عبارت میں مذکور ہیں۔ وہاں تصریح کر دی گئی ہے کہ یہ اوراد ووظائف حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی رحمہ اللہ سے منقول ہیں اور ان کے فرمودات سے ہیں اور بعض چیزیں ''مرقع کلیمی'' میں درج ہیں۔

## صیام کا اہتمام:

گزشتہ سطور میں نماز اور دیگر اوراد کا مختصراً ذکر کیا گیا ہے۔ اب تھوڑا سا صیام کے متعلق بھی چند سطریں تحریر کی جاتی ہیں:

رمضان شریف کے فرضی روزوں کا تو اہتمام ہوتا ہی تھا۔ اس کے ماسوا معمول یہ تھا کہ عید الفطر کے بعد شش ایام کے روزے سنت کے مطابق ہمیشہ رکھتے تھے اور ہر ماہ میں ایام بیض (۱۳، ۱۴، ۱۵) کے تین روزے ہمیشہ رکھا کرتے تھے۔

علاوہ ازیں یہ بھی طریقہ تھا کہ شعبان میں تیرہ شعبان سے روزے رکھنا شروع فرما دیتے تھے۔ اور پھر تمام شعبان روزے رکھے جاتے پھر رمضان شریف آجاتا اس کے بعد ۶ شوال کے روزے پورے کر کے ختم کرتے تھے۔

ان نفلی صیام میں آپ ہمیشہ سے سحری کھانے کا اہتمام نہیں فرمایا کرتے تھے صرف تھوڑا سا پانی پی کر ہی سحری کی سنت ادا کرتے تھے۔

سحری کا اہتمام صرف فرضی روزوں کے لیے کیا جاتا تھا۔ اس میں بھی ماحضر پر اکتفا ہوتا تھا۔ کسی قسم کا کوئی تکلف پیش نظر نہیں رکھا جاتا تھا۔ نہ سحری میں نہ افطاری میں جو ماحضر دستیاب ہوجاتا اسی پر اکتفا کیا جاتا تھا۔

## معمولات میں نظم اور اوقات کی پابندی:

نمازوں کے لیے مستحب اوقات کی ہمیشہ رعایت فرمایا کرتے تھے اور مناسب وقت پر نماز پنجگانہ ادا ہوا کرتی تھی۔ ایک موقع پر بعض مہمانوں کے انتظام کی وجہ سے جماعت میں تاخیر ہوئی تو بعض نمازیوں نے تاخیر کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا کہ ”یہ ہمارے مہمان ہیں۔ ان کی رعایت کی گئی ہے۔ ان کے رخصت ہوجانے کے بعد جس وقت آپ چاہیں جماعت کرائیں۔“

عام معمول اس طرح تھا کہ مستحب اور مناسب اوقات میں نمازیں ادا کی جاتی تھیں۔ اور اس طرح رمضان شریف میں افطار کے لیے بھی مستحب وقت معمول تھا۔ کسی کو شکایت کا موقعہ نہیں ہوتا تھا۔

## معمولات اور اخلاق:

حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کی عبادت اور اوراد و وظائف اور دینی کتب کے مطالعہ کے متعلق مختصراً کچھ ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے بعد اب حضرت موصوف کے عام معمولات اور اخلاقیات کو متعدد عنوانوں کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے۔

## لباس:

سنت طریقہ کے مطابق آپ رحمہ اللہ کا لباس عموماً موٹے دیسی کھدر سفید کا ہوتا تھا۔ قمیص دیسی طرز پر ایک طرف گریبان والا سلوایا کرتے تھے۔ سخت موسم گرما میں کبھی کبھی ہلکے کپڑے کا سفید قمیص بھی تیار کرالیا جاتا تھا۔ بٹن دیسی طریقہ پر ”گھنڈی“ کا بنا ہوا ہوتا تھا۔ عمدہ قسم کے دوسرے بٹن نہیں لگوایا کرتے تھے۔

تہبند عموماً سفید ہوتا تھا۔ مگر بعض اوقات نیلے رنگ کا تہبند باندھا کرتے تھے اسی طرح اوپر اوڑھنے کے لیے بھی بعض اوقات نیلا کپڑا بنوالیا کرتے تھے اور بوقت ضرورت استعمال فرماتے۔

سر پر عموماً سفید ٹوپی (چار کلی) ہوتی تھی سخت سردیوں میں بعض اوقات نہایت سادہ قسم کی گرم ٹوپی بھی استعمال فرمالیا کرتے تھے۔ اگر کبھی جماعت کرانا پڑتی تو اوپر والے ہلکے کپڑے کی دستار بنا کر نماز پڑھایا کرتے تھے۔ مایہ والی پگڑی کا استعمال نہیں دیکھا گیا۔ ایک دفعہ بندہ نے اپنی جوانی کے شوق میں پگڑی کو (مایہ) لگوایا اور طرہ دار بنا کر باندھا جیسا کہ شوقین لوگوں کی عادت ہوتی ہے تو حضرت والد صاحب رحمہ اللہ نے مجھے اپنے پاس بلا کر بڑے طریقہ سے تنبیہانہ فہمائش فرمائی۔ [1] ارشاد فرمایا کہ جیسے تیرے بھائی (محمد ذاکر اور صالح محمد) سادہ پگڑی استعمال کرتے ہیں اسی طرح تجھے بھی استعمال کرنی چاہیے۔

---

[1] والد گرامی کی یہ نصیحت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کو وفات تک نہ صرف یاد رہی، بلکہ اس پر عمل رہا، ساری عمر آپ نے جمعة المبارک، عیدین یا دیگر اہم مواقع پر سادہ کپڑے کی پگڑی استعمال فرمائی۔ اور لباس کی سادگی تو قابل رشک تھی۔ اللہ اللہ (سلفی)

استعمال کی چارپائی نہایت سادہ اور معمولی ہوتی تھی۔ اور بعض اوقات ''ناڑی'' (پٹھہ) کے بان کی بنی ہوئی ہوتی تھی۔ اسی طرح بستر بھی بالکل سادہ اور معمولی قسم کا ہوتا تھا۔ یعنی صرف گدہ اور لحاف پر مشتمل تھا۔ اور چھوٹا سا بالین۔ بشرہ میں کوئی قیمتی اور تکلف کی چیز مثلاً بچھائی (چادر) یا رضائی وغیرہ نہیں ہوتی تھی۔

ٹیک لگانے کے لیے کوئی گاؤ تکیہ عمر بھر استعمال نہیں کیا۔ غالیچہ اور قالین وغیرہ استعمال نہیں فرمایا اور سادہ چٹائی پر بیٹھنا ہوتا تھا۔ بعض اوقات اپنے حجرہ میں نماز کے لیے ایک دری کا سادہ مصلیٰ استعمال کیا جاتا تھا۔ مسجد میں کوئی الگ مصلیٰ نہیں بچھاتے تھے۔ اسی طرح حضرت میاں صاحب کے عرس کی مجالس میں بھی کوئی دری یا چادر وغیرہ نہیں بچھاتے تھے۔ صرف سادہ چٹائی پر دوسرے لوگوں کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے۔

ہاتھ میں اکثر بانس کی بالکل سادہ چھڑی خمدار ہوتی تھی جو منقش و مرصع نہیں ہوتی تھی۔

پاؤں میں چرمی جوتا بالکل سادہ دیسی قسم کا ہوتا تھا جس پر کسی قسم کی زری نہیں لگوائی جاتی تھی۔ مقامی دیہاتی طرز کے موافق اس کی ساخت ہوتی۔ یہ عام طور پر میاں محمد موچی (ولد گہنہ) جوتہ سادہ بنا کر لایا کرتا تھا۔

## خوراک:

خوراک کے معاملہ میں بالکل سادگی اختیار فرماتے تھے۔ جو کچھ ماحضر گھر میں میسر ہوتا اسی پر اکتفا کیا جاتا تھا۔ البتہ بعض دفعہ مہمانوں کی آمد پر کوئی چیز پکوائی جاتی تو وہ الگ بات تھی۔

ساگ پات کے موسم میں ساگ کے سالن کو پسند فرمایا کرتے تھے۔ صبح ناشتہ کرنے کا کوئی معمول نہیں تھا حتی کہ گرمیوں میں لسی بھی بطور ناشتہ استعمال نہیں فرماتے تھے۔ دوپہر کو روٹی کے ساتھ لسی استعمال فرماتے تھے۔ عموماً دوپہر کا کھانا لسی کے ساتھ ہی ہوتا تھا۔ کوئی سالن وغیرہ ساتھ نہیں ہوتا تھا۔ چائے نہ صبح ہوتی تھی اور نہ ہی پچھلے ٹائم (عصر کے وقت) بلکہ چائے کا استعمال نہیں فرمایا کرتے تھے۔

رات کو کھانا تناول کرنے کے تھوڑی دیر بعد بقدر طلب دودھ استعمال فرما لیا کرتے تھے۔ اور وہ عموماً بغیر گرم کیے پی لیا کرتے تھے مگر جب سخت سردی ہوتی یا طبیعت مزکوم ہوتی تو گرم دودھ نوش فرما لیتے۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گرانمایہ کیا کیے؟

دوسری بات یہ ہے کہ ہم جب روٹی کانسی کی تھالی میں لایا کرتے تو اس کو مٹی کی تھالی میں رکھ کر تناول فرماتے تھے۔ اور پینے کے لیے بھی عموماً مٹی کا پیالہ استعمال ہوتا تھا۔ اور یہ بھی ہمیشہ کا معمول تھا کہ قبلہ رو ہو

کر تشریف رکھتے تھے۔ اور کھانے کے وقت بھی قبلہ رو ہو کر کھانا تناول فرمایا کرتے تھے۔ مٹی کے برتن استعمال کرنے اور قبلہ رو رہنے میں سنت طریق کی رعایت مطلوب تھی۔

## سادہ طرز معاشرت:

حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کی بود و باش بالکل سادہ تھی جس میں کسی قسم کے تکلف اور نمائش کو دخل نہ تھا۔ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کر لینا معمول تھا۔ اگر کوئی دوسرا شخص از خود تعاون کر دیتا تو یہ صورت الگ تھی۔ مثلاً اپنی چارپائی اندر ڈالنے یا حجرہ سے باہر نکلنے کی ضرورت ہوتی تو خود نکال لیا کرتے تھے۔ اور اسی طرح وضو کے لیے کوزہ بھرنا اور رکھنا خود کر لیا کرتے تھے۔ کوئی ۔ ص خادم متعین نہ تھا۔ بعض دفعہ طالب علم بھی از خود اس کام کو سرانجام دیتے تھے۔ اور اکثر فرمایا کرتے کہ یا اللہ! کسی کا محتاج نہ کرنا۔

حجرہ میں بیٹھنے کے مقام میں کوئی دری یا گدہ وغیرہ نہیں بچھا ہوتا تھا۔ سادہ چٹائی پر تشریف فرما رہتے اپنے حجرہ میں جو مسجد کے ساتھ ملحقہ تھا سرسوں کے تیل سے مٹی کا دیا جلتا تھا لالٹین یا کسی دوسری قسم کی بتی وغیرہ کا استعمال نہیں ہوتا تھا۔

مسجد کے خدام اور طالب علم جب مسجد کی صفائی کرتے تو بعض دفعہ خود بھی مسجد کی نالیوں کی صفائی میں ہاتھ بٹاتے اور اس میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے تھے۔

## تواضع وانکساری:

حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ کی طبیعت میں نہایت سادگی تھی اور تواضع وانکساری کی صفت غالب تھی۔ اور نشست و برخاست میں بھی کوئی امتیازی صورت اختیار نہیں کی جاتی تھی۔

آپ کے ساتھ جو لوگ مصافحہ کرتے تو بغیر دست بوسی کے مصافحہ ہوتا تھا۔ دست بوسی کرانے کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ اور اگر کوئی کوشش کرتا تو اس کو منع فرما دیتے تھے۔ اسی طرح اگر کوئی بیعت ہونے کی درخواست کرتا تو بعض دفعہ یوں فرماتے کہ دوسرے پیروں کے پاس جا کر بیعت کر لو پھر بھی اگر وہ آپ سے بیعت ہونے کا اصرار کرتا اور آپ اس کی طلب صادق دیکھتے تو بیعت فرما لیتے تھے۔ بیعت فرمانے کے ساتھ بمع دیگر اوراد و وظائف کے احکام شریعت کی پابندی کی خاص تاکید فرماتے تھے۔

## زاہدانہ زندگی اور اس پر استقامت:

حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ موصوف ایک متوکل اور عابد زاہد انسان تھے۔ آپ کی معیشت اور گزران کا

ذریعہ وہی پرانی آبائی زمین جو کچھ چاہی ❶ اور کچھ نہری تھی۔ صرف اسی پر تمام اہل وعیال کا گزارہ چلتا تھا۔ آخری ایام میں برادرم حافظ صالح محمد صاحب مرحوم نے رقبہ نہری میں کنواں لگوانے کے لیے گزارش کی تاکہ آبپاشی کا ذریعہ بہتر ہونے سے ذراعت کی آمدنی کچھ زیادہ ہوجائے تو حضرت موصوف رحمہ اللہ اس چیز کی اجازت دینے پر راضی نہ تھے۔ اور فرماتے تھے کہ گزارہ کے لیے یہی کچھ کافی ہے زیادہ کی کیا حاجت ہے۔ تو حافظ صاحب رحمہ اللہ نے اس پر بڑا اصرار کیا اور بعض احباب سے بھی کہلوایا تو حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ نے مجبور ہوکر اجازت فرمائی اور وہ کنواں ابھی مکمل نہیں ہوا تھا کہ آپ کا انتقال ہوگیا۔

حضرت کا یہ معمول تھا اپنے متعلقین اور مریدوں کے ہاں تشریف نہیں لے جایا کرتے تھے۔ اگر کوئی خواہش ظاہر کرتا تو فرماتے جن کو ضرورت ہو وہ یہاں آجائے اور کوئی سفر اس نوع کا اختیار نہیں فرماتے تھے جو حصول زر اور یافت مال کے لیے کیا جائے۔ البتہ سال میں دو ہی سفر سیال شریف جانے کے لیے اختیار فرماتے تھے ایک ۶ شوال کو تشریف لے جایا کرتے تھے اور دوسرا اٹھارہ ربیع الثانی کو کیا جاتا تھا۔ آخری عمر تک معمول تھا اس سے پہلے سیال شریف کے بڑے عرسوں پر بھی جو ۲۴ صفر المظفر اور ۲ رجب المرجب کو ہوتے تھے ان پر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ بعد میں ان بڑے عرسوں میں شریک نہیں ہوتے تھے اور اپنے بیٹوں (مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ یا حافظ صاحب) کو بھیج دیا کرتے تھے اور مذکورہ دو سفر جن میں سیال شریف حاضر ہوتے تھے ان میں پہلی چھ شوال کی تاریخ حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے عرس کی ہے۔ اور دوسری ۱۸ ربیع الثانی کی تاریخ عرس محبوبین یعنی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رحمہ اللہ کی ہے۔

اور یہ طریق کار اس کے بعد اختیار فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ مرحوم ومغفور ایک بڑے عرس پر سیال شریف حاضر ہونے کے لیے تشریف لے گئے اور جس وقت سیال شریف کے قریب پہنچے تو علاقہ ہذا کے کافی لوگ آپ کے ساتھ عرس میں شمولیت کے لیے جمع ہوچکے تھے۔ اور جب بستی سیال شریف میں داخل ہونے لگے تو تنگ راستہ کی وجہ سے ایک طویل قطار میں ہو لئے۔ جو کافی لمبی تھی اور حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ اس کے آگے آگے تشریف لے جارہے تھے۔ اس منظر کو دیکھ کر کسی شخص نے کہا کہ یہ کون خلیفہ ہیں اور کہاں کے ہیں؟ جن کے ساتھ اتنی کثیر تعداد آرہی ہے۔ سننے والے نے جواب دیا کہ یہ محمدی والے میاں صاحب ہیں۔

---

❶ چاہ، یعنی کنویں سے سیراب ہونے والی زمین۔

اس گفتگو کو حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ بھی سن لیا تو فرماتے تھے کہ میں نے دل میں طے کیا کہ آئندہ ایسی صورت نہیں اختیار کی جائے گی۔

تو اس کے بعد آپ نے بڑے اعراس پر شامل ہونا چھوڑ دیا۔ یہ چیز بتلاتی ہے کہ ان حضرات کے سامنے اخلاص تھا۔ جہاں بھی کوئی مشہور نمائش کی بات پیش آتی تو اس سے پوری طرح گریز کرتے اور عجب وخود بینی کی چیزوں سے اجتناب کرتے تھے۔ یہ کمال اخلاص کی نشانی ہے اس کو تورّع سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

## مسائل میں احتیاط:

حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کئی چیزوں میں احتیاط فرمایا کرتے تھے اور یہ احتیاط کرنا تقویٰ اور پرہیز گاری کی علامت میں سے ہے اس گئے گزرے دور میں ان چیزوں کا بہت کم لحاظ کیا جاتا ہے۔

اپنی زراعت کی آمدنی سے عشر تو نکالا ہی جاتا تھا۔ علاوہ ازیں بعض لوگ مسجد میں گندم وغیرہ بھیج دیتے تھے۔ وہ اگر عشر کی مد سے ہوتی تو میاں صاحب رحمہ اللہ اس کو الگ رکھوادیتے تھے۔ پھر اس کو عشر کے مصرف میں ہی صرف فرمایا کرتے تھے۔

اسی طرح نذرانہ میں بھی بعض دفعہ دیکھا گیا کہ آپ نے نذرانہ پیش کرنے والے سے دریافت فرمایا کہ یہ کیسی رقم ہے؟ اگر وہ کہتا کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے تو اس رقم کو زکوٰۃ کے مصرف میں لگا دیتے کئی بار تو اسی وقت طالب علموں کو بلا کر ان میں تقسیم کر دی جاتی تھی۔

ایک بار کا ذکر ہے نماز ظہر کے بعد ختم خواجگان سے جب فارغ ہوئے تو میاں ہدایت ترکھان نے آٹھ روپے نقد (جو اس وقت چاندی کے روپے کی شکل میں ہوتے تھے) پیش کیے اور زبانی کچھ نہ کہا تو حضرت موصوف نے فرمایا کہ تو نے از خود کیوں نہیں بتایا کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے اور خاموشی سے رکھ دیئے'' اسی وقت مستحقین کو بلا کر اس رقم کو ان میں تقسیم کر دیا گیا۔

احتیاط میں سے یہ بات بھی تھی کہ اگر آپ نے کسی سے دنیاوی گفتگو کرنا ہوتی تو مسجد سے باہر نکل کر کلام فرمایا کرتے۔ پھر مسجد میں داخل ہوتے اور اس چیز کا بھی لحاظ رکھتے کہ ختم خواجگان پڑھنے میں چھوٹے نابالغ بچے شامل نہ ہوں۔ مگر مجھے باوجود اس کے کہ میں چھوٹا تھا ختم میں شامل ہونے سے منع نہیں فرماتے تھے۔ یہ ایک مسئلہ شرعی پر عمل درآمد ہوتا تھا۔ اور وہ مسئلہ شرعی یہ ہے کہ فقہاء کرام رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ نابالغ کے تصرفات صحیح نہیں سمجھے جاتے تو اس اعتبار سے نابالغ اپنی نفلی عبادت دوسرے کے ملک نہیں کر سکتا البتہ نابالغ کی نفلی عبادت کا ثواب اس کے والدین کو خود بخود حاصل ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ طریقہ

مذکورہ میں مسئلہ شرعی کی عملی تفسیر تھی۔

## دیگر لوگوں کے حقوق کی رعایت:

حضرت والد صاحب رحمہ اللہ شریعت کی اتباع کا خاص خیال رکھتے تھے اور احکام شرعی کی پابندی ان کا مقصد زندگی تھا اور شریعت کے مسائل میں سے یہ بات بہت اہم ہے کہ دیگر آدمیوں کے حقوق کا خاص لحاظ رکھا جائے تا کہ ان کی حق تلفی نہ ہونے پائے اگرچہ چھوٹی چیز بھی ہو تب بھی اس میں دوسروں کی رعایت ملحوظ رکھی جائے اس کے متعلق چند ایک چیزیں ذکر کی جاتی ہیں۔

ایک دفعہ کا واقعہ حافظ فیض احمد صاحب ضیائی رمانوی اپنے متعلق ذکر کرتے ہیں کہ میں نے محمدی شریف کے درس میں قرآنِ مجید حفظ کیا تھا۔ جس سال میں نے ختم کیا اسی سال حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ کے لڑکے حافظ صالح محمد صاحب رحمہ اللہ نے بھی ختم کیا۔ اور درس ہذا کا یہ دیرینہ دستور چلا آتا تھا کہ جو طالب علم قرآن مجید پہلے حفظ کر کے ختم کر لیتا وہی آئندہ رمضان المبارک کی تراویح میں سنانے کا حق دار ہوتا تھا۔ اس قاعدہ کے اعتبار سے سنانے کی باری میری ہوتی تھی کیونکہ حافظ صالح محمد صاحب نے میرے بعد حفظ کر کے ختم کیا تھا۔ تو حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ نے مجھے بلا کر فرمایا کہ اے درویش باری تو تیری بنتی ہے اگر تو بخوشی اور برضا مندی اجازت دے دے تو ایک رات تراویح میں قرآن مجید تو سنایا کرے اور دوسری رات صالح محمد سنایا کرے اور جس کی باری تراویح پڑھانے کی نہ ہو وہ بعد از تراویح نوافل میں وہی منزل مصلیٰ پر پڑھا کرے تو میں نے عرض کیا کہ آپ جس طرح راضی ہوں بندہ اسی طرح خوش ہے تو حضرت میاں صاحب موصوف مجھ پر بہت خوش ہوئے اور راضی ہوئے اور ہم دونوں (فیض احمد، صالح محمد) نے اس رمضان شریف میں مذکورہ طریقہ کے مطابق باری باری سے قرآن مجید سنایا اور ستائیسویں شب پر ختم کیا۔

بندہ محمد نافع اپنے متعلق ذکر کرتا ہے کہ بندہ نے جس سال قرآن مجید حفظ کر کے ختم کیا تھا۔ اسی سال میاں صاحب کے چچا زاد برادر میاں نور زمان صاحب رحمہ اللہ مرحوم کے لڑکے میاں غلام مصطفیٰ نے بھی ختم کیا تھا۔ (میاں غلام مصطفیٰ کے والد صاحب قبل ازیں فوت ہو چکے تھے) تو حضرت میاں صاحب نے اپنی پکی مسجد میں میری بجائے غلام مصطفیٰ کا قرآنِ مجید تراویح میں سنا اور مجھے دوسری مسجد ''کچی'' میں بھیج دیا۔

بندہ نے پہلی بار تراویح میں ''کچی'' مسجد میں قرآن مجید سنایا۔ اس طریقہ سے دوسرے عزیزوں کے حقوق کی رعایت ہوئی اور ان کی دلجوئی کا سامان ہوا۔ اسی طرح ایک واقعہ میاں غلام علی نمبردار سنایا کرتے ہیں جس میں یہی دوسروں کی رعایت کا ذکر ہے۔

ایک شخص (شہامند ولد گہنہ قوم سجنکا) میاں صاحب رحمہ اللہ کے پاس ہر جمعہ کو حاضر ہوتا تھا۔ نیک اور شریف نمازی آدمی تھا۔ اور حضرت میاں صاحب کے معتقدین میں سے تھا اس نے حضرت والد صاحب مرحوم کی خدمت میں ایک دفعہ ذکر کیا کہ اگر میں آپ کی زندگی میں فوت ہوجاؤں تو جناب میرا جنازہ پڑھائیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔ کچھ مدت کے بعد شہامند مذکور کی وفات ہوگئی تو موضع سجنکے سے آدمی جنازے کی اطلاع کے لیے آیا۔ تو حضرت میاں صاحب نے اپنے فرزند مولانا محمد ذاکر صاحب کو جنازہ میں شمولیت کے لیے روانہ فرمایا تو مولانا موصوف شمولیت جنازہ کے لیے روانہ ہوئے۔ لیکن کچھ دیر بعد حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ کو شہامند کی استدعا اور اپنا وعدہ یاد آیا تو آپ خود تیار ہو کر تشریف لے گئے اور مولانا موصوف کو راستے سے واپس کر دیا۔ حضرت میاں صاحب وہاں پہنچے تو غالباً ظہر یا عصر کی نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ پہلے آپ نے فرض نماز جماعت کے ساتھ ادا کی تو جو لوگ فوتید گی ہذا پر آئے ہوئے تھے ان میں سے چند آدمی فرض نماز میں شامل ہوئے۔ نماز سے فراغت کے بعد جب نماز جنازہ پڑھنے کی تیاری ہوئی تو بہت سے لوگ (جو فرض نماز میں شامل نہیں ہوئے تھے اور نہ ہی نماز ادا کی تھی) نماز جنازہ میں شمولیت کے لیے آگے بڑھے۔ اس وقت حضرت میاں صاحب مرحوم ومغفور نے ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی اور بے نمازیوں کو نماز جنازہ میں شمولیت سے روک دیا۔ شہامند متوفیٰ کے لڑکے نور محمد نے گزارش کی کہ میں آئندہ نماز نہ چھوڑوں گا مجھے اپنے والد کے جنازہ میں شمولیت کی اجازت دی جائے۔ تو حضرت موصوف نے منظور کر لیا۔ اس کے بعد نماز جنازہ پڑھائی اور اس کے حق میں دعائے مغفرت خاص طور پر فرمائی۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت کا سامان کر دے گا۔

اس طریقہ سے آپ نے متوفی کے ساتھ وعدہ کی ایفا کی اور حق رفاقت ادا کیا۔

دادا حافظ عبد الکریم صاحب رحمہ اللہ خود اور ان کے لڑکے فوت ہو چکے تھے تو دادی بختاور صاحبہ دختر میاں جمال دین صاحب بیوہ رہ گئی تھیں۔ (قبل ازیں ان کا ذکر خواتین کے درس کے تحت بھی گزر چکا ہے۔) تو دادا عبد الکریم رحمہ اللہ صاحب مذکور کا حصہ جو زمین کی آمدن میں ہوتا تھا اس کی نگرانی حضرت میاں صاحب مرحوم فرمایا کرتے تھے اور جو زراعت کی آمدن ہوتی تھی اس میں سے دادی صاحبہ کا حصہ ان کو پہنچا دیا جاتا تھا۔

اسی سلسلہ میں ان کا ایک ڈنگر (یعنی گائے وغیرہ) اپنے ڈنگروں کے ساتھ رکھتے تھے جب وہ فروخت ہوتا تو اس کے دام لے کر حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ دادی صاحبہ کے پاس تشریف لاتے اور فروخت شدہ

ڈنگر کے دام ان کی خدمت میں پیش کرتے اور مزید برآں گزارش کرتے کہ آپ صاحب حق ہیں یہ آپ کا حق تھا جو پیش کیا گیا ہے۔ اور آپ عرض کرتے کہ تمہارے حقوق کی ادائیگی میں جو کوتاہی ہوئی ہو اس کو معاف کر دیا جائے۔

دوسروں کے حقوق کی رعایت پر یہ چند ایک چیزیں مختصراً ذکر کر دی گئی ہیں ان سے حضرت موصوف ﷬ کا اس مسئلہ میں معمول اور طریق کار واضح ہوتا ہے۔

## جامعہ کے ساتھ تعاون:

جامعہ کی ابتدا مولانا محمد ذاکر صاحب مرحوم نے ۱۸ محرم الحرام ۱۳۵۲ھ بموافق ۱۴ مئی ۱۹۳۳ء میں کی تھی۔ اس ابتدائی مجلس میں حضرت میاں صاحب ﷬ شامل تھے اور دعائے خیر آپ نے ہی فرمائی تھی۔ اور میاں سیّد غلام مرتضیٰ شاہ صاحب ﷬ اس اجتماع کے صدر تھے۔

ابتدائی مراحل میں علاقہ کی بے حسی اور پسماندگی کی بنا پر بعض اوقات آپ ﷬ پریشانی کا اظہار بھی فرمایا کرتے تھے۔ مگر بعد میں آہستہ آہستہ پوری طرح معاونت فرماتے تھے۔ عیدین کی نماز پر کئی بار آپ ﷬ نے جامعہ کے لیے چندہ کی اپیل بھی فرمائی۔

اور بعض دفعہ اس طرح بھی ہوا کہ عید کی نماز ادا کرنے کے بعد آپ مدرسہ میں چکر لگاتے اور طالب علموں کی شکستہ چارپائیوں کے انبار دیکھتے تو اپنے ساتھیوں سمیت ان کو درست کرنے کے لیے وقت صرف کرتے۔ جو معتقدین حضرات ساتھ ہوتے تھے وہ بھی چارپائیوں کے بان اور پائینتی وغیرہ مرمت کرنے میں لگ جاتے اور مدرسہ کا یہ کام قلیل وقت میں اس طرح مکمل کر دیا جاتا تھا۔ آپ کا تعاون تازیست مدرسہ کے ساتھ اسی طرح قائم رہا اور دعائیں شامل رہیں۔

## لوگوں کو اوراد و وظائف کی تلقین:

عموماً جو اوراد و وظائف حضرت میاں صاحب موصوف ﷬ لوگوں کو فرمایا کرتے تھے ان میں سے مندرجہ ذیل چند ایک ورد ذکر کیے جاتے ہیں۔ ان کے ذکر میں کچھ انحصار نہیں۔

## سنت فجر کے بعد:

فسبحان اللہ حین تمسون وحین تصبحون ولہ الحمد فی السمٰوٰت والارض وعشیا وحین تظھرون. یخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی ویحی الارض بعد

موتها وكذالك تخرجون. (تین بار)
اور سورۃ انعام کی پہلی تین آیات:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ ؕ۬ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ۝ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا ؕ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّی عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ۝ وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ ؕ یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَیَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ۝﴾

اس کے بعد

﴿فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وَجَعَلَ الَّیْلَ سَكَنًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ حُسْبَانًا ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ۝﴾

اس کے بعد تمام سورۃ ''ق'' پڑھ کر نماز فجر جماعت کے ساتھ ادا کی جائے۔
فرائض نماز پنجگانہ کے بعد (ق والقرآن المجید کے بعد آیت الکرسی پڑھی جائے اور اس کے بعد آیت)

﴿وَ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا۝ وَّ یَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ؕ وَ مَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا۝﴾ (تین بار)

اس کے بعد سورۃ فاتحہ بمعہ تسمیہ اور آمین کے (ایک بار) اور سورۃ اخلاص (تین بار) اور پھر درود شریف (تین بار) پڑھ کر آسمان کی طرف پھونک دے اور اپنے سینہ پر بھی پھونکے۔ مندرجہ ذیل آیات پڑھے:

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآىِٕمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ۝ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۫ وَ مَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ؕ وَ مَنْ یَّكْفُرْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ۝ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِیَ لِلّٰهِ وَ مَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَ قُلْ لِّلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ الْاُمِّیّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ ۙ وَّ یَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ۝ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ؗ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ۝ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ یُدْعَوْنَ اِلٰی كِتٰبِ اللّٰهِ لِیَحْكُمَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ وَ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۪ وَّ غَرَّهُمْ فِیْ دِیْنِهِمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ۝ فَكَیْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ ۫ وَ وُفِّیَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ۝ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۪ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِیَدِكَ الْخَیْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۝ تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَ تُوْلِجُ النَّهَارَ

فِي الَّيْلِ وَ تُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ تُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ تَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾
نیز ہر نماز کے بعد سبحان اللہ (۳۳ بار)، الحمد للہ (۳۳ بار)، اللہ اکبر (۳۴ بار) جیسا کہ سنت طریقہ ہے پڑھا جائے اور فجر کی نماز کے اوراد کے بعد مندرجہ ذیل آیات پڑھنے کی بھی آپ بعض معتقدین کو تلقین فرمایا کرتے تھے۔ یہ پانچویں پارے کی آیات ہیں جو ذیل میں لکھی جاتی ہیں:

۱: ﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ نُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا﴾

۲: ﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾

۳: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَ يُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾

۴: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰى اِثْمًا عَظِيْمًا﴾

۵: ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾

۶: ﴿ومن يعمل سوءا او يظلم نفسه ثم يستغفر الله يجد الله توابا رحيما﴾

۷: ﴿ما يفعل الله بعذابكم ان شكرتم وآمنتم وكان الله شاكرا عليما﴾

ان آیات کے فوائد اور تاثیر بھی بہت کچھ بیان فرماتے تھے۔ جو دین کی رغبت اور اعمال صالحہ کی توفیق پڑھنے والے کو حاصل رہتی ہیں۔ نیز دشمنوں اور حاسدوں کے شر سے بھی محفوظ رہتا ہے۔

آیت ﴿رب المشرق والمغرب﴾ الخ (تین بار) اور واللہ یقدر اللیل والنہار (تین مرتبہ) اور یبتغون من فضل اللہ (تین بار) اور واستغفر اللہ ان اللہ غفور رحیم (تین بار)

## متفرقات:

بندہ کے نام (نافع) کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ جب ہم ۱۳۳۲ھ میں حج پر گئے تو اس وقت حاجیوں کے لیے سواری اونٹ کے کجاوے ہوا کرتے تھے۔ ہم نے جو کجاوا کرایہ پر لیا تھا اس کا شتر بان مدینہ شریف کا ایک باشندہ تھا۔ جس کا نام ''نافع'' تھا تو وہ نام ہمیں بہت پسند آیا۔ اس لیے جب تم متولد ہوئے تو وہی ''نافع مدنی'' کا نام میں نے رکھنا پسند کیا اور لفظ ''محمد'' بطور تبرک ساتھ ملا دیا گیا۔

حافظ غلام محمد صاحب (کلاں) مرحوم ذکر کرتے تھے کہ ''ایک دفعہ ہم حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ کی

خدمت میں بیٹھے تھے تو میں نے عرض کیا کہ کبھی وہ دن ہوں گے کہ دو عرس ہوا کریں گے تو آپ نے فرمایا: ''نہیں ایک ہی عرس ہوگا۔''

قدرت کو ایسا ہی منظور ہوا کہ حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ کی وفات بڑے حضرت میاں صاحب (حضرت میاں عبد الرحمٰن) کے عرس سے صرف ایک دن پہلے ہوئی۔ اس صورت میں صرف بڑے میاں صاحب رحمہ اللہ کا ہی عرس ہوتا ہے۔ جناب موصوف کے لیے کوئی الگ عرس کی تاریخ مقرر نہیں۔ بعض دفعہ اپنا ایک خواب بیان فرمایا کرتے تھے وہ یہ کہ جہاں اب جامعہ ہے یہ ساری جگہ خالی میدان پڑا ہوتا تھا۔ موضع محمدی کے متصلاً مغرب اور قلعہ کنگراں کے مشرق میں یعنی محمدی اور قلعہ کے درمیان یہ ایک خالی میدان تھا۔ فرماتے تھے کہ ''میں نے خواب میں دیکھا ہے یہاں بڑی بڑی پختہ عمارات ہیں جیسے کسی شہر کی پختہ آبادی ہو۔

حضرت موصوف کے بعد مدرسہ کی آہستہ آہستہ پختہ عمارات تعمیر ہوئیں جو آج اس خواب کی پوری تعبیر نظر آ رہی ہے۔ ایک بار حضرت کی خدمت میں تصوف کی کتب کے متعلق گفتگو چل رہی تھی تو آپ نے بندہ کو ارشاد فرمایا کہ ''تصوف کی کتابوں کا مطالعہ کرنا۔''

آپ کے وصال کے بعد ایک زمانہ تو تدریسی مشاغل میں بندہ مصروف رہا اور مستقلاً باقاعدہ طور پر تصوف کا مطالعہ نہ کر سکا۔ پھر اس کے بعد مدح صحابہ رضی اللہ عنہم کے کچھ مسائل سامنے آ گئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف کہنے والے لوگوں کے مطاعن کے جواب لکھنے کی طرف رغبت ہوئی تو عموماً سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرت صحابہ رضی اللہ عنہم کے دیکھنے کا اتفاق ہوتا رہا اور فرمان مذکور کو عملاً کما حقہ پورا نہ کر سکا۔

چنانچہ کئی بار مزار پر حاضری کا اتفاق ہوتا ہے تو آپ کا وہ فرمان بعض دفعہ یاد آ جاتا ہے۔ اس چیز کو روحانی تصرف سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اب ان شاء اللہ تعالیٰ ارادہ کر لیا ہے کہ تصوف کی کتابیں حسب مقدور مطالعہ کی جائیں۔

میاں جلال الدین صاحب رحمہ اللہ چدھڑ ساکن کھیانہ ذکر کرتے ہیں کہ ایک بار حضرت موصوف نے مجھے ایک وظیفہ فرمایا جس کا شروع ''یا حی یا قیوم'' سے ہے اور اس کا اختتام ''یا اللہ یا اللہ'' پر ہے۔ یہ حضرت کی مجلس کی بات تھی اس کے بعد بندہ گھر آ گیا یہاں یہ خیال دامن گیر ہوا کہ شاید ''یا اللہ'' تین بار ہو؟ تو رات کو خواب میں حضرت میاں صاحب کی زیارت ہوئی اور آپ نے فرمایا کہ ''جو تالا دو دندانوں والی چابی سے کھلتا ہو تو وہ تین دندانوں والی چابی سے کیسے کھلے گا؟'' ایک موقع پر حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ کی خدمت

میں بعض پیروں کا تذکرہ ہوا ان کی وفات کے بعد ان کے ہاں ترکہ میں ہزار ہا روپے نقدی پائی گئی تو اس سلسلہ میں آنجناب نے فرمایا کہ ”ہمارے ہاں ان شاء اللہ تعالیٰ اس طرح جمع نہیں پائی جائے گی۔ بس کچھ تھوڑا بہت ہوگا جو اسی وقت صرف ہو جائے گا۔

چنانچہ جب حضرت کا انتقال ہوا تو اس وقت آپ کے ہاں کوئی سینکڑوں اور ہزاروں روپے بالکل جمع نہیں تھے۔ بلکہ غالباً ستر روپے کے قریب کچھ نقدی پائی گئی تھی جو اسی موقع پر تکفین وتدفین وغیرہ مصارف میں صرف ہوگئی اللہ تعالیٰ نے آپ کے مذکورہ نیک ارادہ کو بہترین طریقہ کے ساتھ تمام فرمایا۔ یہ چیز آپ کے اخلاص اور توکل علی اللہ کے بین نشانات میں سے ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو آخر اوقات تک قائم رکھا۔

## اختتام بالخیر اور سفر آخرت:

حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ کی صحت عام طور پر اچھی رہتی تھی۔ سال میں دو تین بار موسم کی بتدیلی کے مطابق طبیعت ناساز ہو جاتی تھی۔ گرمیوں میں کبھی کبھی بخار آجاتا اور شدت بخار کا علاج آنجناب کی طبیعت کے مطابق یہ کیا جاتا تھا کہ جَو مقشر کر کے ان کو ابالا جاتا پھر ان کو اسی صورت میں مٹی کے برتن میں رکھ دیا جاتا پھر اس کا جوز لال ہوتا آپ رحمہ اللہ حدت طبع کی تبرید کے لیے دن میں دو بار اس کو بطور دوا کے استعمال فرماتے تھے کوئی اور شربت وغیرہ نہیں استعمال فرماتے تھے۔

سردیوں میں زکام نزلہ کی گاہے گاہے شکایت ہوتی اور کبھی کبھی کھانسی بھی ہو جاتی تھی تو اس میں ایک قسم کا حریرہ بنا لیا جاتا جو آٹے کی چھان اور خشخاش گھوٹ کر تیار کیا جاتا جس میں کبھی کبھی مغزیات بادام وغیرہ بھی ملا لیے جاتے اس مرکب کو گرم کر کے استعمال فرماتے اور معجونیں یا خمیرہ جات وغیرہ کچھ استعمال نہیں فرماتے تھے۔

آخری بیماری میں بخار اور نزلہ زکام کے ساتھ کھانسی بھی شروع ہوئی تھی۔ پانچ چھ روز میں ان عوارض کی شدت ہوتی چلی گئی اور آخری دن میں مولانا نور محمد صاحب رحمہ اللہ برخورداری جو اچھے عمدہ طبیب تھے ان کو بلایا گیا تا کہ کوئی مناسب حال دوائی تجویز کریں تو انہوں نے طبیعت ملاحظہ فرما کر چند دوائیں تجویز کیں اور الگ ہو کر ہمیں فرمایا کہ حرارت عزیری بہت تیزی سے گر رہی ہے۔ اس کی بحالی کے فکر میں ہوں۔ مولوی صاحب موصوف کی ہدایت کے مطابق ادویہ بنا کر استعمال کرنا شروع کر دیں۔

طبیعت کی ناسازی کے حالات میں بھی حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ پانچ وقت کی نمازیں مسجد میں باجماعت ادا فرماتے رہے اور آخری روز بھی آخری نماز صبح کی تھی۔ جو آپ نے جماعت کے ساتھ ادا

فرمائی اور دیکھنے والے کے لیے یہ نہیں معلوم ہوسکتا تھا کہ یہ آخری نماز ادا کی ہے۔طبیعت میں استقلال اور سکون برابر قائم تھا۔کسی قسم کی پریشانی کے آثار آخر دم تک ظاہر نہیں ہوئے۔البتہ پاس انفاس چونکہ ہمیشہ جاری رہتا تھا۔اس وجہ سے تنفس میں تیزی معلوم ہورہی تھی۔

انہی حالات میں ہماری پھوپھی صاحبہ (فتح بی بی) جو ہمارے میاں صاحب کی اکیلی چھوٹی بہن تھیں تشریف لائیں۔ ان حالات کی وجہ سے سخت پریشان ہوئیں اور مسجد کے متصل حجرہ میں جس میں حضرت موصوف رحمہ اللہ کا قیام تھا۔غیر محارم سے پردہ کا انتظام کر دیا گیا۔حضرت کی حالت دیکھ کر سخت مضطرب ہوئیں اور گھبرا کر کچھ پریشانی کے کلمات منہ سے نکالے۔آپ بیٹھے ہوئے تھے اور پاس انفاس میں مشغول تھے۔ان کو زوردار الفاظ میں فرمایا کہ ''ایسا مت کرو تم نے نہیں مرنا؟''

حضرت کی استقلال مزاجی اور تلقین صبر دیکھ کر ہم سب متحیر تھے۔مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ ان تمام حالات میں موجود تھے۔لیکن ظہر سے تھوڑا سا قبل جامعہ میں آگئے تھے۔یہاں اس وقت مسجد کا تالاب بن رہا تھا۔اس کی نگرانی کے لیے اسی وقت ان کو آدمی بھیج کر بلوا لیا گیا۔آخری اوقات میں اجابت کی حاجت بار بار ہورہی تھی۔

## اجابت کرانے کی خدمت:

میاں احمد کمہار ولد نور احمد اور الٰہی بخش ستیانہ والہ سرانجام دے رہے تھے۔ظہر کا وقت ہوگیا اذان ہوئی اس کے بعد ایک دفعہ اجابت کی حاجت پیش آئی آپ نے استنجا اور طہارت کی پھر آپ کو حجرہ میں لایا گیا۔ظہر کی جماعت کا وقت قریب تھا۔(پنجگانہ نمازیں مولانا محمد شریف صاحب رحمہ اللہ پڑھاتے تھے) آپ نے حجرہ ہی میں پانی منگوا کر قبلہ رو ہوکر وضو کی تیاری شروع کی اور مولانا محمد شریف صاحب رحمہ اللہ کو فرمایا کہ جماعت کراؤ۔انہوں نے جماعت شروع کرا دی۔وضو کرانے والے میاں احمد کمہار مذکور اور برادرم حافظ صالح محمد صاحب رحمہ اللہ اور الٰہی بخش طالب علم تھے۔اسی دوران میں طبیعت کی حالت بدل گئی اور پسینہ جاری ہوگیا۔

پھر آپ کو اٹھا کر چارپائی پر قد دراز کر دیا گیا اور آپ کی روح مبارک اللہ تعالیٰ عزوجل کے ہاں پہنچ گئی۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ. عالم اجسام کا یہ سفر نماز کی تیاری میں وضو کی ابتدا پر اختتام پذیر ہوا۔حدیث شریف کے مضمون کے موافق عالم آخرت میں اسی صورت پر حشر ہوگا۔(سبحان اللہ)

## تاریخ وفات:

حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ موصوف کا انتقال بروز پنج شنبہ (خمیس) بوقت ظہر اٹھارہ ربیع الاوّل ۱۳۶۵ھ موافق اکیس فروری ۱۹۴۶ء اور دس پھاگن ۲۰۰۲ کو ہوا۔

## تجہیز وتکفین:

آپ کو غسل دینے کی خدمت مندرجہ ذیل حضرات نے سرانجام دی:

یعنی میاں احمد کمہار (خادم خاص سجنکے والا)، حافظ احمد ولد تاجہ (مدرس القرآن کچی مسجد) اور میاں جلال الدین چدھڑ ساکن مگھیانہ اور اپنے حافظ صالح محمد صاحب رحمہ اللہ مرحوم نے یہ سعادت حاصل کی۔

## جنازہ:

نماز مغرب پڑھنے کے بعد حضرت مرحوم کا جنازہ اٹھایا گیا۔مخلوقات کا بیشمار ہجوم تھا۔سابقہ جنازہ کی جگہ میں لوگ سما نہیں سکتے تھے۔اس لیے گورستان کے مغرب کی طرف جو خالی جگہ اور غیر آباد جگہ تھی وہاں جا کر نماز جنازہ کی تیاری ہوئی۔لوگوں کی کثرت کی وجہ سے صفوں کو بصد مشکل درست کیا گیا۔نماز جنازہ مولانا نور محمد صاحب برخورداری نے پڑھائی۔اس کے بعد مدفن کی طرف آپ کے جنازہ کو لایا گیا اور آپ کی قبر مبارک ہمارے دادا صاحب مرحوم کی قبر مبارک کے شرقی جانب متصلاً بنائی گئی۔جب قبر میں اتار چکے تھے تو اس وقت مولانا قطب الدین صاحب (چک جوتیاں والے) پہنچے تھے۔ان کو بھی حضرت کے علاج معالجہ کے لیے بلایا گیا تھا مگر دیر سے پہنچے۔قبر ابھی بند نہیں کی گئی تھی آخر میں انہوں نے زیارت کی اور اس کے بعد قبر بند کر دی گئی۔رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

## اجمال واختصار:

سطور بالا میں حضرت مولانا حافظ عبدالغفور صاحب رحمہ اللہ کے احوال مختصراً ذکر کیے ہیں۔ان پر نظر کرتے ہوئے یہ چیز واضح ہوتی ہے کہ

- آں موصوف نہایت نیک طبیعت اور نیک فطرت ہستیوں میں سے ایک یگانہ فرد تھے اور وصفِ خیر کی اعلیٰ صلاحیتوں کے ساتھ متصف تھے۔
- علمی تفوق اگرچہ زیادہ نہیں تھا اور بقدر ضرورت دینی کتابوں پر نظر رکھتے تھے۔لیکن عملی پہلو نہایت

شاندار تھا اور اعمالِ صالحہ پر دوام اور ہمیشگی ایک عادت ثانیہ کے درجہ میں تھی اور اپنے مشائخ طریقت کے معمولات اور طریق کار کو مقصد زندگی بنائے ہوئے تھے۔

- عبادات کا نظم لیل ونہار میں ایک عمدہ طریقے سے جاری رکھتے تھے۔ جس کی نظیر اس دور میں بہت کم دستیاب ہوتی ہے اور عملِ صالح ہی مومن کے لیے سرمایۂ آخرت ہے۔
- اخلاص اور بے ریا عبادت اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ مقبول ہے۔ یہ چیز یہاں بطریقِ اتم موجود تھی۔
- معاشرتی زندگی میں آنجناب اپنے خاص معمولات رکھتے تھے جن پر وہ آخر تک دائماً قائم رہے۔
- سادہ لباس تھا، سادہ خوراک تھی، بے تکلف بود وباش ہوتی تھی۔ غیر سے خدمت لینے میں حتی المقدور اجتناب تھا۔

ان اوصافِ حمیدہ کے ساتھ سفر زندگی کا اختتام فرمایا۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ رحمۃ واسعۃ.

(فرزند ناچیز محمد نافع عفا اللہ عنہ)

## ذاتی ڈائری میں والد گرامی کے انتقال کا ذکر پُر ملال:

آباؤ اجداد کا تذکرہ خود حضرت رحمہ اللہ کے خامہ عنبر وشمامہ سے پیش کیا جاچکا۔ اس وقت کاتب الحروف کے سامنے آپ رحمہ اللہ کی ۱۹۴۶ء کی ڈائری موجود ہے۔ اس میں آپ نے کس انداز میں اپنے عظیم والد گرامی کی وفات پر تذکرہ لکھا؟ ملاحظہ فرمائیے۔

''آج ۱۳۶۵ھ/ ۳/ ۱۸ کو پانچ چھ روز کی علالت کے بعد بوقت ظہر بروز خمیس قبلہ حضرت میاں مولانا عبد الغفور صاحب رحمہ اللہ دار فانی سے دار بقاء کو انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، کل نفس ذائقۃ الموت، کل من علیھا فان.''

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم وبہار آخر شد

اس واقعہ کا اثر ہر خاص وعام کے قلب پر طاری رہا، فرطِ غم کا کچھ عجیب نظارا لگا ہوا ہے کہ صبر وتسکین کی صورت نہیں بن رہی۔ ہر طرف آہ وفغاں ہے، ہر فرد دوسرے سے زیادہ طوفانِ شوق میں ڈوبا ہوا نظر آتا ہے۔ اللہ اللہ، یہ سانحہ کئی منزلیں، کئی مراحل عبور کر کے خدا جانے کہاں تک پہنچائے گا، اللہ تعالیٰ حافظ وناصر ہے جس کے بغیر کوئی نہیں۔ آمین بحرمۃ النبی الکریم وبحرمۃ جمیع الصالحین صلوٰۃ اللہ علیھم اجمعین۔ داستانِ درد کی صحیح توضیح بیان سے باہر ہے۔ آنقبلہ گاہی جدامجد حضرت میاں امام الدین رحمہ اللہ الی یوم الدین کے صحیح معنوں میں حقیقتاً یادگار نور آثار تھے۔ جب سے یہ سلسلہ خاندان میاں صاحب محمدی کا چلا ہے، نسلاً بعد نسلٍ، خلفاً بعد

خلف اُس زمانہ سے لے کر آج تک ایک نہ ایک فردِ یگانہ منبع فیوضات و برکات رہا ہے۔ روحانی فیض واستفادہ سب سے پہلے ملتان شریف غوث صاحب مرحوم کی اولاد سے کچھ زمانہ تک چلا آیا ہے۔ اس کے بعد میاں حافظ بدرالدین صاحب مرحوم نے اپنی بیعت میاں صاحب جی چکی والے سے جا کر کی۔ وہاں سے اپنا مقسوم فیض حاصل کیا۔ اتقیاء میں ان کا خصوصی امتیاز اکل حلال رہا ہے، نہایت زاہد، متقی، ذوداثر صاحب تاثیر تھے، ان کے بعد ابن البنت (نواسے) حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب، صوفی عاش باللہ جانشین ہوئے۔ انہوں نے اپنا ارتباطِ روحانی مردِ کامل، شمس العارفین حضرت مولانا خواجہ شمس الدین سیالوی رحمہ اللہ سے پیدا کیا۔ جہاں آپ نے مجسم پیکرِ عشق ہو کر اپنے مقصد کو طے کیا۔ ان کے بعد ولد صالح، زاہد کامل ہمارے حضرت میاں صاحب حاجی مولانا عبدالغفور صاحب مرحوم اپنے والد کی جگہ جلوہ افروز ہوئے۔ سلسلۂ بیعت اور تاثر فیض روحانی خواجہ رحمہ اللہ موصوف سے اور اپنے والد بزرگوار سے اکمل طریق پر حاصل کیا۔ تمام روحانی اقتباسات و باطنی انکشافات کو ضبط و ربط کے ساتھ محفوظ رکھا، استقامت علی الشریعت اور پابندیٔ دین میں سرِ مُو پس و پیش نہیں ہوئے۔ تمام عمومی علاقہ کے لیے واحد برکت اور خصوصی خطہ محمدی کے لیے روحِ رواں تھے۔ حق تو یہ ہے کہ جد امجد صاحب میاں محمدی مرحوم کا جو ظاہری جلال برسوں سے چمکتا دمکتا چلا آ رہا تھا آج ہماری آنکھوں سے پسِ پردہ ہو گیا ''وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا۔''[1]

---

[1] مولانا محمد نافع رحمہ اللہ: ذاتی ڈائری ۲۱/فروری ۱۹۴۶ء بمطابق ۱۸ ربیع الاوّل ۱۳۶۵ھ۔

# باب نمبر 2

❁......مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی ذی مرتبت خاندان میں ولادت

❁......تعلیم و تربیت

❁......جامعہ محمدی کا قیام

اور

❁......حصولِ علم کے مختلف مراحل کا دل آویز تذکرہ

# مولانا محمد نافع رحمہ اللہ

## ولادت، وجہ تسمیہ اور تعلیم و تعلّم

مولانا میاں عبد الغفور رحمہ اللہ کے ہاں آپ کی ولادت کھوکھر خاندان میں ایک اندازہ کے مطابق ۱۹۱۵ء بمطابق ۱۳۳۵ھ میں ہوئی۔ راقم الحروف نے شناختی کارڈ پہ سن ولادت ۱۹۱۸ء دیکھا ہے۔ لیکن آپ رحمہ اللہ نے اپنی خودنوشت ایک تحریر میں محتاط اندازے کے مطابق ۱۹۱۵ء ہی لکھا ہے۔ آپ تین بھائی تھے۔

(۱) مولانا محمد ذاکر، (۲) حافظ محمد صالح، (۳) مولانا محمد نافع۔

اوّل الذکر دو کے احوال آگے آرہے ہیں۔ آپ رحمہ اللہ کے والد گرامی ۱۹۱۳ء میں حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے۔ اس زمانہ میں مکۃ المکرمہ اور مدینۃ المنورہ کے درمیان حاجی حضرات اونٹوں پر سفر کرتے تھے۔ چنانچہ مولانا میاں عبد الغفور رحمہ اللہ جب مکہ شریف سے مدینہ منورہ جانے لگے تو آپ نے ایک اونٹ کرایہ پر لیا، شتربان سے باہمی تبادلہ خیال ہوا تو اس نے اپنا نام ''نافع'' بتایا، والد گرامی کو یہ نام بہت پسند آیا، چنانچہ جب وطن واپس آئے اور دو سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرزند عطا کیا تو اسم ''محمد'' تبرکاً شامل کر کے اپنے فرزند کا نام ''محمد نافع'' رکھا۔ گھر کے اندر کئی پشتوں سے روحانی اور ایمانی ماحول چلا آرہا تھا۔ آسائش وآرائش اور اسراف کی زندگی پر سادگی وقناعت اور توکل کو ترجیح دی جاتی۔ ''محمد نافع'' نام ہی ایسا برکت والا تھا کہ اللہ جل مجدہ نے ان سے نفع دینی کا فیصلہ فرمالیا تھا۔

## عالم ہمہ بے کار!

شاعری کی ایک صنف کا نام ''سجع'' ہے۔ ویسے تو خوش الحان پرندوں کی چہچہاہٹ کو بھی ''سجع'' کہہ دیا جاتا ہے۔ لیکن شاعری میں دو فقروں کے آخری الفاظ کے ہم قافیہ ہونے کو، یا پھر ایسے موزوں فقرہ کو کہا جاتا ہے جو شعر میں، بایں طور لایا جائے کہ جس میں نام بھی آجائے اور وہی نام عبارت میں معنی کا کام بھی دیتا ہو۔ جیسا کہ حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ رحمہ اللہ کے پاس ایک آدمی آیا جس کا نام ''محمد کالے'' تھا اور کہا کہ میرے نام کی ''سجع'' کہہ دیجیے۔ تو آپ رحمہ اللہ نے فی البدیہہ فرمایا:

''ہر دم نام محمد کا، لے''

مولانا حبیب الغفور چنیوٹ کے معروف عالم گزرے ہیں جو مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے ساتھ کئی تبلیغی جلسوں میں شریک رہتے اور آپ رحمہ اللہ کی ڈائریوں میں ان کا نام کئی ایک صفحات پہ ملتا ہے۔ یہ مولانا مشتاق احمد چنیوٹی کے خالو تھے۔ مولانا مشتاق احمد راوی ہیں کہ تحریک پاکستان کے زمانہ میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ قصبہ محمدی شریف تشریف لائے اس وقت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ زیر تعلیم تھے۔ حضرت شاہ جی نے رات کو خطاب فرمایا۔ اور دورانِ تقریر مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی طرف چہرہ کر کے فرمایا کہ مجھے اس علاقہ میں دو نام بہت پسند آئے ہیں، ایک حبیبُ الغفور، دوسرا محمد نافع، یہ فرما کر آپ نے مخصوص انداز میں زلفوں کو جھٹکا دیا اور محمد نافع نام کی سجع کہی۔ ''باقی سب بے کار، محمد نافع'' پھر چند لمحے ٹھہر کر فرمایا، اس میں اہانت انبیاء کرام علیہم السلام کا شبہ ہوتا ہے، اسے یوں بدل دو:

''عالَم ہمہ بے کار، محمد نافع''

یہ سجع بندی جہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بے پناہ محبت کی دلیل ہے وہاں مولانا محمد نافع کے لیے نیک فال بھی تھی۔ چنانچہ ''محمد نافع'' نام اتنا نفعِ رساں ثابت ہوا کہ گم شدگانِ رہ ہدایت، ہدایت کی منزلیں پا گئے۔

## تعلیم و تربیت:

عظیم والد گرامی نے اپنے اس بخت رسا لخت جگر کی تعلیم کا آغاز اپنے زیر سایہ کیا، اور اس کے لیے اوّلاً تحفیظ قرآن مجید کا فیصلہ ہوا۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ ظاہری اعتبار سے حفظ قرآن کا آغاز تاخیر سے کیا گیا، کیونکہ والد گرامی سے حفظ کا آغاز ۱۹۳۲ء بمطابق ۱۳۵۲ھ میں ہوا، اس اعتبار سے اگر سن ولادت ۱۹۱۵ء ہی ہو تو ۱۷ سال اور شناختی کارڈ کے مطابق ۱۹۱۸ء ہو تو ۱۴ سال کی عمر بنتی ہے جب آپ رحمہ اللہ نے قرآنِ مجید حفظ کرنا شروع کیا۔ اس سے پہلے قصبہ محمدی شریف میں ایک پرائمری سکول میں آپ نے غالباً اس زمانہ میں رائج نظام کے مطابق تعلیم حاصل کی۔ یہ اسکول اسی قصبہ کے جناب منشی صالح محمد صاحب کی جدوجہد سے منظور ہوا تھا، ایک ٹیچر درخت کے نیچے کلاس لگایا کرتے تھے اور ہندی تعلیم سے طلبہ آشنا ہوتے تھے۔ منشی صالح محمد اپنے دور کے تعلیم یافتہ اور انتھک شخصیت کے مالک تھے، ان کے تذکرے مولانا محمد نافع کی ابتدائی ڈائریوں میں کئی جگہ ملتے ہیں۔ جس سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس روحانی وعظیم خاندان کے ساتھ خادمانہ حیثیت کا سا کردار ادا کرتے تھے۔ گھر کی تربیت جاری تھی اور اسکول کی تعلیم بھی، کہ ''نافع'' کی جبین سے

علومِ نبوت کی کرنیں چمکنا شروع ہوگئیں، والد گرامی سے آپ نے قرآن مجید مکمل حفظ کیا، اور پھر تلاوتِ قرآن مجید کا شغف پوری عمر رہا، خصوصاً رمضان المبارک میں قرآنِ مجید کی منزل کا دور، تراویح میں تلاوت اور کبھی سماعت نہایت اہتمام سے ہوتی تھی، جو مطبوعہ ڈائریوں میں ناظرین ایمانی حلاوتوں کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں گے۔ تو والد گرامی مولانا عبد الغفور رحمہ اللہ کی نورانی تربیت اور نگرانی میں آپ رحمہ اللہ نے قرآنِ مجید حفظ کیا۔ حفظ قرآن مجید سے فراغت کے بعد آپ رحمہ اللہ نے دینی کتب کی تعلیم کا آغاز کیا۔ اور اس کے مواقع بھی قدرت نے آپ کو اپنے گھر میں، اور اپنے بزرگوں کے زیر سایہ ہی عطا کر دیئے تھے۔

## جامعہ محمدی کا قیام اور تعلیم کا آغاز:

مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے بڑے بھائی مولانا محمد ذاکر محتاجِ تعارف نہیں ہیں، آپ نے چنیوٹ میں مولانا سلطان محمود رحمہ اللہ چنیوٹی (شاگرد رشید قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ) دار العلوم نعمانیہ ملتان، جامعہ عباسیہ بہاولپور میں مولانا غلام محمد گھوٹوی سے اور پھر دار العلوم ضیاء شمس الاسلام سیال شریف میں مولانا محمد حسین سیالوی اور مولانا معین الدین اجمیری رحمہ اللہ جیسے یگانہ روزگار مدرسین سے کسب فیض کیا۔ سیال شریف کا خانقاہی سلسلہ تو حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمہ اللہ کے دور سے چلا آ رہا تھا، جسے بعد میں ان کے فرزند دل بند حضرت خواجہ محمد الدین سیالوی رحمہ اللہ نے عروج دیا، لیکن یہاں مدرسہ کی بنیاد حضرت خواجہ ضیاء الدین سیالوی رحمہ اللہ نے رکھی تھی، آپ حضرت خواجہ محمد الدین سیالوی کے صاحبزادہ تھے۔ نہایت علم پرور اور حُسن اعتدال سے مالا مال تھے۔ ایک طویل عرصہ تک اس مدرسہ کا شاندار ریکارڈ رہا ہے۔ بڑے بڑے فضلاء اور علماء یہاں کی دستار وسند پر فخر کرتے تھے، اس خطہ میں یہ دار العلوم دیوبند کا تعلیمی وفکری ترجمان جانا جاتا تھا۔ حضرت خواجہ ضیاء الدین سیالوی رحمہ اللہ نظام تعلیم، فقہی توفق اور انگریز دشمنی میں اکابرین اہل سنت دیوبند سے بہت متاثر تھے۔ ۱۹۲۶ء میں دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے تھے جہاں آپ کا پُر جوش استقبال ہوا تھا، استقبالی جلسہ میں علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ جیسے جبال العلم نے سپاسنامہ پیش فرمایا تھا، اور خواجہ صاحب رحمہ اللہ نے یہاں تین دن قیام فرمایا تھا۔ [1]

اس زمانہ میں مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ دار العلوم دیوبند میں داخلہ لے چکے تھے اور حضرت خواجہ صاحب رحمہ اللہ نے مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ کے کمرہ نمبر ۱۴ میں جا کر شکر قندی اور فرنی کی دعوت بھی قبول کی تھی۔ [2] دار العلوم

[1] مولانا غریب اللہ رضرب شمشیر ص ۶۰ ر مطبوعہ موضع مانکی تحصیل صوابی مردان۔
[2] نصرت علی ایثر جتیہ ر ذکر ذاکر ر ص ۴۳۔

دیوبند سے پہلے آپ سیال شریف زیر تعلیم رہے جہاں مولانا محمد حسین رحمہ اللہ نے مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ میں علمی استعداد کا جوہر پیدا کیا، مولانا محمد حسین کے متعلق مولانا حکیم عطاء محمد قرشی رحمہ اللہ نے اپنی خود نوشت یادداشتوں (یاد ایام)، میں لکھا ہے کہ سیال شریف میں تدریس کے لیے حضرت خواجہ ضیاء الدین سیالوی کو ''ایک عالم گوہر یک دانہ میسر آ گیا، جس کا نام نامی مولانا محمد حسین تھا۔ مشہور تو وہ ہندوستانی تھے، کیونکہ آپ کی زبان اردو اور طرزِ لباس ہندوستانی تھی، ٹوپی، شلوار اور اچکن ان کا پہناوا تھا، مگر تھے پنجابی نژاد، ماڑی شاہ سخیرا کے زمیندار، میانہ خاندان سے تعلق نسب تھا۔ اور ان کے نانا مولوی شرف دین صاحب علم دین کے بڑے عالم اور مناظر تھے۔ [1]

## ایک افسوس ناک تاریخی خیانت:

مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ کے شاگرد رشید تھے، آپ ۳۰/اپریل ۱۹۲۴ء بمطابق ۱۷، شوال ۱۳۴۵ھ کو دارالعلوم پہنچے تھے اور پھر وہیں سے سند فراغ حاصل کر کے واپس ہوئے۔ مولانا حافظ محمد سعد اللہ لکھتے ہیں:

''دورۂ حدیث کے لیے آپ نے دارالعلوم دیوبند ہی کا کیوں انتخاب فرمایا؟ اس کی صراحت کسی تحریری ریکارڈ میں نہیں ملتی۔ کیونکہ زندگی کے اس اہم فیصلے یا قدم کی پوری وضاحت دیگر بہت سی چیزوں کی طرح حضرت مولانا (محمد ذاکر رحمہ اللہ) کی خودنوشت ڈائری سے ہی ملنا تھی۔ اور ادھر افسوس ناک المیہ یہ ہے کہ متعلقہ ڈائری سے اس دوران یا ان ایام کی روز مرہ ڈائری کے صفحات ہی غائب کر دیئے گئے ہیں۔ اس حوالے سے حضرت مولانا کی چند سالوں کی ڈائریوں کے ناقل جناب نصرت علی ایثر مؤلف (کتاب) ''ذکر ذاکر'' نے نوٹ کے تحت لکھا ہے کہ:

> ''۱۳/اپریل سے ۳۰/اپریل تک ڈائری کے اوراق کاٹ لیے گئے ہیں، نہ جانے کیا اسرار ہے؟ ان اوراق میں غالباً مولانا صاحب رحمہ اللہ کی دیوبند جانے کی تیاریاں، اجازت یا ارشادات وغیرہ تھے، جو کسی کو پسند نہ آئے ہوں گے۔'' (اللہ اعلم)

اس سب کچھ کے باوجود عقلی ونقلی اعتبار سے قرین قیاس یہی ہے کہ اتنے اہم فیصلے یا اتنا بڑا قدم اٹھانے کے لیے بالفرض اگر والد صاحب کا حکم نہیں بھی تھا تو اُن کی صریح اجازت اور خوشنودی بہرکیف شامل حال تھی، کیونکہ آداب فرزندی سے واقف جو سعادت مند بیٹا جوان، عالم دین، انتہائی عقل مند اور مقامی وملکی سے

---

[1] مولانا حکیم سید عطاء محمد قریشی رحمہ اللہ / یاد ایام / ناشر ڈاکٹر عبداللہ شاہ ہاشمی / ص ۱۰۔

آگے بین الاقوامی سیاسی اتار چڑھاؤ سے آگاہ ہونے کے باوجود اپنے والد کے سامنے اُف تک نہیں کہتا، آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا، اور والد صاحب کسی بات پر خفا ہو جائیں تو فوراً عریضے لکھ کر معافی مانگے۔ اس سعادت مند بیٹے سے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنے والد گرامی کی منشاء و مرضی کے خلاف کسی دار العلوم میں داخلے لے؟ اسی طرح جو مرید قدم قدم پر اپنے شیخ کو اعتماد میں لیتا اور زندگی کے ہر معاملے میں ان سے مشورہ و رہنمائی لیتا ہے، وہ اپنے شیخ کی مرضی کے خلاف دار العلوم دیوبند میں کیسے پہنچ سکتا ہے؟ بالفرض اگر شروع میں بوجوہ شیخ سے مشورہ و اجازت نہیں بھی طلب کی جا سکی تھی تو بعد میں حضرت خواجہ ضیاء الدین سیالوی رحمہ اللہ نے، جیسا کہ آگے آرہا ہے، صرف زبانی ہی نہیں بلکہ ایک مراسلے میں تحریر اور دار العلوم دیوبند میں بنفس نفیس قدم رنجہ فرما کر عملی طور پر اپنی رضامندی کا اظہار فرمایا تھا۔'' [1]

پرانے اور تاریخی اوراق کو بعض اوقات دیمک چاٹ جاتی ہے، اور بعض اوقات چوہے کتر کے ضائع کر دیتے ہیں۔ لیکن مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ کی دار العلوم دیوبند کی یادداشتوں والی ڈائری پر تو یقیناً کوئی ''باگڑ بلا'' جا پڑا ہوگا۔ جس نے اپنے تئیں تاریخی حقائق کو دھندلا کرنے کی سعی کی ہے، لیکن حقیقتوں کے چراغ بجھائے نہیں جا سکتے ہیں۔ تاہم مقام افسوس ہے کہ بعض لوگ اپنی نا اہلی، نالائقی اور ضمیر کی بدبو کو چھپانے کے لیے کیسی کیسی شعبدہ بازیوں کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ بہر کیف مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ نے واپس آکر اپنے گاؤں میں ادارہ کی بنیاد رکھی۔

## مولانا محمد نافع، قیامِ جامعہ محمدی کے چشم دید گواہ!

۱۹۳۲ء کے اختتام یا ۱۹۳۳ء کے آغاز میں یہاں دار العلوم محمدی کی بنیاد رکھی گئی، مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ کے اخلاص کا نتیجہ تھا کہ میاں مبارک دین نمبردار نے ایک ایکڑ اراضی فی سبیل اللہ وقف کر دی، اور مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ کی ۹ نومبر ۱۹۳۲ء کی ڈائری کے مطابق علامہ سیّد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ، سرتاج الاولیاء مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ اور مولانا عبد الحنان رحمہ اللہ کی خدمت میں دعا کے لیے عریضے ارسال کر دیئے گئے۔ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ اس وقت حفظ مکمل فرما چکے تھے۔ چنانچہ اپنے برادرِ بزرگ کی نیک تمناؤں اور مدرسہ کی افتتاحی تقریب کا چشم خود حال یوں درج فرماتے ہیں:

''ہمارے والد محترم حضرت مولانا عبد الغفور صاحب رحمہ اللہ عام طور پر رات کو عشا سے قبل اپنی مجلس میں ذکر اللہ وفکر آخرت کی باتیں بیان فرماتے تھے۔ ترکِ دنیا اور دینی امور کی اہمیت کے تذکرے جاری

[1] تذکرہ مولانا محمد ذاکرؒ، صفحہ نمبر ۱۱۱، مطبوعہ ۲۰۱۰ء۔

رہتے تھے۔ ایک رات مجلس میں یہ مضمون مذکور ہوا کہ پہلا زمانہ بہتر تھا، اس میں خیر و برکت زیادہ تھی۔ زمانِ نبوت (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) سب سے عمدہ دور تھا، جس قدر زمانہ دورِ نبوی سے بعید ہوتا جا رہا ہے، قربِ قیامت کے آثار نمودار ہو رہے ہیں، خیر و برکت ختم ہوتی جا رہی ہیں۔ شر بڑھتا جا رہا ہے، اس پر مدینہ طیبہ کے اندر ایک دوکاندار کا واقعہ ذکر کیا کہ وہ تازہ روٹی کی قیمت کم وصول کرتا اور باسی روٹی کی قیمت زیادہ لیتا کہ وہ زمانِ نبوت کے زیادہ قریب ہے۔ مولانا مرحوم کی طبیعت میں تعلیمی منصوبے کے تصورات پہلے ہی سے موجزن تھے۔ پھر مجلس مذکور کے مضمون سننے کے بعد نہایت فکر مند ہو گئے اور عہد کر لیا کہ اب اس مسئلہ میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ چنانچہ اسی تاریخ کو ظہر کی نماز کے بعد ایک مختصر سا مسجد محمدی شریف میں اجتماع کیا۔ حضرت پیر غلام مرتضیٰ شاہ صاحب رحمہ اللہ (آف کوٹ وساوا) اتفاقاً کسی کام کے لیے (قریہ) محمدی آئے ہوئے تھے انہوں نے بھی شمولیت فرمائی۔ اور اجتماع ہذا کی صدارت کی۔ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ اور دیگر نمازی حضرات جو اس وقت موجود تھے، سب اس اجتماع میں شریک ہوئے۔ اس مختصر سے اجتماع کے سامنے مولانا مرحوم اپنے عظیم مقاصد بیان کرنے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ تمہیداً کچھ ذکر کرنے کے بعد جب مقصد بیان کرنے پر پہنچے تو مولانا مرحوم پر بے ساختہ گریہ طاری ہو گیا۔ پھر تمام شرکاء مجلس پر عجیب کیفیت طاری ہو گئی۔ آنکھیں اشک بار ہوئیں۔ کافی وقت یہی رقت آمیز منظر قائم رہا اس کے بعد مولانا نے درد بھرے مختصر الفاظ میں حاضرین مجلس کے سامنے مقصد بیان فرمایا، علاقہ ہذا کے مسلمانوں میں صرف قرآنِ مجید کے حفظ و ناظرہ کی تعلیم مدت دراز سے چلی آ رہی ہے۔ تاہم مزید دینی تعلیم جاری کرنے کے لیے ایک مدرسہ عربیہ قائم کرنے کی حاجت ہے، جس کی وجہ سے تمام علاقہ میں تعلیم عام ہو سکے۔ اس مسئلہ کی طرف مولانا مرحوم نے توجہ دلائی، لوگوں نے تائید کی، اس طرح مدرسہ کا افتتاح کیا گیا اور دعائے خیر پر مجلس ختم ہوئی۔ ❶

مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے جب حفظ مکمل فرمایا تو اس کے بعد دینی علوم کی کتب کا آغاز حضرت مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ سے ہی کر دیا تھا۔ اور ساتھ ہی ایک مولانا اللہ جوایا شاہ رحمہ اللہ صاحب تھے، ان سے بھی کسب فیض کیا۔ مولانا اللہ جوایا شاہ صاحب ۱۳۶۲ھ میں فوت ہو گئے تھے۔ اس کے بعد مدرسہ اشاعت العلوم جامع مسجد کچہری بازار فیصل آباد (سابقہ نام لائل پور) میں داخل ہوئے، یہاں پر آپ رحمہ اللہ نے مولانا محمد مسلم عثمانی رحمہ اللہ اور مولانا حکیم عبدالمجید رحمہ اللہ سے فصولِ اکبری، علم الصیغہ، نحو میر، صغریٰ و کبریٰ وغیرہ کتابیں پڑھیں۔

---

❶ مولانا محمد ذاکر نمبر، ماہ نامہ ''الجامعہ'' جنوری و فروری ۱۹۷۷ء، صفحہ نمبر ۷۔

## لائل پور سے اپنے گاؤں مراجعت:

اسی دوران آپ کے برادر بزرگ مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ نے جامعہ محمدی شریف کی بنیاد رکھی تو مولانا محمد نافع رحمہ اللہ صرف ونحو کی ابتدائی کتب پڑھنے کے بعد واپس اپنے گاؤں آ گئے۔ اور اپنے نئے مدرسہ میں بقیہ تعلیم جاری کی۔

## جامعہ محمدی کے سب سے پہلے مدرس:

اس ادارہ میں سب سے پہلے درس نظامی کی کتب پڑھانے کے لیے جس بحر العلوم اور درّ یگانہ کا انتخاب کیا گیا وہ حضرت مولانا علامہ احمد شاہ چوکیروی رحمہ اللہ تھے (آپ کے حالاتِ زندگی آئندہ صفحات پر ملاحظہ ہو سکیں گے) علامہ چوکیروی اس خطہ میں مسلمانوں اور خصوصاً اہل السنّت والجماعت احناف کے علمی پشتی بان تھے۔ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کو خوش نصیبی سے یہاں مولانا احمد شاہ صاحب چوکیروی ایسے استاذ میسر آ گئے۔ اور پھر مستقبل میں مولانا احمد شاہ چوکیروی مولانا محمد نافع جیسے اپنے شاگرد پر بے انتہا فخر فرماتے تھے۔ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے نام اُن کے خطوط پڑھ کر قارئین اندازہ کر لیں گے کہ استاذ کے دل میں اپنے اس قابلِ فخر شاگرد کی کتنی توقیر تھی! مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے علامہ چوکیروی رحمہ اللہ سے مندرجہ ذیل کتب پڑھیں:

۱: علم نحو میں...... ہدایۃ النحو، کافیہ، الفیہ، شرح جامی۔

۲: علم فقہ میں...... قدوری، ہدایہ (اوّلین)۔

۳: معقولات میں...... ایساغوجی، مرقات، شرح تہذیب، قطبی (کچھ حصہ)

اس دوران جامعہ محمدی شریف میں علم کے ایک اور دریا نے رُخ کیا، جن کے علم وفضل کے تارے جہاں جہاں نکلے، سینکڑوں کو چمکا گئے۔ اس عظیم المرتبت عالم دین کا نام حضرت مولانا قطب الدین اُچھالوی ہے (حالاتِ زندگی آئندہ سطور میں ملاحظہ ہوں۔) مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے مولانا اُچھالوی سے قطبی کا بقیہ حصہ اور ''میبذی'' کے علاوہ مندرجہ ذیل کتب پڑھیں:

۱: علم فقہ میں...... شرح وقایہ (اخیرین)

۲: علم بلاغت میں...... مختصر المعانی وغیرہ

علاوہ ازیں نور الانوار اور شرح وقایہ (اوّلین) مولانا شیر محمد صاحب نے آپ کو پڑھائیں۔

۱۳۵۹ھ بمطابق ۱۹۴۰ء میں جامعہ محمدی شریف کو حضرت مولانا احمد بخش رحمہ اللہ نے اپنے وجود با مسعود

سے نوازا۔ آپ قصبہ گدائی ضلع ڈیرہ غازی خان کے رہنے والے تھے۔فن تدریس میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے، منطق وفلسفہ کی گتھیاں سلجھانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ فقہی علوم اور اصولِ حدیث میں اس قدر شغف تھا کہ شعوری زندگی سے تادم واپسیں مزے لے لے کر علوم عالیہ کی خدمت میں مصروف رہے۔ مولانا احمد بخش (موضع گدائی والوں) سے آپ نے مندرجہ ذیل کتب پڑھیں:

۱: جلالین

۲: شرح نخبۃ الفکر

۳: ہدایہ (اخیرین)

۴: دیوان متنبی

## واں بھچراں روانگی:

اپنے آبائی قصبہ محمدی شریف میں مذکورہ جلیل القدر اور عالی مرتبت اساتذہ کرام سے فیض علم پانے کے بعد مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے واں بھچراں ضلع میانوالی جانے کی ٹھانی، یہاں اس زمانہ میں مولانا غلام یٰسین رحمہ اللہ اپنے علم وفضل سے ریگ زاروں کو کشت زاروں میں بدل رہے تھے۔ (ان کے حالات زندگی بھی اختصار کے ساتھ آئندہ سطور میں ملاحظہ ہوں) مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے واں بھچراں کا سفر اختیار فرمایا۔ چنانچہ آپ رحمہ اللہ نے یہاں سات ماہ کے مختصر عرصہ میں مندرجہ ذیل کتب پڑھیں:

۱: حمد اللہ عبد الغفور (حاشیہ شرح جامی)

۲: مشکوۃ شریف (مکمل)

## موضع اُنہی ضلع گجرات کے چشمۂ فیض پر!

بعد ازاں مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے واں بھچراں سے موضع انہی ضلع گجرات آنے کا فیصلہ کیا۔ یہاں پر مولانا غلام رسول انہی والے (متوفی ۱۹۳۲ء) کے جاری کردہ چشمۂ علم کی آبشاریں جھرنیں لے رہی تھیں۔ اور مولانا ولی اللہ رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۷۳ء) اپنے استاذ محترم کی مسند پر جلوہ افروز تھے (یاد رہے کہ مولانا ولی اللہ حضرت مولانا بابا جی غلام رسول اُنہی والوں کے داماد بھی تھے) آپ ۸۰ برس تک مسلسل درس وتدریس کرتے رہے۔ یہاں مولانا ولی اللہ رحمہ اللہ کے ہاں زانوئے تلمذ تہہ کرتے ہوئے آپ رحمہ اللہ نے مندرجہ ہذا کتب پڑھیں:

توضیح التلویح، مسلم الثبوت، میر زاہد، ملا جلال، میر زاہد، رسالہ قطبیہ، میر زاہد امور عامہ، قاضی مبارک، شرح عقائد نسفی، اور مطول وغیرہ۔

۱۹۴۱ء کا سال مکمل آپ نے یہیں موضع انہی میں گزارا اور یہاں سے جی بھر کر علوم وفنون کی جرعہ نوشی کی۔

## دارالعلوم دیوبند میں داخلہ، اکتسابِ فیض، اور فراغت:

علومِ نبوت کے اس دریا کو مختلف رستوں پر بہنے کے بعد آخر کار سمندر میں جا گرنا تھا، چنانچہ ۱۹۴۱ء میں مولانا محمد نافع رحمہ اللہ دارالعلوم دیوبند جا پہنچے۔ آپ سے قبل آپ کے برادرِ بزرگ مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ بھی یہاں سے ۱۹۲۶ء میں سند فراغت حاصل کر چکے تھے۔ والد گرامی مولانا میاں عبد الغفور رحمہ اللہ اس وقت حیات تھے۔ تو لامحالہ آپ نے اپنے والد گرامی کے حکم اور رضا سے ہی دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ اور جید اکابرین دارالعلوم سے معروف طریقہ کے مطابق دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی۔ اس شہرۂ آفاق دارالعلوم میں آپ کے اساتذہ کرام کے اسماء گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

۱: شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہی۔

۲: مولانا محمد ابراہیم بلیاوی۔

۳: مولانا مفتی ریاض الدین بجنوری۔

۴: مولانا مفتی محمد شفیع۔

۵: مولانا محمد عبد الخالق۔

۶: مولانا مسعود احمد۔

۷: مولانا عبد السمیع رحمہم اللہ۔

۱۹۴۳ء بمطابق ۱۳۶۳ھ میں آپ کو دارالعلوم دیوبند سے سند فراغت عطا ہوئی۔ آپ کی سند فراغ کا نمبر ۱۳۰۵۴ ہے۔ یہاں سے واپسی کے بعد آپ نے جو کچھ اپنے اساتذہ واکابر سے سیکھا، اس کو پوری دیانت وذمہ داری کے ساتھ شب وروز ایک کر کے کس طرح امت کے سپرد کیا؟ اس جدوجہد میں لیل ونہار کی گردشیں اور زمانے کے نشیب وفراز نیز لوگوں کے مختلف مزاج، اطوار اور نفسیات اور موافق ومخالف حالات نے کیسے کیسے اپنے تیور دکھائے؟ اور اللہ تعالیٰ کے اس نہایت محبوب وپاکباز بندہ اور حد درجہ کے مخلص وبے لوث عالم دین نے کس طرح صبر ورضا کے جام پی کر پوری مستقل مزاجی سے اشاعت دین کا فریضہ سرانجام دیا؟ وعظ وتبلیغ، درس وتدریس، افتاء وخطابت، مناظرہ ومباحثہ اور تصنیف وتالیف میں کیا کیا جوہر دکھائے؟ اور

اس ضمن میں اپنے تجربات سے دوسروں کو کس طرح اور کون کون سا سبق دیا؟ اس پر پوری شرح وبسط کے ساتھ بحث ہوگی (ان شاء اللہ تعالیٰ۔) مگر اس سے قبل ضروری ہے کہ آپ رحمہ اللہ کے معزز ومکرم اساتذہ کرام رحمہ اللہ کے مختصر احوال پیش خدمت کیے جائیں۔ اساتذہ کرام رحمہم اللہ میں سے علامہ احمد شاہ چوکیروی، مولانا قطب الدین اُچھالوی، اور مولانا ولی اللہ انہی رحمہم اللہ والوں کے حالات تو حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے ان کے ذخیرہ علم سے ہمیں مل گئے ہیں۔ ان میں سے بعض آپ رحمہ اللہ نے ماہ نامہ حق چار یارؓ لاہور میں بھی چند اقساط میں شائع کروائے تھے۔ تاہم اصل مسودہ میں آپ رحمہ اللہ نے چونکہ چند ایک سطور والفاظ کا اضافہ وترمیم بھی کی تھی، اس لیے اصل مسودہ سے وہ ریکارڈ پیش کیا جا رہا ہے۔

## ایک خوش فہمی، جو دراصل غلط فہمی ہے:

شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے عقیدت ومحبت اور دارالعلوم دیوبند سے روحانی تعلق نیز حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ سے اُنس والفت نے بعض احباب کے قلم سے ظاہر کروایا ہے کہ آنموصوف حضرت مدنی رحمہ اللہ کے شاگرد تھے۔ یہ غلط ہے، کیونکہ جس سال مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا تھا، اس سال حضرت مولانا حسین احمد مدنی فرنگی نظام کے خلاف مجاہدانہ جدوجہد کے نتیجے میں پابند سلاسل تھے۔ اس لیے آپ رحمہ اللہ حضرت مدنی رحمہ اللہ سے اکتسابِ فیض نہ کر پائے تھے۔

آپ کے دورۂ حدیث کے ساتھیوں میں حضرت خواجہ خواجگان مولانا خواجہ خان محمد رحمہ اللہ شامل ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۹۲۰ء میں موضع ڈنگ ضلع میانوالی میں ہوئی۔ والد گرامی کا نام محمد عمیر ہے جو تلور راجپوت برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ فارسی کی ابتدائی کتب حضرت مولانا محمد عبداللہ لدھیانوی سے پڑھنے کے بعد دارالعلوم عزیزیہ بھیرہ میں داخل ہوئے، جہاں قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ پہلے سے ہی بڑے درجات کی کتابیں پڑھ رہے تھے، اس کے بعد ڈابھیل میں مشکوٰۃ شریف، جلالین اور ہدایہ پڑھیں، آخر میں دارالعلوم دیوبند میں مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے ساتھ شریک دورۂ حدیث ہوگئے۔ حضرت خواجۂ خواجگان مولانا خان محمد رحمہ اللہ (سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ کندیاں ضلع میانوالی) کے علاوہ ہمارے ممدوح مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے دیوبند میں دورۂ حدیث شریف کے ساتھیوں میں سے چند معروف علماء کرام مندرجہ ذیل ہیں:

ا: مولانا بدیع الزمان بن مولانا محمد یعقوب (پھگلہ، مانسہرہ) آپؒ آسٹریلیا مسجد لاہور میں رہے اور کشمیری بازار لاہور کی سفید مسجد میں خطیب بھی رہے، بعد ازاں محمدی مسجد رام گلی نمبر ۳، اور پھر مدرسہ تجوید القرآن موتی بازار لاہور میں عربی مدرس رہے۔ ۱۸ دسمبر ۱۹۹۰ء کو انتقال فرمایا۔

۲: مولانا حبیب الرحمن بالاکوٹی ابن ولی الرحمن، بعد از فراغت بوجوہ تدریس وغیرہ کا موقع نہ مل سکا اور اپنے گاؤں میں ہی مقیم رہے۔

۳: مولانا حبیب الرحمن بن مولانا محمد اسرائیل، کاغان کے علاقہ ''رتہ چھنہ'' کے رہنے والے تھے، اپنے والد صاحب اور چند دیگر علماء سے کسب فیض کے بعد دارالعلوم دیوبند میں مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے ساتھ دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی۔

۴: مولانا سید محمود بلگرامی بن عزیر گل، بعد از فراغت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کے حلقہ درس میں شریک ہو کر سندِ تفسیر حاصل کی اور مسجد بکن خان موچی گیٹ لاہور سے ملحقہ مدرسہ انوار الاسلام میں تدریس پر مامور رہے۔ لاہور میں ان کا خاصہ حلقہ احباب ہے۔

۵: مولانا عبدالجلیل متھیالوی (ہزارہ) بن عبدالمجید، بعد از فراغت تحریک آزادی میں حصہ لیا اور لاہور فیلڈ رجمنٹ چھاؤنی میں بطور خطیب مقیم رہے۔

۶: مولانا سعد اللہ بن ولی محمد، کاشیاں، (بالاکوٹ) کے رہنے والے تھے، جامعہ فتحیہ اچھرہ لاہور میں مولانا حافظ مہر محمد سے کتب علوم وفنون پڑھنے کے بعد دارالعلوم دیوبند سے سند فراغ حاصل کی۔ بعد میں شوہال مفر اللہ خان (ہزارہ) میں امامت وخطابت اور تدریس کرتے رہے۔

# باب نمبر ۳

# علامہ محمد نافع رحمہ اللہ کے اساتذہ کرام کا علم افروز تذکرہ

- ......علامہ احمد شاہ چوکیروی رحمہ اللہ
- ......مولانا قطب الدین اُچھالوی رحمہ اللہ
- ......مولانا غلام یٰسین واں بھچروی رحمہ اللہ
- ......مولانا محمد ولی اللہ ''انہی والے'' رحمہ اللہ
- ......مولانا اعزاز علی امروہی رحمہ اللہ
- ......مولانا مفتی ریاض الدین بجنوری رحمہ اللہ
- ......مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ
- ......مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمہ اللہ

# مختصر سوانح حضرت الاستاذ مولانا سید احمد شاہ بخاری اجنالوی رحمہ اللہ

(ازقلم: مولانا محمد نافع رحمہ اللہ)

## ابتدائی حالات:

حضرت الاستاذ کا اسم گرامی مولانا سید احمد شاہ صاحب بخاری ہے اور والد گرامی کا نام سیّد غلام شاہ صاحب ہے۔ آنجناب کا آبائی وطن مقام ویگو وال اور ''اجنالہ'' ہے اجنالہ شہر سرگودھا کے شرقی مضافات میں واقع ہے۔

جناب کے قبیلہ سادات اجنالہ کے یہاں زرعی رقبہ جات ہیں اور کاشتکاری پیشہ ہے۔

جناب کے والد (میاں غلام علی شاہ صاحب رحمہ اللہ) اگرچہ عالم نہیں تھے تاہم دیندار صالح اور نہایت شریف النفس شخص تھے اور اپنے فقر وفاقہ کے حالات پر صابر وقانع تھے۔

آپ کے فرزندوں میں مولانا سید احمد شاہ صاحب سب سے بڑے فرزند تھے۔ حضرت الاستاذ جناب شاہ صاحب رحمہ اللہ کو مالک کریم نے فطرتاً ذکاوت اور فطانت عطا فرمائی تھی عمدہ ذہین اور زیرک تھے۔ حضرت موصوف رحمہ اللہ کے دیگر برادران میاں جلال شاہ صاحب درمیانے برادر تھے اور بہت صالح متقی اور شریف الطبع آدمی تھے۔ پھر ان سے خوردسال میاں نذر حسین شاہ صاحب تھے جو حافظ القرآن اور یونانی طبیب تھے۔

## حصولِ تعلیم:

علاقہ شاہ پور میں ننگیانہ قوم کی ایک مشہور بستی جلال پور ننگیانہ ہے۔ اس بستی میں ایک حافظ سلطان احمد صاحب قریشی معروف قدیمی استاذ تھے۔ قرآن مجید کی تعلیم فی سبیل اللہ دیتے تھے۔ بڑے دیندار متوکل اور مخلص شخص تھے۔

ان کے پاس بچپن میں حضرت شاہ صاحب موصوف رحمہ اللہ نے قرآنِ مجید حفظ کیا اور اپنی ذہانت کی وجہ سے بہت عمدہ حافظ قرآن ہوئے۔ بعض دفعہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ حفظ قرآن کے دور کے واقعات میں

ذکر فرمایا کرتے کہ اس علاقہ میں شیعہ لوگ بھی تھے اور وہ سنیوں پر کئی قسم کے طعن واعتراض وارد کیا کرتے تھے۔ شیعہ جب کوئی اعتراض کرتے تو ہمارے استاذ حافظ سلطان احمد قریشی صاحب نے اپنے پاس کتاب ''تحفہ اثنا عشریہ'' رکھی ہوئی تھی اس سے شیعہ کو خوب جواب دیا کرتے تھے۔

اور حافظ سلطان احمد صاحب مرحوم میں شیعوں کے جوابات دینے کی خوب صلاحیت تھی اور وہ کتاب مذکور سے فائدہ اٹھا کر بروقت جواب دیتے تھے۔ اور گویا کہ شاگردوں کو اس طریقہ سے اپنے دین کے تحفظ کے لیے عملاً راہنمائی فرماتے تھے۔

قرآنِ مجید حفظ کر لینے کے بعد آپ رحمہ اللہ خوشاب پہنچے۔ اس دور میں خوشاب شہر میں مولانا نور حسین صاحب خوشابی فارسی درسیات کے بہترین فاضل تھے۔ ان کے درس میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ابتدائی فارسی کتب کی تعلیم حاصل کی۔

اس کے بعد موضع بندیال میں مولانا فضل کریم صاحب بندیالوی کے ہاں بقایا فارسی درسیات مکمل کیں اور نظم فارسی کی کتابوں میں خوب دسترس پیدا کی۔

پھر آپ رحمہ اللہ نے صَرف کی کتاب ''قانونچہ امیری'' مولانا محمد عبد اللہ صاحب سے پڑھا۔ مولانا محمد عبد اللہ صاحب اپنے وقت میں فن صَرف کے یکتا استاد تھے اور صَرف کے پڑھانے میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔

صَرف پڑھ لینے کے بعد ابتدائی فنون نحو وغیرہ کی تعلیم کے لیے جناب شاہ صاحب رحمہ اللہ مولانا عبد العزیز صاحب گل کوٹی اور مولانا عطا محمد صاحب قریشی (مقیم کوٹ اللہ یار نزد قصبہ فروکہ) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ دونوں حضرات عالم بھی تھے اور طبیب یونانی تھی۔ ان حضرات سے جناب شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ابتدائی کتب کی تعلیم حاصل کی۔ اور ان کی نیک تربیت سے مستفید ہوئے۔ اس مقام میں ہم جناب شاہ صاحب بخاری کے حق میں ایک ''اہم تعارف'' ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔

یہ وہ تعارف ہے جسے جناب شاہ صاحب رحمہ اللہ بخاری کے ابتدائی استاذ حضرت مولانا حکیم عطا محمد صاحب قریشی رحمہ اللہ (ساکن دلے والی قریشیاں ضلع میانوالی) نے اپنی خود نوشت کتاب ''یاد ایام'' میں بقلم خویش تحریر کیا ہے۔ ''یاد ایام'' میں مولانا حکیم صاحب قریشی مرحوم نے اپنے مشاہیر تلامذہ کا تذکرہ چلایا ہے اس میں اوّل نمبر پر اپنے تلمیذ خاص (حضرت مولانا سید احمد شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ) کا ذکر خیر اس

طرح کیا ہے کہ اس میں جناب شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ کے احوالِ زندگی اور سرگزشت کا خلاصہ اجمالاً آ گیا ہے۔ آئندہ سطور میں تعارف ہذا بعینہٖ ملاحظہ فرمائیں۔

## ''اہم تعارف'' (از مولانا حکیم عطاء محمد صاحب قریشی رحمہ اللہ):

جن لوگوں نے مجھ سے درس لیا ان کی بنیاد بڑی پختہ تھی وہ آگے چل کر بڑے فاضل بنے اور میرے لیے سرمایۂ افتخار۔ چند ایک کے نام یاد ہیں ان کو قلم کی یاد میں لاتا ہوں۔

۱: ان عزیزانِ گرامی سے مولانا سید احمد شاہ صاحب بخاری سکنہ اجنالہ تحصیل سرگودھا تھے جو کوٹ گل سے میرے ساتھ کوٹ اللہ یار آئے۔ کوٹ گل میں وہ اپنے اسباق مجھ سے پڑھا کرتے تھے۔ حافظ قرآن تھے تیز فہم بڑے ذہین اور زبردست حافظہ کے مالک تھے۔ ابتدائی کتابیں کوٹ میاں اللہ یار کے درس میں پڑھیں۔ علم صَرف مکمل نحو کافیہ تک منطق ایساغوجی مرقات شرح تہذیب فقہ کنز الدقائق تک مجھ سے پڑھیں۔

فارغ التحصیل دیوبند سے ہوئے اور فراغت کے بعد جامعہ محمدی شریف میں صدر مدرس ٹھہرے۔ بعد ازاں میاں خان محمد صاحب کلیار رئیس چوکیرہ کے قائم کردہ مدرسہ دارالہدیٰ میں تدریس جاری کی۔ شاہ صاحب کو درس نظامی کے نصاب کے ہر ہر شعبہ میں فاضلانہ عبور تھا۔ اور اہل علم میں ان کی شہرت کافی تھی۔ مدرسہ دارالہدیٰ جلد تر مقبولیت حاصل کر گیا۔ چونکہ شاہ صاحب کی برادری شیعہ مکتب فکر سے متعلق تھی وہ انہیں اہل سنت والجماعت میں دیکھنا پسند نہیں کرتی تھی۔ اور ان کے باہمی بحث ومباحثہ رہتے۔

شاہ صاحب نے کتب شیعہ کا بھی مطالعہ شروع کر دیا۔ مگر اپنے مسلک پر اور مضبوط ہوتے گئے اور تردیدِ مطاعن شیعہ میں ایک ماہوار رسالہ ''الفاروق'' دارالہدیٰ چوکیرہ سے جاری کیا جو بے حد پسند کیا گیا۔ اس رسالہ میں مضامین بڑے محققانہ ہوتے اور ایک کتاب ''تحقیق فدک'' کے نام سے شائع ہوئی۔ جس کا موضوع کتاب کے نام سے ظاہر ہے۔

شاہ صاحب کے درس سے بڑے بڑے عالم وفاضل نکلے جن میں سے تین صاحبان کا نام مجھے یاد ہے:

۱: مولانا محمد نافع صاحب مصنف کتاب ''رحماء بینھم'' جامعہ محمدی شریف۔

۲: مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹی مشہور مجاہد فاتح قادیانیت ربوہ۔

۳: علامہ عنایت اللہ صاحب گجراتی مشہور لیڈر جماعت اسلامی گجرات۔

شاہ صاحب نے اپنے مشن کے لیے سرگودھا کو مرکز بنایا۔ سیٹلائٹ ٹاؤن بی بلاک سرگودھا میں مسجد فاروق اعظم کی بنا ڈالی۔ مدرسہ جاری کیا مگر ابھی مسجد ومدرسہ ابتدائی منزلوں میں تھے کہ شاہ صاحب پر فالج کا حملہ ہوا۔ جس نے تیسرے دن جان لے لی اور اپنے آبائی قبرستان اجنالہ میں سپرد خاک ہوئے اور اس خزینہ

علم نے اپنے بعد محمد قاسم شاہ غلام علی شاہ اور شبیر احمد شاہ تین یتیموں کو اپنی یادگار چھوڑا۔ محمد قاسم شاہ نے اپنے عظیم والد کی مسند سنبھالی عالم ہیں مگر مسجد فاروق اعظم سے علیحدگی اختیار کر لی اور اپنے والد کے قدموں پر چل کر اپنا علیحدہ ادارہ بنایا۔ بشیر کالونی میں مسجد ثانی اثنین اور مدرسہ کی بنا ڈالی۔ فازہ اللہ بمرامہ شاہ صاحب کے دو بھائی مولوی جلال شاہ صاحب اور حکیم نذر حسین شاہ ہیں۔ حکیم صاحب میرے شاگرد ہیں۔ حفظ قرآن نذر حسین شاہ نے ربانہ کے حافظ غلام محمد سے کیا۔''[1]

اس موقع پر بندہ ایک واقعہ کا ذکر کرنا مفید خیال کرتا ہے جو ہمیں جناب استاذ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے خود سنایا۔ جناب شاہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ

''میں جب دیوبند سے فارغ التحصیل ہو کر گھر (اجنالہ) آیا تو مجھے اپنے خاندان (سیدات) کے شیعہ اکابر کے پاس جانے کا اتفاق ہوتا اور ان کی برادرانہ مجالس میں میری آمد و رفت رہتی۔ یہ لوگ اکثر شیعہ مذہب رکھتے تھے۔''

ہمارے قبیلہ کا ایک سن رسیدہ شیعہ بزرگ تھا۔ اس کے ہاں میری نشست و برخاست زیادہ تھی۔ وہ بزرگ حسب عادت شیعہ سنی کا کوئی مسئلہ چھیڑ دیتے اور بطور طعن سوال پیدا کرتے۔

قرآن مجھے خوب محفوظ تھا۔ اور علم حدیث تازہ پڑھا ہوا تھا مسائل مستحضر تھے۔ تو میں اس سوال کا جواب فوراً قرآنی آیت پڑھ کر دے دیتا اور کہتا کہ شاہ جی! یہ مسئلہ جو آپ بتا رہے ہیں یہ تو قرآنِ مجید کی فلاں آیت کے مضمون کے برخلاف ہے۔

اسی طرح پھر وہ جب کسی دوسرے مسئلہ کو چھیڑتے تو میں ان کو قرآنی آیات پڑھ کر جواب دیتا۔

اس نہج پر ان بزرگ شاہ صاحب کے ساتھ گفتگو جاری رہتی اور پھر میں ان کو اس طریقہ سے لاجواب کر دیتا۔

ایک روز بابا شاہ صاحب میرے اس طرح قرآنی جواب پیش کرنے سے تنگ آ گئے اور مجبور ہو کر مجھے خطاب کرتے ہوئے بڑے برافروختہ انداز میں کہنے لگے۔ او بھولے احمد شاہ! اس قرآن میں بڑی زیادتی اور کمی ہو گئی ہے۔

## ایک دیگر تعارف (از مولانا حکیم عطاء محمد صاحب رحمہ اللہ):

نیز مولانا حکیم عطا محمد صاحب قریشی رحمہ اللہ نے اپنے تلمیذ خاص جناب شاہ صاحب رحمہ اللہ کے حق میں رسالہ ''الفاروق'' (یکم دسمبر ۱۹۵۶ء، ص ۲۶ بعنوان ''روشنی کا مینار'') کے تحت مدرسہ دارالہدیٰ کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے کہ:

[1] کتاب یادِ ایام، صفحہ ۸۰۔ ۸۲، طبع اوّل، از مولانا حکیم عطاء محمد صاحب قریشی، المتوفی ربیع الثانی ۱۳۹۹ھ مارچ ۱۹۷۹ء، موضع دتے والی قریشیاں، ضلع میانوالی، پنجاب۔

''اس مدرسہ کے اہتمام اور تدریس ے لیے میاں صاحب (میاں خان محمد کلیار) موصوف کو ایک شاہباز ہاتھ آیا جس کے تبحر علمی اور حسن معلمی سے مدرسہ بہت جلد مرجع طلبہ وعلماء ہوا۔ میری مراد حضرت مولانا سید احمد شاہ صاحب بخاری ہیں۔'' (پھر حکیم صاحب رحمہ اللہ آئندہ سطور میں لکھتے ہیں کہ)

''مولانا سید احمد شاہ صاحب ذی علم طبقہ میں ایک اچھے مدرس ذہین وذکی عالم کی حیثیت سے متعارف تھے مگر حال ہی میں ''تحقیق فدک'' کے نام سے جو رسالہ انہوں نے لکھا ہے اور فاضل نقادوں نے اسے اس زمانہ کی بے نظیر تصنیف قرار دیا ہے اس تصنیف سے پتہ چلا کہ شاہ صاحب رحمہ اللہ اپنی دوسری خداداد خوبیوں کے ساتھ ساتھ صاحب قلم بھی ہیں۔

شاہ صاحب کی یہ تصنیف شیعہ کے ایک مشہور عالم کی کتاب (فلک النجاۃ) کے ایک باب کا جواب لاجواب تھا۔ جس کے جواب میں سنا ہے کہ مسودے لکھے اور پھاڑے جا رہے ہیں۔ چند حضرات نے اپنی عاجزی پر پردہ ڈالنے کے لیے اپنے لونڈوں کے نام سے ''تحقیق فدک'' کا جواب لکھا کر آفتاب کا منہ چڑھایا ہے۔ جس کا جواب شاہ صاحب کے شاگردوں نے لکھ کر اس کے پرخچے اڑا دیئے۔ اب شاہ صاحب نے ایک نیک قدم اور بڑھایا ہے۔ یعنی دار الہدیٰ کے شعبہ نشر واشاعت نے ''الفاروق'' نامی پندرہ روزہ رسالہ جاری فرمایا ہے جو حق وباطل کی تمیز کے لیے ان شاء اللہ روشن مینار ثابت ہوگا۔ گو اس زمانہ میں ایسے علمی اور دینی رسائل کی مانگ بہت کم ہے مگر ان لوگوں سے جو احقاق حق کے طالب ہیں اور دین متین سے واسطہ رکھتے ہیں، اپیل کی جاسکتی ہے کہ وہ اس رسالہ کی مقدور بھر اشاعت کو بڑھائیں۔''[1]

''ان ہر دو تعارف'' میں حضرت شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ کے ''استاذ مکرم'' نے آپ کا علمی مقام اور آپ کی اعلیٰ صلاحیتوں کو عمدہ اسلوب کے ساتھ بیان فرمایا ہے اس پر مزید کسی اضافہ کی حاجت نہیں رہی۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ موصوف جس طرح درس نظامی کے اعلیٰ اور ممتاز معلم ومدرس تھے اسی طرح علمی مقالات لکھنے اور تحقیقی مضامین بیان کرنے میں یکتائے روزگار تھے اور اپنے اکابر کے علوم کے امین وترجمان تھے۔

سنجیدہ تحریر اور پختگی قلم میں لائق وفائق تھے اس چیز پر ان کے رسالہ ''الفاروق'' کے فائل شاہد ہیں۔ اور ان کے وفور علم اور کمالِ ذہانت کے فریق مخالف بھی معترف تھے۔

کوٹ اللہ یار میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ درسی فنون کی اعلیٰ تعلیم کے لیے موضع ''انہی'' چلے گئے۔

---

[1] ماہنامہ ''الفاروق'' ج ۱ شمارہ نمبر ۳ یکم دسمبر ۱۹۵۶ء ص ۲۶ چوکیرہ ضلع سرگودھا

موضع انہی منڈی بہاء الدین (ضلع گجرات) کے مضافات میں ایک چھوٹی سی بستی ہے اس دور میں یہاں دیہات میں ایک مشہور درس گاہ تھی جس میں درسی فنون کی کتب کی اعلیٰ تعلیم دی جاتی تھی۔ اس میں استاذ العلماء حضرت مولانا غلام رسول صاحب رحمہ اللہ قیام پذیر تھے اور ان کی آبائی زمین بھی یہیں تھی۔ مولانا صاحب مذکور نے اپنے گھر پر درسی اور دینی فنون کا درس قائم کیا ہوا تھا جو نصف صدی سے زیادہ مدت تک قائم رہا۔ اور بڑے بڑے اکابر علماء نے وہاں سے تعلیم حاصل کی اور فنون کی تکمیل کی۔

اس مقام میں استاذ الکبیر حضرت مولانا غلام رسول صاحب رحمہ اللہ ان کے اعلیٰ تلمیذ حضرت مولانا ولی اللہ صاحب گجراتی بھی بطور معین مدرس تھے اور استاد شاگرد دونوں حضرات کے ہاں منتہی طلبا حاضر ہو کر درس لیتے تھے۔

حضرت مولانا سید احمد شاہ صاحب رحمہ اللہ نے بھی ان کی خدمت میں حاضر ہو کر فنون کی آخری کتب کا درس لیا اور قریباً چار سال تک درس نظامی کی آخری کتب کے مختلف علوم وفنون میں تعلیم مکمل کی۔

اس دور میں حضرت شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ کے ساتھ حضرت مولانا قطب الدین صاحب اچھالوی مدظلہ بھی ان کے ہم درس تھے اور انہوں نے بھی یہیں سے درس نظامی کے مختلف علوم وفنون کو تمام کیا۔

موضع انہی کے درس سے فراغت کے بعد جناب شاہ صاحب نے دار العلوم دیوبند (بھارت) میں شوال ۱۳۵۱ھ / ۱۹۳۲ء میں داخلہ لیا اور رجب ۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء میں دار العلوم سے سند فراغ وفضیلت حاصل کی۔ آپ رحمہ اللہ کی سند کا نمبر نمبر ۱۸۸۴ ہے۔

دار العلوم دیوبند میں جناب شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ نے حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمہ اللہ ودیگر اساتذہ سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی اور اپنی ذہانت ولیاقت طبعی کی بنا پر آپ رحمہ اللہ کا حضرت مولانا مدنی رحمہ اللہ کے ممتاز تلامذہ میں شمار ہوا۔

## رشتۂ عقیدت:

درسی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد حضرت مولانا شاہ صاحب رحمہ اللہ نے روحانی تربیت کے سلسلہ میں رشتۂ عقیدت قائم کرنے کی طلب محسوس کی تو آنجناب رحمہ اللہ نے اس دور کے سلسلہ نقشبندیہ میں مشہور بزرگ حضرت مولانا غلام حسن صاحب رحمہ اللہ (سواگ والے) سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ بمقام لعل عیسن کروڑ ضلع مظفر گڑھ ① کے ساتھ نسبت طریقت کا تعلق قائم کیا اور ان کی خدمت میں وقتاً فوقتاً حاضر ہو کر روحانی فیوض وبرکات سے مستفید ہوتے رہے۔

---

① اب کروڑ لعل عیسن کا ضلع "لیہ" ہے۔ سلفی

آنموصوف رحمہ اللہ نے اپنے انتقال سے قبل حضرت شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ کو اس سلسلہ کی خلافت کا منصب تفویض فرمایا اور آپ رحمہ اللہ اس اعزاز سے سرفراز ہوئے۔

حضرت شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ نے حضرت مولانا غلام حسن صاحب مرحوم کے انتقال کے بعد مزید روحانی تربیت کے حصول کے لیے سلسلہ قادریہ میں تعلق قائم کرنے کا ارادہ فرمایا اور شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمہ اللہ لاہوری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلسلہ قادریہ سے نسبت قائم کی اور روحانی فیوض وبرکات سے مستفیض ہوئے۔ کچھ مدت کے بعد ان سے بھی سلسلہ قادریہ میں منصب خلافت کا اعزاز حاصل کیا۔

## دورِ تدریس:

حضرت مولانا سیّد احمد شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ نے اپنی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد روحانی مشاغل کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم وتدریس ہمیشہ قائم رکھی۔ چنانچہ ابتدائی دور (۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء) میں حضرت صاحب موصوف رحمہ اللہ نے جامعہ محمدی شریف ضلع جھنگ سے اپنی دینی تعلیم وتدریس کا آغاز کیا۔ اور اس قدیمی درسگاہ کے صدر مدرس کی حیثیت سے قریباً چار سال تک اپنے فرائض منصبی سرانجام دیئے۔

ان ایام میں حضرت الاستاذ مولانا قطب الدین صاحب مدظلہ اچھالوی (علاقہ سون سکیسر) بھی جامعہ محمدی میں مدرس تھے اور دینی فنون کی کتابوں کا بہت عمدہ درس دیتے تھے۔ اسی دوران بندہ (محمد نافع) نے حضرت شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ اور مولانا قطب الدین مدظلہ سے فنون کی تعلیم حاصل کی اور ادنی تلامیذ میں شامل ہوا۔ جناب حضرت شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ مسئلہ کے افہام وتفہیم میں اعلیٰ صلاحیت رکھتے تھے کتاب سمجھانے کا حق ادا کرتے تھے اور مشکل سے مشکل مقامات کو نہایت سہل طریقے سے حل فرما دیتے تھے۔ اور درسی تعلیم میں کامل دستگاہ رکھنے کی بنا پر اپنے معاصرین میں فائق سمجھے جاتے تھے۔

دارالعلوم جامعہ محمدی سے تشریف لے جانے کے بعد دیگر مختلف مواضع مثلاً مدرسہ احیاء العلوم چنیوٹ اور جھنگ صدر وغیرہ میں آپ تعلیم وتدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

## چوکیرہ میں قیام:

کچھ مدت کے بعد آنموصوف رحمہ اللہ نے جناب میاں خان محمد صاحب کلیار رئیس اعظم چوکیرہ ضلع سرگودھا کی معاونت اور رفاقت سے چوکیرہ کے مقام میں ۱۳۶۸ھ/۱۹۴۸ء میں مدرسہ عربیہ دارالہدیٰ کی بنیاد رکھی

اور وہاں کم وبیش اٹھارہ ۱۸ سال تک دینی تعلیم وتدریس کے فرائض سرانجام دیئے مدرسہ عربیہ دارالہدیٰ کے میاں صاحب موصوف بانی اور سرپرست تھے اور جناب شاہ صاحب رحمہ اللہ صدر مدرس اور حاجی غلام فرید کلیار صاحب آنجناب رحمہ اللہ کے ساتھ انتظامی امور میں مستعد کارکن تھے۔

مدرسہ ہذا کے قیام کی ابتداء ہی سے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اپنے ہم درس بزرگ حضرت مولانا قطب الدین صاحب اچھالوی مدظلہ کو بھی مدرسہ ہذا میں معاون مدرس متعین کیا اور جناب مولانا اچھالوی صاحب مدظلہ نے بھی یہاں ہمیشہ درس وتدریس کا سلسلہ بڑے استقلال واستقامت کے ساتھ جاری رکھا اور تاحین تحریر ہذا اپنے فرائض منصبی پر فائز ہیں اور طلبہ آنموصوف مدظلہ سے علمی فیض حاصل کر رہے ہیں۔

## تحریک ختم نبوت:

مارچ ۱۹۵۳ء/ ۱۳۷۲ھ میں ’’ختم نبوت‘‘ کی تحریک شروع ہوئی اور اس کا مقصد مرزائیوں کو حکومتی امور میں کلیدی اسامیوں سے الگ کرنے کا حکومت پاکستان سے مطالبہ تھا۔ صوبہ پنجاب میں اس تحریک کا بہت بڑا زور تھا اور ہر مکتبہ فکر کے علماء کرام تحریک میں شامل تھے۔ عوام الناس ان کی رہنمائی اور زیر قیادت جلسے کرتے اور جلوس نکالتے تھے۔ مگر حکومت نے مسلمانوں کے جائز مطالبات تسلیم کرنے کی بجائے ان پر سخت تشدد کیا حتی کہ ۶/ مارچ ۱۹۵۳ء سے ۱۴/ مئی ۱۹۵۳ء تک پنجاب میں مارشل لا نافذ کر کے تحریک ہذا کو کچل دیا گیا۔ یاد رہے کہ اس دوران بری فوج کے سربراہ جنرل اعظم جناب محمد علی صاحب وزیر اعظم، آئی آئی چندریگر گورنر پنجاب اور میاں ممتاز دولتانہ وزیر اعلیٰ پنجاب کے عہدے پر فائز تھے۔

اس تحریک میں سرگودھا کے علماء کرام کو بھی سول نافرمانی کے تحت گرفتار کیا گیا تو اس سلسلہ میں حضرت شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ بھی گرفتار ہوئے اور انہیں شاہ پور صدر جیل میں قید کر دیا گیا۔ اور پھر قریباً ساڑھے تین ماہ کے بعد رہا کیا گیا۔ حضرت شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ نے ایام اسیری کے دوران شاہ پور صدر جیل میں بھی اپنا تحقیقی علمی کام جاری رکھا۔ اور مسئلہ فدک پر ایک کتاب ’’تحقیق فدک‘‘ کے نام سے مرتب فرمائی۔ جس کی تکمیل شوال ۱۳۷۴ھ/ جون ۱۹۵۵ میں کی گئی تھی۔ مسئلہ ہذا پر یہ لاجواب کتاب ہے۔ اس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ یہ آپ رحمہ اللہ کی زندگی میں اور بعد میں بھی متعدد بار طبع ہوئی۔ اور اہل علم نے اس کی بہت قدر دانی کی ہے۔

## رسالہ ’’الفاروق‘‘ کا اجراء:

حضرت مولانا سیّد احمد شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ نے دارالہدیٰ چوکیرہ میں قیام کے دوران اپنے تدریسی

مشاغل کے ساتھ ساتھ ایک پندرہ روزہ تبلیغی رسالہ ''الفاروق'' کے نام سے ربیع الاوّل ۱۳۷۶ھ/نومبر ۱۹۵۶ء میں دارالہدیٰ چوکیرہ سے جاری کیا جس میں بہت عمدہ علمی مضامین شائع ہوتے تھے۔ اور اس میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی علمی تحقیقات کونشر کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ رسالہ ہذا میں شیعہ کے سوالات اور مطاعن کے تسلی بخش جوابات تحریر کیے جاتے تھے۔

رسالہ ہذا کی اشاعت میں مولانا عنایت اللہ صاحب گجراتی (حال خطیب منڈی بہاؤالدین) آپ رحمہ اللہ کے مستعد معاون تھے اور تحریری کام میں دست راست تھے۔ شیعی سوالات کے جوابات پیش کرنے میں حضرت شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ کی رہنمائی کی وجہ سے عمدہ صلاحیت رکھتے تھے۔

اور شیعہ مبلغ مولوی محمد اسماعیل صاحب شیعی کے رسالہ ''صداقت گوجرہ'' میں وارد کردہ اعتراضات کے جوابات مرتب کرنے کا کام مولانا عنایت اللہ صاحب کے ذمہ ہوتا تھا۔ جیسا کہ رسالہ ''الفاروق'' کے فائل اس چیز پر شاہد ہیں۔

رسالہ ''الفاروق'' نے اس دور میں حقانیت و مذہب اہل السنۃ کی خاطر بہت عمدہ کردار ادا کیا اور اپنے مدمقابل لوگوں کو لاجواب کر دیا۔

اس سے قبل لکھنؤ میں حضرت مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی رحمہ اللہ نے جس طرح صداقت مذہب کے لیے عمدہ رسائل شائع کیے تھے اور ایک رسالہ ''النجم'' بھی لکھنؤ سے جاری کیا تھا اور علمائے وقت نے ان کی نہایت قدر دانی کی تھی اور اہل سنت کو بہت نفع ہوا تھا۔ ٹھیک اسی طرح حضرت مولانا سیّد احمد شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ نے بھی اپنے دور میں تحقیقی علمی کام کیا جو عوام وخواص کے حق میں بے حد سود مند ثابت ہوا۔

لیکن حق کے خلاف ہمیشہ کچھ طبقے ہر دور میں مخالفت کرتے چلے آئے ہیں یہاں بھی ان کی مخالفت کارگر ثابت ہوئی اور انہوں نے اپنا عناد پورا کیا۔ چنانچہ یہ پندرہ روزہ رسالہ ''الفاروق'' چند ماہ کم چار سال تک اشاعت پذیر رہا اور اس میں علمی تحقیقات اور مخالفین کے سوالات کے مدلل ومسکت جوابات طبع ہو کر شائع ہوتے رہے۔ مگر نامساعد حالات اور چند دیگر مجبوریوں کے باعث جولائی ۱۹۶۰ء کے بعد اس کی اشاعت کو معرض التواء میں ڈال دیا گیا۔

## تحقیقاتِ نادرہ:

رسالہ ''الفاروق'' میں حضرت مولانا سیّد احمد شاہ صاحب رحمہ اللہ کی طرف سے عمدہ مضامین اور تحقیقی مقالات شائع ہوتے تھے۔ جو لوگ ''الفاروق'' کا نظر عمیق سے مطالعہ کرتے تھے ان کو اس چیز کا بخوبی علم ہے

اور ''الفاروق'' کا حلقۂ قارئین اس چیز پر گواہ ہے۔ اس سلسلہ میں ہم یہاں آنحضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی چند نادر تحقیقات کا ذکر کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ اس سے آنموصوف رحمہ اللہ کے تحقیقی ذوق اور علمی مقام ومرتبہ کا اندازہ ہوسکے گا۔ قرآنِ مجید کے پارہ دہم سورۃ توبہ میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر ہجرت کا ذکر خیر ہے اور وہ درج ذیل ''آیت غار'' میں مذکور ہے:

﴿اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ (التوبۃ: ۴۰)

آیت مندرجہ بالا کا مفہوم یہ ہے کہ

اللہ کریم فرماتے ہیں کہ اگر تم لوگ پیغمبر کی مدد نہ کرو گے (تو کوئی حرج نہیں) خدا تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کی اس وقت امداد کی جس وقت کافروں نے آپ کو نکال دیا اس حال میں کہ آپ کے ساتھ ایک دوسرا آدمی تھا جبکہ وہ دونوں غار میں تھے۔ درآنحالیکہ پیغمبر اپنے ساتھی کو فرمارہے تھے کہ غم نہ کھایئے اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے......الخ

یہاں ''ثانی اثنین'' میں ثانی کے لفظ کو عام طور پر اخرجہ کی ضمیر سے حال بنایا جاتا ہے اور اس صورت میں لفظ ثانی سے مراد جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی لی جاتی ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ بخاری نے یہاں اس لفظ کی تشریح اس طرح ذکر کی ہے کہ لفظ ثانی اخرجہ کی ضمیر منصوب سے حال واقع نہیں بلکہ یہاں منصوب بنزع خافض کی صورت ہے یعنی لفظ ثانی پر حرف با ہے اور وہ با بمعنی ''مع'' محذوف ہے۔ اس طرح ثانی سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

یعنی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم درجہ اوّل اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ درجہ دوئم میں ہیں یہی دونوں غار میں تھے۔

## مسئلہ کی تائید:

اس تشریح کے اعتبار سے ''ثانی اثنین'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صفت ہے اور ان کا لقب ہے۔ اور جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ لقب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زبان سے حدیث کی روایات میں پایا جاتا ہے۔ ذیل کی معروضات بطور تائید ذکر کی گئی ہیں۔

بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے کلام وتکلم میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ''ثانی اثنین'' کے لقب سے یاد کرتے تھے اور اس میں آنموصوف رضی اللہ عنہ کی خلافت (بلافصل) کا اشارہ پاتے تھے۔

مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیعت کرنے کے موقع پر فرمایا:

«انا ابابکر صاحب رسول الله صلي الله عليه وسلم وثانی اثنين وانه اولي المؤمنين بامورکم فقوموا فبايعوه....» الخ

۱: بخاری شریف ج:۲، ص ۱۰۷۲، کتاب الاحکام باب الاستخلاف۔ طبع دہلی

۲: البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر، ج ۵، ص ۲۴۸ تحت مسئلہ بیعت خلافت

یعنی تحقیق ابوبکر رضی اللہ عنہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق اور ثانی اثنین ہیں اور واقعی وہ سب سے زیادہ حکومت تمہاری کے حقدار ہیں پس اٹھو اور بیعت کرو!

اس روایت میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ثانی اثنین فرمایا ہے اور اس سے خلافت پر استدلال فرمایا ہے۔

اسی طرح حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو جب بیعت خلافت قبول کرنے پر لوگوں نے آمادہ کرنا چاہا تو آنجناب نے فرمایا کہ: أتبایعونی وفیکم الصدیق وثانی اثنین...الخ

(طبقات ابن سعد، ج ۳، ص ۱۲۸، قسم اوّل تحت تذکرۃ الصدیق، طبع لیڈن)

یعنی تم میرے ساتھ بیعت خلافت کرنا چاہتے ہو؟ حالانکہ تم میں الصدیق اور ثانی اثنین موجود ہیں۔

مختصر یہ ہے کہ ''ثانی اثنین'' کا لقب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حق میں استعمال کرتے تھے۔ اس بنا پر آیۃ الغار میں لفظ ''ثانی'' سے جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مراد لینا درست ہے۔

**تنبیہ:**

تحقیق ہذا کو جناب حضرت الاستاذ مولانا سیّد احمد شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ ''الفاروق'' کے ''ثانی اثنین نمبر'' بابت یکم نومبر ۱۹۵۸ء میں اور پھر اسی رسالہ کے شمارہ ۱۵؍ فروری ۱۹۵۹ء میں تفصیل کے ساتھ شائع کیا۔ اور مؤلف مضمون ہذا ناچیز محمد نافع نے بھی اپنی کتاب ''فوائد نافعہ'' کے فصل اوّل میں حضرت موصوف رحمہ اللہ کے بیانات کی روشنی میں مسئلہ ہذا کو مفصل تحریر کیا ہے۔ امید ہے اہل علم حضرات مطالعہ کے بعد اسے پسند فرمائیں گے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی ایک دیگر تحقیق ''روایت فدک'' کے متعلق ہے اسے مختصراً پیش کیا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے بطور وراثت کے حصول فدک وغیرہ کا مالی مطالبہ کیا تو حضرت الصدیق رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بیان کیا کہ فرمان نبوت یہ ہے کہ:

"انبیاء علیہم السلام کی وراثت (مالی) جاری نہیں ہوتی جو کچھ وہ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔" فلہذا بطور وراثت مالی کے اس سے حصہ نہیں ملے گا۔ روایت میں ہے کہ حضرت الزہراء رضی اللہ عنہا اس پر ناراض ہوگئیں۔ پھر بعض روایت میں اس طرح ہے کہ آں موصوفہ نے وفات تک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کلام نہیں کیا۔ واقعہ ہذا کی روایات کے پیش نظر حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے سیدہ فاطمہ کی ناراضگی اور عدم تکلم وغیرہ کی یہ توجیہ ذکر کی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے جواب سے ناراض نہیں ہوئیں۔"

اور سیدہ کے ترک کلام کو راوی نے اپنے فہم وگمان کی بنا پر ناراضگی کی علت قرار دیا۔ پھر غضبت یا وجدت وغیرہ کے الفاظ روایت میں داخل کر دیئے۔

حاصل یہ ہے کہ روایت ہذا میں غضب وعدم کلام وغیرہ کے الفاظ اصل واقعہ میں نہیں بلکہ راوی کی طرف سے ادراج شدہ ہیں۔ اور عموماً قال کے بعد قال کے مقولہ کے طور پر مذکور ہوئے ہیں۔

ہم نے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی تحقیق کا اجمالاً ذکر کیا ہے آن موصوف نے اس پر ایک مستقل کتاب "تحقیق فدک" تحریر فرمائی جو لاجواب کتاب ہے۔ اور متعدد بار شائع ہوچکی ہے۔

اور مؤلف مضمون ہذا نے بھی حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ بخاری کی تحریرات کی روشنی میں اس تحقیق کو اپنی تالیف کتاب "رحماء بینھم" حصہ اوّل صدیقی میں ص ۸۷ سے لے کر ص ۱۵۵ تک مفصل ذکر کیا ہے۔ اور دلائل سے واضح کیا ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مالی حق ادا کر دیئے تھے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے راضی ہوگئی تھیں۔ اس معاملہ میں ان حضرات کے درمیان کوئی اختلاف باقی نہیں رہا تھا۔

شیعہ واہل سنت کے مسائل پر آن موصوف کی بڑی عمیق نظر تھی آپ کو تحقیقی مطالعہ کی بنا پر مختلف فیہ امور میں بڑے مضبوط دلائل مستحضر تھے۔ اس بنا پر اس دور میں جب اہم مباحثے پیش آتے تو حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ مدعو کیے جاتے اور ان سے علمی رہنمائی حاصل کی جاتی تھی۔ چنانچہ ذیل میں چند ایک مناظروں کا اجمالاً ذکر کیا جاتا ہے۔

## "مناظرہ جھوک دایہ"

جہانیاں شاہ اور کوٹ عیسیٰ شاہ کے نزدیک ایک بستی جھوک دایہ ہے یہ ضلع جھنگ میں ہے یہاں کے رئیس حاجی گہنہ خان گاڈی علاقہ ہذا کے مشہور زمیندار تھے۔ ان کے قرب وجوار میں اہل تشیع کافی پائے جاتے تھے۔ شیعہ کی طرف سے حاجی صاحب مذکور کے ہاں مذہب اہل سنت پر کافی اعتراضات پیش کیے

گئے اور انہیں شیعہ مذہب اختیار کرنے کی بہت رغبت دلائی گئی۔

تو ان حالات میں حاجی صاحب مذکور نے حضرت خواجہ قمر الدین صاحب رحمہ اللہ سجادہ نشین سیال شریف کی خدمت میں گزارش کی کہ شیعہ ہمارے ساتھ اپنے مذہب کی حقانیت اور صداقت کے سلسلہ میں مناظرہ کرنا چاہتے ہیں۔ آپ رحمہ اللہ اس سلسلہ میں ہماری معاونت اور سرپرستی فرماتے ہوئے مناظرہ کا انتظام فرمائیں۔ ❶

چنانچہ حضرت خواجہ صاحب سیالوی رحمہ اللہ نے اس مناظرہ میں مندرجہ ذیل علماء کرام کو مدعو فرمایا اور آپ کی زیر سرپرستی میں جھوک دابہ کے مقام پر مؤرخہ ۱۷، ۱۸ ستمبر ۱۹۵۵ء بمطابق ۲۹ محرم الحرام، یکم صفر ۱۳۷۵ھ کو مناظرہ منعقد ہوا۔ اور دو یوم جاری رہا۔

اہل سنت کی طرف سے مندرجہ ذیل علماء پہنچے ہوئے تھے:

۱: حضرت مولانا سیّد احمد شاہ صاحب بخاری اجنالوی۔ (چوکیرہ ضلع سرگودھا)

۲: مولانا دوست محمد صاحب قریشی احمد پور شرقیہ۔ حال ساکن کوٹ ادو۔ ضلع مظفر گڑھ

۳: مولوی چراغ دین صاحب ریتڑی۔ ساہیوال۔ ضلع سرگودھا

اور شیعہ کی جانب سے مندرجہ ذیل علماء مد مقابل کے طور پر آئے ہوئے تھے۔

۱: مرزا یوسف حسین صاحب لکھنوی۔ حال مقیم۔ میانوالی

۲: مولوی اسماعیل صاحب۔ گوجرہ

۳: مولوی محمد اسماعیل صاحب کے تلامذہ مولوی خادم حسین وغیرہ

درج ذیل مضامین پر مناظرہ کیا گیا:

۱: ایمان بالقرآن (باقوال الائمۃ الکرام)

۲: اثبات خلافت حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم

---

❶ حضرت خواجہ سیالوی رحمہ اللہ نے سب سے پہلے مولانا محمد نافع رحمہ اللہ اور آپ کے دوست مولانا احمد بخش ضیائی رحمہ اللہ کو مشاورت کے لیے بلایا تھا، یہ حضرات وہاں کتابیں لے کر گئے تھے، پھر مناظرین کو ملتان سے لینے کے لیے حضرت خواجہ صاحب نے مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کو پچاس روپیہ بطور سفری اخراجات دے کر بھیجا تھا کہ آپ ملتان سے علامہ دوست محمد قریشی رحمہ اللہ کو لے کر آئیں۔ خلاصہ یہ کہ از اول تا آخر اس مناظرے میں صف اول کا کردار ادا کرنے والے مولانا محمد نافع رحمہ اللہ تھے۔ یہ مکمل تفصیل پورے تاریخی ریکارڈ کے ساتھ ہم نے آگے پیش کر دی ہے، لیکن مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی کسرِ نفسی اور اخفاء ذکرِ خود کا عالم یہ تھا کہ چونکہ یہاں اپنے استاذِ محترم کا تذکرہ لکھ رہے تھے تو اپنے نام یا کردار کا ادنیٰ درجہ میں بھی ذکر تک نہ کیا۔ سلفی

۳: سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافتِ بلافصل (شیعہ کے نزدیک)

۴: حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے حق میں عدم استحقاق وراثت فدک

مذکور بالا مسائل پر دوروز (ہفتہ اتوار) تک مناظرہ ہوتا رہا۔

اہل سنت کی طرف سے مناظر مولانا دوست محمد صاحب رحمہ اللہ قریشی تھے اور صدر مناظر حضرت مولانا سیّد احمد شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ تھے۔ جبکہ شیعوں کی طرف سے مناظر مولوی اسماعیل صاحب گوجروی اور ان کے صدر مرزا یوسف حسین صاحب لکھنوی آف میانوالی تھے۔

نیز مناظرہ ہذا میں ''حکم'' حضرت خواجہ قمر الدین صاحب سیالوی رحمہ اللہ تھے۔ موضوعات مناظرہ میں دلائل مرتب کرنے میں حضرت مولانا سیّد احمد شاہ صاحب کی خاص رہنمائی ہوتی تھی اور ان کی طرف سے دلائل ایک ترتیب سے مدوّن کیے جاتے تھے۔ پھر مناظر ان کو فریق مخالف کے سامنے بالترتیب پیش کرتا تھا۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت خواجہ قمر الدین صاحب سیالوی رحمہ اللہ کی سرپرستی میں یہ مناظرہ نہایت کامیاب رہا۔ اور ہمارے مناظر کے مضبوط دلائل کا فریق ثانی جواب نہیں دے سکا۔

خصوصاً شیعہ کتب سے حوالہ جات کو ایک خاص نہج پر مرتب کرنا جناب مولانا سیّد احمد شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ کی علمی تحقیق کا شاہکار تھا۔ جن کو فریق مخالف بھی تسلیم کرنے سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ اور اپنی تاویلات رکیکہ (تقیہ وغیرہ) کے بغیر کوئی معقول جواب نہیں دے سکتا تھا۔

## مناظرہ باگڑ سرگانہ:

اسی طرح باگڑ سرگانہ علاقہ خانیوال ملتان میں ایک مشہور موضع ہے۔ اس میں سرگانہ قوم کے بااثر زمیندار ہیں ان میں شیعہ وسنی دونوں مذاہب کے لوگ پائے جاتے ہیں۔

اکتوبر ۱۹۵۶ء/ربیع الاوّل ۱۳۷۶ھ میں ان لوگوں یعنی سرگانہ قوم نے تلاش حق اور تحقیق مذہب کی خاطر باہم مناظرہ کرنا طے کیا۔ اور ہر دو فریق نے اپنے اپنے علماء کرام ۱۳/اکتوبر ۱۹۵۶ء کو مدعو کیے۔

اہل السنۃ کی طرف سے مندرجہ ذیل علماء کرام تشریف لائے۔

۱: حضرت مولانا اللہ یار خان صاحب آف چکڑالہ۔ میانوالی

۲: حضرت مولانا سیّد احمد شاہ صاحب بخاری۔ چوکیرہ۔ سرگودھا

۳: حضرت مولانا عبدالستار صاحب تونسوی۔ تونسہ شریف

۴: مولانا مولوی محمد علی صاحب جالندھری۔ صدر ختم نبوت۔ ملتان

اور شیعہ کی طرف سے درج ذیل علماء نے شرکت کی۔

۱: مولوی گلاب شاہ صاحب۔سورج میانی۔ملتان

۲: مولوی اسماعیل صاحب۔گوجرہ۔ضلع فیصل آباد

۳: مولوی سیف اللہ صاحب۔نوشہرہ ورکاں۔گوجرانوالہ

۴: مولوی امیر محمد صاحب۔تونسہ شریف

مناظرہ ہذا میں مندرجہ ذیل موضوعات زیر بحث آئے:

''تحریف قرآن۔خلافت مرتضوی بلافصل۔'' صداقت وحقانیت خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم وغیرہ۔

اہل السنۃ کے مناظر مولانا عبدالستار تونسوی صاحب تھے اور صدر مناظر مولانا اللہ یار خان صاحب اور حضرت مولانا سیّد احمد شاہ صاحب معین مناظر تھے جو اہل السنۃ کی طرف سے دلائل کو ایک ترتیب سے مرتب کر کے پیش کرتے تھے۔ اور شیعہ مناظر مولوی اسماعیل صاحب گوجروی تھے اور باقی علماء ان کے مدد ومعاون تھے۔

مناظرہ دو دن ۹، ۱۰ ربیع الاوّل ۱۳۷۶ھ (بروز اتوار، پیر) ۱۴، ۱۵ اکتوبر ۱۹۵۶ء جاری رہا۔ اہل السنۃ کی طرف سے سرپرست مناظرہ مہر شوق محمد صاحب آف باگڑ سرگانہ تھے۔اور شیعہ کے سربراہ مہر حق نواز تھے۔

مختصر یہ ہے کہ شیعہ مناظر اہل السنۃ مناظر کے دلائل کے جوابات نہیں دے سکا اور لاجواب ہوگیا۔ مناظرہ باگڑ سرگانہ کے حالات الگ رسالہ کی شکل میں بھی شائع ہو چکے ہیں اور رسالہ ''الفاروق'' کے شمارہ یکم نومبر ۱۹۵۶ء، یکم دسمبر ۱۹۵۶ء اور ۱۵ دسمبر ۱۹۵۶ء کے شماروں میں اس کی تفصیلات طبع ہو چکی ہیں اور قابل ملاحظہ ہیں۔

ان اہم مقامات کے مباحث میں حضرت مولانا سیّد احمد شاہ صاحب بخاری ﷫ کے معلومات اور حوالہ جات کا بڑا اہم کردار ہے اور ان کے علمی جواہر کا علماء کرام نے اعتراف کیا کہ ان سے مذہب حقہ کو بہت فائدہ ہوا۔ اور مناظرین اہل السنۃ کو بہترین رہنمائی ہوئی۔ اور صداقت مذہب کے لیے ان مواقع میں آنموصوف ﷫ کے علمی فوائد نہایت سود مند ثابت ہوئے۔

## تبلیغی کورس:

حضرت مولانا سیّد احمد شاہ صاحب بخاری ﷫ کے علمی کارناموں میں منتہی طلبا کے لیے تبلیغی کورس کی صورت میں تعلیم دینا پروگرام میں شامل تھا۔ آنموصوف ﷫ اہل السنۃ اور شیعہ کے مختلف فیہ مسائل کی افہام

وتفہیم میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور اس فن کے استاذ کامل تھے۔

چنانچہ آنجناب رحمہ اللہ بعض دفعہ تبلیغی کورس قائم کرتے تھے اور اسی سلسلہ میں آں موصوف رحمہ اللہ نے ایک بار مدرسہ دارالہدیٰ چوکیرہ میں شعبان رمضان ۱۳۸۶ھ موافق دسمبر ۱۹۶۶ء میں ایک تبلیغی کورس کا اجراء کیا تھا۔

کورس ہذا کی تعلیم وتدریس کے لیے جناب شاہ صاحب رحمہ اللہ نے بندہ کو بھی اپنے ساتھ شامل رکھا۔ چنانچہ اس سال ۱۳۸۶ھ میں آنموصوف رحمہ اللہ نے ''مسئلہ خلافت'' کے متعلقہ مضامین اور ''مسئلہ فدک'' کی ابحاث کی منتہی طلبا و دیگر شرکاء کورس مثلاً مولانا مخدوم نذیر احمد صاحب وغیرہم کو تعلیم دی جبکہ بندہ نے ان ایام میں اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خلفاء ثلاثہ اور خلیفہ رابع کے مابین بہتر تعلقات کے مضمون اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مطاعن کے جوابات سمجھائے اور ان مطاعن کے بے اصل اور غیر صحیح ہونے کو بیان کیا اور واضح کیا کہ اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دامن وارد کردہ الزامات سے بے داغ اور صاف ہے۔ یہ اعتراضات محض افترا کے درجہ میں ہیں۔

۱۳۸۸ھ موافق ۱۹۶۸ء میں جناب سیّد احمد شاہ صاحب رحمہ اللہ چوکیرہ سے ترک سکونت کر کے بی بلاک سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا میں قیام پذیر ہو چکے تھے۔ یہاں سرگودھا میں تشریف لانے کے بعد آپ نے مسجد فاروق اعظم کی تعمیر و تکمیل کے لیے مساعی جاری رکھیں اور مسجد ہذا میں دارالعلوم فاروق اعظم کا اجراء کیا۔

آنموصوف رحمہ اللہ نے شعبان رمضان ۱۳۸۸ھ بمطابق دسمبر ۱۹۶۸ء میں یہاں بھی حسب سابق تبلیغی کورس کا اجراء فرمایا۔ اور اپنے منتخبہ مضامین کی فقہی طلبا کو تعلیم دی۔ ان ایام میں جناب شاہ صاحب موصوف نے بندہ کو بھی تبلیغی کورس میں تدریسی خدمات بجالانے کے لیے طلب فرمایا۔ اور بندہ نے بھی اس تبلیغی کورس میں حسب سابق صحابہ کرام کے مابین بہتر تعلقات اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مطاعن کے مدلل جوابات کی تعلیم دی۔ اس سال شرکاء درس کے ساتھ عزیز مولانا مولوی محمد قاسم شاہ صاحب بھی شریک تعلیم تھے۔ اور اواخر رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ بمطابق دسمبر ۱۹۶۸ء میں اس تبلیغی کورس کا اختتام ہوا۔

## آخری عزائم:

حضرت الاستاذ مولانا سیّد احمد شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ ایک عظیم علمی شخصیت اور بلند پایہ کے فاضل تھے۔ اور دینی وملی خدمات سرانجام دینے کے لیے اہم عزائم رکھتے تھے۔ بعض دفعہ آنموصوف رحمہ اللہ نے اس چیز کا اظہار خیال فرمایا کہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ کی ''تحفہ اثنا عشریہ'' اس فن میں بہت عمدہ واعلیٰ کتاب ہے اور رفیع مضامین پر مشتمل ہے۔ لیکن اسے موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق

باحوالہ کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

لہٰذا اس کتاب کو زیادہ نفع بخش اور سود مند بنانے کے لیے اس کے ذکر کردہ حوالہ جات کو اصل مآخذ سے دریافت کر کے متعلقہ کتاب کا نام، باب، فصل اور صفحہ کو بطور حواشی کے مرتب کرنے چاہیے۔ تاکہ اہل علم حضرات کو حوالہ حاصل کرنے میں کسی دشواری کا سامنا نہ ہو اور بسہولت حوالہ دستیاب ہو سکے۔ لیکن اس اہم مقصد کی تکمیل کے لیے قدرت کی طرف سے مہلت نہ مل سکی اور یہ مسئلہ نا تمام رہا۔ نیز بعض دفعہ حضرت مولانا سیّد احمد شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ نے اس چیز کا بھی اظہار فرمایا کہ اس دور میں مذہب اہل السنۃ والجماعت کی حقانیت اور صداقت کے اثبات میں ایک جامع کتاب مرتب ومدوّن کرنے کی ضروٗرت ہے جو حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ کی کتاب ''تحفہ اثنا عشریہ'' کی طرز پر متفرق مسائل پر حاوی ہو اور موجودہ دور کے تقاضوں کو ہر لحاظ سے پورا کر سکے۔ اور اس دور میں وارد کردہ مطاعن کے جوابات بھی اس میں دستیاب ہو سکیں۔

لیکن اس ارادہ کے پورا کرنے کے لیے بھی وقت نہیں ملا۔ کسی نے درست کہا ہے کہ

ما كلما يتمنى المرأ يدركه۔ تجری الرياح بمالا تشتهي السفن

اور مالک الملک کی طرف سے اس مستعار زندگی کے اختتام کی اطلاع داعی اجل کے ذریعہ آپہنچی اور آں موصوف ۵ رمحرم الحرام ۱۳۸۹ھ بمطابق ۲۴ ر مارچ ۱۹۶۹ء بروز سوموار قریباً تریسٹھ (۶۳) سال کی عمر تمام فرما کر مالک حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

جناب حضرت مولانا سیّد احمد شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ کی نماز جنازہ جناب رحمہ اللہ کے دیرینہ رفیق اور استاذ بھائی حضرت مولانا قطب الدین صاحب مدظلہ اچھالوی نے مسجد فاروق اعظم (سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا۔ بی بلاک) میں پڑھائی اور آنمرحوم رحمہ اللہ کو آبائی گورستان اجنالہ (ضلع سرگودھا) میں آخری آرامگاہ نصیب ہوئی۔

# حضرت الاستاذ مولانا قطب الدین صاحب رحمہ اللہ کے مختصر سوانح

(از قلم: مولانا محمد نافع رحمہ اللہ)

ہر علاقہ میں اللہ تعالیٰ اپنے دین کی خدمت کے لیے علماء پیدا فرماتے ہیں جو اپنے اپنے حلقہ میں بقاء دین کے لیے خدمات سرانجام دیتے ہیں۔ اور احیائے دین ان کا مقصد وحید ہوتا ہے۔ اور اسے وہ پورا کرتے ہیں۔

اسی سلسلہ میں ضلع خوشاب میں ''سون سکیسر'' کا علاقہ بڑا ''مردم خیز'' ہے جس میں بڑے بڑے اکابر علماء اور صلحاء پیدا ہوئے اور انہوں نے اپنے اپنے دور میں ملت اسلامی کے فروغ کے لیے مساعی کیں اور دینی خدمات کا فریضہ ادا کیا۔

قریبی دور میں مولانا سلطان اعظم صاحب رحمہ اللہ آف چھپڑ شریف، مولانا قاضی محمد خلیل صاحب انگوی اور مولانا خدابخش صاحب آف کفری وغیرہ وغیرہ اکابر علماء وصلحاء گزرے ہیں۔ اسی سلسلہ میں حضرت استاذ العلماء مولانا قطب الدین صاحب رحمہ اللہ آف اچھالہ کی شخصیت بھی اہم مقام ومرتبہ کی حامل ہے اور قابل ذکر ہستی ہے۔ اور علاقہ (سون) کے نامور علماء میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ذیل میں آنجناب رحمہ اللہ کے بالکل مختصر احوال زیر قلم کیے جاتے ہیں:

آنجناب رحمہ اللہ کی ولادت ۱۳۲۶ھ بمطابق ۱۹۰۸ء میں وادی سون کے مشہور قصبہ ''اچھالہ'' میں ہوئی۔ اور آپ نے ابتدائی تعلیم ''اچھالہ'' میں ہی مولانا غلام حیدر صاحب رحمہ اللہ سے حاصل کی اور قرآنِ مجید حافظ قاسم علی صاحب رحمہ اللہ سے حفظ کیا۔

اس کے بعد وادی سون کے مشہور شہر ''چھپڑ شریف'' میں حضرت مولانا سلطان اعظم صاحب رحمہ اللہ کے ہاں تعلیم حاصل کرتے رہے اور حضرت مولانا خدابخش صاحب رحمہ اللہ آف کفری سے بھی بہت تعلیمی استفادہ کیا اور ابتدائی درسی کتب پڑھیں۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ گجرات کے علاقہ ''کٹھیالہ شیخاں'' کے قریب موضع ''انہی'' کی مشہور درسگاہ میں حصولِ تعلیم کے لیے تشریف لے گئے۔

''انہی'' درسگاہ میں اس وقت حضرت استاذ العلماء مولانا غلام رسول صاحب رحمہ اللہ اور حضرت مولانا ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ درس وتدریس فرمایا کرتے تھے۔ ان ہر دو کبار اساتذہ کرام کی وجہ سے یہ درسگاہ پنجاب بھر میں مشہور ومعروف تھی۔ اس میں درس نظامی کی آخری کتب نہایت اعلیٰ طریق سے پڑھائی جاتی تھیں۔ باقی درسگاہوں کے مقابلہ میں اس درسگاہ کی تعلیم وتدریس نہایت فائق تھی اور بے شمار طلبہ یہاں درس نظامی کی آخری کتب کی تکمیل کرنے کے لیے دور دراز سے آکر فیض یاب ہوتے تھے۔

چنانچہ حضرت مولانا قاضی محمد خلیل صاحب انگوی رحمہ اللہ اور مولانا سیّد احمد شاہ صاحب رحمہ اللہ اجنالوی نے بھی درس نظامی کی آخری کتب یہاں ''انہی'' میں مکمل کی تھیں۔ اس درسگاہ کی تعلیمی وتدریسی فوقیت کے متعلق یہ چیز ذکر کی جاتی ہے کہ بندہ نے اپنے استاذ حضرت مولانا ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ (المتوفی ۱۳۹۳ھ/ ۱۳ شوال) انہی والے سے خود سنا ہے:

حضرت مولانا ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے ایک دفعہ استاذ کبیر حضرت مولانا غلام رسول صاحب رحمہ اللہ (المتوفی ۱۳۵۰ھ/ ۱۹۳۱ء) کی وفات کے بعد کے احوال ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جس وقت حضرت استاذ کبیر رحمہ اللہ (مولانا غلام رسول صاحب) کا انتقال ہوا تو ہم نے حضرت مولانا علامہ سیّد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ المتوفی ۱۳۵۲ھ کی خدمت میں ''جامعہ اسلامیہ ڈابھیل'' میں آنموصوف رحمہ اللہ کے انتقال کی خط کے ذریعے اطلاع ارسال کی۔

اس خط کے جواب میں حضرت علامہ مولانا انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ نے خط ارسال فرمایا جس میں یہ چیز درج فرمائی کہ:

''حضرت مولانا غلام رسول صاحب رحمہ اللہ کا کئی برس سے مجھ پر احسان تھا کہ میرے خطاب کے لائق طلبہ تیار کر کے بھیجتے تھے......'' ساتھ ہی یہ بات بھی استاذ مولانا ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت علامہ شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ کا معمول تھا کہ جو طالب علم ''انہی'' سے مولانا غلام رسول صاحب رحمہ اللہ کا شاگرد دورۂ حدیث شریف میں داخلہ لینے کے لیے حاضر ہوتا تو حضرت موصوف رحمہ اللہ فرماتے کہ اس طالب علم سے امتحان داخلہ لینے کی حاجت نہیں ہے اسے بغیر امتحان کے ہی دورۂ حدیث شریف میں شامل کرلیا جائے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے جملہ مذکور سے اور اس طریقہ کار سے درسگاہ ہذا کی تعلیم وتدریس کی فوقیت اورافادیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حضرت مولانا قطب الدین صاحب رحمہ اللہ نے بھی یہاں ''انہی'' میں درس نظامی کی تعلیم مکمل کی اور ان ہر دو کبار اساتذہ کرام رحمہم اللہ کی تعلیم سے فیض یاب ہوئے۔ اور قریباً اڑھائی سال یہاں مقیم رہے۔

''انہی'' میں درس نظامی کی تکمیل کے بعد کئی طلبہ دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث شریف پڑھنے کے لیے جاتے تھے۔ اسی طرح مولانا مرحوم رحمہ اللہ بھی حدیث کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے دارالعلوم دیوبند چلے گئے اور وہاں کے اکابر اساتذہ کرام سے حدیث شریف کا دورہ پڑھا۔

اس وقت فن حدیث کے نامور اساتذہ کرام حضرت مولانا حسین احمد مدنی صاحب رحمہ اللہ، حضرت میاں اصغر حسین شاہ صاحب رحمہ اللہ، حضرت مولانا ابراہیم صاحب بلیاوی رحمہ اللہ اور مولانا اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ وغیرہم درس حدیث دیتے تھے۔ حضرت مولانا قطب الدین صاحب رحمہ اللہ نے ۱۳۵۲ھ میں ان حضرات سے دورۂ حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ مولانا صاحب موصوف رحمہ اللہ نے انہی تعلیمی سرگرمیوں سے فراغت کے بعد سلسلہ درس وتدریس شروع کیا اور کئی ایک مقامات میں بطور مدرس اپنے فرائض منصبی سرانجام دیئے۔ ان میں سے بعض مقامات کا ذیل میں تذکرہ کیا جاتا ہے:

۱: موضع ''ترگ شریف'' ضلع میانوالی میں آپ نے کئی ایام تعلیم وتدریس کا فریضہ سرانجام دیا۔

۲: اس کے بعد میں آپ رحمہ اللہ نے دارالعلوم جامعہ محمدی شریف ضلع جھنگ میں درس وتدریس کے فرائض سر انجام دیئے۔ اس دور میں حضرت مولانا سیّد احمد شاہ صاحب رحمہ اللہ اجنالوی اس دارالعلوم کے صدر مدرس تھے۔ آپ رحمہ اللہ نے کم وبیش دو سال سے زیادہ یہاں تعلیم وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ قریباً یہ ۱۳۵۶، ۱۳۵۷ھ کا دور ہے۔

راقم الحروف (محمد نافع غفرلہ) نے اسی دوران آنجناب رحمہ اللہ سے درس نظامی کی کتابیں مثلاً شرح وقایہ اخیرین، المیبذی، مختصر معانی اور سراجی وغیرہ کتب کا درس لیا۔

۳: آنموصوف رحمہ اللہ نے جامعہ عربیہ چنیوٹ میں بھی تعلیم وتدریس کے فرائض سرانجام دیئے۔

۴: نیز آپ رحمہ اللہ اپنے علاقہ میں کھوڑہ (وادی سون) کے سکول میں کئی سال تک عربی مدرس رہے۔

۵: جس وقت حضرت مولانا سیّد احمد شاہ صاحب رحمہ اللہ نے میں مدرسہ ''دارالہدیٰ'' چوکیرہ ضلع سرگودھا کی بنیاد رکھی اور تعلیم وتدریس کا سلسلہ شروع کیا تو آپ رحمہ اللہ نے اپنے استاذ بھائی حضرت مولانا قطب الدین صاحب رحمہ اللہ کو بھی اس مدرسہ میں درس وتدریس کی دعوت دی اور منصب تدریس پر فائز فرمایا۔ اندازہ ۱۳۷۴ھ موافق ۱۹۴۵ء کا یہ زمانہ ہے صحیح تاریخ معلوم نہیں ہوسکی۔

مدرسہ ''دارالہدیٰ'' چوکیرہ میں آنموصوف رحمہ اللہ نے ایک مدت دراز تک سلسلۂ تعلیم وتدریس جاری رکھا۔ اور آپ رحمہ اللہ سے بے شمار طلبہ نے تعلیمی فیض حاصل کیا۔ جب آپ رحمہ اللہ کافی معمر ہوگئے اور شیخوخت کے عوارض لاحق ہوگئے تو آپ واپس اپنے وطن ''اچھالہ'' تشریف لائے۔ استاذ العلماء حضرت مولانا قطب الدین صاحب مرحوم جامع عالم دین تھے۔ درس نظامی کی تمام کتب کی آپ تعلیم کرتے تھے۔ خصوصی طور پر فنِ فقہ میں آپ مشہور تھے۔ اور اس میں عمدہ درک رکھتے تھے۔ فقہی مسائل کو بہترین طریقہ سے حل فرمایا کرتے۔

آپ نہایت ''حلیم الطبع'' اور ''منکسر المزاج'' تھے اور صفتِ خاموشی آپ رحمہ اللہ پر غالب تھی۔ آپ اپنے شاگردوں کے ساتھ نہایت شفقت فرماتے۔ تندی اور سختی سے اجتناب کرتے تھے اور رحم دلی سے پیش آتے تھے۔ کتب بینی کا ذوق ''طبیعت ثانیہ'' بن چکا تھا۔ فارغ وقت میں مختلف کتب کا مطالعہ جاری رکھتے تھے کوئی وقت بے کار نہیں جاتا تھا بلکہ علمی شغل میں مصروف ہوتا۔ آنموصوف رحمہ اللہ منتظم المزاج تھے۔ استعمال کی ہر چیز کا ایک نظم رکھتے تھے۔ رہائش گاہ میں کتابیں، برتن، بستر، چارپائی وغیرہ وغیرہ ہر ایک کے لیے ایک جگہ مقرر تھی۔ اور عمدہ سلیقہ کے ساتھ ہر ایک چیز کا رکھنا، اٹھانا ہوتا تھا۔ اس میں ردّ وبدل پسند نہیں فرماتے تھے۔

گوناگوں اخلاقِ فاضلہ سے قدرت نے انہیں نوازا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بہتر اوصاف پر ان کا خاتمہ بالخیر فرمایا۔ آنجناب رحمہ اللہ کی وفات ۱۲؍ رجب المرجب ۱۴۲۶ھ بمطابق ۱۸؍ اگست ۲۰۰۵ء آبائی قصبہ ''اچھالہ'' میں ہوئی اور آپ رحمہ اللہ کو وہیں دفن کیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

## ایک اہم علمی دینی درسگاہ

### (موضع اُنہی)

ہمیشہ سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ اہل اسلام ہر ملک میں اور ہر علاقہ میں دینی تعلیم کے فروغ کی خاطر مدارس قائم کرتے ہیں۔ درس وتدریس کے ذریعے تعلیمات اسلامی کو فروغ دیتے ہیں۔ غربی پنجاب کے اضلاع میں بھی اسی طرح کے کئی مدارس اپنے اپنے دور میں قائم ہوئے۔

غربی پنجاب کے شرقی حصہ میں اس نوع کی اہم درسگاہ موضع انہی کے نام سے مشہور تھی جو ایک دیہاتی علاقہ میں قائم تھی۔

موضع انہی کے نام سے مشہور ایک چھوٹا سا قریہ کھٹیالہ شیخاں کے قریب ضلع منڈی بہاؤالدین کے علاقہ گجرات میں واقع ہے۔ اس معروف درسگاہ میں درس نظامی کی آخری کتابوں کی تعلیم دی جاتی تھی اور منتہی طلباء وہاں آکر مستفید ہوتے اور درس نظامی کی تکمیل کرتے تھے۔ یہاں الاستاذ الکبیر حضرت مولانا غلام رسول صاحب رحمہ اللہ اور ان کے مشہور تلمیذ حضرت مولانا ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ قیام پذیر تھے۔ ان حضرات کی ملکیتی رقبہ تھوڑی سی اراضی تھی جس میں کاشتکاری کیا کرتے تھے اور یہی ان کا ذریعہ معاش تھا۔ ان حضرات کی جانب سے درس نظامی کی تعلیم کے لیے یہ ایک اعلیٰ علمی درسگاہ تھی۔

مقام اَنہی کے اردگرد میانوال، کھمب خورد، کدھر اور تخت محل وغیرہ چند مواضعات تھے۔ یہ دیہاتی علاقہ ہے ان مواضعات میں اس درسگاہ کے طالب علم اپنے ان اساتذہ کرام سے اسباق پڑھنے کے بعد قیام کرتے تھے۔ چند طالب علم ایک موضع میں اور دیگر چند طلباء دوسرے موضع میں قیام پذیر ہوتے تھے۔ درس گاہ کے ساتھ طلباء کی رہائش کے لیے کوئی دارالاقامہ (ہوسٹل) نہیں تھا۔ بلکہ مذکورہ بالا مواضعات کی مساجد سے ملحق کچے حجرات بنے ہوئے تھے اور ان ہی حجروں میں طالب علم رہائش پذیر تھے اور ان بستیوں کے لوگ دو وقت کا سادہ کھانا ماحول وموسم کے مطابق انہیں دیتے تھے اور ایک مدت دراز قریباً ساٹھ ستر برس تک یہ سلسلہ اسی طرز وطریق پر قائم رہا۔ اور ان اساتذہ کرام کے اخلاص نیت کی برکات سے یہ فیض عام جاری رہا۔ اور بڑے جید علماء اس درس سے تعلیم پاکر اپنے اپنے مناصب پر فائز ہوئے اور لائق فائق علماء فارغ التحصیل ہوکر مدرس بنے۔ خطیب اور صاحب تصانیف ہوئے اور اشاعت دین کا فریضہ ان حضرات نے بطریق احسن ادا کیا۔

اَنہی کی درسگاہ کے استاذ الکبیر حضرت مولانا غلام رسول صاحب رحمہ اللہ اپنے دور کے جید علماء میں شمار کیے جاتے تھے۔ اور مسند تدریس کے اعلیٰ استاذ مانے جاتے تھے۔ آپ متوکل علی اللہ تھے اور قلیل معاش پر قانع وصابر تھے جیسا کہ پہلے ذکر کیا ہے کہ آبائی زمین کا تھوڑا سا ملکیتی رقبہ تھا اسی کی آمدن پر اکتفا کیے ہوئے تھے۔ آنموصوف رحمہ اللہ کے والد گرامی اپنے وقت کے ولی اللہ تھے۔ ان کے متعلق اس ماحول کے لوگوں میں مشہور روایت تھی کہ جب یہ بزرگ عبادت الٰہی میں مشغول ہوتے تو ان کے جسم پر پرندے (چڑیاں وغیرہ) آکر بیٹھ جاتے تھے اور آپ اپنے ذکر اذکار میں مشغول رہتے۔ ان کی یہ کرامت عام لوگ بیان کرتے تھے۔

حضرت مولانا غلام رسول صاحب رحمہ اللہ درس نظامی کی آخری کتب کا درس دیتے تھے اور منتہی طلبا حصول درس کے لیے آنجناب رحمہ اللہ کے ہاں مجتمع ہوتے تھے۔ مولانا صاحب مرحوم نے اپنے درس وتدریس میں بعض نادر قواعد وضوابط قائم ہوئے تھے مثلاً ایک طالب علم کو صرف ایک سبق پڑھنے کا موقع دیا جاتا تھا۔ مستقل دو سبق رکھنے کا اسے حق نہیں تھا البتہ دوسرے سبق میں سماعت کرسکتا تھا۔ گویا کہ جو مقولہ مشہور ہے کہ ”یک خواں یگانہ شو“ پر عمل کیا جاتا تھا۔

نیز مولانا مرحوم کے درس کا ضابطہ تھا کہ طالب علم اپنی ذاتی کتاب لے کر حاضر ہوتا۔ وہاں کوئی کتب خانہ موجود نہیں تھا جس سے کتاب مستعار دستیاب ہوسکتی۔ اور درس وتدریس کا طریق یہ تھا کہ استاذ صاحب فرمان جاری کردیتے کہ کتاب کے سبق کا خوب مطالعہ کر کے لاؤ اور مضمون کتاب خود بیان کرو۔ اس میں جو بات قابل حل ہوتی استاذ صاحب اس کی وضاحت فرمادیتے۔

اگر طالب ذی استعداد ہے اور کتاب کے سبق کو حل کرسکتا ہے لیکن مطالعہ میں کوتاہی اور تساہل سے بیان نہیں کررہا تو اس کی کتاب کو اٹھا کر واپس کردیتے اور حکم ہوتا کہ جاؤ! مطالعہ کر کے لاؤ تب سبق دیا جائے گا۔

یہاں یہ بات بھی ذکر کرنا فائدہ مند ہے کہ حضرت الاستاذ رحمہ اللہ بعض کتب مثلاً سُلّم العلوم، تلخیص المفتاح اور ہدایت الحکمۃ وغیرہ کا مضمونِ کتاب خود بیان فرماتے تھے طالب علم اس کو محفوظ کرلیتے تھے اور دیگر کتب مثلاً ہدایہ اخیرین، مطول، تلویح، حمد اللہ، قاضی مبارک وغیرہ کے متعلق استاذ صاحب کا فرمان تھا کہ ان کا مضمون طالب علم خود بیان کرے اور استاذ قابل اصلاح بات کی صحت فرمائیں گے۔ درس گاہ کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ طالب علم سبق پڑھنے کے لیے حاضر ہوتا تو وہ استاذ صاحب کے سامنے اپنی چادر پھیلا دیتا اس پر کتاب رکھی جاتی تھی کوئی تپائی وغیرہ نہیں ہوتی تھی۔

درس گاہ میں بیٹھنے کے لیے عام قسم کا حسب موسم گھاس بچھا ہوتا تھا اس پر ہی استاذ شاگرد بیٹھ کر درس وتدریس کرتے تھے۔ کسی ٹاٹ چٹائی دری یا غالیچہ وغیرہ کا کوئی انتظام نہیں تھا۔

## ایک اعجوبہ:

حضرت مولانا قاضی خلیل احمد صاحب رحمہ اللہ (آف انگہ ضلع خوشاب) حضرت الاستاذ الکبیر رحمہ اللہ کے مشاہیر تلامذہ میں سے تھے۔ انہوں نے درس نظامی کی آخری کتب کی تعلیم انہی میں استاذ الکبیر حضرت مولانا غلام رسول صاحب رحمہ اللہ سے حاصل کی تھی۔ قاضی صاحب موصوف بیان کرتے تھے کہ ”ایک روز ہم طلبہ نے

جمع ہو کر اپنے استاذ الکبیر صاحب رحمہ اللہ کے زیر تعلیم اسباق کا شمار کیا تو اس وقت بیس سے زائد اسباق پڑھا رہے تھے اور وہ اسباق کافیہ یا قدوری وغیرہ کتب کے نہیں تھے بلکہ ہدایہ اخیرین حمد اللہ، قاضی مبارک اور خیالی وغیرہ درس نظامی کی آخری کتب کے اسباق تھے۔''

ایک عام مدرس یہ بات سن کر یقین نہیں کر سکے گا مگر یہ حقیقت واقعہ ہے کہ ان بزرگوں نے اس طرح تعلیم وتدریس کی ہے اور یہ ان کے فیوض وبرکات میں سے شمار کی جاتی ہے۔ اور اس کو کرامت سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ بتوفیق الٰہی اس نوع کے مافوق العادۃ امور بزرگوں سے صادر ہوتے ہیں۔

اس دور میں حضرت استاذ صاحب کے ایک شاگرد مولانا محمد اشرف صاحب ہوتے تھے جو چھوٹے طالب علموں کو درسیات مثلاً نحو کا فیہ لابن مالک وغیرہ پڑھاتے تھے۔ نیز دوسرا کام ان کے ذمہ یہ تھا کہ استاذ الکبیر صاحب کی خدمت میں صبح سویرے چائے تیار کر کے پیش کرتے تھے۔ خلاصۃ المرام یہ ہے کہ استاذ الکبیر رحمہ اللہ کے مذکورہ بالا قواعد جو درس وتدریس میں جاری تھے ان کی وجہ سے طلبا میں نہایت عمدہ علمی استعداد پیدا ہوتی تھی اور کتاب سے مسئلہ کے استخراج کا ذوق اور کتب بینی کا ملکہ پیدا ہوتا تھا۔ اور یہ ضوابط طلبا کے لیے نہایت سود مند ثابت ہوتے تھے۔ یہ سلسلہ تعلیم وتدریس ایک مدت تک جاری رہا۔ آخر کار ۱۳۵۱ھ / ۱۹۳۱ء میں استاذ الکبیر حضرت مولانا غلام رسول رحمہ اللہ کا انتقال ہو گیا اور اپنے والد گرامی کے مزار کے متصل موضع انہی میں مدفون ہوئے۔

# حضرت الاستاذ مولانا ولی اللہ رحمہ اللہ کا مختصر تذکرہ

(المتوفی ۱۳؍شوال ۱۳۹۳ھ؍ ۱۰ نومبر ۱۹۷۳ء)

حضرت مولانا ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ استاذ الکبیر حضرت مولانا غلام رسول صاحب رحمہ اللہ کے اعلیٰ تلامذہ میں سے تھے اور ان کے داماد بھی تھے۔ اس وجہ سے ان کا رشتہ داری کا تعلق بھی تھا اور استاذ صغیر کے نام سے موسوم ہوتے تھے۔

استاذ مولانا ولی اللہ رحمہ اللہ نہایت اعلیٰ درجہ کے ذکی اور فہیم استاذ تھے اور درسی فنون کے ماہر اور اعلیٰ درجہ کے مدرس شمار کیے جاتے تھے اور صفت شفقت کا مزاج پر غلبہ تھا۔ استاذ الکبیر مرحوم مذکور کے انتقال کے بعد مولانا ولی اللہ رحمہ اللہ اپنے استاذ کے اعلیٰ جانشین ثابت ہوئے اور ان کے عمل تدریس و تعلیم کو عمدہ نہج پر جاری رکھا اور ان کے طریق کار کو صحیح طور پر فروغ دیا اور نیابت کا حق ادا کیا۔

حضرتؒ مولانا ولی اللہ صاحب موصوف بھی درس نظامی کی اعلیٰ کتب کا درس دیتے تھے۔ معقول ہو، یا منقول! فقہ ہو یا اصول فقہ یا فلسفہ وغیرہ۔ ان تمام فنون میں یکساں ماہر تھے۔ خاص طور پر علم ریاضی کرّہ اور اسطرلاب وغیرہ کی تدریس میں ان کو خصوصی مہارت حاصل تھی اور اپنے دور کے مایہ ناز استاذ تسلیم کیے جاتے تھے۔ اور دور دراز سے اہل علم حاضر ہو کر آنجناب سے ان فنون کی تعلیم سے فیض یاب ہوتے اور مہارت حاصل کرتے تھے۔

بندہ ناچیز نے بھی حضرت مولانا ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ سے ۱۳۶۰ھ؍ ۱۹۴۱ء میں درس نظامی کی آخری کتب کا درس لیا۔ اور ادنیٰ شاگردوں میں شامل ہوا۔ استاذ گرامی اپنے تلامذہ پر نہایت شفیق تھے اور حد درجہ کا لطف و کرم فرماتے تھے۔ مشکل اسباق کو مختصر عبارت میں سہل طریق سے حل کر دیتے تھے کوئی طول طویل تقریر نہیں کرتے تھے۔ اس مسئلہ میں یہ ان کی فوقیت قابل رشک تھی اور طلبہ کے لیے بہت فائدہ مند تھی۔

## فرمودات:

بعض دفعہ درس میں اور درس کے بعد علمی گفتگو فرمایا کرتے تھے اور کئی اہم واقعات بیان فرماتے۔ ان میں سے چند ایک اشیاء ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں:

سابق علماء کرام کا تذکرہ فرماتے ہوئے ایک دفعہ ذکر کیا کہ مولانا عبد الحکیم صاحب سیالکوٹی علوم کے بڑے فاضل اور فائق عالم تھے فرمایا کہ مولانا سیالکوٹی کا کمال ہے کہ مشکل کتاب کو حل کر دیتے ہیں اور سہل کتاب کو مشکل بنا دیتے ہیں۔ مثلاً کتاب خیالی (حاشیہ شرح عقائد نسفی) ایک ادق کتاب ہے اس کی شرح تحریر کر کے عمدہ طریق سے حل کر کے سہل بنا دیا ہے اور قطبی اور میر قطبی درسی کتاب پر حاشیہ لکھا ہے اور اس کو اچھا خاصا مشکل بنا دیا ہے۔ حالانکہ قطبی کوئی مشکل کتاب نہیں ہے۔ ایک دن استاذ صاحب رحمہ اللہ نے مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کا ایک واقعہ سنایا کہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اپنے دور کے بہت بڑے متبحر عالم محدث، اور فقیہ تھے۔ اس دور میں شاہ احمد سعید نقشبندی رحمہ اللہ دہلوی کا بڑا چرچا تھا۔ تصوف میں ان کا شہرہ عام تھا۔ دیگر ممالک سے بھی اہل علم اور اہل ذوق ان کے ہاں حاضر ہو کر فیض حاصل کرتے تھے۔ ایک جید عالم ترکی یا مصر کے شاہ احمد سعید صاحب کی خدمت میں حصول تصوف و معرفت کے لیے آئے ہوئے تھے اور روحانی فیض حاصل کرنے اور تزکیہ نفس کے لیے مقیم تھے۔ ایک دفعہ اس عالم مذکور کے ساتھ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی مجلس ہوئی اور باہم علمی مذاکرہ ہوا اور مسائل پر گفتگو ہوئی۔

اس کے بعد بعض لوگوں نے حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ سے اس مجلس کی علمی گفتگو اور اس کے تاثرات کے حق میں دریافت کیا؟ تو شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ پہلے میرا خیال ہوا تھا کہ میں اس دور میں اجتہاد کا دعویٰ کر دوں۔ لیکن اب میں نے یہ خیال ترک کر دیا ہے۔ (یعنی میرا یہ دعویٰ کرنا صحیح نہیں) ایک عالم سے فوق دوسرا صاحبِ علم ہوتا ہے اور فوق کل ذی علم علیم کا قاعدہ صحیح ہے۔

استاذ مولانا ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ علمی گفتگو فرماتے اور اس میں کئی پند و نصائح بھی ذکر کرتے تھے۔ بعض دفعہ اس طرح بھی ہوا کہ بطور نصیحت کے اشعار بھی بیان فرماتے۔ ایک بار آپ رحمہ اللہ نے اسی ناصحانہ گفتگو کے دوران مندرجہ ذیل اشعار ذکر فرمائے:

قیل ان الالٰہ ذو ولدٍ ۔ قیل ان الرسول قد کَهَنا
ما نجا اللہ والرسول معاً ۔ من لسان الوریٰ وکیف انا

یعنی اللہ تعالیٰ کو صاحبِ اولاد کہا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کاہن کہا گیا۔ مخلوقات کی زبان سے جب اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بچ سکے تو میں کس طرح بچ سکتا ہوں؟

## خیانت کا واقعہ:

ایک بار حضرت مولانا ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے اپنے ایک شاگرد کا واقعہ سناتے ہوئے ذکر کیا کہ

ہمارے پاس ایک کتاب ''ملا جلال'' قدیم مطبوعہ تھی اور اس پر ایک عالم سیّد ابوالفتح رحمہ اللہ کا عمدہ حاشیہ تھا۔ کتاب بہت نادر تھی۔ اس شاگرد نے ہم سے مطالعہ کے لیے یہ کتاب طلب کی ہم نے اعتماد کرتے ہوئے دے دی۔ مگر وہ خدا کا بندہ یہ کتاب لے کر روپوش ہوگیا اور فرار ہوگیا۔ آج تک نہ خود واپس آیا اور نہ ہی کتاب واپس کی۔ جو لوگ اپنے استاذ کی قدر دانی نہیں کرتے بلکہ ان سے بد معاملہ کرتے ہیں وہ ہمیشہ خسارہ میں رہتے ہیں۔ اور ان کے علم وعمل میں برکت نہیں ہوتی۔ اور وہ محروم القسمت ہوتے ہیں۔ اساتذہ کا احترام اور اکابر سلف صالحین کا اکرام موجب برکت ہوتا ہے اور اس سے روگردانی کرنے والا شخص بے نصیب ہوتا ہے خوش بخت نہیں ہوتا۔

جب استاذ الکبیر حضرت مولانا غلام رسول صاحب رحمہ اللہ کا انتقال ہوا تو مولانا ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ ہم نے حضرت مولانا سیّد انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ کی خدمت میں استاذ کبیر کے انتقال کی اطلاع دینے کے لیے عریضہ ارسال کیا۔ اس دور میں حضرت شاہ صاحب مرحوم ومغفور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تشریف لے گئے تھے اور وہاں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز تھے۔ جب آنموصوف رحمہ اللہ کی خدمت میں خط پہنچا تو آپ رحمہ اللہ نے تعلیمی درس میں چھٹی کر دی اور ایک تعزیتی اجلاس منعقد کیا اور پھر خط کا جواب ارسال فرماتے ہوئے تحریر کیا کہ مولانا غلام رسول صاحب رحمہ اللہ کا ایک مدت سے مجھ پر بڑا احسان تھا کہ میرے خطاب کے لائق طالب علم تیار کر کے بھیجتے تھے۔

نیز یہ بات بھی مولانا ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے ہاں اُنہی کا تعلیم یافتہ طالب علم جب داخلے کے لیے حاضر ہوتا تو اس سے امتحان داخلہ نہیں لیتے تھے اور بغیر امتحان لیے ہی اپنے درس میں داخل فرما لیتے تھے۔ گویا کہ اُنہی کے تعلیم یافتہ طالب علم پر ان کا یہ علمی اعتماد تھا۔ دیگر یہ بات بھی یہاں عیاں ہوتی ہے کہ حضرت مولانا غلام رسول صاحب رحمہ اللہ کے تبحر علمی اور تدریسی فوقیت کو کبار علماء تسلیم کرتے تھے اور اس کی نہایت قدر دانی فرماتے تھے۔ ان دونوں اساتذہ کرام رحمہما اللہ کی تعلیمی وتدریسی کاوش کی وجہ سے درسگاہ ہذا کا شہرہ عام تھا اور اپنے دور میں ان کی مشہوری باقی مدارس میں بھی تسلیم کی جاتی تھی۔ اور ان حضرات سے تعلیم یافتہ علماء علمی میدان میں ایک مقام رکھتے تھے۔

## مولانا غلام یٰسین واں بھچروی رحمہ اللہ:

یہاں تک اساتذہ کے حالات تو مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے خود قلمبند فرمائے تھے جو پیش کر دیئے گئے۔

اب آپ رحمہ اللہ کے چند ایک مزید اساتذہ کے احوال درج کیے جاتے ہیں۔ اور اس کی ابتداء مولانا غلام یٰسین واں بچھروی رحمہ اللہ سے کرتے ہیں۔

مولانا غلام یٰسین واں بھچراں ضلع میانوالی کے رہنے والے تھے، وہ ایک غریب خاندان کے چشم وچراغ تھے۔ ابتدائی کتب میانوالی اور سرگودھا کے مدارسِ عربیہ میں پڑھ کر دارالعلوم دیوبند گئے اور سند فراغ حاصل کی۔ ۱۹۱۸ء تا ۱۹۲۲ء چار سال بھوپال کے ایک مدرسہ میں ملازمت کی، وہاں سے واپس وطن آئے اور مدرسہ مظفریہ واں بھچراں میں درس وتدریس کرنے لگے۔ یہ زمانہ ان کے علمی شباب کا تھا، سینکڑوں فقہی جزئیات ان کے نوکِ زبان تھیں، منطق وفلسفہ کے فنون میں اس قدر مشہور ہوئے کہ دور دراز سے طلبہ استفادہ کے لیے آتے تھے۔ مدرسہ مظفریہ سے مستعفی ہو کر اپنے گھر کے نزدیک مسجد میں درس جاری کیا۔ مگر بڑے مدارس کے منتظمین ان کو اپنے ہاں لے جاتے اور اس طرح گاؤں کا سلسلۂ تدریس منقطع ہوجاتا تھا۔ آخری دنوں میں مدرسہ سراج العلوم میں پڑھا رہے تھے کہ ۱۹ رمضان المبارک ۱۳۷۹ھ، ۱۸ مارچ ۱۹۶۰ء کو داعی اجل کا بلاوہ آگیا۔ (1)

مولانا حکیم عطا محمد صاحب قریشی (متوفی ۱۹۷۹ء) نے بھی اپنی یادداشتوں (یادِ ایام) میں مولانا غلام یٰسین واں بھچروی کا ذکر ''یادِ یارانِ مکتب'' کے تحت کیا ہے، آپ لکھتے ہیں:

''مولوی غلام یٰسین سکنہ واں بھچراں، ضلع میانوالی نے اکثر علوم معقول ومنقول حضرت استاذ صاحب (مولانا سلطان محمود سکنہ ٹھٹھی میانہ) سے پڑھے اور چوٹی کی کتابیں مولانا حکیم برکات احمد صاحب سے ریاست ٹونک میں پڑھیں۔ بڑے فاضل تھے۔ واپس وطن آکر ملک مظفر خان صاحب رئیس اعظم کے دینی درس میں دادِ تدریس دی۔ (2)

حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ اپنی ڈائری میں ۱۸ کی بجائے ۲۸ مارچ ۱۹۶۰ء کے صفحہ پر لکھتے ہیں:

''بعد میں سنا گیا ہے کہ (استاذ) حضرت مولانا غلام یٰسین صاحب آف واں بھچراں اس تاریخ کو فوت ہوگئے ہیں۔ ترجیع، انا للہ وانا الیہ راجعون۔'' (3)

حضرت رحمہ اللہ کو چونکہ اپنے استاذ کی وفات کی خبر چند دن بعد میں ملی تھی، اس لیے آپ نے ۱۹۶۰ء کی ڈائری پہ ۲۸ویں تاریخ کو یہ سانحۂ وفات درج کیا ہے۔

---

(1) سفیر اختر رتذکرہ علمائے پنجاب صفحہ ۵۳۲ رمطبوعہ ۱۹۹۸ء رطبع اوّل مکتبہ رحمانیہ رلاہور

(2) بحوالہ۔ ماہنامہ ضیائے حرم رشمس العارفین نمبر صفحہ ۲۴۰ رجنوری ۱۹۸۰ء۔

(3) ڈائری مولانا محمد نافع رحمہ اللہ۔ ۲۸ مارچ ۱۹۶۰ء۔

## مولانا اعزاز علی رحمہ اللہ امروہی:

مولانا محمد نافع صاحب کے استاذوں میں ایک آپ کی شخصیت بھی شامل ہے۔ دارالعلوم کے نہایت ممتاز فضلاء میں سے تھے۔ ۱۳۲۱ھ دارالعلوم سے فارغ ہوئے، اوّلاً حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ نے آپ کو مدرسہ نعمانیہ پورینی ضلع بھاگلپور (صوبہ بہار) کے لیے منتخب کیا۔ سات سال تک آپ یہاں درس دیتے رہے۔ پھر شاہ جہان پور میں مدرسہ ''افضل المدارس'' قائم کیا، یہاں تین سال تک تدریس کی۔ بعد ازاں آپ کو آپ کی مادر علمی یعنی دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت مدرس کے بلوا لیا گیا۔ دارالعلوم کی جانب سے اس زمانہ میں شائع ہونے والی رُوداد میں لکھا گیا تھا کہ

''مولوی اعزاز علی صاحب طبقۂ وسطیٰ واخریٰ کے درمیانی فارغ التحصیل حضرات میں سے ہیں، چند جگہ مدرس رہے۔ آپ ایک نوجوان، با استعداد اور صاحب صلاح وتقویٰ عالم ہیں۔ صورتاً وسیرتاً اپنے سلف کی یادگار ہیں۔ علوم میں استعداد تام رکھتے ہیں، خصوصاً علم ادب میں خاص مہارت ہے، ابھی آپ نے حماسہ کا تحشیہ کیا ہے۔ اور کنز الدقائق کا تحشیہ کر رہے ہیں۔ اس سے قبل دیوان متنبی کا تحشیہ بھی کر چکے ہیں۔ آپ دارالعلوم کے درجۂ وسطیٰ میں درس دیتے ہیں، علم ادب کے اکثر اسباق آپ کے پاس رہتے ہیں۔ طلبہ کو عربی تحریر کی مشق بھی کراتے ہیں، خوش تقریر ہیں، طلبہ آپ سے نہایت مانوس ہیں۔''

مہتمم دارالعلوم دیوبند مولانا حافظ محمد احمد صاحب کو آپ پر بہت اعتماد تھا۔ مولانا مفتی عزیز الرحمن رحمہ اللہ کی وفات کے بعد آپ کو دارالعلوم کے صدر مفتی کے عہدے پر بھی فائز کیا گیا۔ اس کے بعد سے آخر عمر تک آپ کا قیام دارالعلوم میں رہا۔ فقہ وادب آپ کا خاص فن اور پہچان بن گئے تھے۔ ''شیخ الادب والفقہ'' کے نام سے معروف ہوئے۔ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی عدم موجودگی میں کئی بار بخاری شریف پڑھانے کے مواقع نصیب ہوئے۔ مولانا اعزاز علی رحمہ اللہ سے طلبہ بہت پیار کرتے تھے۔ آپ محبوب الطلبہ تھے۔ پابندیٔ اوقات آپ کی ضرب المثل تھی۔ بے نفسی، تواضع اور عجز وانکساری میں اپنی مثال آپ تھے۔ فرماتے تھے کہ میرے نزدیک مبغوض وہ طالب علم ہوتا ہے جو پڑھائی چھوڑ کر خارجی مشاغل میں مصروف رہے، اور محبوب وہ ہے جو پوری یکسوئی سے تعلیم پر توجہ دے۔ شیخ الادب مولانا اعزاز علی رحمہ اللہ کو عربی نظم ونثر پر بھی کمال حاصل تھا۔ عربی ادب میں ''نفحۃ الیمن'' کے معیار پر ''نفحۃ العرب'' تصنیف فرمائی جس میں تاریخی خطابات، اور اخلاقی مضامین درج کیے، چنانچہ اس کتاب کو وہ مقبولیت نصیب ہوئی کہ عرب وعجم میں دھوم پڑگئی۔ غرضیکہ آپ بے نظیر استاذ، متبحر عالم دین، اور جامع العلوم والکمال شخصیت تھے۔ دارالعلوم دیوبند میں آپ کی علمی خدمات کا دور چوالیس سال پر محیط رہا۔ ۱۳۷۴ھ میں اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔

## مولانا علامہ محمد ابراہیم رحمہ اللہ بلیاوی:

ہمارے ممدوح حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے دارالعلوم میں ایک استاذ مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمہ اللہ بھی تھے۔آپ کا تاریخی نام غلام کبریا ہے۔ان کا خاندان پنجاب کے ضلع جھنگ سے ہجرت کر کے جون پور آباد ہوگیا تھا اور بعد میں مشرقی یو پی کے شہر بلیا میں جا کر مقیم ہوگیا، آپ کی پیدائش یہیں ہوئی تھی۔آپ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ ۱۳۲۵ھ کے اواخر میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۳۲۷ھ میں فراغت ہوئی۔ فراغت کے بعد اوّلاً مراد آباد، ضلع اعظم گڑھ اور مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں تدریس کے فرائض سرانجام دینے کے بعد ۱۳۴۴ھ میں دارالعلوم دیوبند تشریف لائے۔ اٹھارہ سال کے بعد دارالعلوم چھوڑ کر ڈابھیل جامعہ اسلامیہ میں چلے گئے تھے۔مگر حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ کی خواہش اور فرمائش پر پھر دارالعلوم دیوبند میں آگئے۔اور درس حدیث دیتے رہے، مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد آپ کو دارالعلوم کی مسند صدارت تدریس سونپی گئی۔آپ رحمہ اللہ علم کلام وعقائد میں یگانہ روزگار تھے۔امام الکبیر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کے علوم پر گہری دسترس رکھتے تھے، اور شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ دیوبندی کے شاگرد ہونے کے ساتھ شرف بیعت بھی رکھتے تھے۔ ''سُلم العلوم'' پر ان کا عربی حاشیہ ''ضیاء النجوم'' عرب علماء کو بھی ورطۂ حیرت میں ڈال چکا ہے۔علاوہ ازیں ''میبذی'' اور ''خیالی'' پر عربی حواشی طباعت سے پہلے ضائع ہوگئے تھے، جس پر آپ آخری دم تک متاسف رہے۔جامع الترمذی پر حاشیہ زیر قلم تھا کہ جنت سے بلاوا آگیا اور مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے یہ عظیم المرتبت استاذ ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ کی دوپہر کو ۸۴ سال کی عمر میں انتقال فرماگئے۔آپ قبرستانِ قاسمی دیوبند میں درجنوں اکابرین کے جلو میں میٹھی نیند سو رہے ہیں۔

## مولانا مفتی ریاض الدین بجنوری رحمہ اللہ:

مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے اساتذہ میں سے مولانا مفتی محمد ریاض بجنوری رحمہ اللہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے ارشد تلامذہ میں تھے۔افضل گڑھ ضلع بجنور کے رہنے والے تھے۔ جب دارالعلوم سے مولانا مفتی عزیز الرحمٰن رحمہ اللہ مستعفی ہوئے تو دارالافتاء کی خدمات آپ رحمہ اللہ کو تفویض کی گئیں۔ زود نویسی اور تبحر علمی کا یہ حال تھا کہ ۱۳۴۷ھ سے ۱۳۵۰ھ کے اوائل تک آپ نے کم وبیش دو سال کی اس مدت میں تقریباً سات ہزار استفتاءات کے جواب تحریر کیے۔صفر ۱۳۵۰ھ میں آپ کو شعبہ تدریس میں منتقل کر دیا گیا۔نہایت خاموش طبع اور مرنجان مرنج انسان تھے، ۲۲ ذوالحجہ ۱۳۶۲ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

## مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ:

آپ کی ولادت ۱۸۹۶ء میں ہوئی۔ اصلاً دیوبند کے رہنے والے تھے، آپ کا نام ''محمد شفیع'' قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ نے تجویز فرمایا تھا۔ دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی اور ۱۳۳۶ھ میں ۲۲ سال کی عمر میں فراغت حاصل کی۔ اس سے اگلے سال دارالعلوم ہی میں مدرس مقرر ہوگئے۔ آپ کو ابتداء ہی سے فقہ وادب سے بہت مناسبت رہی۔ ۱۹۳۲ء میں منصب افتاء پر فائز ہوئے۔ جب برصغیر کی تقسیم ہوئی تو آپ ۱۹۴۹ء میں پاکستان منتقل ہوگئے۔ اور یہاں دستور ساز اسمبلی کے بورڈ آف تعلیماتِ اسلام کے رکن کی حیثیت سے اسلامی دستور میں مدد دی۔ ۱۹۵۱ء میں کراچی کے اندر ''دارالعلوم'' کے نام سے بہت بڑا ادارہ قائم کیا۔ جو آج ہر اعتبار سے پاکستان کا سب سے بڑا دینی مرکز ہے۔ حضرت مفتی صاحب کی ''تفسیر معارف القرآن'' (۸ مجلدات) مقبول ومشہور تفسیر ہے۔ آپ حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے اجل خلفاء میں سے بھی ہیں۔[1] پوری زندگی دینی علوم کی تدریس وتصنیف کے ساتھ افاضۂ باطنی میں مصروف رہے۔ شعروشاعری کا عمدہ ذوق تھا۔ پاکستان میں ''مفتی اعظم'' آپ کے نام کا جزو ٹھہرا، لاتعداد کتابیں، مقالات، مضامین، تقریظات، فقہی رسائل، تقریباً ۲۶ ہزار کے قریب فتاویٰ جات، دارالعلوم کراچی، اور مولانا مفتی محمد تقی عثمانی ومولانا مفتی محمد رفیع عثمانی سمیت سینکڑوں شاگرد آپ کی علمی یادگاریں ہیں۔ آپ رحمہ اللہ نے ۱۱ شوال ۱۳۹۶ھ بمطابق ۶، اکتوبر ۱۹۷۶ء کو انتقال فرمایا۔ آپ حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے دارالعلوم دیوبند کے زمانہ کے استاذ ہیں، اس نسبت کی لاج مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ نے رکھی، اور حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے تحقیقی ذوق اور عمدہ تصنیفی اسلوب کے مداح رہے۔ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کے خطوط سے ناظرین کو اندازہ ہوسکے گا کہ ''قدرِ زر، زرگر بداند، قدرِ جوہر جوہری'' کے عملی مظاہر کیسے ہوتے ہیں؟ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے اساتذہ کے ان مختصر احوال کو پڑھنے کے بعد اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کیسے کیسے علوم وفیوض کے ینبوع نصیب فرمائے تھے جن کی صحبت نے آپ کے اندر حصول علم کی وہ آتش بھڑکا دی تھی کہ آخری سانسوں تک آپ کا تعلق علم وتحقیق سے جڑا رہا، اور ان باکمال لوگوں نے صرف علم ہی نہیں، بلکہ عملِ صالح کا ایسا جوہر آپ کی طبیعت میں رکھ دیا تھا کہ زندگی کا ایک ایک لمحہ دوسروں کے لیے قابل رشک اور باعث تقلید بنتا چلا گیا۔

---

[1] سیّد محبوب رضوی رتاریخ دارالعلوم دیوبند صفحات ۹۳، ۱۳۳، ۲۵۴ رجلد دوم رسن اشاعت ۲۰۰۵ء رلاہور۔

# باب نمبر 4

# وسطی پنجاب میں

# دفاعِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے فعال مراکز

- ……خانقاہ سیال شریف
- ……مجلس حزبُ الانصار بھیرہ
- ……جامعہ محمدی شریف

## (اس باب میں اہم موضوعات)

① ……جاگیردار اور گدی نشینوں کا گٹھ جوڑ

② ……ایک سُنی پیر صاحب کی شیعہ رئیس کی دختر سے شادی اور حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمہ اللہ کی عارفانہ پیشین گوئی

③ ……ایک اور پیر صاحب کا اپنی ہمشیر شیعہ رئیس کے نکاح میں دینا

④ ……مولانا ظہور احمد بگوی رحمہ اللہ کی ایمانی غیرت اور ان پر قاتلانہ حملہ

⑤ ……جلالپوری قضیے کا خلاصہ

⑥ ……بزرگانِ سیال شریف اور ردّ رفض و بدعت

⑦ ……حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ کی کتاب ''مذہب شیعہ'' اس کا شیعی جواب اور جواب الجواب کا تذکرہ

⑧ ……مجلس حزب الانصار بھیرہ، ماہ نامہ شمس الاسلام اور دعوتی سرگرمیاں

⑨ ……ماہ نامہ شمس الاسلام کا فتویٰ نمبر (مطبوعہ ۱۹۳۱ء) اور تذکارِ بگویہ پر ایک طائرانہ نظر

⑩ ……جامعہ محمدی شریف میں مولانا بگوی کا آخری خطاب، پیغام اجل اور عظمت صحابہ کے اگلے منادکا انتخابِ الٰہی

سرگودھا، جھنگ اور چنیوٹ کے اضلاع آج جس خطے پر آباد ہیں یہ مذہبی وسیاسی اعتبار سے ہمیشہ انفرادیت اور اختصاص کے حامل رہے۔ یہاں کا جاگیردار اور گدی نشین طبقہ اپنے طور واطوار کے لحاظ سے مماثلت رکھتا ہے۔ محض اتنا فرق ہے کہ جاگیردار نرا جاگیردار ہوتا ہے، پیر نہیں ہوتا، مگر پیر کے ہاتھ میں دونوں ہتھیار ہوتے ہیں، یوں وہ حسب موقع دین اور دنیا کا برمحل استعمال کرنے اور مفادات کو پالنے میں ماہرِ فن ہوتا ہے۔ ان دونوں طبقات کی نفسیات کی ایک ہلکی سی، مگر حیرت زدہ کردینے والی جھلکی قدرت اللہ شہاب کی خودنوشت ''شہاب نامہ'' میں ملتی ہے۔ جس میں انہوں نے ان کا نقشہ کھینچ کر بہت کچھ سوچنے، سمجھنے کی دعوتِ فکر دی ہے۔ ان حالات میں فرقہائے باطلہ کے لیے اس ماحول اور اس کے باسیوں کو لقمہ تر بنانا کوئی مشکل نہ تھا۔ چنانچہ صدیوں سے آباد یہاں کی شیعہ برادریوں نے اپنے مال وثروت اور سیاسی اثر ورسوخ کی بنیاد پر اہل سنت والجماعت سے وابستہ لوگوں پر شب خون مارا، غلامانہ ذہنیت اور احساس محرومی اس حد تک خمیر میں رچ بس گئی تھی کہ ان لوگوں کا نہ اپنا کوئی نظریہ رہا اور نہ ضمیر! بڑے سانپ چھوٹے سنپولیوں کو اور بڑی مچھلیاں چھوٹی مچھلیوں کو ہڑپ کرجاتی ہیں، ایسے ہی تاج برطانیہ نے جو''نوکرشاہی'' کی ریت ڈالی تھی، اس خطہ کی نوکرشاہی نے وفاداری بلفظ دیگر اپنی ملت سے غداری کی انتہا کردی تھی۔ اور انہوں نے اپنی رعایا اور محکوم ومقہور لوگوں کو پیسنا، کچلنا اور کھانا شروع کردیا۔ نوعروسانِ چمن تو اس بادِ مسموم کی تاب ہی نہ لاسکتے تھے، اور بڑے بوڑھے، جن کی زندگیوں کے ماہ وسال برگد کا ایک ایسا پیڑ بن گئے تھے، جس کی جڑیں تک غلامی، کمتری، محرومی، بےبسی اور مذہب بیزاری کی نذر ہوچکی تھیں، وہ ان دونوں طبقوں کے متعلق رائے زنی تک کرنے کو ننگ وناموس میں رخنہ اندازی کے مترادف سمجھتے تھے۔

## گدی نشینی اور جاگیرداری کا افسوسناک گٹھ جوڑ!

ہم چونکہ گدی نشینوں اور جاگیرداروں کے ہم مزاج اور مماثلت رکھنے پر دعویٰ کرچکے ہیں تو لازمی ہے کہ اس حوالے سے کوئی مثال یا دلیل بھی پیش کردیں، جو اسی خطے سے متعلق ہو۔ سو عرض ہے کہ اس سلسلہ میں لاتعداد مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں، یہاں صرف ایک واقعہ بطور مثال کے پیش خدمت ہے۔

حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمہ اللہ کے خلفاء میں سے ایک نامی گرامی خلیفہ پیر سیّد غلام حیدر علی شاہ جلالپوری (جہلم) گزرے ہیں۔ جو ۲۶، اپریل ۱۸۳۸ء میں پیدا ہوئے، سترہ سال کی عمر میں حضرت خواجہ صاحب رحمہ اللہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور بیس، اکیس سال کی عمر میں خلعت

خلافت سے نواز دیئے گئے تھے۔ بڑی خوبیوں کے مالک تھے، اگرچہ ان کے بعض سوانح نگاروں نے تعریف وتوصیف میں نہایت مبالغہ آمیزی سے بھی کام لیا ہے۔ مثلاً ملک محمد دین ایڈیٹر ''صوفی'' ولادت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سبحان اللہ! سبحان اللہ! خوشا نصیب اس سرزمین پاک کے، جہاں ایسا صاحبِ فقر پیدا ہوا اور زہے بخت اُس مینو سواد کے، جہاں ایسا نور ولایت ہویدا ہوا، ہواؤں نے گلزار میں، گھٹاؤں نے کوہسار میں، فضاؤں نے بہار میں، موجوں نے بحر ناپیدا کنار میں، کوئی ایسا پھول، ایسا لعل خوش آب، ایسا عندلیب معانی اور ایسا گوہر شاہوار نہیں دیکھا، صورت سے رعبِ حقیقت، چہرہ سے آثارِ ولایت ہویدا ہیں۔ انسان تو انسان فرشتے بھی حیرت واستعجاب سے زیارت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایسا انسان کبھی نہ دیکھا، نہ سنا ہے یہ تو نمونۂ قدرتِ الٰہی، اور مخزنِ اسرارِ لامتناہی ہیں۔ اُن کے قدموں کی خاک اکسیر ہے، اُن کے پاؤں کی نعلین آفتاب منیر ہے، اللہ اللہ وہ نور سراپا سرور جس نے ظاہر ہوتے ہی جہلم کی وادیوں اور کناروں کو منور کر دیا، جس کے فیض قدوم نے اپنے فیوض سے سرزمین پنجاب کا کونہ کونہ بھر دیا۔ آسمان کیفِ زیارت سے وجد میں آنے لگا، زمین برخود نازاں رقص میں آئی اور رضوانِ بہشت حوروں کی ٹولیوں کے ساتھ آپ کی تولید سعید کا مژدہ اس طرح سنانے لگا۔

کیا جوش پر ہے رحمت پروردگار آج
حوروں نے بھی کیا ہے انوکھا سنگھار آج
ہر سمت قدسیوں کی لگی ہے قطار آج
آواز آرہی ہے یہی بار بار آج
پیدا ہوئے ہیں۔ حیدرؒ عالی وقار آج[1]''

خیر، عقیدت کی آنکھیں نہیں ہوتیں، عقیدت منداپنے ممدوح کی شان میں مشرق ومغرب کے قلابے ملاتے آئے ہیں، اور اب تو یہ کسی ایک مکتبۂ فکر کے ساتھ خاص نہیں رہا، اور کم ازکم عقیدت کے پھول، بلکہ گلدستے پھینکنے کی حد تک کوئی دعویٰ اعتدال نہیں کرسکتا۔

## سیّد مظفر علی شاہ کا ایک شیعہ رئیس کی دختر سے نکاح!

پیر غلام حیدر علی شاہ صاحب کے ایک بیٹے کا نام سیّد مظفر علی شاہ تھا، انہوں نے ایک شیعہ رئیس کی دختر

[1] ملک محمد دین/ذکر حبیب صفحہ ۶۱/القمر بک کارپوریشن لاہور/طبع دوم ۱۴۰۴ھ

سے شادی کرنے کا فیصلہ کیا، حضرت قبلہ شمس الدین سیالوی رحمہ اللہ کو پتہ چلا تو انہوں نے پنجابی زبان میں نہایت سادہ مگر اپنے مفہوم و گہرائی اور بصیرت و بصارت کے اعتبار سے بہت وزنی بات کہی تھی، فرمایا: ''جئی ماں جئی ماسی، کندھ ایرے تے ای جاسی'' (مفہوم یہ ہے کہ اولاد بھی شیعہ ہو کر رہے گی، کیونکہ دیوار بنیاد کے مطابق ہی اوپر جاتی ہے) چنانچہ گدی نشین صاحب نے اپنا مقصد پورا کیا اور شیعہ رئیس زادی سے شادی کر لی، اُدھر ولی اللہ کی بات بھی پوری ہو کر رہی، وہ یوں کہ سیّد مظفر علی شاہ صاحب کے پوتے جن کا نام پیر سیّد محمد فضل شاہ تھا، انہوں نے اپنی حقیقی ہمشیر کا نکاح جھنگ کے شیعہ رجوعہ برادری میں ایک رئیس سردار حسین شاہ سے کر دیا تھا، یہ ۲۷ اکتوبر ۱۹۳۳ء کا واقعہ ہے۔ پیر سیّد فضل شاہ صاحب نومبر ۱۸۹۴ء میں پیدا ہوئے اور اپنے دادا سیّد غلام حیدر شاہ صاحب اور والد سیّد مظفر علی شاہ صاحب کے جانشین بنے۔ ابتدائی فارسی و عربی کتب پڑھنے کے بعد منطق، فلسفہ، ادب، عقائد، کلام اور دیگر علوم عقلیہ کی تحصیل جناب مولانا فیض الحسن صاحب، مولوی فاضل ساکن موضع بھیں (چکوال) سے کی، مولانا فیض الحسن رحمہ اللہ، بحر العلوم مولانا محمد حسین فیضی کے بیٹے تھے، اور مولانا فیضی مرحوم ابوالفضل مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کے چچا زاد بھائی اور بہنوئی تھے، یہ ۱۹۰۱ء میں انتقال فرما گئے تھے۔

جب پیر سیّد فضل شاہ صاحب نے اپنی ہمشیر کا نکاح شیعہ رئیس سے کیا تو معاصر علماء اہل سنت اور صوفیاء کرام نے اس کے خلاف بھرپور تحریک چلا دی، تاہم سب سے مؤثر احتجاج تقریری اور تحریری طور پر تین بزرگوں نے کیا:

① ...... مولانا ظہور احمد بگوی رحمہ اللہ۔ ② ...... ابوالفضل مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ۔

③ ...... حکیم عبدالمجید سیفی۔

مولانا ظہور احمد بگوی رحمہ اللہ نے پہلے ایک مضمون اپنے ماہانہ رسالہ ''شمس الاسلام بھیرہ'' بابت دسمبر ۱۹۳۳ء شائع کیا، جس کا عنوان ''عبرت ناک واقعہ، ہر کمال را زوال'' تھا، آپ رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

''آج سے پچیس سال پہلے بمقام سیال شریف چند درویشوں کے سامنے اعلیٰ حضرت سرتاج الاولیاء شمس العارفین سیالوی قدس سرہ العزیز کی زبان مبارک سے جو الفاظ نکلے تھے، وہ پورے ہو کر رہے۔''

قارئین کی آگاہی کے لیے مختصراً بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت سیّد حیدر علی شاہ صاحب جلالپوری رحمہ اللہ کے فرزند ارجمند سیّد مظفر علی شاہ صاحب نے ایک شیعہ رئیس کی دختر سے نکاح کرنا چاہا۔ ان کے اس ارادہ کی خبر سُن کر خواجہ شمس العارفین قدس سرہ العزیز کو بھی بے حد ملال ہوا اور فرمایا:

''پیوندی با مخالفانِ دین ضرر بسیار می دارد، جہی ماں، جہی ماسی، کندھ ایرے تے ای جاسی (یعنی اولاد بھی شیعہ ہو کر رہے گی) حضرت غریب نواز کا یہ ارشاد مرآۃ العاشقین فارسی مؤلفہ سیّد محمد سعید شاہ صاحب مطبوعہ لاہور ۱۳۰۶ھ کے صفحہ ۱۵۱ [1] پر درج ہے۔ افسوس ہے کہ پیر سیال کی تنبیہ کا نوجوان جلال پوری صاحبزادے پر کچھ اثر نہ ہوا۔ نکاح کے بعد آپ کے گھر چار صاحبزادے ہوئے، جن میں سے تین صاحبزادے سیّد محمد مہر شاہ صاحب، صاحبزادہ محمد کرم شاہ صاحب، صاحبزادہ محمد محمود شاہ صاحب پہلے ہی اسلامی تخیل سے عاری، یورپی فیشن کے دلدادہ اور قیودِ شریعت سے آزاد واقع ہوئے تھے۔ ان کا ایک حقیقی بھانجا اعلانیہ مذہب تشیع کا علمبردار بن چکا ہے۔ سیّد محمد فضل شاہ صاحب کے متعلق عوام الناس کا حسن ظن تھا۔ مگر ننھیال کی آگ بھڑک اٹھی، ''جہی ماں، جہی ماسی کندھ ایرے تے ای جاسی'' یعنی دیوار کا بنیاد پر جانا ضروری تھا۔

خشت اوّل چوں نہد معمارِ کج
تا ثریا می رود دیوارِ کج

آخر کار ۲۷/ اکتوبر ۱۹۳۳ء کو سیّد محمد فضل شاہ صاحب نے اپنی حقیقی ہمشیرہ کا نکاح رجوعہ ضلع جھنگ کے ایک شیعہ رئیس زادے کے ساتھ کر دیا۔ اس طرح اپنے خاندان کی عزت وتقدس وناموس کا خاتمہ کر دیا، علمائے کرام کے فتاویٰ در بارۂ عدمِ جواز نکاح کی پرواہ نہ کی گئی۔ اعلیٰ حضرت رئیس الاتقیاء سیّد العلماء مولانا حافظ محمد قمر الدین صاحب زیب آرائے مسند سیال شریف کے ارشادات کا ان کے دل پر مطلق اثر نہ ہوا۔ دربار سیال شریف سے قطع تعلق کرنا گوارا کر لیا مگر رجوعہ سے رشتہ قائم کرنے کا جنون پورا کر کے رہے۔ غالباً شاہ صاحب آئندہ اپنے وظائف میں ''الٰہی بحرمت سیّد حسین شاہ آف رجوعہ'' کے الفاظ بھی تلاوت کیا کریں گے۔ آہ! محبوب الٰہی حضرت سیّد غلام حیدر شاہ صاحب رحمہ اللہ کے مقدس خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔ اس پر جس قدر

---

[1] مکمل فارسی عبارت مع ترجمہ یہ ہے ''بعد ازاں سخن در نسبت مخالف مذہب افتاد مسمات بانو حاضر بود عرض داشت کہ سید حیدر شاہ جلال پوری نسبت پسرِ خود بہ فلاں طرف میخواہند، حالانکہ آں مردی لائق نسبت نیست، خواجہ شمس العارفین فرمود اگر مناسب نیست چرا نسبت کند؟ باید کہ او پرہیز کند کہ پیوندی با مخالفاں دین زیان میدارد بعد ازاں ایں مقولہ برزبان مبارک راند مقولہ جہی ماں ماسی، کندھ ایرے تے ای جاسی (مرآت العاشقین، صفحہ نمبر ۱۵۱، طبع اول مطبوعہ مطبع مصطفائی لاہور ۱۳۰۳ھ)

ترجمہ: بعد ازاں غیر مذاہب کے متعلق گفتگو ہوئی تو مسماۃ بانو نے کہا پیر حیدر شاہ جلالپوری اپنے بیٹے کی نسبت فلاں خاندان (شیعہ) میں کرنا چاہتا ہے حالانکہ وہ لوگ اس قابل تو نہیں تو حضرت شمس العارفین نے فرمایا اگر ٹھیک نہیں تو شاہ صاحب کو وہاں نسبت کرنے سے پرہیز کرنی چاہیے۔ کیونکہ مخالفین اسلام کے ساتھ رشتے ناطے نقصان دہ ہیں۔ بعد ازاں یہ مقولہ فرمایا کہ جیسی ماں ویسی خالہ، دیوار اپنی بنیاد کے مطابق ہی اٹھتی ہے۔

(نوٹ ''مرآت العاشقین'' کا اردو ترجمہ جو صاحبزادہ غلام نظام الدین مرولوی نے ''پُرگوہر'' کے نام سے کیا ہے اس میں اس عبارت کا ادھورا ترجمہ کیا گیا ہے، اللہ اعلم۔ اس میں کیا حکمت کارفرما تھی؟ ملاحظہ ہو کتاب پُرگوہر صفحہ ۱۹۶ مطبوعہ تصوف فاؤنڈیشن لاہور)۔ سلفی

ماتم کیا جائے کم ہے۔ منکرین اولیاء اللہ اور اعدائے اسلام کو اسلام کی صداقت کے اس زبردست نشان پر غور کرنا چاہیے کہ شہنشاہ سیال نے اپنے حجرہ مبارک میں جو الفاظ فرمائے تھے وہ اس شعر کا مصداق تھے:

گفتہ اُو گفتہ اللہ بود ۔۔۔ گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

مسلمانوں کو اس واقع سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ حضرت سیّد حیدر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ کے ارادت مندان کا فرض ہے کہ اس موقع پر دینی غیرت وحمیت کا ثبوت دیں۔ اور موجودہ سجادہ نشین سے بیزاری کا اعلان کر کے حضرت شاہ صاحب مرحوم کی روح کو خوش کریں۔ ارکان حزب اللہ کا فرض ہے کہ ہر جگہ جلسے کر کے سیّد فضل شاہ صاحب سے مطالبہ کریں کہ وہ حزب اللہ کی امارت سے علیحدہ ہو جائیں۔ [1] ورنہ حزب اللہ کا سب سے بڑا خاصہ یہ ہونا چاہیے کہ بموجب آیت کریمہ لا تجد قوما یومنون باللہ (الخ) ہر اس شخص سے جو خدا اور اس کے رسول کا مخالف ہو، اگرچہ وہ بھائی ہو یا باپ، یا قریبی رشتہ دار، قطع تعلق کا اعلان کرے۔ پس ہر رکن ''حزب اللہ'' کا فرض ہے کہ جلال پوری حزب سے علیحدگی و بیزاری کا اعلان کر دے اور مریدانِ دربار جلال پور شریف کا فرض ہے کہ اعلیٰ حضرت سیّد حیدر شاہ صاحب رحمہ اللہ کا ادب واحترام دل میں رکھتے ہوئے دربار سیال شریف کی طرف رجوع کریں، اور وہاں جا کر دیکھیں کہ کس طرح ابر رحمت سے فیض کی بارش ہو رہی ہے۔ الحمد للہ کہ موجودہ زمانہ میں پنجاب بھر میں سیال شریف کو وہ ممتاز درجہ حاصل ہے کہ وہاں کے سجادہ نشین کے دل میں غیرت وحمیت اسلامی کا جذبہ موجزن ہے۔ خدا کے سوا کسی کے خوف کا وہاں گزر نہیں۔ اللہ تعالیٰ موجودہ جواں بخت، عالی ہمت، فیاض اور فاضل رجل، عالم بے نظیر، زبدۃ العارفین حضرت حافظ مولانا محمد قمر الدین صاحب ادام اللہ برکاتہم کا سایۂ ہم غریبوں کے سروں پر دیر تک قائم رکھے۔ آمین ثم آمین! [2]

مولانا ظہور احمد بگوی رحمہ اللہ عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم اور ردّ رفض کے عنوان پر حساس طبیعت کے مالک تھے۔ آپ نے مذکورہ مضمون کے بعد پیر فضل شاہ صاحب سے مراسلت بھی کی۔ چنانچہ ایک طویل خط کے مندرجہ ذیل اقتباسات قابل غور ہیں۔ آپ پیر فضل شاہ صاحب سے یوں مخاطب ہوتے ہیں:

''اس شادی کے بعد آپ کی بدنامی سب سے زیادہ شیعہ کر رہے ہیں، خصوصاً بھیرہ و علی پور کے شیعہ

---

[1] سیّد فضل شاہ صاحب نے ۱۹۷۲ء میں ایک تنظیم ''حزب اللہ'' بنائی تھی۔ شاہ صاحب اور ان کی مذکورہ تنظیم کے متعلق احوال ڈاکٹر عبد الغنی کی تصنیف ''امیر حزب اللہ'' مطبوعہ ۱۹۶۵ء میں مل سکتے ہیں۔ فضل شاہ صاحب کے ننھیال شیعہ تھے، آگے انہوں نے اپنی ہمشیر شیعوں کے نکاح میں دے دی اور یوں گدی نشین اور جاگیر دار فیملی نے اپنے طرز عمل سے ثابت کر دیا کہ ہمارے نزدیک دنیا کا مال ومتاع اور جاہ ومال ہی دین وایمان ہے۔ فوا اسفاہ

[2] ماہ نامہ شمس الاسلام بھیرہ، بابت ۴ دسمبر ۱۹۳۳ء، صفحہ نمبر ۶ تا ۸۔

احناف کو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے داماد ہیں وغیرہ وغیرہ۔ طرح طرح کے بکواس کرتے ہیں۔ سیال شریف میں حسین شاہ کے لڑکے (جن کے ساتھ پیر صاحب نے ہمشیر کا نکاح کیا) کے متعلق سنا ہے کہ (اس نے) اپنے سُنی ہونے کا اظہار کیا تھا، مگر اس کے بعد محرم ۵۲ ھ کی بدعات میں اس نے زبردست حصہ لیا، سنا گیا ہے کہ جلالپور شریف سے واپسی پر اس نے رجوعہ میں شیعوں سے کہا ہے کہ "میں توبہ کائے نی کیتی، مطلب لینا سی" (میں نے توبہ کوئی نہیں کی، صرف مطلب نکالنا تھا) اور حسین شاہ گزشتہ عرس پر جلالپور شریف گیا تھا، اس نے اعلانیہ ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھی، اور شیعیت کا اعلانیہ اظہار کیا۔ رجوعہ والے معاملہ میں آپ نے حضرت سجادہ نشین صاحب سیالوی مدظلہ العالی کے مشورہ کی پرواہ نہیں کی۔ مجھے جناب نے محض دشمنِ رفض سمجھ کر بلاوجہ مجلس شوریٰ کی رکنیت سے خارج کر دیا اور مجھے دعوت نہیں دی گئی۔ [1]

## مولانا بگوی رحمہ اللہ پر لاٹھی برداروں کا حملہ:

جب گدی نشین پیر سیّد فضل شاہ صاحب نے شیعوں کے ساتھ ناطہ جوڑا تو مولانا ظہور احمد بگوی رحمہ اللہ نے تحریراً وتقریراً زور دار احتجاج کیا تھا۔ اور ان کے اخلاص کا یہ عالم تھا کہ اس سے پہلے ان دونوں خاندانوں کے مابین گاڑھی چھنتی تھی۔ باہمی رواداری اور اخوت کا رشتہ قائم تھا مگر جب اہل تشیع کے ساتھ انہوں نے رشتے گانٹھے تو مولانا بگوی کی رگِ حمیت پھڑک اُٹھی۔ خصوصاً اپنے ماہ نامہ شمس الاسلام بھیرہ میں مضمون چھپا تو پیر فضل شاہ صاحب کے مریدوں نے مولانا بگوی رحمہ اللہ کو اپنے غیظ وغضب کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ چنانچہ ۹، دسمبر ۱۹۳۳ء کو جامع مسجد بھیرہ کے سالانہ جلسہ میں اسٹیج پر مولانا بگوی مرحوم کو لاٹھیوں سے پیٹا گیا، اس قاتلانہ حملہ میں آپ رحمہ اللہ بہ مشکل بچے، اس واقعہ کے بعد دینی حلقوں میں اضطراب کا پیدا ہونا ایک فطری امر تھا۔ اُدھر پیر فضل شاہ صاحب کے بعض احباء نے لاٹھی کے ساتھ قلم وقرطاس کا سہارا بھی لیا۔ مولوی اللہ دین آف ملکوال نے ایک اشتہار بعنوان "مسٹر ظہور احمد بگوی اور اس کے الزامات کی حقیقت" وغیرہ شائع کیا اور خود پیر صاحب نے بھی "امیر حزب اللہ کا پیغام" نامی پمفلٹ جاری کیا۔ لیکن خطۂ ہند کے تمام اکابرین اہل سنت مولانا ظہور احمد بگوی کی حمایت میں تھے۔ مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیرؒ [2] (والد ماجد قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ) نے بھی باقاعدہ ایک فتویٰ شائع کیا جس کا نام "پنجاب کے ایک پیر کا کارنامہ، رافضیوں کو ناطہ دے دیا" اور اس کے ٹائیٹل پہ یہ شعر درج کیا:

---

[1] مکتوب مولانا ظہور احمد بگویؒ بنام پیر سیّد فضل شاہ صاحب محررہ ۴ دسمبر ۱۹۳۳ء از بھیرہ۔

[2] مولانا دبیرؒ ۱۸۵۲ء میں پیدا ہوئے اور جولائی ۱۹۴۶ء میں اپنے موضع بھیں (چکوال) میں انتقال فرمایا، ردّ مرزائیت پر آپ کی کتاب "تازیانہ عبرت" اور ردّ شیعیت پر "آفتاب ہدایت" شہرۂ آفاق ہیں۔ کامیاب مناظر تھے اور شاعری وصحافت میں بھی یگانہ روزگار تھے۔ ان کے علمی وتحقیقی اور ادبی وتخلیقی کارناموں پر مشتمل راقم الحروف کی کتاب "ابوالفضل مولانا محمد کرم الدین دبیر، حیات وخدمات" (۲ مجلدات) طبع ہو چکی ہیں۔ (سلفی)

راہ سے بے راہ کیوں سالارِ حزبُ اللہ ہوئے؟

کون ہو رہبر بھلا جب خضر راہ گمرہ ہوئے

ستم ہے روز روشن کا شب دیجور ہو جانا

چمکنا کفر کا، اسلام کا کافور ہو جانا

مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کے اسی فتوے پر مولانا سیّد مرتضیٰ حسن رحمہ اللہ چاند پوری، مولانا نجم الدین رحمہ اللہ صاحب پروفیسر اورینٹل کالج لاہور اور مولانا سیّد دیدار علی شاہ رحمہ اللہ صاحب سمیت تقریباً ۱۴، معاصر علماء کے دستخط ثبت ہیں۔ ان کے علاوہ حکیم عبد المجید سیفی نے بھی ایک پمفلٹ شائع کیا تھا جس کے اقتباسات اگلی سطور میں پیش خدمت ہوں گے۔ غرضیکہ مولانا بگوی مرحوم کے احباب نے ترکی بہ ترکی جوابی کارروائی جاری رکھی۔ چنانچہ مجلس حزب الانصار بھیرہ کے سرگرم رکن مولانا ابوالخیر پنجابی نے ''دجل وتلبیس'' کے نام سے پمفلٹ جاری کر دیا جس میں پیر فضل شاہ صاحب کو خوب رگیدا گیا تھا۔ حکیم عبد المجید سیفی نے اپنے مطبوعہ پمفلٹ میں لکھا تھا:

''اگر جناب سیّد فضل شاہ صاحب جاگیردار جلال پوری اور نواب سر مہر شاہ اپنے دادا کے مریدوں کو اسلام اور ترکوں کے خلاف انگریز فوج میں بھرتی کرائیں اور اس اسلام اور ایمان فروشی کے صلہ میں حکومت انگلشیہ سیّد فضل شاہ صاحب کو ۵۰۰ روپے سالانہ کی جاگیر عطا فرما دے اور ان کے مایۂ ناز چھوٹے بھائی مہر شاہ صاحب کو نواب یا سر وغیرہ کے خطابات دیئے جائیں اور دوسروں کو حکومت عالیہ اپنی ملازمت سے سرفراز کر دے تو فاضل اللہ دین ملکوالی بتائیں کہ حضرت شاہ صاحب مرحوم جلالپوری کے پوتوں کی اس روحانی اور دنیاوی ترقی پر مولوی ظہور احمد بگوی یا کسی دوسرے کو کیا حسد ہو سکتا ہے؟ نواب سر مہر شاہ صاحب حکومت عالیہ کے اعلیٰ عہدیداروں میں اپنا رسوخ پیدا کریں، دوستی بنائیں، دعوتوں اور شرابوں پر پیسہ اڑائیں تو یہ گند حضرت شاہ صاحب جلالپوری کا ہے، ان کے مریدین ومعتقدین کا نذر کردہ ہے۔ اس میں کسی دوسرے کا کیا جس پر حسد کرے یا آتش در بغل ہو؟ اگر یہ خاندان عالی شان جلال پوری شادیاں، خاص شان اور تزک واحتشام سے کرے، اعلیٰ عہدیدارانِ حکومت اگر ان مواقع پر مدعو کیے جائیں، فیشن بنائیں، یورپین تہذیب وتمدن میں رنگے جائیں تو اس میں کسی دوسرے کا کیا بگاڑ ہے؟ جب کہ اپنے ہی مکان باغ اور جائیدادیں رہن رکھی جاتی ہیں۔ کیوں کوئی اسراف یا فضول خرچی کا الزام لگائے۔ اور اس طرح کی طعن وتشنیع کرے؟ (یہاں مولانا کرمُ الدین دبیر رحمہ اللہ کا فتویٰ درج کر دینے کے بعد مزید لکھتے ہیں) سیّد فضل شاہ صاحب جلال پوری کے جملہ ننھیال شیعہ، ان کے گھر اور خاندان کا روح رواں، پالیسی میکر، رفیق زندگی ان کا

حقیقی ماموں راجہ غضنفر علی خان رئیس پنڈ دادن خان شیعہ اور دیگر اکابرین دین اسلام سے بے بہرہ یورپین تہذیب وتمدن میں درون وبیرون ملبوس، پھر اگر سید فضل شاہ صاحب جاگیردار جلال پوری اور نواب سرمہر شاہ ❶ شاہ صاحب نے اپنے شیعہ بھائی سرحسین شاہ صاحب رئیس آف رجوعہ کے صاحبزادہ سیّد غلام محمد شاہ صاحب کے ساتھ اپنی ہمشیر کی شادی کر کے رشتۂ اخوت استوار کرلیا اور اپنی برادری کی توسیع میں جس وسیع الخیالی اور رواداری کا ثبوت دیا ہے۔ اس میں بے چارے مولویوں کی کون سی کارگزاری ہے؟ کہ جس کے لیے ملزم گردانے جائیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ اگر مولوی ظہور احمد صاحب بگوی ''حزب اللہ'' سے الگ ہو کر رازہائے سربستہ آشکارا کرنے پر تل بھی جائیں تو مولوی اللہ دین فاضل ملکوالی اور مولوی محمد کامل ہرن پوری کام دینے کو موجود ہیں۔ اور ہر نوع کی خدمت کو حاضر ہیں۔ جب حکومت عالیہ انگلشیہ کو مسلمانوں اور اہل اسلام کے خلاف سیّد فضل شاہ صاحب جیسے پیر اور ایک ولی کامل ❷ کے پوتے کام دے سکتے ہیں تو ایسے مولویوں کی کیا کمی ہے؟ جناب مولوی اللہ دین صاحب ملکوالی تو ہرفن کے فاضل ہیں۔ اگر ترکوں کے نام سے روپیہ مل سکے تو خلافت کے جانثار، اگر حاکموں کی پابوسی سے جان بچ سکے تو حکومت کے بہی خواہ، اگر سیّد فضل شاہ جاگیردار جلال پوری کی بارگاہ میں رسائی اور ان کے خاندان اور مریدین میں عزت ورسوخ مل سکے تو ان کے معتقد اور فدائی، اور لالچ میں حضرت خواجہ غریب نواز شمس الحق والدین سیالوی نور اللہ مرقدہ کے ملفوظات وطیبات کو جھٹلانے کے لیے تیار ہیں۔ ایسے فاضلوں اور کاملوں کی جہان میں کمی نہیں۔ اس نوع کے بہتیرے فاضل اور کامل مرزائیوں، عیسائیوں اور آریوں میں بھی میسر ہیں۔

## حضرت خواجہ صاحب رحمہ اللہ کا مذکورہ ملفوظ درست نہیں:

مولوی اللہ دین آف ملکوال نے پیر فضل شاہ صاحب کی ترجمانی میں جب کہا کہ حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمہ اللہ کا ملفوظ کہ (اولاد بھی ماں پر جاکر شیعہ ہی بنے گی) غلط ہے اور یہ خلاف واقعہ ہے تو اس پر حکیم سیفی صاحب نے یوں تبصرہ کیا تھا:

''اگر یہ ملفوظ خلاف واقعہ ہے تو یہ قصور جناب سیّد محمد سعید شاہ صاحب لاہوری، جو کہ حضرتِ اعلیٰ سیالوی رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز اور جناب سیّد حیدر علی شاہ صاحب جلال پوری کے پیر بھائی ہیں۔ ان کے ذمہ عائد ہوگا

---

❶ سیّد فضل شاہ صاحب کے بھائی تھے۔

❷ سیّد غلام حیدر شاہ صاحبؒ مراد ہیں جو پیر فضل شاہ کے دادا اور حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ کے اجل خلفاء میں سے تھے۔ تفصیل گزر چکی ہے۔

کہ انہوں نے آج سے چھیالیس سال [1] قبل یہ ملفوظ اس خاندان کے متعلق حضرت کی طرف منسوب کر کے "مرآت العاشقین" میں طبع کیا ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک...... مرآۃ العاشقین حضرت شاہ صاحب جلالپوری کی حین حیات میں طبع ہوئی تھی اور یہ بعید از امکان وقیاس ہے کہ انہوں نے اسے پڑھا نہ ہو، مگر تادمِ واپسیں اس کی تردید نہ فرمائی۔ اُن کے بعد اُن کے صاحبزادے جناب سیّد مظفر علی شاہ صاحب نے بھی تامرگ اس کی تردید نہیں کی اور نہ آج تک سیّد فضل شاہ صاحب جاگیردار، موجودہ سجادہ نشین جیسے دور اندیش، عاقبت بین اور بلند فہم، صاحب بصیرت کو اس کی تردید کی جرأت ہوئی۔ اور خلاف واقعہ بیان کرنے کی ہمت ہوسکی۔ مگر حیف اس مولوی فاضل کے ایمان اور ضمیر فروشی پر، کہ جس نے حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمہ اللہ کے ملفوظ شریف کو آج چھیالیس سال کے بعد جھٹلانے کی ناکام ونامراد کوشش کی ہے۔ اور وہ بھی محض حضرت خواجہ غریب نواز سیالوی رحمہ اللہ کی پیشین گوئی کی رو سے سیّد فضل شاہ جاگیردار جلالپوری اور ان کے خاندان کو بچانے کی سعی لا حاصل ہے، جس کا اِس کے حق میں کوئی اچھا نتیجہ برآمد نہیں ہوسکتا بلکہ عذرِ گناہ بدتر از گناہ کا مصداق ہے۔"

جناب سیّد پیر محمد فضل شاہ جاگیردار جلالپور ککناں، نواب سر محمد شاہ صاحب اور ان کے جملہ حامیوں اور ہمنواؤں کی خدمت میں دردمندانہ اپیل (ہے) کہ جناب والا! اس میں شک نہیں کہ بخیال خویش جناب کا اثر ورسوخ اور عروج اس وقت کمال پر ہے کہ حکومت آپ کے سر پر سایہ فگن ہے۔ نواب سر مہر شاہ صاحب کے اعلیٰ عہدیدارانِ سلطنت کے ساتھ دوستانہ تعلقات ہیں۔ ماہر سیاسیاتِ حاضرہ آپ کے حقیقی ماموں راجہ غضنفر علی خان آپ کے دست راست اور پالیسی ڈائریکٹر ہیں۔ الغرض آپ کے ہر قسم کے تعلقات اس قدر وسیع ہیں کہ آپ اپنے رسوخ ورسوخ سے حکام سے من مانی کارروائیاں کرا سکتے ہیں۔ آپ اپنی کوششوں سے مولوی ظہور احمد صاحب کو قید کرا سکتے ہیں، آپ اپنے منصوبوں سے صرف مولوی ظہور احمد کو ہی نہیں، بلکہ جسے چاہیں قتل کرا سکتے ہیں۔ آپ مرعوب کر کے اہل حق کو جادۂ حق سے پھسلا بھی سکتے ہیں۔ یہ سب کچھ آپ کر سکتے ہیں، مگر یاد رہے کہ حق کا قیام کسی خاص شخصیت میں منحصر نہیں کہ وہ حق پر قائم رہے تو حقانیت کا وجود رہے گا، ورنہ مٹ جائے گا۔ [2] حالانکہ حق کبھی بھی کسی خاص شخصیت کا محتاج نہیں ہوا کرتا، حق ہر حال میں حق ہے۔

---

[1] یہ اب سے بیاسی سال قبل درج کیا تھا، اب "۴۶" میں مزید ۸۲ جمع کر دیں، گویا یہ ملفوظ ۱۲۸ سال پرانا ہے۔ سلفی

[2] گویا کسی بھی شخصیت کو "حق" سے پہچانا جاتا ہے، نہ کہ حق کی شناخت "شخصیت" سے کی جاتی ہے، اگرچہ یہ قاعدہ جزی ہے، کلی نہیں۔

## مکمل قضیے کا خلاصہ:

اس جلال پوری قضیے کی مکمل تفصیل کا خلاصہ یوں نکالا جا سکتا ہے:

۱: سب سے پہلے پیر سیّد حیدر علی شاہ صاحب کے بیٹے سیّد مظفر علی شاہ نے شیعہ لڑکی سے نکاح کیا، اور حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمہ اللہ نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ مذکورہ نکاح پورے خاندان کی فکری بربادی کا ذریعہ بنے گا۔ چنانچہ

۲: سیّد مظفر شاہ صاحب کے بیٹے پیر سیّد فضل شاہ صاحب نے اپنی حقیقی بہن جھنگ کے ایک جاگیردار سردار حسین شاہ رجوعہ کے بیٹے غلام حسین شاہ کے نکاح میں دے دی۔

۳: اس پر علماء اہل سنت نے بھرپور احتجاج کیا اور مذکورہ نکاح کے عدم جواز پر فتاویٰ دیئے۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ پُرجوش اور مؤثر کردار

۴: مولانا ظہور احمد بگویؒ نے ادا کیا، اور اپنے رسالہ ماہ نامہ شمس الاسلام بابت دسمبر ۱۹۳۳ء میں اُن کے خلاف مضمون لکھا، جس پر

۵: پیر فضل شاہ صاحب کے مریدین بپھر گئے اور انہوں نے مولانا ظہور احمد بگوی رحمہ اللہ پر قاتلانہ حملہ کر دیا۔ آپ جبکہ اپنے سالانہ جلسہ منعقدہ ۹ دسمبر ۳۳ء کو تقریر کرنے کے لیے کھڑے ہوئے تو لاٹھی بردار افراد نے یکبارگی حملہ آور ہو کر آپ کو پیٹا، مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ رکھا اور قتل کی سازش کامیاب نہ ہو سکی۔

۶: اس واقعے پر ایک کہرام کھڑا ہو گیا۔ اور مجلس حزبُ الانصار و تحریک ''حزبُ اللہ'' کے مابین اشتہار بازی، پمفلٹ، اختلافی بیانات اور مراسلت شروع ہو گئی۔ مگر اس سب کے باوجود پیر فضل شاہ صاحب اپنے فیصلے پر ڈٹے رہے اور ہمشیر کو شیعہ رجوعہ خاندان جھنگ میں رخصت کر دیا۔

ماضی کا یہ شرمناک اور عبرتناک ایک واقعہ پورے استناد و وثوق کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، جسے پڑھ کر ہمارے اس دعوے پر یقین کیا جا سکتا ہے کہ اس خطہ میں شیعہ جاگیرداروں اور سُنی گدی نشینوں نے کس حد تک قربتیں قائم کیں، اور سُنی (بعض) پیروں نے مذہب وغیرت کا جنازہ کتنی آن بان اور فخر و ناز کے ساتھ اپنے گھروں سے نکالا۔ مگر اسی خطہ میں کچھ ایسے درویشانِ خدا مست بھی تھے جنہوں نے نامساعد و ناموافق حالات میں شجر اسلام کی آبیاری کی، احیائے دین کا سلسلہ جاری و ساری رکھا، فاقے کاٹے، دشمنیاں خریدیں، ٹھٹھوں کا نشانہ بنے، مصائب پہ مصائب جھیلتے چلے گئے مگر محبت الٰہی، عشق رسول، اور مدح اصحابِ رسول کے ان بادہ نوشوں نے حالات سے سمجھوتہ کر لینا تو درکنار، اس کے تصور سے بھی اپنے پاکیزہ خیالات کو آلودہ نہیں ہونے دیا۔ ان میں سے سب سے پہلے اور جرأت مندانہ کردار خانقاہ سیال شریف نے کیا۔

## بزرگانِ سیال شریف اور دفاعِ صحابہ رضی اللہ عنہم

اللہ تعالیٰ اپنے دین کے خود محافظ ہیں اور تحفظ دین کے لیے اُجلے کردار اور روشن ضمیر کے مالک اپنے ایسے رجال پیدا فرماتے ہیں کہ جن کے ایمانی روحانی جلوے کئی نسلوں تک چلتے ہیں۔ جھنگ، سرگودھا اور چنیوٹ وغیرہم کے اضلاع میں (ضلعی تقسیم سے قطع نظر وحدتِ ارضی کے لحاظ سے) جس زمانہ میں بعض گدی نشین اور جاگیردار اپنے مفاداتی و مادی گٹھ جوڑ سے سرمایہ دارانہ نظام کے بُت بن چکے تھے، اُسی زمانہ میں اور اِسی خطہ میں سب سے پہلے جن بزرگوں کو اہل سنت والجماعت کے عقیدہ وعمل کی اصلاح کا جذبہ کامل ودیعت ہوا، وہ شمس العارفین حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمہ اللہ تھے۔ آپ بھی اعوان قوم کی کھوکھر گوت سے تعلق رکھتے تھے، والد گرامی کا نام خواجہ محمد یار اور جد امجد میاں محمد شریف تھے، حضرت اعلیٰ سیالوی ۱۷۹۹ء میں سیال شریف ضلع شاہ پور (حالاً سرگودھا) میں پیدا ہوئے۔ سات سال کی عمر میں قرآنِ مجید حفظ کیا، پنڈی گھیپ کے علاقہ میں ایک گاؤں میکی ڈھوک میں فارسی وغیرہ کے اسباق لیے، پھر مکھڈ شریف میں حضرت مولانا محمد علی رحمہ اللہ سے تیرہ سال کسب فیض کیا۔ پشاور اور کابل (افغانستان) بھی حصول تعلیم کے لیے سفر کیا۔ حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمہ اللہ سے بیعت کرنے گئے تو وہ آپ کی پیشانی پہ چراغ ولائیت تاڑ گئے اور محض چھ ماہ کی تربیت و اصلاح کے بعد خلعت خلافت عطا کر دی۔ خانقاہ تونسہ سے بھی عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم کا قابل رشک دفاع ہوا بلکہ اس گدی کے ایک نورِ چشم حضرت خواجہ نظام الدین تونسوی رحمہ اللہ تو باقاعدہ امام اہل سنت علامہ مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمہ اللہ کو ہدایا بھیجا کرتے تھے۔ اور ایک سو روپیہ عطا کرنے کے عینی گواہ خود مولانا محمد نافع رحمہ اللہ ہیں، جن کی ڈائری کے حوالہ سے یہ تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔ اور خواجہ نظام الدین رحمہ اللہ کی زیر صدارت تنظیم اہل سنت کے بڑے بڑے اجتماع منعقد ہوتے رہے۔ بعد ازاں وطن مالوف میں آ کر شہری سہولتوں سے بہت دور اپنی آبائی بستی میں ڈیرہ لگایا اور تزکیۂ نفس و تطہیر عقائد کا مقدس فریضہ سر انجام دینا شروع کیا، آپ کی صحبت فیض سے سینکڑوں بگڑے ہوئے سنور گئے، اور دنیاوی و معاصی دلدل میں ہزاروں دھنسے ہوئے ایسے سنور گئے کہ دوسروں کی کشتی کنارے لگانے کے قابل ہوئے۔ عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم کے حوالہ سے آپ کے نورانی سینے میں موجود دھڑکتا ہوا دِل لاکھوں گمراہوں کی ہدایت کا وسیلہ ثابت ہوا۔ چنانچہ آپ کے عقیدت مند اور خلیفہ مجاز سیّد محمد سعید شاہ لاہور نے آپ کے ملفوظات کو فارسی زبان میں ''مرآۃ العاشقین'' کے نام سے جمع کیا، ایک مقام پہ لکھتے ہیں:

''بندہ عرض داشت کہ بعض قوم سادات درحق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اعتقاد درست نمی دارند و بہ زمرۂ

عداوت آں حضرت علی کرم اللہ وجہہ می شمارند، خواجہ شمس العارفین فرمود تا آنکہ در حق جمیع اصحاباں اعتقاد درست ندارد، ایمانِ اُو کامل بنا شد۔ ❶

ترجمہ: بندہ نے حضرت اعلیٰ کی خدمت میں گزارش کی کہ بعض سیّد لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں مثبت سوچ نہیں رکھتے اور انہیں سیّدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اعداء میں شمار کرتے ہیں، تو حضرت خواجہ شمس العارفین رحمہ اللہ نے فرمایا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کرام کے متعلق جو درست عقیدہ نہ رکھے، اس کا ایمان کامل نہیں ہوسکتا۔

حضرت خواجہ صاحب رحمہ اللہ کا وصال ۲۴ر صفر ۱۳۰۰ھ بمطابق جنوری ۱۸۸۳ء میں ہوا۔ اور سیال شریف میں مدفون ہوکر یہاں کی رگل کو گلزار بنایا۔ ❷

آپ کے جانشین آپ کے بیٹے حضرت خواجہ محمد الدین سیالوی رحمہ اللہ ہوئے۔ آپ رحمہ اللہ زہد وتقویٰ اور اصلاحِ عقائد کے لحاظ سے اپنے عظیم والد گرامی کا ہو بہو عکس جمیل تھے۔ والد گرامی رحمہ اللہ کے علاوہ حضرت خواجہ اللہ بخش تونسویؒ نے بھی آپ کو خلافت عطا فرمائی تھی۔ آپ کثیر الکرامات تھے اور پوری زندگی صبر وقناعت کے ساتھ گزار دی۔ اہل السنت والجماعت کے عقائد حقہ کی ترویج اور رفض وبدعت کی بادِ سموم کا پوری پامردی سے مقابلہ کیا اور دفاعِ صحابہ کے معاملہ میں کبھی تساہل، تغافل، یا عارفانہ تجاہل کا شکار نہ ہوئے۔ آپ رحمہ اللہ نے ۱۹۰۹ء میں وفات پائی ہے۔

آپ کی وفات کے بعد حضرت خواجہ ضیاء الدین سیالوی رحمہ اللہ جانشین قرار پائے۔ آپ رحمہ اللہ نے بھی اپنے والد گرامی اور جد امجد کے جلائے ہوئے چراغ کی لُو کو مدھم نہ ہونے دیا۔ آپ رحمہ اللہ ۱۸۸۶ء میں پیدا ہوئے، علم کے بے حد رسیا تھے اور زر کثیر صرف کر کے دور دراز سے کتابیں منگوایا کرتے تھے۔ اجل فضلاء وعلماء کو اپنے ہاں بلا کر تدریس پر مامور کرتے اور گرد ونواح کی غریب سُنی آبادیوں میں بنفس نفیس جا کر دفاعِ اسلام اور حقانیت اہل سنت کا فریضہ سرانجام دیتے۔ آپ کے اندر علاوہ دیگر خوبیوں کے ایک وصف انگریز دشمنی کا تھا۔ مولانا عطاء محمد قریشی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''یادِ ایام'' میں لکھا ہے کہ ''مولانا ضیاء الدین سیالوی رحمہ اللہ انگریز کے اتنے ہی دشمن تھے، جتنا انگریز اسلام کا، پنجاب کے بڑے سجادہ نشینوں میں وہ واحد ہستی تھے

---

❶ حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی / مرآۃ العاشقین مرتبہ سیّد محمد سعید شاہ لاہوری / صفحہ نمبر ۱۳۹ / مطبوعہ قدیم (مصطفائی) لاہور۔

❷ ۱۔ امیر بخش مولانا / انوارِ شمسیہ، مطبوعہ ۱۹۱۴ء مطبع مفید عام پریس لاہور / صفحہ نمبر ۲۰۔

۲۔ پیر کرم شاہ / ماہ نامہ ضیائے حرم / مارچ ۱۹۷۳ء / شمس العارفین نمبر، جنوری ۱۹۸۰ء۔

۳۔ مولانا عبدالحکیم شرف قادری / تذکرہ اکابر اہل سنت / ۱۹۷۶ء / طبع جدید ۲۰۰۵ء مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور۔

جو انگریز کے خلاف میدان میں آگئے، سیال شریف انگریز دشمنی کا محور بن گیا، پنجاب کے اکثر زعماء کو سیال شریف آتے ہوئے دیکھا، علی برادران، علمائے ہند کے اکابر اور مولانا ابوالکلام آزاد ﷫ بھی آپ سے ملاقی ہوئے۔" جذبۂ حیرت، فکر پاکیزہ اور مسلک اعتدال کی بناء پر آپ بارہا مرتبہ دارالعلوم دیوبند بھی گئے، اور وہاں جا کر ارشاد فرمایا: میں نے اصلی حنفیت یہاں دیکھی ہے۔"[1] انگریز دشمنی تحریک میں مؤثر کردار ادا کرتے ہوئے جب دارالعلوم پہنچے تو مشائخ دیوبند نے پیر صاحب ضیاء الدین سیالوی ﷫ کو کس قدر اہمیت دی؟ مندرجہ ذیل حوالہ پڑھیے:

"آپ پورے ہند میں تبلیغی دورے کر کے مسلمان عوام کو انگریز کے خلاف، خلافت عثمانی کے حق میں جمع کرنے میں کوشاں تھے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں آپ دارالعلوم دیوبند بھی تشریف لے گئے، پیر انور شاہ صاحب کاشمیری اس وقت شیخ الحدیث تھے۔ حضرت سیالوی ﷫ کی آمد پر شاہ صاحب نے گھنٹی بجوا کر طلبہ میں چھٹی کا اعلان کیا، تاکہ استقبال میں وہ بھی شریک ہوسکیں، حضرت کو بیٹھنے کے لیے شاہ صاحب نے اپنی مسند پیش کی، حضرت احتراماً اس پر نہ بیٹھے کہ یہ مقام آپ کا ہے۔ چنانچہ مسند خالی پڑی رہی اور شاہ صاحب، حضرت کے سامنے مؤدبانہ طور سے دوزانو ہاتھ باندھ کر بیٹھے رہے، پھر شاہ صاحب نے حضرت سے تلقین وارشاد کی التماس کی، آپ نے گھنٹہ بھر تقریر فرمائی، پھر آپ نے دارالعلوم کے لیے دوسو روپیہ کا عطیہ دیا، شاہ صاحب نے آپ سے دعا کی درخواست کی تو آپ (حضرت سیالوی ﷫) نے دارالعلوم دیوبند اور تمام عالم اسلام کی کامرانی کے لیے دعا فرمائی، ادھر دوسری طرف اکابرین دیوبند عام طور سے صاحب نسبت تھے، چشتیہ صابریہ سلسلے میں اکثر حضرات بیعت ہونے کے علاوہ خود بھی صاحب ارشاد تھے، پس معلوم ہوا کہ اکابرین میں بنیادی اختلافات نہ تھے، بلکہ رشتۂ اخوت ومودت فی مابین استوار تھا۔[2] آپ ﷫ کی وفات ۱۳ رمحرم الحرام ۱۳۴۸ھ بمطابق ۱۹۲۹ء کو ہوئی۔ اور اپنے جد امجد شمس العارفین حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی ﷫ کے پہلو میں محو استراحت ہوئے۔[3] آپ نے صرف ۴۵ برس عمر پائی، اور اس مختصر ترین عمر میں سلسلہ چشتیہ نظامیہ کو ہی نہیں بلکہ جملہ سلاسل فقر ودرویشی کو چار چاند لگا دیئے۔[4]

---

[1] نصرت علی اثیر/ذکر ذاکر/مطبوعہ صفحہ نمبر۔
[2] صاحبزادہ غلام نظام الدین مردلوی/ھو المعظم، ناشر اسلامک بک فاؤنڈیشن مطبوعہ ۱۹۷۹ء/صفحہ نمبر ۴۰۔
[3] عبدالحکیم شرف قادری، مولانا/تذکرہ اکابر اہل سنت/مطبوع نوری کتب خانہ ۲۰۰۵/صفحہ نمبر ۱۹۲۔
[4] مولانا پیر محمد کرم شاہ/ماہ نامہ ضیائے حرم، شیخ الاسلام نمبر، اکتوبر ۱۹۸۱/صفحہ نمبر ۳۹۔

خواجہ ضیاء الدین رحمۃ اللہ کے وصال کے بعد اُن کے فرزند دلبند حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ جانشین مقرر ہوئے اور اب اس عظیم خانقاہ کی دستارِ ولایت آپ کے سر سجی، حضرت خواجہ محمد قمر الدین صاحب رحمۃ اللہ سیالوی ۱۴ جولائی ۱۹۰۶ء بمطابق ۲۱، جمادی الاولیٰ ۱۳۲۴ھ میں پیدا ہوئے۔ محض سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا، خود فرمایا کرتے تھے کہ ہماری خاندانی روایت کے مطابق بچے کو چار سال، چار ماہ اور چار دن کی عمر میں ''بسم اللہ'' سے قرآن مجید کا آغاز کروایا جاتا ہے۔ اس معمول میں نہایت برکت دیکھی گئی۔ حفظ قرآن مجید کے بعد دیگر علوم وفنون کی کتب اپنے آبائی مدرسہ ''ضیاء شمس الاسلام'' میں پڑھیں۔ آپ کے اساتذہ کرام میں مندرجہ ذیل نام آتے ہیں:

۱: مولانا محمد حسین، ساکن ماڑی شاہ سخیرا، ضلع جھنگ
۲: مولانا جان محمد، ساکن نظام آباد ضلع سرگودھا
۳: مولانا محمد حفیظ اللہ، مظفر گڑھ، ساکن محمد پورہ
۴: مولانا محمد مٹھا، ڈیرہ غازی خان
۵: مولانا قمر الدین، ساکن بستی چھدڑا ضلع میانوالی
۶: مولانا غلام مرتضیٰ قریشی، ٹھٹھی میانہ ضلع میانوالی
۷: مولانا سلطان محمود، ٹھٹھی میانہ، ضلع میانوالی

یہ سب کے سب اساتذہ سیال شریف میں مسند تدریس پر فائز رہے اور بعض ابتدائی کتب آپ نے اپنے والد گرامی مولانا خواجہ ضیاء الدین سیالوی رحمۃ اللہ سے بھی پڑھیں۔ [1] نیز مولانا محمد دین بدھوی ساکن بدھو ضلع راولپنڈی اور حضرت علامہ مولانا سلطان اعظم، ساکن چھپڑ شریف ضلع خوشاب بھی آپ کے اساتذہ میں سے ہیں۔ [2]

حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ نے بھی عظمت ودفاع صحابہ کا پرچم بلند رکھا، مباحثے کیے، شیعی خلافِ اسلام عقائد سے سادہ طبائع کو بچایا، اور باقاعدہ اس موضوع پر زندگی وقف کر دینے والے مخلصین علماء کرام سے رابطے میں رہے۔

## حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی کی کتاب ''مذہب شیعہ'' اور اسکے دوررس نتائج:

آپ نے ردّ رفض میں ایک کتاب بنام ''مذہب شیعہ'' لکھی تھی جو ۱۹۵۷ء کے اواخر میں منصۂ شہود پر آئی، اور علامہ مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ کو مذکورہ کتاب اپنے برادرِ کبیر کے ذریعہ سے موصول ہوئی تھی چنانچہ آپ رحمۃ اللہ

---

[1] مرید حسین چشتی، فوز المقال فی خلفاء پیر سیال، جلد ۴/ ناشر انجمن قمر الاسلام سلیمانیہ کراچی/ ۲۰۰۷ء/ صفحہ نمبر ۱۴۱۔
[2] غلام مہر علی گولڑوی/ الیواقیت المہریہ (عربی) مطبوعہ کلیم آرٹ پریس ملتان/ ۱۹۶۴ء/ صفحہ نمبر ۱۲۔

اپنے روزنامچہ میں لکھتے ہیں: ''آج کتاب ''مذہب شیعہ'' از تصنیف سجادہ نشین صاحب سیال شریف'' مولانا مہتمم صاحب (محمد ذاکر) لائے ہیں، دو نسخے ہیں۔ ایک ذاتی اور دوسرا جامعہ کی لائبریری کے لیے ہے۔''[1]

کتاب ''مذہب شیعہ'' باعتبار حجم مختصر، نیز ''تحقیقی'' کم اور ''حقیقی'' زیادہ ہے۔ لیکن چونکہ فاضل مصنف ایک معروف خانوادے کے چشم وچراغ تھے۔ آپ کی علمی، ذاتی اور خاندانی وجاہت کا اس خطے میں طنطنہ تھا، چنانچہ جب یہ کتاب منظر عام پر آئی تو اہل تشیع سر پیٹ کر رہ گئے۔ اور انہوں نے اپنے خودساختہ نظریات پر اس کتاب کو خدا ساختہ کلہاڑے کا وار تصور کیا، مذکورہ کتاب کئی بار چھپی، اور لاتعداد لوگوں کی اصلاح وہدایت کا ذریعہ بنتی چلی گئی۔ کافی عرصے کے بعد سرگودھا ہی کے جناب مولانا محمد حسین صاحب ڈھکو نجف اشرف عراق سے تازہ سند فراغت لے کر واپس آئے تو آپ نے پیر صاحب سیالوی رحمہ اللہ کی اس کتاب کے جواب لکھنے کا فیصلہ کیا۔ مگر سن طباعت کے موقع پر یہ خدشہ پیدا ہوا کہ مذکورہ جواب اتنی تاخیر سے کیوں لکھا گیا؟ اب تک شیعہ علماء عاجز وساکت کیوں رہے؟ تو اس کا ازالہ کرنے کے لیے جناب ڈھکو صاحب کو باقاعدہ ایک ''طوطا کہانی'' ایجاد کرنا پڑی۔ آپ رقمطراز ہیں:

''۱۹۶۰ء کی بات ہے کہ جب میں حوزہ علمیہ نجف اشرف عراق سے اسلامی علوم وفنون کی تکمیل کی سند لے کر واپس پاکستان پہنچا اور قدوۃ الصالحین حضرت پیر سیّد فضل شاہ اعلی اللہ مقامہ اور شیعہ رؤساء سرگودھا بالخصوص سادات جہانیاں کی خواہش وفرمائش پر میں نے مدرسہ دارالعلوم محمدیہ سرگودھا کی پرنسپل شپ قبول کی تو ۱۹۶۱ء میں انجمن مدرسہ محمدیہ کے صدر گرامی قدر جناب نوازش علی شاہ مرحوم نے مجھے ایک رسالہ اس غرض سے دیا کہ اس کا جواب لکھا جائے، اس رسالہ کا نام ''مذہب شیعہ'' تھا۔ جو جناب پیر قمر الدین صاحب آف سیال شریف ضلع سرگودھا کے زورِ قلم کا نتیجہ تھا۔ جو دجل وفریب، کذب وافتراء، ابلہ فریبی اور دھوکا دہی کا غلیظ مجموعہ تھا۔ چنانچہ اس رسالہ کا مکمل ومفصل، دندان شکن اور ہمت شکن جواب چند ہفتوں میں لکھ دیا گیا۔ مگر اس وقت ملک میں جنرل ایوب خان کا مارشل لاء لگا ہوا تھا۔ اور اس دور میں مناظرانہ کتابوں کا شائع کرنا قرین مصلحت نہ تھا۔ اللہ اللہ کر کے اس سے گلوخلاصی ہوئی تو پھر جنرل یحییٰ خان کا مارشل لاء آ گیا اور جب وہ بھی ختم ہوا اور جناب ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کا جمہوری دورِ حکومت آیا اور لوگوں نے آزادئ تقریر وتحریر کا سانس لیا تو ۱۹۷۴ء میں جا کر یہ رسالہ زیورِ طباعت سے آراستہ ہوا۔ جبکہ پیر سیّد نوازش علی صاحب مرحوم ہو چکے تھے۔ اس کی اشاعت کے کئی سال بعد تک جناب پیر سیالوی صاحب رحمہ اللہ زندہ رہے مگر اس رسالہ کا جواب شائع نہ ہوا۔''[2]

---

[1] ذاتی ڈائری مولانا محمد نافع رحمہ اللہ، ۲۷ جنوری ۱۹۵۸ء بمطابق ۶، رجب ۱۳۷۷ھ۔

[2] محمد حسین نجفی المعروف ڈھکو صاحب/تنزیہ الامامیہ، اشاعت جدید جنوری ۲۰۱۳ء/ناشر، عباس بک ایجنسی، رستم نگر لکھنؤ (انڈیا) صفحہ نمبر ۳

نوٹ: بطور ناشر بھارت کا ایڈریس بھی غالباً ڈھکو صاحب نے ''مصلحتاً'' لکھا ہے، کیونکہ مذکورہ کتاب پاکستان سے ہی شائع ہوئی ہے۔ (سلفی)

شاید ڈھکو صاحب کہنا چاہتے ہیں کہ پاکستان میں سارے مارشل لاء میری جوابی کتاب روکنے کے لیے لگائے گئے تھے۔ مگر ان کا طرزِ تخاطب، اندازِ تحریر اور خصوصاً اپنی مذکورہ کتاب کی سطر سطر میں علمی پسپائی ان کی پس ہمتی بلکہ پس فطرتی کی گواہی دے رہی ہے۔ ہمیں اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے خوشی ہو رہی ہے کہ شیعہ علماء میں سے ڈھکو صاحب واحد حضرت ہیں جو اپنی طبعی سادگی کی وجہ سے جھوٹ گھڑنے میں مہارتِ تامہ نہیں رکھتے، وگرنہ جھوٹ کی بناوٹ، سجاوٹ تو شیعہ اکابرین کا موروثی فن ہے۔ البتہ بغض صحابہ رضی اللہ عنہم نکالنے میں جناب ڈھکو صاحب بھی اپنے پیش رووں سے پیچھے نہیں ہیں۔ چنانچہ اپنی اس کتاب میں حضراتِ شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کے متعلق نہایت دل فگار عبارتوں کا سہارا لے کر انہوں نے بُغض فشانی خوب خوب کی ہے۔

ڈھکو صاحب کی اس کتاب کا جب پہلا ایڈیشن آیا تو مولانا محمد اشرف صاحب سیالوی نے جوابی کتاب لکھنے کے لیے قلم اٹھایا اور تین جلدوں میں ''تحفہ حسینیہ'' کے نام سے کم وبیش پندرہ سو صفحات پہ جواب لکھ کر پیر صاحب سیالوی رحمہ اللہ کی کتاب پر وہ تحقیقی ٹھپہ لگایا کہ ڈھکو صاحب کی ساری بساط لپیٹ کر رکھ دی۔

مولانا محمد اشرف سیالوی نے ابتدائی درجات کی کتب جامعہ محمدی شریف میں مولانا محمد نافع رحمہ اللہ سے ہی پڑھی تھیں، بعد ازاں جامعہ محمدی شریف کا معتدل ماحول ان کی طبیعت کو راس نہ آیا تو ''ضیاء شمس الاسلام'' سیال شریف میں اپنے ہم مزاج بعض مدرسین سے اکتسابِ فیض کرنے پہنچ گئے اور بقیہ علوم اکثر وبیشتر وہیں پڑھے۔ بہرحال از روئے انصاف یہ تسلیم کرنا اخلاقی تقاضا ہے کہ مولانا ممدوح نے اس کتاب ''تحفہ حسینیہ'' میں استدلالات، استنباط اور حُسن اسلوب کی اعلیٰ مثال قائم کی ہے۔ آپ کا کہنا ہے کہ حضرت خواجہ سیالوی رحمہ اللہ جب اپنی کتاب ''مذہب شیعہ'' تصنیف کر رہے تھے تو مجھے اس کی املاء کرنے کا شرف حاصل ہوا، لکھتے ہیں:

> ''بہرحال ڈھکو صاحب کی یہ جوابی کوشش صرف ''کھسیانی بلی کھمبا نوچے'' کی ناکام کوشش تھی۔ اور ان کا یہ رسالہ گالی گلوچ، سب وشتم، گستاخی وبے باکی اور ڈھٹائی وبے حیائی پر مشتمل پلندہ تھا۔ اور قطعاً اس قابل نہیں تھا کہ اکابرین اہل سنت اس کے جواب یا ردّ وقدح کی طرف التفات فرماتے چہ جائیکہ حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ؟ لیکن اس بے التفاتی کا ایک دوسرا نقصان دہ پہلو بھی تھا کہ علامہ موصوف اس کو اپنی لا جواب شاہکار تصنیف قرار دیتے اور جھوٹے دعوے کرتے اور شوخیوں وتعلیوں سے کام لیتے۔ پھر اس رسالہ مذہب شیعہ کی تصنیف وتالیف میں بندہ کا بھی اس قدر حصہ تھا کہ حضور شیخ الاسلام بولتے جاتے تھے اور

میں لکھتا جاتا تھا، جبکہ دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام میں بحیثیت ایک طالب علم حاضر تھا۔ اس لیے میں نے اپنا حق خدمت ادا کرنے کے لیے ڈھکو صاحب کے رسالہ کا ردّ لکھنے کا عزم مصمم کیا اور بحمدہٖ تعالیٰ مشائخ کرام اور اساتذہ کرام کی توجہات قلبیہ کا صدقہ، صرف دو ماہ سترہ دن کی قلیل مدت میں مبسوط کتاب لکھ کر ''تنزیہہ الامامیہ'' کے اندر مندرج ہر کید ومکر کی پوری طرح قلعی کھول دی۔'' ❶

گزشتہ سطور میں لائی جانے والی بحث کا مقصد صرف خانقاہ سیال شیرف کی ردّ رفض اور عظمت صحابہ پر خدمات کا ایک مربوط جائزہ پیش کرنا ہے کہ یہ پورا خاندان اس اعتبار سے کس قدر حساس تھا؟ خواجہ قمر الدین صاحب سیالوی رحمہ اللہ کا یہ قول تو زبان زد عام ہے جو وہ اکثر مواعظ میں پیش کیا کرتے تھے کہ جس برتن میں دشمن صحابہ کھا، پی لے، اس کو کتنا ہی دھویا جائے وہ برتن ناپاک رہے گا، کتے کا استعمال شدہ برتن دھونے سے پاک ہوسکتا ہے مگر دشمن صحابہ کا برتن ناپاک ہی رہے گا۔ ❷ حضرت خواجہ قمر الدین صاحب سیالوی رحمہ اللہ کا جامعہ محمدی شریف میں کثرت سے آنا جانا تھا اور اس آمد ورفت کا ذکر مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے روزناموں میں کئی جگہ ملتا ہے۔ مثلاً:

''رات کو اچانک حضرت سجادہ نشین صاحب سیال شریف تشریف لے آئے۔ میاں محمد علی شاہ صاحب ساتھ تھے، صبح جامعہ کا اجلاس ہوگا۔ عصر کو واپس کوٹ وساوا میں تشریف لے جائیں گے۔'' ❸

''رات کو حضرت سجادہ صاحب قبلہ تشریف لائے ہوئے تھے، مولوی لطف الٰہی مرحوم کی تعزیت کے سلسلہ میں آئے ہیں، اگلی صبح ۹ بجے واپس تشریف لے گئے۔ ❹

تاہم کچھ مخصوص مزاج قسم کے لوگوں نے افتراق پیدا کرنے کی ڈیوٹی بھی جاری رکھی جو گاہے گاہے غلط فہمیاں پیدا کر کے نظری تناؤ پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ مگر مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی استقامت، کمال درجے کا تحمل اور جذبہ رواداری نے ان کے خوابوں کو کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہونے دیا۔ مولانا خواجہ قمر الدین صاحب سیالوی رحمہ اللہ کے بعد ان کے فرزند خواجہ حمید الدین صاحب سیالوی اب اپنے بزرگوں کے جانشین ہیں۔ اگرچہ وقت، ماحول، اور پُرآسائش زندگی زندہ لوگوں میں یکسانیت نہیں رہنے دیتی اور کہیں نہ کہیں جا کر وہ اپنے ماضی سے منحرف کروا ہی دیتی ہے۔ تاہم جہاں تک عظمت صحابہ اور دفاعِ اسلام کا تعلق ہے، موجودہ

---

❶ محمد اشرف سیالوی، مولانا/تحفہ حسینیہ جلد اوّل/مطبوعہ دینہ ضلع جہلم ۲۰۰۷ء/صفحہ نمبر ۲۵۔

❷ محمد ذکی خان/خط بنام حاجی مرید حسین چشتی/مشمولہ فوز المقال جلد ۴، محررہ ۱۳ مارچ ۱۹۹۸ء از کراچی۔

❸ ذاتی ڈائری/۱۵ اکتوبر ۱۹۵۲ء بمطابق ۲۵ محرم ۷۲ ۱۳ھ۔

❹ ذاتی ڈائری/۲۶ مارچ ۱۹۵۴ء بمطابق ۲۰/رجب ۷۳ ۱۳ھ۔

بزرگ بھی بڑوں کے جلائے ہوئے چراغوں میں اپنے خلوص، محنت اور خودداری کی لو روشن رکھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ آپ کی ایک تحریر جو لیٹر پیڈ پہ مُہر کے ساتھ لکھی گئی ہے، اس کی فوٹو کاپی کاتب الحروف کے پاس موجود ہے، جس کا مضمون مندرجہ ذیل ہے:

''فقیر الحمد للہ مسلمان ہے، اور مذہب شیعہ کے خلاف ہر مقام پر جہاد کر رہا ہے۔ فقیر کی زندگی کا مقصد اسلام کی خدمت ہے۔ دین اسلام کے بغیر سب مذاہب جھوٹے ہیں۔ خاص طور پر شیعہ مذہب سے نفرت ہے۔ فقیر نے آج تک کسی ایک آدمی سے شیعہ کی امداد کے لیے نہیں کہا اور ان شاء اللہ زندگی میں کبھی بھی شیعہ کی نہ خود مدد کروں گا اور نہ کسی مسلمان کو یہ غلط کام کرنے کی اجازت دوں گا۔'' (حمید الدین ابوضیاء قمری، خاک نشین آستانہ عالیہ، سیال شریف)

گویا اُلفت صحابہ رضی اللہ عنہم جو حضرت اعلیٰ خواجہ شمس الدین سیالوی رحمہ اللہ کے خون سے ظاہر ہوئی تھی وہ بحمد اللہ تعالیٰ اب بھی اس خون میں دوڑ رہی ہے۔ اس کے بعد ہم اسی خطہ میں دفاعِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایک اور محاذ کا مختصر تذکرہ کرتے ہیں۔

## مجلس حزبِ الانصار بھیرہ:

خاندانِ بگویہ نے جس تسلسل، اخلاص اور گرمجوشی کے ساتھ اس خطے میں دین اسلام کی خدمت کی ہے وہ بھی تاریخ اہل سنت کا ایک زرّیں باب ہے۔ بگوی خاندان کے جملہ اکابر کے تذکار یا خدمات کا احاطہ تو ظاہر ہے کہ یہاں ہمارا موضوع نہیں ہے۔ البتہ اس سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی کی چمک دکھا کر آگے بڑھتے ہیں۔ مولانا ظہور احمد بگوی رحمہ اللہ کا نام قافلہ آزادی کے بے باک راہنماؤں میں ہوتا ہے، اور دشمنانِ صحابہ کے متعلق ان کی ایمانی پالیسی کا ذکر ہم ''پیر فضل شاہ جلالپوری قضیے'' میں کر آئے ہیں۔ آپ رحمہ اللہ کا سن پیدائش ۱۹۰۰ء ہے اور سن وفات ۱۹۴۵ء! مگر ان کی جُہدِ مسلسل کو دیکھا جائے تو رشک آتا ہے کہ وہ اس مختصر ترین عرصہ میں صدیوں کی مدت کا کام کر گئے۔ واقعی اللہ والوں کے کام اور وقت میں برکت ہوتی ہے۔ آپ مولانا عبدالعزیز بگوی رحمہ اللہ کے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ آپ سے بڑے مولانا محمد یحییٰ بگوی رحمہ اللہ، مولانا نصیر الدین بگوی اور سب سے بڑے مولانا محمد ذاکر بگوی نے بھی کارہائے نمایاں سرانجام دے کر اپنا نام تاریخ میں ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیا۔ والد ماجد کی وفات (۱۹۰۸ء) کے بعد آپ کی تعلیمی سرپرستی ابتداء میں دو بڑے بھائیوں مولانا محمد یحییٰ بگوی رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۵۷ء) اور مولانا محمد ذاکر بگوی (متوفی ۱۹۱۶ء) نے کی۔ جبکہ ایک بھائی مولانا نصیر الدین بگوی ۱۹۳۴ء میں ایک بس ایکسیڈنٹ میں مع اہلیہ و دو بچوں کے شہید ہو گئے

تھے۔ مولانا ظہور احمد بگوی رحمہ اللہ گورنمنٹ ہائی سکول سرگودھا سے میٹرک پاس کرنے کے بعد پنجاب یونیورسٹی لاہور اور بہاولپور میں پڑھتے رہے۔ دورانِ تعلیم ہی صحافت سے دلچسپی پیدا ہوگئی اور نومبر ۱۹۲۰ء میں رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۲۵۶ کے تحت ماہ نامہ ''ضیائے حقیقت'' کا اجراء کیا۔ آپ حضرت ثالث سیالوی (خواجہ ضیاء الدین) کی قیادت میں تحریک خلافت کے گرم جوش مبلغ رہے اور تعزیراتِ ہند کے تحت ضلع شاہ پور (بعدۂ سرگودھا) کے پہلے سیاسی قیدی قرار پائے جیل آپ کے لیے رحمت ثابت ہوئی۔ کیونکہ وہاں مولانا محمد حسین رحمہ اللہ جیسے فاضل پابند سلاسل تھے، جن سے آپ نے درس نظامی کے علوم وفنون کی کئی کتابیں سبقاً سبقاً پڑھ لیں۔ مولانا ظہور احمد بگوی رحمہ اللہ کی رگ رگ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی محبت کا خون رواں تھا۔ شیعیت کی صحابہ دشمنی آپ کو ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی، اس لیے ان کے ملحدانہ عقائد کے سد باب اور علاقائی شورش سے مطلع کرنے کے لیے ایک ماہنامہ رسالہ ''شمس الاسلام'' جاری کیا اور تبلیغ ودعوتی کام کے لیے ''مجلس حزب الانصار'' قائم کی۔ [1] جس کے تحت ہندوستان بھر سے واعظین، مناظرین اور جید علماء کرام وشعراء بلائے جاتے اور بڑے پیمانوں پر جلسوں کا انعقاد کیا جاتا۔ اس خطے میں متواتر جلسوں کی ریت آپ نے ڈالی ہے۔ اس طرز عمل کو ضلع جھنگ میں مولانا محمد نافع رحمہ اللہ ان کے بڑے بھائی مولانا محمد ذاکر نے اور ضلع جہلم وچکوال کے اضلاع میں حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے مشعل راہ بنایا اور بلا مبالغہ ہزاروں لوگوں کے عقائد کی اصلاح ہوگئی۔ مولانا ظہور احمد بگوی رحمہ اللہ اہل سنت کے داخلی وفروعی اختلافات سے تادم آخر دلبرداشتہ رہے، وہ مرزائیت وشیعیت کو زہر قاتل سمجھتے تھے، صحابہ واہل بیت کے شیدا تھے، ازواج مطہرات اور بنات اربعہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ایمانی وابستگی ''شمس الاسلام'' کی فائلوں میں پرانے شہد کا سا لطف دیتی ہے۔

## مولانا بگوی رحمہ اللہ کی دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں سرگرمیاں:

اہل سنت کو متحرک رکھنے اور تشیع ازم سے بچانے کے لیے اُس دور کے تقاضے کے مطابق ضروری تھا کہ انہیں کارِ خیر میں مصروف رکھا جائے۔ چنانچہ مولانا بگوی مرحوم ماہِ ربیع الاوّل کے پہلے عشرہ میں علاقہ کی مختلف مساجد میں پروگرام ترتیب دیتے۔ بازاروں اور چوکوں میں جلسے منعقد کرواتے جس میں علماء کرام اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اور ولادت باسعادت کے حوالہ سے تقریریں کرتے اور نعت خوانی ہوتی۔ اسی طرح عشرۂ محرم میں بھی سیرتِ سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر متواتر جلسے رکھے جاتے اور دسویں محرم کو آخری اور بڑا جلسہ بھیرہ کی جامع مسجد میں منعقد ہوتا جس میں خصوصیت کے ساتھ ان علماء کرام کو دعوت دی جاتی تھی جو ردّ شیعیت میں ماہرین فن ہوں، چنانچہ شیعہ رسومات کی بیخ کنی کی جاتی اور اہل بیت رسول کی حقیقی وشرعی عظمتوں کو اجاگر کیا جاتا تھا۔

---

[1] ڈاکٹر انوار احمد بگوی / تذکار بگویہ، ناشر مرکزی مجلس حزب الانصار بھیرہ ۲۰۰۴ء / جلد اوّل / مولانا ظہور احمد بگوی کے باب سے ملخصاً۔

یہی ترتیب بغداد کے اندر حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کی تھی کہ آپ بغداد کے وحشی صفت اور اتھرے روافض کے مقابلہ میں محرم کے پہلے دس دن مسلسل مواعظ وارشادات کی محفلیں جماتے تھے اور پھر گیارہ محرم کو ایک بڑے اجتماع کا اہتمام ہوتا تھا۔ عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم بیان کرنے کا یہی وہ ''گیارھواں دن'' معروف تھا جس نے برصغیر میں آکر ''گیارھویں شریف'' کی عجیب وغریب ہیئت اختیار کر لی، پھر دھیرے دھیرے یہ ہر ماہ کی ''گیارھویں'' ہوگئی، اور اب ''بڑی اور چھوٹی'' تک ہونے جا رہی ہے۔ غرضیکہ

؎ اس حاشیے نے اور لگا دی متن میں آگ

پھر المیہ یہ ہوا کہ ''اہل سنت'' کی پہچان ہی گیارھویں شریف بن کر رہ گئی، بزرگ جو کام نیک نیتی اور اخلاص سے جاری کرتے ہیں، آگے چل کر بعض کام معتقدین کے اعتقادِ محض کی جب بھینٹ چڑھتے ہیں تو کیا کیا گل کھلتے ہیں؟ بہر کیف عشرۂ محرم میں رافضی عزائم پر نگاہ رکھنے والے علماء کرام نے ان دنوں سے بھرپور فائدہ فراہم کرکے نقل کے مقابل ''اصل'' کے ایمان افروز مناظر دکھائے ہیں۔ یہی ترتیب حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کی تھی، آپ بھی فضائل حسین کریمین پر متواتر جلسوں کا انعقاد کرتے تھے بلکہ اختتام پر تبرک بھی تقسیم کرواتے تھے۔ یہ طریقہ ان بزرگانِ دین نے اس لیے اختیار کیا تھا کہ سنی سارے کے سارے شیعوں کی مارکٹائی یعنی ماتم کا تماشا دیکھنے چلے جاتے تھے، نت نئے ذاکرین کے کرتب، ان کے گلے کے گھنگرو اور ذوالجناح وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب کچھ سادہ لوح سنیوں کا سامانِ تفریح اور شیعیت کی بقاء کا ذریعہ تھا (جیسا کہ اب بھی ہے) چنانچہ ان مراسم عزاداری سے سنیوں کو محفوظ رکھنے کا یہی نیک ذریعہ تھا، اور ویسے بھی مارکیٹ میں دو نمبر چیز کو فیل کرنے کا بہترین طریقہ ایک نمبر مال پیش کر دینا ہوتا ہے۔ اگرچہ حساس بزرگوں کا یہ طرزِ عمل بعض معاصرین کا فہم قبول نہیں کرتا۔ مثلاً شاہ آلِ احمد عرف اچھے میاں رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۳۵ھ) کے ایک مرید کہتے ہیں:

> ''ایک دن اپنے پیر ومرشد حضور اچھے میاں کی بارگاہ میں میں نے عرض کیا کہ دہلی میں میرے استاذ محترم مولانا شاہ عبد العزیز صاحب رحمہ اللہ کو میں نے دیکھا ہے کہ ماہِ محرم الحرام میں حضرات حسنین کریمین علی جدہما الکریم وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کی شہادت کے متعلق دس دن وعظ فرماتے ہیں اور دسویں محرم کو صبح سے لے کر وقت شہادت یعنی زوال تک شہادت کی فضیلت وغیرہ بیان کرکے تبرک تقسیم فرماتے ہیں، حضور (اچھے میاں) نے یہ سن کر ارشاد فرمایا کہ شاہ صاحب بہت اچھا اور بہتر کرتے ہیں، لیکن اگر ہم سے ملاقات کا اتفاق ہوتو ہم کہتے کہ خاص اس مہینے میں اس طرح کا اہتمام مناسب نہیں ہے، بلکہ قدرِ قلیل پر ان حضراتِ گرامی کی

فاتحہ دلائیں اور کسی دوسرے مہینے میں اس طرح کے وعظ وغیرہ کا اہتمام کریں، کیونکہ ہمارے دور میں اس قسم کی مجالس منعقد کرنا روافض کا شعار ہے۔ اس مہینے میں ان امور کا زیادہ اہتمام کرنا رفض کے دروازے کھولنے کے مترادف ہے۔ لہٰذا اس دیار و بلاد میں اس قسم اہتمام کی چنداں حاجت نہیں ہے، ہاں البتہ اگر کہیں خوارج کا غلبہ ہو تو وہاں ایسی مجالس وعظ ضروری ہیں۔ مگر خوارج یہاں پائے نہیں جاتے۔ ❶

بہرکیف جو جس محاذ پہ کام کررہا ہوتا ہے اس کے تقاضوں کو وہی بہتر جانتا ہے، یہ سب علماء کرام اپنی اپنی پالیسی میں حق بجانب تھے، اللہ تعالیٰ سب کی قبروں کو رشک جنت بنائے۔ مولانا ظہور احمد بگوی رحمہ اللہ نے اس کے علاوہ ۲۲ جمادی الثانی کو ''یوم حضرت ابوبکر صدیق'' منانے کا اعلان بھی کیا تھا۔ اس پروگرام کے تحت شہر بھر کی مساجد میں ختم قرآنِ مجید کا اہتمام ہوتا اور پھر مقررین بارگاہِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں گلہائے عقیدت پیش کرتے، اسی طرح ''معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کے موقع پر بھی بڑے جلسے کا انتظام کیا جاتا، غرضیکہ وعظ وتقریر، جلسہ وجلوس، مناظرہ ومباحثہ اور ماہانہ رسالہ ''شمس الاسلام'' سمیت ردّ رفض اور عظمت صحابہ پر کتابیں شائع کی جاتی تھیں۔ حزب الانصار کے پہلے دس سالوں میں ۷۵ ہزار کے قریب کتب ورسائل برصغیر کے طول وعرض میں تقسیم ہوئے۔ ❷

ابوالفضل مولانا محمد کرم الدین صاحب دبیر رحمہ اللہ کی کتب ''آفتاب ہدایت'' السیف المللول، مولانا قاضی فضل احمد حنفی کی ''مظہر الانصاف فی ردّ منبع الانصاف'' مولانا سیاح الدین رحمہ اللہ کاکاخیل کی ''صولۃ الغزاۃ علی الروافض الغلاۃ'' مولانا گانگوی رحمہ اللہ کی ''حرمت تعزیہ داری'' اور خصوصاً مولانا سید ولایت حسین شاہ رحمہ اللہ (رئیس دیورہ صوبہ بہار) کی ''کشف التلبیس'' نہایت تزک واحتشام کے ساتھ شائع ہو کر قلمی وعلمی دھوم مچاتی رہیں۔ ماہ نامہ ''شمس الاسلام'' کو اپنے جگر کا خون دے کر ہر ماہ تیار کرواتے، اس زمانے میں کتابت وطباعت کے ذرائع، وسائل واسباب، پھر لکھنے والے حضرات سے تازہ مضامین وصول کرنا اور موقع وحالات کی مناسبت سے انہیں شائع کروا کر حوالہ ڈاک کرنا اور وہ بھی اس زمانہ کے اعتبار سے ایک پسماندہ علاقہ میں بیٹھ کر سارے کے سارے کام سرانجام دینا ایسا مشکل ترین کام تھا کہ آج اس کے تصور سے ہی ماتھے پہ پسینہ آجاتا ہے۔ رسالہ ''شمس الاسلام'' کا دعوتی وترغیبی شذرہ اکثر کتب ورسائل میں یوں شائع ہوتا تھا:

''مجلس مرکزیہ حزب الانصار بھیرہ (پنجاب) کا آرگن اہل سنت والجماعت کے مذہب کی حقانیت وصداقت

---

❶ تذکرہ نگاران/احوال وآثار، شاہ آلِ احمد اچھے میاں مارہروی/مطبوعہ دارالاسلام، محلہ مولانا روحی، اندرون بھاٹی گیٹ لاہور/مئی ۲۰۱۵/صفحہ نمبر ۸۱۔

❷ ماہ نامہ شمس الاسلام، ستمبر ۱۹۳۹ء/صفحہ نمبر ۳۔

آشکارا کرنے والا، اعدائے دین کی کفر پرور سرگرمیوں کا دلیری سے مقابلہ کرنے والا ماہ نامہ ہر ماہ کی یکم کو بھیرہ پنجاب سے شائع ہوتا ہے۔ اہل سنت کا فرض ہے کہ حق کی آواز کو بلند رکھیں، اور جریدہ ہذا کی سرپرستی کر کے تبلیغی فریضہ انجام دیں، سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ، فی پرچہ دو آنہ۔ مینجر رسالہ ''شمس الاسلام'' بھیرہ پنجاب۔''❶

## ماہ نامہ ''شمس الاسلام'' کا فتویٰ نمبر المعروف اجتناب الحنفیہ عن اختلاط الرافضیہ:

مولانا بگوی مرحوم نے ماہ نامہ ''شمس الاسلام'' بابت مارچ، اپریل ۱۹۳۱ء بمطابق شوال وذیقعدہ ۱۳۴۹ھ میں ایک خصوصی ''فتویٰ نمبر المعروف اجتناب الحنفیہ'' نکالا۔ ۱۰۰ صفحات پر مشتمل یہ خصوصی نمبر ایک یادگار اور تاریخی یلغار ہے۔ اس کے عکس ٹائٹل پر مندرجہ ذیل تحریر دی گئی ہے:

''اجتناب الحنفیہ عن اختلاط الرفضیۃ والمرزائیۃ'' جس میں فرقۂ شیعہ ومرزائیہ کو سواد اعظم اسلام سے خارج ثابت کر کے ان کے ساتھ سلسلۂ مناکحت وازدواج، موانست اور محبت ومودت کا از روئے شرعِ اسلام حرام ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ سنی کا نکاح ان سے کسی طرح جائز نہیں، علماء کرام کے فتاویٰ اور سلف صالحین کے ارشادات اس بارہ میں جمع کیے گئے ہیں۔''

مولفہ ومرتبہ: احقر ظہور احمد بگوی مدیر رسالہ شمس الاسلام، خطیب ومتولی مسجد جامع وصدر جمعیت حزب الانصار (انصار اللہ) بھیرہ۔

## تم میں مادۂ غیرت نہیں:

اس خصوصی نمبر کی ابتداء میں ہی عبدالمجید بھیروی کی ایک نظم شائع کی گئی ہے، جس کے ایک ایک مصرعہ میں کوٹ کوٹ کر درد بھرا ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو:

اہل سنت کو خطاب!

حق کے کہلاتے ہو، پر جوشِ حقانیت نہیں
قابل گفتن تمہاری صورت و حالت نہیں
وہ نگاہوں میں تمہاری ہیں معزز اور وقیع
جن کی نظروں میں تمہاری کوئی بھی وقعت نہیں

---

❶ کشف التلبیس، مولانا سید ولایت حسین شاہ/ مطبوعہ مجلس حزب الانصار/ جلد ثانی/ صفحہ ۱۵۲، زیر انتظام مولانا مولوی ظہور احمد بگویؒ۔

جو تمہارے بزرگوں کے حق میں ناجائز کہیں
سخت حیرت ہے کہ ان سے تم کو کچھ نفرت نہیں
اپنی پیاری چیز کی نسبت سنو زیر و زبر
کان پر رینگے نہ جوں اتنی بھی روحیت نہیں
دل سے جو سمجھیں بُرا، سننا اسے رکھیں پسند؟
حق پرستوں کی کبھی دیکھی گئی عادت نہیں
دشمنانِ دین سے یوں اختلاط و اشتراک
صاف ثابت ہے کہ تم میں مادۂ غیرت نہیں
حق کے بندہ ہو کے باطل کے حملوں سے ڈرے
راجیٔ نصرت نہیں وہ قائل قدرت نہیں
مار ببردِ جاں، اما یارِ بد ایمان بُرد[1]
کیا تمہیں دانش نہیں، بینش نہیں، خبرت نہیں؟
قیمتی چیزوں کو رکھتے ہیں حفاظت سے مجید
کیا تمہارے خیال میں کچھ دین کی قیمت نہیں

## عدمِ تکفیر کا یہ عالم تو تکفیر کا کیا ذکر؟

ماہ نامہ ''شمس الاسلام'' کے اس خاص نمبر پہ استفتاء کا مضمون یہ ہے:

''فتویٰ اس بارہ میں کہ طائفہ شیعہ (روافض) کے ساتھ مناکحت وازدواج حضرات اہل السنۃ والجماعت کا قائم کرنا، اسی طرح اُن کی نماز جنازہ میں شریک ہونا، یا اُن کے ہمارے جنازہ میں شرکت کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟ بینوا توجروا......!

اسی طرح دوسرے استفتاء کا مضمون مندرجہ ذیل ہے:

''کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ شیعہ اثنا عشری مسلمان ہیں یا خارج از اسلام؟''

---

[1] یعنی سانپ جان لے جاتا ہے تو برا دوست ایمان غارت کر دیتا ہے۔

اور اُن کے ساتھ مناکحت جائز اور ان کا ذبیحہ حلال ہے یا نہیں؟ ان کی نماز جنازہ پڑھنا یا ان کو اپنے جنازہ میں شریک کرنا درست ہے یا نہیں؟ نیز اگر وہ کسی مسجد کی تعمیر کے لیے چندہ دینا چاہیں تو لیا جائے یا نہیں؟

اس استفتاء کا جواب درج ذیل علمائے کرام نے دیا:

① ......مولانا ظہور احمد بگوی۔

② ......مولانا احمد دین گانگوی۔

③ ......مولانا معین الدین، نائب صدر جمعیت علمائے ہند۔

④ ......امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی۔

⑤ ......ابوالفضل مولانا محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ۔

## علامہ حائری کا ایک فتویٰ:

یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ ایسے فتاویٰ کی ابتداء علماء شیعہ کی طرف سے ہوئی تھی۔ اگرچہ سنی علماء کا فتویٰ محض جوابی کارروائی کے طور پر نہ تھا اور نہ ہی خدا رسیدہ علماء بلاتحقیق ضد وتعصب کی بنیاد پہ ایسے فیصلے کرتے ہیں۔ شیعہ عقائد ونظریات واضح متصادم اسلام ہیں، ہر دور میں ان کی تردید کرنے کے باوجود اہل علم نے دامنِ احتیاط بہرحال تھامے رکھا، تاکہ اشتعال انگیزی کا ماحول پیدا نہ ہو، مگر اُس زمانہ میں شیعہ مذہب کے ایک بڑے مجتہد علامہ حائیری کا فتویٰ منظر عام پہ آیا تھا، جس کی وجہ سے اکابرین اہل سنت کو بھی شیعیت کا کچا چٹھا کھولنے کی فیصلہ کن ضرورت محسوس ہوئی۔ شیعہ عالم کا فتویٰ ملاحظہ ہو۔

**سوال:** ......شیعہ عورت کا نکاح غیر شیعہ مرد سے جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح شیعہ مرد کا غیر شیعہ عورت سے جائز ہے یا نہیں؟

**جواب:** ......شیعہ عورت کا نکاح کسی غیر شیعہ سے جائز نہیں ہے۔ پس اگر عالم مسئلہ ہو کر ایسا نکاح واقع ہوا ہو تو اولاد ولد الزنا ہوگی۔ اور اگر جاہل بمسئلہ ہونے کی وجہ سے ایسا نکاح واقع ہوا ہو تو اولاد حلال زادی ہوگی۔ ہاں! غیر شیعہ عورت سے شیعہ مرد کا نکاح جائز ہے۔ تذکرۃ الفقہاء میں علامہ حلی فرماتے ہیں:

ذالك فی طرف الزوجة اتم كان المرفة تاخذ من دين بعلها.

یعنی اس حکم کی تاکید شیعہ عورت کے بارہ میں زیادہ ہے۔ کیونکہ عورت بوجہ ضعیف العقل ہونے کے شوہر کے دین سے متاثر ہو جاتی ہے۔ اس لیے شیعہ عورت غیر شیعہ مرد کے نکاح میں نہیں جا سکتی اور غیر شیعہ عورت، شیعہ مرد کے نکاح میں آ سکتی ہے۔ [1] چنانچہ درج بالا استفتاء اور علامہ حائری کے مذکورہ فتوے کے بعد مولانا

[1] رسالہ "الحافظ" اپریل ۱۹۲۵ء جلد نمبر ۱، شمارہ نمبر ۲۔

ظہور احمد بگوی رحمہ اللہ نے اپنی رائے کا یوں اظہار کیا۔

''پس جبکہ گروہِ شیعہ نے اہل سنت کے مناکحت کو ناجائز قرار دے کر ان کی تذلیل وتحقیر کی ہے تو اسی طرح اہل سنت کو (علاوہ حمیت وجذبۂ غیرت) شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ وہ گروہِ شیعہ کے ساتھ مناکحت کو ممنوع قرار دے کر ان کی تذلیل وتحقیر کریں اور جس طرح انہوں نے تعلقاتِ شادی وغمی کو توڑا ہے اہل سنت بھی ان تعلقات کو قطع کر دیں۔ یہ حکم گروہِ شیعہ کی تفسیق وتکفیر سے قطع نظر کر کے اُن کی تصریحات کی بناء پر دیا گیا ہے اور مسئلہ تکفیر یا تفسیق کو اس وجہ سے دخل نہیں دیا گیا کہ اس عہد کے عام مسلمان خصوصاً تعلیم یافتہ گروہ کفر کرنے کو اس قدر قبیح نہیں سمجھتا، جس قدر کفر کہنے کو قبیح سمجھتا ہے گویا ان کے نزدیک کفر کرنا اس قدر قبیح نہیں ہے، جس قدر کفر کہنا قبیح ہے۔ اسی طرح خیارِ امت صحابہ رضوان اللہ علیہم الاجمعین کی تکفیر یا تفسیق پر اس قدر برہم وچراغ پا نہیں ہوتا، جس قدر ان کے کفر یا تفسیق کرنے والے فرقہ (گروہِ شیعہ) کی تکفیر یا تفسیق پر برہم یا چراغ پا ہوتا ہے، گویا حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر ان کے نزدیک اس عہد کے نوخیز اور نو پید فرقوں کا اعزاز واحترام ہے ورنہ بے شمار دلائل وتصریحات کا ایک وسیع دفتر موجود ہے جس کی رو سے گروہِ شیعہ کا نہ صرف یہ کہ کفر ثابت ہے بلکہ ان کے تمام مخصوص عقائد کی بنیاد کفر پر قائم ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے تو ان کے کفر پر اجماع نقل کیا ہے۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کی (عبارت کا) ترجمہ یہ ہے: ''اہل اہوا دوسرے فرقوں کے لیے جو رافضہ کے علاوہ ہیں، حکم کفر سے احتیاط ہے۔ لیکن اس عہد کے رافضی (جن کا اعتقاد یہ ہے کہ اکثر صحابہ کافر تھے، چہ جائیکہ اہل سنت) بالاتفاق قطعی طور پر کافر ہیں۔

باوصف ان جلیل تصریحات کے عدمِ مناکحت شیعہ وعدم شرکت نماز جنازہ کی بنیاد خود اُن ہی کی تصریحات پر قائم کی گئی۔ تاکہ مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ ان کی تکفیر سے قطع نظر کرنے کے بعد بھی شرعی نقطہ نظر سے اُن کے ساتھ شادی وغمی کے تعلقات قائم کرنا حرام ہے، اُن کی عدم تکفیر پر جب یہ عالم ہے تو تکفیر کا کیا ذکر؟

منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید
نا امیدی اس کی دیکھا چاہیے

واللہ اعلم بالصواب

حررہ الفقیر ظہور احمد بگوی، خطیب ومتولی جامع مسجد بھیرہ [1]

---

[1] اجتناب الحنفیہ عن اختلاط الرافضیۃ والمرزائیۃ، ماہنامہ شمس الاسلام، مارچ واپریل ۱۹۳۱ء، ناشر مجلس مرکزی حزب الانصار بھیرہ، صفحہ نمبر ۴۰، ۴۱۔

مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ اور امام اہل سنت علامہ عبد الشکور لکھنوی رحمہ اللہ کے فتوے کا بھی یہی خلاصہ ہے کہ اثنا عشری روافض کی تکفیر پر پوری امت کا اتفاق ہے۔ اوران ہر دو حضرات کے فتاویٰ بھی مذکورہ خصوصی نمبر میں شاملِ اشاعت ہیں۔

## کتاب ''تذکارِ بگویہ'' میں تحریف اور قطع و بُرید:

بگوی خاندان کے ایک فرد فرید ڈاکٹر انوار احمد بگوی نے اپنے بزرگوں کی علمی میراث کو یکجا کر کے یقیناً بہت بڑا اور قابلِ تحسین کارنامہ سرانجام دیا، لیکن ہمیں افسوس ہے کہ انہوں نے بعض مقامات پر غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے جدید خیالات کا بزرگوں سے تصادم محسوس کرتے ہوئے بجائے اپنی اصلاح کے، بزرگوں کی ہی اصلاح کر ڈالی، اور وہ بھی ان کے دنیا چھوڑ جانے کے بعد، تذکار بگویہ کی اب تک چار جلدیں آچکی ہیں، علاوہ ازیں مرتب نے اپنا سفر نامہ ایران بھی ''خمینی وفردوسی کی سرزمین پر'' طبع کروایا ہے۔ ان مجلدات پر مستقل تبصرہ ونقد کی ضرورت ہے۔ فی الوقت ہم ایک، دو باتیں مولانا ظہور احمد بگوی رحمہ اللہ کا ذکرِ خیر آنے پر درج کرتے ہیں، ورنہ فی الوقت اس کی یہاں ضرورت نہ تھی۔ مرتب ''تذکارِ بگویہ'' نے پہلی جلد میں مؤرخہ ۴ دسمبر ۱۹۳۰ء میں بھیرہ کے اندر ہونے والی ایک کانفرنس کی روداد ماہ نامہ ''شمس الاسلام'' سے دیکھ کر دی ہے۔ باقی روداد تو جوں کی توں ہے۔ مگر پیر جماعت علی شاہ صاحب رحمہ اللہ علی پوری کی ایک تقریر کی مطبوعہ تقریباً سولہ سطریں حذف کر دیں، حالانکہ وہ ماہ نامہ ''شمس الاسلام'' کے اندر موجود ہیں۔ مرتب ''تذکار بگویہ'' نے سیّد جماعت علی شاہ صاحب رحمہ اللہ کی تقریر یوں درج کی:

> ''بھائیو! یہاں شیعوں کے متعلق مولوی صاحب تقریر کر رہے تھے، جموں میں ایک تحصیل دار صاحب شیعہ تھے، انہوں نے ایک سیّد تھانہ دار پر اعتراض کیا کہ سید ہو کر سنی ہو؟ اس نے جواب میں کہا کہ آپ سے پہلے جو تحصیل دار تھے ان کا کیا نام تھا؟ بتانے پر پوچھا کہ ان سے پہلے کون تھا؟ غرض پانچ چھ نام پوچھنے کے بعد کہا کہ آپ اگر آج سے پچاس سال پہلے کے تحصیل دار کے فیصلوں کی مثلیں نکال کر ان کی غلطیاں درست کرنے لگو تو آپ کو لوگ کیا کہیں گے؟ تحصیل دار نے کہا پاگل! تھانے دار نے کہا کہ افسوس پچاس سال کی غلطیاں نکالنے والا تو پاگل اور تیرہ سو سال کے پرانے فیصلوں اور ان کی مثلوں کی ورق گردانی کرنے والا آپ کے نزدیک صاحب ہوش وحواس ہو سکتا ہے؟''

﴿تلك امة قد خلت لها ما كسبت ولكم ما كسبتم ولا تسئلون عما كانوا يعملون﴾

اس کے بعد حضرت پیر صاحب نے نماز کی فرضیت اور احکام اسلام کی متابعت پر زور دیا اور جلسہ نماز

عصر کے لیے دعائے خیر کے بعد برخاست ہوا۔ ❶

یہاں مرتب نے درمیان میں سے پوری سولہ سطروں کا مواد حذف کر دیا، چنانچہ پیر صاحب جماعت علی شاہ کی تقریر کے حذف شدہ مندرجات ملاحظہ ہوں:

''شیعوں کے مذہب میں گالی نکالنا عبادت ہے، وہ مذہب بھی کبھی سچا ہوسکتا ہے جس میں گالی نکالنا عبادت ہو؟ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو یزیدیوں نے ایک دفعہ شہید کیا، یہ ہر سال شہید کیا کرتے ہیں۔ ضلع سیالکوٹ کے ایک مجتہد سے ایک شخص نے پوچھا، شہداء کو قرآنِ مجید نے زندہ قرار دیا ہے، امام حسین رضی اللہ عنہ کو آپ بھی شہید مانتے ہیں، لہٰذا وہ زندہ ہوں گے، مگر رونا پیٹنا تو مُردوں کے لیے ہوتا ہے، پھر آپ لوگ کس کا ماتم کرتے ہیں؟ مجتہد لا جواب ہوگیا۔ شیعوں کو شرم نہیں آتی، کسی کے باپ کی کوئی توہین کرے یا بے غیرتی سے شہید کرے تو پھر وہ (اسے) نقل کرے گا یا چھپائے گا؟ شیعوں کے پاس اگر عقل نہ تھی تو ہندوؤں سے ہی سیکھ لیتے، ہر سال وہ دسہرہ کا تہوار مناتے ہیں مگر اس میں رام چند کی فتح اور راون کی شکست وذلت کا اظہار کرتے ہیں۔ اگر یہ لوگ بھی یزید کا مجسمہ بناتے یا یزید کی ذلت کا نقشہ دنیا کو دکھاتے تو کس قدر حق بجانب سمجھے جاتے، اور اہل سنت بھی ایک دو جوتے لگانے کے لیے پہنچ جاتے۔ مگر غضب تو یہ ہے کہ ماتم کے رنگ میں توہین اہل بیت وتذلیل خاندانِ نبوت اور یزید کی فتح ونصرت کا ڈنکا بجایا جاتا ہے۔

اس کے بعد حضرت پیر صاحب نے نماز کی فرضیت اور احکام اسلام کی متابعت پر زور دیا اور جلسہ نماز عصر کے لیے دعائے خیر کے بعد برخاست ہوا۔'' ❷

یہ کارروائی مرتب نے شاید اس لیے کی ہے کہ وہ حُب یزید سے سرشار ہیں اور پیر صاحب موصوف کے ان الفاظ مین یزید کی مذمت صاف ظاہر ہے۔ آج کے مرتبین ومؤرخین کا یہی المیہ ہے کہ وہ اپنے ہوائی اور حادثاتی نظریہ کی خاطر پوری کی پوری تاریخ کو مسخ کر دیتے ہیں۔ ان کی محب یزید ہونے کی یہ دلیل ہے کہ وہ محمود احمد عباسی صاحب کا تعارف دینے کی بجائے ان کی تعریف وتوصیف میں مبالغہ کرتے ہیں، حالانکہ عباسی صاحب نے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے جن حوالہ جات میں کتر بیونت اور صریح تحریف کر کے مفہوم کشید کیے ہیں، وہ اہل علم سے ڈھکے چھپے نہیں، مگر ڈاکٹر انوار احمد بگوی جیسے لوگ محض اردو ادب کی چاشنی سے ہی متاثر ہو کر دل پھینک بیٹھتے ہیں، اور ان کی مبالغہ آرائی انتہائی حدوں کو چھوتی نظر آتی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

---

❶ انوار احمد بگوی/تذکار بگویہ، ناشر مجلس مرکزیہ حزب الانصار بھیرہ ۲۰۰۴ء/جلد اوّل صفحہ نمبر ۴۹۳۔

❷ شمس الاسلام، ماہ نامہ/جنوری ۱۹۳۱ء ماہِ شعبان ورمضان ۱۳۴۹ھ/صفحہ ۳۰۔

"اسلامی تاریخ میں تحقیق اور معیارِ حق کے کام کی سعادت علامہ محمود احمد عباسی رحمہ اللہ کو حاصل ہوئی اور حق تو یہ ہے کہ انہوں نے ایک جرأت مند اور دانشور مومن ہونے کا حق ادا کر دیا ہے۔ سنی مخالفین اور شیعہ معاندین کے لیے یہ تمام ریسرچ اور تلاش کا کام ناگفتنی بلکہ سوختنی اور گردن زنی ہے، مگر تحقیق کے متلاشیوں اور حق کے شیدائیوں کے لیے علامہ محمود احمد عباسی کا کام ابن خلدون سے بڑھ کر محترم اور غزالی سے مقتدر ہے۔ درحقیقت وہ اسلامی تاریخ کے محسن ہیں۔"❶

بالکل، جس کسی نے ابن خلدون اور غزالی کو پڑھا تک نہ ہو، صرف نام ہی سن رکھا ہو تو اس کا ساری عظمتوں کے تاج اٹھا کر عباسی صاحب کے سر پر سجا دینا کوئی بعید نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام تر ادب واحترام اور اخلاق کے دائرے میں رہتے ہوئے کوئی صاحبِ علم، سنجیدہ اور نظریاتی انسان عباسی صاحب کی بالکل حمایت نہیں کر سکتا۔ یہ تو جذباتی، لا اُبالی، غیر کتابی اور غصیلے وبھڑکیلے افراد کے ممدوح تھے۔ چنانچہ ہم پورے دعویٰ ویقین سے کہتے ہیں کہ عباسی صاحب کا ایک پیروکار سرزمین پاکستان میں دکھا دیا جائے جو تحمل وبُردباری اور علم ویقین سے باوصف ہو۔ حکیم فیض عالم صدیقی، مولانا عظیم الدین صدیقی، عزیز احمد صدیقی، نذیر احمد شاکر، وغیرہ وغیرہ سب کے سب اسی بدمزاجی وبے اعتدالی کے پیکر تھے، محسوس ہوتا ہے مرتب تذکارِ بگویہ بھی اسی قبیل سے ہیں، ورنہ وہ کبھی عباسی صاحب کی تائید میں اس حد تک غلو میں نہ جاتے۔ اور اس غلو نے انہیں ماہ نامہ "شمس الاسلام" کی پرانی فائلوں میں سے قطع وبرید کرنے پر مجبور کیا، ظاہر ہے جو محمود احمد صاحب کا پیروکار ہوگا، وہ لامحالہ ڈنڈی باز بھی ہوگا۔ بہرحال اکابرین اہل سنت کا عملی تواتر چلا آ رہا ہے کہ وہ رفض وبدعت کی بھرپور اور سرتوڑ تردید کے باوجود محض مخاصمت اور ضد میں آ کر یزید کی حمایت نہیں کرتے۔ امام شعبی رحمہ اللہ سے لے کر علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تک، ان سے خاندانِ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تک، خانقاہ سیال شریف، بزرگانِ بگویہ اور امام اہل سنت علامہ عبد الشکور لکھنوی رحمہ اللہ سے لے کر مولانا محمد نافع رحمہ اللہ تک کسی بندہ بشر نے حمایت یزید میں اپنا وقت ضائع نہیں کیا، یہی تاریخ کی آواز ہے جس کی تطہیر کرنے کے لیے جناب عباسی صاحب اور ان کے چند مداحین میدانِ عمل میں کودے تھے، مگر خاطر خواہ کامیابی دیکھے بغیر آخرت کو سدھار گئے۔

❶ انوار احمد / تذکارِ بگویہ / ناشر مرکزی مجلس حزب الانصار / جلد سوم صفحہ نمبر ۶۲۲۔

## مولانا ظہور احمد بگوی کا جامعہ محمدی شریف میں آخری خطاب، وفات اور دفاعِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اگلا سفر:

مولانا بگوی رحمہ اللہ نے تنظیم اہل سنت کے جلسہ منعقدہ ۱۶ مارچ ۱۹۴۵ء لاہور میں شرکت کی، پھر ۲۵ مارچ کو مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ کی دعوت پر قریہ محمدی شریف آئے اور یہاں جلسہ سے خطاب فرمایا، حسب سابق یہاں بھی شیعہ مذہب کی تردید کی، عظمت صحابہ پر پُر جوش خطاب فرمایا، واپسی پر چنیوٹ تک پہنچے ہوں گے کہ اچانک شدید بخار شروع ہوگیا اور یہی بخار آپ کی وفات کا ظاہری سبب بنا۔ مولانا مرحوم لاولد تھے، صرف ۴۵ سال کی عمر میں آپ نے انتھک محنت کر کے اس خطہ کے لوگوں کے عقائد واعمال کی اصلاح کے لیے جو بے لوث اور مخلصانہ فریضہ سر انجام دیا، وہ رہتی دنیا تک یادگار اور قابل تقلید رہے گا۔ سرزمین محمدی شریف میں مولانا بگوی کا انتقال ہوا، اور اب یہیں سے دفاعِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اگلا سفر مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی شکل میں جاری ہوا۔ آپ رحمہ اللہ دارالعلوم دیوبند سے ۱۹۴۳ء میں فارغ ہو کر آچکے تھے۔ اور قدرت آپ کو اس مقدس مقصد کے لیے اپنی علمی صلاحیتیں صرف کرنے کا فیصلہ فرما چکی تھی۔

# باب نمبر 5

# تحریک تنظیم اہل سنت سے وابستگی

## (اس باب کے اہم موضوعات)

①...... بانی تنظیم اہل سنت سردار احمد خان پتافی رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۶۰ء) کا تعارف
②...... تنظیم اہل سنت کا سن تاسیس، آغاز تحریک، پہلے اجلاس کی روداد اور عہدیداران
③...... تنظیم کے اہداف ومقاصد، جہد للبقاء، لاہور میں منعقدہ (۱۹۴۵ء) کی پہلی کانفرنس، پہلی کانفرنس کی تفصیل، اور اکابرین امت کا بھرپور اعتماد
④...... تنظیم اہل سنت پر ''یونینسٹ پارٹی'' کے ایجنٹ ہونے کا الزام، اور اس کا عقلی وحقیقی جواب
⑤...... تنظیم کی ملی ومذہبی خدمات اور مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی شمولیت وفعالیت

# تحریک تنظیم اہل سنت سے وابستگی

مولانا محمد نافع رحمہ اللہ جب دار العلوم دیوبند سے فارغ ہو کے گھر پہنچے تو اُنہی دنوں جام پور کے معروف زمیندار جناب سردار احمد خان پتافی رحمہ اللہ کے دل میں حب صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا، وہ رفض وبدعت کے پھیلتے ہوئے اثرات سے بہت دل گرفتہ تھے، چنانچہ انہوں نے علماء کرام کی مشاوت سے ایک تحریک کی بنیاد رکھی، جس نے "تنظیم اہل سنت" کے نام سے دیکھتے ہی دیکھتے ایک دھوم مچا دی۔ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کا علاقہ بھی تاریخی اعتبار سے رفض وبدعت کے زیر اثر تھا۔ چنانچہ آپ نے تنظیم میں شمولیت اختیار کر لی، اور اپنے گرد ونواح میں بھرپور کردار ادا کیا، تنظیم اہل سنت کی خاطر آپ نے قریہ قریہ جا کر تقریریں کیں، لوگوں کو متوجہ کیا، جلسوں کی روایت قائم کی اور دور دراز سے مقررین کو دعوت دے کر دعوت وارشاد کا سلسلہ جاری کیا، تنظیم اہل سنت کے حوالے سے آپ کی سرگرمیاں ڈائریوں میں پوری شرح وبسط کے ساتھ موجود ہیں اور ساتھ ساتھ تجربات ومشاہدات بھی نوٹ کیے گئے ہیں، جو ان شاء اللہ اسی کتاب کی اگلی جلد میں آپ ملاحظہ کریں گے۔ سردست تنظیمی تعلق اور فعالیت کا نمونہ ملاحظہ فرما لیں پھر اس کے بعد تنظیم کی مختصر تاریخ پیش کی جائے گی۔ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ اپنے روزنامچوں میں لکھتے ہیں:

۱: "مولانا سیّد نور الحسن شاہ صاحب بخاری مہتمم مرکز تنظیم اہل سنت کا خط آج موصول ہوا کہ گیارہ، بارہ کی بجائے بارہ، تیرہ مارچ ۵۵ء طے کر لیں تاکہ دوسری جگہ متعینہ تاریخ سے تعارض نہ ہو اور تبدیلی تاریخ کی واپسی اطلاع جلدی کریں، اور مولانا دوست محمد صاحب قریشی کو بھی علاقہ کے لیے دعوت دی گئی ہے۔"

۲: آج تنظیم کا یوم الحساب تھا۔ سلطان احمد صاحب اور میاں حسام الدین ہر دو برادران نے جماعتی حسابات اپنی طرف سے حکیم مولا بخش صاحب کو دے دیئے ہیں۔ جبکہ میرا حساب باقی ہے، وہ پھر کسی وقت صاف کر کے سارا حساب میاں محمد بخش مذکور کو دیا جائے گا۔ [1]

اس نوعیت کی یادداشتیں ڈائریوں میں جا بجا بکھری پڑی ہیں، کہیں میٹنگ، کہیں جلسہ اور کہیں تنظیمی اکابرین کی آمد ورفت اور ملاقاتیں، ڈائریوں کے یہ اوراق شاہد ہیں کہ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے تنظیم اہل سنت کے اسٹیج سے اپنی بساط سے بڑھ کر کس طرح جماعتی کام سرانجام دیئے اور بعض دفعہ اپنوں کی ناموافقت اور

---

[1] مولانا محمد نافع رحمہ اللہ، ذاتی ڈائری ۱۴ جنوری ۱۹۵۵ء۔

عدم تعاون کی وجہ سے بھی شدید کوفت ہوتی، مگر آپ رحمہ اللہ بڑے سے بڑے جذبوں کی قربانی دے کر بھی مخالفت یا تصادم کی فضا پیدا نہ ہونے دیتے تھے، مثال کے طور پر بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا کہ مقامی تنظیم کی جانب سے کانفرنس کا فیصلہ ہوتا، مگر جامعہ محمدی میں کچھ انتظامی افراد کی جانب سے ایسا ماحول بنا دیا جاتا کہ یہ کانفرنس نہ ہو۔ کیونکہ آپ کے برادر گرامی مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ خانقاہ سیال شریف والوں کے زیر اثر تھے، یہ حضرات باوجودیکہ علماء دیوبند کو اہل سنت کا مکتبِ فکر اور داعی وترجمان جانتے تھے، بایں ہمہ مقامی اور روایتی عنادیوں سے کبھی کبھار دب بھی جاتے تھے۔ ان کی عوام کے ساتھ اس مصلحت اور سمجھوتے کا خمیازہ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کو بھگتنا پڑتا تھا۔ اور آپ کی محنت پر پانی پھیر دیا جاتا۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب آپ نے جامعہ محمدی میں بڑا جلسہ کروانے کا فیصلہ کیا تو جامعہ محمدی کی طرف سے اس میں رکاوٹ ڈالی گئی۔ آپ رحمہ اللہ ایک اجلاس کی روداد اور پھر جامعہ کے حکم امتناعی کو بغیر کسی گلہ وشکوہ کے یوں درج کرتے ہیں:

’’(آج اجلاس میں) جلسہ گاہ کے انتظامات، خرچ کی تفصیل وتدارک، تقسیم کار تفصیل کے ساتھ، جگہ کا انتخاب، اشتہار طبع کرانے، مدعوین کے لیے رہائشوں کا انتظام وغیرہ کا فیصلہ کیا گیا مگر میٹنگ کا التواء ہوا، اس لیے کہ جامعہ والے ناراض ہیں۔‘‘ ❶

آپ رحمہ اللہ بانی جامعہ کے حقیقی بھائی تھے، اور اس کی آبیاری میں آپ کا بھی خون پسینہ شامل تھا، مگر ٹکراؤ سے بچنے کے لیے آپ ایسے کڑوے کسیلے گھونٹ پی لیا کرتے تھے۔ اور بعض اوقات ذہنی تناؤ کے باوجود بھی آپ نے اپنا تنظیمی سفر جاری رکھا۔ اس ضمن میں تنظیم اہل سنت کا اختصار کے ساتھ قیام، مقاصد واہداف، عروج اور پھر اختتام تک کی مختصر تاریخ پیش خدمت ہے۔

## بانی تحریک تنظیم اہل سنت سردار احمد خان پتافی رحمہ اللہ کا تعارف:

تنظیم اہل سنت کے ابتدائی کارکن، نہایت معتمد اور فعال بزرگ حافظ نور محمد انور مرحوم لکھتے ہیں:

’’سردار احمد خان پتافی رحمہ اللہ مرحوم کی ذاتِ گرامی تنظیمی، ملی اور مذہبی حلقوں میں محتاجِ تعارف نہیں، آپ کی شخصیت ملک کے اونچے درجے کے رؤسا اور بڑے بڑے زمینداروں میں ممتاز تھی، آپ کا دل مذہب وملت کی خدمت کے لیے بے تاب رہتا تھا اور مسلک حقہ اہل سنت والجماعت کے تحفظ وبقاء کا اس قدر درد تھا کہ شب وروز اہل حق کی اصلاحی تعمیر وترقی پر سوچ بچار کرتے رہتے، آج کل ایسے لوگ بہت کم نظر آتے ہیں جن میں مذہب وملت کا صحیح جذبہ موجود ہو۔ آپ کو خدا نے دین ودنیا کی دولت سے مالا مال کیا تھا مگر ظاہری

---

❶ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ، ذاتی ڈائری، ۱۱ فروری ۱۹۵۵ء، بمطابق ۱۷، جمادی الثانی ۱۳۷۴ھ۔

نشوونما اور لباس سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ بالکل غریب ہیں، متموّل ہونے کے باوجود آپ سادہ لباس پہنتے تھے خصوصاً کھدر کا لمبا سا کرتہ اور کھدر ہی کا تہہ بند، وہ بھی کھڈی کا بنا ہوا ہمیشہ استعمال کرتے تھے اور آخر دم تک آپ کا یہی لباس رہا۔ اسلام نے ہمیں سادگی اختیار کرنے کا جو سبق دیا ہے اور غرور و تمکنت سے روکا ہے، اس اسلامی ضابطہ اخلاق کی آپ مجسم تصویر تھے اور اسی اصول پر زندگی بھر عمل پیرا رہے۔ آج کل ملک میں جبکہ ہر طرف نت نئے فتنے جنم لے رہے ہیں، ان کے سد باب کے لیے آپ نے مال وزر اور قلم کے ذریعے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے وہ رہتی دنیا تک یادگار رہیں گے آپ ہمیشہ انگریز کے خود کاشتہ پودے (قادیانی) اور دشمنانِ صحابہ کرام (شیعہ) کے جارحانہ حملوں کا سد باب کرتے رہے اور مذہب وملت کی اصلاحی سوچ بچار پر آپ نے اپنی زندگی ختم کردی۔ دین پر اغیار کے جارحانہ حملوں کے پیش نظر آپ نے تحریک تنظیم اہل سنت کے نام سے ایک جماعت قائم کی اور تنظیم اہل سنت ہی کے نام سے ایک ہفت روزہ اخبار کا اجراء کیا۔ اس تحریک پر آپ نے دین وملت کی اشاعت، دشمنانِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور انگریز کے خود کاشتہ پودے کے سد باب پر بے بہا پیسہ بہایا۔ اور بیسیوں مضامین آپ نے رقم کیے، یہ انہی مضامین کا ثمرہ ہے کہ آج پاکستان کے قریہ قریہ میں تنظیم اہل سنت کی شاخیں موجود ہیں اور تنظیمی مبلغین شب وروز انہی تبلیغی سرگرمیوں میں مصروف نظر آتے ہیں یہ سب سردار احمد خان کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے ورنہ اس سے قبل دشمنان صحابہ کرام اور قادیانیوں کا اس قدر زور تھا کہ جو ان کے جی میں آتا، کر پاتے اور دل کھول کر مسلک حقہ کے اکابرین کی شان اقدس میں بکواس کرتے۔ آپ پیرانہ سالی کے باوجود جماعت کے ہر اجلاس میں شرکت کرنے کے لیے جام پور ضلع ڈیرہ غازی خان سے چل کر آتے اور جماعتی کاموں کو دوسرے کاموں پر ترجیح دیتے۔ وہ ایک عظیم انسان تھے اور جماعت تنظیم اہل سنت کے روحِ رواں ہونے کے علاوہ جماعت کے مخلص ناخدا بھی تھے وہ گھر میں ہوتے یا لاہور میں، ملتان میں ہوتے یا ڈیرہ غازی خان میں، ہر وقت ان کو جماعت کی فکر دامن گیر رہتی، وہ اعدائے دین کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو شدت سے روکنا فرضِ عین سمجھتے تھے۔ ملتان، لاہور، جھنگ، مظفر گڑھ اور ڈیرہ غازی خان کے اضلاع میں تحفظ ناموسِ ختم نبوت وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خاطر بیسیوں اجلاس بلائے، بڑی بڑی ڈسٹرکٹ کانفرنسیں منعقد کیں، ان کانفرنسوں اور اجلاسوں میں نہایت دردمندانہ خطبے پڑھے اور پھر یہ خطبے چھپوا کر ہزاروں کی تعداد میں مفت تقسیم کیے۔ آج بھی جن حضرات کے پاس سردار صاحب کے خطبے موجود ہیں وہ سردار صاحب کی مذہبی وملی زندگی کا آئینہ دار ہیں۔ اگر سردار صاحب کے جملہ خطبات کو یکجا کر کے کتابی شکل دے دی جائے تو یہ کام نہایت مبارک ہے۔ امید ہے

کہ سردار صاحب کے بھتیجے اور جانشین سردار عبدالرحیم خان صاحب پتافی اس طرف خصوصی توجہ فرمائیں گے۔ اور اراکین تنظیم کے اس پروگرام کی تعمیل میں ہر ممکن تعاون فرمائیں گے۔ سردار صاحب ہمیشہ جماعتی مبلغین کو یہی ہدایت فرماتے رہتے تھے کہ ہنگامی کام کی بجائے عملی اور ٹھوس کام کیا جائے اور تبلیغ دین ومسلک کی نشر واشاعت تنظیمی طریقہ سے کی جائے، جو تبلیغ کسی ٹھوس تنظیم کے بغیر ہو وہ محض ایک وقتی نعرہ بازی ہے۔ آپ ہمیشہ جماعتی اراکین کو یہی تلقین کرتے رہے اور ہمیشہ یہی فکر آپ کو دامن گیر رہی۔ خدا کی ہزار ہزار رحمتیں ہوں اس مردِ حق پر، جس نے ساری زندگی دین کی نشر واشاعت میں ختم کردی، جن کی بے لوث خدمات کو ملت کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔ اور خصوصاً تنظیم اہل سنت کو اس مایہ ناز ہستی پر ہمیشہ فخر وناز رہے گا جن کی مساعی جمیلہ سے جماعت کا وجود عمل میں آیا، اور مسلک حقہ کی آواز ملک کے کونے کونے میں گونجی۔ جھنگ، میانوالی، مظفر گڑھ، ڈیرہ غازی خان اور بہاولپور وغیرہ جیسے پسماندہ علاقوں کے گم کردہ راہوں کو راہِ ہدایت نصیب ہوئی، مگر افسوس کہ ان کا تنظیمِ ملت کا خواب ابھی تک شرمندۂ تعبیر نہ ہوا۔ اور اس پروگرام کی تکمیل ابھی تک سردار صاحب کے رفقاء کار پر سردار صاحب کا ایک واجب الادا فرض ہے، جسے تنظیم اہل سنت ایک ٹھوس تنظیمی پلیٹ فارم بنا کر ہی ادا کرسکتی ہے۔ راقم الحروف سردار صاحب کو ۵۲ء سے جانتا ہے۔ تنظیم اہل سنت کے بعد ہفت روزہ ''دعوت'' کا لاہور سے اجراء ہوا، اس وقت تنظیم اہل سنت کا مرکزی دفتر چوک جھنڈا اندرون لوہاری گیٹ دروازہ میں تھا، سردار صاحب جب بھی تشریف لاتے، دفتر میں ہی قیام فرماتے باوجود اتنے امیر وکبیر ہونے کے جہاں سادہ لباس پہنتے وہاں کھانا بھی سادہ کھاتے، چوک جھنڈا سے دفتر تبدیل ہوکر ۱۲۔ اے شاہ عالم مارکیٹ میں منتقل ہوا تو اس دوران بھی سردار صاحب تشریف لاتے رہے۔ پھر ۱۲۔ اے شاہ عالم سے منتقل ہو کر ۱۴۔ بی شاہ عالم میں دفتر آیا تو بھی سردار صاحب تشریف لاتے رہے۔ ایک مرتبہ گرمی کے موسم میں سردار صاحب تشریف لائے ان دنوں میرے عزیز بھائی عبدالرحیم صاحب قریشی بھی آئے ہوئے تھے۔ قریشی صاحب سردار صاحب کی سادگی اور اخلاق وتہذیب سے بھرپور باتوں سے اس قدر متاثر ہوئے کہ آج تک سردار صاحب کا نام جب ان کے سامنے لیا جاتا ہے تو ان کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اسی طرح ایک مرتبہ جب تشریف لائے تو میرے پاس اپنا چھوٹا بھائی عزیزم نصر اللہ بھی ٹھہرا ہوا تھا، اس وقت وہ شاید پانچویں چھٹی جماعت میں پڑھتا تھا۔ سردار صاحب نے ان کو ہدایت کرتے ہوئے فرمایا: ''دیکھو بیٹا فضول کاموں میں وقت صَرف نہ کرنا، رات دن پڑھائی کی طرف توجہ دیں، یہی تعلیم تمہارے کام آئے گی اور اسی سے تمہاری زندگی بن سکتی ہے۔ خوب دل لگا کر محنت کرو، تاکہ تم اپنے مقصد

میں کامیاب وکامران ہوجاؤ۔'' سردار صاحب کے یہ الفاظ مجھے آج تک یاد ہیں، مگر اپنے بھائی (مرحوم) کے مقدر پر آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتا۔

محترم سردار صاحب کے اکثر خطوط وغیرہ بھی راقم کے پاس آتے رہتے اور ہر خط میں ہدایت کرتے رہتے، اکثر دفتری امور کے سلسلہ میں خط وکتابت ہوتی۔ حساب کتاب رکھنے کا طریقہ اور دیگر کام کی باتیں لکھ کر سمجھاتے رہے۔ ان کا ہر خط وفا و ہمدردی کا آئینہ دار ہوتا تھا۔ اچانک ۲۵ نومبر ۶۰ء کو اطلاع ملی کہ سردار صاحب رحلت فرما گئے۔ یہ الفاظ پڑھ کر دل کو بڑا صدمہ پہنچا۔ یہ خبر بذریعہ تار ملتان دفتر تنظیم اہل سنت میں پہنچی، پھر لاہور میں سردار صاحب کے بھتیجے سردار عبد الرحیم نے اطلاع دی۔ سردار صاحب خود تو ہمیشہ کے لیے ہم سے جدا ہو گئے ہیں، مگر ان کے تبلیغی کارنامے ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ غالباً وفات کے ایک سال بعد راقم جام پور گیا، سردار صاحب کے ہاں قیام کیا، وفات سے قبل بھی اکثر جاتا رہتا تھا، مگر جو رونق سردار صاحب مرحوم کے وقت تھی وہ مفقود تھی، صبح اٹھا صوفی کریم بخش صاحب کو لے کر قبرستان آیا، فاتحہ پڑھی اور تھوڑی دیر مٹی کی ڈھیری کو حسرت کی نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ اللہ اللہ کیا شان تھی اس مردِ حق کی کہ لباس بھی سادہ، اور قبر بھی بالکل سادہ مٹی کی ڈھیری۔ کوئی نمود ونمائش نہیں تھی، حالانکہ وہ لاکھوں کے مالک تھے مگر مرتے وقت بھی نصیحت کر گئے کہ قبر بالکل کچی بنوانا، ایک نصیحت اور بھی فرما گئے کہ پچاس ہزار روپیہ فلاں فلاں دینی اداروں میں تقسیم کر دینا جو سردار عبد الرحیم خان صاحب نے ان کی وصیت کے مطابق تقسیم کر دیئے۔ قبرستان سے واپسی پر آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور بے ساختہ زبان پر یہ اشعار آ گئے:

ہو گئے رخصت جہاں سے بانی تنظیم
چھا گئی حلقہ احباب پر غم کی گھٹا
اللہ اللہ کس قدر تھا ان میں ایثار و خلوص
صَرف کی تبلیغ دیں پر جس نے دولت بے بہا[1]

## تنظیم اہل سنت کا قیام:

اگرچہ باضابطہ طور پر تو تنظیم اہل سنت کی تشکیل ۱۲ دسمبر ۱۹۴۳ء میں ہوئی۔ یعنی قیام پاکستان سے چار سال سے قبل! مگر اس سے بھی بہت پہلے سردار احمد خان پتافی مرحوم اہل سنت کی زبوں حالی کو دیکھ کر کڑھ رہے تھے۔ چنانچہ تنظیم کے سن تاسیس سے تقریباً بتیس سال پہلے وہ اکثر زعماء وصوفیاء اور اہل علم سے جا کر اس موضوع پر اظہار خیال کرتے تھے۔ گویا ۱۹۴۳ء میں جو تنظیم اہل سنت کی بنیاد رکھی گئی تو اس میں سردار

[1] نور محمد انور، انوار سخن، مطبوعہ مکتبہ الفاروق سلطانپورہ روڈ۔ لاہور ۱۴۰۰ھ، صفحہ نمبر ۱۹۸ تا ۲۰۱۔

صاحب موصوف کی بیس سالہ جدوجہد اور کاوش دماغی کارفرما تھی۔ ابتدائی کارگزاری مولانا سیّد نورالحسن شاہ بخاری رحمہ اللہ سے سنیے۔ آپ لکھتے ہیں:

## محرکات، مرکز اور آغاز تحریک:

جام پور، ضلع ڈیرہ غازی خاں (پنجاب) میں بلوچ قوم کا ایک معزز خاندان ''پتافی'' آباد ہے۔ سردار احمد خاں صاحب اس تپانی برادری کے ایک محترم بزرگ ہیں۔ آپ کو اور آپ کے برادر بزرگ سردار نور محمد خاں مرحوم کو قدرت نے ایک حساس دل اور روشن دماغ دے کر مسلمانوں کی خدمت کے لیے پیدا کیا۔ اس زمانے میں جب کہ بڑے بڑے سرمایہ دار خدمت اسلام کے لیے ایک پیسہ تک دینے کے روادار نہیں، متوسط درجہ کے ان زمیندار فرزندانِ توحید نے بیس پچیس سال پیشتر ہزاروں روپیہ قربان کیا اور صرف دامے، درمے نہیں قدمے، سخنے ہر ممکن طور پر اہل سنت کی تنظیم وترقی میں وافر حصہ لیا۔ افسوس کہ سردار نور محمد خاں مرحوم اس حسرت اور اس سوز وگداز کو دل میں لیے ہم سے رخصت ہو گئے۔ ان کی آنکھیں اہل سنت کا مرکز دیکھنے کے لیے ترستی رہ گئیں۔ البتہ سردار صاحب کی قسمت میں یہ سعادت لکھی تھی کہ وہ اس حسین تصور کو عالم وجود میں جلوہ گر دیکھیں۔

کوئی بیس سال کا عرصہ ہوتا ہے۔ آپ ایک وفد لے کر چلے۔ لاہور میں مولانا احمد علی صاحب، دارالعلوم دیوبند میں مولانا شبیر احمد صاحب، سیّد مرتضیٰ حسن صاحب وغیرہم اکابر اور دہلی میں علامہ مفتی کفایت اللہ صاحب سے ملے۔ تنظیم اہل سنت اور نظام تبلیغ کے مسئلہ پر گفتگو ہوئی۔ ہر صاحب نے ضرورت محسوس کی مگر اس سلسلہ میں عملی اقدام کے لیے کسی بزرگ نے اپنے آپ کو فارغ نہ پایا۔ کاش! اس کام کی اہمیت کے پیش نظر اکابر میں سے کوئی صاحب اپنے آپ کو دوسری تمام مصروفیات سے فارغ کر لیتے۔ کاش! اسے سیّدی مولانا مدنی علامہ سیّد سلیمان ندوی مولانا ابوالکلام آزاد جیسے بزرگ ہاتھ میں لیتے۔

اب دو صورتیں تھیں یا تو سردار صاحب بھی اپنے برادر بزرگ کی طرح یہ داغ قبر میں لے جاتے یا یہ کہ اپنے ناتواں اور کمزور بازوؤں پر اعتماد کرتے ہوئے توکلاً علی اللہ کام کا آغاز کر دیتے۔ سردار صاحب نے دوسرے پہلو کو ترجیح دی اور نہ ہونے سے کچھ ہونے کو بہتر سمجھا۔ ذی الحج ۲۶ھ مطابق ۱۲ر دسمبر ۱۹۴۳ء کو ضلع بھر کے علماء وامراء کے اجتماع میں مرکز اہل سنت کا قیام عمل میں آیا جس کے صدر بالاتفاق جناب نوابزادہ محمود خاں صاحب خلف الرشید جناب سردار محمد جمال خاں صاحب لغاری تجویز ہوئے۔

احمد اور محمود کا یہ قدرتی انتخاب، ایک عجیب انتخاب اور مبارک فال ہے۔ خدا کرے محمود، محمود ہو، بت

شکن محمود اور احمد، احمد ہو۔ غلامِ احمد'' جس کا غلام یعنی تحریک غلام احمد تحریک احمد کے قدموں میں دم توڑتی نظر آئے۔ آمین!

## مختصر روئداد اجلاس:

بصدارت سردار حاجی محمد علی خاں صاحب لغاری خلف الرشید جناب سردار حاجی دین محمد خاں صاحب مرحوم۔

## خطبہ صدارت:

اسلام عالمگیر مذہب ہے۔ بین الاقوامی چیز ہے۔ یہ کسی خاص قوم اور ملک کے ساتھ مخصوص ومحدود نہیں۔ اسی طرح یہ چند اعمال ورسوم کا نام نہیں بلکہ یہ انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں رہنمائی کرتا ہے۔ اِس کا محدود تصور غلط ہے۔ اور اس غلطِ تصور کی تبلیغ بھی غلط۔

## مقصدِ حیات:

انسانی خلقت و پیدائش کا مقصد صحیح ''عبادت'' ہے۔ کیا عبادت سے صرف فرائض وعبادات مراد ہے؟ نہیں! ہرگز نہیں! عبادت کا صحیح مفہوم قرآن اور حدیث کے واضح قانون کی سچی اطاعت و پابندی اور خدا اور رسول کے احکام وفرامین کے مطابق زندگی بسر کرنا ہے یہ آئین اور ضابطہ مکمل دستورِ زندگی اور مفصل ضابطہ حیات ہے ایسا مکمل اور مفصل، کہ اس میں کسی ترمیم وتبدیلی کی ضرورت ہے نہ نسخ واضافہ کی گنجائش۔ افسوس! کہ ہم نے اسلام کا صحیح مفہوم نہیں سمجھا۔ ہم زندگی کے ہر مرحلے پر اسلام سے رہنمائی کی درخواست نہیں کرتے۔ ہم اپنا ہر قدم اسلام کی روشنی میں نہیں اٹھاتے۔ ورنہ آج ہماری یہ حالت نہ ہوتی۔ مسلمان خدائی فوج کا وفادار سپاہی ہے۔ امت مسلمہ کا فرض ہے کہ وہ ایک فوج بن کر دنیا پر چھا جائے۔ مگر عہد حاضر کے درندوں کی طرح نہیں! جو اپنے عمل سے خدائی کے دعویدار ہیں۔ مسلمان خدا کا بندہ بن کر اُٹھتا ہے وہ اس غرض کے لیے دنیا پر چھا جانا چاہتا ہے کہ آئین خدا کا نفاذ ہو اور حدود اللہ کا اجراء ہو وہ حق وصداقت کے لیے لڑتا ہے اور امن وآزادی کے لیے جان عزیز تک قربان کر دیتا ہے۔

آج ہندوستان کی ہر چھوٹی بڑی جماعت یہ کہتی ہے کہ ہندوستان آزاد ہو۔ مسٹر چرچل چاہتے ہیں کہ یورپ ہٹلر کے ظلم وتشدد، قہر واستبداد سے نجات پائے۔ مگر غور فرمائیے! اسلام کیا چاہتا ہے؟ اسلام چاہتا ہے ساری دنیا جبر وتشدد اور فتنہ وفساد سے پاک ہو ایک مومن کہتا ہے کہ جب تک خدا کی سرزمین فتنہ وفساد سے

پاک وصاف نہ ہوگی میں چین سے نہیں بیٹھ سکتا جب تک میں دنیا میں موجود رہوں گا، ظالم کا ہاتھ پکڑ لوں گا اسے مشق ستم اور ہوس رانی کی اجازت نہ ہوگی۔مگر یہ اس وقت ہے کہ مومن پکا اور سچا مومن بنے۔ اگر ہمارا ایمان کامل نہیں ہے ہمارے قلب کا کوئی گوشہ نورِ ایمان سے منور نہیں ہے تو دوسروں کی آزادی وخدمت تو بجائے خود ہم خود چین سے سپین تک ہر جگہ مجبور اور غلام ہیں۔

ضرورت یہ ہے کہ اوّل ہم اپنا ایمان کامل اور زندہ کریں پھر ایک مخلص جماعت کا قیام کریں۔ آنحضرت ﷺ نے قیام جماعت پر انتہائی زور دیا ہے مگر اسلامی جماعت جو خالصاً لوجہ اللہ کام کرے علماء ومبلغین کی یہ جماعت عوام تک خدا اور رسولِ خدا کا پیغام پہنچائے اور عامۃ الناس کے سامنے اسلامی تہذیب اور اسلامی روایات پیش کرے۔ دنیا کو بتلائے کہ اسلامی تمدن کیا ہے۔ اسلامی کلچر کسے کہتے ہیں؟ بے خبروں کو سمجھائے کہ اسلام صرف نماز روزہ اور حج وزکوٰۃ تک محدود نہیں بلکہ معاملات لین دین، اخلاق وسیاست، حتی کہ خور ونوش، نشست وبرخاست، رفتار وگفتار۔ الغرض انسانی زندگی کے تمام فردعات پر نگرانی رکھتا ہے، کنٹرول کرتا ہے۔ بہرحال ضرورت ہے کہ مسلمانوں کو قرآن وحدیث کی صحیح تعلیم دی جائے جبھی تو ایک مسلمان سچا مسلمان بن سکتا ہے۔

مروّجہ تعلیمی نصاب اور مروّجہ نظام تعلیم نقائص ومعائب سے پُر ہے کالج کی تعلیم ہمیں اسلام سے بغاوت پر آمادہ کرتی ہے ہمارے دماغ میں اشتراکیت وفسطائیت وغیرہ خلافِ اسلام تحریکات کی تخم ریزی کی جاتی ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ مارکس نے یہ کہا۔لینن نے وہ کہا، ہٹلر کیا چاہتا ہے۔ اس فضا میں یہ جذبہ باقی رکھنا کہ خدا کیا چاہتا ہے اس کا رسول کیا فرماتا ہے بسا مشکل بلکہ ناممکن ہے۔

اگر کوئی سعادت مند نوجوان کالج سے یہ دھن بھی باقی لے کر نکلتا ہے کہ اسلام کیا چیز ہے؟ قرآن کیا کہتا ہے تو چونکہ وہ عربی تعلیم سے بے بہرہ ہوتا ہے اور انگریزی مطالعہ کا خوگر، تو اسے اس موضوع پر جو انگریزی کتابیں پڑھنے کو ملتی ہیں وہ یا تو انگریز کے زور قلم کا نتیجہ ہوتی ہیں یا مرزائی کے فہم وفکر کا۔ انگریز مصنف ہمارے نوجوان کو اسلام سے بدظن اور اسلامی تمدن سے متنفر کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ باقی رہا مرزائی لٹریچر، تو وہ ازاں بدتر۔

ان حالات میں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ اسلام کی صحیح تبلیغ کی جائے اور اسلامی زندگی کی صحیح تصویر پیش کی جائے۔ دنیا کو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے قدموں میں لایا جائے۔ اس میں اسلامی دنیا کا نہیں تمام دنیا کی مشکلات کا حل ہے اور اس سے ہر قسم کے اضطراب کا ازالہ اور مصائب کا خاتمہ ہوگا۔

صدر جلسہ کے ان ارشادات کے بعد محترم سردار احمد خاں صاحب پتافی نے فرمایا: صدر محترم کے ارشادات کی روشنی میں اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا اس قسم کی کوئی تبلیغی جماعت کہیں موجود ہے؟ اگر نہیں اور افسوس ہے کہ نہیں۔ تو ہمیں وہ جماعت پیدا کرنی ہوگی۔ قرآن وحدیث پر عامل اور اسلامی تعلیمات وروایات کی حامل صرف جماعت اہل سنت ہے۔ ساری دنیا میں اس کی زبردست اکثریت ہے۔ مگر ہمارا کوئی مرکز نہیں، تنظیم نہیں، نظامِ تبلیغ نہیں۔

کاش! یہ تحریک کسی اسلامی ملک سے اٹھتی۔ کاش! شاہ فاروق یا سلطان ابن سعود اسے ہاتھ میں لیتا۔

تعلیمی محاذ پر یونیورسٹی کے مقابل یونیورسٹی اور کالج کے مقابلہ میں کالج قائم ہے۔ سیاسیات میں بھی مسلمانوں نے کانگرس کے مقابلہ میں مسلم لیگ کی بنیاد ڈالی۔ جمعیت اور احرار بھی ہے۔ بہرحال اس پلیٹ فارم پر بھی کچھ نہ کچھ ہو رہا ہے۔ مگر تبلیغ کا میدان اس وقت تک خالی ہے۔ آج ہندوستان بھر میں چراغ لے کر ڈھونڈیں گے تو آپ کو کہیں اہل سنت کا تبلیغی مرکز نظر نہیں آئے گا۔ حالانکہ اسی سرزمین پر عیسائیوں، آریوں، مرزائیوں اور شیعوں کے سینکڑوں ادارے اور مراکز برسرِپیکار ہیں۔

## اہل سنت کی حدود:

شیعہ کی سرگرمیاں بدگوئی صحابہ رضی اللہ عنہم تک محدود ہیں۔ شیعہ زندگی کا پروگرام، ماتم وسینہ کوبی اور سبّ وشتم پر مشتمل ہے۔ مرزائیوں نے انسانی سعادت کے بلند ترین وہبی مقام ''نبوت'' کو بازیچہ اطفال بنا کر وحدت امت کا شیرازہ تار تار کر دیا ہے۔ ان فِرَق باطلہ سے ملت حقہ کا اتفاق واتحاد ناممکن ہے۔ باقی تمام مسلمان اہل سنت والجماعت کے دائرہ میں داخل ہیں اور ہمارا حلقہ عمل یہی دائرہ ہوگا۔

محترم مولوی مشتاق احمد صاحب، برادرم صوفی کریم بخش صاحب، محترم مولوی غلام محمد صاحب حاجی پوری، حافظ نبی بخش صاحب (ڈھنگانہ) اور راقم الحروف کی مختصر تقاریر کے بعد باتفاق رائے اہل سنت والجماعت کی تنظیم اور مرکز تبلیغ کے قیام کی شدید ضرورت محسوس کی گئی۔

## مجلس شوریٰ:

سولہ معزز اراکین پر مشتمل ایک مجلس شوریٰ مرتب کی گئی جس کی صدارت جناب نوابزادہ محمود خاں صاحب کو پیش کی گئی اور نائب صدر سردار حاجی محمد علی خاں صاحب قرار پائے۔

## فراہمی سرمایہ:

اس مبارک تحریک کو چلانے کے لیے فراہمی سرمایہ کی ابتدا اسی مجلس سے کر دی گئی۔ مکرم صاحب صدر اور محترم نائب صدر نے تین ہزار، سردار احمد خاں صاحب پتافی نے دو ہزار، انجمن اسلامیہ راجن پور اور انجمن اسلامیہ کوٹلہ مغلاں نے ایک ایک ہزار روپیہ سالانہ دینا منظور فرمایا۔ قرار پایا کہ عملی اقدام کے متعلق تفصیلات پر غور وخوض کرنے کے لیے ۹ر جنوری کو مجلس شوریٰ کا اجلاس ہو۔

## کارروائی اجلاس مجلس شوریٰ:

۱۲ر محرم ۱۳۶۲ھ (۹ر جنوری ۱۹۴۴ء) کو بصدارت صدر مرکز جناب نوابزادہ صاحب مجلس شوریٰ کا اجلاس ہوا۔ جس میں تحریک کے اغراض ومقاصد کی تعیین اور دستور العمل کی ترتیب عمل میں آئی۔ مجلس شوریٰ، مجلس عاملہ اور عہدہ داران کے فرائض واختیارات متعین ہوئے اور مجلس عاملہ تجویز کی گئی۔

## اراکین مجلس عاملہ:

۱: جناب نوابزادہ محمود خاں صاحب (صدر)
۲: جناب سردار حاجی محمد علی خاں صاحب (نائب صدر)
۳: جناب سردار احمد خاں صاحب تپانی (ناظم)
۴: جناب مولوی مشتاق احمد صاحب فاضل دیوبند
۵: جناب مولوی شیخ محمد عبداللہ صاحب فاضل دیوبند
۶: جناب مرزا حاجی یار محمد صاحب رئیس کوٹلہ مغلاں
۷: سید نور الحسن بخاری (مہتمم)

یاد رہے کہ سردار احمد خاںؒ پتافی ایک بہترین مقرر اور لکھاری بھی تھے، ملک وملت اور خصوصاً دفاع صحابہؓ کا جو جوش وولولہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں رکھا تھا، اس کی نظیر کم از کم خطۂ برصغیر کے جاگیردار طبقہ میں ڈھونڈنا تو وقت ضائع کرنے کے مترادف ہے۔ ہم اس سے قبل جو وسطی پنجاب کے بعض گدی نشینوں اور شیعہ جاگیرداروں پہ بحث کر آئے ہیں، اس کا اُس بحث سے تعلق کر کے سردار صاحب موصوف کی جذبہ ایمان وایقان کا جائزہ اب آسانی لیا جاسکتا ہے۔ بہرکیف آپ ایک مدبر، صاحب بصیرت اور ہر طرف نگاہ رکھنے والے باصلاحیت قائدانہ عظمتوں کے پیکر تھے۔ آپ کو اپنا مافی الضمیر بیان کرنے پر قدرت کی جانب سے

بہترین اور سلیقہ دار ملکہ نصیب ہوا تھا، چنانچہ تنظیم اہل سنت کی تشکیل کے بعد ان کے بعض تعارفی خطبے اور مطبوعہ تحریریں دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ جب ملک وملت کا درد سینے میں اُبل رہا ہوتو اس وقت کیفیات کا ظہور کیسے ہوتا ہے؟ سردار صاحب نے ابتداء میں جوسنی قوم کو پیغام دیا تھا، وہ اس زمانہ میں ''جہد للبقاء'' کے نام سے ٹریکٹ کی صورت میں پورے برصغیر میں چھپے تھے، پھر آپ نے لاہور میں ۱۹۴۵ء میں ہونے والی آل انڈیا تنظیم اہل سنت کانفرنس میں جو خطبۂ صدارت پیش کیا تھا، اس نے علماء وزعماء سب کو ششدر کر کے رکھ دیا تھا۔ خوفِ طوالت کے باوجود ہم سردار صاحب موصوف کی جدوجہد کا مطبوعہ مگر مدفون خزانہ پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں، اس سے تنظیم اہل سنت کے خدوخال کا پورا نقشہ بھی سمجھ میں آئے گا، اور مولانا محمد نافع رحمہ اللہ جیسے ذی علم اور سنجیدہ اہل علم کا تنظیمی پلیٹ فارم منتخب کر کے سردار صاحب کی قیادت قبول کرنے کی وجوہات بھی علم میں آجائیں گی۔ اسکی ابتدائی چند سطور مولانا سید نورالحسن شاہ بخاری رحمہ اللہ نے رقم کی تھیں۔

# جہد للبقا

(از محترم سردار احمد خاں صاحب پتافی رحمہ اللہ بانی تحریک)

## تمہید وتعارف:

خدا اپنے دین کی خدمت جس سے چاہے لے لے۔ یہ اس کا لطف وکرم اور فضل واحسان ہے۔ اس میں انسان کے فضل وکمال کو دخل ہے نہ مال واقتدار کو۔ ہندوستان میں بڑے بڑے صاحب علم وحکمت، ارباب حکم ودولت گزرے ہیں اور ہیں۔ مگر خدمت اسلام کے ایک اہم شعبہ...... تنظیم ملت اور نظام تبلیغ ...... کی طرف آج تک کسی کو عمل واقدام کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔ اس لیے نہیں کہ اس شعبہ کی ضرورت میں کسی کو تامل وتردد ہو۔ سب اس کی اہمیت کے قائل اور معترف ہیں۔ پھر یہ فروگزاشت کیوں؟ خدا جانے! ہم اس فروگزاشت کو امت مسلمہ کے لیے ایک حادثہ سے تعبیر کریں گے۔ بالآخر قدرت نے اس عظیم الشان خدمت کے لیے اپنے جس بندے کا انتخاب کیا۔ وہ نہ مستند عالم وفاضل ہے۔ نہ بہت بڑا سرمایہ دار! جام پور ضلع ڈیرہ غازی خاں کا ایک اوسط درجہ کا خوشحال زمیندار ہے۔ جسے مبدأ فیض سے ایک حساس وبے قرار دل اور روشن وبیدار دماغ عنایت ہوا ہے۔ تحریک تنظیم کا تصور وتخیل آپ کے دل ودماغ کی پیداوار ہے۔ میں ہوں یا نوابزادہ محمود خاں، حاجی محمد علی خاں ہوں یا حاجی یار محمد خاں، مولوی مشتاق احمد صاحب ہوں یا مولانا لال

حسین اختر، برادرم عبد الرحیم خاں ہوں یا صوفی کریم بخش، سب آپ کے ''خود کاشتہ'' پودے اور آپ کے لگائے ہوئے بیل بوٹے اور پھل پھول ہیں۔ اس باغ کے مالی، تحریک کے بانی اور جماعت کے موسس صرف آپ ہیں۔ اور اس نظام کا کریڈٹ صرف آپ کو حاصل ہے۔ جزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

تحریک رامحرک نیکو کند بیاں۔ آپ نے اپنے قلم سے تحریک کے متعلق چند رسالے مرتب فرمائے ہیں۔ جو مرکز کی طرف سے شائع ہو چکے ہیں۔ ان میں سے ایک رسالہ جہد للبقاء ہے۔ جس کا ایک حصہ بعنوان ''اہل سنت کو دعوتِ تنظیم'' اس وقت ہدیۂ قارئین کرام ہے۔ (نور الحسن شاہ بخاری)

# اہل سنت کو دعوتِ تنظیم

## ضرورتِ تنظیم:

آنکھیں کھولو تو دیکھو گے کہ یہ زمانہ محض جماعتی زندگی کا زمانہ ہے۔ اکیلی اور انفرادی زندگی بسر کرنے والوں کو کوئی حق نہیں کہ وہ زندہ رہیں۔ ان کا کوئی حق نہیں کہ ان پر رحم کیا جائے۔ بلکہ ان کا حق ہے کہ مرمٹیں۔

اسلام نے تو اپنی بنیاد ہی جماعتی زندگی پر رکھی ہے۔ ہم اکیلے نماز نہیں پڑھ سکتے۔ اکیلے حج نہیں کر سکتے۔ اکیلے زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔ اور مشاورت کے بغیر اکیلے خلافت نہیں کر سکتے۔ بلکہ مسلمان اگر ہم سفر ہوں تو جب تک آپس میں منظم نہ ہوں اور امیر سفر منتخب نہ کریں ان کا طریق سفر غیر مسنون اور منحوس ہوگا۔

## اہل سنت کا انتشار:

ہم دیکھتے ہیں کہ افراد اہل سنت ایسے زمانہ میں بھی اسی اکیلے پن اور انفرادیت کی نحوست میں بری طرح مبتلا ہیں۔ نہ انہیں احکام خدا ورسول کا پاس ہے۔ نہ انہیں توفیق ملتی ہے کہ اپنے ہمسایہ فرقہ جات، آریہ مرزائی، سکھ، عیسائی کو دیکھ سکیں۔ وہ اس قدر جہالت وجمود میں مبتلا ہیں کہ انہیں کچھ نظر نہیں آتا۔

## اہل سنت کا بلند مقام:

جماعت اہل سنت ماشاء اللہ سیاسی اور مذہبی معیار کے اعتبار سے بہت وسیع اور جامع واقع ہوئی ہے۔ اسلامی تعلیم، عمل شارع علیہ السلام، اعمال صحابہ کرام اور سند تابعین رحمہم اللہ کی رو سے تقسیم دولت، سرمایہ شکنی اور

جمہوریت کے تازہ ترین اور مفید ترین اقتصادی وسیاسی نظریوں کی اساس وبنیاد کا سراغ اسی جماعت اہل سنت میں ملے گا۔ اور بالآخر ان نظریوں کو اسی جماعت میں پناہ ملے گی۔ اور مذہبی لحاظ سے بھی قرآن وحدیث اور اعمالِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سند کے بعد جہاں تک فقہ اور اجتہاد کا تعلق ہے، فروعات میں یہ جماعت ائمہ اربعہ میں حق دائر اور سائر سمجھتی ہے۔ گویا ان کے جس قدر اختلافات ہیں ان سب کو فروعات کے درجہ میں ڈالا گیا ہے۔ اس کے علاوہ وقتی حالات اور ضرورت کے متعلق کوئی بزرگ استخراج مسائل میں اپنی تحقیقات سے بھی کام لیں۔ اور یہ تحقیق قرآن، حدیث اور اعمالِ صحابہ کرام کی روشنی میں ہو تو اس پر بھی جماعت کو کوئی اعتراض نہیں۔ اس جماعت کو تکفیر میں اس قدر عظیم تامل ہے کہ کسی کے قول میں ایک فیصدی بھی احتمالِ ایمان پایا جائے تو فتویٰ تکفیر میں عجلت نہ چاہیے۔ اس کا یہ مسلک اتنا معروف ہے کہ اس بارہ میں نہ حوالہ جات کی ضرورت ہے نہ گنجائش۔

لیکن آج بدنظمی اور بے مرکزی کی وجہ سے جب جماعت کا تبلیغی شیرازہ نہ رہا تو اس کی وسیع الخیالی اور رواداری باعث صد رحمت ہونے کی بجائے وبال جان اور زحمت بن گئی۔ وقتی حالات سے پیدا شدہ صورت حالات کے گوشے کونے سنبھالے نہ جاسکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فرقہ جات باطلہ کو گنجائش اور سمائی مل گئی۔ اب جبکہ ربط وتنظیم قوموں کے لیے بقاء وحیات کا درجہ رکھتی ہے۔ اور بے ربطی، انتشار وانفرادیت بلا مبالغہ موت وفنا کے مترادف ہے۔ تو ایسے وقت میں بھی یہ جماعت اہل سنت اپنا شیرازہ اس قدر بکھیر چکی ہے کہ اس پر لفظ جماعت کا اطلاق ہی ناجائز ہے۔ یہ برائے نام جماعت ایک آوارہ بھیڑ کی حیثیت میں زندگی بسر کر رہی ہے نہ یہ کہنے سے سمجھے اور نہ کوئی اسے سمجھائے۔ درحقیقت یہ عجیب طرح کی افراتفری میں مبتلا ہے۔ ایسے حالات میں اسے جو بھی لوٹنا چاہے لوٹے اور جو بھی بہکانا چاہے بہکائے۔ ہر پولیٹیکل کھلاڑی کے لیے یہ ایک عمدہ فیلڈ ہے۔ اس کے مفاد کو قربان کر کے مراتب اور مناصب حاصل کیے جاتے ہیں۔ ہر مذہبی موجد کے واسطے یہ ایک عمدہ شکارگاہ ہے اور بنا بنایا ذخیرہ ہے۔ جو بھی دعویدار اٹھے اس کا ایک حصہ بے تکلفی کے ساتھ اپنی پیروی اور اقتدار کے لیے چھانٹ لے۔ اس کا نہ کوئی نظام اور نہ کوئی پروگرام اس کے افراد تبلیغی بے مرکزی کے سبب لاوارث، آوارہ اور مخالفین کے اعتراضات سے ذلیل وعاجز۔ بلکہ ہر نئے فتنے کو قبول کرنے کے واسطے آمادہ اور تیار ملتے ہیں۔

جماعت اہل سنت کے ذمہ دارو! خدارا اب بھی سنبھلو! جماعتی زندگی کی طرف رہبری کر کے اپنی جماعت کی خودی بیدار کرو۔ اسلامی اصول اور اسلامی عقائد اور اسلامی مسائل چرا کر، یا ان میں کچھ اپنا لیمو نچوڑ کر

لوگ اپنا لیبل لگا لیتے ہیں۔ پھر ان کو اپنی طرف سے پیش کر کے اپنی خود نمائی کرتے پھرتے ہیں۔ تم دوسروں کی تعریف و مدح سرائی اور ان کی خوبیوں کو سراہنا چھوڑ کر خود اسلام پر عمل کرو اور اسلام پیش کرو۔

## مشترک مفاد:

پہلے اسلامی انجمنیں منظم ہو جائیں۔ پھر بین الاقوامی مسائل کی باری آئے گی۔ بفضلہ تعالیٰ اس موقع پر بھی جماعت اہل سنت اپنی روایتی رواداری اور فراخ دلی کا ثبوت دے گی۔ شیعہ اور مرزائی فرقہ کو ہم جس قدر گمراہ اور اضل سمجھیں پھر بھی دیکھنا ہوگا کہ کس مشترک مطالبہ، کس مشترک پلیٹ فارم اور کن شرائط کے تحت ان کے ساتھ تعاون اور اشتراک عمل ہو سکتا ہے۔ اور ملکی حقوق اور ملکی مطالبات کے مشترک پلیٹ فارم پر غیر مسلم اقوام کے متعلق ہمارے فرائض کیا ہیں۔ اس وقت حالت یہ ہے کہ ہمارے کئی افراد مشترک پلیٹ فارموں پر پیش پیش ہوتے ہیں تو ان کو اپنا جماعتی پروگرام کلیتاً فراموش ہو جاتا ہے۔ اور ہمارے جن افراد کو اپنی جماعت کا قدرے احساس ہے انہوں نے مشترک پلیٹ فارم کو قطعاً نظر انداز کر رکھا ہے۔ الغرض نہ تنگ نظری میں کوئی حد ہے اور نہ وسعت نگاہ میں امتیاز!

؎ بگڑی ہے کچھ ایسی کے بنائے نہ بنے

## تعمیری پروگرام:

جب بھی اصلاح و تنظیم اہل سنت کا ذکر ہو تو مسلمانوں کے اس طبقہ کا ذہن جو سیاست سے کسی قدر دلچسپی رکھتا ہے۔ فوراً محض عقائد کی ایسی محدود آویزش اور غیر ضروری بلکہ فضول مصروفیت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، جس کی متحمل سیاسی فضا نہیں ہو سکتی۔ اس لیے اس تحریک کا نام سن کر وہ طبقہ بے ذوق ہو جاتا ہے۔

ٹھیک اسی طرح جب کسی سیاسی تحریک کا تذکرہ ایسے افراد اہل سنت کے سامنے کیا جائے جو قدرے مذہبی شغف رکھتے ہیں تو یہ لوگ اپنے جماعتی انتشار اور انحطاط کو دیکھ کر اور یہ سمجھ کر بے دل ہو جاتے ہیں کہ جب ہمارا کوئی جماعتی نظام ہی نہیں تو سیاسی حقوق اگر مل بھی گئے تو ہمارے کس کام کے؟

ان حالات میں ہماری پوزیشن یہ ہے کہ ہم اپنی تحریری و تقریری مساعی کو عقائد کی بحث تک محدود نہ رکھیں گے بلکہ مخالفین کے بالمقابل دعوت و مدافعت کے علاوہ جماعت اہل سنت کے تنظیمی اور تعمیری پروگرام کے نفاذ و ترویج پر پوری قوت صرف کر دیں گے۔ ٹھیک اسی طرح، جس طرح سکھ پنتھ اور آریہ سماج نے بیک وقت کھنڈن اور منڈن کا کام ہاتھ میں لے رکھا ہے۔

راہِ نجات بس یہی ہے کہ ایک مضبوط مرکز کے ذریعہ افراد اہل سنت کو شہری اور مضافاتی جماعتوں میں منظم کیا جائے۔ زندگی کے دنیوی شعبوں میں ان کی رہنمائی کرنے کے ساتھ مخالفین کے حملوں سے ان کی حفاظت اور سرپرستی کی جائے۔ آج یہ چیز فرض عین ہے۔ یہ تمام اغراض سے بالاغرض ہے۔ آپ یتیم کی پرورش کرتے ہیں جو بلاشبہ ایک مستحسن امر ہے۔ مگر ان کے ایمان کی حفاظت کا کوئی سامان نہیں کرتے۔ یتیم ہماری امداد اور ہمارے روپے سے پڑھ کر ایم۔ اے کر کے اغیار کے ہاتھ چڑھ جاتا ہے اور تنخواہ کا بڑا حصہ اپنے مرکز میں دیتا جو ہمارے خلاف استعمال ہوتا ہے۔ فرمایئے! یہ مار آستین آپ نے پالا یا نہیں؟

یتیم کا سوال نہیں، میں تو کہوں گا جب تک دینی تربیت اور تحفظ عقائد کا اہتمام نہیں اپنی اولاد کی تولید اور پیدائش کا سلسلہ بھی ملتوی کر دیا جائے۔ کیا مسلم خون سے ایک کافر وجود کی موجدگی کی نسبت اس کی غیر موجودگی بہتر نہیں؟

## اغیار پر دلچسپ تنقید:

جماعت اہل سنت کے علمبردارو! تمہیں کوئی پرواہ نہیں کہ تمہارے کنبے اور تمہاری برادری میں سے کتنے شیعہ بنے؟ کتنے مرزائی بنے، اور کتنے دہریہ۔ باقی کتنے اس حالت میں ہیں کہ ذرا کہیں سے کوئی تحریک ہو۔ کوئی دعوت آئے تو وہ تمہاری بے مرکزی، بدنظمی اور جماعتی انتشار کا شکوہ کرتے ہوئے گمراہ فرقہ جات کے محض نظام اور انتظام کا شکار ہو جائیں۔ ورنہ کسی صحیح الفطرت مسلمان تو بجائے خود، ایک صحیح العقل انسان کے لیے بھی ان قدیم وجدید مذاہب میں کیا کشش ہوسکتی ہے۔

## شیعیت:

مثلاً شیعہ فرقہ کا پروگرام دیکھیے۔ ساری عمر خلافت اور باغ فدک کے جھگڑے کی بنا پر حضرات خلفائے راشدین کے حق میں بدگوئی کرنا اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کو شکست کا رنگ دے کر معرکہ کربلا سے پامردی اور استقامت کا سبق لینے، اور ان کو ہدیہ تبریک پیش کرنے کی بجائے ساری عمر رونا دھونا ان کا مشغلہ ہے۔

غور کیجیے! جس خلافت کے متعلق ٹھیک موقع ومحل پر حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسا جری اور بہادر اور بقول شیعہ دعویدار خلافت خود تو خاموش اور روادار رہے لیکن تیرہ سو سال گزر جانے کے بعد ایسے اشخاص جو عام طور پر

طہارت عامہ سے بھی عاری ہوں۔ بڑی جسارت کے ساتھ خلافت کا جھگڑا چکانے میں مصروف نظر آتے ہیں۔ ان سے کوئی نہیں پوچھتا کہ تیرہ صدیوں کے بعد تم نے یہ کیا مذاق بنا رکھا ہے اور اب تم چاہتے کیا ہو؟ اگر یہ کوئی جھگڑا تھا تو اس کے نمٹانے کا وقت وہی تھا کہ خود جناب حضرت علی رضی اللہ عنہ تلوار اٹھا کر بطور دعویدار کھڑے ہو جاتے۔ ان کے سامنے، ان کی موجدگی میں ایک کے بعد دوسری، دوسری کے بعد تیسری پے در پے تین خلافتیں قائم ہوتی رہیں مگر وہ خاموش رہے۔ ان کو کیوں اتنا بزدل بناتے ہو کہ وہ اتنے عرصہ میں اپنا دعویٰ لے کر کھڑے نہ ہو سکے؟ اور اگر انہوں نے اس وقت اختلاف و مخالفت مناسب نہ سمجھی تو تیرہ سو سال کے بعد تم نے یہ کیا بے وقت کا شور مچا رکھا ہے۔ بقول آپ کے انہوں نے عین وقت اور ٹھیک موقع پر تو تقیہ اختیار فرمایا لیکن ان کے عمل کے خلاف اس وقت تم کو تقیہ چھوڑنے کا کون سا احسن موقعہ ہاتھ لگ گیا ہے جب کہ نہ خلافت ہے نہ خلیفہ۔

صلح کے لیے اور بالآخر بات رفع دفع کرنے کی خاطر اگر ہم آپ کی حمایت کرنا چاہیں تو اب کون سی خلافت خالی ہے۔ اور آپ کس صاحب کو مسند خلافت پر بٹھانا چاہتے ہیں؟ یا صرف بدگوئی کے لیے یہ شغل ہی آپ کو مرغوب ہے؟

درحقیقت حضرت علی حضرات خلفاء کی خلافت کے روادار تھے اور یہ خلافتیں ان کو منظور تھیں۔ ورنہ تقیہ اگر اتنا محبوب عمل تھا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے وقت کیوں اختیار نہ کیا گیا۔ اور ان کے خلاف کیوں کھلم کھلا لڑائی منظور کر لی گئی؟

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بھی خدا معلوم ہم لوگوں کے کیا کیا خیالات ہوتے۔ لیکن خود حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے ان کی بیعت کر کے معاملے کی اہمیت بالکل مٹا دی اب آپ امام حسن رضی اللہ عنہ کو کیا کہیں گے؟ شاید آپ ان پر بھی تقیہ کا الزام دیں۔ لیکن امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنی تھوڑی جمعیت کے باوجود تقیہ کی آبائی سنت کیوں چھوڑ دی حالانکہ وقت کی نزاکت اور مصلحت کے لحاظ سے ان کو تقیہ کی سخت ضرورت تھی۔ باغ فدک کو جناب علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں بھی واپس نہ فرمایا۔ گویا خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی طرح بقول آپ کے وہ بھی اس جرم کے مرتکب ہی بنے۔

دیکھیے! اور غور کیجیے! جناب علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما نے خود اپنے عمل سے شیعہ لوگوں کے لیے ایک ایک عنوان کو کس خوبی اور کس صفائی سے توڑ دیا ہے۔ رہی حضرت امام حسین کی شہادت، اللہ تعالیٰ ان کو مبارک کرے۔ انہوں نے تقیہ کو منافقت سمجھا۔ حق پر اڑے اور مردانہ وار لڑے۔ ''شہادت'' اسلام

میں ایک بلند ترین مقام ہے۔ اس واقعہ کو بھی اپنا اصلی درجہ ملنا چاہیے نہ یہ کہ اپنی فیس کی خاطر ان کو ذلیل، عاجز، اور درماندہ دکھا کر ان کی شکست اور عاجزی کا مظاہرہ ضروری سمجھا جائے۔ اور ایک ہی بات کو بار بار دہرا کر مذہب کو محض رونے دھونے تک محدود کر دیا جائے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ "یہ مذہب صرف ماضی کو رونے والا مذہب ہے۔ اس کا کوئی مستقبل نہیں۔" اسلام اپنی اشاعت اور اللہ کا نام بلند کرنے کرانے کا طالب ہے مگر اس مذہب کے پیروؤں کو حضرات خلفائے عظام کے حق میں بدگوئی کرنے اور امام حسین رضی اللہ عنہ کو عاجز اور بے بس جان کر ان کے حق میں رونے دھونے سے فرصت نہیں۔ سالوں پہ سال، اور صدیوں پہ صدیاں گزر چکی ہیں۔ لیکن ان کی مصروفیت رونے سے آگے نہیں بڑھتی اور نہ آئندہ بڑھے گی۔ حضرات اہل بیت کی جتنی زیادہ توہین وذلت بیان کی جائے اتنی زیادہ ان کی مجلس گرم اور با رونق ہوتی ہے۔ ذاکر وہی کامیاب رہتا ہے جو خاندانِ نبوی کو زیادہ ذلیل زیادہ بے بس اور زیادہ عاجز بیان کرے۔ الغرض اس تمام گورکھ دھندے میں کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی، کوئی کام ہو تو شرکت کی جائے، کوئی تجویز ہو تو حمایت کی جائے۔ اس فرقہ میں ہے کیا؟ صرف دائمی گریہ، دائمی بدگوئی۔ کیا یہ مشاغل مذہب کہلانے کے لائق ہیں؟ استغفر اللہ ثم استغفر اللہ!

دشنام کہ در مذہبے طاعت باشد
مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم!

## مرزائیت:

مختصراً اور محض مختصراً مرزائیت کو لیجیے۔ اس میں سب سے بڑا انوکھا دعویٰ یہ ہے کہ مرزا صاحب (خدانخواستہ) نبی تھے اور ان کی سب سے انوکھی تعلیم یہ ہے کہ جہاد منسوخ ہے۔ ورنہ باقی عقائد اور مسائل اسلامیہ کے متعلق اس جماعت کا مسلک یہ ہے کہ ان مسائل اور عقائد کی سابقہ اختلافی صورتوں میں سے کسی ایک کو قبول کر لیتی ہے۔

اپنے ممتاز مسلک تنسیخ جہاد کی تاویلیں تو حالات حاضرہ سے مجبور ہو کر ان کے پیروؤں نے ابھی سے شروع کر دی ہیں۔ البتہ ایک بڑی خدمت یہ بیان کی جاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کی خبر دے کر انہوں نے الوہیت مسیح کی جڑ کاٹ دی ہے۔ حالانکہ اس قسم کی جڑیں ۱۳۰۰ سو سال سے قرآنِ کریم نے مکمل طور پر کاٹ کر رکھ دی ہیں۔ حیات وممات کے مسئلہ کو خواہ مخواہ الوہیت کی جڑ قرار دے گیا گیا۔ اپنی نبوت کا رستہ صاف کرنے کے لیے تو بے شک یہ ایک بہت ہی عمدہ اور مفید عنوان ہے۔ لیکن فی الحقیقت الوہیت کی

جڑ کاٹنی تھی تو عیسیٰ علیہ السلام کا باپ ثابت کرنے کے لیے چند الہامات حاصل کر لیے جاتے۔ پھر تو قصہ ہی پاک تھا۔ ''نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔'' الوہیت کا تخیل تو پیدا ہی اسی عقیدہ سے ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ کوئی انسان نہ تھا۔ اسی وجہ سے حضرت بی بی مریم علیہا السلام کے حمل میں عیسائی لوگ خدا تعالیٰ ''جز نور'' اور نعوذ باللہ ''نطفہ'' وغیرہ کی مراد اور قرینہ لیتے ہیں۔ اور اسی لیے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا حقیقی بیٹا یقین کرتے ہیں۔ اور پھر اسی حقیقی بیٹے کی قربانی سے ''کفارہ'' کی اہمیت بڑھائی جاتی ہے۔ تین میں ایک اور ایک میں تین کا ناقابل فہم اور مضحکہ خیز فلسفہ محض اسی عقیدہ کی پیداوار ہے۔ حیرت ہے اتنی موٹی جڑ تک تو مرزا صاحب کی نگاہ نہ پہنچی۔ اور وہ صرف اپنا پاؤں ٹکانے کے لیے حیات وممات جیسے غیر اہم عنوان سے بہل گئے۔ اپنی ساری عمر اور اپنی نبوت کا سارا زور اسی مسئلہ پر صرف کر دیا کہ عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں۔ اور میں ظلی، بروزی، تشریعی اور غیر تشریعی، مستقل اور غیر مستقل وغیرہ وغیرہ طرز کا نبی ہوں۔ ان دعاویٰ کا متعلقہ لٹریچر بہت دلچسپ ہے۔ اس میں نبوت کی تائید وتردید کا بہت بڑا مسالہ اور میگزین جمع ہے۔ ظلی اور حقیقی دعاوی کا جونسا پہلو لے لو اس میں اس کی حمایت وتردید دونوں موجود ہیں۔ دونوں مرزائی پارٹیوں کے مباحثے مرزا صاحب کے گول مول الہامات اور اقوال پر دلالت کرتے ہیں۔

بہرحال حیات وممات عیسیٰ علیہ السلام میں مرزا صاحب نے سرسیّد جیسے اوّلین وسابقین کی کاسہ لیسی ضروری سمجھی۔ اس کے ساتھ دعویٰ نبوت بھی جڑ دیا۔ لیکن ولادت مسیح کا معاملہ مرزا صاحب کے زیر غور آ ہی نہ سکا۔ یہی وجہ ہے کہ اتنے شور وغوغا کے باوجود اپنے تجویز کردہ جدید رنگ میں اور نیچری معیار پر مسیح کی الوہیت شکنی کا کام سرانجام نہ دے سکے۔ اس لحاظ سے تو لاہوری جماعت کے امیر زیادہ دانش مند اور زیادہ ہوشیار نکلے۔ ''پدر نتواند پسر تمام کند'' جوں توں کر کے اسرائیلیات وغیرہ سے عیسیٰ علیہ السلام کا باپ یوسف نجار ڈھونڈ ہی نکالا۔ اسے کہتے ہیں الوہیت کی جڑ کاٹنا۔ گو اس طرح سے قرآنِ شریف کا صریح انکار ہوتا ہے۔ لیکن الوہیت مسیح کی جڑ ضرور کٹ جاتی ہے۔ مگر ان کی اس ساری عرق ریزی کو صرف تحقیق کا درجہ دیا جا سکتا ہے جسے ایک دوسرا محقق فوراً ملیامیٹ کر سکتا ہے۔

دراصل یہ ولادت مسیح کا مسئلہ مرزا صاحب کی وحی اور چند ایک الہامات کا بہت محتاج اور پیاسا تھا۔ مگر وہ اپنی نبوت کی جدوجہد میں اتنے مصروف ہوئے کہ مقصد نبوت پر چنداں توجہ نہ دے سکے۔ اور یہ نہ سوچا کہ کس عنوان پر وحی والہام ''اتروانے'' کی سب سے مقدم اور سب سے زیادہ ضرورت ہے یہی وجہ ہے کہ یہ مسئلہ الہامی امداد سے قطعاً محروم رہا۔ اور اگر مرزا صاحب کے تجویز کردہ رنگ کی الوہیت شکنی فی زمانہ ضروری

ہے تو ایک صاحب الہام کی ضرورت بدستور باقی ہے (سو وہ بھی اب پوری ہوگئی) حقیقت یہ ہے کہ الوہیت شکنی تو جب ہو لیکن امت محمدیہ کی وحدت شکنی ضرور ہوئی۔ مرزا صاحب کے دعویٰ نبوت سے مخالفین کی وہ دیرینہ آرزوئیں اور مرادیں پوری ہوتی ہیں جو ان کی مسلسل اور متواتر متحدہ کوششوں سے پوری نہ ہوسکی تھیں۔ جس براعظم، جس ملک اور جس علاقہ کے مسلمانوں سے مخالفین کو واسطہ پڑا وہ ایک خدا اور ایک نبی اور ایک قرآن پر متحد پائے گئے۔ اسی وحدت نے مخالفین کو بہت ہی پیرشان کر رکھا تھا۔ اب مرزا جی کے دعاوی، ان کے وحی اور الہامات وغیرہ مہملات کو قرآن کے برابر کا درجہ حاصل ہے۔ اور مرزا صاحب نے اپنے دعویٰ نبوت کے ساتھ ساتھ اجرائے نبوت کا پھاٹک کھول کر ملک ملک اور موضع موضع کے لیے نبوت کا امکان پیدا کر دیا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ خود کوئی فائدہ نہ اٹھائے۔ اس طرح انہوں نے بخیال خود اسلام کی بڑی خدمت انجام دی ہے۔

''تفو بر تو اے چرخ گردوں تفو!''

## آریہ سماج:

اسی طرح آریہ سماج کو دیکھو! بیشک اس نے توہمات بھی توڑے کروڑں دیوتاؤں اور بتوں سے پیچھا چھڑانے میں بڑی بڑی منزلیں بھی طے کیں مگر بالآخر روح و مادہ کو خدا تعالیٰ کا ہم عمر اور غیر مخلوق مان کر اڑ بیٹھی۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ جماعت اس مقام پر کچھ عرصہ کے واسطے ٹھہری ہے اور دم لے رہی ہے۔ یہ پھر اٹھے گی یا کوئی اور سوامی ایک اور ریلا دے کر اسے اسلامی حدود میں پہنچا دے گا۔ اور یہ امر محال نہیں۔ دیکھیے! سلطان محمود غزنوی کے زمانہ میں کسی کے دماغ میں یہ بات کب آسکتی تھی کہ ایک وقت ایسا آنے والا ہے جب کہ ایک ایک آریہ نوجوان برسراجلاس کھلم کھلا محمود غزنوی کے فرائض سرانجام دینے لگ جائے گا۔ خود سوامی دیانند کو یہ خواب وخیال میں بھی نہ آیا ہوگا کہ ان کی وفات کے فوراً بعد بیوہ عورتوں کے باقاعدہ نکاح ہونے لگ جائیں گے اور دھڑلے سے ان کی شادیاں شروع ہوجائیں گی۔ عورتوں کو وراثت ملے گی اور طلاق بل پاس ہوں گے۔ درحقیقت انسانیت نے فطرتی مذہب کو تلاش کرنا ہے اور آریہ سماج کے لیے تو یہ منزل بہت تھوڑی رہ گئی ہے۔

آج ہماری بات محمود غزنوی کے عمل کی طرح شاید اچھی نہ لگے۔ لیکن سوامی دیانند کی مانند ان کا کوئی اپنا ریفارمر ضرور مزید رہبری کرے گا۔ پھر سچی بات یہ ہے کہ اندر اندر توحید کے واسطے کون بے تاب نہیں۔

صرف حالات اور حدود نے پھنسا رکھا ہے۔ لیکن ظلم یہ ہے کہ یہ جماعت ابھی سے موحد کہلانا چاہتی ہے۔ روح و مادہ کو خدا تعالیٰ کا ہم عمر و ہم عصر اور غیر مخلوق مان کر بھی اپنے آپ کو موحد اور اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک لہ سمجھنے کی دعویدار ہے اور ستم بالائے ستم یہ کہ یہ جماعت اس بات پر بھی مصر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق اس کا تخیل اور تصور اسلام کے تخیل سے بڑھیا اور بالاتر ہے۔ حالانکہ ایسے مشرکانہ عقائد رکھتے ہوئے توحید باری تعالیٰ کا دعویدار ہونا درحقیقت عقیدۂ توحید کا منہ چڑھانا ہے:

بت کریں آرزو خدائی کی　　　شان ہے تیری کبرائی کی

## عیسائیت:

پھر عیسائیوں کو دیکھو کہ وہ خدا تعالیٰ کو صاحب عیال واطفال خیال کرتے ہیں اور پھر بھی چاہتے ہیں کہ موحد کہلائیں۔ یہ ہے ہمارے نواحی مذاہب کی کیفیت وکائنات بایں ہمہ یہ فرقے اپنے اپنے مذہب کی اشاعت کے لیے لاکھوں بلکہ کروڑوں روپے صرف کرتے ہیں۔ عیسائیوں کے سکول، ہسپتال اور شفا خانے ایسے مشنریوں سے بھرے پڑے ہیں جنھوں نے ان میں اپنی زندگیاں وقف کر رکھی ہیں۔ بلا امتیاز مذہب وملت مریض کا پیشاب و پاخانہ تک اپنے ہاتھوں پر اٹھا کر اور اپنی انتہائی خدمات پیش کر کے یہ لوگ تین خدا منوانے کے آرزومند ہیں۔

## مسلمان کس طرح گمراہ ہوتا ہے:

آوارہ اور غیر منظم مسلمان اپنے مرتبے اور اپنے مقام سے ناواقف مسلمان جب ان گمراہ مگر بظاہر منظم جماعتوں کے ذوق وشوق، ہاؤ ہو، چرچے، پراپیگنڈے، ترتیبیں، تنظیمیں، ضبط وانتظام، فنڈز وسرمائے دیکھتا ہے تو اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں۔ جب شیعہ کو زار زار روتا دیکھتا ہے، آریہ مرزائی کی طراری پر نگاہ کرتا ہے، عیسائی مشنریوں کی مخلصانہ خدمات سے اس کا واسطہ پڑتا ہے اور ادھر اپنی بے جماعتی، بے جمعیتی، بے مرکزی، آوارگی، جمود و بے حسی، رسم ورسوم اور قبر پرستی کے مشغلے دیکھتا ہے تو یہ خالی الذہن بندۂ خدا مذکورہ جماعتوں کے حق میں تحسین وآفرین اور واہ واہ پکارنے لگ جاتا ہے۔ اس وقت اس کے حال پر یہ مصرعہ صادق آتا ہے:

؎ بس ایک ہی جلوے میں یہ بن گیا سودائی

وہ اس امر سے ناواقف اور بے خبر ہوتا ہے کہ میں خود کیا ہوں اور کس منصب و مرتبہ کا مالک ہوں؟

# دعوتِ تنظیم

(از مولانا نورالحسن شاہ بخاری رحمہ اللہ)

میں بلاتا تو ہوں اُن کو مگر اے جذبۂ دل!
اُن پہ بن جائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے

## نصب العین:

مقصد ہماری مساعی کی بنیاد، ہماری جدوجہد کی روح، ہمارے اعمال واشغال کی جان ہے۔ ہر صاحب عقل وخرد اور ہر ہوش مند انسان کی ہر حرکت کسی مقصد کے لیے ہوتی ہے۔ دانشور کا ہر ایک کام ایک منشاء رکھتا ہے۔ اور عقل مند کا ہر ایک کام کسی منزل کے لیے اٹھتا ہے۔ ایک ذی شعور آدمی گر تعاون کرتا ہے تو عزائم ومقاصد سے ہم آہنگ ہو کر اور عدم تعاون کی راہ چلتا ہے تو غرض وغایت سے اختلاف رکھ کر، جنگ ولڑائی لڑتا ہے تو کسی مطلب کے لیے اور صلح وصفائی کرتا ہے تو کسی مقصد کے پیش نظر بہرحال ''مقصد'' ہمارے افعال واطوار، ہماری سعی وکوشش کے وسیع دائرے کا مرکز ہے اور ہماری تمام تر عملی قوتیں، جمیع سرگرمیاں اس مرکز کے گرد چکر کاٹتی رہتی ہیں۔

آج ہم ایسے میدان میں جہاں قدم قدم پر مشکلات اور صبر آزما کیفیات ہیں جہاں ذرّہ ذرّہ دشمن جان، اور قطرہ قطرہ سم قاتل ہے۔ ہاں! وہ میدان جہاں دن بھر اپنوں کی سرد مہری کی باد سموم چلتی ہے۔ جہاں ہر شب غیروں کے قہر وعتاب کی بجلی گرتی ہے قدم رکھتے ہیں۔ آخر ہمارے سامنے کوئی مقصد ہے۔ ہمارا نصب العین ہے۔ ہم اپنے نصب العین کو چھپا چھپا کر رکھنا اور اپنے آپ کو مشکوک ومشتبہ بنانا نہیں چاہتے۔ ہم ضرورت محسوس کرتے ہیں کہ اوّل قدم پر اپنے مقصد ومدعا کو کھول کر بیان کر دیں۔

## مذہب:

آخرت اور آخرت کے ساتھ دنیا کی فوز وفلاح کے لیے آسمانی آئین وقوانین اور ربانی قواعد وضوابط کا نام مذہب ہے۔ مذہب دونوں جہان کی کامیابی وکامرانی کا ضامن، دارین کی نجات وفائز المرامی کا ذمہ دار ہے۔ آج مادہ پرست مغرب عموماً مذہب سے بغاوت پذیر ہے۔ مشرق میں بھی مغرب زدہ طبقہ مذہب کو راہ

ترقی میں مانع اور شاہراہ ترقی کا سب سے گراں سنگ راہ سمجھتا ہے۔ یہ مذہب کا دعویٰ کرنے والوں کی بداخلاقی وبداعمالی، مذہب سمجھنے اور سمجھانے والوں کی کج فہمی وکوتاہ نظری کا خطرناک نتیجہ اور مہلک ثمرہ ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مذہب تو زندگی کے حقیقی معراج وارتقاء کی تمام منازل کا سنگ بنیاد ہے۔

## اسلام:

خدا کی وسیع سرزمین پر کئی مذاہب موجود ہیں، مگر جو دین عند اللہ مقبول ومنظور ہے صرف اسلام ہے۔ اسلام دین فطرت ہے خدا کا اوّلین وآخرین مذہب ہے۔ عالمگیر مسلک ہے۔ منزل من اللہ شریعت ہے۔ ہمارا یقین ہے اسلام کا دامن سچائیوں اور حقیقتوں کا گہوارہ ہے۔ دنیا کی سربلندی ورفعت اور عاقبت کی نجات وعافیت دامن اسلام ہی سے وابستہ ہے۔

## اشاعت اسلام:

اب سوال یہ ہے کہ کیا اسلام ہماری کسی بھی امداد وتوجہ کا مستحق ہے۔ ہماری گردن پر اسلام کا بھی کوئی حق ہے؟ ہمارے اوقات واموال میں اسلام کا بھی کوئی حصہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر ہمیں دنیا کی عزت وعظمت اور آخرت کی سرخروئی وسرفرازی مطلوب ہے تو ہمیں جان ومال سے اسلام کی ہر ممکن خدمت کرنی چاہیے۔ اس کی حفاظت، اس کی تبلیغ واشاعت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرنا چاہیے۔ بس یہ ہے اپنا مقصد! ہم خدمت اسلام کا پاکیزہ مقصد لے کر اٹھے ہیں۔ ہم اشاعت اسلام کا جذبہ لے کر نکلے ہیں۔ اعلائے کلمۃ الحق اور تبلیغ دین ہمارا کعبۂ مقصود ہے۔

## دوطرفہ حملہ:

آج اسلام جن مشکلات ومصائب سے دوچار ہے۔ اس کی تفصیل اس وقت مدنظر نہیں۔ مختصراً عرض ہے کہ آج اسلام دوہری مشکلات اور دوگونہ مصائب میں مبتلا ہے۔ مغرب سے الحاد کا ایک طوفان اٹھا ہے۔ دہریت کی ایک آندھی چلی ہے جن نے ''پیٹ، روٹی'' اور ''دولت وحکومت'' کے نام سے اسلام پر غیر مرئی، غیر محسوس مگر زبردست اور خطرناک حملہ کیا ہے۔ تعلیم یافتہ نوجوان غیر شعوری طور پر اس سیلاب کی رو میں خس وخاشاک کی طرح بہا جا رہا ہے۔ وہ جوں جوں کارل مارکس اور لینن کے اقتصادی نظریات کے قریب تر ہوتا ہے۔ قدرتاً اسلامی نظریہ سے بعید تر ہوتا جاتا ہے۔ ہمارا روشن خیال طبقہ ''کمیونزم، سوشلزم'' وغیرہ سیاسی اور اقتصادی نقطہ نظر کی طرف جس قدر جھکتا ہے لازمی طور پر اسی قدر قرآنی نظام حیات سے کٹتا اور دولت دنیا کی

ہوس میں دولت ایمان سے ہاتھ دھوئے جاتا ہے۔

آپ کہیں گے کہ اس حمام میں تو سب ننگے ہیں۔ اس سیلاب میں صرف مسلمان تو نہیں بہہ رہے۔ اس حملہ کا شکار تو ہر قوم و مذہب کا نوجوان ہو رہا ہے۔ ہر دل اس سے گھائل اور ہر دماغ اس سے متاثر ہے۔ یہ سچ ہے مگر یہ بھی تو غلط نہیں کہ اسلام کے سوا کوئی مذہب اپنا مستقل دستور حیات، پورا آئین زندگی، اور مکمل دستور العمل نہیں رکھتا۔ اسلام کے سوا کسی مذہب میں موجودہ عمرانی مسائل و اقتصادی مشکلات کا حل اور عصری تحریکات کا نعم البدل نہیں ہے۔

اسلام ہی ایک ایسا دین فطرت ہے جس کا مستقل اقتصادی نظام ہے۔ بے بدل سیاسی نظریہ ہے۔ بے نظیر اخلاقی تہذیب اور بے عدیل برادرانہ مساوات ہے۔ سرمایہ داری، ملوکیت، اور امتیاز بلند و پست کے ملعون بت کو اسلام کا آہنی گرز جس بری طرح پاش پاش کرتا ہے۔ سوشلزم کو اس کی ہوا تک نہیں لگی۔ تقسیم دولت کے جو اصول قرآن نے وضع کیے ہیں۔ تخت مکہ پر جلوہ فرما سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے حجرہ میں کھجور کا بوریا بچھا کر اور مسجد نبوی میں نماز مغرب سے پہلے پہلے سونے چاندی کے ذخیروں کو پوری شان استغناء کے ساتھ اپنی جماعت میں لٹا کر جو اسوۂ حسنہ پیش فرمایا ہے۔ لینن اور اسٹالن اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے اپنی پیٹھ پر بوجھ اٹھا کر قوم کے بھوکے بچوں کی شکم پری کر کے جو عمدہ نمونہ ہمارے سامنے رکھا ہے کیا روس اور جرمنی کے ائمہ ضلالت اس کا تصور بھی کر سکتے ہیں؟

غیر مسلم نوجوان اگر مغربی افکار و اہواء کو قبول کرتا ہے تو وہ معذور ہے وہ تہی دست و تہی دامن ہے۔ اس کا اپنا گھر اس سرمایہ سے خالی ہے اس کی تہذیب اس فضا میں اس کا ساتھ نہیں دیتی۔ اکیلا چھوڑ دیتی ہے۔ اس کی سوسائٹی کے پاس موجودہ مشکلات کا کوئی حل نہیں ہے۔ ایک نادار اور قلاش معذور گداگر اگر کسی کے آگے دست سوال دراز کرتا ہے تو کیا برا کرتا ہے؟ لیکن اگر مسلمان اپنے کامل دین کو چھوڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو پس پشت ڈال کر سوشلزم قبول کرتا ہے۔ لینن و انجلز کا حلقہ بگوش ہوتا ہے تو کیوں؟ صرف اس لیے کہ اسلامی تہذیب اور قرآنی تعلیم سے یہ طبقہ بے خبر ہے۔ ہٹلر اور مسولینی، لینن و سٹالن کی تصنیفات کے مطالعہ سے اسے کبھی فرصت نہیں ملی کہ قرآن حکیم اور سیرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک نظرِ تحقیق ڈالے۔ ادھر علماء کرام کی طرف سے اس طبقہ کو ان مشکلات سے نجات دلانے اور اسلام کے فطری نقطہ نظر کو پیش کرنے کی عمومی کوشش نہیں کی گئی۔ کالج کے چکر میں پلنے والے اور صاحب کے دفتر میں مرنے والے ''روشن خیال'' نوجوان پر اس قدر افسوس نہیں جس قدر ان خبیر و بصیر علماء حق پر ہے۔ ایک اندھا اگر کنویں میں گر جائے تو قابل ملامت نہیں کیونکہ آخر اندھا ہے۔ لیکن وہ آنکھوں والا ضرور ماخوذ و مسئول ہے جس نے اس اندھے کو کوئیں کی طرف جاتے دیکھا مگر نہ روکا۔ گرتے دیکھا، مگر نہ سنبھالا۔

## دوسرا طوفان:

دوسرا طوفان جو صرف اسلامی دنیا میں آیا ہے۔ اس نے روح مذہب اور نجات آخرت کے عنوان سے اسلام پر حملہ کیا ہے۔ یہ مصیبت پہلی مصیبت سے بالیقین زیادہ ہے۔ اگر اُس نے قلب ودماغ کو متاثر وماؤف کیا ہے۔ تو اِس نے رگ جان کاٹ کر رکھ دی ہے وجود ہی ختم کر دیا ہے۔ اور اس اعتبار سے بھی ملت اسلامیہ کے لیے زیادہ ضرر رساں اور نقصان دہ ہے کہ اس حملہ کا شکار صرف مسلمان ہی ہوئے ہیں۔ اور اس فتنہ کے سد باب کی کبھی کوئی مستقل اور منظم جدوجہد نہیں کی گئی۔ منظم جدوجہد اور مسلسل سعی وکوشش تو پہلے حملہ کی روک تھام کے لیے بھی نہیں کی گئی۔ تاہم علامہ اقبال مرحوم علامہ سیّد سلیمان ندوی مولانا ابوالاعلیٰ مودودی [1]، مولانا عبد الماجد دریا آبادی اور چند عظیم وجلیل ہستیوں نے اس سیلاب کے آگے بند باندھنے اور نوجوانوں کے کاروانِ حیات کا رخ بدلنے کی کامیاب کوشش کی جن کے بارِ احسان سے ملت اسلامیہ کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتی۔ مگر حسرت وافسوس اور حیرت وتعجب کا مقام ہے کہ دوسرے طوفان کے بندوبست کے لیے اس قدر انفرادی کوششیں بھی بروئے کار نہ آسکیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ناقابل دید اور ناگفتہ بہ صورت حالات پیش نظر ہے۔

## صورتِ حالات:

ہم دیکھتے ہیں کہ صحیح اور سچا مسلمان جسے اصطلاح میں سُنی کہا جاتا ہے۔ آریہ عیسائی، شیعہ، مرزائی سے پلیٹ فارم ہو یا پریس! ہر جگہ مار کھا رہا ہے۔ ان غارت گرانِ ایمان کے بالمقابل فرزندانِ توحید کی امتِ خیر آور، حاملین سنت کی جماعت حقہ آج ایک ذخیرہ کی حیثیت میں رہ گئی ہے۔ اس ذخیرہ سے کچھ مرزائی اور شیعہ لے جاتے ہیں تو کچھ آریوں اور عیسائیوں کا شکار ہوتے ہیں۔ کچھ مشرقی کی بھینٹ چڑھتے ہیں، تو کچھ مغربی کی نذر ہوتے ہیں۔ [2] اگر یہی لیل ونہار رہے تو (خاکم بدہن) مسلمانوں کے وجود سے دنیا جلد تر خالی نظر آیا چاہتی ہے۔ آپ اپنے قلب کی گہرائیوں میں اس خوابیدہ حقیقت کو بیدار پائیں گے کہ روئے زمین پر

---

[1] یاد رہے کہ مولانا نور الحسن شاہ بخاری رحمہ اللہ ۱۹۴۴ء کے زمانہ میں تنظیم ملت اور فکرِ اسلامی کے حوالہ سے جدوجہد کرنے والے راہنماؤں میں مولانا مودودی کا ذکر کر رہے ہیں، بعد میں جب مودودی صاحب کی تحریروں میں حضراتِ انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرامؓ کے متعلق بے احتیاطی وبدگوئی پر مشتمل عبارات آنا شروع ہوئیں تو اکابرین اسلام نے ہر ممکن ان کی اس روش کی حوصلہ شکنی کی، خود مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری رحمہ اللہ نے مودودی صاحب کی کتاب ''خلافت وملوکیت'' کے جواب میں ایک ضخیم کتاب بنام ''عادلانہ دفاع'' لکھ کر شائع کی تھی، اس لیے یہاں مودودی صاحب کا عظیم وجلیل ہستیوں میں شمار اس دور کے تناظر میں دیکھا جائے۔ سلفی

[2] یہاں مشرقی سے مراد علامہ عنایت اللہ خان المشرقی ہیں، جو اس زمانہ میں بیلچہ بردار ہو کر نوجوانوں کے گرم خون سے خوب کھیل رہے تھے نیز متصادمِ اسلام نظریات کے ذریعہ بداعتقادی پھیلا رہے تھے، اور مغربی سے مراد یورپین تہذیب ہے۔

یا کم از کم ہندوستان کے طول وعرض میں صرف اہل سنت ہیں جو نہ صرف اپنی جماعتی تنظیم سے مستغنی، مسلکی ربط وضبط سے بے پرواہ اور مذہبی انجمن آرائی سے بے نیاز ہیں، بلکہ انہیں اپنی جانِ عزیز کے بقاء، حیات ملی کے تحفظ، اور متاع ایمان کی حفاظت کا احساس بھی نہیں اس جمود و بے حسی اور انتشار و بے ربطی کا لازمی نتیجہ ہے کہ یہی ایک طبقہ جو اپنی واقعی خوبیوں کی بنا پر تمام فرقوں کو اپنے اندر جذب کر لینے کی فطری صلاحیت رکھتا تھا۔ آج اپنا وجود قائم اور برقرار رکھنے کی اہلیت سے بھی یکسر محروم نظر آتا ہے۔

آج ملت اسلامیہ منتشر افراد کی ایک بھیڑ کی حیثیت میں مخالفین کے رحم وکرم پر چھوڑ دی گئی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج مسلمان بے یار ومددگار، مرکزیت سے نا آشنا، انفرادیت میں مبتلا، ہر نئے فتنہ کو قبول کرنے کے لیے خالی الذہن مستعد اور تیار ملتے ہیں۔ آپ اس حقیقت سے یقینا غافل نہ ہوں گے کہ اگر ہمارا جدید تعلیم یافتہ طبقہ نظم ومرکز کا طلبگار طبقہ مرزائیت کے دام تزویر وتلبیس میں پھنس رہا ہے تو جاہل و بے خبر نوجوان شیعیت کی آوارگی کا شکار ہو رہا ہے اور فقر وفاقہ میں مبتلا افراد عیسائیت اور آریہ سماج کے دامن میں پناہ لے رہے ہیں۔

## تلخ حقیقت:

آپ اس حقیقت کو اپنے سامنے جلوہ گر پا کر یقیناً حیران وپریشان ہوں گے کہ جہاں مرزائیت (قادیانی، لاہوری) شیعیت کے منظم تبلیغی ادارے ملت اسلام پر شب خون مار رہے ہیں، جہاں عیسائی مشن اور آریہ سماج متاعِ ایمان پر ڈاکے ڈال رہے ہیں، جہاں شردھانند بیس لاکھ مسلمانوں کو مرتد کرتا ہے (انگلش مین ۲۵ر دسمبر ۱۹۲۰ء) جہاں صرف دیانند سالویشن ہوشیار پور کی کوشش سے ماہ مئی میں ۲۰۶ غیر ہندوؤں کی شدھی کی جاتی ہے۔ (پیغام صلح ۱۴ر جولائی ۴۳ء) اور دسمبر میں ۲۴۸ غیر ہندو شدھ کیے جاتے ہیں۔ (پرتاپ ۱۶ر جنوری ۴۴ء) جہاں حیدر آباد میں جو ایک مسلم ریاست ہے۔ ایک سال میں ۲۰ ہزار آدمی عیسائی ہوتے ہیں (قاسم العلوم شوال ۵۵ھ) جہاں ہر ماہ ساٹھ ہزار انسان عیسائی ہوتے ہیں۔ جہاں عیسائی مشنری دسمبر ۱۹۴۲ء میں ۶ ہزار افراد کو عیسائی بنا لیتے ہیں۔ (پرتاپ ۱۷ر دسمبر ۱۹۴۳ء) جہاں الجزائر میں پچاس، ہزار مسلمانوں کو عیسائی بنا لیا جاتا ہے۔ وہاں ایک جماعت اہل سنت ہے جو نہ صرف کسی کے سامنے اسلام کی صحیح تصویر پیش نہیں کرتی بلکہ ہزاروں نہیں لاکھوں نوجوانوں، بوڑھوں، مردوں، عورتوں کی ایک بھیڑ اس لیے ہر وقت تیار رکھتی ہے کہ دشمن کے پہلے ہی حملہ میں غیر مشروط طور پر ایمان کے ہتھیار ڈال دے۔ یہ جماعت اہل سنت ہے جو فراخ دلی اور بلند حوصلگی سے آریہ،

مرزائی، شیعہ اور عیسائی وغیرہ ہر ادارہ کو اس کی ضرورت اور اس کی مانگ سے زیادہ افراد تازہ بتازہ سپلائی کرتی رہتی ہے۔ ان حالات میں علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ کس قدر بجا فرماتے ہیں:

اب کوئی مرکز قومی ہے نہ توحید خیال — نہ کوئی جادۂ مقصد ہے نہ کچھ توشۂ زاد
خوف یہ ہے کہ بکھر جائے نہ شیرازۂ قوم — خوف یہ ہے کہ یہ ویرانہ نہ ہو پھر آباد
ذرّے جس طرح سے ہو جاتے ہیں اڑ اڑ کے فنا — یونہی ہو جائے گی یہ قوم بھی آخر برباد

اغیار کے مستقل تبلیغی ادارے اندرون و بیرون ہند میں برسر پیکار ہیں۔ ان کے پروپیگنڈسٹ، ان کے اخبارات اور رسائل کا یہی مشن ہے۔ پریس اور پلیٹ فارم سے اہل سنت کو دعوت پر دعوت اور چیلنج پر چیلنج دیا جارہا ہے۔ سر بازار دامن پکڑا جاتا ہے۔ سر راہ حملہ کیا جاتا ہے۔ گھر گھر پہنچ کر دستک دی جاتی ہے۔ ادھر ہمارا یہ حال ہے کہ سرمایہ داروں سے قطع نظر، یہ تو ہمیشہ نشۂ دولت میں مخمور سرشار وقت اور ملت کی پکار سے غافل رہے ہیں۔ آپ ذمہ دار متوسط طبقہ کو دیکھیے! جس کے دم سے ملت بیضا کی بہت سی امیدیں وابستہ ہیں۔ ہمارا سجادہ نشین درویش، ہمارا صدر نشین لیڈر، ہمارا سند یافتہ مولوی، ہمارا مسند نشین مفتی، ہمارا قادر الکلام واعظ، ہمارا اجمیر، ہمارا دیوبند، ہمارا علی گڑھ، ہمارا لکھنؤ، ہماری دہلی، ہماری جمعیت، ہماری احرار، ہماری لیگ، صرف ہمارا پلیٹ فارم ہی نہیں، بلکہ طول وعرض ہند میں ہمارا پریس نہ صرف اس لگاتار دعوت اور پیاپے چیلنج پر خاموش ہے بلکہ ہماری بدقسمتی کی انتہا یہ ہے کہ اپنے آپ کو اس کا مخاطب بھی نہیں سمجھتا۔ مخالف بلند آہنگی سے بول رہا ہے پوری قوت سے لکھ رہا ہے۔ جسے ہمارا وہ طبقہ سننے کی تکلیف ہی گوارا نہیں کرتا دیکھنے کی فرصت ہی نہیں پاتا۔ جسے سننا اور دیکھنا چاہیے تھا جو جواب دینے کے لیے منہ میں زبان اور ہاتھ میں قلم رکھتا ہے، اور اگر بدنصیبی سے سنتا ہے تو وہ حلقہ جو صحیح علم اور وسیع نظر نہیں رکھتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مخالف کی آواز بلا مقابلہ میدان مار لیتی ہے۔ ہمارا نوجوان طبقہ ہماری بے حسی، بے عملی، بے مرکزی اور جمود و تعطل کا رونا روتے ہوئے بڑی آسانی سے دوسروں کے عمل و حرکت اور مرکز و تبلیغ کا شکار ہو جاتا ہے۔ اقبال رحمہ اللہ کیا خوب کہتا ہے:

کسے خبر کہ سفینے ڈبو چکی کتنے — فقیہ و صوفی و شاعر کی ناخوش اندیشی

## ہماری تمنا:

اب غور سے سنیے! ہماری تمنا صرف یہ ہے کہ ہم اپنا ایک مرکز قائم کریں۔ منتشر افراد مرکز سے وابستہ ہو کر متاع ایمان کی حفاظت کر سکیں۔ مخالفین کے حلق کا تر لقمہ بنے رہنے کی بجائے اُن کی آنکھ کا کانٹا بنیں۔ اپنی حفاظت اور مدافعت کی قوت بہم پہنچائیں۔ اپنے عقائد حقہ سے غیر مسلم دنیا کو مستفیض کریں۔ اغیار کو

اسلام کے فراخ دامن میں لائیں۔ ہمارے مقصد کی یہی ابتدا ہے اور یہی انتہا۔ ہم اپنے حقیر امکانات اپنی حقیر سعی وکوشش اسی مصرف میں لگا دینے کا تہیہ کر چکے ہیں۔ خدا ہمارے ساتھ ہو۔ ❶

## لاہور میں تنظیم اہل سنت کی عظیم الشان کانفرنس (منعقدہ ۱۹۴۵ء):

تنظیم اہل سنت کے قیام کے بعد دیکھتے ہی دیکھتے پورے برصغیر میں عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم کا ڈنکا بج گیا، چنانچہ اکابرین تنظیم نے اس دعوت کو مزید عام کرنے کے لیے ایک بڑی کانفرنس کرنے کا فیصلہ کیا، اور کافی غور وخوض کے بعد اس کے لیے سرزمین لاہور کا انتخاب کیا گیا۔ ماضی میں ہر تنظیم یا تحریک اپنے وجود کی بقاء، پیغام کے انتشار اور مقاصد واہداف کے حصول کے لیے لاہور کو اپنا مرکز قرار دیتی تھی، اور ماضی کے شاندار وحوصلہ افزاء نتائج کو دیکھ کر آج بھی ہر تحریک وتنظیم اور ادارہ اسی کوشش میں سرگرداں نظر آتا ہے۔ اکابرین تنظیم نے اس کانفرنس میں برصغیر کے طول وعرض سے جن جہابذۂ روزگار اہل علم کو مدعو کیا تھا اور انہوں نے اپنے قیمتی ارشادات سے کس طرح تنظیم اہل سنت کے قیام کو وقت، مذہب اور ملت کی اہم ضرورت قرار دیا؟ اس کے لیے آپ اُس کانفرنس کی مکمل روداد ملاحظہ فرمائیں جو تنظیم کے ترجمانِ اوّل مولانا نور الحسن شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ نے قلمبند کی تھی۔

# پہلا سالانہ جلسہ

## کارروائی کی مختصر روئداد:

بعونہ تعالیٰ مرکز تنظیم کا پہلا سالانہ جلسہ یکم ربیع الثانی ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۶/ مارچ ۴۵ء کو بعد نماز جمعہ بیرون دہلی دروازہ منعقد ہوا۔ حضرت علامہ سیّد سلیمان ندوی کی بجائے مولانا ظفر الملک صاحب علوی لکھنوی کرسی صدارت پر رونق افروز ہوئے۔ راقم الحروف نے حضرت علامہ سیّد صاحب ندوی کا حسب ذیل بیان پڑھ کر سنایا:

> ''افسوس ہے کہ خاکسار کو اپنی علالت کے سبب سے حاضری اور شرکت سے معذوری ہے۔ اہل سنت کی تنظیم مفید طریقوں سے ایسی کی جائے کہ وہ اغیار کے حملوں سے محفوظ ہو جائیں۔ نہایت مبارک خیال ہے۔ اللہ تعالیٰ اخلاص کے ساتھ ہم سب کو خدمت دین کی توفیق عطا فرمائے۔ والسلام (سیّد سلیمان)''

❶ سید نور الحسن شاہ بخاریؒ / تحریک تنظیم اہل سنت / مطبوعہ مکتبہ اہل سنت، شاہ منزل، نور محلہ لاہور / صفحہ نمبر ۵۲۔

یہ بیان پیش کرنے کے بعد میں نے تنظیم کی ضرورت اور تحریک کی اہمیت واضح کی۔ عرض کیا کہ فرق باطلہ کے چوطرفہ حملوں کی مدافعت، مسلمانوں کی جمعیت اور اسلام کی اشاعت کے لیے یہ مرکز معرض وجود میں آیا ہے جو سیاسی سرگرمیوں سے قطعاً یکسورہ کر مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت کے فرائض سرانجام دے گا۔ ہر سیاسی نقطہ نظر کے سچے مسلمان کو ہماری دعوت ہے اور ہر طبقہ کا سنی مسلمان اس پلیٹ فارم پر جمع ہو کر کفر کے حملوں سے مسلمانوں کو بچانے میں حصہ لے سکتا ہے۔ میری ان معروضات کے بعد حضرت مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ العالی نے قریباً ڈیڑھ گھنٹہ تک بعنوان ''تنظیم اہل سنت کی ضرورت'' اپنے ارشادات سے حاضرین کو مستفیض فرمایا۔

## اجلاس دوم

بعد نماز عشاء بصدارت مولانا عبدالسلام صاحب لکھنوی منعقد ہوا۔ جس میں اوّلاً راقم الحروف نے اغیار کی تنظیم، تبلیغ اور اسلام پر ان کے لگاتار حملوں کی تفصیلات پیش کرتے ہوئے ان کے مقابلہ میں مسلمانوں کے جمود، غفلت اور بے حسی کو واضح کیا۔ اس کے بعد تحریک کے بانی محترم سردار احمد خاں صاحب پتافی رئیس جام پور نے ایک گھنٹہ تک اپنا قابل دید وشنید خطبہ صدارت استقبالیہ پڑھا۔ جس میں اسلام کی صداقت غیر مسلموں میں اضطراری طور پر اسلامی اصول وتعلیمات کی قبولیت اور باطل فرقوں کی حقیقت وغیرہ تمام متعلقہ گوشوں پر مفصل ومدلل بحث کی گئی ہے۔ اس خطبہ کا مطالعہ ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔

خطبہ صدارت کے بعد مبلغ مرکز جناب مولانا لال حسین صاحب اختر نے بعنوان ''ختم نبوت'' ایک گھنٹہ تک تقریر فرمائی۔ اور قرآن وحدیث سے ثابت کیا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد ہر قسم کا دعویٰ نبوت صریح کفر وضلالت ہے۔

## ۲/ ربیع الثانی مطابق ۱۷/ مارچ

### اجلاسِ اوّل:

تین بجے بعد نماز ظہر بصدارت حضرت علامہ مفتی کفایت اللہ صاحب منعقد ہوا۔ صدر محترم نے اہل سنت کی تنظیم وجمعیت اور اسلام کی تبلیغ واشاعت کے متعلق مفید ہدایات دیتے ہوئے تحریک تنظیم کی پرزور الفاظ میں تائید وحمایت فرمائی۔ صدر محترم کے ارشادات کے بعد حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری نے

''تنظیم اہل سنت کی ضرورت'' کے عنوان پر ایک گھنٹہ نہایت مدلل تقریر فرمائی۔ آپ نے اسلام کی بنیادوں، کتاب اللہ اور اصحابِ رسول اللہ کے خلاف شیعوں کی ریشہ دوانیوں اور مدح صحابہ رضی اللہ عنہم پر حکومت کی طرف سے پابندیوں کے خلاف پرزور صدائے احتجاج بلند کی۔ آپ کے بعد حضرت امام اہل سنت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی نے اپنے ارشادات طیبہ سے حاضرین کو مستفیض فرمایا۔

## اجلاسِ دوم:

۱۰ بجے بعد نماز عشاء بصدارت مولانا ظفر الملک صاحب علوی لکھنوی منعقد ہوا۔ جس میں مولانا عبد السلام صاحب لکھنوی نے فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم اور تردید رفض پر قریباً ڈیڑھ گھنٹہ نہایت مدلل اور مسکت تقریر فرمائی۔ آپ کے بعد قریباً دو گھنٹہ تک حضرت سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری گجراتی [1] نے ''توحید باری تعالیٰ'' پر ایک جامع اور مفید تقریر فرمائی جس کا بحمد اللہ حاضرین پر بہت اچھا اثر ہوا۔

# ۳/ربیع الثانی ۱۸/مارچ

## اجلاسِ اوّل:

ایک بجے دوپہر کو بصدارت مولانا لال حسین صاحب اختر منعقد ہوا جس میں مولانا بشیر احمد صاحب خطیب جامع مسجد پسرور نے تقریر ارشاد فرمائی۔

## اجلاسِ دوم:

تین بجے بعد نماز ظہر بصدارت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی منعقد ہوا۔ جس میں حضرت مدظلہ نے قریباً ایک گھنٹہ تک فضائل صحابہ اور تردید مذہب شیعہ کے متعلق اپنے ارشادات عالیہ سے حاضرین کی رہنمائی فرمائی۔

---

[1] مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری ۱۹۱۵ء میں ریاست کشمیر کے علاقہ گوئل میں پیدا ہوئے۔ مدرسہ محمدیہ راندھیر (سورت) میں دورۂ حدیث کی تکمیل کی، گجرات کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا اور پوری زندگی یہیں گزار دی، خطۂ برصغیر میں بنات کے مدارس کی سب سے پہلی بنیاد آپ نے رکھی تھی، مقبول خطیب تھے، اور توحید و سنت کے جذبے سے سرشار بھی، بہادر اور ذہین بھی تھے مگر نظر بدلگی اور ۱۹۵۷ء میں جامعہ خیر المدارس ملتان میں آنحضرت ﷺ کی حیات فی الروضہ کا انکار کر کے مکتب دیوبند کے خلاف الگ محاذ بنالیا، بہادری ضد میں تبدیل ہوگئی، امت مسلمہ کے اجماعی عقیدہ سے منحرف ہوگئے۔ تشدد پر اتر آئے اور متشددین کے ایک غول کی قیادت فرماتے ہوئے ۱۹۹۹ء میں انتقال فرماگئے۔ (سلفی)

## اجلاسِ سوم:

چار بجے بصدارت صدر مرکز نواب زادہ محمود خاں صاحب منعقد ہوا۔ جس میں حضرت مولانا غلام غوث صاحب سرحدی نے ''اہل سنت کی تعریف'' پر اپنے بلند پایہ خیالات کا اظہار فرمایا۔ آپ نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا پابند فرقہ اہل سنت والجماعۃ کو ثابت کرتے ہوئے دوسرے فرقوں خصوصاً قادیانیوں کی مدلل تردید فرمائی۔ آپ کے بعد راقم الحروف نے مرزا صاحب کی دو پیشگوئیوں متعلقہ محمدی بیگم و مصلح موعود پر مختصر طور پر بحث کرتے ہوئے ہر دو پیشگوئیوں کے غلط ہونے کے مسکت دلائل پیش کیے۔ آخر میں حاضرین کو اپنے اپنے حلقہ میں تشکیل جماعت اور قیام بیت المال کی ترغیب دی گئی اور دعا کے بعد جلسہ بخیر وخوبی اختتام پذیر ہوا جس پر ہم حق تعالیٰ کا جس قدر شکریہ ادا کریں کم ہے۔

## ضروری درخواست:

مرکز تنظیم سال بھر سے جو آواز بلند کر رہا تھا دنیا نے دیکھ لیا کہ صرف ہماری نہیں بلکہ اکابر ملت اور بزرگ علماء امت کی متفقہ آواز ہے۔ بفضلہٖ تعالیٰ تحریک تنظیم کے پلیٹ فارم پر ملک کے چوٹی کے جس قدر علماء کا اجتماع ہوا وہ کہیں دیکھنے میں نہیں آیا۔ دارالمبلغین لکھنؤ، جمعیۃ العلماء اور مجلس احرار کے عمائد واکابر نے دنیا پر یہ حقیقت واضح کر دی کہ تنظیم اہل سنت ہم سب کا مشترکہ مقصد اور یکساں فرض ہے۔ اب میں ہر سیاسی نقطۂ نظر کے سچے مسلمان سے درخواست کروں گا کہ تحریک کے دائرہ مین داخل ہو کر دین کی جس قدر خدمت وہ کر سکتا ہے اس سے دریغ نہ کرے۔ اور اس کی بہترین صورت یہ ہے کہ اپنے حلقہ میں مقامی انجمن تنظیم اہل سنت کا قیام کر کے مرکز سے اس کا الحاق کر دیا جائے۔ کبھی نہ بھولیے! کہ تحریک تنظیم اہل سنت سولہ آنے دینی تحریک ہے۔ کانگرس، مسلم لیگ، مجلس احرار وغیرہ کسی سیاسی جماعت سے اس کا قطعاً کوئی تصادم نہیں۔

## پہلا سالانہ جلسہ۔ خطبہ استقبالیہ:

(از محترم سردار احمد خاں صاحب پتافی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

حضرات میں صحیح صحیح عرض کرتا ہوں کہ میری معذرت کوئی رسمی معذرت نہیں۔ کاش! کہ میری بجائے کوئی اہل بزرگ تنظیم اہل سنت اور تبلیغ اسلام کی ضرورت واضح کر کے آپ حضرات سے اصلاح حال رہنمائی اور امداد کی درخواست کرتا۔ مگر تعمیلاً مجھے حاضر ہونا پڑا، میرے جیسوں کی سہولت کے لیے کسی شاعر

نے کیا اچھا کہا ہے کہ

فریاد کی کوئی لے نہیں ہے ۔ نالہ محتاجِ نے نہیں ہے

یعنی فریاد کرنے کے لیے بیان ومضمون میں کسی ترتیب وموزونیت کی ضرورت نہیں بلکہ فریادی کے مضمون میں جتنا انتشار اور غیر موزونیت زیادہ ہو اتنی ہی زیادہ مضمون مقبولیت کے لیے موزوں ہوتا ہے۔

الغرض کچھ اسی قسم کی غیر موزونیت کے لحاظ سے مجھے موزوں سمجھا گیا ہے۔ ورنہ من آنم کہ من دانم۔ بہر حال متوقع ہوں کہ میری کمزوریوں سے چشم پوشی اور میری گزارشات پر غور ہوگا۔

صنعتی، تجارتی اور اقتصادی ہوا وہوس نے اس وقت دنیا پر ملکی اور وطنی دھڑا بندی کا ایسا گہرا رنگ چڑھا دیا ہے کہ اس کے سامنے مذہب بظاہر چند روز کا مہمان نظر آتا ہے۔ یورپ کے عیسائی جو کبھی متحدہ صلیبی جنگیں لڑا کرتے تھے۔ آج بے مثل و بے نظیر بے دردی کے ساتھ ایک دوسرے کی تباہی میں مصروف ہیں۔ ایشیا میں جاپانی بدھ نے چینی بدھ پر سات سال سے چڑھائی کر رکھی ہے۔ یہ بھی اقتصادی برتری اور ذوق اقتدار کا سحر ہے جس نے دونوں بدھوؤں کو بدھو بنا رکھا ہے۔

اس ملحدانہ دور اور اس عالمگیر اقتصادی ہنگامہ میں مذہبی آواز منہ سے نکالنا بجائے خود ایک گناہ کا مرتبہ رکھتا ہے۔ لیکن چونکہ ہندوستان میں بوجوہ چند در چند صنعت کو کچھ فروغ حاصل ہے نہ تجارت کے لیے کوئی راہ ترقی ہے۔ ملک کی موجودہ حالت اس لائق نہیں ہے کہ بین الاقوامی یا بین الممالک مقابلہ میں وہ خود کسی کا رقیب بنے یا کسی کو اپنا رقیب بنائے۔ لہٰذا ملکی صنعت ملکی تجارت اور ملکی اقتصادیات پر ایک طرح کا جبر وجمود طاری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہالیانِ ملک کو یہاں مذہب کا نام لینے کی کچھ فرصت اور فراغت حاصل ہے۔ گویا یہاں بھی مذہب ایک شغل بے کاری کی حیثیت میں باقی ہے۔ پھر بھی یہ آواز روز بروز زور پکڑتی جارہی ہے کہ موجودہ مذہبی فرقہ جات کا وجود اور ان کی عصبیت ملک کی سیاسی واقتصادی آزادی کے حصول میں حائل اور مانع ہے یعنی جب تک یہ رہا سہا مذہب بھی ترک نہ کیا جائے آزادی حاصل نہیں ہوسکتی۔ اس میں شک نہیں کہ غیر ملکی اور اجنبی حکومت کے قیام ودوام اور بقاء واستحکام کے لیے مذہبی افتراق بہت ہی مفید اور آب حیات کا درجہ رکھتا ہے اور اسی لیے ملک کی فضا ہر تفرق وتشتت کے لیے نہ صرف موافق وسازگار ہے بلکہ ممدو معاون بھی ہے۔ بایں وجہ موجودہ زمانہ کے نبیوں اور اماموں نے اپنی مقبولیت کے لیے یہی ملک منتخب کر رکھا ہے۔ الغرض مذہبی اعتبار سے ''ہر چہ خواہی کن'' کے لیے یہ ملک بہت ہی موزوں ہے۔ اسی لیے اکبر الٰہ آبادی نے فرمایا کہ ''انا الحق کہو اور پھانسی نہ پاؤ۔''

لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کل اگر ہندوستان کو آزادی حاصل ہوجائے تو جیسا کہ ہمیں آزاد ممالک کا تجربہ ہے۔ تب بھی مذہب کی خیر نہیں کیونکہ آزادی حاصل ہوجانے کی صورت میں یہ ملک بھی بین الاقوامی مقابلہ کی دوڑ میں پوری سرگرمی کے ساتھ شامل ہوجائے گا۔ اور باقی ممالک کی طرح یہاں بھی مذہبی جذبہ مات کھائے گا۔ جس طرح آج مذہبی آزادی کے نام پر ہر افتراقی سکیم کی آبیاری اور حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ کل سیلف گورنمنٹ کے دور میں بھی اندیشہ ہے کہ ہر مذہبی تحریک کو تفرقہ کا نام دے کر اور اسے ملکی مفاد کے خلاف بتا کر مٹایا جائے گا۔ ''مذہب مردہ باد'' کے نعرے بلند ہوں گے۔ [1]

المختصر مذہب نہ آج مامون ہے اور نہ کل محفوظ نظر آتا ہے۔ باقی مذاہب کی حالت ناقابل ذکر ہے۔ نہ ان میں کوئی زندگی کا ضابطہ ہے اور نہ موجودہ حالات میں وہ کسی سوسائٹی کا ساتھ دے سکتے ہیں۔ اور نہ دے رہے ہیں۔

اہالیانِ مذاہب صرف اپنا اپنا لیبل لیے پھرتے ہیں اور اسی لیبل کے تحت اپنی دھڑا بندی کر رکھی ہے۔ مگر ماشاء اللہ اسلام آخری نبی ﷺ کی تعلیم ہونے کے سبب ایک مکمل ضابطہ زندگی ہے۔ جس پر کوئی ترقی یافتہ نظریہ اور ترقی یافتہ تہذیب فوقیت حاصل نہیں کرسکتی۔ افسوس ناک امر یہ ہے کہ ہم خود اسلام کو صحیح صورت میں پیش نہیں کر رہے۔ اور غیر مسلم طبقہ نے غیر شعوری طور پر یا بحالت مجبوری طوعاً وکرہاً اس کے جزوی جزوی حصے لے لیے مگر نہایت طوطا چشمی کے ساتھ ان کو اپنی ڈسکوری (تحقیقات) بتلایا۔

جیسا کہ مناکحت والی جائز اولاد کے ساتھ پدری اور خاندانی نسبت قائم رہتی ہے۔ اور غیر مناکحت وآوارگی کی اولاد اپنی آبائی وخاندانی روایات سے قطعاً محروم ہوجاتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح غیر مسلم لوگ جب مسلمانوں کی تبلیغ کے بغیر آوارگی میں بسر خود اسلامی اصول لیتے ہیں تو وہ اسلامی نام اور اسلامی نسبت سے بدستور محروم رہتے ہیں۔

سوامی دیانند صاحب کی مثال کو لیجیے۔ کہا جاتا ہے کہ سوامی صاحب بت کی پوجا کے لیے بت خانہ میں جایا کرتے تھے۔ ایک دن مندر میں جو پہنچے تو وہاں ایک چوہے پر نظر پڑی جو مورتی جی کی بے حرمتی اور گستاخی میں مصروف تھا۔ یعنی مورتی جی پر پوری بے باکی کے ساتھ ایک طرف سے چڑھتا تو دوسری طرف سے اتر جاتا۔ اور اپنے اس عمل کو بڑی بے تکلفی اور بے خوفی کے ساتھ بار بار دہرائے چلا جاتا تھا نہ اسے پیشاب کا لحاظ، نہ پاخانہ کی احتیاط۔

---

[1] سردار پتافی مرحوم کی بصیرت کو داد دیجئے کہ آج آزاد پاکستان میں اہل مذہب اور مذہبی جماعتوں کی کیسی درگت بن رہی ہے۔ دہشت گرد، دقیانوس، تنگ نظر، آزدیٔ فکر وخیال میں رکاوٹ سمیت سارے الزامات واتہامات کا پتھر اہل مذہب کے سر پہ رکھ دیا گیا ہے۔ اور دینی طبقات کا اندرونی وہی حال ہے جس کا درد سردار صاحب لے کر اٹھے تھے یعنی اتحاد ملت اور تعمیرِ نظم ونسق وتنظیم کا شدید فقدان! اور آج ساٹھ سال کے بعد بھی یہاں کی مذہبی جماعتوں نے باہمی انتشار وافتراق کو ہوا دے کر غیروں کا لقمہ تر بننے کی احمقانہ روش ترک نہیں کی۔ سلفی

سوامی صاحب نے اس حالت میں بت کی مجبوری، لاچاری اور عاجزی پر غور کیا تو اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس طرح کی مورتیوں کے ساتھ کسی قسم کا احترام وعقیدت وابستہ رکھنا سراسر بیوقوفی ہے۔ ہم یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ چوہے کے اس درس سے پہلے سوامی صاحب اسلامی عقائد اور اسلامی تعلیم سے مطلقاً بے خبر تھے یا اسلام کی پیش کردہ توحید کی ان کو اطلاع تک نہ تھی جو صدیوں سے ہندوستان میں پیش کی جا رہی تھی۔ مگر کہانی کہتی ہے کہ بتوں کی عاجزی اور بے اختیاری کا سبق سوامی صاحب نے اسلام سے نہیں بلکہ ایک چوہے سے سیکھا۔ اگر یہ بات صحیح مان لی جائے تو ہمارے لیے ضرور مقامِ افسوس ہے کہ اسلامی مبلغ کی بجائے تبلیغ توحید کا کریڈٹ ایک چوہا لے گیا اور شاید یہی وجہ ہے کہ سوامی صاحب پوری طرح موحد نہ بن سکے۔ اگر وہ اسلامی مبلغ سے توحید کا سبق حاصل کرتے تو ان کے موحدانہ عقائد میں وہ کمی باقی نہ رہتی جو اب پائی جاتی ہے۔ بے شک سوامی صاحب نے بت شکنی کا مرتبہ حاصل کیا۔ لیکن اسلام کی نسبت سے وہ بدستور محروم ہی رہے۔

ان کے بعد ہندو صاحبان تدریجاً اسلامی اصولوں کی طرف بڑھے اور بڑھتے جا رہے ہیں۔ مگر اسلام کے نام سے ان کو بدستور انحراف ہے۔ دیکھیے آریہ سماج ایک جدید ترین تحریک ہے۔ اس کا بانی سوامی دیانند جیسا فارورڈ ریفارمر مذہباً نکاح بیوہ کے جواز کی جرأت نہ کر سکا۔ مگر ہندوؤں اور آریوں سے نہ رہا گیا اور سوامی صاحب کی وفات کے بعد فوراً انہوں نے ان کی ایسی اپ ٹو ڈیٹ تحریک میں بھی پھر مزید ترمیم کی ضرورت محسوس کی۔ دبے پاؤں بڑھے اور مناکحت بیوہ کا اسلامی عمل ہتھیا لیا۔ اب ہندو بیوائیں دیویاں اور چڑیل کی سی زندگی کی بجائے دلاریاں بن کر سہاگ کی زندگی بسر کر رہی ہیں۔ مگر ان کو معلوم نہیں کہ یہ کس رحمۃ للعالمین ﷺ کا احسان ہے۔ وہ بے خبر ہیں کہ کس پر درود بھیجیں اور کس کو دعائیں دیں؟ دھڑا دھڑ دھوا بیاہ رچائے جا رہے ہیں۔ مگر اسلام سے پھر بھی انکار ہے۔ وجہ یہی ہے کہ یہ عمل ہماری تبلیغ سے نہیں مانگا گیا بلکہ انہوں نے خود ہی بڑھ کر ایک گری پڑی چیز کی طرح اچک لیا اور اسے پھر اپنی ڈسکوری بتلایا۔

گوشت خوری کو لیجیے! اس کو اسلام میں درجہ جواز حاصل ہے۔ یہ نہ فرض ہے نہ واجب۔ لیکن آریہ سماج کے اٹھان کے وقت اس کی تردید آریہ سٹیج کا بہترین عنوان تھا مگر جس زبان سے اس کی تردیدیں ہوتی رہیں۔ اسی زبان سے خوب چٹخارے لے کر گوشت کھانا شروع کر دیا گیا ہے اب تو ماس خور طبقہ کو روز بروز اکثریت حاصل ہوتی جا رہی ہے۔

پھر طلاق بل اور ورثہ بل کے لیے بھی منہ میں پانی بھر آیا ہے۔ یہ بلز آئے سو آئے مگر اسلام کے ساتھ بدستور وہی معاملہ ہے کہ: ''منکر مے بودن وہم رنگ مستان زیستن''

درحقیقت ان لوگوں کے اپنے مذاہب نے ان کا ساتھ دینا چھوڑ دیا ہے صرف لیبل کی لاج رکھتے ہوئے محض دھڑا بندی چل رہی ہے۔ سود کی حرمت پر غور کیجیے۔ اس کی عالمگیر ترویج اور سرمایہ دارانہ ماحول نے حرمت سود کے صریح اسلامی نظریہ کو ایک وقت ایسا بری طرح گھیرا کہ سود کو حرام سمجھنے والے لوگ احمق اور بے وقوف سمجھے جانے لگے۔ بعض متفرق اسباب ووجوہ کے باعث مسلمانوں پر جو نکبت وادبار طاری ہوا تو اس کی وجہ بھی وہی بیان کی جاتی تھی کہ چونکہ مسلمان سود کو حرام سمجھتے ہیں۔ محض اسی لیے افلاس اور ادبار میں مبتلا ہیں۔ خود مسلمانوں کے بڑے بڑے لیڈر جواز سود کی صورتیں اور تاویلیں تلاش کرنے میں مصروف تھے۔[1] یہ صحیح ہے کہ دارالحرب اور دارالاسلام کے قوانین مختلف ہیں۔ لیکن حکومت الٰہیہ نافذ ہونے پر حرمت سود کے متعلق اسلامی احکام اُتنے سخت اور اتنے شدید ہیں کہ سود لینے والے کے علاوہ سود دینے والے، سودی معاہدہ لکھنے والے، سودی معاہدہ پر شہادت ثبت کرنے والے سب کے سب تعزیر اور عذاب کی لپیٹ میں آتے ہیں۔ اسلام سودی لین دین کے عمل کو خدا تعالیٰ کے بالمقابل ہو کر لڑنے کا درجہ دیتا ہے۔

ہمارے مبلغین اس کی نحوست اور اس کی حرمت میں خدائی اور نبوی احکام تو ضرور منقول کرتے رہے۔ لیکن منقول کے ساتھ معقول کو اس درجہ پر شامل نہ کر سکے جس درجہ پر مارکس نے سرمایہ شکنی کے ایک حد تک اسلامی نظریہ کو ایک منطقی بازی لگا کر فلسفہ کا رنگ دے کر اور سائنس بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب امپیریلسٹ اور سرمایہ دار طبقہ کی روح گھر بیٹھے بیٹھے بھی اس سے کانپ رہی ہے۔ جہاں اڑن بموں اور راکٹ بموں کی رسائی نہیں وہاں یہ سرمایہ شکن نظریہ عوام کے دل ودماغ میں گھستا چلا جا رہا ہے۔ مگر چونکہ مارکس کے مرتب کردہ نظریہ میں صرف ایجاد بندہ کا دخل ہے۔ اس لیے سوامی دیانند صاحب کی توحید اور اس کی بت شکنی کی طرح مارکس کی سرمایہ شکنی بھی ناقص اور ادھوری ہی رہی۔ پھر بھی اگر سوامی دیانند صاحب کا مقابلہ ایسے لوگوں کے ساتھ کیا جائے جو کروڑوں دیوتاؤں کے قائل ہیں اور انسانوں کو پرمیشور اور اوتار کا درجہ دیتے ہیں اور بتوں کی پوجا کرتے ہیں اور مارکس اور پیروکارانِ مارکس کا مقابلہ قارون صفت اور فرعون مزاج سرمایہ داروں کے ساتھ کیا جائے، تو ماننا پڑے گا کہ گو ان لوگوں نے اسلام قبول نہیں کیا۔ لیکن ہماری طرف سے تبلیغی اہتمام کے بغیر طوعاً کرہاً محض اپنی اضطراری تحقیق کے ذریعہ سے وہ اسلام کے کس قدر قریب آ گئے ہیں۔ اور صاحب بصیرت لوگ کم از کم اتنا ضرور سمجھ سکتے ہیں کہ ایک امی لقب

---

[1] آج اسلام کے نام پر حاصل کی جانے والی مملکت میں بھی جوازِ سُود کی آواز آئے روز اُٹھتی رہتی ہے۔ اور موجودہ بے دست و پا اور بے اختیار صدرِ پاکستان ''ممنون حسین'' نے علماء کرام سے اپیل کی ہے کہ وہ سود کے معاملہ میں گنجائش پیدا کریں، گویا اللہ ورسولؐ کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے ماحول سازگار بنایا جائے۔ اعوذ معاذ اللہ، لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلي العظیم۔ سلفی

اور صحرا نشین، جس نے سکول دیکھا، نہ کالج، مکتب دیکھا نہ ملا، جس کو گھنی متمدن آبادیوں کے اقتصادی مسائل کے ساتھ کبھی سابقہ ہی نہ پڑا۔ اس نے توحید، مساوات، تقسیمِ دولت اور سرمایہ شکنی کے متعلق محض الہامی رہنمائی میں ایسے عالمگیر اور ایسے ہمہ گیر اصول وقوانین وضع فرمائے کہ دنیا شعوری اور غیر شعوری رنگ میں انہی کی طرف لپک رہی ہے۔ انہوں نے مزدور کے ہاتھ کے چھالوں کو بوسہ دیا۔ مزدور کو حبیب اللہ کا لقب عطا فرمایا تو مزدوری کو عبادت کا درجہ دیا۔ سرمایہ پر ٹیکس لگایا، متروکہ جائداد کو نرینہ، غیر نرینہ اولاد میں تقسیم کرایا، خزانہ کو عوام الناس اور جمہور کی ملکیت قرار دیا۔ غرباء کے بچوں کا وظیفہ مقرر فرمایا بلکہ حمل تک کی کفالت بھی بیت المال کے ذمے ڈالی۔ خلفاء اور آمرین نے کمترین گزارہ لے کر اپنی معاشی اور تمدنی پوزیشن کو ایک عام اور معروف درجہ سے بڑھنے نہ دیا۔ چونکہ روزِ محشر، جزا وسزائے عقبیٰ کا عقیدہ بھی اسلام کے پیشِ نظر ہے اس لیے انسان کے طبعی قویٰ اور طبعی جوہر کے اختیاری استعمال کی آزمائش کے واسطے بے شک اس نے شخصی ملکیت کو بحال رکھا۔ لیکن تقسیم دولت کے قاعدے اور کلیے ایسے مرتب فرمائے جو کہیں بھی دولت کا ڈھیر نہ لگنے پائے۔ اب سوشلسٹ اور کمیونسٹ اپنے کو جتنا بھی پر لگا کر اڑیں جہاں تک غریب اور مسکین پروری اور سرمایہ شکنی کا تعلق ہے۔ ماشاء اللہ وہ اسلام کی گرد کو بھی نہ پہنچیں گے۔ اور جب تک ایسے لوگ قانون الٰہیہ کی طرف رجوع نہ کریں۔ محض ان کی اپنی ایجادات، افراط وتفریط میں مبتلا، بے اعتدالیوں سے پُر، اور بالکل غیر متوازن رہیں گی۔ مارکس اور لینن کے نظریوں کے ناقابل عمل حصوں کی بڑی کاٹ چھانٹ ہوتی سنی جاتی ہے۔ اور لازمی طور پر ایسا کرنا ہوگا۔ گزارش یہ ہو رہی تھی کہ لوگ اسلامی اصولوں اور اسلامی نظریوں کی طرف کتنی بڑی تڑپ محسوس کرتے ہیں اور ان کی تحصیل میں بسر خود کتنا ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ اگر ہم مسلمان فریضۂ تبلیغ کی تعمیل میں ہر زمانہ کے ضروری مسائل کو اسی زمانہ کے مروّجہ اور مقبول طرز میں پیش کریں تو ان جزوی مسائل کے ساتھ ساتھ اسلام بھی بہ سہولت قبول ہو۔ ہماری بے حسی اور ناقابلیت کے سبب لوگ ہماری تبلیغ کے بغیر اسلامی اصولوں یا ان کے لگ بھگ نظریوں کی اضطراری رنگ میں چونکہ خود پہنچے ہیں۔ اس لیے اسلامی اصول لے کر بھی وہ اسلام سے منحرف رہتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ كَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰى قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ اس کا مطلب ہمارے واعظین اور مبلغین نے یہی سمجھا کہ نچلے طبقہ کو سمجھاتے وقت عالمانہ معیار گفتگو سے نیچے اتر کر سامعین کی قابلیت کے موافق بات کی جائے۔ لیکن انہوں نے دوسرے پہلو پر غور نہ فرمایا جب علوم جدیدہ سے فیض یاب، اور تازہ ترین سائنس سے بہرہ ور طبقہ کو خطاب کرنا پڑے تو ان کے ساتھ عام مروّجہ معیار سے ذرا اوپر ہو کر انہی کے مرتبہ کے موافق اور انہی کے مسلمات کے پیش نظر بات کی جائے۔ مارکس اور لینن نے چونکہ اسی مرتبہ پر بات کی۔ گو وہ ناقص اور ادھوری تھی مگر مانی گئی اور مانی جا

رہی ہے۔ مگر ہمارے مبلغین اور ہمارے علماء کو وہ طرزِ بیان میسر نہ آیا۔ لہٰذا ان کے صرف فتویٰ کو خاطر میں لایا گیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمارے پاس نہ نچلے طبقہ کے ساتھ گفتگو کرنے کا کوئی انتظام ہے اور نہ اوپر والے طبقہ کے سامنے اسلام پیش کرنے کا کوئی اہتمام ہے۔ یعنی یہاں سرے سے تبلیغی ادارہ ہی ندارد ہے اور امت محمدیہ باستثنائے بعض حضرات ایسے غیر ذمہ دار، نا قابل اور پیشہ ور واعظین کی انفرادی تک ودو میں پامال ہو رہی ہے جو عام طور پر حسب صوابدید مصلحت خود ایک دوسرے کی تردیدیں کرتے پھرتے ہیں اور جو اپنے اس رویہ میں کسی کے جواب دہ نہیں۔ اور تقریباً یہی حال ائمہ مساجد کا ہے۔ جزوی اور فروعی مسائل میں اتنے الجھے کہ معاملات عالیہ اور امورات مہمہ ان کی دسترس سے باہر ہو گئے۔ اور قوم کی اجتماعی تعمیر کا سوال ان کے لیے ایک اجنبی اور نا قابل فہم شکل اختیار کر چکا ہے۔ بالعموم نہ حالات حاضرہ پر ان کو عبور اور نہ دیگر فرقہ جات کے طریق کار اور ان کی سرگرمیوں سے ان کو آگاہی، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک مسجد نے دوسری مسجد کے خلاف محاذ لگا رکھا ہے۔ اور جتنی مساجد ہیں اتنے ہی مذاہب بن رہے ہیں۔ تقریر سے تقریر اور وعظ سے وعظ کٹ رہا ہے۔ گدیوں کی طرح امامت کی بھی میراث چلتی ہے۔ یہ حضرات نہ کسی اجتماعی ادارہ میں منسلک ہوتے ہیں اور نہ کسی کو منسلک ہونے دیتے ہیں۔ ہم حیران ہیں کہ کیوں امت محمدیہ ضبط و تنظیم اور جماعتی واجتماعی رنگ میں کام کرنے کی صلاحیت کھو بیٹھی؟ میں نے ایک پمفلٹ موسوم بہ ''جُہد للبقاء'' میں عرض کیا ہے کہ ہمیشہ اور بالخصوص فی زمانہ بے ضبطی، انتشار اور انفرادیت بلا مبالغہ موت وفنا کے مترادف ہیں۔ ایسے وقت میں بھی جماعت اہل سنت اپنا شیرازہ اتنا بری طرح بکھیر چکی ہے کہ اس پر لفظ جماعت کا اطلاق ہی نا جائز ہے بلکہ یہ برائے نام جماعت ایک آوارہ بھیڑ کی حیثیت میں زندگی بسر کر رہی ہے۔ نہ یہ کسی سے سمجھے اور نہ اسے کوئی سمجھائے۔ درحقیقت یہ ایک افراتفری میں مبتلا ہے۔ پولیٹکل کھلاڑیوں کے لیے ایک عمدہ فیلڈ ہے۔ ہر مذہبی موجد کے واسطے ایک بنا بنایا ذخیرہ ہے۔ جو بھی دعویدار اٹھے، اس کا ایک حصہ نہایت آسانی کے ساتھ اپنی پیروی اور اقتدا کے لیے چھانٹ لے۔ اس کا نہ کوئی نظام اور نہ کوئی پروگرام۔ تبلیغی بے مرکزی کے سبب ان کے افراد لاوارث، آوارہ، مخالفین کے اعتراضات سے گریزاں، خالی الذہن اور ہر فتنہ کو قبول کرنے کے واسطے آمادہ اور مستعد پائے جاتے ہیں۔ ان کے یہی حالات تو ہیں جو ہر دعویدار کو دعاوی کی نہ صرف جرأت بلکہ دعوت دیتے ہیں۔ اسد ملتانی نے خوب فرمایا ہے:

اللہ کے کچھ بندے معبود ہی بن بیٹھے
لوگوں میں نظر آئی جب خوئے جبیں سائی

## مرزائیت:

یہی وجہ ہے کہ مرزا غلام احمد نے جب تبلیغ اسلام کے نام پر کام شروع کیا تو پھر اس دودھ میں جتنی مینگنیاں چاہیں ملا دیں۔ بالمقابل نہ کوئی نظام اور نہ کوئی انتظام۔ یہی ہماری بھیڑ ان کے گرد بھی جمع ہو گئی۔ ان کی ''نبوت'' کا نزلہ محض اسی ضعیف، بے مرکز اور غیر منظم جماعت پر ہی گرا۔ ورنہ فرمائیے! مرزا صاحب نے کون سا نیا میدان مارا؟ اب بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ کتنے فیصدی آریہ اور عیسائی، یہودی، مجوسی مرزائیت میں داخل ہوئے یا ہو رہے ہیں؟

تبلیغ بیرون ہند کے متعلق بڑے بڑے دعوے کیے جاتے ہیں۔ مگر افریقہ اور وسط ایشیا میں زیادہ تر یہی ہمارے افراد جماعت اہل سنت ہی ان کے ایجنٹوں اور عاملوں کے معمول بنے ہوئے ہیں۔ یا ہم جیسے کوئی پست اور آوارہ لوگ۔ ورنہ ان کی یورپین اور امریکن تبلیغوں کے کیا کہنے وہاں جو بھی ان کی دعوت چائے پر آ جائے اس کو مسلمان بنایا جاتا ہے۔ حالانکہ کجا قبول اسلام اور کجا یہ دعوتوں کی ٹیبل ٹاک! ہاں یہ منصب افراد جماعت اہل سنت ہی کا ہے جن کو تبلیغی بے مرکزی انتشار و آوارگی کی وجہ سے ''کوئی دستار میں رکھ لے کوئی زیب گلو کر لے۔''

الغرض قادیانی ہوں یا لاہوری سب ہی کی رونق ہمارے افراد اہل سنت ہی نے بنا رکھی ہے۔ یہی جماعت سب کی چراگاہ اور یہی سب کا پلے گراؤنڈ ہے۔ غفلت کا یہی عالم رہا تو خدا معلوم کیا کچھ ہو کر رہے گا۔ اس موقع پر جملہ معترضہ کے طور پر مرزائیت کے متعلق کچھ مزید عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ کیونکہ ہمارے بعض مہربان حضرات متحدہ تبلیغی اداروں کے لیے متقاضی ہیں۔ سر سیّد کے بعد جب مرزا صاحب نے دوبارہ مسئلہ وفات مسیح کا جھنڈا بلند کیا تو مسلمانوں نے یہی سمجھا کہ یہ بزرگ بھی حضرت مسیح علیہ السلام کی الوہیت شکنی کا مزید قصد فرمانے لگے ہیں مگر بعد میں معلوم ہوا کہ یہ تمام جدوجہد محض ایک سیٹ خالی کرانے کے لیے تھی۔ ورنہ اگر مسئلہ حیات مسیح صرف مافوق الفطرت ہونے کے سبب ہی اس لائق تھا کہ اس کی تردید کر کے الوہیت مسیح کا بطلان کیا جائے تو پیدائش مسیح کے مافوق الفطرت واقعہ کو جو مرزا صاحب کے مجوزہ معیار پر حیات مسیح سے کہیں زیادہ الوہیت کا ممد و معاون بلکہ موجد ہو سکتا ہے، کیوں اسی حالت میں چھوڑ دیا گیا؟

اب یہ کمی امیر جماعت احمدیہ لاہور نے اسرائیلیات کے سہارے خود پوری کر لی ہے، یعنی عیسیٰ علیہ السلام کا باپ بھی ڈھونڈ نکالا ہے۔ میں نے اسی پمفلٹ ''جہد للبقاء'' میں عرض کیا ہے کہ اگر مرزا صاحب کو اپنے مجوزہ معیار پر الوہیت مسیح کی جڑ کاٹنا مقصود تھا تو عیسیٰ علیہ السلام کا باپ ثابت کرنے کے واسطے بھی چند الہامات حاصل

کر لیے جاتے۔ پھر تو قصہ ہی پاک تھا۔ نہ رہتا بانس اور نہ بجتی بانسری۔

الوہیت مسیح کا تخیل تو پیدا ہی حضرت مسیح کی طرز پیدائش سے ہوتا ہے جس کی بہترین تردید قرآنِ شریف نے تیرہ سو سال سے کر دی ہے۔ نیا نبی آیا بھی اور گیا بھی۔ مگر پیدائش کے معاملہ کو ہاتھ نہ لگایا۔ بن باپ کی پیدائش سے ہی تو عیسائی لوگ حضرت مسیح کو خدا تعالیٰ کا جز، نور اور معاذ اللہ نطفہ وغیرہ کا قرینہ اور مراد لیتے ہیں۔ پھر اس حقیقی بیٹے کی قربانی سے کفارہ کی اہمیت بڑھائی جاتی ہے۔ ایک میں تین اور تین میں ایک کا مضحکہ خیز اور ناقابل فہم فلسفہ محض اسی مافوق الفطرت پیدائش سے ہی پیدا ہوا۔ مگر حیرت ہے کہ مرزا صاحب کی نگاہ الوہیت مسیح کی اس قدر موٹی جڑ تک نہ پہنچ سکی۔ اور وہ صرف اپنا پاؤں ٹکانے کے لیے حیاتِ و مماتِ مسیح علیہ السلام کے مسئلہ سے بہل گئے اور اپنی ساری عمر اور اپنی نبوت کا سارا زور اسی مسئلہ پر صرف کر کے سمجھ لیا کہ نبوت کے کارنامہ کے لیے یہی کچھ کافی ہے اور اس طرح بخیالِ خود عیسائیت کا بھی خاتمہ کر دیا۔ حالانکہ اگر کوئی عیسائیت تھی تو وہ اب بھی بدستور اور علی حالہا قائم و موجود ہے۔ اور جو اب نہیں وہ تھی بھی نہیں۔ اس میں مرزا صاحب کے آنے جانے کا کچھ بھی عمل و دخل نہیں۔ انہوں نے تو گھر ہی کی مرغیاں ماری ہیں۔

الغرض مرزا صاحب کے اٹھان کے وقت جو توقعات ان کے ساتھ وابستہ کر لی گئی تھیں نہ صرف وہ خاک میں مل گئیں بلکہ انہوں نے ایک جدید مذہب کھڑا کر کے مخالفین کی تعداد میں مزید ایک خطرناک نمبر کا اضافہ کر دیا اور دام ہمرنگ زمین بچھا کر وہ نقصان پہنچایا جو باقی مخالفین سے ممکن نہ تھا۔

## مرزائیوں کا پالیٹکس:

یہ لوگ کہنے کو تو پالیٹکس کو کھٹا بھی بتاتے ہیں لیکن بقدرِ امکان، بلکہ امکان سے بڑھ کر ہر جگہ ٹانگیں اڑائی جاتی ہیں۔ گورنروں اور وائسراؤں تک براہِ راست یا بالواسطہ نہ صرف راہ و رسم پر اکتفاء ہوتا ہے بلکہ موقع ملے تو ملاقاتوں کی کوشش کی جاتی ہے۔ گونا گوں مشورے اور خدمات پیش ہوتے ہیں۔ جماعت اور اس کے بانی کا پالیٹکس امپیریلزم سے اتنا مرعوب، گربہ مسکینی اور حیلہ بازی سے اتنا مملو اور متعفن ہے کہ دیکھنے اور پڑھنے سے گھن آتی ہے۔ خاص کر بڑے مرزا صاحب کی عرض داشتیں حیرت انگیز ہیں۔ انگریز کو مذہباً اور عقیدتاً اولو الامر اور ظل اللہ کا درجہ دیا گیا ہے۔ چنانچہ بغداد جب گورنمنٹ انگلشیہ کے قبضہ میں آیا تو قادیان میں چراغاں ہوا اور دیوالی منائی گئی۔ جہاد کو منسوخ اور حرام قرار دیا گیا۔ مگر منسوخی جہاد کے حکم کی تاویلیں مجبوراً ابھی سے شروع کر دی گئی ہیں۔ اب بات بات پر ''مامور من اللہ'' صاحب اپنے مریدوں سے جان کی

قربانی طلب کررہے ہیں۔ بندوق اٹھانا تو اولوالامر یعنی گورنمنٹ کے حکم سے ممنوع ہی ہے۔ کیونکہ یہاں تو صرف نبیوں کو اجازت ہے کہ جتنے چاہیں بڑھتے چلے جائیں۔ اولوالامر کی طرف سے یہ اجازت تو نہیں مل سکتی کہ یہ نبی اور مامور اسلحہ بھی رکھنے لگیں۔ یہاں تو بعض اوقات پیشین گوئیوں پر بھی پابندی لگادی جاتی ہے جس کی تعمیل کے بغیر انڈر گورنمنٹ نبیوں کو چارہ نہیں ہوتا۔ پس ان حالات کے پیش نظر جناب مامور من اللہ نے حکم دے رکھا ہے کہ غلیلیں رکھی جائیں۔

''کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے''

چلو غلیلی جہاد ہی سہی! وہ منسوخی جہاد اور حرمت جہاد کا ''نبوی'' حکم تو فضول ہی ثابت ہوا۔ ''جہاد'' انسانی فطرت کی انتہائی نیک سعی کا نام ہے اور اسلام ایک فطری مذہب ہے۔ یہ ایک دوسرے کو کب چھوڑ سکتے ہیں۔ اس لیے اسلام نے صداقت اور اخلاص کا معیار ہی جہاد قرار دیا۔ باقی رہے موقع و محل کی رو سے اس کے اجراء اور التواء کے احکام۔ سو وہ بھی پہلے ہی سے موجود ہیں۔ ان کے لیے کسی نبوت کی کیا ضرورت تھی۔ بس دعویٰ جو کر بیٹھے تو وفات مسیح اور تنسیخ جہاد کو ہی نبوی کارنامہ بنایا گیا۔ بعض پولیٹیکل افراد اور سیاسی پارٹیوں کی دیکھا دیکھی جناب مامور من اللہ کو کبھی کبھی جناب ابوالامر یا ظل اللہ پر رعب جمانے کو بھی جی چاہتا ہے تو صدر کانگرس کا پُرخلوص اور پُر تپاک استقبال باوردی مرزائی رضا کاروں سے کرا لیتے ہیں۔ حالانکہ کانگرس بالکل اینٹی اولوالامر اور اینٹی ظل اللہ واقع ہوئی ہے۔ ایسی حرکتوں سے ان کو یہ دکھانا مقصود ہوتا ہے کہ یہ ''اولو الامرانہ'' اور ''ظل اللہی'' عقیدے اور وفاداریاں محض وقت کی باتیں ہیں۔ ورنہ ان عقائد کے نیچے سینکڑوں تاویلیں وقت کے انتظار میں تڑپ رہی ہیں یعنی موقع ملے تو کانگرس کو بھی ظل اللہ بنایا جاسکتا ہے۔ الغرض یہ لوگ گورنمنٹ کو مذہباً اور عقیدتاً ظل اللہ مانتے ہوئے کانگرس جیسی اینٹی ظل اللہ جماعت کے ساتھ بھی گٹھ جوڑ کرنے کے منتظر اور مشتاق پائے جاتے ہیں۔ جہاد کو منسوخ اور حرام کہتے ہوئے بھی مریدوں سے جان کی قربانی طلب کرتے ہیں۔ اور جن اسلحہ کی اجازت ہے ان سے پورا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ سنا گیا ہے کہ امرتسر میں غلیلی جہاد پوری قوت کے ساتھ عمل میں آیا۔

## مسلمانوں کے ساتھ ان کا سلوک:

جن مسلمانوں نے ان کو یہ رونقیں بخشی ہیں، ان کے ساتھ ان کے سلوک کی یہ حالت ہے کہ کھلے بندوں ان کی تکفیر کی جاتی ہے ان کے صغائر تک کا جنازہ ناجائز ہے۔ رشتے لیے جاتے ہیں، دیئے نہیں جاتے۔ چھوٹے چھوٹے ملازم تک کی ضرورت ہو تو مرزائی کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اس کے باوجود اسمبلیوں اور لوکل

باڈیز میں یہ لوگ بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ مسلمان بن کر مسلمانوں کی نمائندگی کے لیے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ کیونکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ اس بھیڑ کو کوئی تمیز نہیں۔ چنانچہ پیر اکبر علی پنجاب اسمبلی میں ایک زندہ مثال کی صورت میں موجود ہیں۔ اور یہی مثالیں لوکل باڈیز میں ملتی ہیں۔ یہ لوگ ووٹ تو مسلمانوں سے لے لیتے ہیں۔ لیکن ان کا ہائی کمانڈ ''خلیفہ'' اور ''مامور من اللہ'' ہے۔ یہ سب ہماری مذہبی بے حسی، بے شعوری اور بے مرکزی کے معجزے ہیں۔ فن تاویل وتعبیر نے ان کے ہاں اتنے انڈے بچے دیئے اور اتنی ترقی اور عروج حاصل کیا کہ سیاق وسباق، اشارہ وکنایہ، قرینہ ومراد تک کی پروا نہیں کی جاتی۔ جس رویا سے موجودہ ''مامور من اللہ'' نے اپنی ماموریت نکالی۔ وہ بھی اسی تاویلی ہمت کی رہین منت ہے۔ یہ پیر مرید سب ہی راتوں کو رویاؤں میں مصروف رہتے ہیں۔ صبح کو انہیں چیستاں بنا کر ان سے دور از کار فالیں اور شگون لیے جاتے ہیں۔ اور نہایت بے تکلفی کے ساتھ ناک کی تعبیر دُم اور دُم کی دماغ لے لی جاتی ہے۔ الغرض اس عمل میں اس قدر مہارت اور دسترس حاصل کرلی گئی ہے کہ دن اور رات، ہاں اور نہیں، فتح وشکست جیسے متضاد الفاظ کو بآسانی مترادف بنا لیا جاتا ہے۔ مثلاً جو پیشین گوئی بالکل غلط اور محض غلط ثابت ہو۔ بزور تاویل اسی کے متعلق کہیں گے کہ بفضلہٖ تعالیٰ وہ حرف بحرف پوری ہوئی ہے۔ مسلمانوں کو کھلم کھلا کافر کہیں گے۔ ساتھ ہی واویلا کرتے جائیں گے کہ مسلمان مکفر ہیں۔ حالانکہ مسلمانوں کا قصور صرف اسی قدر ہے کہ دعویٰ نبوت کو جھوٹا سمجھتے ہیں۔ اجرائے نوت پہ لیکچر اور تقریر کریں گے تو تاویل کے زور سے اس کا عنوان ہوگا: ''ختم نبوت۔'' ہماری آوارہ جماعت کے آوارہ افراد، ایسی منطق اور ان ہی تاویلات کا شکار ہو رہے ہیں۔ حالانکہ مرزائیت میں جو اسلامی عقائد پائے جاتے ہیں ان میں نبوت کی ضرورت نہیں اور جو قادیانی ملاوٹ ہے وہ اسلام نہیں۔ بہر حال اسی جماعت اہل سنت سے گئے ہوئے افراد نے اب تو بڑی جمعیت بنا دی۔ لاکھوں روپے کے فنڈز اور کروڑوں روپے کی جائیدادیں بن چکی ہیں۔ گویا یہ اسی جماعت کا روپیہ ہے اور اسی جماعت کی گمراہی اور تباہی کے لیے وقف ہے۔ پھر بھی ایسٹرن ٹائمز جیسے مشفق ناصحین کو ان کا بُعد ان کی بیزاری اور ان کا افتراق نظر نہیں آتا۔ اور ہم جو رہے سہے افراد اہل سنت کی تنظیم کا ارادہ کرنے لگے۔ تو الٹا ہمیں ہی نصیحت کی جاتی ہے کہ فرقہ وارانہ تحریک اچھی نہیں۔ افسوس کہ یہ بزرگ مذہبی اور قومی اداروں میں تمیز ہی نہیں کرسکتے۔ حالانکہ جماعت اہل سنت سے زیادہ اتفاق اور اتحاد کا حامی کون ہوگا؟ یہی رواداری تو ہے جس کی وجہ سے جماعت تباہ ہوگئی۔ لیکن آج تک اپنا تبلیغی ادارہ قائم نہ کرسکی۔ مگر بالآخران کے ساتھ کوئی کیا ملے جو ملنے ہی نہ دیں۔

شیعہ، اب شیعہ فرقہ کو لیجیے! ان کے ساتھ ملنے کے یہ معنی ہیں کہ ہم روئیں اور روتے رہیں۔ پھر صحابہ کرام کے حق میں برا بھلا کہیں اور برا کہتے رہیں اور اگر ایسا نہ کریں، یعنی نہ بین کریں اور نہ گالیاں دیں تو گویا ہم مسلمان ہی نہیں۔ پھر نصیحت بھی ہمیں کی جاتی ہے کہ متحدہ تبلیغ کرو۔ یعنی غیر مذاہب کو بھی روتے رہنے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہتے رہنے کی دعوتیں دیتے پھرو۔ فرمایئے! کیا یہ مذہب ہے؟

دشنام بمذہبے کہ طاعت باشد

مذہب معلوم واہل مذہب معلوم

انہیں کوئی نہیں سمجھاتا کہ رونے دھونے کی بجائے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ہدیہ تبریک وتحسین بھیجیں۔ اس قربانی کو شاعروں اور ذاکروں کا اُجاڑا نہ بنائیں۔ کیونکہ یہ شاعر اس مجاہدانہ واقعہ پر مصیبت، ذلت، خواری اور عاجزی کا رنگ چڑھاتے ہیں۔ تو بجائے اس کے کہ اس مقدس عمل سے جذبہ قربانی اور ترغیب شہادت پیدا ہو۔ الٹا تاسف، مایوسی اور پشیمانی پیدا کرائی جاتی ہے۔ اور اس طرح شاعروں اور ذاکروں کے عمل سے اتنی بڑی قربانی ضائع ہو رہی ہے۔ یہ بات محض دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کو جتنا زیادہ عاجز اور درماندہ دکھایا جائے۔ شیعوں کی محفل اتنی ہی گرم اور پُر لطف ہوتی ہے اور جیسا کہ عرض ہوا اتنی بڑی قربانی صرف شعراء اور ذاکروں کی طبع آزمائی اور محض فیس اور اجرت کا عنوان بن کر رہ گئی ہے۔ حالانکہ یہ مقدس عمل اتنے گرے ہوئے اور ذلیل سلوک کا مستحق نہ تھا۔ شیعہ اختلاف کا دوسرا عنوان مسئلہ خلافت ہے۔ اس کے نمٹنے نمٹانے کا وقت بھی وہی تھا کہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ تلوار اٹھا کر بطور دعویدار کھڑے ہوجاتے۔ ان کی موجودگی میں ان ہی کے سامنے ایک کے بعد دوسری، دوسری کے بعد تیسری، پے در پے تین خلافتیں قائم ہوتی رہیں مگر وہ نہ صرف خاموش رہے بلکہ مدومعاون رہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اتنا بزدل بنایا جاتا ہے کہ وہ اتنے عرصہ میں اپنا دعویٰ لے کر کھڑے نہ ہوسکے۔ اور اگر انہوں نے اختلاف اور مخالفت مناسب نہ سمجھی تو اب تیرہ صدیوں کے بعد یہ بے وقت کا شور کیسا؟ بقول شیعہ اگر انہوں نے عین وقت پر اور ٹھیک موقع پر تقیہ فرمایا تو ان کے عمل کے خلاف اب تقیہ توڑنے کا کون سا احسن موقع ہاتھ لگ گیا ہے۔ جب کہ نہ خلافت ہے نہ خلیفے۔ درحقیقت حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرات خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کے روا دار تھے۔ اور یہ خلافتیں ان کو منظور تھیں۔ ورنہ تقیہ اگر محبوب عمل تھا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے وقت کیوں اختیار نہ کیا گیا اور ان کے خلاف کیوں کھلی لڑائی منظور کر لی گئی؟ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بھی خدا معلوم ہم لوگوں کے کیا کیا خیالات ہوتے۔ لیکن حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ان کی بیعت کر کے معاملہ کی اہمیت

بالکل مٹا دی۔ اب حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق کیا کہا جائے گا؟ شاید ان پر تقیہ کا الزام لگایا جائے۔ لیکن حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے تھوڑے لشکر اور بالکل تھوڑی جمعیت کے باوجود تقیہ کی خاندانی اور آبائی سنت کیوں چھوڑی؟ حالانکہ وقت کی نزاکت اور مصلحت کے لحاظ سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو تقیہ کی سخت ضرورت تھی۔ باغِ فدک اگر چھین لیا گیا تو جناب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے دورِ خلافت میں واپس نہ فرمایا۔ اگر یہ الزام ہے تو جناب علی رضی اللہ عنہ کیوں بری ہیں؟ ماتم اور بین اگر اعمالِ صالحہ میں داخل ہیں تو جب کنبے کا کنبہ آنکھوں کے سامنے شہید کر دیا گیا تو خیمہ اور کیمپ سے تو رونے کی ایک بھی آواز سنائی نہ دی۔

دیکھیے! اور غور کیجیے!! شیعہ کے اختلافی عنوانات اور اصولوں کو جناب حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما اور حضرات اہل بیت نے خود اپنے عمل سے کس خوبی اور کس صفائی سے ایک ایک کر کے توڑا۔ الغرض یہ ایک ماضی کو رونے والا مذہب ہے۔ اس کا کوئی مستقبل نہیں۔ ان کو اہل بیت کے دائمی ماتم اور صحابہ کرام کی دائمی بدگوئی سے فرصت ہی نہیں۔ تبرا ایجی ٹیشن کے بعد تو یہ فرقہ بالکل عریاں ہو گیا ہے۔ اس کے ساتھ چلنے سے بھی ہم رہے۔

ہاں! ممکن ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد تبدیل شدہ حالات میں ان کو اس دائمی ماتم اور دائمی بدگوئی جیسے اعمال اور مشاغل لغو اور فضول نظر آئیں۔ تو اس صورت میں ہمیں اتحاد میں کیا تامل ہو سکتا ہے؟ بہر حال ایسے فرقہ جات کے سوا اگر مسلمان حسب فرمان خداوندی اور حسب اقتضائے دقت فروعی اختلافات مٹا کر دعوت وتبلیغ کا فریضہ سنبھالیں تو مشکل ہی کیا ہے۔؟ [1] ماشاء اللہ حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی سلسلے تو مُسلَّمہ طور پر ایک دوسرے کے لیے محترم ہیں۔ ان کے جملہ مابینی اختلافات کو محض فروعات کی حیثیت حاصل ہے۔ رہا مقلد، غیر مقلد کا سوال، اس میں بھی یہ امر مسلّمہ ہے کہ استخراجِ مسائل کی استعداد ہر شخص میں نہیں اور جن میں یہ استعداد پائی جاتی ہے وہ بھی برابر نہیں۔ اور نہ ہر ایک شخص کو مرتبہ اجتہاد حاصل ہے۔ لہٰذا قرآن اور حدیث کی روشنی میں تقلید یعنی ایک فائق شخص کے قول اور فعل سے استفادہ ایک فطرتی امر ہے۔

---

[1] سردار احمد خان پتافی مرحوم نے اتحادِ ملت اور تعمیرِ تنظیم کے سلسلہ میں ہندوؤں، بدھکشوں، آریاؤں اور مرزائیوں میں اہل تشیع کو شامل کر کے یہ فارمولہ پیش کیا تھا کہ ان فرقوں اور مذاہب سے اتحاد ناممکن ہے، البتہ اہل سنت باہمی نزاع کو چھوڑ کر اکٹھے ہو جائیں تو بہت بڑی طاقت بن سکتے ہیں۔ یعنی دیوبندی، بریلوی اور اہل حدیث کے اتحاد پر زور دیا۔ آج جو لوگ ان تینوں مکاتب فکر پر توجہ دینے کی بجائے شیعہ، سنی اتحاد کا نعرہ لگاتے ہیں یہ دھوکا بازی اور فراڈ کے سوا کچھ نہیں۔ کیونکہ شیعہ وسنی تصادم اور لڑائی جھگڑے کو تو بہر صورت ختم ہونا چاہیے، مگر اختلاف کو ختم کرنا اور بھائی بھائی بن جانا ببول کے درخت پر لسوڑے تلاش کرانے کے مترادف ہے۔ سلفی

مگر اعتراض ہوتا ہے کہ تقلید شخصی نہ چاہیے۔ تقلید شخصی کی بحث میں بھی اگر ائمہ اربعہ کی شخصیت ہی پیش نظر ہے تو میں عرض کروں گا کہ کاش! وہی تقلید شخصی ہی میسر آ جائے۔ مگر وہ تقلید شخصی ہے کہاں؟ اب تو اجتہاد کا کام گھر گھر کی بڑھیا اور گاؤں گاؤں کی گدی نے سنبھال رکھا ہے۔ جو باہمی تنازعات کے وقت عدالتوں میں اپنے متعلق پابندی رواج کا بیان دیتے ہیں۔ اور واپس آ کر مریدوں اور عقیدت مندوں میں مجتہد بن جاتے ہیں۔ سکولوں اور کالجوں کی پیداوار مغربی فلسفہ کی مقلد ہے۔ وہ حضرات ائمہ کو جانتے ہی نہیں۔

عوام کی حالت یہ ہے کہ سندھ میں حضرت شاہ باز نامی ایک بزرگ گزرے ہیں۔ ان کے متولیان ابھی تک سنی چلے آتے ہیں۔ مگر مرید اور عقیدت مند سب شیعہ ہیں۔ ملتان میں جناب بہاء الحق صاحب کی اولاد اور متولی شیعہ ہو رہے ہیں۔ لیکن اکثر مرید سنی بھی ہیں اور بدستور مرید بھی ہیں۔ اور بڑی بڑی رقوم نذرانہ میں پیش کرتے ہیں۔ پیر عادل شاہ ضلع ڈیرہ غازی خاں میں ایک سنی بزرگ گزرے ہیں۔ ان کی اولاد اور متولی شیعہ ہو گئے ہیں لیکن مرید بدستور سنی ہیں۔ چڑھاوے چڑھاتے ہیں اور بخیالِ خود مرادیں پاتے ہیں۔ پیر سید جلال مرحوم اوچ والے...... ایک اہل حدیث بزرگ تھے۔ لیکن کوئی خرابی ایسی نہیں جو اُن کے مزار پر نہ ہوتی ہو۔ کیا یہی تقلید ائمہ ہے؟ جس پر مباحثے اور مناظرے ہوتے ہیں؟ آپ چاہیں تو خواہ مخواہ ایسے عوام کو مقلد قرار دیں۔ لیکن ہم تو ان کو غیر مقلد ہی کہیں گے۔ تقلید ائمہ تو درحقیقت مفقود اور کالعدم ہے۔ اور بحث مباحثہ میں محض لکیر پیٹی جا رہی ہے۔ ورنہ کجا مقلد و غیر مقلد کی اصولی بحث اور کجا یہ اندھیر گردیاں! شرک، بدعات اور قبر پرستی جیسے اعمال کو تقلید ائمہ کی طرف منسوب کرنا کہاں کا انصاف ہے؟ کیوں نہ کہا جائے کہ یہ تمام بداعمالیاں ترکِ تقلید کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں۔ فی الحقیقت مسلمانوں کے یہ اعمال نہ تقلیدی ہیں اور نہ غیر تقلیدی بلکہ یہ کوئی اور بلا ہے۔ اور خدا جانے یہ کہاں سے نازل ہوئی ہیں۔

”بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست“

مقلد اور غیر مقلد دونوں کا فرض ہے کہ ان خرافات کا سراغ لگائیں اور کرنے کا کام یہی ہے۔

ناحق تقلید شخصی و غیر شخصی پر وقت ضائع کیا جا رہا ہے۔ میرا تو دعویٰ ہے کہ مسلمان ائمہ حضرات کی تقلید تک واپس آ جائیں تو باقی شخصی اور غیر شخصی کی مشکل خود بخود حل ہو جائے گی اور ائمہ حضرات کے اقوال خود بخود سمجھا دیں گے کہ قرآن اور حدیث کے بالمقابل ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ مگر ائمہ حضرات کے نزدیک کوئی پھٹکے بھی! پس آمین بالجہر اور رفع یدین جیسے عنوانات پر چونچیں لڑانا اور تبلیغ اسلام کا حقیقی میدان واگزار کر دینا

کہاں کی مسلمانی اور کہاں کی دانشمندی ہے؟ ایسے فروعی مسائل تو صرف مقلد غیر مقلد میں ہی نہیں، بلکہ مقلد اور مقلد میں بھی اختلافی ہیں۔ پس مسلمانوں کا فرض ہے کہ فریضہ تبلیغ اسلام کی طرف متوجہ ہوں اور قولاً وفعلاً اسلامی اصول دنیا کے سامنے پیش کریں اور تبلیغ اسلام کا معیار اور تبلیغی کلام کا رنگ خواہ وہ تحریری ہو یا تقریری جہاں علیٰ قدر عقول الناس تجویز ہو۔ وہاں علیٰ قدر عقول علماء علوم جدیدہ وعلماء سائنس بھی پیش نظر رہے۔ ہم نے جہاں تک مذکورہ جملہ خرابیوں کا سراغ لگایا۔ سب کی جڑ تبلیغی بے مرکزی پائی۔ اس کام اور اس میدان میں جماعت اہل سنت کی غفلت کی کوئی انتہا نہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جہاں آریہ، مرزائی شیعہ اور عیسائیوں کے منظم مرکزی ادارے اور ان کے پریس وپلیٹ فارم غیر معمولی طور پر مصروف عمل نظر آئیں گے۔ وہاں جماعت اہل سنت کے کسی اجتماعی تبلیغی ادارہ کی نشاندہی آپ ہندوستان بھر میں نہ کرسکیں گے۔ اب وہ مراکز بڑی بڑی جائیدادوں کے مالک بن چکے ہیں۔ ان کے ماتحت بے شمار جماعتوں کے جال بچھ گئے ہیں۔ آریہ سماج کی ڈائمنڈ جوبلی زیر تجویز ہے۔ تو دونوں مرزائی جماعتیں اپنی اپنی جوبلیاں منا چکی ہیں۔ لاہوری جماعت نے پنجاب میں اور قادیانی جماعت نے سندھ میں لاکھوں روپے کی مالیت کے مربعہ جات حاصل کر لیے ہیں۔ لیکن جماعت اہل سنت کے واسطے ہنوز روزِ اوّل ہے۔

کب کام پروان چڑھے۔ اور کب...... جوبلیاں منائی جائیں۔

''ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا''

یہ نہ تساہل کہا جاسکتا ہے اور نہ غفلت۔ بلکہ یہ مطلقاً اندھا پن ہے نہ ہمیں خود اسلامی فرائض کا احساس ہے اور نہ دوسروں کی سرگرمئ عمل سے عبرت حاصل ہوتی ہے۔ غیر مسلم جماعتوں میں تبلیغ اسلام تو درکنار، جب اپنے مسلمانوں کی بھی دیکھ بھال اور سنبھال نہ رہی۔ تو آپ کیا جانیں کہ اب مسلمان کس حالت میں ہیں۔ آپ افراد جماعت کو ساؤنڈ کریں اور علاقہ جات کا سروے کریں تو معلوم ہوگا کہ جو لوگ مرزائیت اور شیعیت سے بچے ہیں وہ یا تو الحاد میں مبتلا ہیں، یا جاہلانہ رسوم اور جمود میں۔ ان کا دل ودماغ مذہب کے تعمیری پروگرام کو قبول ہی نہیں کرتا۔ عوام کا تو ذکر ہی کیا، خواص کے سامنے جب دعوت وتبلیغ کا پروگرام رکھا جائے تو طبائع کی ناہمواری پر تحیر طاری ہوجاتا ہے۔ مثلاً کوئی بزرگ علی گڑھ یونیورسٹی، حمایت اسلام کالج لاہور، اور ازیں گونہ درس گاہوں کو مذہبی اور تبلیغی مراکز سمجھے بیٹھے ہیں تو کوئی مسلم لیگ اور جمعیۃ العلمائے اور خاکسار تحریک کو تبلیغی ادارے بتاتے ہیں۔ ان کا جواب ہوتا ہے کہ اس قدر اداروں کی موجودگی میں مزید تبلیغی اداروں کی کیا ضرورت ہے؟ وہ اتنا نہیں سمجھتے کہ ہندو مہاسبھا، ہندو یونیورسٹی ڈے، اے، وی کالج لاہور اور

سینکڑوں ہندو سکولوں کی موجودگی میں آریہ سماج اور سناتن دھرم سبھا کی جدا جدا پرتی ندھی سبھاؤں اوران کے جدا جدا پلیٹ فارموں کی کیا ضرورت ہے؟ اسی طرح مسلم یونیورسٹی، اسلامیہ کالجوں اور اسلامیہ سکولوں کی موجودگی میں مخصوص شیعہ پلیٹ فارم کی کیا ضرورت ہے؟ پھر قادیانیوں اور لاہوریوں کو اپنے اپنے جداگانہ تبلیغی مراکز قائم کرنے کی کیا حاجت؟ اور جب یہ سب منظم مذہبی پلیٹ فارم اور مذہبی مراکز اپنے اپنے مخصوص عقائد کی تبلیغ میں پچاس پچاس اور ساٹھ ساٹھ سال سے مصروف عمل ہیں تو آپ کے پاس بالمقابل مذہبی دعوت یا مذہبی مدافعت کے لیے کون سا تبلیغی ادارہ موجود ہے؟

دوستوں کی خدمت میں مزید عرض کیا جاتا ہے کہ آپ کے یہ تعلیمی اور سیاسی ادارے بلاشبہ اسلامی مفاد کے لیے بہت مفید اور بہت نافع ہیں۔ لیکن ان سے جناب کو تبلیغی اداروں کا مغالطہ نہ لگے۔ بلکہ ہم تو یہ عرض کریں گے کہ دہلی، دیوبند، سہارن پور اور ندوۃ العلماء جیسی درس گاہیں بھی تدریسی ادارے ہیں نہ کہ تبلیغی! اسلامی مرکزی تبلیغی ادارہ قائم ہو جائے تو بے شک انہی جملہ درس گاہوں کے سہارے چلے گا۔ لیکن یہ بذات خود تبلیغی ادارے نہیں ہیں۔ پھر عرض کیا جاتا ہے کہ جیسا کہ دیگر فرقہ جات کے تعلیمی اداروں کے بالمقابل ہمارے تعلیمی ادارے ہیں۔ ان کے سیاسی اداروں کے بالمقابل بھی ہمارے سیاسی ادارے ہیں۔ لیکن ان کے مذہبی تبلیغی اداروں کے بالمقابل آپ اپنی جماعت اہل سنت میں اسی مرتبہ کا کوئی اجتماعی تبلیغی ادارہ جیسا کہ عرض ہوا۔ ہندوستان بھر میں نہ دکھا سکیں گے۔ لہٰذا واضح رائے عالی ہو کہ جماعتِ اہل سنت کا تبلیغی ادارہ چیزے دیگر ہے جو طول وعرض ہندوستان میں ناپید ہے۔ اس قدر تفصیلی گزارش اور دماغ سوزی کے بعد کہیں جا کر دوستوں اور بزرگوں کی طبیعت صاف ہونے لگتی ہے۔ پھر وہ چونک کر فرماتے ہیں کہ واقعی یہ بڑی غلطی اور بہت بڑی فروگزاشت ہے۔

عرض کیا جاتا ہے کہ ہاں جناب! اس مذہبی ہنگامہ میں جماعت اہل سنت کا مرکزی تبلیغی ادارہ نہ ہونا فروگزاشت نہیں بلکہ یہ ایک خطرناک حادثہ ہے اور اسی کا کارن [1] ہے کہ دیگر گمراہ اور گمراہ کن فرقہ جات کو بڑی سہولت اور آسانی کے ساتھ گنجائش اور سمائی مل گئی ہے۔ الغرض حیرت کی بات ہے کہ ایک آریہ سماجی کے لیے اپنے سیاسی، تعلیمی اور مذہبی پلیٹ فارموں کا سمجھنا اور ان میں امتیاز کرنا کچھ بھی مشکل نہیں۔ یعنی وہ اپنے مشترک وجداگانہ سیاسی، تعلیمی اور تمدنی اداروں کے ساتھ ''آریہ پرتی ندھی سبھا'' جیسے مخصوص مذہبی ادارہ میں اپنی شمولیت، اور ان کی امداد ضروری سمجھتا ہے۔ اسی طرح ایک سناتن دھرمی ہندو اس امر کے سمجھنے

---

[1] کارن بمعنی سبب، واسطہ یا باعث۔

میں کوئی الجھن محسوس نہیں کرتا کہ اپنے مشترک وجداگانہ سیاسی و تعلیمی اداروں کے ساتھ اس کے لیے سناتن دھرم پرتی ندھی سبھا بھی اس کی خاص توجہ اور خاص امداد کی مستحق ہے۔ عیسائی سیاست سارے ہندوستان پر مسلط ہے۔ لیکن ہر ایک عیسائی اپنے مخصوص مشن کے ساتھ منسلک اور مربوط ہے۔ اور اس کی امداد اپنے پر فرض سمجھتا ہے۔ شیعہ جہاں اسلامیہ کالجوں، سکولوں میں اور جہاں کانگرس لیگ، مجلس احرار اور خاکساروں میں شامل ہیں۔ وہاں اپنے مخصوص مذہبی اداروں کے پورے ممد ومعاون ہیں۔ مرزائی لوگ چار آنہ والی ممبری حاصل کر کے انجمن ترقی تعلیم امرتسر، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، حمایت اسلام کالج لاہور جیسے مشترک اداروں میں گھسنے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔ لیکن ان کی اصلی اور حقیقی امدادیں اور قربانیاں اپنے مخصوص مذہبی اداروں کے لیے وقف ہیں ؎

مگر ہے ہماری نظر اتنی اونچی
برابر ہے ہم کو بلندی و پستی

افراد جماعت اہل سنت بس ان ہی سکولوں کالجوں اور اپنے مشترک سیاسی اداروں کو اپنی تبلیغی جماعتیں سمجھے بیٹھے ہیں۔ ان کو پرواہ نہیں کہ جماعت اہل سنت جیسی جماعت حقہ کے استحکام اور بقاء کے لیے ان کے کیا فرائض ہیں؟ ان کو معلوم نہیں کہ حق بھی اپنے بقاء کے لیے طاقت وتدارک کا طالب ہے۔ اگر یہ جماعت اپنے فرائض کی ادائیگی پر کمربستہ رہتی تو موجودہ جدید فرقوں کا وجود ہی نظر نہ آتا۔ اب جب کہ کوئی منظم مرکزی شیرازہ نہیں تو افراد جماعت خواہ عوام ہوں یا خواص ایک طرح کی عام مذہبی مایوسی اور بے ذوقی میں مبتلا پائے جاتے ہیں۔ حالانکہ باقی ہر ایک فرقہ کے افراد کو اپنے مخصوص مذہبی پلیٹ فارم اور مذہبی ادارہ کے ساتھ خاص انس، الفت اور محبت ہے۔

جماعت اہل سنت کے کسی فرد کو کوئی اعلیٰ عہدہ وملازمت مل جائے، یا کانگرس، مسلم لیگ خاکساریت وغیرہ میں سے کوئی سیاسی جماعت اسے سونگھ لے۔ تو فوراً اس کے دماغ میں مذہبی غیر جانبداری کا خمار چڑھ جاتا ہے۔ پھر وہ اپنی جماعت اہل سنت کے تذکرہ کو تفرقہ کا نام دیتا ہے۔ ذرا زیادہ متوجہ کیا جائے تو مجموعی اور گول مول جوابات ملتے ہیں۔ مثلاً جب پاکستان حاصل ہوگا تو یہ سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا۔ عرض کیا جاتا ہے کہ جناب جب تک پاکستان حاصل ہوگا تب تک یہ جماعت شاید ہی کچھ باقی رہے۔ [1] یا پھر شیعہ، مرزائی،

---

[1] اور پاکستان بننے کے بعد سردار پتافی مرحوم کی آنکھوں نے خود دیکھ لیا تھا کہ تنظیم ملت کا کیا حشر ہوا؟ ایک ایک مسلک نے بیس بیس متضاد گروپوں کو جنم دیا اور ہر ایک گروپ کی چار چار مزید شاخیں نکلیں، ہر شاخ پہ الو بیٹھا نظر آیا اور ہر الو کی اپنی نحوست دیکھنے میں آئی! ریاستی اداروں، حصول دولت کی دوڑ، تباغض وتحاسد کے شاخسانوں، لیڈری کے چسکوں اور عدمِ اخلاص نے جماعتوں اور شخصیات کے مابین جو خلیج حائل کر رکھی ہے، اس پر تبصرے کی حاجت نہیں کہ یہ سب کے مشاہدہ میں ہے، اور پاکستان ہی کیا، اب تو پورا عالم اسلام اس کا خمیازہ بھگت رہا ہے۔ کاش سردار احمد خان پتافی جیسے دردمند، صاحب بصیرت اور اخلاص وتقویٰ میں گندھی ہوئی شخصیت کی دعوت کو قبول کرلیا جاتا۔ سلفی

آریہ، عیسائی کو بھی کچھ نصیحت فرمائیں۔ جب کہ ان کے پریس، پلیٹ فارم اور فنڈز ان کے مخصوص عقائد کی تبلیغ اور گمراہی کے لیے وقف ہیں۔ مگر نہیں، وہ ازیں گونہ نصائح اور ارشادات کے لیے ہمیں ہی منتخب کریں گے۔ جن کے پاس کچھ بھی نہیں اور جو ابھی تک کچھ کرنے کا ارادہ ہی کر رہے ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ مرزائی کو کوئی نہیں کہتا کہ پاکستان حاصل کر لینے تک مسلمانوں کو مرتد کرنا چھوڑ دو۔ شیعہ کو کوئی متوجہ نہیں کرتا کہ ذرا خلافت حاصل کر لینے دو۔ کسی سیّد سردار کو ایک دفعہ پھر خلیفہ منتخب کر لیں گے۔ بشرطیکہ کوئی شیعہ بزرگ ہی بالمقابل کھڑا نہ ہو جائے۔ الغرض جو بھی سمجھانے کو اٹھے گا وہ ہمیں ہی سمجھانا شروع کر دے گا جو پہلے ہی بے حس و حرکت ہیں۔

یاد رکھو! تبلیغ مذہب کے متعلق ہماری یہ غفلت ایسے وقت میں ہے جیسا کہ شروع شروع میں عرض ہوا جب کہ صنعتی، تجارتی اور سیاسی رکاوٹوں کے سبب ملک مذہبی دلچسپی کے لیے کچھ نہ کچھ فارغ ہے اور حکومت کی مصلحت بھی مذہبی آزادی کے نام پر اس امر کی روادار ہے کہ ملک میں فرقہ وارانہ مذہبی جذبات ابھرے ابھرے رہیں۔ نبی، امام، اور مامور جتنے بھی چاہیں بڑھیں اور پھلیں پھولیں۔ لیکن جب ہندوستان آزاد ہو کر بین الاقوامی دوڑ میں شامل ہوگا تو لازماً مذہبی جذبات پھیکے پڑیں گے۔ ''مذہب مردہ باد'' کے نعرے بلند ہوں گے تو اندیشہ یہ ہے کہ اس وقت سب سے پہلے اسی جماعت اہل سنت کا خالی الذہب مسلمان اس رو میں بہے گا۔ کیونکہ اس کے حال پر آج اس کے اعمال شاہد ہیں۔ اس کی طبیعت ابھی سے مذہب سے برگشتہ اور اکھڑی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ ورنہ وہ ہر آئے گئے کے پیچھے نہ لگتا۔ وہ اس وقت بھی اپنے مخصوص تبلیغی ادارے سے بے پروا ہے جب کہ دوسرے مذاہب والے اپنی تبلیغی سرگرمیوں کی جوبلیاں منا چکے ہیں۔ المختصر جماعت کی غفلت اور بے پروائی بعض اصحاب کی نگاہ میں ناقابل برداشت ہوگئی ہے۔ اور انہوں نے مرکزی تبلیغی ادارہ کی بنیاد رکھ دی ہے۔ گو ہم نے بہت تغافل برتا۔ لیکن اس کی پروا نہ کرنی چاہیے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہی فرقے مذہب کے علمبردار ہیں جن کا ساتھ ان کا مذہب نہیں دے رہا اور نہیں دے سکتا۔ اسلام ہی سے مذہبی اعمال، مذہبی اصول اور مذہبی سہولتیں لے کر اپنی غیر مذہبی اور سیاسی دھڑا بندی کو انہوں نے مذہبی جماعت کا نام دے رکھا ہے۔ بالآخر عصبیت تہ نشین ہوگی تو حقیقت نکھر لے گی۔ عمل کی دنیا میں مذہب وہی کامیاب رہے گا جو عمل درآمد کے لیے کارآمد ہوگا۔

ہم پالیٹکس کو ہرگز برا نہیں کہتے۔ بلکہ اسلام میں تو وہ مذہب ہی میں شامل ہے۔ خواہ اس کے عمومی مرتبہ میں شامل ہو یا محدود اور مخصوص درجہ میں۔ نہ ہمیں سکولوں، کالجوں یا دیگر تمدنی اور پروفیشنل اداروں پر کچھ

اعتراض ہے۔ بلکہ مذہب اسلام اور تبلیغ مذہب اسلام کو بھی اپنے دل ودماغ اور اپنی داد ودہش میں کوئی جگہ، بلکہ پہلی جگہ ملنی چاہیے۔ جس کا ایک ایک عقیدہ ہر غیر مسلم کے دل کو اندر اندر کھائے جا رہا ہے۔ عیسائی آرزو مند ہے کہ اللہ تعالیٰ کو صاحب عیال واطفال مان کر بھی وہ موحد کہلائے۔ آریہ متمنی ہے کہ روح اور مادہ کو اللہ تعالیٰ کا ہم عصر، ہم عمر اور غیر مخلوق مان کر وہ موحد اور خدا تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک سمجھنے والا بنے۔ ہر چند ان کو اپنے اپنے مذہب نے بریک لگا رکھی ہے۔ مگر وہ توحید کے لیے بے تاب ہیں۔ لیکن ہم نہ خود اسلام کی قدر کرتے ہیں اور نہ اسے دوسروں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ بے شک آپ مجلس احرار، جمعیۃ العلماء، مسلم لیگ اور کانگرس میں شامل رہیں۔ ہمارا یہ پلیٹ فارم ان کے باہمی اتحاد، یا باہمی تقابل کی باتوں کے لیے غیر موزوں ہے۔ آپ اپنے اپنے سیاسی مقام کو نہ چھوڑتے ہوئے مرکزی تبلیغی ادارہ کے معاون ومددگار بن جائیں۔ اور یہ ادارہ آپ کی طرف سے دنیا کو دعوت اسلام دے گا اور متعلقہ قائم شدہ جماعتوں کی حفاظت نگہداشت اور مدافعت کرے گا۔

غور کرو باقی مصروفیتوں کے ساتھ ساتھ مذہب بھی آپ کی قربانیوں کا مستحق ہے۔ اس مقام پر دوسری تحریکوں کا عذر درمیان میں نہ لائیں اور نہ خواہ مخواہ اشکال پیدا کریں۔ دوسرے لوگوں کو دیکھیں کتنی آسانی کے ساتھ اپنے دینی دنیاوی کام سرانجام دے رہے ہیں جیسا کہ کسی نے کہا ہے

؎ عشق چوں مشکل نمود یار چہ آساں گرفت

جو کام دوسروں کے لیے آسان ہے وہ آپ کے لیے کیوں مشکل ہے۔ مسٹر جناح اگر شیعہ کی ماتمی مجالس میں بالالتزام شامل ہوتے ہیں۔ سر ظفر اللہ فیڈرل کورٹ کا جج ہو کر بھی قادیانی سب کمیٹیوں کی ممبری میں کام کرتا ہے۔ مہاراجہ پٹیالہ خود بیلچہ لے کر گوردوارہ کے لیے مٹی کی ٹوکری بھرتا ہے اور وہی مٹی کی ٹوکری اپنے سر پر اٹھا کر لاتا ہے۔ سر ٹیک چند ہائی کورٹ کا جج ہو کر اور سر چھوٹو رام پنجاب گورنمنٹ کا وزیر بن کر آریہ سماج کے جلسے اٹینڈ کرتے رہے۔ تو آپ کے بیرسٹر اور جج، پروفیسر اور پرنسپلز اور آپ کے وزیر آپ کی مذہبی مجالس میں آنے سے کیوں شرماتے ہیں؟

وہ زیادہ سے زیادہ حمایت اسلام کالج جیسے مشترک اور مذہب سے نیوٹرل ادارے تک دلچسپی لیں گے۔ مگر اس سے ذرا آگے جماعت اہل سنت کے مخصوص پلیٹ فارم اور اس کی ذمہ داریوں میں شامل ہونے سے گھبرائیں گے بلکہ ایسی تحریک کو تفرقہ کا نام دیں گے وجہ یہ ہے کہ ہم نے خود اپنے مذہبی پلیٹ فارم کو بے وقعت کر رکھا ہے۔ پس ہماری التماس ہے کہ اس کام کی سرانجامی کے لیے ذی علم، اہل ثروت اور اہل وجاہت

لوگ آگے بڑھیں اور کام کو سنبھالیں۔

اس وقت زیادہ تفصیلوں میں جانے کی ضرورت نہیں۔ محض مختصر لفظوں میں یوں گزارش ہوسکتی ہے کہ بالمقابل مختلف مذاہب کے تبلیغی مراکز اور تبلیغی اداروں کے پیش نظر ٹھیک متوازی لائن پر دعوت وتبلیغ، حفاظت ومدافعت کا کام ہاتھ میں لیا جائے۔ باقی تفصیلیں اس پروگرام کے تحت میں آجاتی ہیں۔

مقام غور ہے کہ بالمقابل دوسرے فرقہ جات کی جملہ قربانیاں اور ان کے جملہ دان پن اور خیراتیں کس قدر جلدی سماجوں، سبھاؤں اور جماعتوں میں منتقل ہوگئی ہیں۔ لیکن جماعت اہل سنت تبلیغی بے مرکزی کے سبب جماعتی اور اجتماعی زندگی سے دور، جماعتی اور اجتماعی امداد سے محروم اور افراد کی لوٹ میں بدستور گرفتار ومبتلا ہے۔ جس کی وجہ سے فنڈز بننے میں نہیں آتے اور قوم کی کمر ٹوٹ رہی ہے۔ جماعت اہل سنت کی عربی درس گاہوں سے پرزور التجا ہے کہ تبلیغی ادارہ کے حسب ضرورت قابل، ہمدرد اور ایثار پیشہ نوجوان مہیا کریں۔ ہم تہہ دل سے ان کی خدمات کے معترف ہیں۔ لیکن اس قدر شکوہ کی اجازت چاہتے ہیں کہ ہماری یہ درس گاہیں نوجوانوں کو تعلیم وتربیت کے اس مرتبہ پر نہیں پہنچا رہیں جو موجودہ حالات میں دنیا کی رہنمائی کے لیے ضروری ہے۔ مرکز کو مستقل تعلق یا تبلیغی دورہ جات کے لیے جب مبلغین کی ضرورت پیش آتی ہے تو اس قدر درس گاہوں کی موجودگی میں مبلغین دستیاب نہیں ہوسکتے۔ عام طور پر ان درس گاہوں سے فارغ شدہ حضرات درس وتدریس کی پرامن اور آرام دہ زندگی کے لیے جابجا پھرتے نظر آتے ہیں۔ اس کی وجہ تبلیغی ناقابلیت کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے۔ گو تدریس بجائے خود بھی ایک مفید کام ہے۔ آئے دن سنا جاتا ہے کہ نصاب تعلیم کی تبدیلی زیر غور ہے لیکن پھر معاملہ کھٹائی میں پڑ جاتا ہے۔

آخر میں صاحب صدر اور حاضرین کی خدمت میں درخواست کرتا ہوں کہ استحکام واستقلال مرکز، شہروں میں محلہ دار اور دیہاتوں میں گاؤں وار یا موضع وار جماعتوں کی تشکیل کے کام میں امداد ورہنمائی فرمائیں تاکہ اجملہ افراد اہل سنت جماعتوں میں منظم ہوجائیں اور ہر قسم کی داد ودہش از قسم خیرات، ایصالِ ثواب، نذر نیاز اور زکوٰۃ وغیرہ جماعتوں کے بیت المال میں جمع ہوکر تبلیغ اسلام اور تردید فرقہ جات باطلہ کے علاوہ توسیع تعلیم، ترغیب صنعت، حرفت وتجارت اور مسلمانوں کے عام اٹھان اور ان کے اپ لفٹ کے پروگرام میں صرف ہو۔ اور یہی تنظیم اہل سنت کے اغراض ومقاصد ہیں۔ والسلام! [1]

---

[1] سردار احمد خان پتافی رحمہ اللہ رخطبۂ استقبالیہ برموقع پہلی سالانہ ''تنظیم اہل سنت'' کانفرنس رمورخہ ۱۶، ۱۷، ۱۸ر مارچ ۱۹۴۵ءر بمقام بیرون دہلی دروازہ، لاہور۔

# پہلا سالانہ جلسہ اور حضرت مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ کے ارشاداتِ عالیہ

آپ رحمہ اللہ نے اپنے خطاب میں فرمایا اہل سنت والجماعت فرقہ ناجیہ ہے اور روئے زمین پر یہی فرقہ سب سے بڑا ہے۔ سوادِ اعظم اہل سنت والجماعت ہے اور حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے: لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِيْ عَلٰى ضَلَالَةٍ. شیطان اس کے پیچھے برابر لگا ہوا ہے۔ اس کی کوششوں سے اہل سنت کے خلاف بے بنیاد اعتراضات کا سلسلہ ہمیشہ سے جاری ہے۔ مختلف طریقوں سے اس جماعت کی جڑ اکھیڑنے کی کوشش کرنا شیطان کا کام ہے۔ ہر ملک میں ایسی کوششیں جاری ہیں مگر چونکہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ہے۔ اسی ہندوستان میں چالیس کروڑ میں دس کروڑ بدنصیب مسلمان ہیں۔ اس لیے کفر کے حملے کامیاب نہیں ہوتے۔ آج تمام فرقے مسلمانوں کے خلاف جماعت بندی کر رہے ہیں۔ مسیحیت ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگا رہی ہے۔ حکومت کے بجٹ میں مسیحیت کی اشاعت کے لیے کافی رقم رکھی جاتی ہے۔ دوسری جماعتیں بھی مسلمانوں کو مرتد کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کر رہی ہیں۔ لالہ لاجپت رائے کا مضمون میں نے پڑھا تھا۔ انہوں نے ایک دفعہ لکھا تھا کہ ہندوستان میں جتنی قومیں آئیں سب ہندوؤں میں جذب ہو گئیں۔ سبھی نے دھوتی پہن لی۔ وہی طریقہ، وہی تہذیب اختیار کر لی جو ہندوؤں کی تھی۔ مگر مسلمان جب سے آئے ہیں اپنی تہذیب کو زندہ کیے ہوئے ہیں۔ یہ ہم میں مدغم نہیں ہو گئے۔ ان سے صلح جب ہو سکتی ہے کہ یہ ہندوؤں کی تہذیب اختیار کر لیں۔ نام رکھیں تو محمد رام، علی رام، دھوتی پہنیں صورت بھی ہماری جیسی بنائیں۔ منہ پر داڑھی نہ ہو جب ان سے ہماری صلح ہو سکتی ہے۔ ان کا جواب ان ہی دنوں ایک اخبار نے دیا تھا کہ مسلمان ایسی ہڈی ہیں جو ہندوؤں کے گلے میں ہڈی بن کر اٹک گئے ہیں۔ اب یہ ہڈی نہ اندر جاتی ہے نہ باہر نکل سکتی ہے۔

مسلمانوں کی یہ بڑی تعداد تبلیغ کا ثمرہ ہے۔ باہر سے کتنے مسلمان یہاں آئے زیادہ سے دو تین چار پانچ لاکھ کہہ لو۔ مگر آج یہ دس کروڑ ہو گئے ہیں۔ یہ سب علماء کی کوششوں اور اسلام کی حقانیت اور سچائی سے مسلمان ہوئے ہیں۔

## کیا اسلام بزور شمشیر پھیلا؟

بادشاہوں نے کبھی تبلیغی مشن قائم نہیں کیے۔ اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا۔ میں نہیں کہتا یورپین

مصنفین لکھتے ہیں: مسٹر آرنلڈ نے لکھا ہے کہ اگر اسلام تلوار کے زور سے پھیلتا تو دہلی کے نواح میں مسلمان ۱۴ فیصدی اور غیر مسلم ۸۶ فیصدی نہ ہوتے۔ دہلی شاہان اسلام کا مرکز تھا۔ اگر ان کی تلوار کی دھار سے اسلام پھیلتا تو دہلی اور یو پی میں ۱۰۰ فیصدی مسلم آبادی ہونی چاہیے تھی نہ کہ سلہٹ اور بنگال کے مرکز سے دور افتادہ علاقہ جات میں ۸۰، ۹۰ فیصدی مسلمان ہوتے۔ الغرض شاہانِ اسلام نے کبھی اس کے لیے تلوار کے استعمال کی اجازت نہیں دی۔ ہاں صداقت، حقانیت اور نیکی کی تلوار، حکمت و دلیل اور برہان کی تلوار سے بہت لوگ مسخر کیے گئے۔ غالباً مسٹر آرنلڈ لکھتے ہیں کہ ترکی میں ایک دفعہ تین ہزار خاندان بیک وقت مسلمان ہوئے۔ یہ حقانیت اور سچائی کی تلوار سے ہی مسلمان ہوئے اولیاء اللہ نے لاکھوں بندگانِ خدا کو مسلمان بنایا۔ حضرت خواجہ معین اجمیری قدس اللہ سرہ العزیز کی تبلیغ و توجہ سے لاکھوں مسلمان ہوئے۔ اسی طرح شیخ داؤد چشتی رحمہ اللہ اور دوسرے اکابر اولیاء کے دم قدم سے بہت سے لوگ اسلام کی دولت سے بہرہ یاب ہوئے۔ ہندوستان میں تو اسلام اہل اللہ اور علماء کی کوششوں سے ہی پھیلا۔ بادشاہ تو عموماً آپس میں ہی لڑتے رہے۔ انہوں نے کوئی مشن قائم نہیں کیا۔ تزک جہانگیری میں صریح ہدایت بادشاہ کی منقول ہے کہ دین کے معاملہ میں کسی پر جبر نہ کیا جائے۔ خود قرآن میں مذکور ہے: ﴿لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾ تو جبر و تشدد سے منع کیا جاتا ہے۔ مردم شماری کی رپورٹیں دیکھ لو ۱۸۷۱ء میں جب کہ یہاں مسلمانوں کی حکومت تھی۔ پانچ اور چھ کروڑ کے درمیان بمشکل مسلمانوں کی تعداد تھی۔ یہ تعداد آج دس کروڑ ہوگئی۔ آج کہاں مسلمانوں کی بادشاہت اور تلوار کا زور ہے؟ تمہارے اسلاف نے اسلام پھیلایا تھا۔ تمہارا فریضہ بھی یہی ہے۔ اسلام کی اشاعت، امن و امان کا قیام، ملک کی آزادی، یہ سب تمہارا فرض ہے۔ انگریز نے ہم سے ہندوستان لیا تھا۔ اسی لیے ہمیں ہی اس سے اپنا ملک واپس لینا چاہیے۔

## غیر مسلم دوستوں کو کھرا جواب:

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ تم غیر ملکی ہو تم ہندوستان سے نکل جاؤ۔ ان سے کہہ دو کہ یہ غلط ہے ہندوستان تو ہر حیثیت سے مسلمان کا وطن ہے تاریخی حیثیت سے دیکھ لو۔ حضرت آدم علیہ السلام کہاں اترے تھے؟ اسی ہندوستان میں! مذہبی حیثیت سے دیکھو حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ ہندوستان میں کئی انبیاء علیہم السلام کی قبور مبارکہ ہیں۔ مسلمان یہاں آئے مگر انگریز کی طرح نہیں کہ لوٹ کھسوٹ کر پھر انگلستان چلے جائیں۔ انہوں نے تو ہندوستان کو اقامت گاہ بنا لیا۔ یہ صرف زندگی ہی میں نہیں مرنے کے بعد بھی ہندوستان کو لے کر بیٹھا ہے مسلمان عقیدہ رکھتا ہے کہ مرنے کے بعد اسی جگہ کی مٹی سے اٹھوں گا اور

جنت میں جاؤں گا تو میرا تعلق ہندوستان سے قیامت تک ہے بلکہ قیامت کے بعد بھی ہے۔ ہندو صرف زندگی میں ہندوستانی ہے۔ مرنے کے بعد خدا جانے وہ گھاس پھوس یا کسی جانور کے قالب میں ڈھل جائے یا چڑچل یا سٹالن بن جائے۔ مگر مسلمان تو مرنے کے بعد زندگی سے زیادہ جگہ لے کر ہندوستان میں بیٹھ جاتا ہے۔ جیتے جی دو فٹ جگہ لیتا ہے تو مرنے کے بعد چھ فٹ کی قبر بنتی ہے۔ پھر کسی مسلمان کے باپ یا بھائی کی قبر کو ہاتھ تو لگا کر دیکھو کہ وہ مرنے مارنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ بخلاف اس کے ہندو کی راکھ بھی ہندوستان میں نہیں رہتی گنگا اسے بہا کر خلیج بنگال میں پھینک دیتی ہے۔

بہر حال ہندوستان مسلمان کا وطن ہے اور مسلمانوں کا فرض اوّلین ہے کہ ہندوستان کو آزاد کرانے کے لیے سب سے زیادہ جدوجہد کریں۔ ہندو کو غلامی سے اتنا نقصان نہیں جتنا مسلمان کو ہے۔ اسی ہندوستان کے لیے تمام عالم اسلامی کو برباد کیا جاتا ہے۔ شعائر اسلامی برباد کیے جا رہے ہیں۔

افسوس کہ آج مسلمان بزدل ہے۔ محمد بن قاسم ۱۷، ۱۸ برس کا نوجوان چند ہزار کی جمعیت لے کر کروڑوں پر حملہ کر دیتا ہے اور فتح پاتا ہے۔ مگر آج تم ڈرتے ہو کہ انگریز کا سایہ چلا گیا تو زندگی ممکن نہیں۔ آج تم پاکستان، پاکستان کا نعرہ لگاتے ہو مگر قربانی اور ٹکر لینے کے لیے تیار نہیں ہو۔ کوئی قوم باتیں بنانے سے کامیاب نہیں ہوتی صرف باتوں سے پاکستان نہیں بنے گا۔ پاکستان بنانا منظور ہے تو اس کے لیے بھی کچھ کام تو کرو۔

خیر میں دور چلا گیا یہ اسٹیج اس قسم کی باتوں کا نہیں ہے۔ مولوی نور الحسن نے شروع میں کہہ دیا تھا کہ یہ بالکل غیر سیاسی اور خالص دینی تبلیغی سٹیج ہے۔ بہر حال تبلیغ دیں ہم سب کا فرض ہے۔ اسلام دنیا بھر کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا ہے اور ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اسے ہر جگہ پہنچائے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: ((بَلِّغُوا عَنِّيْ وَلَوْ آيَةً)) تو ہمیں ہر حیثیت سے ہندوستان میں اسلام کا کام کرنا چاہیے۔ مگر صلح سے، محبت سے، پریم سے کام نہ کرو گے تو کامیابی مشکل ہے۔ آج اسلام پر ہر طرف سے حملے ہو رہے ہیں۔ ان سب کا جواب دو مگر میٹھے طریقے سے مخالف کے اعتراضات کا جواب دینا چاہیے۔ جواب دو، منظم طریقہ سے جواب دو، مناظرہ کا جواب مناظرہ سے۔ اخباروں کا جواب اخباروں سے، پمفلٹوں کا جواب پمفلٹوں سے، تحریر کا جواب تحریر سے، تقریر کا جواب تقریر سے دو مگر جواب میٹھا اور شیریں ہونا چاہیے۔

آنحضرت ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ کسی کا نام تک نہ لیتے تھے، کسی کی کوئی بات ناگوار ہوتی تو عام الفاظ میں اس کی اصلاح فرما دیتے تھے۔ اس کا نام خاص طور پر نہ لیتے تھے تو تمہارا وظیفہ استاد اور شاگرد،

باپ اور بیٹے کا ہے۔ تم قوم کے پیچھے دوڑو۔ اصلاح کی ہر ممکن کوشش کرو۔ یہ تمہارا فریضہ ہے۔

یہ تحریک ان مبارک مقاصد کے کو لے کر اٹھی ہے۔ خدا سے دعا کرتا ہوں کہ اپنے فضل وکرم سے مرکز تنظیم اپنے مقاصد عالیہ میں کامیاب ہو۔ آمین! [1]

## حضرت علامہ مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی کے ارشاداتِ گرامی:

''مرکز تنظیم'' کوئی فرقہ وارانہ ادارہ نہیں اور نہ اسے یہ پوزیشن دینی چاہیے بلکہ اہل سنت والجماعت وہ جماعت ہے جو آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریق عمل کی پابند ہے اور اسی کا نام اسلام ہے۔ یہ جماعت اعتدال اور توسط کا راستہ اختیار کرتی ہے۔ افراط وتفریط سے دور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کو مخلوق کی ہدایت واصلاح کے لیے رسالت ونبوت کا تمغہ دے کر مبعوث فرمایا۔ انبیاء علیہم السلام کی اس ساری جماعت میں سے سب سے اعلیٰ، سب سے افضل، سب سے اشرف اور مکمل تر اور قیامت تک کے لیے دستور العمل نبی اکرم ﷺ کا لایا ہوا دستور العمل ہے۔ قولہ تعالیٰ: ﴿اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ لَكُمْ نِعْمَتِیْ﴾ (الآیة)

ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ حضور ﷺ کو جامع اور مکمل قانون دے کر بھیجا گیا۔ آپ کی بعثت تمام روئے زمین کے باشندوں کے لیے ہے۔ قولہ تعالیٰ ﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْ ...لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا﴾ (الآیة)

قرآن تمام روئے زمین کے لیے اور قیامت تک کے لیے نہ صرف دینی، بلکہ دینی اور دنیوی فلاح کا مکمل قانون اور کامل ترین دستور العمل ہے۔ اہل سنت کا یہی اصول ہے۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ، یہ دو چیزیں قیامت تک کے لیے نجات کی کفیل ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی ذات مبارک کتاب اللہ کی تفسیر، شرح اور قرآن کی تفصیل ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ کی زندگی کا عمل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اعمالِ زندگی سے ثابت ومحقق ہوتا ہے۔ نیز جو چیز باقی رہ گئی تھی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے پورا کر دیا۔ غرض کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور عمل صحابہ رضی اللہ عنہم کا اتباع اہل سنت کا مسلک ومذہب ہے اور یہی اسلام ہے۔ تو یہ تنظیم اہل سنت، تنظیم المسلمین ہے۔ اس میں کسی فرقہ کی دل آزاری نہیں ہے بلکہ الٹا ان کو سیدھا راستہ دکھانا ہے۔ دنیا کو یہ بتلانا مقصود ہے کہ زندگی کی صحیح اور سیدھی شاہراہ پر کس طرح چل سکتے ہیں۔ اس صراطِ مستقیم کی تبلیغ مقصود ہے۔ یہ ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اس فرض کی ادائیگی میں ہر مسلمان یکساں طور پر اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہے۔

---

[1] شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ رخطاب بر موقع پہلی سالانہ ''تنظیم اہل سنت کانفرنس'' لاہور / اخبار روزنامہ ''شہباز'' ۲۹ مارچ ۱۹۴۵ء۔

میں منتظمین جلسہ اور محرکین تحریک سے عرض کروں گا کہ وہ مسلمانوں کی سرد مہری سے مایوس نہ ہوں مقصد نہایت صحیح ہے۔ اس آسمانی ہدایت کی جو جناب رحمۃ للعالمین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ودیعت فرمائی ہے۔ تبلیغ واشاعت مقصود ہے۔ اگر اس وقت مسلمان اس میں دلچسپی نہیں لیتے۔ تو آپ مایوس نہ ہوں بلکہ الٹا اپنی مساعی کو دو چند کر دیں۔ [1] اپنی ہر ممکن قوت اس نیک کام پر لگا دیں۔ وقت آئے گا کہ مسلمان حقیقت حال کو سمجھیں گے اور آپ کے جلسوں میں تل دھرنے کو بھی جگہ نہ ہوگی۔

آپ کا مقصد نہایت صحیح اور مبارک ہے خدائے برتر ہر مسلمان کو اس میں شرکت اور حصہ لینے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ [2] (''زمیندار'' ۴۵۔۳۔۲۷)

## ضروری درخواست از جانب مولانا سید نور الحسن شاہ بخاریؒ:

مرکز تنظیم سے جو آواز سال بھر سے اٹھ رہی تھی۔ برادران اسلام نے دیکھ لیا کہ مخدوم العلماء مفتی اعظم حضرت علامہ دامت برکاتہم نے کس قدر زوردار الفاظ میں اس کی تائید وحمایت فرمائی۔

حقیقت یہ ہے کہ فی الوقت تنظیم المسلمین اور تبلیغ کا کام نہایت ضروری ہو رہا ہے۔ جب کہ دوسرے فرقہ جات باطلہ پورے اور انتہائی زور کے ساتھ جماعت اہل سنت کی گمراہی کے در پے ہیں۔ اور مسلمان بدستور غافل ہیں۔ میں برادران اہل سنت سے پرزور درخواست کروں گا کہ وہ حضرت مدظلہ کے ارشادات کی تعمیل میں مرکز کی طرف متوجہ ہوں۔ اپنے اپنے حلقہ اثر میں مقامی جماعتیں قائم کریں۔ اپنی قربانیوں اور امدادوں سے ان کے بیت المال بھر دیں۔ اب انفرادی خیراتوں کا زمانہ نہیں رہا۔ اور نہ اس قدر عمل کافی ہوسکتا ہے کہ طعام پکا کر برادری میں یا چند غرباء میں تقسیم کر کے سمجھ لیا جائے کہ بس کام اسی قدر ہے۔ آپ اپنی جملہ خیراتیں اپنی مقامی انجمنوں میں داخل کر کے ان کے فنڈز ہزاروں تک پہنچائیں۔ اسی سے مرکز کی بھی امداد کریں۔ اسی سے مقامی تبلیغی جلسے منعقد کرانے کا اہتمام کریں۔ اسی سے غریب اور ذہین طلبہ کی دینی دنیاوی تعلیم کا انتظام کریں۔ اسی کے ذریعے قوم کے اندر زندگی کا شعور پیدا کرائیں اور اسی کے ذریعے مخالفین کے متعلق تردیدی لٹریچر مہیا کریں۔

---

[1] چونکہ سُنی مسلمانوں کی اجتماعی ناگفتہ بہ اور ابتر صورتحال کو دیکھ کر سردار صاحب پتافی رحمہ اللہ اور مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری رحمہ اللہ نہایت دل گرفتہ تھے، جیسا کہ گزشتہ اوراق میں ہر دو حضرات کے خطبات پیش کیے جاچکے ہیں، تو حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے ان کی دل جوئی اور حوصلہ افزائی کے لیے ایک شفیق اور ذمہ دار بزرگ کی حیثیت سے مذکورہ کلمات ارشاد فرمائے۔ سلفی

[2] ''زمیندار'' ۲۷ مارچ ۱۹۴۵ء۔

## مختصر کارروائی اجلاس معراج شریف، معزز خواتین کا مبارک اجتماع:

تنظیم اہل سنت نے اپنے قیام کے بعد ملک بھر میں تبلیغی جلسوں کی ایک دھوم مچا دی تھی اور خواتین کے الگ حلقے قائم کیے گئے جو اپنے دروس میں سُنی خواتین اسلام کو دینِ اسلام سے روشناس کرواتیں، اس کی بھی ایک جھلکی ملاحظہ ہو:

”۲۸ر جون ۱۰ بجے صبح برکت علی اسلامیہ ہال میں بصدارت بیگم صاحبہ تصدق حسین ایم۔ ایل۔ اے خواتین لاہور کا تبلیغی اجلاس ہوا۔ جس میں لاہور، باغبانپورہ اور لاہور چھاؤنی کی بہنوں نے شرکت کی۔ محترمہ بیگم صاحبہ مرزا محمد اسحاق نے تلاوت قرآن سے کارروائی کا آغاز فرمایا۔ عزیزہ افتخار انور اور مجیدہ خانم نے ہر تقریر سے پہلے نعت رسول کریم پڑھی۔ بہن مختار بیگم نے مختصر تقریر کی۔ اور بہن نسیم اختر نے سیرت رسول کریم ﷺ پر مضمون پڑھا۔ اتباع سنت خصوصاً تبلیغ اسلام پر زور دیا اور اس سلسلہ میں مرکز تنظیم کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے اس کے ساتھ اشتراک وتعاون کی دعوت دی۔“

محترم بہن شوکت آرا (باغبانپورہ) نے ایک بسیط مضمون پڑھا۔ جس میں مسلمانوں کی موجودہ سیاسی بیداری اور پولیٹیکل تنظیم وترقی کے زمانہ میں ان کی دینی بے حسی اور جمود پر اظہار افسوس کیا۔ موجودہ مسلمانوں خصوصاً عورتوں اور نوجوانوں کا اپنے اسلاف کے ساتھ مقابلہ کرکے آج کے دینی انحطاط کو واضح کیا۔ ٹیچی ”فرشتہ“ کی ”وحی“ اور محمدی بیگم کے ساتھ نکاح آسمانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہندوستانی ”نبی“ کی خانہ ساز نبوت کو بے نقاب کیا۔ اور اس فتنہ کی ذمہ داری مسلمانوں کے انتشار اور ملت کی بدنظمی اور مرکزیت پر عائد کی۔ محترمہ بیگم صاحبہ مرزا محمد اسحاق نے اپنے ارشادات عالیہ سے بہنوں کو مستفیض فرمایا۔ آپ کے بعد محترمہ فاطمہ بیگم پرنسپل، جناح گرلز کالج نے معراج شریف پر اظہار خیالات فرمایا۔ اور محترمہ بیگم صاحبہ تصدق حسین نے خطبہ صدارت ارشاد فرمایا۔ آخر میں بیگم صاحبہ محمد اسحاق انچارج شعبہ خواتین نے مرکز تنظیم اہل سنت کا تعارف کراتے ہوئے تحریک سے تعاون کی اپیل کی اور محلہ دار مجالس تنظیم کے قیام کی دعوت دی جس پر چند بہنوں نے لبیک کہتے ہوئے اپنے نام نوٹ کرا دیئے۔

اجلاس میں چند مرزائی بہنوں نے بھی شرکت کی جنہیں محترمہ شوکت کے بیان سے کچھ صدمہ ہوا۔ ان بہنوں سے مجھے (سید نور الحسن شاہ) کو ہمدردی ہے۔ لیکن جن باتوں کا بہن صاحبہ نے ذکر فرمایا اس سے انکار کون کرسکتا ہے۔ ان حقائق کے اظہار سے اگر مرزا صاحب کے کسی عقیدت کیش کو صدمہ پہنچتا ہے۔ تو اس کا علاج برافروختگی اور برہمگی نہیں بلکہ مرزائیت سے توبہ اور مرزا صاحب سے بغاوت ہے۔ ایسے نبی کا کلمہ پڑھنا

آخر کیا معنی رکھتا ہے جس کی زندگی کے مسلّمہ حالات اور ناقابل انکار واقعات سے انسان چڑے۔ میں ان بہنوں سے ہمدردانہ درخواست کروں گا کہ وہ ''احمدیت'' پر نظر ثانی کریں کیونکہ یہ کفر واسلام کا سوال ہے۔ میں آخر میں تمام بہنوں خصوصاً صدر صاحبہ منتظمہ جلسہ محترمہ بیگم محمد اسحاق، محترمہ فاطمہ بیگم صاحبہ اور دیگر تقریر کرنے والی بہنوں کا شکر گزار ہوں۔ ❶

## تنظیم کا بنیادی مقصد، اہل سنت کا اتحاد:

سردار احمد خان صاحب پتافی رحمہ اللہ اہل سنت کے باہمی اختلافات سے بھی بہت نالاں اور دل گرفتہ رہتے۔ ان کی خواہش تھی کہ برصغیر کے تمام سنی مسلمانوں میں اخوت باہمی پیدا کی جائے۔ اور فطری وطبعی اختلاف جن کا اہل علم یا ان کے معتقدین کے مابین رہنا ناگزیر ہے، کو پورے حوصلے ومتانت اور قوت برداشت کے سایۂ میں قبول کیا جائے۔ ہمارا خیال ہے کہ اس مقصد میں اپنے دور میں تنظیم اہل سنت کامیاب رہی ہے۔ خصوصاً دیوبندی بریلوی خلیج کافی حد تک سمٹ گئی تھی، اور جن جن علاقوں میں تنظیم اہل سنت کا زور تھا، وہ علاقے اس تفریق باہمی اور تعصب وعناد کے زہر سے تقریباً محفوظ رہے۔ اگرچہ اس عنوان پر پہلے خانقاہ سیال شریف اور پھر مولانا ظہور احمد بگوی کی ''مجلس حزب الانصار'' بھیرہ نے بھی قابل قدر کردار ادا کیا تھا مگر ان حضرات کو بریلوی علماء کرام گاہے گاہے انجکشن لگاتے رہتے تھے، جس کی وجہ سے بعض دفعہ یہ ہمت چھوڑ جاتے تھے۔ بعض دفعہ دونوں کو ساتھ لے کر چلتے تو کسی ایک کے بھی نہ رہتے۔ ۲۷ فروری ۱۹۳۷ء میں سلانوالی کے اندر مولانا ظہور احمد بگوی دیوبندی، بریلوی مناظرہ میں شریک ہو گئے تھے، مگر واپس آکر اس مناظرے کے خلاف مضمون بھی لکھ دیا، اور عجیب بات یہ کہ اس مضمون میں دونوں کی مخالفت بھی کر دی اور دونوں کی حمایت بھی کر دی۔ ❷ نہایت لطیفہ نما مضمون ہے، دراصل یہ حضرات نہایت مخلص ہو کر دونوں مسالک کے اتحاد کی کوششوں میں مصروفِ کار رہے۔ البتہ تنظیم اہل سنت کو اپنے علماء دیوبند کی جانب سے تو کوئی ایسی رکاوٹ نہ تھی، تاہم بانی تنظیم نے ابتداء ہی میں ایسے شکوک وشبہات کا مولانا نور الحسن شاہ صاحب رحمہ اللہ کے قلم سے ازالہ کروا دیا تھا، ملاحظہ فرمائیں۔

---

❶ سید نور الحسن شاہ بخاری رحمہ اللہ ر ''زمزم'' ۳، جولائی ۱۹۶۴ء۔

❷ شمس الاسلام، ماہ نامہ ربھیرہ، اپریل ۱۹۳۷ء صفحہ ۳۵، ۳۶ (اس کے بعد جولائی ۱۹۳۷ء کے شمارہ میں دوسرا مضمون شائع ہوا، جس میں بگوی صاحب نے لکھا کہ میرا عقیدہ وہی ہے جو علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کا تھا۔)

## بین المسلمین حربِ عقائد اور ہمارا جماعتی مسلک:

**سوال:** ...... سنا گیا ہے کہ تحریک تنظیم صوفی وہابی نوعیت کے خلاف ونزاع اور باہمی آویزش میں پورا پورا حصہ لے گی۔ کیا یہ صحیح ہے؟

**جواب:** ......

برو ایں دام بر مرغِ دگر نہ
کہ عنقا را بلند است آشیانہ

آریہ، عیسائی، شیعہ اور مرزائی سے ہمارا اصولی اور بنیادی اختلاف ہے۔ لہٰذا ...... اپنی تعمیر کے ساتھ ساتھ ...... ہماری مساعی ...... بذریعہ تقریر وتحریر ...... ان فرق باطلہ کی تردید تک محدود رہیں گی۔ اور وہ بھی مہذبانہ، مشفقانہ اور خیر خواہانہ انداز سے نہ کہ معاندانہ اور غیر شریفانہ طور پر ...... بانی تحریک محترم سردار احمد خان صاحب پتافی نے ۲/ دسمبر ۱۹۴۳ء کے اجلاس میں ...... جس میں اس تحریک کا سنگ بنیاد رکھا گیا ...... بے غل وغش، صاف، واضح اور کھلے الفاظ میں فرما دیا تھا کہ اہل سنت کی حدود شیعہ کی سرگرمیاں اور بدگوئی صحابہ (کی تردید تک) محدود ہیں۔ شیعہ زندگی کا پروگرام ماتم وسینہ کوبی اور سب وشتم پر مشتمل ہے۔ مرزائیوں نے انسانی سعادت کے بلند ترین وہبی مقام ''نبوت'' کو بازیچہ طفلاں بنا کر وحدت امت کا شیرازہ تار تار کر دیا ہے۔ ان فرق باطلہ سے ملت حقہ کا اتحاد واتفاق ناممکن ہے۔ باقی تمام مسلمان اہل سنت والجماعت کے دائرہ میں آسکتے ہیں۔ اور ہمارا حلقۂ عمل یہی دائرہ ہوگا۔ (مذکورہ پمفلٹ اور خطاب کا مضمون کتاب ہذا میں آگیا ہے۔)

باقی رہے دیوبندی، بریلوی، صوفی، وہابی، مقلد، غیر مقلد، حنفی، مالکی، حنبلی، شافعی، چشتی، سہروردی، قادری، نقشبندی، یہ سب جماعتِ اہل سنت کے افراد ہیں۔ ان کے درمیان گو فروعی اختلافات کی وسیع خلیج حائل ہے لیکن بنیادی اختلاف کوئی نہیں۔ اس لیے یہ سب لوگ تحریک تنظیم میں شریک ہو سکتے ہیں۔ ہماری دعوت جس طرح ایک بریلوی کو ہے اسی طرح ایک دیوبندی کو اور جس طرح صوفی کو ہے اسی طرح وہابی کو! جس طرح ایک مقلد حنفی ہماری تحریک میں آسکتا ہے اسی طرح ایک غیر مقلد اہل حدیث ہماری تنظیم میں سما سکتا ہے۔ ہم جہاں حضرت مفتی محمد کفایت اللہ صاحب سے مشورہ لیتے ہیں۔ وہاں حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب سے شرف ملاقات حاصل کر کے استفادہ کرتے ہیں۔

ہم نے اپنا یہ مسلک کسی سے محجوب ومستور اور نہاں وپنہاں نہیں رکھا۔ مرکز کی یہ روش پہلے دن سے واضح اور کھلی، عیاں اور مشہور ہے۔ ہم نے ہر جگہ تقریر وملاقات میں اپنی پالیسی یہی پیش کی ہے۔ ''زمزم'' میں روزِ

اوّل سے یہی لکھا جا رہا ہے اور ۱۱ ستمبر کی اشاعت میں تو اس عنوان پر ایک بسیط بحث کی گئی ہے۔ یاد رکھیے اور خوب یاد رکھیے! مرکز تنظیم کا ازیں گونہ عقائد کی موشگافیوں کا ادارہ نہیں۔ اس کے سامنے مسلمانوں میں صحیح روح حیات پیدا کرنے کا عظیم و جلیل مقصد ہے۔ یہ بحثیں ہمارے نقطہ نظر سے فروتر، ہمارے معیار سے بہت پست اور ہمارے نصب العین سے بہت اسفل ہیں بلکہ ہمارے منشاء و مقصد تخلیق کے منافی ہیں۔ اس قسم کی فضول بحثوں میں پڑنا، اور دور از کار کشمکش میں الجھنا اپنی منزل مقصود کے خلاف جانا ہے۔ اگر خانہ جنگی اور باہمی کشمکش اور رسہ کشی مقصود و مطلوب ہے تو اس کے لیے تنظیم کی کیا ضرورت؟ یہ گھر کی لڑائی اور دست و گریبانی تو تحریک کے بغیر بھی عام ہے مولوی، مولوی سے لڑ رہا ہے۔ مسجد، مسجد سے بھڑ رہی ہے۔ خطبہ، خطبہ سے ٹکرا رہا ہے۔ آمین بالجہر پر ہاتھا پائی ہو رہی ہے۔ رفع یدین پر انگریزی ''عدالتوں'' میں مقدمات لڑے جا رہے ہیں۔ کیا اس آویزش کو کسی مزید تائید و حمایت، اور اس پھولتی پھلتی کھیتی کو کسی مزید آبیاری کی ضرورت ہے؟

تنظیم اہل سنت کے پیش نظر جو مقاصد عالیہ ہیں۔ ان کے بالمقابل ایسے مسائل شغل بے کاری کا درجہ رکھتے ہیں۔

مرکز تنظیم کی نظر ماشاء اللہ وسیع اور اس کا حوصلہ بلند ہے۔ یہ اس قسم کی پستیوں میں کس طرح اتر سکتا ہے؟ ہم تو ان مباحث کو حصول مقاصد میں مزاحم سمجھتے ہیں۔

## سلف مصلحین کے خلف مفسدین:

عام طور پر ان فضول اختلافات کو وہی لوگ ہوا دیتے ہیں۔ جن کی اقوام عالم کے عروج و اقبال اور اہل اسلام کے زوال و انحطاط پر کوئی نگاہ نہیں اور جن کی سرگرمی اور دلچسپی کوئیں کے مینڈک کی طرح محض اندھے عقیدت مندوں اور جاہل حاشیہ نشینوں کے تنگ حلقہ تک محدود رہتی ہے۔ اور جن کی نظر اپنے مفاد و مصالح پر مرکوز!

غضب ہیں یہ مرشدان خود بیں خدا تری قوم کو بچائے
بگاڑ کر سادہ مسلموں کو یہ اپنی عزت بنا رہے ہیں!

شاعر، ملت اسلامیہ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے:

تکفیری مشاغل سے ہی فرصت نہ ملے گی
یہ شان ہے کچھ تیرے مقدس علماء کی [1]

---

[1] سید نور الحسن شاہ بخاری رحمہ اللہ / ہمارا جماعتی مسلک، مشمولہ کتاب ''تحریک تنظیم اہل سنت / طبع اول قدیم لاہور / صفحہ نمبر ۱۰۸۔

## تنظیم اہل سنت کے قیام پر ایک الزام اور اس کا جواب:

جب بھی کوئی مذہبی تنظیم قائم کی جاتی ہے اور اس کا دائرہ کار بڑھنا شروع ہوتا ہے تو فوراً اس پر کسی کا آلۂ کار یا ایجنٹ ہونے کا الزام داغ دیا جاتا ہے۔ گورنمنٹ برطانیہ کے دور میں بھی یہ ریت عام تھی اور اس کے چلے جانے کے بعد جہاں دیگر پروپیگنڈے جوں کے توں موجود ہیں اور اس کا رائج کردہ نظام سالوں یا مہینوں کی بجائے گھنٹوں کے وقفے سے بچے جن رہا ہے، وہاں یہ افواہیں بھی پوری قوت سے موجود رہتی ہیں۔ ریاستی نظام میں اس قسم کی چیزوں کا ہونا کوئی بعید بھی نہیں۔ تاہم ''پَر'' تھوڑے ہوتے ہیں، کوے، طوطے از خود ہی بنا کر خیالات کی فضاء میں چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ جب تنظیم اہل سنت کا قیام عمل میں لایا گیا تھا تو بعض لادین اور مذہب بیزار قسم کے صحافی اور جرائد نے اس کے خلاف اپنی اپنی توپوں کے دہانے کھول دیئے تھے۔ چنانچہ تنظیم پر انہوں نے تبصرے شائع کرنا شروع کر دیئے کہ یہ تحریک ''یونینسٹ پارٹی'' کی ایجنٹ ہے، جس نے لغاری و پتافی سرداروں کے ذریعے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے برصغیر بھر میں یہ طوفانی ہوائیں چلا دی ہیں۔ اس کا جواب بھی ''تحریک تنظیم اہل سنت'' کی طرف سے شائع ہوا تھا، جو اسی زمانہ میں بڑی تعداد میں شائع کروا کر تقسیم کیے گئے تھے۔ اعتراض اور جوابات چونکہ دلچسپ اور معلوماتی ہیں، فلہٰذا پیش خدمت ہیں۔

## غلط فہمی! کیا تحریک تنظیم یونینسٹ پارٹی [1] کی ایجنٹ ہے؟

کسی کو بحث نہیں آج پاپ اور پن میں
سیاسیات کے نغمے ہیں دیس کی دھن میں

---

[1] یونینسٹ پارٹی سر سکندر حیات نے اس وقت بنائی تھی جب وہ پنجاب کے وزیر اعلیٰ بنے تھے۔ یہ ۱۹۳۵ء سے چند سال قبل کی بات ہے۔ یونینسٹ پارٹی ہندوؤں اور سکھوں سے سمجھوتہ کر کے بنائی گئی تھی، اس سے متصلاً پہلے ۱۹۲۹ء میں نیشنلسٹ پارٹی بنی، جس کے صدر مولانا ابو الکلام آزاد تھے۔ اسی زمانہ میں خان عبد الغفار خان کی ''سرخ پوش'' امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی مجلس احرار اسلام اور مولانا ظفر علی خان مدیر روزنامہ ''زمیندار'' کی جماعت مجلس اتحاد ملت ''نیلی پوش'' بھی سرگرم عمل تھیں۔ ۱۹۳۵ء کے مسجد شہید گنج قضیہ میں ''نیلی پوش'' جماعت کا اہم کردار رہا ہے۔ جب ۱۲ دسمبر ۱۹۴۳ء میں خالص مذہبی، تبلیغی اور اصلاحی جماعت ''تنظیم اہل سنت'' کا قیام عمل میں آیا تو بعض لوگوں نے اس پر ''یونینسٹ پارٹی'' کی ایجنٹی کا الزام لگا دیا، اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ بانی تنظیم معروف زمیندار اور سردار تھے، جس سے یہ ظنِ بد کیا گیا کہ سرداروں کی جماعت ''یونینسٹ پارٹی'' کی حمایت میں سردار پتافی کا خاندان اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ مگر قریب لگنے والوں نے دیکھا اور دیکھ کر ششدر رہ گئے کہ سردار احمد خان پتافی رحمہ اللہ کی رگوں میں محبت صحابہ رضی اللہ عنہم کا خون کتنی تیزی سے گردش کر رہا ہے۔ اور اتحادِ اہل سنت کا جذبہ رکھنے والا یہ مردِ حُر اپنے اندر اخلاص و مروت کی کتنی مٹھاس رکھتا ہے۔ سلفی

لاہور کے ایک معزز مسلم انگریزی روزنامے نے ایک پر زور مقالہ افتتاحیہ بعنوان ''ایک نئی تحریک'' شائع کیا ہے۔ جسے ''تحریک تنظیم'' یا اس روزنامے کی اخلاقی موت سے تعبیر کرنا زیادہ موزوں ہوگا۔ یعنی اس مقالے میں جو الزام تحریک پر لگایا گیا ہے اگر وہ پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے تو تحریک کو زندہ درگور ہو جانا چاہیے۔ اور اگر وہ الزام بے اصل و بے بنیاد ہے تو روزنامے کے اخلاق کا فاتحہ پڑھنا چاہیے۔ چونکہ معزز معاصر نے تحریک پر ایک شدید الزام لگا کر مہلک ضرب لگائی ہے۔ اس لیے بارِ خاطر نہ ہوگا اگر ہم معاصر کا الزام اور اپنی صفائی پیش کرنے سے پیشتر تحریک کا پس منظر واضح کر دیں۔ اس سے ناظرین کو حقیقت کے سمجھنے اور انصاف کرنے میں مدد ملے گی۔

## محرکاتِ مرکز یا تحریک کا پس منظر:

محل حیرت واستعجاب اور مقامِ عبرت وافسوس ہے کہ کرۂ ارض پر مسلمانوں کا کوئی بھی مرکز نہیں۔ دنیا بھر میں اسلام کی تبلیغ واشاعت اور اعدائے دین کی مؤثر مدافعت کا کوئی منظم ادارہ نہیں۔ یہ حقیقت کس قدر تلخی آمیز، تحیر خیز اور الم انگیز ہے کہ جہاں مرزائیت اور شیعیت کے منظم تبلیغی ادارے ملت اسلام پر شبخون مار رہے ہیں۔ جہاں عیسائی مشن اور آریہ سماج متاع ایمان پر ڈاکے ڈال رہے ہیں۔ جہاں مرزائی ہزاروں مسلمان مرتد کر لیتے ہیں۔ جہاں شیعہ پنجاب کے قریہ قریہ میں پہنچ کر مسلمانوں کی بہت بڑی آبادی کو دام ارتداد میں پھنسا لیتے ہیں۔ وہاں ایک جماعت ''اہل سنت'' ہے جو نہ صرف کسی کے سامنے اسلام کی صحیح تصویر پیش نہیں کرتی۔ بلکہ فراخ دلی اور بلند حوصلگی سے ہر مخالف ادارہ کو اس کی ضرورت اور مانگ سے زیادہ افراد تازہ بتازہ سپلائی کرتی رہتی ہے۔ علامہ شبلی نعمانی رحمہ اللہ کس قدر بجا فرماتے ہیں:

اب کوئی مرکز قومی ہے نہ توحید خیال
نہ کوئی جادۂ مقصد ہے نہ کچھ توشہ وزاد
خوف یہ ہے کہ بکھر جائے نہ شیرازۂ قوم
خوف یہ ہے، یہ ویرانہ نہ ہو پھر آباد
ذرے جس طرح سے ہو جاتے ہیں اڑ اڑ کے فنا
یوں ہی ہو جائے گی یہ قوم بھی آخر برباد

## محسن ملت سردار احمد خاں صاحب پتافی:

اس جیتی جاگتی حقیقت عریاں کے پیش نظر علامہ شبلی کی طرح ہر دیکھتی بھالتی نظر متاثر وحیراں، ہر حساس دل متوحش ولرزاں اور ہر بیدار دماغ متفکر و پریشان ہے۔ محترم سردار احمد خاں صاحب پتافی رئیس جام پور ضلع ڈیرہ غازی خاں کو قدرت نے اس درد واحساس سے بہرۂ وافر عطا فرمایا۔ آپ صرف دامے، درمے نہیں، بلکہ قدمے، سخنے ہر ممکن طور پر اہل سنت کی تنظیم وترقی اور بیداری وہوشیاری میں کوشاں رہے۔

کوئی بیس سال کا عرصہ ہوتا ہے آپ ایک وفد لے کر چلے، لاہور میں مولانا احمد علی صاحب، دارالعلوم دیوبند میں مولانا شبیر احمد صاحب، سیّد مرتضیٰ حسن صاحب وغیرہم اکابر، اور دہلی میں علامہ مفتی محمد کفایت اللہ صاحب سے ملے۔ کوشش کی کہ کوئی ادارہ ''تنظیم وتبلیغ'' کو اپنی حدود میں مناسب مقام اور موزوں جگہ دے دے یا کم از کم ان اکابر میں سے کوئی صاحب...... اس کام کی اہمیت کے پیش نظر...... اپنے آپ کو دوسری تمام مصروفیات سے فارغ کرلیں۔ اسی نوعیت کی خط وکتابت علامہ سیّد ابوالاعلیٰ صاحب مودودی سے بھی کی۔ ہر صاحب نے تنظیم اہل سنت اور نظام تبلیغ کی ضرورت بہ شدت محسوس کی مگر اس سلسلہ میں عملی اقدام کے لیے کسی بزرگ نے غالباً قوم کی مادیت وبے حسی سرد مہری وبے توجہی دیکھتے ہوئے اپنے اوپر ذمہ داری لینے کی جرأت نہ کی۔

## مرکز تنظیم اہل سنت:

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید
قرعۂ فال بنامِ من دیوانہ زدند

سردار صاحب ان یاس انگیز حالات سے متاثر ومایوس نہ ہوئے۔ آپ نے اپنی مساعی کو جاری رکھا۔ حتیٰ کہ ۱۲ ردسمبر ۱۹۴۳ء کو ضلع بھر کے علماء وامراء کے اجتماع میں ''مرکز تنظیم اہل سنت'' کا قیام عمل میں آیا۔ ۱۶ معزز اراکین پر مشتمل ایک مجلس شوریٰ مرتب کی گئی۔ جس کی صدارت بالاتفاق جناب نوابزادہ محمود خاں صاحب کو پیش کی گئی اور نائب صدر جناب حاجی محمد علی خاں صاحب منتخب ہوئے۔

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست
آخر اندر پس پردۂ تقدیر پدید

## لغاری خاندان:

ضلع ڈیرہ غازی خاں کے معزز بلوچ خاندانوں میں لغاری خاندان، چوٹی کا خاندان ہے۔ سردار صاحب نے جس طرح مزاری وغیرہ ممیز خاندان کے حساس نوجوانوں کو دعوت شرکت دی اسی طرح لغاری خاندان کے زندہ نوجوانوں کو بھی دعوت شرکت دی۔ جسے بعونہ تعالیٰ نوابزادہ محمود خاں صاحب اور سردار حاجی محمد علی خاں صاحب کی سعید فطرت نے قبول کیا۔ جناب نواب زادہ محمد خاں صاحب نے بھی بفضلہٖ مقامی انجمن کی امداد وسرپرستی شروع کر دی ہے مگر تاحال مرکز کی طرف التفات اور توجہ نہیں فرمائی۔ توقع ہے کہ محترم ممدوح اور اس خاندان کے دوسرے نوجوان بھی عنقریب اس تحریک میں عملی حصہ لیں گے۔ لیکن نواب زادہ محمود خاں صاحب تو باوجودیکہ سردار صاحب کی دعوت پر تحریک میں شامل ہوئے ماشاء اللہ اس وقت تحریک کے سب سے سینئر سرگرم رکن اور رہنما ہیں۔

۱۲ر محرم ۶۳ ۱۳ھ کو مجلس شوریٰ کا اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں تحریک کے اغراض ومقاصد کی تعیین اور دستور العمل کی ترتیب عمل میں آئی مجلس عاملہ تجویز کی گئی اور خدمت اہتمام راقم الحروف [1] کے سپرد ہوئی۔

## تحریک کی مختصر تاریخ:

یہاں تحریک کی مختصر تاریخ پیش کر دینا بھی غیر ضروری نہ ہوگا۔ میں نے شروع فروری ۱۹۴۴ء میں ملازمت [2] سے سبکدوش ہو کر فروری ہی میں ''دعوت تنظیم'' اور ''جہد للبقاء'' دو ٹریکٹ شائع کیے اور وسط اپریل تک لاہور، امرتسر، سہارنپور، دیوبند، میرٹھ، دہلی، لکھنؤ کا دورہ کر کے اکابرین ملت سے ملاقات ومشاورت کی، دہلی اور لاہور میں مکان نہ ملنے پر ۱۴ر اپریل کو امرتسر میں دفتر کرائے پر لے لیا۔

۱۵ر مئی ۱۹۴۴ء کے ''زمزم'' میں مولانا فارقلیط نے بعنوان ''فریضہ تبلیغ'' مفصل افتتاحیہ لکھ کر ہمارے مرکز کا تعارف کرایا۔ اور ۱۹ر مئی سے ''زمزم'' میں ہم نے برادرانِ اسلام کی خدمت میں دعوت وخطاب کا سلسلہ شروع کر دیا۔ بحمد اللہ کشمیر سے مدراس اور کراچی سے کلکتہ تک ہر جگہ مسلمانوں نے ہماری دعوت

---

[1] مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری رحمہ اللہ۔

[2] مولانا نور الحسن شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ اس وقت ایک سرکاری اسکول میں ٹیچر تھے، سردار احمد خان پتافی رحمہ اللہ کی عقابی نگاہوں نے شاہ صاحب کو تاڑ لیا اور اپنی تحریک میں شمولیت کی دعوت دی، خدا جانے اخلاص کا کیا لہجہ تھا اور قبولیت کی کونسی گھڑی تھی کہ مولانا نور الحسن شاہ بخاری رحمہ اللہ نے ملازمت سے استعفیٰ دے کر معاشی مستقبل کی پروا کیے بغیر سردار صاحب کی تحریک کے لیے اپنی تمام تر صلاحیتیں آخری سانسوں تک وقف کر دیں۔ پھر چراغ سے چراغ جلتے چلے گئے اور علامہ خالد محمود، مولانا عبد الستار تونسوی اور علامہ دوست محمد قریشی جیسے علماء تنظیم میں شامل ہوتے چلے گئے۔ سلفی

پر لبیک کہا۔ مرکز کا پُرجوش استقبال وخیر مقدم کیا۔ ہمارے نصب العین سے اتفاق، ہمارے پروگرام کی تعمیل اور مقامی انجمنوں کی تشکیل پر آمادگی کا اظہار کیا۔ صوبہ پنجاب، یو پی اور بہار میں مرکز کی متعدد شاخیں کھل گئیں، پروفیسروں، وکیلوں، ڈاکٹروں اور تاجروں سب نے ہماری رفاقت کا اعلان کیا۔ اور ملک کے مشاہیر وسر برآوردہ علماء کرام اور مشائخ عظام نے ہماری حمایت میں بیانات وارشادات ارسال فرمائے مگر ↓

## پریس:

افسوس کا مقام ہے کہ اسلامی پریس نے ہماری طرف چشم التفات سے نہ دیکھا۔ ہم ''زمزم'' لاہور ''حقیت'' لکھنؤ اور ''ندائے حرم'' دہلی کے سپاس گزار ہیں کہ انہوں نے ہمار مرکز کا تعارف کرایا۔ مگر پنجاب کے اور کسی اخبار نے اس وقت تک ایک سطر تو کیا ایک لفظ بھی ''تنظیم'' کی حمایت میں تحریر نہ فرمایا۔

## پریس کانفرنس:

سراپا خلوص وایثار اور مجسم عمل وکردار، مرکز کے صدر وسردار جناب نواب زادہ محمود خاں صاحب مدظلہ پچھلے دنوں لاہور تشریف فرما ہوئے تو ہم نے مناسب سمجھا کہ مسلم پریس کو مدعو کر کے کچھ عرض معروض کریں۔

تا آنانکہ خاک برا بہ نظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

چنانچہ نوابزادہ صاحب نے بتاریخ ۲۸ ستمبر مسلم اخبارات کے مالک وایڈیٹر صاحبان کو انفنسٹن ہوٹل، مال روڈ میں چائے پر مدعو کیا۔ از راہِ مہربانی لاہور کے تمام مسلم جرائد کے ذمہ دار نمائندے رونق افزائے مجلس ہوئے۔ داعی مجلس جناب نواب زادہ صاحب تنظیم اہل سنت کی ضرورت اور مرکز کی اہمیت پیش کر کے پریس سے امداد وحمایت کا مطالبہ فرماتے رہے۔ میں نے معزز مہمانوں سے خطاب کرتے ہوئے شروع شروع میں عرض کیا:

''پنجاب کی سیاست میں گزشتہ دنوں جو طوفان آیا ہے اس کے پیش نظر یہ کچھ بعید نہیں کہ نواب زادہ صاحب کی دعوت کو آپ نے کسی سیاسی غرض پر محمول کیا ہو، لیکن آپ حضرات کی نظر سے جو دنیائے صحافت کے تاجدار ہیں اور میدانِ سیاست کے مشہور شہسوار، اور مشرق ومغرب کے اخبار اور صبح وشام کے حالات پر نظر رکھتے ہیں...... کوئی چیز چھپا رکھنا اور آپ جیسے لوگوں کو دھوکا دینا کم از کم ہم ایسے لوگوں کی دسترس سے باہر ہے۔ جناب نوابزادہ صاحب نے ابن نواب سر محمد جمال خاں منسٹر پنجاب گورنمنٹ کی حیثیت سے نہیں بلکہ

ایک فرزند اسلام کی حیثیت سے آپ کو دعوت دی ہے۔ آپ کسی سیاسی جماعت کے ۱۴ والے ممبر تک نہیں آپ صرف انجمن تنظیم کے ممبر اور مرکز تنظیم کے صدر ہیں۔ آپ حضرات کو ایک ایسے فرض کی طرف متوجہ وملتفت کرنے کے لیے یہ تکلیف دی گئی ہے ہے جو ہم سب کا مشترک فرض ہے یعنی خدمت دین اور تبلیغ اسلام۔ ابھی میں غالباً اس قدر کہنے پایا تھا کہ محترم مولانا عبد المجید صاحب مدیر ''انقلاب'' نے ارشاد فرمایا کہ یہ تحریک تو موجودہ سیاسی کشمکش سے بہت پہلے کی ہے، میں نے عرض کیا: ہاں! جیسا کہ ''جہد للبقاءُ'' کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہوگا۔ ویسے تو قریباً بیس سال سے محترم سردار احمد خاں صاحب پتانی اس تگ ودو اور جدوجہد میں مصروف ہیں۔ لیکن منظم طور پر نواب زادہ صاحب کی صورت میں بھی یہ تحریک دسمبر ۴۳ء سے معرض وجود میں آچکی ہے۔''

محترم سالک صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ یہ تنظیم خالص مذہبی اور فرقہ وارانہ ہے۔ اور میرا اخبار پولیٹیکل ہے۔ اس لیے میں ایڈیٹر کی حیثیت سے ملک کو اس کی طرف دعوت دینے سے معذور ہوں۔ [1] اس کے جواب مین میں نے دوسرے فرقوں کی فرقہ وارانہ تنظیم وتبلیغ کا حوالہ پیش کرتے ہوئے تنظیم اہل سنت کی ضرورت واضح کی۔ محترم مولانا نصر اللہ خاں صاحب عزیز آف ''کوثر'' نے میرے نقطہ نظر کی حمایت کی۔ آخر محترم مولانا سالک صاحب نے فرمایا کہ چونکہ ہم خود اہل سنت ہیں۔ لہٰذا ہمیں اس تحریک سے ہمدردی ہے۔ ہم اس کی حمایت کریں گے۔ یہ مجلس ۶ بجے سے غروب آفتاب تک قائم رہی۔ معزز مہمانوں نے ہمیں کافی وقت دیا۔ ہماری معروضات کو صبر وسکون کے ساتھ سنا۔ متانت وسنجیدگی سے اعتراضات بھی کیے اور دلائل وبراہین پر مبنی جوابات بھی سنے۔ معزز معاصر کے مالک وایڈیٹر محترم اس مجلس میں شروع سے آخر تک تشریف فرما رہے۔ آپ نے ساری گفتگو اور پوری بحث وتمحیص کامل غور وتوجہ سے سنی۔ مگر ایک لفظ بھی مخالفت یا موافقت میں ارشاد نہ فرمایا۔ بوقت مغرب یہ پُر لطف مجلس برخاست ہوئی۔ ''دعوت تنظیم'' اور ''جہد للبقاءُ'' ہر

---

[1] سالک صاحب نے بجا فرمایا تھا، ان کا معذور ہونا سمجھ میں آتا ہے۔ موصوف کے والد مرزائی تھے اور خود اگرچہ مرزائیت سے اظہار برأت کرتے تھے مگر لاہوری اور ربوی قادیانیوں سے گٹھ جوڑ ضرور رکھتے تھے اور اس ضمن میں اچھی خاصی وصولی بھی کر لیتے تھے۔ مسلم ٹاؤن لاہور میں ۱۹۳۰ء کے زمانہ میں پانچ کنال زمین چار سو روپے فی کنال کے حساب سے خریدی، مولوی محمد علی لاہوری مرزائی اور ڈاکٹر بشارت سے دوستانہ بنا، ڈاکٹر محمد حسین شاہ جس نے مسلم ٹاؤن کی بنیاد رکھی تھی، مرزائی تھے، انہوں نے اپنی والدہ کے نام پر ''عائشہ مسجد'' بنائی تھی جو اب عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے قبضہ میں ہے۔ مولانا غلام رسول مہر اور سالک کی جوڑی معروف تھی ''انقلاب'' اخبار بھی نکالتے تھے، مولانا عبد المجید سالک کے بیٹے عبد السلام خورشید نے اپنی خودنوشت سوانح میں کئی اوٹ پٹانگ اور معلومات افزاء باتوں کی آمیزش کے ساتھ ساتھ معروف مرزائیوں کی تصویر دی ہیں، ان کی سوانح ملاحظہ ہو(''رَو میں ہے رخشِ عُمر'' صفحات ۴۰۰ مطبوعہ ''آتش فشاں'' لاہور/ اکتوبر ۲۰۱۳ء)

صاحب کی نذر کیے گئے اور شکریہ ادا کر کے معزز مہمانوں کو رخصت کیا گیا۔ کامل ایک ہفتہ کے بعد معزز معاصر نے اس تحریک پر جو معاندانہ تبصرہ کیا ہے اس کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں یہ الزام ہے کہ تحریک تنظیم یونینسٹ پارٹی کی ایجنٹ ہے۔ اور دوسرے حصے میں یہ اعتراض ہے کہ یہ تحریک فرقہ وارانہ ہے۔ اس صحبت میں ہم پہلا حصہ زیر بحث لائیں گے۔ معزز معاصر لکھتا ہے:

''ہمیں دو پمفلٹ متعلقہ نئی مذہبی ''تحریک تنظیم اہل سنت'' وصول ہوئے۔ جونہی ہم نے ان کی ورق گردانی کی تو ہمیں سر نواب جمال خاں لغاری کا نام نظر پڑا۔ اور ہم نے خیال کیا کہ یہ تحریک کوئی یونینسٹ پارٹی کی ایجنٹ ہوگی۔ جس کا وجود یونینسٹ پارٹی کے مفاد کی خاطر عمل میں لایا گیا ہوگا۔ کیونکہ:

۱: ہماری یہ پختہ رائے ہے کہ کوئی بھی تحریک جس کے ساتھ نواب یا لغاری کا نام وابستہ ہو۔ نہ تو اسلام اور نہ ہی مسلمانوں کے مفاد کی نگہبان ہوسکتی ہے۔

اس کے بعد جناب نواب صاحب کی شخصیت پر ذاتی حملے اور گزشتہ لیگ یونینسٹ کش مکش کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''اس وقت سے تاحال مسلم لیگ کے خلاف پروپیگنڈا میں مصروف ہیں۔ وزیر ہو کر وہ اس بات کے لیے کوشاں ہوئے کہ کسی نہ کسی یتیم تحریک کے ساتھ علاقہ پیدا کر کے سستی شہرت حاصل کریں۔ کوئی تحریک جس کے ساتھ نواب صاحب کا بالواسطہ تعلق بھی ہمارے نزدیک قابل اعتبار نہیں ہوسکتا۔ صرف ایک بے عمل شخص ہی بآسانی ضمیر فروشی کر سکے ان پر اعتماد کر سکتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ آپ کا اس نئی تحریک کے ساتھ بلاواسطہ تعلق نہیں ہے۔ ان کا لڑکا محمود خاں ہی اس تحریک کا صدر ہے۔ لیکن ایک چالاک سیاست دان جو گدلے پانی میں مچھلی کا شکار کرتا ہے۔ بمشکل خود اپنے ہاتھوں شکار کرے گا۔ بسا اوقات وہ دوسروں کو آلۂ کار بنا کر ان سے یہ معیوب خدمت لیتا ہے۔ ہم نے پمفلٹ کا بغور، اور بغیر تعصب و ہمدردی مطالعہ کیا ہے۔ اس کے باوجود ہم اپنے ناظرین کو اس تحریک کے حق میں سفارش نہیں کریں گے۔ اس تحریک کے حامیوں میں سے ایک سردار احمد خاں صاحب پتافی رئیس جام پور ہیں جن کے ساتھ ہماری ہمدردی ہے۔ ہم آپ سے دس سال ہوئے ملے تھے اور آپ کے احیاء اسلام کے جذبات سے متاثر ہوئے تھے۔ لیکن سر جمال خاں کا نام ہی خطرے کی کافی علامت ہے۔ کوئی تحریک جس کے ساتھ اس کا بلاواسطہ یا بالواسطہ تعلق ہو قابل نفرت ہے۔ یہ خدمت اسلام کا موجب نہیں بن سکتی۔ البتہ موجب تخریب ہوسکتی ہے۔ (۱۴/اکتوبر ۴۴ء)''

خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا لکھیے
ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

## تبصرہ (از مولانا نور الحسن شاہ بخاری رحمہ اللہ):

قیام مرکز کے محرکات اور تحریک کی پوری تاریخ پڑھنے کے بعد جب ایک منصف مزاج اور غیر جانبدار آدمی معزز معاصر کی اس تنقید کو ملاحظہ کرے گا تو اس کی زبان سے بے ساختہ نکلے گا۔ ﴿اِنْ هٰذَآ اِلَّا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ﴾

ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہتی۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ انفنسٹن ہوٹل کی مجلس میں بالمشافہ بات چیت کا ذکر اور قریباً دو گھنٹے کی بحث وتمحیص سے اپنے تاثرات کا اشارہ تک بھی اس نوٹ میں مذکور نہیں ہے۔ نہ ہمارے رسائل کو غور سے پڑھا گیا ہے۔ بلکہ بے اصل مزعومات اور بے بنیاد مفروضات کی بنا پر شکوک وشبہات اور اوہام ووساوس کا پادر ہوا بیت عنکبوت تعمیر کرلیا گیا ہے۔ ❶

ہندوستان میں اردو پریس کی کم نگاہی اور بے احتیاطی زبان زدِ ہر خاص وعام ہے۔ بخلاف اس کے عموماً انگریزی پریس کی احتیاط وتفتیش اور تحقیق وتدقیق پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ لیکن ...... نے اس مقابلہ میں ......❷ افترا پردازی اور بہتان طرازی اور دروغ بانی اور غلط بیانی کا جو ریکارڈ قائم کیا ہے اس سے انگریزی پریس تو کیا اردو اخبارات ہی نہیں بلکہ غیر ذمہ دار چیتھڑوں کی گردن بھی شرم وندامت کے مارے جھک جائے گی۔

خدا جھوٹ نہ بلوائے تو اس نوٹ کی کوئی ایک سطر بھی صحیح نہیں۔ (الا ماشاء اللہ) نہ پمفلٹوں میں کہیں آنریبل نواب سر محمد جمال خاں لغاری کا ذکر ہے۔ نہ یہ تحریک یونینسٹ پارٹی کی ایجنٹ ہے۔ نہ اس کے مفاد کی خاطر ئل میں لائی گئی ہے۔ نہ سستی شہرت کے حصول کے لیے نواب صاحب کسی تحریک سے وابستہ ہوئے۔ مرکز تنظیم کے ساتھ آپ کا پہلے تعلق تھا نہ اب ہے۔ باقی رہے ان کے سیاسی رجحانات اور ان کی

---

❶ اندازہ کیجئے کہ بانیانِ جماعت کا پورا موقف سننے اور اعتراضات کے تسلی بخش جوابات دینے، سننے کے بعد بھی مذکورہ اخبار نے زہر افشانی جاری رکھی، اور حیرت ہے کہ دورانِ مجلس مذکورہ اخبار کے ایڈیٹر کو سوال تک کرنے کی ہمت نہ ہوئی تھی مگر وہاں سے اٹھنے کے بعد تجزیہ وتنقید کرنے میں خوب بہادر بن بیٹھے، ایسے بے ضمیر اور بیچ قسم کے اخباری لوگ آج کی طرح اُس دور میں بھی تھے جو کھائی ہوئی بوٹی کی محض ہڈی چوسنے کے لیے بڑے بڑے مخلصین کے پیروں میں زنجیریں ڈال کر پریشان کرتے تھے، مذکورہ ایڈیٹر صاحب بھی انتقال کر گئے ان کا اخبار بھی قصہ پارینہ ہوگیا۔ اور سردار پتافی رحمہ اللہ ومولانا نور الحسن شاہ بھی فوت ہوگئے۔ مگر آج تاریخ کے سینے پہ کون راج کر رہا ہے؟ یہ اہل دنیا دیکھ رہے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں کون بہشت کے کس درجہ میں ہے؟ یہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں، البتہ ہم دعا ضرور کریں گے کہ اگر مذکورہ ایڈیٹر صاحب صحیح العقیدہ تھے تو اللہ تعالیٰ محافظین ناموس صحابہ رضی اللہ عنہم کے وسیلہ سے ان کی لغزشوں سے درگزر فرمائے آمین۔ سلفی

❷ ایک طرف اہل حق پر اتہامات کا طوفان اور دوسری جانب اہل حق کی قوت برداشت اور وسعتِ ظرف دیکھئے کہ معترض کا نام بھی نہ لیا اور خالی جگہ چھوڑ دی، ہم نے اپنی تحقیق کے مطابق اگرچہ کھوج لگایا ہے، لیکن شاہ صاحب رحمہ اللہ کے احترام میں اس کو پردہ اخفاء میں ہی رکھنا بہتر سمجھتے ہیں۔ سلفی

پولیٹیکل صوابدید! سواس کے وہ خود ذمہ دار ہیں۔ وزراء کے اعمال وافعال اور ان کی سیاسی مصلحتوں کے متعلق کسی قسم کی صفائی اور جوابدہی سے ہم اپنے آپ کو اسی قدر بری الذمہ سمجھتے ہیں۔ جس قدر معزز انگریزی خواں طبقہ میں عموماً عربی خواں علماء کی تنگ دلی، تنگ ظرفی اور تنگ نظری ضرب المثل ہے۔ ''مسٹر'' ہمیشہ ''مولوی'' پر چوٹ کرتا ہے کہ متعصب تاریک خیال اور کج بحث ہے مگر اب ذرا ''مسٹر'' کی فراخ دلی، عالی ظرفی وسیع نظری اور بلند حوصلگی ملاحظہ ہو...... کی یہ سطور بے تعصبی کا ریکارڈ اور روشن خیالی اور حق پسندی کا شاہکار ہیں۔ تصریحات وقطعیات سے اعراض کر کے شکوک وظنون اور شبہات واوہام کی بنا پر مخالفت کا ہوائی قلعہ تعمیر کرنا بے نظیر ''روشن خیالی'' اور ''حق پرستی'' ہے۔ ایک ایسے مذہبی مرکز پر جس کے ساتھ کروڑں مسلمانانِ عالم کا مستقبل وابستہ ہے۔ اور جس کے قیام واستحکام پر ہماری آئندہ نسلوں کے ایمان کا مدار اور انحصار ہے۔ محض اس بنا پر بے پناہ گولہ باری کرنا کہ اس کا صدر نواب صاحب لغاری کا فرزند ہے۔ واقعی ایک ایسی ''بے تعصبی'' کا مظاہرہ ہے جس کی مثال شاید کہیں نہیں ملے گی۔

ہم معزز معاصر سے ہی پوچھتے ہیں کہ کیا محض سیاسی اختلاف کے پیش نظر نواب صاحب پر اس قدر شدید انداز میں حملے کرنا اور پھر باپ کے ''نا قابل معافی گناہ'' کی پاداش میں بے گناہ بیٹے کو کشتنی اور گردن زدنی ٹھہرانا، اور اس کی صدارت میں جو مرکز تنظیم اہل سنت ہے اس کے خلاف مسلمانوں کی رائے عامہ کو خراب کرنا شرعی یا اخلاقی لحاظ سے کہاں تک حق بجانب قرار دیا جاسکتا ہے؟

## تنظیم اہل سنت کا تعارف سلطان العلماء علامہ خالد محمود کے قلم سے:

تحریک تنظیم اہل سنت کے ابتدائی رکن ترجمان ''مناظر'' مصنف اور علم وتحقیق کی عبقری شخصیت علامہ خالد محمود رقمطراز ہیں:

جام پور ضلع ڈیرہ غازی خان کے زمیندار سردار احمد خان پتافی (متوفی ۱۹۶۰ء) مسلمانوں کے ملی تحفظ کے لیے نہایت دردمند اور حساس دل رکھتے تھے، قدرت نے آپ کو روشن دماغ سے بھی نوازا تھا، آپ اس احساس میں گھلے جارہے تھے کہ حوزۂ ملت کو ہر چار طرف سے نقب لگی ہے، آریہ سماج شدھی تحریک چلا رہے ہیں اور مسلمانوں کو شدھ (پھر سے ہندو) کر رہے ہیں، قادیانی ایک نئی نبوت کو لا کر مسلمانوں سے لوگوں کو نکال رہے ہیں اور مسلمانوں کی مرکزیت توڑ رہے ہیں، فتنہ رفض مسلمانون کو اپنی تاریخ کا دشمن بنا کر انہیں اپنے ماضی سے کاٹ رہا ہے اور انگریزی دور خود اہل سنت کو دو دھڑوں میں تقسیم کرنے کے در پے ہے۔ امت کو بچایا جائے تو کیسے بچایا جائے؟ یہ احساس کہ مسلمانوں کا داخلی تحفظ کس طرح کیا جائے؟ آپ اس

میں بہت فکر مند تھے، یہ ۱۹۲۵ء کے لگ بھگ کی بات ہے، سردار صاحب نے اپنے علاقہ کے علماء اور زمینداروں کو اس سلسلے میں جمع کیا، اُن سے مشورے کیے، متعدد مجلسیں کیں اور پندرہ سال اسی فکر میں لگا دیئے۔ زمینداروں میں لغاری خاندان نے ان سے بھرپور تعاون کا وعدہ کیا اور مولانا سیّد نور الحسن بخاری جو اسی علاقہ کے رہنے والے تھے، وہ ان حضرات میں اور اکابر علماء ہند میں ایک واسطہ بن گئے۔ سردار صاحب نے یہ فکر لیے پورے ہندوستان کا دورہ کیا، لاہور میں شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہور سے ملے، دیوبند میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی سے ملے، دہلی میں مفتی اقلیم ہند مفتی محمد کفایت اللہ صاحب سے ملے، ان حضرات سے فکری تائید حاصل کی اور دعا لی۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور حجۃ الاسلام حضرت مولانا عبد الشکور لکھنوی کی تائید اور سرپرستی سردار صاحب کو پہلے سے حاصل تھی، آپ نے کمر ہمت باندھی اور ۱۹۴۳ء میں جام پور میں ایک اجلاس بلایا، جس کی صدارت سردار محمد علی خاں لغاری نے کی، یہاں تنظیم اہل سنت کا قیام عمل میں آیا، سردار محمود خان لغاری اس کے صدر قرار پائے اور سردار احمد خان پتافی رحمہ اللہ اس کے ناظم اعلیٰ مقرر ہوئے۔ اور ۱۴، اپریل ۱۹۴۴ء کو امرتسر میں تنظیم کا دفتر کھول دیا گیا۔ مولانا سید نور الحسن بخاری اس کے مہتمم مقرر ہوئے اور ''تنظیم اہل سنت'' کے نام سے ایک پرچے کا اجراء کیا گیا۔ تحریک کے تعارفِ عام کے لیے لاہور دہلی دروازہ میں ایک جلسہ عام منعقد ہوا، جس میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی، حجۃ الاسلام حضرت مولانا عبد الشکور لکھنوی، مفتی اعظم ہند مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب، شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری، امیر شریعت حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری اور مجاہد اسلام حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہم نے شرکت کی، اس کے مہتمم حضرت مولانا سیّد نور الحسن بخاری تھے۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی، مؤرخ اسلام علامہ سیّد سلیمان ندوی، حکیم الاسلام قاری محمد طیب، اور شیخ المشائخ خواجہ نظام الدین صاحب تونسوی رحمۃ اللہ علیہم نے اس تحریک کی زبردست حمایت کی۔ روزنامہ ''زمزم'' لاہور نے ۱۵ مئی ۱۹۴۴ء کی اشاعت میں، روزنامہ ''شہباز'' نے ۲۹ مئی ۱۹۴۵ء کی اشاعت میں ان اکابر کے بیانات بھی شائع کیے اور تحریک کا تعارف کرایا، ادھر یہ تحریک اُٹھی، اُدھر قادیانیوں نے اپنے پرچہ ''الفضل'' قادیان کی ۵، اپریل ۱۹۴۵ء کی اشاعت میں اس کے خلاف اپنے پورے حلقے میں خطرے کا الارم بجا دیا، اس وقت قادیانیت کے خلاف یہی ایک پلیٹ فارم تھا، جو خالص مذہبی فضاء اور خالص فکری صدا سے ختم نبوت کا کام کرنے اُٹھا۔ اہل سنت مسلمانوں کو یہ پہلا پلیٹ فارم ملا، جس میں تحریکاتِ باطلہ کے خلاف مسلمانوں کی عوامی سطح پر علمی اور فکری جدوجہد شروع ہوئی، مولانا لال حسین اختر اس کے پہلے مبلغ تھے۔

## پاکستان میں تنظیم اہل سنت کا قیام:

تقسیم ہند کے بعد تنظیم کا دفتر امرتسر سے لاہور آگیا اور چوک جھنڈا لوہاری دروازہ میں اس کا قیام عمل میں آیا، ہفت روزہ ''تنظیم'' یہیں سے جاری کیا گیا۔ اس کے دفتری انچارج کالا باغ کے حافظ نور محمد مقرر ہوئے جواب مستقل طور پر لاہور میں مقیم ہیں۔ تنظیم کا جماعتی دفتر بعد میں ملتان آگیا، لیکن اخبار کا دفتر لاہور ہی میں رہا۔ پھر کچھ عرصہ بعد ''دعوت'' کا اجراء عمل میں آیا، جس کا قلمِ ادارت پہلے مولانا سیّد نور الحسن شاہ بخاری کے ہاتھ میں رہا، اس پرچے سے اُن دنوں تنظیم کا پروگرام پاکستان کے شہر شہر اور قریہ قریہ پہنچا اور پورے ملک میں تنظیم اہل سنت کی دھوم مچ گئی۔ اخباروں کے مقابلے میں اخبار، شاعروں کے مقابل شاعر، مناظرین کے مقابلے میں مناظر اور خطیبوں کے مقابل خطیب پیش کیے، اور الحمد للہ تنظیم جن اکابر کی سرپرستی اور تائید سے وجود میں آئی تھی، پاکستان بنے اب نصف صدی ہونے کو ہے، رفض کے خلاف یہ پلیٹ فارم اب بھی اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر پاکستان کی سب سے قدیمی اور بڑی جماعت سمجھا جاتا ہے۔

۱۹۴۸ء میں مجلس احرارِ اسلام سیاست سے کنارہ کش ہو کر خالصتاً قادیانیت کے خلاف مصروف ہوگئی اور تنظیم اہل سنت کا رخ پھر زیادہ تر رفض وخروج کے استیصال کی طرف ہوگیا۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے تلامذہ رفض وبدعت کے خلاف نبرد آزما ہوئے، ہندوستان ایک طرف رہا، آپ پاکستان کو لیں، جناب مولانا قاضی مظہر حسین صاحب، مولانا سیّد نور الحسن بخاری، مولانا سیّد احمد شاہ بخاری (چوکیروی)، مولانا العلامۃ عبد الستار تونسوی، مولانا محمد نافع صاحب (محمدی شریف ضلع جھنگ) مولانا سیّد صادق حسین شاہ (جھنگ) اسی محاذ پر زندگیاں لگائے ہوئے ہیں اور اپنے اپنے حلقے میں عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم کے چراغ جلائے ہوئے ہیں۔

حضرت مولانا سیّد نور الحسن بخاری کی تحریک پر شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے شاگرد مناظر اسلام حضرت علامہ دوست محمد قریشی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا قاری لطف اللہ رحمہ اللہ رائے پوری تنظیم اہل سنت میں آئے، حضرت مدنی رحمہ اللہ اور حضرت لکھنوی رحمہ اللہ کے نامور شاگرد مناظر اسلام علامہ عبد الستار تونسوی بھی جماعت میں آگئے۔ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کے شاگردوں میں سے حضرت مولانا اللہ یار خان رحمہ اللہ اور مولانا افتخار احمد بگوی رحمہ اللہ کا بھرپور تعاون تنظیم اہل سنت کے شامل حال رہا۔ مولانا قائم الدین عباسی علی پوری، مولانا حافظ محمد عطاء اللہ (لیہ) مولانا غلام قادر ملتانی تنظیم کے مرکزی مبلغین میں شامل ہوئے، سردار احمد خان پتافی رحمہ اللہ کی نظامت میں تحریک تنظیم نے ملک کے طول وعرض میں مقام صحابہ رضی اللہ عنہم کا بھرپور دفاع کیا، اور جلسوں، مناظروں، تحریروں، تقریروں، اخبارات اور مقدمات الغرض ہر محاذ پر رفض والحاد کو للکارا،

لتاڑا، اور بستی و آبادی میں عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم کے چراغ جلائے۔ دارالمبلغین تنظیم اہل سنت (ملتان) نے پھر ایسے شاگرد تیار کیے جو مستقل جماعتوں کے بانی بنے، مولانا عبدالشکور دین پوری صدر تحفظ حقوق اہل سنت، مولانا منظور احمد چنیوٹی، بانی ادارہ دعوت وارشاد چنیوٹ، مولانا حق نواز جھنگوی رحمہ اللہ بانی تحریک سپاہ صحابہ، مولانا محمد عبد اللہ صاحب امیر جمعیت اہل سنت پاکستان، انجمن محبان صحابہ ڈیرہ اسماعیل خان، یہ سب حضرات اس محاذ پر حضرت مولانا عبدالستار تونسوی صاحب نے تیار کیے اور جب تک یہ حضرات میدان عمل میں مصروف ہیں، تنظیم اہل سنت کا نام دنیا میں روشن رہے گا۔ جماعت کا تبلیغی مسلک اعتدال ہے، اشتعال نہیں، تنظیم کے مبلغین نے تبلیغ ہمیشہ مثبت انداز میں کی ہے۔ ہنگامے نہیں کرائے، صحابہ اور غیرت رسول میں ہمیشہ جوڑ کی بات کی ہے توڑ کی نہیں۔ پاکستان میں کہیں برائی اور نفرتوں کے جال نہیں بچھائے، اعتماد، تولا اور حسن سلوک کی دعوت دی ہے۔ ہفت روزہ ''دعوت'' کا ہمیشہ سے یہی پیغام رہا ہے اور اس کے چار نمبروں کی تاریخ گواہ ہے کہ تحفظ ناموسِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے محاذ پر علماء تنظیم اہل سنت کی فکر ہمیشہ سے انتہائی ثاقب رہی ہے۔

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مردِ درویش حق نے جس کو دیئے ہیں اندازِ خسروانہ [1]

## تنظیم اہل سنت کے سرکردہ علماءِ کرام:

یہاں اُن علماء کرام کے نام درج کیے جاتے ہیں جنہوں نے اپنے علم و عمل، خداداد صلاحیتوں اور محبت صحابہ سے سرشار ہو کر چاروں صوبوں میں دور دراز کے سفر طے کر کے گلشن تنظیم کی آبیاری کی اکثر ان میں سے اب خلد آشیانی ہو چکے ہیں، بعض آخری دم تک تنظیم میں رہے، بعض اور دیگر جماعتوں میں چلے گئے تھے۔ مگر جہاں تک کاز، مقصد اور منزل کا تعلق ہے، ان میں سے کسی ایک نے بھی سرمو اس سے انحراف نہیں کیا۔ علماء تنظیم اہل سنت کے نام یہ ہیں:

۱: مولانا سیّد نور الحسن شاہ بخاری ۲: علامہ دوست محمد قریشی
۳: علامہ ڈاکٹر خالد محمود ۴: علامہ محمد نافع
۵: مولانا محمد ضیاء القاسمی ۶: مولانا بشیر احمد پسروری
۷: مولانا عبدالستار تونسوی ۸: مولانا محمد شفیع سنکھتروی

---

[1] علامہ خالد محمود، مقدمہ خلفائے راشدین/مطبوعہ دار المعارف لاہور/صفحہ نمبر ۲۱ تا ۲۴۔

۹: مولانا قائم الدین عباسی　　۱۰: مولانا عبدالشکور دین پوری
۱۱: مولانا عبدالمجید ندیم　　۱۲: مولانا عبدالغفور حقانی
۱۳: علامہ احمد شاہ چوکیروی　　۱۴: مولانا میاں محمد ابراہیم تلوار والے
۱۵: مولانا عبدالرحمن اشرفی رحمہ اللہ وغیرہ وغیرہ۔

## تنظیم اہل سنت کی کارگزاری مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے قلم سے:

پہلے یہ بات گزشتہ سطور میں گزر چکی ہے کہ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ جب دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہو کر آئے تو برصغیر کے مطلع پر تنظیم اہل سنت کا سورج طلوع ہوا۔ چنانچہ آپ نے بھی اکابرین اہل سنت کی سرپرستی میں کام شروع کر دیا۔ اپنے جامعہ محمدی میں درس وتدریس اور گرد ونواح میں تنظیمی تعارف وجلسوں کا سلسلہ جاری ہوا۔ مناظرہ ومباحثہ اور خصوصاً تصنیف وتالیف جس سے آپ کی شخصیت کا چہار دانگ عالم تعارف ہوا، وہ بھی دراصل تنظیم ہی کا فیضان ہے۔ اب تک تنظیم کے حوالہ سے جو روداد اور تاریخ پیش کی گئی ہے، مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی عملی زندگی اور ذاتی ڈائری سے خلاصہ پیش کیا جاتا ہے جو ''خَيْرُ الْكَلَامِ مَا قَلَّ وَدَلَّ'' کا پورا مصداق ہے۔ آپ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''جلسہ تنظیم اہل سنت ضلع جھنگ''

اجلاس بعد الظہر شروع ہوا، صدر صاحب نے افتتاحی تقریر کی، پھر رات آٹھ بجے کے اجلاس میں سردار احمد خان پتافی نے خطبہ صدارت پڑھا، اس کے بعد مسلم صاحب لاہور نے پُر جوش تقریر کی، مدعوین حضرات جو کانفرنس میں تشریف لائے، (وہ یہ ہیں):

۱: علامہ ابوالحسنات صاحب۔ وزیر خان مسجد
۲: مولانا محمد بخش مسلم۔ لاہور
۳: سردار احمد خان پتافی۔ جام پور
۴: مولانا لعل حسین اختر صاحب۔ مبلغ اعظم
۵: مولانا سیّد مبارک شاہ صاحب بغدادی
۶: مولانا غلام غوث ہزاروی [1]

(جلسے کا دوسرا دن)

---

[1] مولانا محمد نافع، ذاتی ڈائری / ۸، اکتوبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۴ ذوالحجہ / ۱۳۶۸ھ

۹ بجے مولانا ابوالحسنات نے خطبہ صدارت پڑھا، اس کے بعد نعتیں ہوتی رہیں۔ آخری تقریر مولانا غلام غوث ہزاروی نے کی۔ اجلاس ختم ہوا، یاد رہے کہ حضرت پیر صاحب قبلہ صبح سویرے خاص کام کی وجہ سے جلدی واپس چلے گئے۔ بعد الظہر پھر اجلاس ہوا، صدارت بغدادی صاحب نے کی تھی اور تقریر اختر صاحب مبلغ نے، پھر عشاء کے وقت ۹ بجے سے اجلاس شروع ہوا، صدارت بخاری ❶ صاحب مہتمم نے کی تھی، انہوں نے اپنا خطبہ صدارت طویل اور تاریخی پڑھا، جو بڑا اثر انداز ہوا۔ الحمد للہ کہ پانچوں اجلاس بڑے کامیاب رہے، ضلع میں بہ فضل خدا بیداری کی لہر دوڑ گئی ہے۔ عوام مقصدِ تنظیم سے رُوشناس ہو رہے ہیں، یہ فضل ایزدی ہے۔ کل سوموار کو واپسی ہوگی۔ ❷

اسی طرح جھنگ صدر کے بعد تنظیم نے شورکوٹ میں بھی بڑا جلسہ کیا تھا تو مولانا محمد نافع لکھتے ہیں:

''اجلاس تنظیم اہل سنت جھنگ، شورکوٹ میں بڑا کامیاب رہا۔ خواجہ نظام الدین تونسوی صاحب کی بجائے ان کے بھتیجے صاحبزادہ غلام مرتضیٰ صاحب تشریف لائے تھے، باقی علماء وہی جھنگ کانفرنس والے پہنچے۔ فیض محمد جنجیانہ اور میاں عبداللہ صاحب قریشی نے امداد کی۔'' ❸

اس نمونہ کی لاتعداد رودادیں اور یادداشتیں ڈائریوں میں بکھری پڑی ہیں، اور تنظیمی اکابرین کی محمدی شریف آمد و رفت، ملاقاتیں اور اجلاسوں کے مفصل احوال بھی موجود ہیں، جو ڈائریوں والی جلد میں بالترتیب ملاحظہ کی جاسکیں گی۔ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے ابتدائی تیس سال تو تنظیم اہل سنت میں بھرپور گزارے۔ بعد میں تعلق تو قائم رکھا مگر عملاً تصنیف و تالیف اور درس و تدریس تک ہی محدود ہو گئے تھے۔ جماعتی و تنظیمی زندگی کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں کیونکہ اس کا تعلق بھاگ دوڑ اور سفر مسلسل کے ساتھ ہے جبکہ تحقیق و مطالعہ یکسوئی، کمرتوڑ محنت مانگنے کے ساتھ ساتھ خونِ جگر تک کشید کر لیتا ہے، چنانچہ کتابوں کے حصول، مطالعہ کی رفتار، تحقیق کی روش اور ان سب کے ساتھ ساتھ خانگی و معاشی زندگی کو چلانا کس قدر کٹھن مرحلہ تھا؟ یہ بھی پوری تفصیل مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی ڈائریوں میں موجود ہے۔

---

❶ مولانا سیّد نور الحسن شاہ بخاری۔

❷ مولانا محمد نافع رذاتی ڈائری ر ۹، اکتوبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۵ ذوالحجہ ۱۳۶۸ھ

❸ مولانا محمد نافع رذاتی ڈائری ر ۳، دسمبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۱ صفر ۱۳۶۹ھ۔

## تنظیمِ اہل سُنت کا فکری سفر، از عروج تا زوال:

تنظیمِ اہل سُنت کی خدمات کا انکار کوئی ہوش مند سُنی مسلمان نہیں کرسکتا، ۱۹۴۳ء سے لے کر ۱۹۸۳ء تک تنظیم کا عروج رہا۔ مگر بعد میں دھیرے دھیرے جب اکابرین تنظیم اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوتے گئے تو تنظیمِ اہل سنت کا دائرہ کار بھی سمٹتا چلا گیا۔ مولانا عبدالشکور دین پوری رحمہ اللہ اور مولانا عبدالمجید ندیم رحمہ اللہ نے الگ ہو کر ''تحفظ حقوقِ اہل سنت'' بنالی، پھر ان دونوں نے آپس میں اختلاف کرکے دینپوری صاحب نے ''مجلس علماء اہل سنت'' قائم کرلی اور مولانا عبدالمجید ندیم صاحب کا جب تک گلا کام کرتا رہا، وہ ''اہل سنت کے حقوق'' ادا کرتے رہے۔ پھر مولانا حق نواز جھنگوی شہید نے سپاہ صحابہ رضی اللہ عنہم بنالی تو نقشہ ہی بدل گیا، بعد ازاں سپاہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے ''لشکرِ جھنگوی'' نمودار ہوا جس نے بیس سال قتل و غارت کرنے کروانے کے بعد بالآخر پوری دیوبندیت کے مستقبل کو داؤ پر لگا دیا۔ جو علماء ''تنظیمِ اہل سنت'' میں رہ گئے تھے، ان کو ایک مخصوص لابی نے ایک ایک کرکے ایسا ناک میں دم کیا کہ وہ تنظیم چھوڑ گئے۔ پورے برصغیر میں دھوم مچا دینے کے بعد آخر کار جنوبی پنجاب تک محدود ہوکر رہ جانے والی تنظیم پر ایک ایسا وقت بھی آگیا کہ اَن پڑھ مبلغین کا ایک چھوٹا سا ریوڑ ہی بچ پایا مگر علامہ تونسوی رحمہ اللہ کی شخصی و علمی عظمت سے بھرم قائم رہا۔ دسمبر ۲۰۱۲ء میں علامہ تونسوی رحمہ اللہ کی وفات ہوگئی، اب تنظیم اہل سنت کی اگلی کاروائی پیش کرنے سے بہتر ہے کہ اس باب کا اختتام کردیا جائے۔

ہائے میرے باغِ آرزو کیسا ہے باغ ہائے تُو
کلیاں تو گو ہیں چار سُو، کوئی کلی کھلی نہیں

# باب نمبر 6

# شیعہ و سنی علماء کی تردیدی کتب

# اور

# مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کا منفرد اسلوب

# (ایک جائزہ)

# شیعہ وسنی علماء کی علمی کشمکش

حق و باطل کی کشمکش ابتدا سے چلی آرہی ہے۔ اہل حق اپنا مذہبی ودعوتی فریضہ سرانجام دیتے ہیں جس کے مقدر میں من جانب اللہ ہدایت ہوتی ہے وہ راہ پالیتے ہیں اور معاندین وضالین برابر ہٹ دھرمی وضد کی پالیسی پہ گامزن رہتے ہیں، تنقید برائے تنقید یا بحث برائے بحث اہل علم کی شان ہے نہ ان کا فرض منصبی! اہل سنت علماء نے اپنی بے پناہ دعوتی وتدریسی وتعلیمی مصروفیات کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی کارہائے نمایاں سرانجام دیئے اور علم وتحقیق کی وہ شمعیں روشن کر دیں کہ کفر وشرک کے طوفان اور جہالتوں کی ژالہ باریاں بھی ان شمعوں کو بجھا نہ سکیں۔ شیعہ فرقہ نے ابتداء میں علم کے سایہ میں مسلمان صفوں کے اندر گھسنے کی جو کوشش کی تھی اس کو علماء حق نے بہت جلد ناکام کر دیا تھا، پھر انہوں نے شخصیات کی محبت میں غلو اور بے اعتدالی کا اصول اپنے عوام میں منتقل کیا، عوام کا بہت بڑا طبقہ انہی رسومات وروایات میں مصروف رہا اور شیعہ علماء انہی جہلاء کے سرخیل بن کر وقت گزاری کرتے آرہے ہیں۔ تاہم ایک مختصر جماعت نے کاغذ وقلم سے بھی رشتہ قائم رکھا، اور بزعم خویش انہوں نے علمی وتحقیقی انداز میں شیعیت کی خدمت کی۔ لیکن اس رستے کے مسافر خوب جانتے ہیں کہ شیعہ علماء نے اپنی کتابوں میں جو کچھ بھرتی کیا ہے اس پر کتنے فیصد علم یا تحقیق کا اطلاق ہوتا ہے؟ نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ کاغذ وقلم جیسے مقدس ذرائع جو سچ کی خوشبوئیں بکھیرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں، شیعہ علماء نے ان کا ناجائز، غلط اور بے محل استعمال کرکے قلم کی حرمت کو پامال کیا، جھوٹ کے انبار لگائے، افسانوں پر افسانے تراشے، گالی گلوچ کو فروغ دیا، قرآن پاک کی آیات کے معانی بگاڑے، پاکانِ امت کی کردار کشی کی اور کچھوے کی کھوکھ سے ہاتھی پیدا کرنے کا وہ تجربہ کیا کہ دین اسلام کی جگ ہنسائی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔ علماء اہل سنت اگر انہیں مرفوع القلم قرار دے کر اپنے حال پہ چھوڑ دیتے تو یہ بغلیں الگ بجاتے اور سادہ لوح مسلمان الگ بے راہ ہوتے اور اگر فقط انہی سے مباحثے کرنے بیٹھ جاتے تو دیگر شعبوں میں خدمت دین کا فریضہ سرانجام نہ دے سکتے تھے۔ چنانچہ اہل حق نے تحریری مناظرانہ طرز سے بھی دین کا دفاع کرتے ہوئے ان کے اعتراضات اور توہمات کا ازالہ کیا۔ عربی وفارسی اور اردو زبانوں میں اتنا بڑا ذخیرہ آج امت کے ہاتھوں میں ہے کہ بہت بڑے سمندری طوفان سے ان کی فکری کشتی ہچکولے نہیں کھا سکتی۔ بعض کتابیں اہل سنت نے لکھیں اور شیعوں نے ان کی تردید میں قلم

اٹھایا، پھر اگر ضرورت پڑی تو علماء اہل سنت نے جواب الجواب کے طور پر کتاب پیش کی ورنہ حق کی آواز لگا کر آگے بڑھ گئے اور بعض دفعہ کسی شیعہ عالم نے کوئی کتاب لکھی جس سے دین اسلام کی بنیادوں پر ضرب لگتی تھی تو سنی علماء اس کی تردید پہ کمربستہ ہو گئے۔ یوں کتابوں پر کتابیں وجود میں آتی چلی گئیں اور حق و باطل کی کشمکش کا آنے والی نسل نظارا کرتی چلی گئی۔ ہم یہاں تقریباً دو ہزار کے قریب جانبین کی کتب کی فہرست پیش کرنے کا ارادہ رکھتے تھے، لیکن طوالت کے خوف سے اس فہرست کو اختصار کے ساتھ پیش کررہے ہیں۔ تقدیم وتاخیر یا چھوٹی و بڑی کتب کا لحاظ کیے بغیر اہل علم اس پر غور کریں پھر اپنی اپنی رسائی کے مطابق ان کا غیر جانبدارانہ مطالعہ کریں تو آپ ان شاء اللہ اسی نتیجہ پر پہنچیں گے کہ دین فطرت اور سچ نام کی کوئی چیز اگر دنیا میں پائی جاتی ہے تو علماء اہل سنت کی کتب میں ہے باقی سب بتانِ آزری!

یاد رہے کہ درجن بھر کے سوا یہ مناظرانہ کتب برصغیر پاک وہند کے سنی وشیعہ علماء کی مصنَّفہ ہیں، دیگر ممالک میں اس کشمکش کی رفتار کیا رہی؟ اور ان معاشروں پر کس نے کیا اثرات چھوڑے؟ یہ آپ کسی اور وقت ہم سے خدمت لے لیں۔ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ خطۂ برصغیر کے مطلعِ علم پر چمکے۔ لہٰذا ہم برصغیر کی یہ کتابی تاریخ پیش نظر کررہے ہیں۔ اس ترتیب میں تقدیم وتاخیر یا سنین ومطابع اور موضوعات کی قید نہیں ہے۔ فقط کتب کے نام اور مصنّفین کا ذکر ہے کہ باذوق قارئین ہمت بقدر اوست کے تحت فائدہ اٹھاسکیں۔

| نمبر شمار | شیعہ کتاب کا نام | شیعہ مصنف | سنی کتاب کا نام | سنی مصنف |
|---|---|---|---|---|
| ۱۔۲ | منہاج الکرامۃ، عربی | علامہ ابن مطہر حلی | منہاج السنۃ (چار جلد) عربی | شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ |
| ۳۔۴ | آفتاب عالم افروز | مولانا سیّد علی نقی | تموز نیروز | علامہ حیدر علی فیض آبادیؒ |
| ۵۔۶ | آئینہ اہل التسنن | مولانا نفیس الرضا | آئینہ اہل تشیع | سیّد عبدالرحمٰن گیلانی |
| ۷۔۸ | عبقات الانوار فارسی | مولانا میر حامد حسین لکھنوی | تحفہ اثنا عشریہ فارسی | شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ |
| ۹۔۱۰ | استقصاء الافہام | مولانا میر حامد حسین | منتہی الکلام | علامہ حیدر علی فیض آبادیؒ |
| ۱۱۔۱۲ | نہج الحق وکشف الصدق | علامہ ابن مطہر حلی | ابطال الباطل | علامہ فضل بن روز بہانؒ |
| ۱۳۔۱۴ | آیاتِ محکمات | مولانا سیّد امیر حسن | آیاتِ بینات | نواب محسن الملک مہدی علی خانؒ |
| ۱۵۔۱۶ | آیت اخریٰ | راجہ محمد اعظم علی خان | آیاتِ بینات (۲) | نواب محسن الملک مہدی علی خان |
| ۱۷۔۱۸ | تنبیہ الناصبین | مولانا اعجاز حسن بدایونی | تنبیہ الحائرین | امام اہل سنت علامہ عبد الشکور لکھنویؒ |

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| ۱۹۔۲۰ | احقاق الحق | سیّد امیر کاظم | ابطال اصول الشیعہ | مولانا حکیم رحیم اللہ بجنوریؒ |
| ۲۱۔۲۲ | ارغام الکفرہ، رسالہ چہرہ | مولانا سیّد مجتبیٰ نوگانوی | ردّ الرفضہ | مولانا احمد رضا خان صاحبؒ بریلوی |
| ۲۳۔۲۴ | تجلیات صداقت | مولانا محمد حسین ڈھکو | آفتاب ہدایت | مولانا محمد کرم الدین دبیرؒ |
| ۲۵۔۲۶ | شمشیر مسموم | محمد حسنین سابقی | ام کلثوم بنت علیؓ فاروق اعظمؓ کے نکاح میں | مولانا محمد صدیق تاندلیانوالہ |
| ۲۷۔۲۸ | رمی الجمرات | سیّد عباد حسین | ردّ روافض | حضرت شیخ احمد سرہندیؒ |
| ۲۹۔۳۰ | کشف الظلمات | مولانا سیّد محمد حیدر | السیف المسلول | مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی |
| ۳۱۔۳۲ | مسئلہ فدک | سیّد محمد جعفر زیدی | ازالۃ الشک عن مسئلہ فدک | علامہ محمد عبد الستار تونسویؒ |
| ۳۳۔۳۴ | اسباق الائمہ | ڈاکٹر نور حسین سیالوی | اسواط الصداقت عن ثبوت الخلافت | مولانا حکیم سلطان محمود پیرکوٹی |
| ۳۵۔۳۶ | شیعہ پاکٹ بک | مولانا مرزا احمد علی امرتسری | اہل سنت پاکٹ بک | علامہ دوست محمد قریشیؒ |
| ۳۷۔۳۸ | فرمان معصومین متعلقہ بہ عزاداری محرم الحرام | حکیم تصدق حسین بخاری | فرمان معظم متعلق بدعاتِ محرم | مولانا بشیر احمد پسروریؒ |
| ۳۹۔۴۰ | اسلام، شیعہ اور ایران | مولانا محمد حسنین سابقی | ایرانی انقلاب، امام خمینی اور شیعیت | مولانا محمد منظور نعمانیؒ |
| ۴۱۔۴۲ | برہان الشیعہ | حاجی نور حسین صابر | بہتان الشیعہ | احمد دین کھرل |
| ۴۳۔۴۴ | آئینہ حق نما | فرزند علی بڈھانوی | ازالۃ الغین | علامہ حیدر علی فیض آبادیؒ |
| ۴۵۔۴۶ | آئینہ مذہب سنی | ڈاکٹر نور حسین صابر | آئینہ مذہب شیعہ | مولانا محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ |
| ۴۷۔۴۸ | ابطال الاستدلال لاہل الزیغ والضلال | مولانا امیر الدین | نواقص الروافض | علامہ مرزا مخدوم الحنفی |
| ۴۹۔۵۰ | احسن الدلائل | محمد حسن تحصیلدار | قاطع مفتریاتِ شیعہ | مولانا اخوند درویزہ |
| ۵۱۔۵۲ | ازالۃ الغرور | مولانا نسیم حسن امروہی | مآخذ الاعتقاد | مولانا شاہ محمد خوبؒ اللہ الہ آبادی |

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| ۵۳-۵۴ | اسئلۃ المحمدیہ | مولانا احمد علی محمد آبادی | درۃ التحقیق فی نصرۃ الصدیق | مولانا شاہ محمد فاخر رحمہ اللہ |
| ۵۵-۵۶ | الاعتقاد فی الامامت | مولانا ناصر حسین فیض آبادی | کشف الغطاء | مولانا محمد ہاشم سندھیؒ |
| ۵۷-۵۸ | اعجاز البیان فی ذکر شریک القرآن | مولانا سیّد امیر علی | احراق الروافض | مولانا قاضی محمد اکرم نصیر پوریؒ |
| ۵۹-۶۰ | انتصار الشیعہ فی ردّ ابن تیمیہ | مولانا حکیم سیّد احمد شاہ | مسئلہ فدک | قاضی عبدالاحد خانپوریؒ |
| ۶۱-۶۲ | انوارِ جعفریہ | حاجی نور حسین سیالوی | نصیحۃ الشیعہ | مولانا احتشام الدین مراد آبادیؒ |
| ۶۳-۶۴ | براہین الانصاف لدافعین النحل والاعتساف | مولانا زین العابدین بٹالوی | صواقع موبقہ (مخطوطہ) | خواجہ نصر اللہ کابلیؒ |
| ۶۵-۶۶ | براہین قرآنی | ڈاکٹر نور حسین صابر | فتح الرحمٰن | مولانا یار محمد پیر کوٹیؒ |
| ۶۷-۶۸ | البرق | عابد علی قزلباش | الفاروق (اگرچہ مستقل تردید شیعہ پہ نہیں مگر شیعوں کو تکلیف ہوئی) | مولانا شبلی نعمانیؒ |
| ۶۹-۷۰ | وصی رحمۃ اللعالمین | عبدالکریم مشتاق | وصی رسول اللہ | محمد صدیق کھوکھرؒ |
| ۷۱-۷۲ | واقعاتِ غدیر | ڈاکٹر نور حسین صابر | عید غدیر | مولانا غلام حسین قریشیؒ |
| ۷۳-۷۴ | نور علیٰ نور | مولانا سیّد کاظم علی | مطرقۃ الکرامۃ علیٰ مراۃ الامامۃ | مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ |
| ۷۵-۷۶ | ھدمُ الاساس باثبات حدیث القرطاس | مولانا سیّد سبط حسن | الشوکت العمریہ | مولانا رشید الدین خان دہلویؒ |
| ۷۷-۷۸ | مرات الامامت | مولانا میر کاظم علی | ابطال اصول الشیعہ | مولانا رحیم اللہ بجنوریؒ |
| ۷۹-۸۰ | دلیل المتحیرین | مولانا سید سجاد حسین | خلافت شیخین | مرزا حیرت دہلویؒ ❶ |
| ۸۱-۸۲ | دلائل الصادقین | مولانا بہادر علی شاہ | ہدایۃ الرافضین | مولانا کرامت اللہ جونپوریؒ |
| ۸۳-۸۴ | تنویر الہدیٰ | سیّد افتخار علی فیروز آبادی | تذکرۃ الخلفاء | مولانا جہانگیر خان شکوہ آبادی |
| ۸۵-۸۶ | الحق مع العیدر الکرار | مولانا فیض محمد کھیالوی | حق چار یار | مولانا قطب شاہؒ |
| ۸۷-۸۸ | تمیز خلافت | // | ابریز خلافت | مولانا حکیم رحیم بخش ملتانی |

❶ بعد میں مرزا حیرت راہ اعتدال سے ہٹ گئے تھے۔ اور ان کی کتب خصوصاً ''کتاب شہادت'' وغیرہ قطعاً اہل سنت والجماعت کی ترجمان نہیں ہیں۔ سلفی

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| ۸۹۔۹۰ | تحقیق | مولانا محمد حسین رضوی | اسرار الہدیٰ | مولانا جوہر علی مچھلی شہری |
| ۹۱۔۹۲ | اعجاز داؤدی | مولانا سجاد حسین | سیف السابئین | مولانا اخوند کشمیری ؒ |
| ۹۳۔۹۴ | اعلانِ حقیقت | مولانا ناصر حسین فیض آبادی | شجرۂ مودّت | علامہ ڈاکٹر خالد محمود |
| ۹۵۔۹۶ | تبلیغ البالغ | مولانا شیخ احمد | حجۃ البالغہ | مولانا شبیر علی امروہی ؒ |
| ۹۷۔۹۸ | تحفۃ الاحناف | ڈاکٹر نور حسین سیالوی | تحفۃ الانصاف | علامہ عبد الشکور لکھنوی ؒ |
| ۹۹۔۱۰۰ | تحفہ اشعریہ | مولانا سیّد محمد | ہدیۃ الشیعہ | امام الکبیر مولانا محمد قاسم نانوتویؒ |
| ۱۰۱۔۱۰۲ | تردید الکاذبین | سیّد ضمیر حسین | فارق الحق والباطل | مولانا محمد عیوضؒ |
| ۱۰۳۔۱۰۴ | تصدیق لفظ شیعہ | عبد الکریم مشتاق | تحقیق لفظ شیعہ | مولانا محمد امین خادم |
| ۱۰۵۔۱۰۶ | تصویر غالب ومغلوب | مولانا سیّد سجاد حسین | ہدایات الرشید الیٰ افہام العنید | علامہ خلیل احمد سہارنپوری ؒ |
| ۱۰۷۔۱۰۸ | فلاح الکونین فی عزاء الحسین | آغا سید واصف حسین | بشارت الدارین بالصبر علیٰ شہادت الحسینؓ | حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ |
| ۱۰۹۔۱۱۰ | ہم ماتم کیوں کرتے ہیں؟ | ملک غلام عباس بی اے | ہم ماتم کیوں نہیں کرتے؟ | مولانا قاضی مظہر حسینؒ |
| ۱۱۱۔۱۱۲ | شیعہ مذہب حق ہے | عبد الکریم مشتاق | سنی مذہب حق ہے | مولانا قاضی مظہر حسینؒ |
| ۱۱۳۔۱۱۴ | تنزیہ الامامیہ | مولانا محمد حسین ڈھکو | مذہب شیعہ | پیر قمر الدین سیالویؒ |
| ۱۱۵۔۱۱۶ | تفضیح الکاذبین | حافظ سیّد امیر کاظم | تجلیاتِ آفتاب | علامہ ڈاکٹر خالد محمود |
| ۱۱۷۔۱۱۸ | جواب باصواب | محمد عباس رفعت | عرضِ نیک | مولانا سخاوت علی عمریؒ |
| ۱۱۹۔۱۲۰ | جواب باصواب | مولانا سیّد گلشن علی | اجوبۂ اربعین | امام الکبیر حضرت نانوتوی ؒ |
| ۱۲۱۔۱۲۲ | ہدیۃ المومنین | مولانا سیّد علی | کشف الالتباس عما وسواس بہ الخناس | مولانا محمد صدیق حسن خانؒ |
| ۱۲۳۔۱۲۴ | حصولِ اسلام کی حقیقت | سیّد آغا مہدی | حصولِ اسلام | مولانا محمد حسین مختار ؒ |
| ۱۲۵۔۱۲۶ | دافع بہتان | محمد رضا نقوی امروہی | مناظرۂ پنجاب | علامہ عبد الشکور لکھنوی ؒ |
| ۱۲۷۔۱۲۸ | دشمن اہل بیت کون؟ | مولانا مشتاق حسین جعفری | محب اہل بیت کون؟ | مولانا سیّد شبیر حسین بخاریؒ |

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| ۱۲۹-۱۳۰ | سیف الصدیق علی عنق قطع الطریق | مولانا احمد شاہ ڈھوک رتوی | تازیانۂ سنت ردّ اہل رفض وبدعت | مولانا کرم الدین دبیرؒ |
| ۱۳۱-۱۳۲ | نغمۂ طنبوری | مولانا سیّد علی محمد | مخرج عقائد نوری | مولانا غلام دستگیر قصوریؒ |
| ۱۳۳-۱۳۴ | رموزِ بدیعہ | مولانا محمد حسن ٹاٹا پوری | ردّ شیعہ | پیر سیّد قطب شاہؒ |
| ۱۳۵-۱۳۶ | سرمہ چشمِ سنی | ڈاکٹر نور حسین | تہذیب مذہب شیعہ | مولانا علی محمد جھنگویؒ |
| ۱۳۷-۱۳۸ | قواضب الاسیاف علی عنق الاعتساف | مولانا سیّد مظہر حسن | مجمع الاوصاف فی تردید اہل البدع والاعتساف | مولانا احمد الدینؒ دھرابی والے (چکوال) |
| ۱۳۹-۱۴۰ | ضربت اعجازیہ | مولانا اعجاز حسن صدیقی | ارتدادِ شیعہ | علامہ عبد الشکور لکھنویؒ |
| ۱۴۱-۱۴۲ | عشرۂ کاملہ | مولانا سیّد محمد | کشف التلبیس | مولانا شاہ ولایت حسینؒ |
| ۱۴۳-۱۴۴ | فتح دیوبند، نغمہ مستانہ | سید لقاء علی نقوی | شہید کربلا اور یزید | مولانا قاری محمد طیبؒ |
| ۱۴۵-۱۴۶ | فتح الرحمٰن علیٰ حزب الشیطان | سیّد اختر حسین | الفتح المبین علی اعداء خیر المرسلینؐ | علامہ عبد الشکور لکھنویؒ |
| ۱۴۷-۱۴۸ | شواہد الصادقین لرغم انواف الکاذبین | مولانا سیّد احمد شاہ | السیف المسلول لاعداء خلفاء الرسولؐ | مولانا محمد کرم الدین دبیرؒ |
| ۱۴۹-۱۵۰ | فیصلہ حقانی | ڈاکٹر نور حسین صابر | کھلا فیصلہ | مولانا یار محمدؒ پیر کوٹی |
| ۱۵۱-۱۵۲ | کحل الاعمیٰ | سیّد اظہار حسنین | دافع الخناس | مولانا حبیب احمدؒ |
| ۱۵۳-۱۵۴ | گمراہ کون؟ | علی موسیٰ مظفر پوری | کلماتِ اکابر | مولانا محمد اسحاق بنارسیؒ |
| ۱۵۵-۱۵۶ | لجاء الافہام | مولانا غلام شبر | جلاء الافہام | علامہ دوست محمد قریشی |
| ۱۵۷-۱۵۸ | مجرم | مولانا کرار حسین | انکشافاتِ حقیقت | مرزا عابد حسین محمود آبادیؒ |
| ۱۵۹-۱۶۰ | مسح رجلین | مولانا مرزا یوسف حسین | غسل رجلین | مولانا نور احمد عرب |
| ۱۶۱-۱۶۲ | القول المقبول فی تردید المجہول | سیّد خادم الدین احمد | الشہاب الثاقب | مولانا محمد کیچ مکرانی |
| ۱۶۳-۱۶۴ | مفاتح البرکات | مولانا مرزا احمد علی | شوائط البرکات | مولانا سیّد قطب شاہؒ |
| ۱۶۵-۱۶۶ | ہدایۃ الحسینیہ | مرزا احمد علی | کشف الغطاء | مولانا سیّد غلام حسن شاہ پرہارویؒ |

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| ۱۶۷۔۱۶۸ | جوابِ لاجواب | غلام عباس نقوی بھکروی | شیعہ حضرات پر سوسوالات | مولانا حافظ مہر محمد میانوالوی |
| ۱۶۹۔۱۷۰ | جہاں نما | مولانا سیّد سجاد حسین | تقیہ کی کرامات | مولانا عبدالحکیم |
| ۱۷۱۔۱۷۲ | انوارِ حق مسئلہ فدک | مولانا محمد عارف نقوی | تحذیر المسلمین عن کید الکاذبین | مولانا اللہ یار خان چکڑالوی ؒ |
| ۱۷۳۔۱۷۴ | باغی | مولانا کرار حسین | باغِ فدک | علامہ احمد شاہ چوکیروی ؒ |
| ۱۷۵۔۱۷۶ | توثیق فدک | مولانا منظور حسین بخاری | تحقیق فدک | علامہ احمد شاہ چوکیروی ؒ |
| ۱۷۷۔۱۷۸ | تنزیہہ الشیعہ | مولانا محمد اسماعیل گوجروی | تنبیہ الشیعہ | مولانا محمد سلیمان فیصل آبادی |
| ۱۷۹۔۱۸۰ | شیعہ کافر تو سب کافر | علی اکبر شاہ | کافر کون؟ | ابوعمار، فاضل ریاض یونیورسٹی |
| ۱۸۱۔۱۸۲ | مسئلہ تحریف قرآن | مولانا طالب حسین کرپالوی | ایمان بالقرآن | مولانا غلام رسول نوشاہی ؒ |
| ۱۸۳۔۱۸۴ | برہان الصداقت | مولانا نعمت اللہ امرتسری | تصفیہ مابین سنی وشیعہ | قبلہ پیر مہر علی شاہ صاحب ؒ |
| ۱۸۵۔۱۸۶ | نصیحۃ المخرفین عن ولاء امیر المومنین | مولانا سیّد احمد شاہ ڈھوک رتوی | فیض باری ردّ تعزیہ داری | مولانا محمد کرم الدین دبیر ؒ |
| ۱۸۷۔۱۸۸ | تونسوی دھرم کے چند پھول | قاضی سعید الرحمٰن علوی | جنازۃ الرسول ﷺ | علامہ عبدالستار تونسوی ؒ |
| ۱۸۹۔۱۹۰ | جوازِ متعہ | مولانا خادم حسین | حرمت متعہ | مولانا محمد علی جانباز ؒ |
| ۱۹۱۔۱۹۲ | حقیقت فقہ حنفیہ | غلام حسین نجفی | حقیقت فقہ جعفریہ | علامہ عبدالستار تونسوی ؒ |
| ۱۹۳۔۱۹۴ | برہان مجادلہ | مولانا محمد اعجاز حسن بدایونی | دفع المجادلہ عن آیۃ المباہلہ | مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی ؒ |
| ۱۹۵۔۱۹۶ | قاتلانِ حسین کا مذہب | مولانا سیّد علی نقی | قاتلانِ حسین کی خانہ تلاشی | علامہ عبدالشکور لکھنوی ؒ |
| ۱۹۷۔۱۹۸ | قاتلانِ حسین کا حبس دوام | مولانا سیّد ظفر مہدی | تحفۂ خلافت | علامہ عبدالشکور لکھنوی ؒ |
| ۱۹۹۔۲۰۰ | فلاحیہ | ڈاکٹر صابر جھنگوی | ہوائیہ | سیّد ولی محمد |
| ۲۰۱۔۲۰۲ | تحفہ تونسویہ | قاضی سعید الرحمٰن علوی | دلائل الواضحات فی ثبوت بنات سیّد الکائنات | علامہ عبدالستار تونسوی ؒ |
| ۲۰۳۔۲۰۴ | الاصول فی توحد بنت رسول | مولانا خادم حسین بخاری | بناتِ اربعہ | مولانا محمد نافع رحمہ اللہ |
| ۲۰۵۔۲۰۶ | متعہ اور اسلام | علامہ علی نقی نقوی | تحقیق حلال وحرام | مولانا اللہ یار خان چکڑالوی |

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| ۲۰۷۔۲۰۸ | ضرب ذوالفقاری برسر مخالف عزاداری | ابوالفیروز الہ آبادی | فرمان باری بجواب عزاداری | حاجی عبدالاحد خان محمد |
| ۲۰۹۔۲۱۰ | عشرۂ کاملہ | مولانا سیّد محمد رضا لکھنوی | بدعاتِ محرم | مولانا الفت حسین |
| ۲۱۱۔۲۱۲ | ماتم اور صحابہ | غلام حسین نجفی | ماتم کی ابتداء | مولانا غلام رسول نارووالی |
| ۲۱۳۔۲۱۴ | نصرۃ المومنین | مولانا ریاض الحسن | ہدایۃ المومنین | مولانا سیّد اولاد حسین قنوجی |
| ۲۱۵۔۲۱۶ | پاکیزہ خیال | مولانا سجاد حسین | الحقیقت | مولانا شیخ احمد حسن |
| ۲۱۷۔۲۱۸ | قول سدید در جواب وکلاء یزید | غلام حسین نجفی | دفاع حضرت حسینؓ | عبدالجبار سلفی |
| ۲۱۹۔۲۲۰ | حسن المقال فی اظہار اصل الحال | مولانا فرزند حسین | عبقات (۲) | علامہ ڈاکٹر خالد محمود |
| ۲۲۱۔۲۲۲ | اثبات الامامت | مولانا محمد حسین ڈھکو | رحماء بینہم (چارم جلد) | مولانا محمد نافع |
| ۲۲۳۔۲۲۴ | فلک النجاۃ فی الامامۃ والصلوٰۃ | مولانا علی محمد | الشیعہ والسنۃ عربی | علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ |
| ۲۲۵۔۲۲۶ | فتح القدیر علی الابلیس الشریر | مولانا محمد باقر | الشیعۃ واہل البیت عربی | علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ |
| ۲۲۷۔۲۲۸ | کشف الاشتباہ (عربی) | مولانا عبدالحسین رشتی | الشیعۃ والقرآن عربی | علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ |
| ۲۲۹۔۲۳۰ | کشف الظلمات عن الآیات البینات | مولانا سیّد محمد حیدر | الشیعہ والتشیع | علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ |
| ۲۳۱۔۲۳۲ | کوفے کی بلی بجواب نشر ملی | قاضی سعید الرحمٰن | کشف الاسرار | مولانا محمد صدیق |
| ۲۳۳۔۲۳۴ | مجمع البحرین فی ادلۃ الفریقین | مولانا حکیم احمد حسین | افضل المقال فی ردّ علی الرافضی الضآل | مولانا نور بخش توکلی |
| ۲۳۵۔۲۳۶ | مفید المستبصر | مولانا مرزا رضا علی | کشف الغوامض (عربی) | علامہ عبدالستار تونسویؒ |
| ۲۳۷۔۲۳۸ | ہفوات المسلمین فی تفضیح سیّد المرسلینؐ | مرزا سلطان احمد گورگانی | الادلۃ الاطاعنہ فی اذان الملاعنہ | مولانا احمد رضا خانؒ |
| ۲۳۹۔۲۴۰ | الھاویہ للمعاویہ | مولانا محمد علی امجد خان | الناھیہ فی ذم امیر معاویہ عربی | علامہ عبدالعزیز پرہاڑویؒ |

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| ۲۴۱-۲۴۲ | ہاتھی کے دانت | عبدالکریم مشتاق | ہم سنی کیوں ہیں؟ | مولانا مہر محمد میانوالویؒ |
| ۲۴۳-۲۴۴ | کردار یزید | غلام حسین نجفی | تحفہ امامیہ | مولانا مہر محمد میانوالویؒ |
| ۲۴۵-۲۴۶ | سہم مسموم | غلام حسین نجفی | سیف اسلام | مولانا مہر محمد میانوالویؒ |
| ۲۴۷-۲۴۸ | جاگیر فدک | غلام حسین نجفی | تحفۃ الاخیار | مولانا مہر محمد میانوالویؒ |
| ۲۴۹-۲۵۰ | فضائل معاویہ | غلام حسین نجفی | سیرت سیدنا معاویہؓ | مولانا محمد نافعؒ |
| ۲۵۱-۲۵۲ | جناب مفتی جعفر حسین نے صحیح فرمایا | مولانا عقیل صاحب | جناب مفتی جعفر حسین نے فرمایا | مولانا محمد اکرم اعوان |
| ۲۵۳-۲۵۴ | شیعان علی اور ان کی شان | غلام حسین نجفی | حرمت ماتم | مولانا اللہ یار خان چکڑالویؒ |
| ۲۵۵-۲۵۶ | اصحابی کالنجوم | سید بشیر حسین بخاری | حرمت ماتم اور تعلیمات اہل بیتؓ | مولانا مہر محمد میانوالویؒ |
| ۲۵۷-۲۵۸ | اظہارِ حقیقت | راجہ محسن علی | حقیقت ماتم | علامہ عبدالستار تونسویؒ |
| | ذکاء الافہام بجواب جلاء الافہام | عبدالکریم مشتاق | تحذیر المسلمین عن کید الکاذبین | مولانا اللہ یار خان چکڑالوی |
| ۲۵۹-۲۶۰ | مناظرۃ المصائب | سید امداد امام اثر | ضرب العارف علی راس الکاذب | مولانا نور حسین عارف چکوالی |
| ۲۶۱-۲۶۲ | تحقیق فدک | مولوی حفاظت حسین بھیکھیوری | الفتنۃ الخمینیہ (عربی) | مولانا عبدالقادر آزادؒ |
| ۲۶۳-۲۶۴ | ماتم اہل محمد | محمد طاہر نقوی | الدین الخالص | مولانا اللہ یار خان چکڑالویؒ |
| ۲۶۵-۲۶۶ | قاتلانِ عثمان کا مذہب | مولانا محمد ابراہیم نقوی | مناظرہ باگڑ سرگانہ | علامہ عبدالستار تونسویؒ |
| ۲۶۷-۲۶۸ | سیدۃ نساء العالمین | محمود حسین ترمذی | ثانی اثنین | علامہ احمد شاہ چوکیرویؒ |
| ۲۶۹-۲۷۰ | کلید مناظرہ | برکت علی گوشہ نشین | خلفاء راشدین (۲ جلد) | علامہ ڈاکٹر خالد محمود |
| ۲۷۱-۲۷۲ | قہر خدا یعنی مناظرہ ٹیکسلا | سید فرزند علی | تحفہ حسینیہ (تین جلد) | مولانا محمد اشرف سیالویؒ |
| ۲۷۳-۲۷۴ | برقع لامع | جعفر علی فصیح | تحفۂ شیعہ | مولانا نور بخش توکلی |

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| ۲۷۵۔۲۷۶ | پنجہ فولادی | مولانا خواجہ عابد حسین | شیعہ سنی اتحاد کیسے ممکن ہے؟ | مولانا عبید الحق |
| ۲۷۷۔۲۷۸ | پردہ اٹھتا ہے (۲ جلد) | عبد المنان شاہد زعیم فاطمی | خمینیت عصر حاضر میں | مولانا حبیب الرحمٰن قاسمی |
| ۲۷۹۔۲۸۰ | اصلاح المفسدین | مولانا حیدر علی | داماد علیؓ | مولانا اللہ یار خان چکڑالویؒ |
| ۲۸۱۔۲۸۲ | تاریخ الاذان | مولانا سید حسین | شہاب ثاقب برجم روافض ونواصب (فارسی واُردو) | مولانا ظل الکریم بردوانی |
| ۲۸۳۔۲۸۴ | اتحاد الفریقین | مولانا محمد بشیر انصاری | ارشاد الشیعہ | مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ |
| ۲۸۵۔۲۸۶ | اثبات الشیعہ | مولانا محمد اسماعیل گوجروی | کشف الحقائق | مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری |
| ۲۸۷۔۲۸۸ | احباب رسول بجواب اصحاب رسول | مولانا حسین بخش جاڑا | السر المکتوم متعلق نکاحِ ام کلثوم | مولانا بشیر احمد پسروریؒ |
| ۲۸۹۔۲۹۰ | اثبات پنجتن | مولانا محمد اسماعیل گوجروی | انتباہ المومنین (فارسی) | امام الکبیر مولانا محمد قاسم نانوتویؒ |
| ۲۹۱۔۲۹۲ | میں شیعہ کیوں ہوا؟ | مولانا غلام حسن عسکری | انتباہ المومنین (اردو ترجمہ) | مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ |
| ۲۹۳۔۲۹۴ | میں مسلمان کیوں ہوا؟ | مولانا محسن رضا فاروقی | تحریف قرآن | قاری عبد الکریم |
| ۲۹۵۔۲۹۶ | تاریخ الاذان | مولانا سید حسین | حجۃ البالغہ | مولانا شبیر علی امروہی |
| ۲۹۷۔۲۹۸ | نور العینین | ڈاکٹر نور حسین صابر | کحل العینین | مولانا خدا بخش ملتانی |
| ۲۹۹۔۳۰۰ | ضربت اعجازیہ | مولانا محمد اعجاز حسن | ارتداد شیعہ | علامہ عبد الشکور لکھنوی |
| ۳۰۱۔۳۰۲ | فیصلہ حقانی | ڈاکٹر نور حسین صابر | کھلا فیصلہ | مولانا یار محمد پیر کوٹی |
| ۳۰۳۔۳۰۴ | ردّ الوسواس | سید اظہار حسنین | دافع الخناس | مولانا حبیب احمد |
| ۳۰۵۔۳۰۶ | فتح المبین در مناظرہ معین الدین | مولانا احمد علی امرتسری | اظہار الہدیٰ | مولانا جہانگیر خان |
| ۳۰۷۔۳۰۸ | اثبات پنجتن | مولانا محمد اسماعیل | نہر الحیات | مولانا یار محمد پیر کوٹی |

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| ۳۰۹-۳۱۰ | مصابیح الہدایت (تین حصے) | شہزادہ سلطان علی درانی | عقائد جعفریہ، فقہ جعفریہ، تحفۂ جعفریہ (۱۲ مجلدات) | مولانا محمد علی نقشبندیؒ |
| ۳۱۱-۳۱۲ | صراطِ مستقیم | مولانا سجاد حسین | تاریخ شیعیت (۲ جلد) | مولانا ثناء اللہ سعد شجاع آبادی |
| ۳۱۳-۳۱۴ | عمالہ نافعہ | سیّد محسن علی شاہ | دفاع فاروق اعظمؓ | مولانا ثناء اللہ سعد |
| ۳۱۵-۳۱۶ | السیف البارق | مولانا آفتاب حسین جوادی | الشہاب الثاقب | مولانا محمد ریاض جھنگوی |
| ۳۱۷-۳۱۸ | اعتراضات کی آندھیوں میں تحقیق کے چراغ | مولانا آفتاب حسین جوادی | تلبیسات کے اندھیروں میں حقیقت کے چراغ | عبدالجبار سلفی |
| ۳۱۹-۳۲۰ | تحقیقی دستاویز | مولانا آفتاب حسین جوادی | تاریخی دستاویز | مولانا ضیاء الرحمن فاروقیؒ |
| ۳۲۱-۳۲۲ | مناظرہ چترانوالی | (بہ نگرانی) مولانا فیض محمد کھیالوی | مناظرہ چک روڈہ | مولانا قطب الدین جھنگوی رحمہ اللہ |
| ۳۲۳-۳۲۴ | ہمارا آخری امام | ایوب نقوی مصطفی آبادی | کشف الحقائق | مولانا سید نور الحسن شاہ بخاریؒ |

قارئین کرام!

یہ بھی حقیقت ہے کہ بعض اہل سنت کہلوانے والوں نے جب بے اعتدالی کا شکار ہو کر سنی مسلّمہ اصولوں کی خلاف ورزی کی تو اہل سنت علماء نے ان کا پرزور اور مدلل جواب دیا بلکہ ایک ایک کتاب کے کئی کئی جوابات لکھے گئے، مثلاً کراچی سے جناب محمود احمد عباسی نے ''خلافت معاویہ و یزید'' لکھ کر سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کی تنقیص کی تو حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب (مہتمم دارالعلوم دیوبند) نے ''شہید کربلا اور یزید'' مولانا قاضی اطہر مبارک پوری نے ''علی و حسین رضی اللہ عنہما'' اور حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے ضخیم کتاب ''خارجی فتنہ (۲ جلد)'' تحریر کیں اور چاروں جانب سے عباسی صاحب کی کتاب کے خلاف اتنی موثر آواز بلند ہوئی کہ شیعہ عالم مولانا طیب آغا موسوی جزائری کو اعتراف کرنا پڑا کہ:

''انہی کے ہم مذہب (سنی) علماء نے ان کے بخئے ادھیڑنا شروع کر دیئے اور اس رسوائے عالم کتاب کے ایسے منہ توڑ جواب لکھے کہ باید وشاید! حضرات اہل سنت نے تو جواب لکھ کر اپنا حق ادا کر دیا اور اس کتاب سے اپنی برأت کا ثبوت دے دیا لیکن اس سلسلہ میں ہم پر بھی کچھ فرض عائد ہوتا ہے۔'' [1]

شیعوں کی طرف سے ''آفتابِ شہادت'' کے علاوہ مولوی منظور حسین اجنالوی سرگودھوی نے بھی دو

---

[1] سید طیب آغا جزائری ر آفتاب شہادت، مطبوعہ ادارہ علوم آل محمد، شاد باغ، لاہور جلد اول، صفحہ نمبر ۲۳۔

جلدوں پر ضخیم کتاب ''سیاست معاویہ ویزید'' لکھی، مگر ان کتب میں عباسی صاحب کی تردید تو نہ ہونے کے برابر ہے البتہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام پر خوب سب وشتم جمع کر دیا گیا ہے۔ کراچی سے ایک کتاب بنام ''شمائل علی''، لکھی گئی جس کے مصنف نذیر احمد شاکر نے حضرت سیّدنا علی المرتضیٰ کی بہت توہین کی اس کا بھرپور علمی جواب مولانا محمد نافع مدظلہ نے ''سیرت سیّدنا علی رضی اللہ عنہ'' کے نام سے پیش کیا (جس پر تفصیلی تبصرہ آپ اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے) ہمارے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اصحاب نبی ہوں یا آلِ نبی ان سب کا دفاع اہل سنت نے کیا ہے اور کرتے چلے جا رہے ہیں، راقم الحروف کی حال ہی میں تصنیف ''دفاع حضرت حسین رضی اللہ عنہ'' بھی اسی بابرکت سلسلہ کی کڑی ہے۔ ان تمام کتب (شیعہ وسنی) کا جائزہ لینے اور پھر مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی تصانیف کا تردیدی اسلوب، تحقیقی منہج اور علمی ثقاہت سے تقابل کرنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ آنجناب کی انفرادیت اور خصوصیت یہ ہے کہ:

۱: اصل مآخذ سے حوالہ دیئے بغیر آگے نہیں چلتے۔

۲: اپنی اور فریق مخالف کی کتب سے استنباط واستدلال اولاً عقلی بعدہ نقلی پیش کرنے کے بعد قاری کو خود بخود نتیجہ پر پہنچا دیتے ہیں۔

۳: اپنی اور فریق مخالف کی عبارات میں قطع وبرید نہیں کرتے کہ بامقصد مفہوم لے لیا جائے اور مبہم یا مہمل مفہوم ترک کر دیا جائے، یہ مولانا محمد نافع کے نزدیک تحقیق کے اعتبار سے خیانت کے مترادف ہے۔

۴: ایک ہی دعویٰ پر فریقین (سنی وشیعہ) کے متعدد حوالہ جات اور کتابوں کے ناموں کا انبار نہیں لگاتے۔ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے نزدیک یہ بلاوجہ طوالت پیدا کر کے اپنی علمیت جتلانے کے مترادف ہے۔ ایک ہی حوالہ جس نے تسلیم کرنا ہو گا دو، چار مصادر سے تسلیم کر لے گا، اور جس نے نہ ماننے کا عزم کر رکھا ہو، وہ ہزاروں حوالہ جات پڑھنے کے بعد بھی نہیں مانے گا۔

۵: معاصر علماء کی تازہ کتابوں سے مفاہیم، عبارات، یا استدلالات اخذ کرنا مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے مزاجِ تحقیق کے خلاف ہے، دوسرے الفاظ میں آپ صاحب علم تھے، صاحب اخذ نہیں۔

۶: فریق مخالف کے حق میں ترش اور تند وتیز جملے استعمال کرنے سے اجتناب مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کا خاص اسلوب ہے۔ اگرچہ اہل سنت کی درجنوں کتب میں اہل علم کا یہی مزاج رہا ہے، (کیونکہ بحث ومکالمہ میں یہ چیز طبیعت کا خاصہ ہے) مگر مولانا محمد نافع رحمہ اللہ ایسے مصنفین میں بھی اپنی الگ پہچان کے مالک ہیں۔ البتہ ظرافت طبعی اور غزارتِ علمی میں ہلکے سے مزاح کی آمیزش آپ کے وقار کو اور بلند کر دیتی ہے، جس کا نظارا تصانیف، ڈائریاں اور مکتوبات کا مطالعہ کرنے سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ اب تنقیح وتوضیح کے بعد ہم اگلے باب میں مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی تصانیف کا جائزہ لیتے ہیں۔

# باب 7

# فیضانِ علم

## (مطبوعات ومخطوطات پر مفصل تبصرہ اور تعارف)

- ...... مسئلہ ختم نبوت اور سلف صالحین
- ...... حدیث ثقلین
- ...... رحماء بینھم (چار مجلدات)
- ...... بناتِ اربعہ
- ...... سیرۃ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ
- ...... سیرۃ سیّدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ
- ...... فوائد نافعہ ...... (دو مجلدات)
- ...... حضرت ابوسفیان اوران کی اہلیہ
- ...... عظمتِ صحابہ رضی اللہ عنہم

# فیضانِ علم

اہل علم کا وہ طبقہ جس نے تحقیق وتدقیق کی وادیوں میں پتہ ماری کر کے تصنیف وتالیف کا فریضہ سرانجام دیا ہے، اس راہ کی مشکلات سے بخوبی واقف ہے۔ خصوصاً ماضی کے علماء کرام جنہیں مآخذ تک رسائی حاصل کرنے کے لیے میلوں کا سفر کرنا پڑتا تھا اور پھر کتابت وطباعت کے جاں گسل مراحل سے گزرنا ہوتا تھا آج جدید دنیا کے باسی اُن کی مشکلات کا اندازہ بالکل نہیں کر سکتے۔ ابتداء اسلام کے بعد سے پانچ چھ سو سال تک کا زمانہ ''تخلیق'' کا دور کہلاتا ہے جس میں اہل ہنر اور اہل فن نے کانٹوں پر چل کر اور خونِ جگر کشید کر کے دین متین کی تحریری خدمت کی۔ اس کے بعد کا زمانہ ''تحقیق'' کا دور کہا جاسکتا ہے جس میں اہل علم نے اہل تخلیق کی محنتوں پر تحقیق کی اور اس دریا سے کئی نہریں نکالیں، بعد ازاں تقلید کا دور آیا جس میں بہت سوں نے پہلوں کی تحقیق پر اعتماد کر کے تقلیدی تصنیف وتالیف کا فریضہ سرانجام دیا۔ بایں ہمہ اہل تحقیق کے وجود سے بھی دنیا خالی نہیں رہی، مگر انہیں چراغ لے کر تلاش کرنا پڑتا تھا۔ جب سے نئے زمانہ نے کروٹ لی ہے تو اب چراغ لے کر محقق مصنفین کو تلاش کرنا ہی بے فائدہ ہے۔ اس لیے کہ اب بات ''مقلدین'' سے بھی بہت آگے چلی گئی ہے کیونکہ اہل تقلید بھی کسی نہ کسی درجہ میں اصول وضوابط کے تحت رہتے تھے اور اندھا دُھند دھاندلی کا ارتکاب نہیں کرتے تھے۔ اب تو سارقین اور قینچی مار ''مصنفین'' نے وہ طوفانِ حماقت برپا کر رکھا ہے کہ الامان والحفیظ! [1]

پہلے علامہ سیوطی رحمہ اللہ، قرطبی، قسطلانی، عینی، آلوسی، ابن کثیر، ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہم یا پھر ہندو پاکستان کی حد تک چند درجن اہل علم کو ''کثیر التصانیف'' کہتے ہوئے فخر محسوس ہوتا تھا۔ اب کسی کو یہ لقب دیتے ہوئے

---

[1] مرورِ زمانہ سے بعض حالات ایسے پیدا ہوجاتے ہیں کہ ''سرقہ'' بھی مذموم نہیں ہوتا مثلاً جس وقت علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ کتابوں پر کتابیں لکھتے جارہے تھے تو یہ وہ زمانہ تھا جب سقوط بغداد کا سانحہ پیش آچکا تھا اور مطبوعہ و مخطوطہ کتابوں کے ذخیرے دریا بُرد کردیئے گئے تو ان حالات میں علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اپنے پاس موجود کتابوں کی نقل، اور توضیحات وتشریحات کیں اور انہیں طبع کروایا، جس پر بعض اہل علم کو گمان ہوا کہ آپ رحمہ اللہ نے علامہ زرکشی رحمہ اللہ اور فلاں فلاں کی کتب سے سرقہ کیا ہے حالانکہ یہ سرقہ نہ تھا، یہ اس زمانہ کے شدید ترین مخدوش حالات میں حفاظت علم کا ایک ذریعہ تھا، اس پر علامہ سیوطی رحمہ اللہ کو ایک مستقل کتاب ''الفارق بین المؤلف والسارق'' لکھنا پڑی، جس میں آپ نے تصنیف، تالیف، ترتیب اور سرقہ کے درمیان فرق کو واضح کیا۔ مگر اسلاف کے مذکورہ طرزِ عمل کے ساتھ آج کے قینچی ماروں کو ذرہ بھر بھی نسبت نہیں ہے۔ سلفی

انسان شرم سے پانی پانی ہو جاتا ہے۔ اگرچہ بزعم خود ''کثیر التصانیف'' ہٹ دھرمی اور کمال درجہ کی بے حیائی کی بناء پر پھولا نہیں سماتا...... مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کا شمار اُن محقق مصنفین میں ہوتا ہے جنہوں نے علم کی لاج رکھی ہے اور انہوں نے اپنی ایک ایک کتاب پر اتنی محنت کی، ہر ایک موضوع پر دل و دماغ اور استعداد کا ایسا خون دیا کہ علم و دانش کو فخر محسوس ہونے لگا۔ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے اپنی اس جگر سوز محنت، محتاط اور سنجیدہ طبیعت نیز تخلیقی و تحقیقی مزاج سے ایک عالم کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے۔ کوئی اندازہ کر سکتا ہے کہ پنجاب کے پسماندہ ضلع کے ایک گمنام قصبہ میں بیٹھ کر کچے مکان کا مکین اپنے قلم کی نوک سے باطل کے چیتھڑے فضائے آسمانی میں بکھیرنے کے ساتھ ساتھ کس حد تک متلاشیانِ علم و حق کو ورطۂ حیرت میں ڈال دے گا؟

کہنے کو تو معنوی وظاہری اعتبار سے آپ رحمہ اللہ نے درجن بھر علمی اور تحقیقی کتابیں تصنیف کیں، لا تعداد مقالات سپرد قلم کیے، سینکڑوں خطوط کے جوابات ارسال کیے، اور ستر سال تک متواتر ذاتی روزناموں میں نجی وسماجی اور کتابی و علمی سرگزشت درج کرتے رہے۔ مگر باعتبار حقیقت دیکھا جائے تو مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ مستقل تصنیف ہے اور اس کا اندازہ آپ رحمہ اللہ کی ڈائریوں کا مطالعہ کر کے ہو سکے گا جو مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے سوانح میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہیں ...... زیر نظر سطور میں آپ رحمہ اللہ کی تصانیف کا تفصیلی اور تحقیقی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

## (۱) مسئلہ ختم نبوت اور سلف صالحین ۱۹۵۲ء:

ذاتی ڈائریوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ رحمہ اللہ نے تصنیف و تالیف کا آغاز ۱۹۴۹ء میں کیا۔ یعنی یہ آپ کی قلمی ابتداء کا سن ہے۔ چنانچہ آپ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

> ''تردیدِ مرزائیت کی قلمی ابتداء، بعونہ تعالیٰ۔ پیغامِ احمدیت کے جواب کی ضرورت ہے۔ ''قادیانی نبوت کا جائزہ'' کے نام سے ایک مضمون تردید مرزائیت میں لکھا گیا ہے جو پرچہ ''تنظیم'' میں شائع ہو چکا ہے۔''[1]

اس کے بعد آپ کی مستقل تصنیف ''مسئلہ ختم نبوت اور سلف صالحین'' وجود میں آئی، اس کا پس منظر یہ ہے کہ جولائی ۱۹۵۲ء میں قادیانیوں کے روزنامہ ''الفضل'' میں ''خاتم النبیین نمبر'' کے عنوان سے تمام اکابرین اسلام پر اجراء نبوت کے قائل ہونے کی تہمت لگائی گئی تھی۔ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے ان اعتراضات کے نہایت علمی اور تشفی بخش جوابات لکھے تھے جو کہ ختم نبوت کے عقیدہ سے وارفتگی کے ساتھ ساتھ سلف صالحین سے آپ کی عقیدت و محبت کی دلیل بھی ہے۔

---

[1] مولانا محمد نافع، ذاتی ڈائری ۴ر جولائی ۱۹۴۹ء بمطابق ۷ر رمضان المبارک ۱۳۶۸ھ۔

## مسودہ کی تکمیل، کتابت اور طباعت کے مراحل:

قادیانیوں نے ۱۹۵۲ء کے ماہِ جولائی میں مذکورہ خصوصی نمبر نکالا تھا، اور مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے ٹھیک ایک ماہ بعد ان کے جملہ توہمات وتلبیسات کا پردہ چاک کر کے جوابی کتاب کا مسودہ تیار کر لیا، آپ نے اس کتاب کا مسودہ بذریعہ ڈاک لائل پور میں مقیم مولانا سید سیاحُ الدین صاحب کاکاخیل کو روانہ کیا تھا تا کہ وہ اس کی کتابت کا انتظام کروا دیں۔ جیسا کہ ڈائری میں آپ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”آج بحمد اللہ ”خاتم النّبیین نمبر“ الفضل کا جواب اور سلف پر الزامات کا جواب مکمل کر کے سپردِ ڈاک کر دیا گیا ہے۔ مولانا سیاح الدین صاحب جامع مسجد لائل پور کے نام روانہ کیا ہے۔ کتابت ان کی معرفت سے ہوگی۔ آئندہ جمعہ کا وعدہ ہے۔“ ❶

سترہ دن کے بعد اس مسودہ کی کتابت مکمل ہوئی تو آپ رحمہ اللہ نے فیصل آباد جا کر کاتب کے ہاں دو گھنٹے بیٹھ کر پروف خوانی کی۔ کتابت پر خرچ ۲۳ روپے ہوا جو مولانا سیاح الدین کے ذریعہ کاتب کو پیش کیے گئے تھے۔ آپ لکھتے ہیں:

”رسالہ ”مسئلہ ختم نبوت اور سلف صالحین“ کی کتابت ہو چکی ہے۔ لیکن تصحیح باقی ہے۔ کم وبیش دو گھنٹے تصحیح ودرستگی ہوتی رہی۔ ۲۳ روپے رعایتی مولانا مفتی سیاح الدین صاحب کے ذریعہ دلوائے گئے۔ دوستوں نے مشورہ دیا کہ طباعت یہاں اچھی نہیں ہوگی، لاہور بہتر رہے گا۔ اُدھر خرچ زیادہ تھا۔ لہٰذا ثنائی پریس سرگودھا کی تجویز ہوئی۔“ ❷

چنانچہ سرگودھا ”ثنائی پریس“ مسودہ لے جایا گیا اور دو دن کے بعد پرنٹنگ کا کام مکمل ہوا یعنی کتاب چھپ گئی۔ طباعت پر تقریباً ۵۱ روپیہ خرچ آیا، کتابت وطباعت کا خرچ ملا کر ۷۴ روپے کل لاگت آئی۔ اس میں سے آپ نے تیس روپے اپنے استاذ مکرم حضرت علامہ مولانا احمد شاہ صاحب چوکیروی رحمہ اللہ (مدرسہ دارالہدیٰ چوکیرہ) سے قرض لیا تھا جو کہ کچھ ہی دنوں کے بعد لوٹا دیا گیا تھا۔ چنانچہ آپ اپنی ڈائری میں درج کرتے ہیں کہ

”مسئلہ ختم نبوت اور سلف صالحین“ کی کتابت وطباعت کا کل خرچہ مجموعی ۷۴ روپے چند آنہ ہوا ہے۔ یاد رہے۔“ ❸

---

❶ مولانا محمد نافع، ذاتی ڈائری ۱۰ ر ستمبر ۱۹۵۲ء بمطابق ۱۹ ر ذوالحجہ ۱۳۷۱ھ۔

❷ ذاتی ڈائری، ۲۷ ستمبر ۱۹۵۲ء بمطابق ۷ محرم الحرام ۱۳۷۲ھ۔

❸ مولانا محمد نافع، ذاتی ڈائری ۲۹ ستمبر ۱۹۵۲ء بمطابق ۹ محرم الحرام ۱۳۷۲ھ۔

جب یہ کتاب شائع ہو کر آئی تو مورخہ ۲، اکتوبر ۱۹۵۲ء کو کثیر تعداد میں نسخے سپرد ڈاک کیے گئے۔ اور اس سے اگلے دن آپ رحمہ اللہ نے اپنے استاذ محترم علامہ چوکیروی رحمہ اللہ کو ۳۰ روپے قرض واپس بھجوا دیا اور اپنے دادا استاذ مولانا حکیم عطاء محمد قریشی رحمہ اللہ کو بھی ایک نسخہ ارسال کیا۔ دستِ نافع سے روزنامچہ ملاحظہ ہو۔

''چوکیرہ والوں کو آج قرض ۳۰ روپے بذریعہ ڈاک ارسال کر رہے ہیں۔ اور اللہ بخش حجام چک نمبر ۳۴ والے کے بدست مولانا عطاء محمد صاحب قریشی کو ''مسئلہ ختم نبوت'' ارسال کیا گیا ہے۔

## پرچہ ''دعوت'' میں اس کتاب کی قسط وار اشاعت:

مولانا سیّد نور الحسن شاہ بخاری رحمہ اللہ نے تنظیم اہل سنت کے جماعتی پرچہ ''دعوت'' میں مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی اس کتاب کو بالاقساط شائع کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی جسے قبول کیا گیا اور مذکورہ رسالہ کی ذریعہ اس کتاب کی تشہیر دور دراز تک اہل علم وعوام کے حلقوں میں ہوگئی۔ آپ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اب رسالہ ''مسئلہ ختم نبوت اور سلف صالحین'' پرچہ ''دعوت'' میں مرکز تنظیم اہل سنت والے شائع کر رہے ہیں۔ چنانچہ پہلی قسط ۲۳، اکتوبر ۵۲ء، ۳ صفر ۷۲ھ میں صفحہ نمبر ۳ پر طبع ہو کر آگئی ہے۔'' [1]

بانی تنظیم اہل سنت جناب سردار احمد خان صاحب پتافی رحمہ اللہ کو جب پرچہ ''تنظیم'' کے ذریعہ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی اس شاندار کتاب کی اطلاع ہوئی تو آپ پوری کتاب پڑھنے کو بے چین ہوگئے۔ انہوں نے بذریعہ خط مذکورہ کتاب طلب کی جو انہیں روانہ کر دی گئی تھی مولانا محمد نافع رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''سردار احمد خان پتافی کے حسب طلب تین عدد نسخے رسالہ ''مسئلہ ختم نبوت'' بذریعہ ڈاک ارسال کیے گئے۔'' [2]

اس دور میں جب یہ رسالہ چھپا تو اس کی قیمت ''چار آنہ'' رکھی گئی تھی۔ جیسا کہ ڈائری سے مترشح ہے۔

''رسالہ ''مسئلہ ختم نبوت اور سلف صالحین'' کے ۵۰ عدد نسخے مولوی نذیر احمد عباسی جماعت تنظیم اہل سنت کی طرف سے برائے فروخت لے گئے ہیں۔ فی نسخہ چار آنہ قیمت رکھی گئی ہے۔ بارہ روپے آٹھ آنہ کا حساب ان کے ذمہ ہے۔'' [3]

پیش نظر رہے کہ ''مسئلہ ختم نبوت اور سلف صالحین'' کی پہلی طباعت ایک کتابچہ کی شکل میں ہوئی تھی جو بعد میں اضافہ جات کے ساتھ چھپتا رہا، اور یوں یہ ایک مستقل کتاب بن گئی۔ قادیانیوں نے چونکہ روزنامہ الفضل کے ''خاتم النبیین نمبر'' مطبوعہ جولائی ۱۹۵۲ء میں صوفیاء کرام کی بعض شطحیات، علماء حق کی مغلق عبارات

[1] مولانا محمد نافع، ذاتی ڈائری ۲۰ اکتوبر ۱۹۵۲ء بمطابق ۳۰ محرم الحرام ۱۳۷۲ھ۔
[2] مولانا محمد نافع، ذاتی ڈائری ۲۸ اکتوبر ۱۹۵۲ء بمطابق ۸ صفر ۱۳۷۲ھ۔
[3] مولانا محمد نافع، ذاتی ڈائری ۱۱ دسمبر ۱۹۵۲ء بمطابق ۲۲ ربیع الاوّل ۱۳۷۲ھ۔

اور محدثین ومفسرین کے چند تفردات وظاہری تسامحات سے ناواقف عوام کو دھوکہ دیا تھا کہ اجراء نبوت کے دلائل ان سب کے ہاں پائے جاتے ہیں اور جیسے ہم امام الانبیاء ﷺ کے بعد ظلی، بروزی، غیر تشریعی، غیر مستقلہ، غیر مطلقہ اور نبی کی اتباع سے نبوت ملنے کے قائل ہیں، ایسے ہی پوری امت کے صلحاء وصوفیاء اور فقہاء وعلماء بھی اسے تسلیم کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں مختلف عبارات کی کاٹ چھانٹ اور قطع وبرید کر کے دھوکہ دہی کی گئی۔ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے ان کے ایک ایک فریب پر صداقت کے تازیانے برسائے اور جھوٹ، سچ کے درمیان دلائل کی اتنی بڑی دیوار کھڑی کر دی کہ ان میں التباس کی کوئی گنجائش نہ رہی۔ اس سلسلہ میں آپ برادرانِ اسلام سے یوں مخاطب ہوتے ہیں:

"مرزائی اپنے نبی کی سنت کے موافق ہر معاملہ میں حد درجہ کی چالاکی سے کام لیتے ہیں۔ حوالہ اخذ کرنے میں بھی اپنے معصومانہ مکر وفریب کا کمال کر دیتے ہیں۔ صاحب تصنیف کا مقصد کچھ کا کچھ ہوتا ہے، لیکن ان کو اندھیرے میں بڑی دور کی سوجھتی ہے۔ لہٰذا میں اپنے عام مسلمان بھائیوں سے بڑی تاکید سے عرض کروں گا کہ جب اس قسم کا کوئی حوالہ سلف صالحین رحمہم اللہ کی تصانیف سے مرزائی شائع کریں تو اس کے مفہوم کی جب تک اصل مآخذ سے پوری تسلی نہ کر لی جائے اس سے ہرگز متاثر نہ ہوں۔ ضرور اس میں کچھ نہ کچھ مرزائیوں کا جھوٹ کام کر رہا ہوگا۔ جس طرح ان کے ابا جان مرزا صاحب قادیانی نے اپنی تصانیف میں اکاذیب سے جگہ جگہ پر کام لیا ہے اسی طرح اُن کی امت بھی جھوٹ کہنے سے اجتناب نہیں کرتی، اس پر تجربہ شاہد ہے۔ اپنے اہل علم حضرات کی تسلی کی خاطر عرض کیا جاتا ہے کہ مذکورہ حوالہ جات جو ہماری اپنی کتب سے لیے گئے ہیں ان کے اصل مآخذ سے تسلی کر کے درج کیے ہیں، ان شاء اللہ ان میں خلاف واقعہ نہ ہوگا۔ دیانت کے ساتھ کام لیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ منظور فرمائے۔" [1]

مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے ویسے تو اسی کتاب کے اندر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع ونزول، اور حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام پر مدلل بحث کرتے ہوئے قادیانی مغالطات کا بھرپور ردّ کیا ہے۔ تاہم سلف صالحین میں سے آپ رحمہ اللہ نے مندرجہ ذیل اکابر کی عبارات کی توضیح کرتے ہوئے اپنی خداداد بصیرت وذکاوت اور فہم وتحقیق کا غیر جانبدارانہ جو اظہار کیا ہے، وہ پڑھنے والوں کے لیے حلاوتِ ایمان میں موجب اضافہ اور سبب خیر وبرکت ہے۔

① ...... شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ کی "فتوحات مکیہ" کی عبارات کی تشریح۔

② ...... امام راغب اصفہانی، مولانا جلال الدین رومی، حضرت ملا علی قاری اور حضرت مجدد الف ثانی رحمہم اللہ پر لگائی جانے والی قادیانی تہمتوں کا علمی توڑ۔

---

[1] مولانا محمد نافع، مسئلہ ختم نبوت اور سلف صالحین، دار الکتاب لاہور مارچ ۲۰۱۵ء، صفحہ نمبر ۱۵۸۔

③......حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، مولانا عبدالحئی لکھنوی اور بالخصوص حجۃ الاسلام، قاسم العلوم والخیرات امام الکبیر مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی علمی، مغلق اور تدقیق وتفہیم میں مغرق عبارات کی توضیح اور قادیانی مغشوشات کا ابطال۔

④...... بزرگانِ دین کے اقوال، صوفیائے کرام کے بعض شطحیات،[1] علامہ ابن حزم رحمہ اللہ کے کچھ تفردات[2] اور امت کے بعض دیگر اہل علم کے علمی تسامحات کی دل نشین، مبنی بر صداقت اور صحیح وصریح وضاحت، کہ جس کے بعد شک وشبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

ردّ قادیانیت کے اس تحریری محاذ کی ایک کڑی اور بھی ہے، جب ۱۹۵۲ء میں ربوہ کے اندر قادیانیوں نے ایک بڑا جلسہ منعقد کر کے مرزا قادیانی کی خودساختہ نبوت کے اثبات کی مہم جوئی کی تھی۔ اس کے جواب میں مسلمانوں نے ۲۷ دسمبر ۱۹۵۲ء کو چنیوٹ میں ''آل پارٹیز بجواب ربوہ کانفرنس'' منعقد کی تھی۔ چنانچہ مولانا محمد نافع نے یہ کانفرنس شروع ہونے سے صرف دو دن پہلے ایک بڑے سائز کا اشتہار بعنوان

①......''خلیفہ قادیانی کی تازہ کذب بیانی'' لکھا اور تحریر کر کے کتابت وطباعت کے مراحل سے گزار کر مذکورہ کانفرنس میں تقسیم بھی کروا دیا۔ ۱۹۵۲ء کی تین تاریخوں کا روزنامچہ بدست مولانا محمد نافع ملاحظہ ہو۔

''خلیفہ قادیانی کی تازہ کذب بیانی'' کے عنوان سے ایک اشتہار لائل پور میں محمد صدیق کاتب کے حوالہ کیا گیا ہے۔ رات کو لکھیں گے۔ کل پانچ سو عدد طبع کرانے کا خیال ہے، بعونہ تعالیٰ جلدی کی جا رہی ہے تاکہ کل چنیوٹ اجلاس میں تقسیم ہوسکیں۔''

②......''جامع مسجد لائل پور میں مولانا مفتی سیاح الدین صاحب کاکاخیل کے ہاں قیام ہے۔''

③......''آج پورا دن طبع اشتہار کی نذر رہا، کل خرچہ سولہ روپے آیا ہے، یہ کتابت، طباعت اور کاغذ سب کا تفصیلی صرفہ ہے۔''[3]

---

[1] صوفیائے کرام کے ہاں ایک خاص اصطلاح کا نام ''شطحیات'' ہے۔ جس کا مطلب کچھ ایسے باطنی خیالات وحالات ہیں جو عالم بے خودی میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ وہ قواعد شریعت کی رو سے ناقابل قبول ہوتے ہیں اور جب یہ خاص حال رفع ہوتا ہے تو ایسے کلمات سے توبہ کی جاتی ہے۔ مولانا محمد نافع نے شطحیات کے حوالہ سے اپنی اس کتاب کے صفحہ نمبر ۴۲ پر ٹھوس علمی بحث رقم فرما دی ہے۔

[2] علم وتحقیق میں کوئی انفرادی رائے ظاہر کرنا، مگر یاد رہے کہ تفردات، عقائد میں نہیں ہوتے۔ صرف تعبیر وتشریح کے ضمن میں قابل قبول اور، قابل برداشت ہوتے ہیں۔

[3] مولانا محمد نافع، ذاتی ڈائری، ۲۵ تا ۲۷ دسمبر ۱۹۵۲ء بمطابق ۷ تا ۹ ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ۔

نیز یہ اشتہار والا کام چونکہ افراتفری میں ہوا تھا، اور جلد بازی والے کام میں یقیناً فروگزاشتیں ہوجاتی ہیں، ایک بالغ نظر اور محقق عالم وقائد وہ ہوتا ہے جو اپنے تجربات سے دوسروں کے فوائد کو تقویت دیتا ہے، چنانچہ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ بھی ڈائری کے اسی صفحہ پر ''تجربہ'' کے زیر عنوان رقمطراز ہیں:

''قبل از وقت کام کر دیا جائے۔ بروقت کام کرانے پر منہ بولا خرچ مانگتے ہیں۔ بایں ہمہ پریشانی ودقت الگ ہوتی ہے۔ اگر کام پہلے ان کو میسر ہو تو بالکل مایوس ہونا پڑتا ہے۔ شام کو چنیوٹ پہنچا ہوا۔ ''آل پارٹیز بجواب ربوہ کانفرنس'' شروع ہے۔ اکابر احرار آئے ہوئے ہیں۔''[1]

بہرکیف اثباتِ ختم نبوت، کذبات مرزا قادیانی، اور ازالہ اوہام وتشکیکات کے حوالہ سے مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی یہ کتاب ایک عدیم النظیر کاوش ہے۔ یاد رہے کہ اس سے اگلے سال یعنی ۱۹۵۳ء میں سلطان العلماء علامہ ڈاکٹر خالد محمود کی کتاب ''عقیدۃ الامت فی معنی ختم النبوت'' شائع ہوئی، جو مضامین کی وسعت، دلائل کی کثرت اور استدلال کی گہرائیوں کے لحاظ سے ایک بہترین کتاب ہے۔ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی زیر تبصرہ کتاب گویا متن اور علامہ خالد محمود کی مذکورہ کتاب اس کی شرح ہے۔ تحفظ ختم نبوت کے عنوان پر بلاشبہ سینکڑوں کتب آج موجود ہیں، اگر اس دعوے کو کسی ''دیوانے کی بڑ'' نہ سمجھا جائے تو سچ یہ ہے کہ مذکورہ دو کتابیں علمیت کے اعتبار سے کئی کتابوں پر فائق ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ زندگی کے اواخر میں مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے جب اس کتاب میں حوالہ جات کے اضافے کیے تو مولانا مشتاق احمد چنیوٹی[2] کو حکم دیا کہ وہ ان حوالہ جات کی علامہ خالد محمود صاحب کی عبارات سے مزید توضیح کریں۔ چنانچہ انہوں نے ''استدراک'' کے تحت اس میں اضافہ جات شامل کیے اور پھر یہ کتاب ''دارالکتاب لاہور'' نے مارچ ۲۰۱۵ء میں خوبصورت انداز میں شائع کر دی۔

## (۲) رحماءُ بینھم! سن تکمیل اکتوبر ۱۹۷۱ء:

چار مجلدات میں تقریباً ساڑھے بارہ سو صفحات پر پھیلی ہوئی مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی تحقیقی اور نورِ ایمان سے منور اس کتاب نے پوری دنیا میں دھوم مچا دی ہے۔ سورۃ الفتح کی آخری آیت معیت کے ایک جملے "رحماءُ بینھم" پر اس کتاب کا نام رکھا گیا اور اس کی عجیب وغریب تاثیر بایں صورت ظاہر ہوئی کہ

---

[1] مولانا محمد نافع رذاتی ڈائری ر ۲۷ دسمبر ۱۹۵۲ء بمطابق ۹ ربیع الثانی ۱۳۷۲ھ۔

[2] مولانا مشتاق احمد چنیوٹی مورخہ ۲۸ جنوری ۲۰۱۵ء بمطابق ۷ ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ کو سفر عمرہ میں دورانِ طواف انتقال فرما گئے، اور جنت المعلیٰ میں مدفون ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وفات کی محررہ تاریخ اور بحالت طواف انتقال، میری ذاتی ڈائری میں میری شنید کے مطابق ہے۔ جس میں تسامح کا امکان ہے۔ عبدالجبار سلفی۔

اسے پڑھنے والے خود بہ خود "اشداءُ علی الکفار" کے جوہرِ قرآنی سے مالا مال ہوتے چلے گئے۔ جیسا کہ نام سے واضح ہے یہ کتاب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم واہل بیت عظام کے مابین محبت ومودت اور رشتہ داریوں جیسے تعلقاتِ باہمی کو اس انداز میں اجاگر کرتی ہے کہ مصنف کی ایک ایک بات اور دعویٰ شہد کی میٹھی بوند کی طرح حلق سے اترتا چلا جاتا ہے۔ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے اس کتاب کی تیاری میں قرآنِ مجید کو بطور اصل منبع ومصدر اور مآخذ لیا، پھر کتب احادیث وتاریخ اور فریقین (سنی وشیعہ) کی آراء کو تائید وتصدیق میں لا کر دلائل وبراہین کا موجیں مارتا ہوا ایک دریا رواں کر دیا۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

''تعلقات کے ان مضامین کی حقانیت وصداقت پر ہمارا اصل استدلال قرآنِ مجید سے ہے، قرآنِ مجید نے واضح عبارت اور واشگاف الفاظ کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ رحمۃ اللعالمین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے صحابہ کرام میں رحمٰن اور رحیم نے اپنی شانِ رحمت کا ظہور بطریق اتم فرمایا ہے۔ یہ سب آپس میں رحم دل ہیں اور ان کے دلوں میں شفقت والفت بھر دی گئی ہے۔ ان کے مابین اخوتِ دینی اور اسلامی برادری کا رشتہ ہمیشہ سے قائم ودائم ہے۔ باقی روایات وتاریخی واقعات اور مسلمہ حقائق جو کچھ بھی ہم اس باب میں ذکر کریں گے وہ سب نص قرآنی کی تائید وتصدیق کے طور پر درج کریں گے۔ اس کی مستقل دلیل کی حیثیت نہ ہوگی۔ اس چیز کو ہمارے ناظرین کرام اچھی طرح ذہن نشین فرما لیں۔ یہ اصولِ موضوعہ میں سے ہے۔
جب ہمارے دعویٰ کی اصل دلیل ''نصوصِ قرآنی اور آیاتِ فرقانی'' ہیں تو یہاں مقامِ استدلال میں وہی روایات قابل تسلیم اور لائق قبول ہوں گی جو نص قرآنی اور سنت مشہورہ کے مطابق ہوں اور جن میں صحابہ کرام کی باہمی اُلفت وشفقت واخوت، رأفت وعطوفت کے واقعات درج ہوں اور جن میں محبت ویگانگت اور دوستی وآشتی کے حالات مذکور ہوں۔ جن روایات میں اس کے برعکس ان بزرگوں کے درمیان مناقشات، ناراضگی، مشاجرات، تنازعات اور رنجیدگی کے نقشے کھینچے گئے ہیں۔ وہ تمام تر ذخیرے یہاں معارضہ کے مقام میں کام نہ دے سکیں گے۔ اور ان کے ساتھ معارضہ پیش کرنا درست بھی نہ ہوگا۔
وجہ یہ ہے کہ فریقین (اہل سنت واہل تشیع) کے ہاں اپنی جگہ یہ قاعدہ مسلم الطرفین ہے کہ جو روایت نص قرآنی اور سنت مشہورہ کے خلاف مروی ہو اور کوئی تاویل وتطبیق یا موافقت کی صورت نہ دے سکے، وہ قابل ردّ ہوتی ہے، لائق تسلیم نہیں ہوتی۔'' [1]

## "رحماءُ بینھم" (جلد اوّل) کی ابوابی تقسیم:

مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے اپنی اس شاہکار تصنیف کی پہلی جلد کو پانچ ابواب میں منقسم کیا ہے۔ اور ہر باب کے تحت دیئے جانے والے ایک ایک دعویٰ کو کئی حوالوں سے مبرہن کیا ہے۔ پہلی جلد میں تقسیم ابواب کا اجمالی خاکہ یہ ہے:

---

[1] مولانا محمد نافع/ رحماء بینھم، مطبوعہ تخلیقات لاہور، جلد اول، صفحہ ۱۹، ۲۰۔

①...... بابِ اوّل...... خانگی مراسم۔

اس باب میں سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی شادی میں حضرات شیخین کا پُر خلوص کردار، رخصتی میں حضرت سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی قابل قدر کوششیں، حضرت علیؓ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا باہمی علمی اعتماد، مالِ فئے کا اسلامی نظام وانقسام، مسئلہ فدک اور سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کا موقف، سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی رضامندی، نیز ناراضگی والے طعن کا جواب، سیدہ فاطمۃ الزہراؓ کے جنازہ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی امامت اور تکبیراتِ اربع کا ثبوت، اور امامت نماز کے لیے اسلامی دستور وغیرہ جیسے مباحث شامل ہیں۔

②...... بابِ دوم...... صدیقی ومرتضوی تعلقات۔

اس باب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دست پر تعجیلاً بیعت کرنا اور پھر اس پر سات عدد روایات کا ثبوت، محدث زہری کی حیثیت، اثباتِ بیعت کی ۹ عدد مزید تائیدی روایات، کتب شیعہ سے ۸ عدد روایات، حضرت علیؓ کا اقتداء صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں نماز پڑھنا، الزامِ تقیہ کا علمی توڑ، امورِ مملکت میں صدیقی ومرتضوی باہمی تعاون، اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاں حضرت علیؓ کی آراء (اقوال کی حیثیت وغیرہ کا بیان ہے۔

③...... باب سوم...... حضرت علی المرتضیٰؓ کا امورِ مملکت میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے تعاون۔

اس باب کے اندر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جانب سے حضرت علیؓ کے خاندان کو عطیات ملنا، حدود اللہ کے قیام میں آپ کی رائے کو ترجیح، جنگی وجہادی امور میں آپ کے فیصلے کو فوقیت وغیرہ جیسے مباحث شامل ہیں۔

④...... باب چہارم...... فضائل حضرت صدیق وعمر بزبان حضرت علی رضی اللہ عنہم۔

اس باب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ان اقوال کو جمع کر کے بحث کی گئی ہے جن میں حضراتِ شیخین کی توصیف وتعریف ہے، نیز اقرارِ فضیلت کی روایات، سیرت شیخین کا سیرت نبوی سے اتحاد، سیدنا صدیق اکبرؓ کی پیشوائی پر حضرت علی کی رضا ورغبت، اور حضرت صدیق اکبرؓ کی وفات پر اظہار تاسف اور پھر ان تمام مندرجات کا سہل خلاصہ نکال کر قاری کو نتیجہ پر پہنچایا گیا ہے۔

⑤...... بابِ پنجم...... علوی خاندان کے صدیقی خاندان سے تعلقات۔

اس باب میں سات فصلیں قائم کر کے حضرات صدیقی ومرتضوی کی رشتہ داریوں پر بحث کی گئی ہے۔ اور مودت ومحبت کی بعض عملی مثالیں مثلاً خلفاءِ ثلاثہ کے ناموں کا اولادِ علی میں رکھا جانا، دونوں خاندانوں

کے درمیان پانچ عدد رشتہ داریوں کا ثبوت، اور ضمناً دیگر فقہی مسائل میں دونوں کی یگانگت ویکجہتی کو بیان کیا گیا ہے۔

## تحقیق کا منفرد انداز:

مولانا محمد نافع نے تحقیق وتصنیف کا ایک منفرد انداز اپنایا ہے اور آپ کو اس کا موجد یا واضع کہہ دیا جائے تو مبنی برحقیقت ہوگا۔ اس منفرد اندازِ تحقیق کی اگر مثالیں پیش کی جائیں تو طوالت کا خدشہ ہے، اس لیے ایک آدھ نمونہ پیش قارئین کیا جاتا ہے۔

آپ سب سے پہلے قرآنِ حکیم کی آیت یا صحاح ستہ میں سے کسی ایک حدیث کی روشنی سے اپنا دعویٰ پیش کرتے ہیں، پھر اس دعوے پر شارحین احادیث کی آراء بطور تصدیق لاتے ہیں، اس کے بعد کتب اہل سنت اور کتب اہل تشیع سے تائیدات پیش کر کے آخر میں جا کر نتیجہ کلام ایسے جچے تلے انداز میں پیش کرتے ہیں کہ پڑھنے والا ششدر رہ جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ''رحماء بینھم'' کی اس پہلی جلد میں حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ اور سیدہ فاطمۃ الزہرا ﷞ کے مابین ایک راز دارانہ بات کے تبادلۂ خیال پر ''صحیح مسلم'' کی ایک روایت سے تحریر کر کے جب کتب سنی وشیعہ سے اس پر قبول بصورتِ عدم جرح اقوال لاتے ہیں تو از روئے علم اس پر اعتراض یا اشکال کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ پھر نتیجۂ کلام یوں پیش کرتے ہیں:

اس مسلمہ بین الفریقین واقعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ

① ...... نبی اکرم ﷺ کی صاحبزادی اور آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات میں ایک دوسرے کے ہاں جیسے نبی کریم ﷺ کے مقدس دور میں آمد و رفت جاری رہتی تھی، ویسے ہی حضور اکرم ﷺ کے بعد بھی باہمی نشست و برخاست جاری رہی۔ یہ چیز آپس کی خوش خلقی وخوشگواری پر دال ہے۔

② ...... جس طرح ان پاکدامنوں میں ایک دوسرے کا احترام اور اعزاز واکرام حضور علیہ السلام کے سامنے تھا، انتقالِ نبوی کے بعد بھی ویسا ہی قائم رہا۔

③ ...... سیدہ فاطمہ﷞ اور نبی کریم ﷺ کی راز دارانہ گفتگو کی حضرت عائشہ ﷞ کے ہاں اتنی قدر ومنزلت تھی کہ وصالِ نبوی ﷺ کے بعد بھی حضرت فاطمہ﷞ سے قسمیں دلا کر دریافت کیا اور فاطمہ﷞ کی اس عظیم فضیلت کو تمام امت کے سامنے قیامت تک منتشر ومشتہر کر دیا۔

④ ...... پوری امت میں سیدہ فاطمہ ﷞ کی اس شانِ فضیلت کی تشہیر وتبلیغ کرنے والی صرف سیدہ

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان دونوں پاک بیبیوں کے درمیان آشنائی، ہم نشینی، دوستداری، غمخواری اور قدر دانی جیسی بہترین صفات ہمیشہ قائم ودائم رہیں۔ اور انہی اوصاف پر ان کا اختتام نیک سرانجام ہوا۔ [1]

یہ ایک مثال ہے جو مشتے نمونہ کے طور پر تحریر کر دی گئی ہے، اس سے اہل تحقیق کے لیے اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں ہے کہ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کا اسلوب بیان کتنا پختہ، مضبوط ومربوط اور دل نشین ہے۔

## علم واستدلال میں درجہ کمال اور اپنے استاذ کا ادب واحترام:

مولانا موصوف کی ایک ایک خوبی اپنے ساتھ کئی کئی خوبیاں لاتی ہے، ''رحماء بینھم'' حصہ صدیقی میں ایک اہم موضوع ''مسئلہ فدک'' بھی ہے، جس پر صدیوں سے علماء اہل سنت لاجواب ابحاث قلم بند کرتے آرہے ہیں۔ خصوصاً منتہی الکلام میں مولانا حیدر علی رحمہ اللہ فیض آبادی نے، تحفہ اثنا عشریہ میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے، آیاتِ بینات میں نواب مہدی علی خان نے، ہدیۃ الشیعہ میں امام الکبیر مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے اور ''ہدایات الرشید الی افحام العنید'' میں متکلم اہل سنت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے اس اختلاف کے جملہ پہلوؤں کو عیاں کیا ہے۔ مولانا سیّد احمد شاہ صاحب چوکیروی رحمہ اللہ کا ذکر پہلے گزر چکا ہے، آپ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے ابتدائی کتب میں استاذ رہے۔ اور شیعہ وسنی اختلافی مسائل ومباحث میں اپنے فن کے امام متصور ہوتے تھے، آپ نے مسئلہ فدک پر ایک مستقل کتاب ''تحقیق فدک'' کے نام سے لکھی تھی جو اہل علم کی لائبریریوں کی زینت ہے۔ مولانا محمد نافع نے بھی اپنی مذکورہ تصنیف میں ''مسئلہ فدک'' پر تشیع کے پھیلائے ہوئے جملہ ایرادات واشکالات کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا ہے اور آپ نے جس طرز وادا سے اس پر قلم کشائی کی ہے، وہ ایک ممتاز وجداگانہ حیثیت رکھتی ہے۔ بایں ہمہ آپ اپنے استاذ گرامی کا ذکر خیر اور ان کی تحقیق کا ذکر نہایت عجز وانکساری سے کرتے ہوئے اپنے پڑھنے والوں کو بہت کچھ سوچنے کا موقع فراہم کرتے ہیں، اور ایسے مرحلۂ فکر پر لے آتے ہیں کہ خود ان کی تواضع پر بے انتہا رشک آنے لگتا ہے۔ مثلاً آپ لکھتے ہیں:

''مسئلہ فدک کی یہ نازک اور اہم بحث ہے۔ اس پر علماء نے اپنے اپنے دور میں عمدہ کلام کیا ہے۔ اس زمانہ میں جبکہ چودھویں صدی ہجری کا آخری دور جا رہا ہے یعنی اس وقت ۱۳۹۱ھ شروع ہے، مسئلہ فدک پر ہمارے استاذِ محترم حضرت مولانا سیّد احمد شاہ صاحب بخاری مرحوم ومغفور نے ایک کتاب ''تحقیق فدک''

---

[1] مولانا محمد نافع / رحماء بینھم، جلد اول، حصہ صدیقی، مطبوعہ دارالکتاب لاہور، صفحہ نمبر ۸۹، ۹۰۔

کے نام سے ۱۳۷۴ھ ۱۹۵۹ء میں تحریر فرمائی تھی۔ جو اس بحث کے متداول پہلوؤں پر مشتمل لاجواب کتاب ہے۔ عوام وخواص کو اس کتاب سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ ہم نے بھی ''تحقیق فدک'' کے فوائد سے انتفاع کیا ہے۔ جن مسائل کی حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے بنیاد قائم کی تھی، ان کی تکمیل کرنے میں ہم نے اپنے مقدور کے موافق سعی کی ہے۔ مالک کریم منظور فرمائے تو اس کی نوازش ہوگی۔''

پھر آگے ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

''حضرت الاستاذ مولانا سید احمد شاہ صاحب (اجنالوی وچوکیروی) مرحوم ومغفور نے اپنی کتاب ''تحقیق فدک'' میں اس مسئلہ کی ابتداء فرمائی تھی، ہم نے اپنی حقیر تلاش کی رو سے اس کے مزید مواقع ومواضع فراہم کر کے علماء کرام کی خدمت میں پیش کیے ہیں۔ حق کی حمایت کرنے والے علماء عظام سے امید ہے کہ اس کی تائید فرمائیں گے اور اگر کوئی خامی نظر آئے گی تو اس کی اصلاح فرمائیں گے۔ ماحصل بحث یہ ہے کہ جن کلمات پر اعتراضات کی بنیاد قائم کی جاتی ہے، وہ اصل روایت میں نہیں، بلکہ رواۃ کی جانب سے درج شدہ الفاظ ہیں۔''❶

## (۲) ''رحماء بینھم'' جلد دوم کا تعارف (سن طباعت اوّل جولائی ۱۹۷۶ء):

یہ دوسرا حصہ حضرت سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شرعی عظمت اور اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاندانی مراسم وروابط پر مشتمل ہے۔ کتاب ہذا کو بھی پانچ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ بلکہ اس کے پیش لفظ میں جو آپ رحمہ اللہ نے مختلف ضوابط وقواعد لکھے ہیں، وہ بھی تقریباً تیس صفحات پر مشتمل ایک مستقل باب ہے، یوں اس کتاب کے چھے ابواب شمار کیے جاسکتے ہیں۔ اس میں ''مدعائے تحریر'' کے زیر عنوان آپ نے گویا پوری جلد کا تعارف چند سطور میں بہ قلم خود تحریر کر دیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

''ہم ناظرین کرام پر یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ مذکورہ صفت رحماء بینھم میں بے شک تمام صحابہ کرام شریک ہیں۔ مہاجر ہوں یا انصار، مکی ہوں یا مدنی، قریشی ہو یا غیر قریشی، ان تمام بزرگوں کی باہمی خوش خلقی وخیر خواہی وہمدردی وغمخواری کے واقعات سے اسلامی کتب لبریز ہیں۔ اس چیز میں کوئی اخفاء واشتباہ نہیں۔ لیکن ہم اس کتاب میں خصوصی طور پر سیّدنا عمر بن الخطاب اور سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہما کے درمیان رحمت وشفقت اور الفت ومحبت کے واقعات مسلمانوں کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان حضرات اور ان کے خاندانوں کے متعلق خاص طور پر عداوت، نفرت، اختلاف، انتشار اور افتراق کو عوام میں پھیلایا گیا ہے۔ عامۃ الناس اور جاہل طبقہ میں تو بڑی کوشش سے یہ پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ یہ سب

---

❶ مولانا محمد نافع / رحماء بینھم، جلد اوّل (صدیقی) صفحہ نمبر ۱۲۷ و نمبر ۱۵۱۔

حضرات آپس میں مخالف تھے، ان کی باہمی سخت عداوت تھی اور ایک دوسرے کے حق میں جور وظلم کو روا رکھنے والے تھے۔ اور انہوں نے ایک دوسرے کے جائز حقوق کو ضائع کر ڈالا ہے۔ خاندانِ نبوت پر انہوں نے بڑے بڑے مظالم ڈھائے ہیں جو زبانِ بیان سے بالاتر اور دید وشنید سے بلند تر ہیں، لہٰذا اس صورتِ حال کی بناء پر ہم نے یہ ارادہ کیا ہے کہ لوگ خلفاء اربعہ حضرات کی دشمنی اور ناچاقی اور غضبنا کی بیان کرتے ہیں، ہم ان کی صلح ودوستی اور امن وآشتی کے حالات وکوائف کو مدلل طریق سے ذکر کریں گے۔ لوگ ان بزرگوں کی آپس میں کشیدگی، رنجیدگی، آزردگی اور آزردہ دلی کے عجیب عجیب قصے تصنیف کر کے شائع کرتے ہیں۔ ہم ان کی باہمی خوش دلی، خورسندی اور قرابت نسبی کے تعلقات پیش کریں گے۔ لوگ اُن کی آپس میں بدخواہی، بدسلوکی، حق تلفی اور چپقلش کی داستانیں سناتے ہیں، ہم ان کی باہمی خیر خواہی، خیر طلبی، خوش نودی، اور رضامندی وحقوق کی ادائیگی بہ دلائل ثابت کریں گے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ مہربان خلفاء اربعہ کے مابین کینہ وری، خشمگینی، درشتگی جورَ وظلم اور تعدی کے فرضی قصے گن گن کر ارشاد فرماتے ہیں، ہم ان شاء اللہ العزیز ان پاک طینت بزرگوں کے متعلق باہم غم خواری، غمگساری، ہمدردی، عدل گستری، انصاف پسندی کے واقعات چن چن کر قوم کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں۔''[1]

''رحماء بینھم'' جلد دوم کی ابوابی تقسیم اور اس کے مباحث مندرجہ ذیل ہیں:

باب اوّل:...... اس میں حضرت عمرؓ کے دستِ حق پرست پر سیّدنا حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کا بیعت کرنا، مزکورہ بیعت کی کتب متعددہ سے تائید وتصدیق، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زبان مبارک سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تعریف وتوصیف، فاروقی دور کے تمام معاملات کو حضرت علیؓ کا درست قرار دینا، حضرت علیؓ کی زبانی حضرات شیخین کی فضیلتیں، نیز حضرت عمر فاروقؓ کی زبان مبارک سے سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل وشمائل درج کر دیئے گئے ہیں۔

باب دوم:...... اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں شعبہ جات کی تقسیم اور قضاء وافتاء کے شعبے حضرت علی کے سپرد کرنا، مقدمات کی مرافعت، حضرت علی کا نظام فاروقی کو بے مثال قرار دینا، مسائل شرعیہ میں مشورے اور باہمی تلقین واعتماد، بعض فقہی مسائل پر ایک دوسرے سے اظہار اعتماد وغیرہ جیسے مباحث شامل ہیں۔

باب سوم:...... اس باب میں نکاحِ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گواہ بننا، حضرت عمرؓ کی سیدہ حضرت فاطمہؓ سے خاص شفقت، جنازۂ فاطمہؓ میں آپ کا عملی کردار اور حضرت عمر فاروقؓ کے ساتھ سیّدہ ام کلثومؓ بنت سیدنا حضرت علیؓ کے نکاح کی مکمل بحث موجود ہے۔ اہل تشیع کو یہ نکاح بڑا چبھتا ہے اور وہ

---

[1] مولانا محمد نافع/ رحماء بینھم۔ جلد دوم (حصہ فاروقی) صفحہ نمبر ۴۵۔

اس کو غیر یقینی بنانے کے لیے بے فائدہ و بے فطری کوششوں میں صدیوں سے مبتلائے مصیبت ہیں۔ مولانا محمد نافع نے اس نکاح کا تحقیقی جائزہ لیا ہے اور علماء انساب کے ۵ عدد معتبر حوالہ جات سمیت ثابت کیا ہے کہ حضرت ام کلثوم کا سیّدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ نکاح ہوا تھا، نیز شیعوں کے اصولِ اربعہ سے ۹، عدد ثبوت، خانوادہ نبوت کے ساتھ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی رشتہ داری کی تفصیل، حضرت عمرؓ کے ہاں اپنی بہن کے گھر میں حضراتِ حسنین کریمین کی آمد و رفت، باہمی خوشگوار مراسم، اور حضرت عمرؓ کی تدفین میں حضرت علیؓ کی شرکت وغیرہ وغیرہ پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

بابِ چہارم:...... اس باب میں حضرت عمرؓ کے خاندانِ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے قریبی تعلقات، فاروقی فیصلوں میں حضرت عباسؓ کی شرکت، فاروقی روایات پر حضرت عباسؓ کا اظہارِ اعتماد، اور حضرت عباسؓ کے ان کے متعلق توصیفی کلمات وغیرہ ثابت کر کے ان کے تعلقات و روابط پر ناقابل تردید شواہد پیش کیے گئے ہیں۔

بابِ پنجم:...... اس باب میں حضراتِ حسنین رضی اللہ عنہما کے حضرت عمرؓ سے تعلقات، حضرت زین العابدین کا شان فاروقی میں رطب اللسان ہونا، امام محمد باقر رحمہ اللہ اور امام جعفر صادق رحمہ اللہ کا شانِ عمر رضی اللہ عنہ میں تعریفی جملوں کا استعمال، نیز حضرت علیؓ کے بیٹوں میں ''عمر'' نام کے مروّج ہونے پر دلائل و براہین پیش کیے گئے ہیں۔

## تنقید کا میٹھا، پُر از شرافت اور لطافت سے بھرا ایک نمونہ:

''تنقید'' فن تحقیق کی ایک اہم صنف ہے۔ بہترین نقاد وہ ہوتا ہے جس کے لب و لہجے میں شیرینی، مگر موقف میں اتنی مضبوطی ہو کہ وہ چیلنج نہ ہو سکے۔ آج کل تذلیل، تحقیر اور تحریص کو تنقید کا نام دے دیا گیا ہے، جس کی وجہ سے علم و تحقیق کی آبرو متاثر ہو رہی ہے۔ زیر تبصرہ کتاب ''رحماء بینھم'' جلد دوم میں مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے اس طرز میں تنقید کی ہے کہ ایک ایک حرف سے علم کے فوارے اچھل رہے ہوتے ہیں، اس کی بھی صرف ایک مثال یہاں پیش کی جاتی ہے۔

آج کل شیعہ علماء عبد اللہ بن سباء کی شخصیت کو فرضی قرار دینے لگے ہیں، جبکہ ان کی معتبر کتابوں میں نہ صرف اس کا وجود بلکہ بانی شیعہ مذہب ہونا بھی ثابت ہے۔ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ اس پر بحث درج کرتے ہوئے نہایت لطیف پیرائے میں یوں اظہارِ خیال فرماتے ہیں:

''اب ابن سباء مذکور کے وجود کے انکار کا مسئلہ بھی اسی طرح اٹھایا جا رہا ہے، اس صدی سے قبل غالباً کسی

فرد نے بھی اس حقیقت کا انکار نہیں کیا۔ اس سلسلہ کے آخر میں اگر ہم اتنی گزارش کریں تو شاید بے جا نہ ہوگا کہ ان "خیر خواہانِ ملت" کو چاہیے کہ جن لوگوں کے ذریعہ کسی وجہ سے اعتراض قائم ہونے کا خطرہ ہوسکتا ہے اُن کے وجود کا انکار کرتے چلے جائیں۔ مثلاً محمد بن حنفیہ کا انکار کر دینا چاہیے، یہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور کی عطا فرمودہ لونڈی سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا لڑکا تھا۔ اسی طرح عمر بن علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا انکار کرنا چاہیے، اس لیے کہ ایک تو اُس کا نام عمر ہے جو خلیفہ ثانی کا ہم نام ہے، دوسرا اس کی ماں (الصہباء) حضرت ابوبکر صدیق کے دور کی عطا کردہ ہے۔ نیز اسی طرح ام کلثوم دختر علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہے اور اس کی شادی و نکاح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ اس کے وجود کا انکار کر دینا چاہیے اور برملا کہہ دیا جائے کہ ام کلثوم مذکورہ ایک فرضی وجود ہے، جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ علیٰ ہذا القیاس یہ سب کے سب وجود فرضی تھے، ان کے نام کا کوئی شخص نہ تھا۔ اس قسم کے بہت سے افراد فرضی بنائے جا سکتے ہیں۔ اگر انہی چیزوں کا نام تحقیق و ریسرچ ہے تو ماشاء اللہ مذہب و ملت کے نشانات جلد ختم ہو جائیں گے۔ اور حق و باطل کی تمیز، صدق و کذب کا فرق، راستی و دروغ کا امتیاز نیست و نابود ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہدایت نصیب فرمائے اور انصاف و عدمِ انصاف کے پہچاننے کی توفیق عطا فرمائے۔ اس دعائیہ کلمہ پر اس تنبیہ کو ختم کرتے ہیں۔ [1]

## (۳) "رحماء بینہم" جلد سوم (سن تکمیل مارچ ۱۹۸۷ء):

رحماء بینھم کی اس تیسری جلد کو بھی مولانا مرحوم نے پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ اور ابتدا میں تمہیدی کلمات کے ساتھ قبول روایت کے متعلق اہل سنت کے اور تسلیم روایت کے متعلق اہل تشیع کے جو چند قواعد درج کر دیئے ہیں، وہ گویا پوری اور مفصل بحث کی روح ہیں۔ ابوابی تقسیم کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

بابِ اوّل:...... اس میں خاندانی و نسبی تعلقات، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شرفِ دامادگی، آپ کی خلافت پر معترضین کے اعتراضات کے کامل جوابات، حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی پوتی ام کلثوم کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بیٹے سے نکاح، حضرت حسین بن علی کی بیٹی سکینہ کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پوتے زید بن عمرو بن عثمان سے نکاح، حضرت سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی پوتی ام قاسم کا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پوتے مروان بن ابان بن عثمان سے نکاح اور پھر ان سارے رشتوں سے نتائج کشید کر کے قاری کو منزلِ عافیت پر پہنچا دیا گیا ہے۔

باب دوم:...... اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے مدلل ثبوت، نہج البلاغہ سے انتخابِ امام کا قاعدہ اور اس پر تبصرہ، اور مذکورہ بیعت کے فوائد و ثمرات پر نہایت علمی اور طبیعت کو سکون فراہم کر دینے والی بحث درج ہے۔

---

[1] مولانا محمد نافع / رحماء بینھم، جلد دوم (حصہ فاروقی) صفحہ نمبر ۹۴۔

باب سوم:...... اس باب میں سیّدنا حضرت علیؓ کی شادی میں حضرت عثمانؓ کی طرف سے مخلصانہ اعانت، اس اعانت کا کتب شیعہ وسنی سے اثبات، حضرت عثمانؓ کا حضرت علیؓ کے نکاح کا گواہ بننا، حضرت عثمانؓ کے مومن ومتقی ہونے پر مرتضوی شہادت، لقب ذوالنورین اور چند دیگر فضائل کا ذکر، آپ کا ایک اختصاص کہ بغیر حضرت عثمانؓ کے کسی شخص کے نکاح میں کسی نبی کی دو بیٹیاں (یکے بعد دیگرے) نہیں آئیں، رمضان شریف میں خلافت عثمانی کے اندر حضرت علیؓ کا قرآن سنانا، حضرت علیؓ کا قرأت عثمانی کی سماعت کرنا، حضرت عثمانؓ کے حق میں ہاشمیوں کے بیانات کا ذخیرہ، اور باب کے اختتام پر مسعودی مورّخ کے تشیع پر تحقیقی بحث وغیرہ وغیرہ موجود ہے۔

بابِ چہارم:...... اس باب کے اندر اجرائے احکام میں حضراتِ حسنین رضی اللہ عنہما کا باہمی تعاون، فتاویٰ وقضایا کی مشاورت میں حضرت علیؓ کی شمولیت، حضرت عثمانؓ کا ہاشمیوں کی تعظیم ملحوظ رکھنا، حضرت عباسؓ کی گستاخی کرنے والے کو حضرت عثمانؓ کا سزا دینا، خلافت عثمانی میں ہاشمی حضرات کا شریک جہاد ہونا، آپ کے دورِ خلافت میں آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مالی حقوق کی رعایت کرنا، اور ان سارے ابحاث سے نتائج اخذ کر کے آپ کی فضیلت، عظمت، اور نسبت رسول کے حوالے سے ناقابل انکار دلائل کا ذخیرہ جمع کر دینا مذکورہ باب کے اہم عنوانات ہیں۔

باب پنجم:...... اس باب کے اندر محاصرۂ حضرت عثمانؓ، اس کے ظاہری اسباب، نیابت حج اور حضرت ابن عباس کا انتخاب، حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کی مدافعانہ کوششیں، علماء شیعہ کی جانب سے اس کی توثیق، جنازۂ حضرت عثمان وتدفین میں حضرت علیؓ اور ان کے صاحبزادگان کی شمولیت، اور حضرت علی کی اولاد میں نامِ ''عثمان'' کا رائج رہنا شامل ہیں۔

## (۴) مسئلہ اقرباء نوازی (ملحق بہ کتاب "رحماء بینھم") حصہ سوم (سن تکمیل جولائی، ۱۹۸۰ء):

''مسئلہ اقرباء نوازی'' اگرچہ آپ کی مستقل تصنیف ہے جو موضوعاتی اعتبار سے اردو زبان میں لکھی جانی والی چند کتابوں میں سے ایک اور بعض جزوی صفات کے لحاظ سے منفرد اکلوتی کتاب ہے، لیکن آپ نے اسے ''رحماء بینھم'' حصہ عثمانی سے ملحق کر دیا تھا اور اب اس کی اشاعت اسی حصے کے ساتھ ہوتی ہے۔ یہ دراصل شیعہ مذہب کے قدیم اشکالات اور ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے جدید اعتراضات کے جواب میں

ہے۔ مثلاً مودودی صاحب نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر اقرباء پروری کا الزام عائد کیا ہے اور ان کی شخصی وایمانی شخصیت پر داغ لگانے کی ناکام کوشش کی تھی، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''لیکن اُن کے (حضرت عمرؓ) بعد جب حضرت عثمانؓ جانشین ہوئے تو رفتہ رفتہ وہ اس پالیسی سے ہٹتے چلے گئے، انہوں نے پے در پے اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے اہم عہدے عطا کیے اور ان کے ساتھ دوسری ایسی رعایات کیں جو عام طور پر لوگوں میں ہدفِ اعتراض بن کر رہیں۔''

مزید لکھتے ہیں:

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پالیسی کا یہ پہلو بلاشبہ غلط تھا، اور غلط کام بہرحال غلط ہے، خواہ وہ کسی نے کیا ہو، اُس کو خواہ مخواہ کی سخن سازیوں سے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرنا عقل وانصاف کا تقاضا ہے اور نہ دین ہی کا یہ مطالبہ ہے کہ کسی صحابی کی غلطی کو غلطی نہ مانا جائے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ اس ایک پہلو کو چھوڑ کر باقی جملہ پہلوؤں سے اُن کا کردار بحیثیت خلیفہ ایک مثالی کردار تھا، جس پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔''[1]

## مودودی صاحب کی عجیب منطق:

مندرجہ عبارت میں مودودی صاحب کہنا چاہتے ہیں کہ صحابی کی غلط بات کو غلط کہنا چاہیے، البتہ سوائے ایک پہلو کے دیگر تمام پہلو مثالی وروشن تھے، گویا صحابی کی غلطی وہی ہے جسے مودودی صاحب ''غلطی'' لکھ دیں، اور ''روشن پہلو'' وہی ہے جسے مودودی صاحب ''مثالی'' کہہ دیں۔ ان عبارات پر جب علماء کرام نے گرفت کی تو بجائے اس کے کہ آپ ان زہریلے الفاظ کو نکال دیتے، اگلے ایڈیشن میں مودودی صاحب نے زہر تو جوں کا توں رہنے دیا، تاہم اس کی ایک لطیفہ نما تشریح درج کردی، اور اس کو بھی بجائے وضاحت لکھنے کے ''اقرباء کے معاملہ میں حضرت عثمانؓ کے طرزِ عمل کی تشریح'' کی سرخی دے کر یوں رقمطراز ہوئے:

''سیدنا حضرت عثمانؓ نے اپنے اقرباء کے معاملہ میں جو طرزِ عمل اختیار فرمایا، اس کے متعلق میرے وہم وگمان میں بھی کبھی یہ شبہ نہیں آیا کہ معاذ اللہ وہ کسی بدنیتی پر مبنی تھا، ایمان لانے کے وقت سے ان کی شہادت تک اُن کی پوری زندگی اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخلص ترین اور محبوب ترین صحابیوں میں سے تھے، دینِ حق کے لیے اُن کی قربانیاں، ان کے نہایت پاکیزہ اخلاق، اور ان کے تقویٰ وطہارت کو دیکھ کر آخر کون صاحب عقل آدمی یہ گمان کرسکتا ہے کہ اس سیرت وکردار کا انسان بدنیتی کے ساتھ وہ طرزِ عمل اختیار کرسکتا ہے جس کو آج کل سیاسی اصطلاح میں خویش نوازی کہا جاتا ہے۔ دراصل

---

[1] ابوالاعلیٰ مودودی/ خلافت وملوکیت، ناشر ادارہ ترجمان القرآن لمیٹڈ لاہور، صفحہ نمبر ۱۰۶، ۱۱۶۔

ان کے طرزِ عمل کی بنیاد وہی تھی جو انہوں نے خود بیان فرمائی ہے کہ وہ اسے صلہ رحمی کا تقاضا سمجھتے تھے۔ اُن کا خیال یہ تھا کہ قرآن وسنت میں جس صلہ رحمی کا حکم دیا گیا ہے اس کا تقاضا اس طرح پورا ہوسکتا ہے کہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ جو بھلائی کرنا بھی آدمی کے اختیار میں ہو وہ اس سے دریغ نہ کرے۔ یہ نیت کی غلطی نہیں بلکہ رائے کی غلطی یا بالفاظِ دیگر اجتہادی غلطی تھی۔'' ❶

اب یہاں خلیفہ راشد کی ''بلاشبہ غلطی'' رائے کی غلطی آٹھہری اور خوامخواہ کی سخن سازیوں سے صحیح ثابت کرنے کا غیر عقلی اصول ''اجتہاد'' بن گیا۔ اور یہ سب ناممکنات، اس لیے ممکنات بنتے جارہے ہیں کہ جناب مودودی صاحب کے زیرِ قلم ہیں اور آپ کا نوکِ قلم پہاڑ کی رائی اور رائی کو پہاڑ بنانے کی صلاحیت اور پورا پورا حق رکھتا ہے۔ بہرکیف اس قسم کی باتیں جب عوام میں پھیلنے لگیں تو مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کا قلم صحابی رسول اور دوہرے دامادِ نبی ﷺ کا دفاع کرنے کے لیے بے چین ہوگیا۔ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ جیسا بے ضرر اور رقیق القلب عالم دین، جو اس سے پہلے مودودی صاحب سے ملاقاتیں بھی کر چکے تھے اور ان کی اچھی باتوں کی تائید بھی کر چکے تھے، کیونکہ جزوی اختلاف سے اپنے مخالف کی ہر اچھائی کا بھی انکار کرتے چلے جانا شیوۂ اہل علم نہیں ہے۔ اور اچھائیوں سے متاثر ہوکر اصولی غلطیوں سے درگزر کرتے جانا بھی محتاط اور ذمہ دار اہل علم کا مزاج کبھی نہیں رہا۔ چنانچہ ایک مرتبہ جبکہ آپ سمن آباد لاہور آئے ہوئے تھے (قیام کی وجہ وسبب آپ کی ڈائری میں موجود ہے، جو مطبوعہ روزنامچوں میں آپ ملاحظہ کریں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ) تو انہی ایام میں مودودی صاحب نے ایک جلسے سے خطاب کیا تھا، اور مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے بھی تقریر سنی تھی، آپ لکھتے ہیں:

''رات دوشنبہ، سمن آباد کی مارکیٹ میں مولانا مودودی صاحب کی تقریر ہوئی ہے۔ موضوعِ سخن حجیت حدیث تھا، منکرین حدیث کے جوابات معقول پیرایہ میں بیان کیے گئے۔'' ❷

مگر جب مودودی صاحب نے ''نامعقول پیرائے'' میں حضرتِ عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر اقرباء نوازی کا الزام لگایا تو مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی ایمانی غیرت جاگ اٹھی، چنانچہ آپ نے اس کا تفصیلی جواب لکھ کر تحقیق وتدقیق کے ستارے چمکا دیئے۔ ''رحماء بینھم'' کا یہ حصہ ۴۰۸ صفحات پر مشتمل ہے، آپ زیرِ بحث کتاب کی تمہید میں رقم فرماتے ہیں:

''مخالفین عثمان، ان کی جو فہرست مرتب کرتے ہیں، ان میں سرفہرست جو طعن رکھا جاتا ہے وہ ''اقرباء نوازی کا مسئلہ'' ہے، طعن قدیمی ہے، اس کے جوابات بھی باقی مطاعن کے ساتھ ہر دور میں علماء دیتے رہے

---

❶ ایضاً، صفحہ نمبر ۳۲۱۔

❷ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ ذاتی ڈائری، ۱۹ نومبر ۱۹۶۱ء بمطابق ۱۰ جمادی الثانی ۱۳۸۱ھ۔

ہیں۔ اس دور میں پھر اس طعن کو جدید زیب وزینت کے ساتھ سجا کر عوام کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ ایک مردہ وفرسودہ بحث تھی، اس کو پھر زندہ کرنے کی امت کو ضرورت نہ تھی اور نہ اس دور کا تقاضا تھا، خدا جانے کن مصالح اور کن مقاصد کے تحت اس خوابیدہ بحث کو باحوالہ مرتب کر کے بیدار کیا گیا۔ اس سے عوام وخواص پریشان ومغموم اور مخالفین عثمان مسرور ومحفوظ ہوئے۔ اور مزید افتراق وانتشار کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔ جس دور میں امت مسلمہ کو جوڑنے کی ضرورت ہے، اس دور میں قوم کو توڑنے کے سامان فراہم کرنا دین وملت کی خیر خواہی نہیں ہے۔ مقام صحابہ رضی اللہ عنہم کی حمایت کے لیے اور ''خلیفہ راشد'' سے سوء ظنی رَفع کرنے کی خاطر اس مسئلہ کو مناظرانہ انداز میں نہیں، بلکہ واقعات وحقائق کی صورت میں تحریر کیا جاتا ہے، بس یہی مقصود ہے۔ ان معروضات کو ملاحظہ فرمانے کے بعد مسئلہ کی حقیقت واضح ہوجائے گی اور طعن مذکور زائل ہوجائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ناظرین کرام صرف دو باتوں کی تکلیف کریں، ایک تو مسئلہ ہذا کی پوری بحث پر نظر ڈالیں، دوسرا تعصب دور فرما کر تھوڑا سا انصاف ساتھ ملالیں، پھر یہ مسئلہ اچھی طرح حل ہوجائے گا۔'' ❶

کتاب ہذا میں اقرباء کے لیے مالی عطیات کی بحث، مالی عطیات کا خلیفہ وقت کی رائے اور اجتہاد سے تقسیم ہونے کا جواز، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فقاہت اور شانِ صحابیت کا بیان، امیر المومنین کے کسی رشتے دار کا حاکم ہونا قانونِ شرعی کے مخالف نہیں، نیز ولید بن عتبہ، سعید بن العاص، عبد اللہ بن عامر، سیدنا امیر معاویہ، عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح، اور مروان بن الحکم کے متعلقات پر تفصیلی اور سیر حاصل بحث موجود ہے۔ الغرض یہ کتاب بھی مولانا محمد نافع کی جانکاہ محنت کا عجیب اور دلرُبا شاہکار ہے۔

## ''رحماء بینهم'' چند معاصرین کی نظر میں:

مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی اس کتاب نے معاصرین کو آپ کے علم وفضل کا نہ صرف معترف کر دیا بلکہ شیدا بنا دیا۔ انہوں نے تعریفی وتوصیفی مکتوبات ارسال کیے، لطف لے لے کر مطالعہ کیا اور اپنے حلقہ احباب کو اس کے مطالعہ کی ترغیب وترہیب دی۔ اور اس میں اہل سُنّت والجماعت کے تینوں مسالک کے قارئین وعلماء کرام شامل تھے، حتیٰ کہ بعض شیعہ علماء نے بھی خطوط لکھے۔ اور مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے ذوقِ تحقیق وشوقِ علم کو داد دی۔ ایسے جذبات تو مشاہیر کے خطوط میں ملاحظہ کیے جاسکیں گے، جو مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے نام محفوظ ہیں۔ اور ایک مستقل جلد میں شائع کیے جارہے ہیں۔ البتہ ایک جھلک یہاں بھی ملاحظہ کر لی جائے۔

❶ مولانا محمد نافع / رحماء بینهم، مسئلہ اقرباء نوازی، جلد چہارم، صفحہ نمبر ۲۱۔

## شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی اور ''رحماء بینھم'':

مخدومی المعظم دامت الطافہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

گرامی نامہ باعث صد مسرت وافتخار ہوا۔ ''رحماء بینھم'' باقی دو حصوں کی تکمیل سے بے حد مسرت ہوئی پہلے حصے سے احقر نے کافی استفادہ کیا تھا اور اسے اپنے موضوع پر لاجواب پایا تھا۔ ان شاء اللہ باقی حصے بھی اسی شان کے ہوں گے۔ ان کا اشتیاق کرتے انتظار لگ گیا ہے۔ کتاب ''اقربا نوازی'' کے بارے میں آپ نے جو تحریر فرمایا ہے اسے پڑھ کر حیرت بھی ہوئی اور آپ کی تواضع پر رشک بھی آیا۔ میں اس بارے میں آنجناب کو کیا کوئی مفید مشورہ دے سکتا ہوں؟ آپ نے اس موضوع پر محنت کی ہے اور ماشاء اللہ بڑا مفید مواد جمع فرمایا ہے۔ اس لیے میں جناب کی معلومات میں کیا اضافہ کر سکتا ہوں؟ البتہ اپنے بزرگوں کے مذاق کے مطابق اس بات کا خیال ضرور رہتا ہے کہ ایک صحابی کا دفاع کرتے ہوئے کسی دوسرے صحابی کی شان میں کوئی ادنیٰ گستاخی یا اس کا شائبہ نہ ہونے پائے۔ امید ہے کہ اس کا آنجناب نے بھی پورا لحاظ رکھا ہوگا۔ تاہم اگر حکم ہوگا تو بہ نیت استفادہ مسودہ کو دیکھنا اپنی سعادت سمجھوں گا۔ البتہ مسودہ منگواتے ہوئے اس لیے ڈرتا ہوں کہ یہ بڑی قیمتی چیز ہوتی ہے جس کا کوئی بدل نہیں ہوتا۔ اس لیے اگر اس کی نقل شدہ یا مصوّر کاپی ارسال فرمائیں تو زیادہ بہتر ہوگا اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو میں ان شاء اللہ اشاعت کے بعد کتاب سے استفادہ کر لوں گا۔ مسودہ کہیں ڈاک وغیرہ میں ضائع نہ ہو جائے۔ دعاؤں کا بے حد محتاج ہوں۔

## مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ اور ''رحماء بینھم'':

مدیر ماہنامہ ''بینات'' نیو ٹاؤن کراچی

مخدوم و معظم زیدت معالیہم السلام علیکم رحمۃ اللہ

''رحماء بینھم'' اور ''مسئلہ اقربا نوازی'' کا ایک ایک نسخہ موصول ہوا۔ اوّل کو تو ایک ہی دن میں ختم کر کے دم لیا۔ دوسرے کا دو تہائی پڑھ چکا ہوں۔ حق تعالیٰ شانہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے آپ نے بڑی متانت واعتدال کے ساتھ لکھا ہے جس میں نہ کسی کی دل آزاری ہے، نہ مسلک اہل حق سے انحراف، اور سب سے بنیادی نکتہ جس پر نظر مرکوز رہی ہے قبائلی تعصب سے اس معاشرے کا پاک ہونا، یہ ہر جگہ نمایاں ہے۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء

قاضی ابوبکر بن عربی کو بعض لوگوں نے نواصب میں شمار کیا ہے۔ اگرچہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کا

ان سے استشہاد کرنا کافی ضمانت ہے۔ تاہم بہتر ہوگا کہ ان کے حوالوں کے ساتھ تائیدی حوالے بھی نقل کروائے جائیں۔

آپ کی کتابیں کیا کراچی میں دستیاب ہیں۔ ہیں تو کہاں سے ملیں گی؟

دعوات صالحہ کی درخواست ہے۔ والسلام

## مولانا محمد چراغ رحمہ اللہ اور ''رحماء بینہم'':

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱:...... میں نے کتاب ''مسئلہ اقرباء نوازی'' ضمیمہ ''رحماء بینہم'' تصنیف عزیزم مولانا محمد نافع سلمہ اللہ تعالیٰ کا اوّل سے آخر تک مطالعہ کیا۔

۲:...... کتاب نہایت آسان اور سادہ زبان گویا ''سہل ممتنع'' ہے کوئی الجھن گنجلک نہیں اپنے مطالب میں بالکل واضح ہے۔

۳:...... عزیز مؤلف کی محنت اور تلاشِ کتب نہایت ہی قابل قدر ہے اور اس میں کافی جدوجہد کرنی پڑی ہے۔

۴:...... کتاب میں مناظرانہ رنگ نہیں کوئی پروپیگنڈہ یا مخالف کی توہین و تقبیح نہیں کی گئی نہایت نرم زبان بغیر تشدد و جارحیت کے تحریر کی گئی ہے بلکہ مخالف کو ''دوست، احباب'' اور ''بزرگ'' جیسے الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے ملاحظہ ہو (ص ۳۵، سطر ۷) ''معترض دوست کہتے ہیں'' (ص ۵۵، سطر ۱۰) ''معترضین احباب کی طرف سے'' (ص ۶۹، سطر ۵) ''معترض احباب کو اللہ ہدایت بخشے'' (ص ۷۲، آخری سطر) ''معترض احباب نے'' (ص ۷۷، سطر ۲) ''معترض دوستوں نے لکھا ہے'' (ص ۲۱۰، سطر ۸) ''معترض بزرگوں کی جانب سے'' (ص ۲۸۶، سطر ۳۳) ''معترض بزرگوں نے'' وغیرہم ایسے ہی الفاظ اور مقامات میں ملتے ہیں۔

۵:...... پانچ بحثوں میں مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

۶:...... پہلے اپنے مضمون کو لکھتے ہیں پھر اس پر حوالہ جات کی بھرمار کرتے ہیں پھر اس کے نتائج کو زیر قلم لاتے ہیں درمیان میں کوئی مخالف کی توہین و تقبیح نہیں کی گئی۔

۷:...... خود عزیز مؤلف کہتے ہیں ص ۲۳، ''عام متداول طرز تصنیف کے خلاف اس کتاب میں یہ صورت اختیار کی گئی ہے کہ عموماً ایک مضمون و مفہوم کو عام ناظرین کرام کے لیے حوالہ کتاب کی عبارت سے پہلے خلاصہ کے طور پر درج کر دیا ہے پھر اس کے بعد اصل حوالہ کی عبارت عموماً درج کی گئی ہے تاکہ اہل علم

حضرات عبارت ملاحظہ فرما کر مضمون کی تسلی حاصل کرلیں" میرے نزدیک یہ طرزِ تصنیف بہت اچھا ہے کوئی معذرت کی ضرورت نہیں۔

۸:...... اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ میری طرف سے اور دیگر اہل اسلام کی طرف سے مؤلف کو اس محنت کی جزاء خیر دے، آمین۔ (محمد چراغ مہتمم جامعہ عربیہ جی ٹی روڈ، گوجرانوالہ، ۱۰ جولائی ۱۹۸۱ء، ۱۲ رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ)

## مولانا قطب الدین اُچھالوی رحمہ اللہ اور "رحماء بینہم":

مولانا مرحوم کے استاذِ محترم مولانا قطب الدین اچھالویؒ نے اپنے قابل فخر شاگرد کی مذکورہ تصنیف کو کیسا پایا؟ خط ملاحظہ ہو!

باسم اعظم

"محترمی جناب مولانا محمد نافع صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ غریب خانہ پہنچ کر سب سے پہلے کتاب اقربا نوازی کا مطالعہ کیا۔ ہر دور میں حضرت امیر عثمان رضی اللہ عنہ پر جو مطاعن کیے گئے ان کے اہل حق نے تسلی بخش جواب دیئے لیکن مطاعن کے دفع کرنے کا جو اسلوب کتاب ہذا میں اختیار کیا گیا نہایت مستحسن ہے کہ اس کا تجزیہ کرکے پہلے عثمانی دور کے عہدے داروں کا مفصل بیان ہے کہ وہ کون تھے بعض وہ تھے کہ دورِ نبوی سے دورِ عثمانی تک اپنے عہدوں پر بغیر کسی تبدل وتغیر کے فائز رہے اور بعض عہدوں پر تبدیلی بمصلحتِ وقت اور رعایا کی اقتضا پر بجائے غیر اموی کے اموی جو قلیل کالمعدوم تھے اور بجائے اموی کے غیر ہوتی لیکن یہ تبدیلی گمراہی اور قومی تعصب سے بالاتر تھی اور یہ تمام صاحب عہدہ اشخاص کچھ رشتہ دار اور کچھ غیر رشتہ دار اپنی نیکی اور تقویٰ کے لحاظ سے ان عہدوں کے اہل اور صلاحیت رکھنے والے تھے لہٰذا یہ بات حضرت امیر عثمانؓ پر اعتراض کے قابل نہیں جیسے کہ بعینہٖ یہی صورت سو آبسو آ عہد نبوی، عہد فاروقی اور عہد مرتضوی میں قابل اعتراض نہیں سمجھی جاتی۔ نیز حضرت امیر عثمان رضی اللہ عنہ کا صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کے روبرو مالی عطیات اور اموال بیت المال کا تقسیم کرنا اعتراض کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔ اور مروان بن حکم اور بنوامیہ کی حقیقت اور اصلی کیفیت کو اقوالِ ضعیفہ اور روایات موضوعہ برخلاف اقوال قویہ اور روایات صحیحہ کے گرچہ مکدر کرتی ہیں لیکن کسی شخص کے اوصاف متضاد میں سے ترجیح ان اوصاف کو ہوتی ہے جن کی اصولی قواعد اور ضوابط تائید کریں جیسے کہ اس کتاب کے ہر مقام اور ہر بحث میں اس کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ خلاصۃ المرام کتاب اقربا نوازی کی ہر بحث باحوالہ اور دلائل صحیحہ سے مزین ہے۔ اللہ تعالیٰ مصنّف کی تفتیش اور سعی بلیغ کو منظور فرمائے اور جزا خیر عطا فرمائے۔ بندہ بخیریت ہے

آپ کی خیریت مطلوب ہے میری طرف سے عزیزوں کو السلام علیکم عرض کردیں۔ فقط والسلام۔"

اس مکتوب کے ایک جانب سے نیچے مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے خط موصول ہونے کی تاریخ خود درج فرمائی، لکھتے ہیں:

نوٹ: یہ والا نامہ حضرت الاستاذ مولانا قطب الدین صاحب مدظلہ کی جانب سے کتاب "مسئلہ اقربا نوازی" کے مطالعہ کے بعد موصول ہوا تھا۔ الحمد للہ اکابر علماء کی تصدیق حاصل ہوگئی ہے۔ گرامی نامہ ہذا، ۳ شعبان ۱۴۰۱ھ، ٦ جون ۸۱ء کو موصول ہوا۔

## مولانا محب اللہ شاہ رحمہ اللہ اور "رحماء بینہم":

پیر آف جھنڈا، سندھ کے معروف گدی نشین اور صاحب علم مولانا پیر محب اللہ شاہ صاحب [1] سے بھی مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے روابط رہے اور ذاتی ڈائریوں سے آپ کا وہاں کی لائبریری میں جاکر استفادہ کرنا بھی ثابت ہے۔ پیر صاحب نے ایک طویل مکتوب میں "رحماء بینہم" کے متعلق اپنے جذبات کا اظہار کیا تھا، آپ کا اندازِ تحریر شستہ، جاذبِ نظر اور انوکھا تھا، اس تفصیلی خط کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔

حضرت الفاضل الکریم مولانا محمد نافع صاحب حفظہ اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاجِ عالی بخیریت تامہ ہوگا۔

---

[1] مولانا پیر محب اللہ راشدی مسلک اہل حدیث کے معروف عالم دین اور خانقاہ جھنڈا سندھ کے سجادہ نشین تھے۔ اکتوبر ۱۹۲۱ء میں گوٹھ جھنڈہ میں پیدا ہوئے۔ اکثر علماء حنفی سے کسب فیض کیا ان کا ایک قول ہے کہ "پندرہ اساتذہ میں سے سوائے مولانا عبدالوہاب کے، سب کے سب مسلکاً حنفی تھے لیکن میں الحمد للہ علیٰ ذالک ایک دن تو کیا ایک لمحہ کیلئے بھی حنفی نہ بن سکا، ان کے علوم سے تو کافی بہرہ ور ہوا لیکن ان کی حنفیت میری طرف منتقل نہ ہوسکی" (مجلہ بحر العلوم میرپور خاص کا محدث العصر نمبر، صفحہ نمبر ۴٦) ان کے ایک دوسرے بھائی مولانا سید بدیع الدین شاہ بھی فاضل و مناظر تھے۔ دونوں بھائیوں نے قیمتی و نادر کتابوں پر مشتمل ایک بہت بڑی لائبریری قائم کی جس کی دور دور تک شہرت ہوئی، حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ بھی بغرض استفادہ اس لائبریری میں تشریف لے جاتے رہے ہیں۔ مزاج کے اعتبار سے آپ رحمہ اللہ نہایت معتدل، متوازن، اور علم و فضل سے لباب تھے، ان کا ایک اور ارشاد بھی ملاحظہ ہو، فرماتے تھے "ہمارے ہاں مدرسہ راشدیہ میں حنفی علماء آتے تو ہم ان کو رکھ لیتے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل حدیث علماء مدرسین یہاں مدرسہ میں آتے ہی نہیں اور جو آتے ہیں وہ بھی ماہر نہیں ہوتے ہیں، عموماً علوم عالیہ میں حنفیہ علماء بہت ماہر ہوتے ہیں ایک بار میں مولانا عطاء اللہ حنیف مرحوم کی زندگی میں لاہور گیا تو ان کے پوتے محترم حماد صاحب نے بتایا کہ وہ حنفیوں کے مدرسہ میں پڑھتا ہے۔ پوچھا کہ کیوں؟ تو بتایا کہ اہل حدیث کے مدارس میں ان علوم میں مہارت رکھنے والے نہیں، اب ہم اگر کوئی حنفی عالم رکھ لیتے ہیں تو یہ لوگ کہنا شروع کردیتے ہیں کہ دیکھو یہ حنفیوں کا مدرسہ ہے، یہاں مدرسین حنفی ہی ہیں، اگر اچھے مدرسین اہل حدیث سے یہاں آنے کی درخواست کرتے ہیں تو وہ تیار ہی نہیں ہوتے، اب اس صورت حال کا آخر کیا علاج کیا جائے؟ (محدث العصر رحمہ اللہ نمبر، مجلہ بحر العلوم، میرپور خاص، صفحہ نمبر ۸۰)۔ مولانا پیر محب اللہ راشدی کا انتقال مورخہ ۲۱ جنوری ۱۹۹۵ء میں ہوا۔ سلفی

اما بعد! چند ایام پہلے جناب کا والا نامہ جو میرے عریضے کے جواب میں ارسال فرمایا تھا، موصول ہوا تھا۔ مسرت ہوئی! مہربانی...... کتاب ''رحماء بینھم'' حصہ چہارم پورا دیکھ لیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سیّدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ وارضاہ کے متعلق (خصوصاً) آج کل کے فریقین نے انصاف سے بالکل کام نہیں لیا۔ شیعہ حضرات سے توقع عدل وانصاف کی تھی ہی نہیں لیکن افسوس صد افسوس کہ اہل سنت والجماعت کے عوام وخواص بلکہ چند علماء تک نے بھی تحقیق سے کام نہیں لیا اور عدل وانصاف کا دامن نہیں تھاما اور محض تاریخی مواد کو جن میں رطب ویابس بلکہ خرافات تک موجود ہیں، ان کو بلا تحقیق از روئے روایت ودرایت نہیں پرکھا بلکہ ان اساطیر کو جس طرح دیکھا نقل کر دیا اور مکھی پر مکھی مارتے چلے گئے اور مارتے رہتے ہیں اور ستم بالائے ستم کہ ان واہی روایات کو لے کر سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ جیسی متبرک ہستی پر اپنی کتب میں اعتراضات کا انبار لگا دیا ہے اور بیہودہ باتوں کا طومار باندھ دیا ہے۔ اس بات کا جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔ پھر اسے تحقیق کا نام دیا جاتا ہے، خواہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جلیل القدر والمقام صحابی پر کتنا عظیم ظلم ہو رہا ہو لیکن ان کی بلا سے۔ وہ بھی جس کو ''بے نزاع'' تحقیق تصور فرماتے ہیں اور قلمبند فرماتے جاتے ہیں حالانکہ قرآن وحدیث بلکہ سارے اسلام کا دار ومدار صحابہ کی عدالت پر ہی ہے اگر یہ باقی نہ رہے تو کوئی ایک چیز باقی نہیں رہ سکتی۔

اس لیے واقعی یہ اس قدر ضرورت تھی کہ کوئی اللہ کا بندہ اہل علم میں سے اس پر قلم اٹھائے اور اصل حقیقت جو ان اساطیر وخرافات کے طوفانِ بدتمیزی میں دب گئی تھی اس سے ان حجابات کو دور کر دے اور اصلی حقائق سے پردہ اٹھا دے تاکہ جو صحیح حقیقت اور امر واقع ہے وہ منظر عام پر آجائے تاکہ عوام اور خواص اس سے مستفید ہوں اور جن بے جا شکوک وشبہات کے وہ شکار ہو رہے ہیں ان سے بھی ان کو نجات مل جائے۔

الحمد للہ! ثم الحمد اللہ! آنجناب کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کس عظیم الشان فرض کی ادائیگی کی توفیق مرحمت فرمائی اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے آنجناب نے اس ضرورت کو پورا فرما دیا ہے اور اس کتاب رحماء بینھم کے حصہ چہارم میں مستند تاریخی کتب واحادیث صحیحہ واقوال صحابہ ومستند علماء امت سے اصل حقیقت اچھی طرح واضح فرما دی ہے اور جو اساطیر کتب تاریخ میں روایت کی گئی تھیں اور جن کی تحقیق کرنے سے بہت سے علماء قاصر رہے ان سب کے متعلق بھی آنجناب نے روایتاً ودرایتاً بحث کر کے ان کی اصل حیثیت واضح کر دی ہے۔ جس سے ان کی صحیح پوزیشن سامنے آجاتی ہے۔ اب حق پسند، منصف مزاج حضرات کے سامنے حق روزِ روشن کی طرح ظاہر ہو گیا اور ان کے دلوں میں سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی عظمت، صداقت، امانت ودیانت اور ان کا حق پر ہونا جاگزین ہو گیا ہے بلکہ ان کا احترام اور بھی دوبالا ہو گیا ہے۔

بہرحال کتاب پڑھ کر میں بے حد مسرت محسوس کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ عوام وخواص، علماء وفضلا بھی اس کا مطالعہ کریں اور اپنے ایمان کو تازہ کریں۔ ماشاء اللہ آپ نے اس کا نام بھی خوب رکھا ہے۔ ''رحماء بینھم'' واقعی یہ کتاب اسم بامسمی ہے۔قرآنِ حکیم کی سورہ فتح کی آخری آیت کریمہ میں صحابہ سے متعلق جو''رحماء بینھم'' آیا ہے اس کی تفسیر یا اس کا بخوبی نقشہ اس کتاب میں دیکھا جا سکتا ہے اور اس طرح اس آیت کی گونہ صداقت بھی ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ جزاکم اللہ خیر الجزاء فی الدنیا والاخرۃ۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

والسلام! (مولانا) محب اللہ شاہ درگاہ شریف (پیر جھنڈا) حیدرآباد، سندھ۔

## حضرت خواجہ قمرالدین سیالوی رحمہ اللہ کے چچا زاد بھائی میاں رب نواز کا خط:

مکرم ومحترم جناب مولانا محمد نافع صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ......مزاج بخیر!

مولوی عبدالرحمن صاحب کے ہاتھوں آپ کی مرسلہ کتاب موصول ہو کر موجب تشکر وامتنان ہوئی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ بجاہ حبیبہ صلی اللہ علیہ وسلم وبہ طفیل بزرگانِ دین متین رضوان اللہ علیہم اجمعین آپ کو صحت وعافیت کے ساتھ دین قیم کی مزید خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ واقعی نہایت ہی عمدہ اور خوشگوار انداز سے اصحاب کبار بالخصوص خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے باہمی محبت بھرے تعلق کو پرانی مستند کتاب سے ثابت کیا گیا ہے۔ اور کہیں بھی قول لَیِّنَ کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹنے پایا۔ یہ آپ کی ذاتی مہربانی اور آبائی تعلق کا اظہار ہے کہ مجھ کم استعداد بلکہ ہیچ مداں کو اپنی عالمانہ تالیفات سے نوازتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو دارین میں جزائے خیر سے بہرہ ور فرمائے، آمین۔ دعا گو! میاں رب نواز''

علاوہ ازیں مولانا اللہ یار خان چکڑالوی، علامہ دوست محمد قریشی، مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری، مولانا پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ اور دیگر جہابذہ روزگار اہل علم کے تاثرات وجذباتِ عقیدت مکتوبات کی جلد میں ملاحظہ کیے جاسکیں گے۔ ان تاثرات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ معاصرین کے ہاں مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی اس کتاب کی قدر و قیمت کیا تھی؟ اب مولانا مفتی تقی عثمانی مدظلہٗ کے اُن تبصروں کی ایک جھلک پیش کی جاتی ہے جو آپ نے اپنے ماہ نامہ ''البلاغ'' میں قلمبند کیے تھے۔ ایک ذی احترام، ذی علم وفہم اور جہاں دیدہ عالم دین کے قلم سے مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی کتب پر جامع جچی تلی اور دانش مندانہ رائے آپ رحمہ اللہ کی علمی ہیبت اور تحقیقی طمطراق کو سمجھنے میں بہت بڑی مدد دیتی ہے۔

## پہلی جلد پر تبصرہ (بہ قلم مولانا مفتی محمد تقی عثمانی):

قرآنِ کریم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اوصاف بیان کرتے ہوئے انہیں ''رحماء بینہم'' قرار دیا ہے یعنی وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت ورحمت کا برتاؤ رکھتے ہیں لیکن صحابہ کے مخالفین نے ان میں سے بعض حضرات کے درمیان ناخوشگوار تعلقات کی اس انداز سے تشہیر کی ہے کہ الامان! خاص طور سے خلفائے ثلاثہ اور حضراتِ اہل بیت کے تعلقات کو اس پروپیگنڈے کا ہدف بنایا گیا ہے اور یہ دکھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ (معاذ اللہ) یہ دو مخالف کیمپ تھے جن میں ہمیشہ نزاع وجدال کا بازار گرم رہا ہے۔ حضرت مولانا محمد نافع صاحب نے یہ کتاب اسی پروپیگنڈے کے جواب میں تحریر فرمائی ہے یہ کتاب کی پہلی جلد ہے جس میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کے باہمی تعلقات واضح کیے گئے ہیں۔

فاضل مصنف نے پہلے مثبت طور پر وہ روایات بڑی محنت سے یکجا کی ہیں جن سے حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرات اہل بیت کے خواشگوار تعلقات پر روشنی پڑتی ہے یہ روایات صرف اہل سنت ہی کی کتابوں سے نہیں لی گئیں بلکہ شیعہ حضرات کی مستند ترین کتابوں سے بھی ان کی بے شمار تائیدات جمع کی گئی ہیں۔ اس کے بعد فاضل مؤلف نے ناخوشگوار تعلقات کے ان قصوں کی حقیقت واضح فرمائی ہے جنہیں رائی کا پہاڑ بنا کر مشہور کر دیا گیا ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے مستند کتب احادیث وکتب تاریخ سے ثابت کیا ہے کہ باغ فدک کے مسئلہ میں حضرت فاطمہؓ اور حضرت صدیق اکبرؓ کے درمیان کوئی تکدر باقی نہیں رہا تھا۔ حضرت فاطمہؓ کی نماز جنازہ پر خود حضرت علیؓ نے باصرار صدیق اکبرؓ کو امام بنایا تھا۔ نیز حضرت علیؓ نے صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر چھ ماہ بعد نہیں بلکہ ابتداء ہی میں بیعت فرمائی تھی۔ ان تینوں باتوں کے برخلاف جو روایات کتب حدیث وتاریخ میں پائی جاتی ہیں فاضل مصنف نے ان کی تحقیق کا حق ادا کیا ہے اور غلط فہمی کے اصل منشاء کی ایسی نشاندہی کی ہے جس پر عقل اور دل دونوں مطمئن ہو جاتے ہیں۔

تیسرا باب ''حضرت علی مرتضیٰؓ کا امور مملکت میں صدیق اکبرؓ سے مکمل تعاون'' ہے اور چوتھا باب ''فضائل حضرت صدیق اکبر وعمر رضی اللہ عنہما حضرت علیؓ کی زبانی'' اور ان دونوں ابواب میں بھی فاضل مصنف نے بڑی تحقیق وجستجو سے موضوع کے متعلق واضح وروشن روایات جمع فرمائی ہیں جن سے صحابہ کرامؓ کی زندگی کا حقیقی رخ سامنے آتا ہے اور دل میں ایمان ویقین کا نور پیدا ہوتا ہے۔

بلاشبہ ''رحماء بینھم'' علم وتحقیق کے اعتبار سے انوکھی اور نہایت بلند پایہ کتاب ہے جس نے اس

موضوع پر ہمارے علمی وتحقیقی سرمایہ میں گراں قدر اضافہ کیا ہے۔ فاضل مؤلف کی نظر صرف سنی مآخذ ہی پر نہیں شیعہ مآخذ پر بھی نہایت وسیع وعمیق ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انداز بیان مناظرانہ نہیں دوستانہ اور مشفقانہ ہے۔ کاش کہ شیعہ حضرات اس کتاب کو ٹھنڈے دل کے ساتھ مطالعہ فرمائیں تو نہ جانے شکوک وشبہات کے کتنے کانٹے ان کے دل سے نکل جائیں ہم عام مسلمانوں سے بھی اس کے مطالعہ کی سفارش کرتے ہیں۔ ❶

## دوسری اور تیسری جلد پہ تبصرہ:

اس کتاب کی پہلی جلد پر تبصرہ ''البلاغ'' میں شائع ہو چکا ہے یہ دوسرا اور تیسرا حصہ ہے کتاب کا موضوع یہ ہے کہ حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے درمیان محبت ومودت اور اخلاص واخوت کا جو رشتہ تھا اس کو واضح کرنے والے واقعات جمع کیے جائیں اور خاص طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور خلفائے ثلاثہ کے باہمی تعلقات کو طرح طرح کی داستانوں کے ذریعے مکدر ثابت کرنے کی جو کوششیں کی گئی ہیں ان کا جواب دیا جائے۔ چنانچہ پہلی جلد میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرات اہل بیت کے باہمی تعلقات وروابط کو واضح فرمایا گیا ہے۔ دوسری جلد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کے اور تیسری جلد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کے تعلقات پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اس سلسلے میں جتنے شکوک وشبہات پیدا کیے گئے ہیں ان کا مدلل اور محققانہ جواب دیا گیا ہے۔ افسوس ہے کہ آج اس مسئلے میں شدید افراط وتفریط کا دور دورہ ہے۔ شیعیت اور ناصبیت کی کشمکش نے معتدل حقائق پر کذب وافتراء اور اشتعال کی غلیظ تہیں چڑھادی ہیں لیکن فاضل مؤلف نے محض اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہر موقع پر اعتدال اور علمی وقار کو پوری طرح برقرار رکھا ہے۔

یہ کتاب صرف اردو ہی میں منفرد نہیں بلکہ عربی لٹریچر میں بھی اس قسم کی کوئی مفصل کتاب احقر کے علم میں نہیں ہے اور واقعہ یہ ہے کہ فاضل مؤلف نے اس اچھوتے مگر ضروری موضوع پر تحقیق کا پورا حق ادا کیا ہے اور یہ کتاب لکھ کر تاریخ ومناظرے کے لٹریچر میں انتہائی گراں قدر اضافہ فرمایا ہے ہماری رائے میں کوئی بھی علم دوست آدمی اس کے مطالعے سے محروم نہ رہنا چاہیے۔ یہ بات اردو زبان اور اردو خواں حضرات کے لیے مایہ افتخار ہے کہ ایسی کتاب پہلی بار منظر عام پر آئی ہے۔ ❷

---

❶ مفتی محمد تقی عثمانی/ تبصرے، مطبوعہ مکتبہ معارف القرآن کراچی، صفحہ نمبر ۲۶۴۔

نوٹ: یہ تبصرہ ''البلاغ'' بابت ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ میں شائع ہوا تھا، جو بعد میں ''تبصرے'' کتاب میں چھپا۔

❷ محرم الحرام ۱۴۰۱ھ...... ماہنامہ البلاغ کراچی، از حضرت مولانا تقی عثمانی۔

## چوتھی جلد پر تبصرہ (بہ قلم مولانا مفتی محمد تقی عثمانی):

پہلے ہم یہ سپردِ تحریر کر آئے ہیں کہ ''مسئلہ اقرباء نوازی'' اگرچہ الگ سے مستقل تصنیف کی گئی تھی، مگر حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی ذات سے مذکورہ موضوع کی خاص الخواص نسبت کی بناء پر اسے ''رحماء بینہم'' کی چوتھی جلد قرار دیا گیا، چنانچہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا محمد نافع صاحب مدظلہم العالی ہمارے دور کے ان علماء میں سے ہیں جن پر اس ملک کو علم وتحقیق کے اعتبار سے فخر کرنا چاہیے۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے مطاعن کے جواب اور ان کے باہمی تعلقات پر ''رحماء بینھم'' کی متعدد جلدوں کا ذکر خیر ان صفحات میں پہلے آچکا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اپنے موضوع پر علم وتحقیق کا ایسا شاہکار ہے کہ صرف اردو ہی میں نہیں شاید عربی اور فارسی میں بھی اس پائے کی دوسری کتاب اس موضوع پر نہیں ملے گی۔

زیر نظر کتاب کو ''رحماء بینہم'' ہی کی چوتھی جلد کہنا چاہیے لیکن یہ پوری جلد چونکہ صرف ایک ہی مسئلے کی تحقیق کے لیے وقف ہے اس لیے اس کا مستقل نام رکھ دیا گیا ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے خلاف یہ اعتراض بڑے زور وشور کے ساتھ پھیلایا گیا ہے کہ انہوں نے اپنے دورِ حکومت میں اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے عہدے دیئے۔ اس اعتراض کی علمی تحقیق اس کتاب کا موضوع ہے اور حقیقت یہ ہے کہ فاضل مؤلف نے اس مسئلے کی تنقیح وتحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔

انہوں نے پہلے یہ بتایا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد میں کتنے عامل اور اونچے عہدہ دار تھے اور ان میں سے کتنے بنوامیہ سے تعلق رکھتے تھے؟ پھر یہ بتایا ہے کہ ان چند بنو اُمیہ کے حضرات کو کن حالات میں اور کیوں والی مقرر کیا گیا؟ اس کے بعد ان میں سے ایک ایک کے ذاتی حالات کی تحقیق کی ہے اور ان پر لگائے جانے والے الزامات کا محققانہ جائزہ لیا ہے جس سے ایک انصاف پسند انسان پر یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے ان عمال کا تقرر (معاذ اللہ) خویش پروری یا اقربا نوازی کی بنیاد پر نہیں تھا بلکہ ان کو خاص حالات میں ان کی صلاحیتوں کے پیش نظر مقرر کیا گیا تھا۔ اس فیصلے سے اگر بعض صحابہ کرام کو کوئی اختلاف ہوا تو وہ رائے کا اختلاف ہو سکتا ہے لیکن اس کو ''اقربا نوازی'' قرار دینا اس پروپیگنڈے کا شاخسانہ ہے جس کے ذریعے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم پر اتہام طرازی کو بعض حلقوں کی طرف سے مستقل مشن بنا لیا گیا تھا۔

بہر صورت! یہ اپنے موضوع پر نہایت بلند پایہ کتاب ہے اور معیارِ تحقیق کی بلندی کے ساتھ ساتھ دامن اعتدال کو کسی جگہ ہاتھ سے نہیں جانے دیا گیا آج کل جو لوگ ''دفاعِ صحابہ'' کے نام پر ناصبیت کے فروغ

میں مشغول ہیں یہ کتاب ان کے لیے بھی سرمہ بصیرت کی حیثیت رکھتی ہے۔ البتہ صفحہ ۱۰۰ پر محمد بن اسحاق کے سلسلہ میں جو تنقید نقل کی گئی ہے اور ان کے ناقابل اعتبار ہونے کی طرف جس طرح میلان ظاہر کیا گیا ہے وہ فاضل مصنف کی نظر ثانی کا مستحق ہے کیونکہ محدثین اور علمائے جرح وتعدیل کے تمام اقوال کو اگر سامنے رکھا جائے تو محمد بن اسحاق کے بارے میں معتدل بات وہی معلوم ہوتی ہے جو حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے فرمائی ہے کہ وہ رواۃِ حسان میں سے ہیں ان کا تفرد اور عنعنہ بے شک صحت کے اعلیٰ معیار پر نہیں پہنچتا۔ لیکن ان کی روایات کو بالکلیہ ردّ کرنے کے لیے بھی کافی معلوم نہیں ہوتا اور محدثین نے جس کثرت کے ساتھ ان کی روایات لی ہیں اور بالخصوص سیر ومغازی میں ان پر جس طرح انحصار کیا ہے اس کے پیش نظر ان کو بالکلیہ ساقط الاعتبار قرار دینا مبالغہ معلوم ہوتا ہے، واللہ سبحانہ اعلم۔

اس جزوی مشورے سے قطع نظر یہ کتاب اس عہد کی بہترین کتابوں میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ فاضل مؤلف کو اس کی تالیف پر جزائے خیر عطا فرمائیں۔ [1]

# قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ اور کتاب ''رحماء بینھم'':

دفاعِ صحابہ کے محاذ پر حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ اپنی نہایت حساس اور محتاط طبیعت کے پیش نظر آپ کسی سیاسی وسماجی تقاضوں کے پیش نظر بھی روافض سے گٹھ جوڑ برداشت نہیں کرتے تھے۔ بلکہ آپ پاکستان میں نظامِ اسلام کے نفاذ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہی اہل تشیع کو سمجھتے تھے۔ اس لیے مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی علمی خدمات اور دفاع اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کی قلمی جدوجہد کو بہ نظر تحسین دیکھتے تھے اور اپنے حلقہ اثر میں آنموصوف کا تعارف نہایت بلیغ اور محبت بھرے انداز میں کرواتے تھے۔ چنانچہ جن دنوں ''رحماء بینھم'' زیر تصنیف تھی۔ آپ رحمہ اللہ نے اپنی ضخیم اور معروف کتاب میں لکھا:

> ''دارالعلوم محمدی شریف ضلع جھنگ میں حضرت مولانا محمد نافع صاحب کی شخصیت اہل سنت کے لیے باعث افتخار ہے، جو سنی، شیعہ مسائل میں اچھی دسترس رکھتے ہیں اور اب ایک مفصل کتاب ''رحماء بینھم'' لکھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام علماء کی خدمات کو شرفِ قبولیت بخشیں۔'' [2]

---

[1] مشمولہ کتاب ''تبصرے''، صفحہ نمبر ۴۳۳، مطبوعہ کراچی۔

[2] مولانا قاضی مظہر حسین/ بشارت الدارین بالصبر علی شہادت الحسین رضی اللہ عنہ، طبع اول، محرم الحرام ۱۳۹۵ھ، ناشر تحریک خدام اہل سنت چکوال، صفحہ نمبر ۵۳۴۔

یہ اعتراف کمال اور ادب و تعظیم جانبین سے تھا، چنانچہ حضرت اقدس قاضی صاحب کی وفات کے بعد مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے اپنے جذبات کا یوں اظہار فرمایا تھا:

''قائد اہل سنت وکیل صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کے ساتھ پہلی ملاقات دیوبند کے صد سالہ اجلاس کے موقع پر ہوئی۔ اس کے بعد مختلف مسائل پر خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا۔ حضرت صاحب کو مسلکی تحفظ کی بڑی فکر تھی۔ آپ اس حوالہ سے عام و خاص سے باز پُرس کرتے تھے۔ میرے ساتھ تعلق کے ابتدائی زمانہ میں مجھ سے یزید کے حوالہ سے استفسار فرمایا تو میں نے عرض کی، میں الحمد اللہ اکابر علماء دیوبند کا مسلک رکھتا ہوں۔ حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ نے مسلکی تحفظ کے حوالہ سے بڑا کام کیا ہے اور اپنا موقف بڑی مضبوطی سے پیش کیا۔ خصوصاً ردّ شیعیت میں آپ کی خدمات بے مثال ہیں۔ اس سلسلہ میں آپ کا طرز عمل اعتدال پر مبنی تھا۔ سپاہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریق کار کے حوالہ سے میں حضرت کے موقف سے متفق رہا۔ آج آزادی کا دور ہے، ہر شخص سمجھتا ہے کہ میں صحیح سمجھتا ہوں، حالانکہ سلف کی اتباع بڑی چیز ہے۔ اسی پرکار بند رہ کر افراط و تفریط سے بچا جا سکتا ہے۔'' [1]

## ''رحماء بینھم'' کی تعریب اور بیروت سے اشاعت:

''رحماء بینھم'' کو دنیا بھر میں اللہ تعالیٰ نے جو شہرت عامہ دی، اس کا تقاضا تھا کہ اس کے مختلف زبانوں میں تراجم ہوں۔ چنانچہ پہلی فرصت میں اس کا عربی ترجمہ بیروت سے طبع ہوا جو مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی حیات میں ہی منظر عام پر آ گیا تھا۔ اس میں مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کی خواہش اور پوری نگرانی کا عمل دخل ہے۔ جیسا کہ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

''چونکہ میں ان کی کتاب ''رحماء بینھم'' سے بہت متاثر تھا اور میری نظر میں اس موضوع پر کسی بھی زبان میں ایسی جامع، معتدل اور موثر کتاب نہیں لکھی گئی۔ اس لیے میری خواہش تھی کہ اس کتاب کا دوسری زبانوں میں بھی ترجمہ ہو، لہٰذا میں نے اپنے ایک رفیق مولانا لقمان حکیم سے جو اس وقت دارالعلوم کراچی میں استاذ تھے، یہ درخواست کی کہ اس کا عربی میں ترجمہ کریں۔ چنانچہ الحمد للہ انہوں نے بڑی قابلیت کے ساتھ یہ خدمت انجام دی۔ میں چاہتا تھا کہ یہ کتاب عرب ممالک میں اچھے معیار پر شائع ہو اس کے لیے میں نے بحرین میں اپنے دوست شیخ نظام یعقوبی صاحب سے کتاب کی اہمیت کا ذکر کیا اور یہ درخواست کی کہ وہ اسے اپنے اہتمام میں بیروت سے شائع کرائیں۔ انہوں نے اسے بخوشی قبول کیا۔ اور میں نے اس کی اطلاع حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ کو بھی دے دی۔ جس سے حضرت مولانا بہت خوش ہوئے۔ افسوس کہ

---

[1] قائد اہل سنت نمبر، ماہ نامہ حق چار یار لاہور، مارچ اپریل ۲۰۰۵ء۔

وہاں اس کی طباعت اور اشاعت میں کافی دیر لگ گئی۔ یہاں تک کہ وہ صاحب فراش ہو گئے اور مجھ سے بار بار تقاضا فرماتے رہے کہ وہ جلد شائع ہو جائے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے چند سال پہلے وہ حضرت کی حیات ہی میں شائع ہو کر آ گئی، جس پر اُن سے بہت دعائیں ملیں [1]۔"

علاوہ ازیں فارسی زبان میں بھی اس کے ترجمے کی سرتوڑ کوششیں جاری ہیں، جس کی ایک کڑی آپ رحمہ اللہ کی ضخیم کتاب "فوائد نافعہ" کا فارسی ترجمہ ہے، جو حال ہی میں ایران سے شائع ہو کر آ گئی ہے، اور آئندہ سطور میں اس پر تبصرہ پیش خدمت کیا جا رہا ہے۔

## (۵) حدیث ثقلین (سن تکمیل مارچ ۱۹۶۳ء):

مولانا مرحوم کی یہ کتاب اردو زبان کی ایک منفرد اور بہترین کاوش ہے کتاب ہذا کا موضوع حضرت مولانا موصوف نے ابتداء میں یوں تحریر فرمایا:

> "جن لوگوں کو آنحضرت سرور کائنات ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے نفرت اور حضور ﷺ کی آل واولاد کے ساتھ دعویٰ محبت ہے وہ اس محبت کے دعویٰ میں حد سے متجاوز ہو چکے ہیں ان کے ہاں جیسے قرآنِ مجید کتاب اللہ کی اطاعت اور تابع داری علی الاطلاق واجب ہے۔ اسی طرح اہل بیت نبی وعترت رسول ﷺ کی اطاعت بھی مطلقاً فرض اور لازم ہے جیسے کتاب اللہ کے فرامین کو نہ ماننا انکارِ قرآن ہے۔ ان کے ہاں اسی طرح عترت رسول ﷺ کے قولی وعملی فرمودات کو تسلیم نہ کرنا خدا اور رسول اللہ ﷺ کا انکار ہے۔ حاصل یہ ہے کہ وجوب تمسک اور وجوب اطاعت کے اعتبار اور حجت شرعی ہونے کے لحاظ سے عترت رسول میں اور کتاب اللہ میں ان کے ہاں کوئی فرق نہیں۔"

یہ مسئلہ ان کے نزدیک مسلمہ ہے، اس پر خاص کسی کتاب سے حوالہ پیش کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ اگر مزید تسلی مقصود ہو تو تفسیر مجمع البیان ابوعلی طبرسی ص: ۲۶۹ تحت آیت اولی الامر منکم ملاحظہ کیجیے۔ ہمارے اہل سنت والجماعت (جمہور علماء) کے نزدیک علی الاطلاق اطاعت صرف کتاب اللہ وسنت رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی لازم اور واجب ہے۔ مستقل اطاعت اللہ جل مجدہ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ضروری ہے۔ ان ہر دو کے ماسوا جن جن لوگوں کی تابع داری لازم اور ضروری ہے وہ کتاب وسنت کے فرمان کے تحت ہے۔ مستقل طور پر واجب نہیں۔ مسلمان حاکم کی اطاعت ہو یا والدین کی تابع داری، اکابر امت اور علمائے دین کی پیروی ہو یا بزرگانِ اہل بیت کی فرماں برداری، یہ سب اطاعتیں کتاب وسنت کی اطاعت کے تابع رہیں گے۔ ان کی اطاعت معروف (اچھے) امر میں ہوگی۔ غیر معروف یا کتاب وسنت کی مخالفت میں

---

[1] مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، ماہ نامہ "البلاغ" (اداریہ) کراچی، اپریل ۲۰۱۵ء۔

ان کی اطاعت ہرگز جائز نہیں چہ جائیکہ لازم ہو۔ فریقین میں قواعد وضوابط کے اعتبار سے یہ ایک اصولی فرق اور امتیاز ہمیشہ سے قائم ہے۔ پھر ہر ایک فریق نے اپنے اپنے مقرر کردہ اصول اور ضابطہ کو مدلل کرنے کے لیے بے شمار تحریرات لکھی ہیں بعونہ تعالیٰ ہم بھی ارادہ رکھتے ہیں کہ فریقین کے ان ہر دو مجوزہ اصول کو مع استدلال سامنے لاکر واضح کریں کہ کون حق سے زیادہ قریب ہے۔'' ❶

کتاب ''حدیث ثقلین'' کی اسانید وغیرہ کی ترتیب وتحقیق تو مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے نومبر ۱۹۵۸ء میں شروع کردی تھی۔ تاہم باقاعدہ املاء اس کے چند ماہ بعد کی جیسا کہ اپنے روزنامچہ میں لکھتے ہیں:

''آج تحقیق ''اسانید ثقلین'' کا کام بعون اللہ تعالیٰ شروع کیا گیا ہے، مولوی حبیب اللہ صاحب کام میں امداد کررہے ہیں۔ ۲۳ اسانید تاحال جمع ہوئے ہیں، جن کے رواۃ کی تلاش جاری ہے۔'' ❷

باوجودیکہ آپ کو کتابیں جمع کرنے کا بے حد شوق تھا، جیسا کہ ذاتی اور جامعہ محمدی شریف کا کتب خانہ شاہد ہے، بایں ہمہ آپ ایک ایک کتاب کو دیکھنے اور پڑھنے کے لیے دور دراز کے اسفار کرتے تھے۔ آج کی جدید سہولیات میسر نہ ہونے کی وجہ سے آپ کو بعض اوقات شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا، مگر علم وتحقیق سے وارفتگی وشیفتگی اس درجہ کی تھی کہ آپ اس رستے میں حائل ہر سنگ گراں کو رستے سے ہٹاتے چلے جاتے تھے ایک سند کی تحقیق کرنے آپ پیر جھنڈا کے کتب خانہ سندھ بھی گئے تھے، جیسا کہ خود لکھتے ہیں:

''روانگی پیر جھنڈا سندھ۔ حضرت حاجی حافظ مولانا محب اللہ شاہ صاحب، سجادہ نشین پیر جھنڈا۔ موصوف اہل حدیث مسلک سے تعلق رکھتے ہیں، شریف آدمی ہیں اور متعصب نہیں ہیں۔ یہاں کتب خانہ میں نہایت نایاب کتب موجود ہیں مگر افسوس کہ تمام کی تدوین وترتیب نہیں کروائی گئی، بہت سی نادر کتب ایسے ہی بے ترتیب اِدھر اُدھر پڑی ہیں، ان کا کوئی علم نہیں ہوسکتا۔'' ❸

اسی طرح اپنے ہم درس اور دارالعلوم دیوبند میں شریک دورۂ حدیث شیخ المشائخ حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمہ اللہ کو خط لکھا کہ اپنے کتب خانہ سے فلاں فلاں روایت کی سند تلاش کردیں، آپ لکھتے ہیں:

''مولانا خان محمد صاحب کھولہ، کندیاں میانوالی کو لکھا گیا ہے کہ ''تاریخ ابن عساکر'' اور ''اسد الغابہ'' سے روایت ثقلین اور ''درمنثور سیوطی رحمہ اللہ سے یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک۔ اور الیوم اکملت لکم دینکم کے تحت ابن عساکر کی روایات اور ''یا علی انت اخی ووارثی ووصیتی'' کی روایت اسناد کے ساتھ تلاش کردیں۔'' ❹

---

❶ حدیث ثقلین، ص ۲۹، ۳۰۔ مطبوعہ تخلیقات لاہور

❷ ذاتی ڈائری، ۲۲ فروری ۱۹۵۹ء بمطابق ۱۳ شعبان ۱۳۷۸ھ۔

❸ ذاتی ڈائری، ۲۱ اگست ۱۹۵۸ء بمطابق ۵ صفر ۱۳۷۸ھ۔

❹ ذاتی ڈائری، ۱۳ اکتوبر ۱۹۵۹ء بمطابق ۲۹ ربیع الاوّل ۱۳۷۹ھ۔

حتی کہ ۱۹۶۱ء میں جب آپ رحمہ اللہ سفرِ حج پر تشریف لے گئے تو وہاں بھی دور دور کے کتب خانوں باقاعدہ قرض لے کر کتابیں خریدیں اور بعض نایاب کتب کے حوالہ جات اپنی کاپی پہ درج کیے۔ چنانچہ رقمطراز ہیں:

”الیوم مکتبۃ الحرم میں پھر جانا ہوا، مشارق الانوار از ابوالفضل قاضی عیاض بن موسیٰ کو دیکھا گیا ہے، ایک جلد میں ہے مگر ترتیب حروفِ تہجی سے قائم کی گئی ہے۔ مجھے ثقلین کی روایات مسلم وموطا امام مالک کی ضرورت ہے، وہ تاحال نہیں مل سکیں، شاید کچھ اور ٹائم صَرف کیا جائے تو مل سکے۔“

نوٹ:...... بعد میں تلاش سے وہ ”ثقلین“ والا مقام مل گیا ہے۔ الحمد للہ، الحمد للہ۔“ ❶

اور مدینہ منورہ میں حاضری کے بعد اپنے روزنامچہ میں لکھتے ہیں:

”آج مدینہ منورہ میں مکتبہ شیخ الاسلام میں صحیح مسلم کی ایک شرح للسیوطی قلمی دیکھی ہے، یہ بالکل منفرد شرح ہے۔ نووی اور مشارق الانوار کا خلاصہ سمجھئے۔ دوسری شرح مسلم ”اکمال الاکمال“ مطبوعہ ہے۔ یہ دو شرحیں یکجا طبع شدہ ہیں اور عمدہ شروح ہیں۔ لیکن روایت ثقلین کی بحث میں قابلِ نقل ولائق اخذ بات نہ مل سکی (ترجیع) البتہ مسند الفردوس دیلمی کی روایات کا نمونہ دیکھنا مطلوب ہو تو اللآلی المصنوعہ یا ذیل الآلی المصنوعہ کو دیکھ لیا جائے۔ اس میں بہت سی روایات دیلمی سے منقول ہوتی ہیں۔ ❷

## سلطان العلماء علامہ ڈاکٹر خالد محمود کی تقریظ:

علامہ صاحب اور مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے مابین خوشگوار تعلقات ہمیشہ سے رہے ہیں۔ اور آپ نے اپنی کتب پر تقریظ ومقدمہ کے لیے آپ کا انتخاب فرمایا، ہمارے قارئین ڈائریوں کے مطالعہ سے ان دو حضرات کے باہمی تعلق، قربت اور مشترکہ دینی جدوجہد کا صحیح اندازہ لگا سکیں گے۔ زیرِ تبصرہ کتاب پر بھی حضرت علامہ صاحب نے جو مقدمہ لکھا ہے، وہ گویا پوری کتاب کی ہر اک بحث کا الگ تعارف وخلاصہ ہے۔ چنانچہ آپ رقمطراز ہیں:

”اہل سنت کے ہاں عترتِ اہل بیت واجب المحبت ہے نہ کہ واجب التمسک، ان کی فضیلت تمام اہل بیت کو شامل ہے نہ کہ صرف بارہ افراد تک محدود! کتاب اللہ کے ساتھ ثقل ثانی سنت رسول ﷺ ہے، اہل بیت کے حقوق کا احترام ایک تیسرا مسئلہ ہے۔ یہ حضرات قرآن کے ساتھ ثقلین اور لن یفترقا کے الفاظ میں صراحت سے کسی صحیح روایت میں یکجا نہیں۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے خم غدیر کے مقام پر ارشاد فرمایا:

---

❶ ذاتی ڈائری، ۱۷ جون ۱۹۶۱ء بمطابق ۳ محرم الحرام ۱۳۸۱۔

❷ ذاتی ڈائری، ۵ جولائی ۱۹۶۱ء بمطابق ۲۱ محرم الحرام ۱۳۸۱ھ۔

"اهل بيتي اذكركم الله في اهل بيتي اذكركم الله والله في اهل بيتي اذكركم الله في اهل بيتي."❶

"میرے اہل بیت۔ میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں خدا کی یاد دلاتا ہوں۔ اپنے اہل بیت کے متعلق خدا کی یاد دلاتا ہوں۔ اپنے اہل بیت کے بارے میں خدا کی یاد دلاتا ہوں۔"

حضرت زید رضی اللہ عنہ سے جب پوچھا گیا کہ یہاں کون سے اہل بیت مراد ہیں؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

آل علي وآل عقيل وآل جعفر وآل عباس.❷

"ابوطالب کے تینوں بیٹوں: علی، عقیل، جعفر اور حضرت عباس رضی اللہ عنہم کی ساری اولاد۔"

اس روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اہل بیت کے حقوق پورے کرنے کی تعلیم فرما رہے ہیں، انہیں واجب التمسک قرار نہیں دے رہے۔ اور راویٔ حدیث حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ اس فضیلت کو صرف بارہ افراد تک محدود نہیں سمجھ رہے ہیں بلکہ کل اہل بیت کو جن پر صدقہ حرام ہے۔ اس فضیلت کا مصداق بتلا رہے ہیں جن میں کل عباسی حضرات بھی شامل ہیں، ماقبل کے اعتبار سے یہاں اہل بیت کے لیے ثقل ثانی کی تعبیر صریح نہیں بلکہ حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کبرسنی کی بناء پر ثقل ثانی (سنت) کا بیان رہ گیا، معلوم ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعد میں قرآن اور اہل بیت لن یفترقا جیسے الفاظ میں یکجا مذکور نہیں۔ اس سے حضرت زید رضی اللہ عنہ پر کوئی حرف نہیں آتا۔ کیونکہ وہ اس روایت سے پہلے اپنے بڑھاپے کی معذوری بیان کرتے ہوئے صاف فرما چکے تھے کہ اگر کسی جزء کو میں بھول جاؤں تو مجھے اس بیان کا مکلف نہ کرنا۔❸ اس روایت کے شروع میں جو اهل بيتي کے الفاظ ہیں وہ امام بیہقی رحمہ اللہ کی نقل کے مطابق موجود نہیں۔❹ پیش نظر رہے کہ یہ اس روایت کی تضعیف نہیں، تنقیح ہے۔ حدیث ثقلین کی ایک بھی ایسی صحیح سند موجود نہیں جس میں

۱: ثقل ثانی صحیح طور پر اہل بیت ہوں۔

۲: ہر دو ثقلین (قرآن اور اہل بیت) واجب التمسک ہوں اور

۳: اہل بیت سے خاندانِ رسالت کے صرف بارہ افراد ہی مراد ہوں۔

امامی حضرات ان تینوں صورتوں کے ساتھ حدیث ثقلین پیش کرتے ہیں اور نہ صرف اسے صحیح کہتے ہیں بلکہ اس کے متواتر ہونے کے مدعی ہیں اور چونکہ اسی ایک روایت پر ان کے عقیدۂ امامت کی بناء ہے۔

---

❶ مسلم، جلد دوم، ص ۲۷۹، مسند احمد، جلد ۴، ص ۳۶۷، دارمی، ص ۴۲۴۔
❷ ایضاً۔
❸ صحیح مسلم، جلد ۲، ص ۲۷۹۔
❹ سنن کبریٰ، جلد ۱۰، ص ۱۱۴۔

کیونکہ حدیث ولایت من کنت مولاہ فعلی مولاہ مدتوں سے عقائد کے باب میں بے اصل ثابت ہو چکی ہے۔ صرف فضائل میں کہیں کہیں مل جاتی ہے کیونکہ اس باب میں صحیح وسقیم کے امتیاز کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی۔ گو اس روایت کے صحیح ہونے کی صورت میں بھی حضرات امامیہ کے فرضی عقیدۂ امامت ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ''احتجاج طبرسی'' میں اس کے ساتھ نام بنام اماموں کا ایک پورا جزو بڑھا دیا ہے۔ تاہم یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے پہلے نامکمل جزو کا بھی ایک تنقیدی جائزہ لیا جائے اور دیکھا جائے کہ حدیث ثقلین امامی حضرات کی مذکورہ تین صورتوں کے ساتھ کسی بھی صحیح اسناد سے ثابت ہے؟ خدا کا شکر ہے کہ جامع کمالاتِ علمیہ وعملیہ حضرت مولانا محمد نافع صاحب دامت برکاتہم نے جہدِ بلیغ فرما کر اس روایت کی پوری تحقیق فرمائی ہے اور اس کے جتنے اسناد میسر آسکے، ان کا پوری طرح محاسبہ کیا ہے۔ فجزاہ اللہ عنا وعن سائر المسلمین احسن الجزاء۔ ❶

## کتاب ''حدیث ثقلین'' اور شیعہ علماء کی حواس باختگی:

شیعہ علماء اگر سنجیدگی وتہذیب کے ساتھ سایہ علم میں اپنے خیالات کا اظہار کریں تو ظاہر ہے کہ ان سے یہ حق چھینا نہیں جاسکتا، مگر اس طبقہ کی اکثر اور ہمیشہ سے یہ عادت رہی ہے کہ اُمت کی پہلی، مقدس اور پاکیزہ جماعت سے لے کر اب تک کے مومنین وصالحین کے کردارکشی ان کا وطیرۂ مذہب رہا ہے۔ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے دفاعِ صحابہ واہل بیت پر جتنی بھی کتابیں لکھی ہیں، ان میں سے کسی ایک کا جواب بھی شیعوں کو لکھنے کی ہمت نہ ہوسکی۔ البتہ یاوہ گوئی اور ژاژخائی کا کوئی موقع یہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ کتاب ''حدیث ثقلین'' کے متعلق ایک شیعہ معاصر نے ہمارے ساتھ جاری ایک تحریری مباحثہ میں تاریخی جھوٹ بولا ہے، جس کا جواب ہم نے ''ماہ نامہ حق چار یار'' لاہور میں دے دیا تھا۔ ''حدیث ثقلین'' کتاب پر تبصرہ میں مناسب ہے کہ وہ بحث یہاں بھی درج کر دی جائے۔ شیعہ مصنف آفتاب حسین جوادی صاحب کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے ساتھ ملاقات کی تھی، اب ملاقات کی طوطا کہانی جو انہوں نے اپنے اجہل حواریوں کے لیے قلم بند کی، وہ مع ہمارے تبصرہ کے ملاحظہ فرمائیں۔ لکھتے ہیں:

''راقم السطور کو شوال المکرم ۱۴۲۶ھ بمطابق نومبر ۲۰۰۵ء میں کسی پروگرام کے سلسلے میں جھنگ جانا ہوا، تو واپسی پر مولانا محمد نافع صاحب کو ملنے کے لیے محمدی شریف گیا، وہاں ان سے طویل ملاقات کا سلسلہ جاری رہا، دورانِ گفتگو میں نے حدیث ثقلین کی اسناد کے بارے میں دریافت کیا اور ان کی کتاب ''حدیث

❶ علامہ خالد محمود، مقدمہ بر کتاب ''حدیث ثقلین'' مصنفہ مولانا محمد نافع۔

ثقلین‘‘ کی تردید میں لکھی گئی کتب کے بارے میں بھی بات چیت ہوئی تو انہوں نے جواب دیتے ہوئے فوراً کہا کہ میں نے اس حدیث کی صحت سے کلی طور پر انکار نہیں کیا کیونکہ اس کی بعض اسناد صحیح ہیں، میں نے اسی کتاب کے صفحہ ۳۵ کے حاشیہ پر اس کا اعتراف کرلیا ہے چنانچہ میں نے فوراً کتاب اٹھائی جو ان کی ٹیبل پر پڑی تھی اور اس کا محولہ بالا صفحہ دیکھا تو اس کے حاشیہ نمبر ا پر یہ عبارت موجود تھی جو میں نے وہیں پڑھ کر سنا دی وہ عبارت یہ ہے:

’’رسالہ ہٰذا ملاحظہ کرنے سے معلوم ہوسکے گا کہ کس کس روایت کے اسناد کو صحیح تسلیم کیا ہے۔ مثلاً مسند احمد کی روایت ہشتم اور مسند دارمی کی روایت وصحیح مسلم کی روایت وغیرہ وغیرہ کی صحت اسناد کو درست کہا ہے اور صرف ان کے متنوں کے مطالب سے بحث کی گئی ہے، بنابریں مؤلف رسالہ ہٰذا کے حق میں یہ کہنا غلط ہوگا کہ اس نے ’’روایت ثقلین‘ کے تمام اسناد پر جرح کر کے انہیں ردّ کر دیا ہے۔‘‘ (حدیث ثقلین، صفحہ نمبر ۳۵، حاشیہ نمبر ا، ناشر تخلیقات لاہور)

تو میں نے مولانا موصوف سے کہا کہ ایسی کوئی حدیث آپ کو کتب حدیث میں دکھائی نہیں دے گی کہ جس کے سلسلہ طرق اسانید میں کوئی ایک سلسلہ سند ضعیف نہ ہو۔ اگر اس اصول کو تسلیم کرلیا جائے تو ایسی تمام احادیث کی بعض اسناد پر جرح وتنقید کر کے ایک مستقل کتاب لکھی جاسکتی ہے، جس طرح آپ کی یہ کتاب (حدیث ثقلین) ہے لہٰذا جب آپ نے حدیث ثقلین کے بعض طرق کی صحت کو تسلیم کرلیا ہے تو حدیث کے اصول وقواعد کے تحت آپ کی یہ کتاب کالعدم ہے، کہنے لگے واقعی یہ کتاب اب شائع کرنے کے قابل نہیں ہے، اس سے آپ اندازہ لگالیں کہ یہ لوگ مذہبی تعصب میں اس حد تک پہنچ چکے ہیں کہ دن دیہاڑے چمکتے ہوئے سورج کا انکار کرنے لگے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں نے روشن حقائق سے انکار کرتے ہوئے عوام کو حق سے کوسوں دور کردیا، اور اب بھی حق کے خلاف برسر پیکار ہیں، سلفی صاحب جیسے لوگ انہیں ’’امام اہل سنت‘‘ اور نہ جانے کیا کیا القابات سے نوازتے ہیں، ان کی اندھی تقلید میں خود بھی اور دوسروں کو بھی گمراہ کررہے ہیں۔ [1]

قارئین کرام! ہم نے جوادی صاحب کے اس ڈھکوسلے کی فوٹو کاپی محقق زماں، فخر اہل سنت حضرت مولانا محمد نافع صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی خدمت عالی میں ارسال کردی، ہمارا خیال تھا کہ حضرت دامت فیوضہم پیرانہ سالی، نقاہت اور علالت کے پیش نظر جواب نہ دے سکیں گے اور نہ ہی یہ ڈھکوسلہ قابل جواب یا قابل توضیح تھا، صرف حضرت والا کے ریکارڈ میں یہ شیعی بے پر کی پہنچانی مقصود تھی، مگر

[1] آفتاب حسین جوادی، ماہ نامہ ’’افکار العارف‘‘ لاہور بابت نومبر ۲۰۱۴ء، صفحہ نمبر ۴۹۔

حضرت دامت برکاتہم نے کمال شفقت اور مذہبی تصلب نیز اظہارِ صداقت کے پیشِ نظر ہمیں جوابی مکتوب ارسال فرما دیا، آپ کا یہ خط قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

## مکتوب مولانا محمد نافع رحمہ اللہ بنام مصنف:

باسمہٖ تعالیٰ

جناب حضرت مولانا عبدالجبار سلفی صاحب زید علمک

السلام علیکم! مزاج بخیر!

تسلیماتِ مسنونہ کے بعد گزارش ہے کہ آپ کا مرسلہ خط موصول ہوا، یاد آوری کا شکریہ۔

بندہ اس وقت سابقہ حالت میں علیل اور صاحب فراش ہے، کسی تحریر یا مطالعہ سے قاصر ہے، اس لیے اب تفصیلی جواب میں تو دخل دینا مشکل ہے، آفتاب صاحب نے جو میری ملاقات کا ذکر کیا ہے، میری ڈائری میں مورخہ ۵ نومبر ۲۰۰۵ء کے صفحہ پر آفتاب احمد نامی ایک شخص کا ذکر موجود ہے، جس نے خود کو ہائی سکول چکوالیاں (چکوال) کا ماسٹر اور رہائشی قرار دیا ہے۔ وہ ملاقات کے لیے آیا ہے اس کے ساتھ حدیث ثقلین کے بارے میں کوئی گفتگو نہیں ہوئی، جو کچھ اس نے اپنے مضمون میں ذکر کیا ہے وہ کذب بیانی ہے اور شیعہ لوگوں کی عادت ہے کہ وہ کذب بیانی سے باز نہیں آتے اور نہ اس کو برا سمجھتے ہیں۔ میری کتاب ''حدیث ثقلین'' کو بحمد اللہ تعالیٰ کبار علماء نے بے حد پسند فرمایا اور اس کی بھرپور تائید کی ہے۔

مختصر گزارش ہے کہ آپ اگر محسوس نہ فرمائیں تو میرے دفاع کی تکلیف نہ فرمائیں، میرے ان مخالفین کی مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے، دفاعِ صحابہ، اہل بیت و ازواجِ رسول اور دفاعِ بنات رسول ﷺ میری عزت ونجات کے لیے کافی شافی ہے۔ بہر کیف بہت بہت شکریہ۔

خاتمہ بالخیر کی دعا فرماتے رہیں۔ والسلام مع الاحترام۔

ناچیز محمد نافع عفا اللہ عنہ ۲۰۱۴ء۔۱۱۔۹

## تبصرہ:

جوادی صاحب نے جس ''خشوع وخضوع'' کے ساتھ دن دیہاڑے جھوٹ بول کر چمکتے سورج کا انکار کیا ہے، یہ ان کی رسوائی کے لیے کافی ہے، اہل سنت والجماعت کے ایک قابل فخر محقق جو اپنی محتاط طبیعت، زہد و ورع اور علم و دانش میں مثالِ روزگار ہیں، ان سے ملاقات کے دوران ایک جھوٹی روداد قلم بند کر کے جوادی صاحب نے اپنے ماتمی طبقہ میں اپنا ریٹ بڑھانے کی کوشش کی ہے جو ناکام ثابت ہوئی۔ اندازہ کیجیے کہ اس

خدشے کے باوجود کہ متعلقہ شخصیت جس سے بات منسوب کی جارہی ہے، وہ موجود ہیں اور اصل حقیقت سے مطلع کر سکتے ہیں، اس کے باوجود بھی ان سے جھوٹ منسوب کرنے میں کوئی عار نہیں سمجھتے تو صدیوں پہلے کے مباحث میں یہ لوگ کتنی دھاندلی کے مرتکب ہوتے ہوں گے؟ اس وقت ہمارا مقصد مولانا محمد نافع صاحب کی کتاب ''حدیث ثقلین'' پر تبصرہ نہیں ہے اور نہ ہی ہم جیسے طلبہ اس قابل ہیں کہ مولانا محمد نافع کے جبالِ علم کی چوٹی دیکھتے دیکھتے اپنی ٹوپیاں گم کر بیٹھیں۔ ہمیں جوادی صاحب کی کذب بیانی پر بھی زیادہ حیرت نہیں ہوتی کیونکہ اس ''فن'' سے تو ان کے بزرگوں کی کتابوں کی کتابیں بھری پڑی ہیں، جھوٹ ان کے ہاں کوئی معیوب چیز نہیں ہے۔ تاہم اپنے پڑھنے والوں کی خدمت میں عرض ہے کہ جوادی صاحب قطعاً اس قابل نہیں ہیں کہ وہ کسی سنی عالم کے سامنے جا کر کوئی علمی بات کہہ سکیں۔ یہ جہاں بھی جاتے ہیں اپنا نام بدل کر جاتے ہیں، انہوں نے کس کس کے پاس جا کر اپنے کیا کیا نام بدلے؟ اور کون کون سے اپنے پیشے بتلائے یہ ضرورت پڑنے پر ہم بتادیں گے، سردست گزارش ہے کہ مولانا محمد نافع صاحب سے منسوب ان کا یہ کہنا کہ ''واقعی اب یہ کتاب شائع کرنے کے قابل نہیں ہے'' ایک تاریخی بددیانتی، فریب اور خیانت ہے۔ اس شیعی طرم خان کو کون بتائے کہ ۱۹۶۳ء سے لے کر اب تک اس کتاب کے درجنوں ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ سلطان العلماء علامہ ڈاکٹر خالد محمود، مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ اور امام پاکستان مولانا احمد شاہ چوکیروی رحمہ اللہ جیسے علماء کی تصدیقات اس میں شامل ہیں اور ۲۰۰۵ء کے بعد اب تک دس ہزار کے قریب یہ چھپ کر منظر عام پر آچکی ہے۔ فروری ۲۰۱۳ء میں راقم الحروف کو مدینہ منورہ میں ایک ایرانی سنی عالم مولانا احمد سلطان زاہدانی نے بتایا تھا کہ مولانا محمد نافع مدظلہ کی دو کتب ''حدیث ثقلین'' اور ''بناتِ اربعہ'' ہم فارسی میں ترجمہ کر رہے ہیں جو عنقریب منصۂ شہود پر ہوں گی [1]۔ رحماء بینھم کے عربی ترجمہ کے متعلق ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں جو بیروت سے شائع ہو چکی ہے۔ الحمد للہ علی ذالک۔ اس کتاب (حدیثِ ثقلین) کا بزعم خود جواب جوادی صاحب کے پیر مغاں جناب مولانا محمد حسین صاحب ڈھکو نے ''تحقیقات الفریقین'' کے نام سے دیا تھا، جسے خود شیعہ علماء بھی پڑھنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ کہاں حدیث ثقلین کی علمیت اور کہاں ''تحقیقات الفریقین'' کی بغض افشانی! باقی مماتی علماء میں سے مولانا سیّد لعل شاہ صاحب وغیرہ نے جو تنقیدی تبصرے لکھے ہیں، وہ ہمارے دیکھے ہوئے ہیں اور سنی علماء نے وہ معیارِ تحقیق سے گرے قرار دیئے ہیں۔ دراصل مولانا محمد نافع صاحب مدظلہ نے تو اس حدیث کے تمام طرق زیر بحث لا کر شیعوں کے عقیدۂ امامت کی تردید کی ہے اور ایسی

---

[1] جیسا کہ ''فوائد نافعہ'' کا فارسی ترجمہ ایران سے چھپ گیا ہے۔

تردید کی ہے کہ آج تک یہ اس کا سنجیدہ جواب پیش نہ کر سکے۔ اب بے چارے جوادی صاحب فرضی داستانوں اور ملاوٹی روداد وں کے ذریعہ اپنے بزرگوں کی روحوں کو تبرید کرنے کی سعی لاحاصل کر رہے ہیں اور بھولے بھولے شیعوں میں بڑھکیں لگا رہے ہیں۔ ❶

## مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی کاری ضرب اور روافض کا ذہنی کرب!

مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کا راقم الحروف کے نام خط اور اس پر مندرجہ بالا تبصرہ جب شائع ہوا تو شیعہ مذہب کے مذکورہ ترجمان کے چھکے چھوٹ گئے۔ چنانچہ انہوں نے بجائے شرمسار ہونے کے ''کھسیانی بلی کھمبا نوچے'' کے مصداق حسب عادت اپنے تراشیدہ افسانے پر مزید مصالحہ لگا کر یوں ہرزہ سرائی کر ڈالی:

''مولانا نافع کا دنیا سے جاتے ہوئے سفید جھوٹ اور سلفی کی تضاد بیانی، انسان جب قریب الرگ ہوتا ہے تو وہ اپنے گزشتہ اور آئندہ ہر قسم کے گناہ سے بارگاہِ رب کائنات میں بخشش کا خواستگار ہوتا ہے، لیکن وہ شخص کتنا بدنصیب ہے جو زیست کے آخری لمحات میں بھی بجائے توبہ، تائب ہونے کے مسلسل گناہوں میں اضافہ کرتا چلا جائے۔ انہی افراد میں سے ایک مولانا محمد نافع صاحب بھی ہیں جو ابھی وفات پا گئے ہیں، موصوف نے بستر مرگ پر بھی جھوٹ بولنے سے اجتناب نہیں فرمایا، سلفی صاحب ہمیشہ کہانیاں گھڑنے کے عادی ہیں، حیرت واستعجاب کی بات ہے کہ انہوں نے کبھی ہماری علمی تحقیق کا جواب دینا تو درکنار، اس کا اشارا تک نہیں کرتے، ان کی تحریروں میں کذبِ محض، تضاد بیانی اور اصل بحث سے فرار جبکہ غیر متعلقہ، لایعنی بحثوں میں الجھنا نمایاں نظر آتا ہے۔'' ❷

### تبصرہ:

لگتا ہے جوادی صاحب سے سہو قلم ہو گیا ہے اور وہ اپنی باتوں کو ''دجل وتلبیس'' لکھنے کی جگہ ''علم وتحقیق'' لکھ گئے ہیں کیونکہ علم وتحقیق کی ہوا تو ان کے بڑوں کو بھی نہیں لگ سکی، یہی وجہ ہے کہ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی تحقیق اور علم افروزی نے ان کی آنتوں میں بل ڈال رکھے ہیں اور سب کس بل نکال دیئے ہیں۔ جوادی صاحب نے اپنے تبرانامہ میں ''حدیث ثقلین'' کے حوالہ سے جو اپنی نام نہاد تحقیق پیش کی ہے، اس پر تبصرہ تو اپنے مقام پر آئے گا، یہاں مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی دیانت اور اخلاق کے حوالہ سے عرض ہے کہ جس شخصیت پر آپ اپنا بغض مادری نکال رہے ہیں، اس شخصیت کے علم وکمال اور اخلاق ودیانت کا اعتراف جناب جوادی صاحب کے ممدوح اور معروف شیعہ مناظر مولانا محمد اسمٰعیل گوجروی آج سے چالیس سال پہلے کر گئے ہیں۔

---

❶ عبدالجبار سلفی، ماہ نامہ حق چار یار، جنوری ۲۰۱۵ء، صفحہ نمبر ۲۵۔

نوٹ:...... یہ قسط وار جوابی مضمون ہے جو تادم سطور جاری ہے اور اب تک اس کی ۳۰ قسطیں شائع ہو چکی ہیں۔

❷ ماہ نامہ ''دقائق اسلام'' سرگودھا صفحہ نمبر ۲۶، ۲۷، فروری ۲۰۱۵ء۔

## مولانا محمد اسمٰعیل گوجروی کے تین خطوط بنام مولانا محمد نافع اور ان کا پس منظر:

قارئین کرام!

فیصل آباد کے کسی علاقہ میں ایک دوکان پر مولانا محمد اسمٰعیل گوجروی اپنی مملوکہ ایک کتاب ''قطبی'' بھول گئے تھے، وہ کتاب حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے شاگرد کے ہاتھ لگ گئی، اس نے مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی خدمت میں کتاب ارسال کرتے ہوئے لکھا کہ یہ کتاب کوئی عالم یہاں چھوڑ گئے ہیں، ہم نے دور سے مولانا اسمٰعیل گوجروی کو بس پہ چڑھتے ہوئے دیکھا ہے ممکن ہے کہ ان کی ہو۔ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے یہ کتاب مولانا محمد اسمٰعیل گوجروی کو بذریعہ ڈاک ارسال کردی۔ جس شاگرد کو یہ کتاب ملی تھی، اس کا اور بعدازاں مولانا محمد اسمٰعیل گوجروی کے تین خطوط ملاحظہ فرمائیں۔

''مکرم ومحترم جناب استاذی المکرم حضرت مولانا محمد نافع صاحب سلام مسنون! مزاج اقدس، خیریت موجود، عافیت مطلوب۔ حامل رقعہ ہذا کے ذریعہ کتاب قطبی ارسال ہے، یہ اڈہ لاریاں بولے دی جھگی لائل پور سے علی الصبح کھوکھے پر پڑی ہوئی ملی تھی، وہاں کوئی آدمی نہیں تھا دور سے شیعہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب موٹر پر چڑھتے ہوئے دکھائی دیئے، پتہ نہیں ان کی ہے یا کسی اور کی؟ اللہ اعلم بالصواب!

فقط والسلام۔ آپ کا تابعدار، حافظ برخوردار احمد تنویر بقلم خود (۱۹۷۲ء، ۴، ۶)

اب مولانا محمد اسمٰعیل گوجروی کے ذاتی لیٹر پیڈ پر مرسلہ خطوط ملاحظہ فرمائیں جو اصل ہمارے پاس موجود ہیں۔

### مولانا اسمٰعیل گوجروی کا پہلا خط:

جناب مولانا محمد نافع صاحب زید فضلکم!

سلام مسنون! مزاج شریف! آپ کے ناظر کتب خانہ جامعہ محمدی کی طرف سے ہمارے دفتر میں خط موصول ہوا، جس میں لکھا ہے کہ آپ کی کوئی چیز اڈہ لاریاں بولیکی جھگی پر گم ہوئی ہے، آپ لوگ صحیح نشانات بتلا کر اس کے مستحق ہوسکتے ہیں۔ لہٰذا عرض ہے کہ وہ گم شدہ چیز کتاب قطبی ہے، مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محلی ہے جو فاروقی کتب خانہ بوہڑ گیٹ ملتان سے خریدی گئی اس پر مہر ثبت زرد رنگ کے کاغذ پر چھپی ہوئی ہے۔ بڑا سائز ہے۔ ایک طالب علم مجھے سوار کرنے کے لیے اڈہ لاری تک گیا اور ساتھ لے گیا، وہ بھول آیا، آپ کے کسی بندے کو مل گئی ہوگی، آپ کی دیانت کا میں پہلے بھی قائل ہوں، اس دیانت کی مثال نے اور بھی مضبوط

کر دیا ہے۔ کاش لوگوں کے اندر ایسی دیانتیں آجائیں تو نظامِ عالم صحیح ہو جائے ...... میں کسی طالب علم کو بھیجوں گا جس کے پاس ہماری طرف سے مہر زدہ خط ہو، اس کو دے دینا، ممنون ہوں گا، نظام عالم میں قیام کے لیے نیک ارادے، دیندار ادارے ضروری ہیں۔ خداوند تعالیٰ آپ کو توفیق تحقیق مزید مرحمت فرمائے۔

محمد اسماعیل خادم درس آل محمد لائل پور

۲۹۔۴۔۷۲ء

## دوسرا خط:

جناب مولانا محمد نافع صاحب وفقکم اللہ لتحقیق الحق!

سلام مسنون! میری کتاب قطبی آپ کے پاس چلی گئی ہوئی ہے، جیسا کہ آپ نے خط میں لکھا تھا، اب طالب علم کو بھیج رہا ہوں، اس کو عطا فرما کے ممنون فرمائیں۔

والسلام

محمد اسماعیل

## تیسرا خط:

بحضور جناب مولانا محمد نافع صاحب وفقکم اللہ لتحقیق والتطبیق!

سلام واکرام! مزاج شریف!

احمد علی نے خط لکھا ہے اور آپ کے اخلاق حسنہ کا خصوصی تذکرہ لکھا ہے، شکریہ۔ مولانا اعتقادات وعبادات کا تعلق تو اللہ رب العزت سے ہے، مگر مکارم اخلاق کی بلندی، شرافت نفس پر دال ہوتی ہے۔ میں آپ کے اخلاق حسنہ اور معاملات میں دیانت سے بہت متاثر ہوا ہوں، بچہ چٹھہ کے اشتہار میں آپ کا نام آگیا، معذرت چاہتا ہوں، حالانکہ مجھے بعد میں پتہ چلا کہ آپ بھی وہاں تشریف فرما ہیں، لہٰذا علماء کرام کے اسماء گرامی کی فہرست میں آگیا، ورنہ آپ کی طرف کوئی غلط بات منسوب نہیں کی گئی۔ مولانا میں اعتقادات کو اپنی اپنی تحقیق تک موقوف رکھنا چاہتا ہوں، کیونکہ ہر کسی کی اپنی تحقیق کے اس کے پاس کچھ دلائل ہوتے ہیں۔ جس پر وہ سکونِ قلب حاصل کیے بیٹھا ہوتا ہے۔ لہٰذا ہر شخص اپنے اعتقاد اور تحقیق میں آزاد اور ذمہ دار ہے۔ بنا بریں میں بھی کچھ اپنی تسکین اور نجات کے لیے دلائل پر بھروسہ کیے بیٹھا ہوں۔ اہل بیت کے حق کو فائق سمجھتا ہوں، ان کی مظلومیت سے متاثر ہوں۔ ویسے آپ حضرات کی قدر کرتا ہوں، اہل علم وفضل کو واجب

الاحترام جانتا ہوں۔

احب الصالحین ولست منھم　لعل اللہ یرزقنی صلاحًا

میں ان شاء اللہ کراچی سے واپسی پر درس آل محمد میں آپ کی زیارت اور دعوت کا اہتمام کروں گا، آپ کی زیارت سے مشرف ہوں گا، کیونکہ دہر میں قحط الرجال ہے۔

حقیر محمد اسماعیل

حال وارد امام بارگاہ شاہِ نجف، مارٹن روڈ...... کراچی نمبر ۵

قارئین کرام!

یہ ایک معروف شیعہ عالم اور مناظر مولانا محمد اسمٰعیل گوجروی کے تاریخی خطوط ہیں، جو "الفضل ما شھدت بہ الاعداء" کا نہ صرف جیتا جاگتا نمونہ ہیں بلکہ جوادی صاحب جیسے شیخی بازوں کے لیے طمانچہ عبرت بھی ہیں۔ جن کے بڑے ہمارے بزرگوں کے علم وفضل اور دیانت واخلاق سے متاثر ہو کر گُن گا رہے ہیں، وہ انہیں بددیانت، خوف خدا سے عاری، قریب المرگ سفید جھوٹے، اور نہ جانے کیا کچھ کہہ رہے ہیں۔ جوادی صاحب کی اس ہرزہ سرائی سے علامہ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی عظمت پر تو کوئی حرف نہیں آتا، کیونکہ سورج پہ تھوکنے والا اپنا ہی چہرہ بگاڑتا ہے۔ البتہ جوادی صاحب کو اب مناظر ومبلغ مولانا محمد اسمٰعیل گوجروی کے متعلق فیصلہ دینا ہوگا کہ کیا انہوں نے بھی قریب المرگ ہو کر ''سفید جھوٹ'' کے ذریعہ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کو دیانتدار، بے مثال، نادرِ دہر، اور وفقکم اللہ لتحقیق الحق کہہ کر اپنے ہی ظلمت فروشوں کے ہاتھ میں ''چراغ نافع'' تھما دیا ہے؟

؎ مری مشاطگی کی کیا ضرورت حسن معنی کو　کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالے کی حنابندی

نوٹ:...... یاد رہے کہ مولانا محمد اسماعیل گوجروی کا جو طالب علم مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے پاس کتاب وصول کرنے آیا تھا، وہ رتہ متہ ضلع جھنگ کے مولوی احمد علی حیدری ہیں، جو مولانا محمد اسماعیل گوجروی کے داماد بھی ہیں۔ اور ابھی بقید حیات ہیں۔ یہ اپنے سسر صاحب کی کتابیں بھی رتہ متہ سے شائع کرتے رہے ہیں۔ نیز کتاب سپرد کرنے کے بعد مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے مولانا محمد اسماعیل کے لیٹر پیڈ پر ہی ان کے دستخط لے کر رسید وصولی حاصل کی، اصل خطوط ہمارے پاس موجود ہیں اور ان کے بوقت ضرورت عکس شائع کیے جا سکتے ہیں۔ [1]

---

[1] عبدالجبار سلفی، ماہنامہ حق چار یار، جون ۲۰۱۵ء، لاہور۔

# مولانا محمد اسماعیل گوجروی کا مختصر تعارف

مولانا اسمٰعیل گوجروی آج اِس دنیا میں موجود نہیں ہیں، ورنہ اُن سے پوچھا جاسکتا تھا کہ جب مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی دیانت اور خدا خوفی کا یہ حال ہے تو ان کے مقتداء وپیشوا سیّدنا حضرت ابوبکر صدیق، سیّدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما اور دیگر اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانت، ورع اور اتقاء کا عالم کیا ہوگا؟ جن کے دفاع ومحبت میں مولانا محمد نافع رحمہ اللہ جیسے لوگ اپنی پوری پوری زندگیاں صَرف کر گئے۔ بہرحال مولانا اسماعیل گوجروی اپنے ان خطوط سے پہلے متعدد مناظروں اور مباحثوں میں مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کو دیکھ چکے تھے۔ ان مباحثوں کی رودادیں آپ آئندہ صفحات میں پڑھیں گے۔ اور وہ انتہائی قریب سے مشاہدہ کرنے کے بعد آپ کی دیانت کی گواہی دے رہے تھے، جب مولانا گوجروی کا ذکر آ ہی گیا تو ہم ان کا مختصر تعارف بھی یہاں پیش کردیں۔

ریاست کپورتھلہ آپ کا مولد تھا اور والد کا نام میاں سلطان علی تھا جو مسلک اہل حدیث پر عامل تھے، جبکہ مولانا گوجروی لڑکپن میں ہی تشیع کی طرف مائل ہوگئے۔ مختلف جگہوں سے دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد دارالعلوم دیوبند داخل ہوئے، لیکن شریر الطبع ہونے کی بناء پر وہاں سے نکال دیئے گئے۔ یہ غلط ہے کہ دارالعلوم میں اساتذہ سے اختلافی مباحثے کرنے کی وجہ سے نکالے گئے تھے۔ تاہم اخراج کے بعد اپنے نام کا لاحقہ ''دیوبندی'' لگاتے رہے، مگر یہ کارروائی کچھ عرصہ سے زیادہ نہ چل سکی۔ اوّلاً ساہیوال کی مسجد جعفریہ میں خطیب وپیش امام رہے۔ مناظرانہ طبیعت کے ساتھ ساتھ شاطرانہ طبیعت کے غلبے کی وجہ سے اکثر علماء اہل سنت سے سینگ اڑاتے رہتے تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد گوجرہ منتقل ہوئے اور یہیں سے ''گوجروی'' کا لاحقہ معروف ہوا، گوجروی صاحب نے متشدد اور بغیضی قسم کے شاگردوں کی کھیپ تیار کی تھی ایک اخبار ''صداقت'' بھی نکالا اور پھر فیصل آباد میں ''درس آل محمد'' کی بنیاد رکھی۔

مولانا محمد اسماعیل گوجروی کے علامہ عبدالستار تونسوی، علامہ ڈاکٹر خالد محمود، مولانا محمد نافع، مولانا دوست محمد قریشی، مولانا محمد عمر اچھروی، مولانا عبدالرشید جھنگوی اور معروف اہل حدیث عالم مولانا محمد صدیق تاندلیانوالہ کے ساتھ مناظرے ہوتے رہے۔ عیار اور مکار اتنے تھے کہ عین موقع پر حسب محل اپنے فرار کی راہ نکال لیتے تھے مثلاً ۱۹۷۰ء میں بھیرہ میں ہونے والے ایک معروف مناظرہ میں ''بنات اربعہ'' کے ثبوت میں جب مولانا عبدالستار تونسوی نے شیعہ کتاب کی عبارت پڑھی اور ابتداء عبارت کے الفاظ ''بہ سند معتبر

آنحضرت روایت کردہ است'' پر زور دیا تو مولوی اسماعیل صاحب نے کہا ہمارے نزدیک یہ روایت ضعیف ہے، علامہ تونسوی رحمہ اللہ نے فرمایا معتبر کا معنی ضعیف بھی کہیں آیا ہے؟ تو کہنے لگے ہاں ''عند الشیعہ'' معتبر، ضعیف کے معنی میں ہے۔ اور ثبوت یہ ہے کہ میں تمہارے سامنے شیعوں کا عالم موجود ہوں، میں کہہ رہا ہوں کہ معتبر ہمارے ہاں ضعیف کو کہا جاتا ہے۔ (1) بہرحال وہ تو مولانا اسماعیل کی فرمائش کہ ''بسند صحیح'' ہو تو مان لوں گا، جب علامہ تونسوی رحمہ اللہ نے پیش کر دی تو بھاگنے کے سارے رستے مقفل ہو گئے۔

## مولانا اسماعیل گوجروی کی موت:

مولانا محمد اسماعیل گوجروی ۱۹۷۶ء میں ایک کار حادثہ میں آنجہانی ہوئے۔ ہمارے نزدیک تو یہ ایک معمول کا ایسا ہی حادثہ تھا، جیسے دنیا بھر میں ہوتے رہتے ہیں، تاہم یہ افسوس ضرور ہے کہ وہ بغض صحابہ واہل بیت میں فوت ہو گئے۔ لیکن ان کے اپنے مذہب کے شیعہ علماء اسے اپنی کرامت گردانتے ہیں۔ دراصل یہ وہ دور تھا جب پاکستان کے شیعہ دو گروہوں میں بٹ کر زبردست اختلافات کا شکار تھے ایک گروہ ''خالصی'' اور دوسرا ''شیخی'' کے نام سے مشہور تھا، شیخ احمد احسائی اور شیخ خالصی عراقی ذو مقتداء تھے اور مقتدیان ایک دوسرے کی تکفیر بلکہ کردار کشی میں معروف تھے۔ اور نوبت تھانہ کچہری اور عدالتوں تک جا پہنچی تھی۔ مولانا محمد اسماعیل ''شیخیوں'' کے سرغنہ متصور ہوتے تھے۔ یہ دراصل ذاکر نما علما ومناظرین کی ٹولی تھی، جسے غیر مقرر ومناظر شیعہ علماء اپنے رزق پر عذاب ناگہانی قرار دیتے تھے۔ گوجروی صاحب کی جس دن وفات ہوئی، اس دن بھی انہوں نے اسی باہمی فساد کے حوالہ سے عدالت میں پیش ہونا تھا، اسے دوسرے گروپ کے ایک سرگرم رہنما سیّد محمد حسین زیدی برستی یوں بیان کرتے ہیں:

> ''کیا قوم شیعہ پاکستان کو علم ہے کہ اس مبلغ اعظم شیخیہ (یعنی مولوی اسمٰعیل گوجروی) نے کیا اُودھم مچایا؟ اور شیخیت کی حمایت میں خون کا آخری قطرہ کس طرح بہایا؟ کس طرح پابندی کے ساتھ پیروی مقدمہ کے لیے چنیوٹ آیا اور کس طرح مجھ کو یہ دھمکی آمیز پیغام پہنچایا کہ میرے پاس ایسے غنڈے ہیں کہ میں دن دیہاڑے تمہیں اغواء کرادوں گا۔ میں نے دل ہی دل میں کہا پالنے والے میرے پاس تو ایسے غنڈے نہیں ہیں کہ میں اس شیخی مبلغ کا ان غنڈوں کے ذریعے مقابلہ کروں۔ تو ہی مجھ کو اس شیخی کے غنڈوں سے بچانے والا ہے۔ دل سے نکلی ہوئی بات بابِ اجابت سے ضرور ٹکراتی ہے۔ خدا کا کرنا کیا ہوا کہ اسی مقدمے کی پیروی کے سلسلے میں چنیوٹ میں اس مبلغ اعظم شیخیہ کو دیر ہو گئی۔ خانقاہ ڈوگراں میں مجلس بھی پڑھنی تھی۔

(1) تذکرہ حضرت علامہ تونسوی، مطبوعہ تحریک تنظیم اہل سنت، صفحہ نمبر ۱۶۳۔

لہٰذا شیخیوں کے پیسے سے خرید کی ہوئی کار انتہائی تیزی کے ساتھ دوڑائی خانقاہ ڈوگراں کے قریب پہنچا تھا کہ کار کا ٹائی راڈ کھلا اور مجھ کو غنڈوں سے اٹھوانے کی دھمکی دے کر جانے والے کے پاس خدا کا بھیجا ہوا فرشتہ پہنچا، کار والوں میں سے کسی کو کچھ نہ کہا، مبلغ اعظم شیخیہ کی طرف کی کھڑکی کھولی، مبلغ اعظم شیخیہ کے غنڈوں کا حال پوچھا اور ان کو سیٹ سے اٹھا کر کار کے نیچے دے دیا، خدا کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ باطل ذلیل ہوا۔'' ❶

ان مختصر کوائف کے بعد کتاب ''حدیث ثقلین'' کے تبصرے کی جانب دوبارہ آتے ہیں۔

## ''حدیث ثقلین'' کے متعلق ایک اور شیعی گپ:

امامیہ کے معاصر ترجمان اور جامعۃ الکوثر اسلام آباد کے مدرس آفتاب حسین جوادی کی آنکھیں مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی عقابی آنکھوں کے سامنے جب پتھرا گئیں تو وہ اس قدر بھینگے ہوئے کہ کوئی شے انہیں اپنی اصلی حالت میں نظر نہ آسکی۔ چنانچہ شیعہ مذہب کے مجتہد مولوی محمد حسین ڈھکو کی ایک کتاب ''تحقیقات الفریقین فی حدیث الثقلین'' کے تعارف میں لکھتے ہیں:

''مولوی محمد نافع آف محمدی شریف جھنگ نے ''حدیث ثقلین'' نامی کتاب لکھ کر صحیح بلکہ متواتر حدیث ثقلین بالفاظ قرآن وعترت کی تضحیک کر کے قرآن وسنت والی حدیث کی صحت ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی تو سرکار علامہ مدظلہ نے ''تحقیقات الفریقین فی حدیث الثقلین'' رقم کر کے مولوی محمد نافع کو حدیث ثقلین بالفاظ قرآن وعترت کی صحت کا اقرار کرنے پر مجبور کر دیا، جسے شک ہو وہ موصوف کی کتاب ''حدیث ثقلین'' طبع جدید کا صفحہ ۳۵، حاشیہ نمبر ۱۰، ناشر تخلیقات لاہور، دیکھ لے۔'' ❷

## تبصرہ۔ (شیعہ مبصر کی پہلی جہالت):

جھوٹ بولنے اور کہنے کی حد تک ہی نہیں، بلکہ علماء شیعہ جھوٹ ایجاد کرنے میں بھی خود کفیل ہیں۔ کوئی بھی شخص جسے علم کا جھونکا ہلکا سا چھو کر بھی گزرا ہو وہ کبھی مولانا محمد نافع رحمہ اللہ اور ڈھکو صاحب کی کتابوں کا تقابل

❶ سیّد محمد حسین زیدی برتی، شیخ احمد احسائی ایک پر اسرار جاسوسی کردار، مطبوعہ جنوری ۱۹۸۵ء، ناشر ادارہ نشر واشاعت حقائق الاسلام چنیوٹ، صفحہ نمبر ۲۹۱۔

نوٹ: یہاں مجھے سلطان العلماء علامہ ڈاکٹر خالد محمود کی ایک بات یاد آگئی جو آپ نے راقم کو بتائی تھی وہ یہ کہ ایک بار میں جنوبی افریقہ میں ٹرین میں سفر کر رہا تھا کہ ایک شیعہ عالم سے ملاقات ہوگئی، اس نے باتوں باتوں میں کہا کہ ہمارا مولوی اسمٰعیل اب اثنا عشری عقیدہ چھوڑ کر نُصیری فرقہ میں داخل ہوگیا ہے جو سیدنا حضرت علیؓ کی ربوبیت کے قائل ہیں۔ (سلفی)

❷ تنزیہہ الامامیہ طبع جدید ۲۰۱۳ء، ناشر عباس بک ایجنسی انڈیا، صفحہ ۱۲۔

نہیں کرے گا، خواہ وہ شیعہ ہو یا سنی، اور اس جوادی مذکور نے تو نہ ڈھکو صاحب کی کتاب پڑھی ہے اور نہ ہی مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی تحقیق تک رسائی حاصل کی ہے۔ کیونکہ ''حدیث ثقلین'' کے صفحہ نمبر ۳۵ کا جو حاشیہ بطور رجوع اور تسلیم کے پیش کیا جا رہا ہے، ڈھکو صاحب نے ''تحقیقات الفریقین'' میں پہلے ہی الزاماً پیش کر دیا، تو پھر رجوع کیسا؟ مثلاً ڈھکو صاحب ''حدیث ثقلین'' پر علامہ ڈاکٹر خالد محمود کے مقدمہ پر جرح کرتے ہوئے ''سیالکوٹی کے مقدمہ پر تبصرہ'' کے زیر عنوان لکھتے ہیں:

''مؤلف رسالہ مولوی محمد نافع صاحب نے اپنے پورے رسالہ میں کہیں بھی اس حدیث شریف کو ''موضوع'' خانہ ساز یا من گھڑت نہیں کہا بلکہ زیادہ سے زیادہ اس کے بعض طرق واسانید پر ضعف کا ایراد کیا ہے اور بعض اسناد کو صحیح بھی تسلیم کیا ہے۔ مثلاً مسند احمد کی روایت ہشتم اور مسند دارمی کی روایت وصحیح مسلم کی روایت وغیرہ وغیرہ کی صحت اسناد کو درست کہا ہے اور صرف ان کے متن سے بحث کی ہے، بنا بریں مؤلف رسالہ ہذا کے حق میں یہ کہنا غلط ہوگا کہ اس نے روایت ثقلین کے تمام اسانید پر جرح کر کے انہیں ردّ کر دیا ہے۔ اسے کہتے ہیں کہ ''من چہ سرایم وطنبورہ ام چہ سراید'' میں کیا کہتا ہوں اور میرا طنبورہ کیا کہتا ہے؟ سیالکوٹی صاحب اسے شیعوں کی من گھڑت اور خانہ ساز قرار دے رہے ہیں۔ اگرچہ قرن اوّل سے لے کر آج پندرھویں صدی تک اہل سنت کی ہزاروں کتب تفسیر وحدیث اور تاریخ وغیرہ اس سے چھلک رہی ہیں۔ اور جھنگوی صاحب اس کو اس کے بعض اسانید کے اعتبار سے صحیح حدیث تسلیم کر رہے ہیں۔ لہٰذا سیالکوٹی کی تقریر پُرسراپا تعزیر کے ابطال کے لیے ہمیں کسی استدلال کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ خود جناب مولوی محمد نافع صاحب جھنگوی کی تحریر ہی کافی ووافی ہے۔''[1]

سبحان اللہ العظیم! اسے کہتے ہیں ''مدعی سست گواہ چست'' جوادی صاحب نے پورے غرور ونخوت سے دعویٰ کیا ہے کہ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کو ڈھکو صاحب نے حدیث ثقلین بالفاظ قرآن وعترت کی صحت کے اقرار پر مجبور کیا، اور خود ڈھکو صاحب لکھ رہے ہیں کہ مولانا نافع رحمہ اللہ تو اس کے بعض اسانید پہ بحث کر رہے ہیں۔ اور جو الزام جوادی شیعہ مولانا محمد نافع پہ لگا رہے ہیں، وہی الزام ڈھکو صاحب علامہ خالد محمود پہ چسپاں کر رہے ہیں۔ یہ حالت ہے ان لوگوں کے معیارِ علمی کی، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ڈھکو صاحب اور جوادی صاحب دونوں نے نہ علامہ خالد محمود کے مقدمہ کو سمجھا ہے، نہ ہی مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے مقصدِ تصنیف کو! ڈھکو صاحب نے بہ نسبت جوادی کے مقصد تصنیف پر غور تو کیا مگر باطنی بغض اور کورچشمی نے حقائق تسلیم کرنے کی بصیرت ہی سلب کر لی۔

---

[1] مولانا محمد حسین نجفی المعروف ڈھکو صاحب، تحقیقات الفریقین فی حدیث الثقلین، مطبوعہ مکتبۃ السبطین، سرگودھا، صفحہ نمبر ۳۴۰۔

# شیعہ مبصر کی دوسری جہالت، کیا کتاب ''تحقیقات الفریقین'' حدیث ثقلین کا جواب ہے؟

جوادی صاحب ڈھکو صاحب کی کتاب ''تحقیقات الفریقین'' کو مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی کتاب کا جواب کہہ رہے ہیں، جبکہ ڈھکو صاحب خود کیا لکھ رہے ہیں؟ ملاحظہ فرمائیں:

''آج سے تقریباً تیس سال قبل ۱۳۷۸ھ بمطابق ۱۹۵۸ء میں نجف اشرف کے دورانِ قیام، پاکستان کے بعض متعصب مولوی صاحبان کے بعض معاندانہ مضامین سے متاثر ہو کر میں نے ''حدیث ثقلین'' کے موضوع پر ایک محققانہ کتاب بنام ''تحقیقات الفریقین فی حدیث الثقلین'' سپرد قلم کی تھی۔ جس پر عراق کے مراجع عظام کی بڑی وقیع تقاریظ موجود ہیں، مگر سوئے اتفاق سے وہ کتاب آج تک منظر عام پر نہ آسکی، جبکہ ۱۹۴۰ء میں نجف اشرف سے وطن واپس آنے کے بعد لکھے جانے والی متعدد کتابیں کئی کئی بار طبع ہو کر شائقین کے ہاتھوں تک پہنچ چکی ہیں۔ سچ ہے ''الامور مرھونۃ باوقاتھا'' شائد اس میں یہ مصلحت ایزدی کارفرما تھی کہ رسالہ ''حدیث ثقلین'' کا جواب اس میں شامل ہوجائے اور اس طرح یہ کتاب ہر لحاظ سے مکمل ہوجائے۔ ہوا یوں کہ آج سے چند سال قبل جامعہ محمدی ضلع جھنگ کے مدرس جناب مولوی محمد نافع صاحب کے قلم سے ایک رسالہ بنام ''حدیث ثقلین'' شائع ہوا۔ جس میں موصوف نے ایڑی چوٹی کا زور صرف کر کے مشہور بلکہ متواتر ''حدیث ثقلین'' جس میں ''کتاب اللہ وعترتی'' کے الفاظ وارد ہیں، کی تضعیف کر کے یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی کہ اصل صحیح حدیث ثقلین وہ ہے جس میں ''کتاب اللہ وسنتی'' کے الفاظ وارد ہیں۔ اور موصوف نے اس مختصر رسالہ میں بزعم خود حجۃ الخاصۃ علی العامہ سرکار علامہ میر سیّد حامد حسین صاحب موسوی نیشاپوری ثم لکھنوی اعلی اللہ مقامہ کی مشہور محققانہ کتابِ مستطاب ''عبقات الانوار'' کی حدیث ثقلین کے متعلق ان دو ضخیم جلدوں کا جواب دینے کی بلکہ منہ چڑانے کی کوشش کی ہے۔ بالفاظِ دیگر اتنی بڑی عظیم کتاب اور اتنے بڑے عظیم مصنف کے خلاف قلم اٹھا کر اور خریدارانِ یوسف میں اپنا نام درج کرا کر اپنے ابناء مذہب میں سستی شہرت حاصل کرنے کی ناتمام کاوش کی ہے۔ سرکار موصوف نے سینکڑوں علماء محققین اور سینکڑوں ناقابل ردّ دلائل وبراہین کی روشنی میں اس حدیث کی نہ صرف صحت بلکہ تواتر اور اس کا آئمہ اہل بیت کے امام مفترض الطاعۃ ہونے کی نص صریح اور مذہب حق شیعہ خیر البریہ کی صداقت وحقانیت کی وہ ناقابل ردّ دلیل فصیح ہونا ثابت فرمایا ہے کہ جس کا علمی جواب صبح قیامت کے طلوع ہونے تک تمام علمائے اہل سنت مل کر بھی نہیں دے سکتے، چہ جائیکہ صرف بیچارہ مولوی محمد نافع صاحب۔''[1]

---

[1] ایضاً، صفحہ نمبر ۳۳۷۔

یہاں جوادی اور ڈھکو دونوں صاحبان تول تول کر کذب بیانی کرتے چلے جا رہے ہیں اولاً...... کیونکہ ڈھکو صاحب کا موقف یہ ہے کہ میں نے حدیث ثقلین پر نجف اشرف کے زمانۂ قیام میں مولانا اللہ یار خان چکڑالوی وغیرہ کے مضامین پڑھ کر لکھنا شروع کیا تھا، جبکہ جوادی صاحب کہتے ہیں یہ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے جواب میں ہے۔

ثانیاً:...... پھر عجیب بات یہ ہے کہ ڈھکو صاحب اپنی کتاب مذکورہ کے صفحہ نمبر ۳۳۶ پر جا کر یہ بات لکھتے ہیں کہ اب ''حدیث ثقلین'' کے جواب کا بھی اسی میں شامل ہونا مصلحت ایزدی ہے۔ اس کے بعد ۱۵ سے ۲۰ صفحات پر تو علامہ خالد محمود کے مقدمہ پر تبصرہ ہوتا ہے، باقی رہ گئے ۵۰ صفحات، کیونکہ کتاب مذکورہ کے کل صفحات ۴۰۰ ہیں، ان پچاس صفحات میں گویا ڈھکو صاحب نے مولانا محمد نافع رحمہ اللہ جیسے جبال العلم کی تحقیق انیق کا جواب پیش کیا ہے۔

ثالثاً:...... یہ اعجوبہ بھی ملاحظہ ہو کہ ''حدیث ثقلین'' ۱۹۶۳ء میں چھپی تھی، جبکہ ڈھکو صاحب کو ۱۹۸۹ء میں جواب سوجھ رہا ہے، اور لکھتے ہیں کہ

''چند سال قبل جناب مولوی محمد نافع صاحب کے قلم سے ایک رسالہ بنام ''حدیث ثقلین'' آیا۔''

کیا ۲۶ سال کے طویل عرصہ کو ''چند دن'' کہا جا سکتا ہے؟ یہ ساری بحث ملاحظہ کرنے کے بعد ایک سلیم الفطرت قاری سوچتا ہے کہ امامی مذہب کے یہ دو علماء قلابازی پہ قلابازی کھاتے چلے جا رہے ہیں، انہیں خود سمجھ نہیں آرہی کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں؟ اور ان کی اس بقراطیت پر ہر پڑھنے والے کو ہنسی آتی ہے کہ یہ کیا لکھ رہے ہیں؟ ان قلابازیوں کا خلاصہ اور تنقیح یہ ہے:

۱: جوادی صاحب...... سرکار علامہ نے مولوی محمد نافع کو حدیث ثقلین کی صحت کا اقرار کرنے پر مجبور کر دیا۔

۲: سرکار علامہ ڈھکو...... مولانا نافع صاحب تو ''حدیث ثقلین'' کو قطعاً من گھڑت نہیں کہتے، وہ تو اسانید پہ بحث کرتے ہیں اور بعض اسانید کی صحت کے قائل ہیں۔

۳: جوادی صاحب...... سرکار علامہ نے اپنی یہ کتاب مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی کتاب کے جواب میں لکھی ہے۔

۴: سرکار علامہ ڈھکو...... میں نے تو یہ اپنے زمانۂ قیام نجف اشرف میں لکھی تھی، مگر وہ چھپ نہ سکی تھی۔

جب ان کی علمیت، تبصروں، تجزیوں اور جائزوں کا یہ حال ہے تو انہوں نے کتاب کو کیا خاک پڑھا ہوگا؟ ڈھکو صاحب نے تو اپنا بھانڈا خود ہی پھوڑ دیا، لکھتے ہیں:

''چونکہ کئی سالوں سے میرا معمول یہ ہے کہ لکھائی پڑھائی کا کام زیادہ تر رمضان المبارک کے مقدس مہینے میں کیا کرتا ہوں۔''

لکھائی کے ساتھ جو ''پڑھائی'' بھی سال میں صرف ایک مہینہ ہوتی ہو، اس ''پڑھنے'' پر تو یقیناً امامی علماء وطلبہ کی دانائیاں قربان ہوجاتی ہوں گی۔ مگر جوادی صاحب تو لگتا ہے سال میں بھی ایک مرتبہ کبھی ''حدیث ثقلین'' نہیں پڑھ سکے۔ بس فقط مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کا بغض اور شدید عداوت ہی ان کا من بھاتا کھاجا ہے ......تبھی تو ان کے قلم وزبان سے نکلے ہوئے زہر آلود جملے تیر بن کر خود انہی کو چھلنی کر رہے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

## مولانا محمد نافع رحمہ اللہ پر دانت پیسنے کی اصل وجہ:

یہ ہے کہ آپ نے اپنی اس کتاب کے اندر مولانا میر حامد حسین صاحب لکھنوی کی علمیت کا پول کھول دیا ہے۔ اور اُن کی عیب دری کر کے محققین کو اُن کی کارروائیوں اور بددیانتیوں سے آگاہ کیا ہے کہ وہ کیسے کیسے اپنی کتابوں کا پیٹ بھرتے تھے۔ مولانا میر حامد حسین صاحب لکھنوی نے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کی شہرۂ آفاق تصنیف ''تحفہ اثنا عشریہ'' کے ساتویں باب ''امامت'' کے ردّ میں ''عبقات الانوار'' لکھی تھی، فارسی زبان میں اس کتاب کی اہل تشیع میں بڑی شہرت ہے۔ ایرانی سیاسی لیڈر خمینی صاحب نے بھی اپنی کتاب ''کشف الاسرار'' صفحہ ۱۵۶ پر اس کی توصیف لکھی ہے۔ مولانا میر حامد حسین لکھنوی بات کا بتنگڑ بنانے، بلاوجہ طول دینے اور ایک ہی بات کو بار بار لکھنے کی عادت میں مبتلا تھے، انہیں صفحات بڑھانے اور کتابیں ضخیم کرنے کا چسکا پڑ گیا تھا۔ اصلاً یہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کی علمی ہیبت اور تحقیقی طنطنہ تھا جس نے علماء شیعہ کو اتنا مصروف کر دیا کہ ایک ہی کتاب کو تین تین نسلیں بھی مکمل نہ کرسکیں۔ مثال کے طور پر یہی کتاب ''عبقات الانوار'' دیکھ لیں جو اڑھائی درجن مجلدات پر مشتمل ہے۔ اس کی کچھ جلدیں مولانا حامد حسین لکھنوی نے، کچھ ان کے بیٹے نے اور کچھ ان کے پوتے نے لکھیں، مگر چھپتی اُنہی کے نام سے ہیں۔ خود شیعہ قلمکار اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ

''عبقات الانوار'' تحفہ اثنا عشریہ کے باب امامت کے جواب میں، میر حامد حسین نے لکھنا شروع کیا تھا اور حدیث ولایت، حدیث نور، حدیث طیر، حدیث غدیر، چار حدیثوں پر سات جلدیں تحریر ہوئیں۔ مگر اس کے بعد جناب فردوس مآب (میر حامد حسین) کی حیات نے وفا نہ کی، کتاب ان کے وقت وفات ۱۳۰۶ھ تک ناتمام رہی۔ لیکن خدا کے فضل کا کیا کہنا، ایسے باپ کو ایسا بیٹا دیا جو علم وتحقیق وفضل وکمال میں اس سے بھی آگے بڑھ گیا۔ سرکار مرحوم نے ''عبقات'' کے متعلق وہی نصب العین اور وہی لائحہ عمل برقرار رکھا جس پر جناب فردوس مآب نے سات جلدیں لکھی تھیں۔ اللہ رے عالی ظرفی وبلند نفسی سرکار ناصر الملت اعلی اللہ

مقامہ کی، اگرچہ اپ نے حضرت فردوس مآب سے زیادہ ہی مجلدات اس کتاب کے تحریر فرمائے مگر تمام مجلدات کو انہی کے اسم گرامی سے معنون رکھا اور بھولے سے بھی کہیں اس کے سلسلہ میں اپنا نام نہیں دیا۔ چنانچہ بیرونی دنیا آج تک یہی سمجھتی ہے کہ تمام مجلدات حضرت فردوس مآب ہی کی تصنیف ہیں۔ ❶

باپ اور بیٹے کے بعد دوسرا بیٹا بھی اس کام کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکا، چنانچہ ایک اور شیعہ قلمکار لکھتے ہیں:

''کتاب کا پلان انہی مرحوم (میر حامد حسین) نے مرتب کیا تھا۔ اور ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے ناصر الملت سیّد ناصر حسین نے انہی خطوط پر اس سلسلہ کو جاری رکھتے ہوئے تقریباً پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا۔ ۱۳۶۱ھ میں ناصر الملت کی وفات کے بعد ان کے دوسرے صاحبزادے سعید الملت سیّد محمد سعید صاحب نے دو حدیثوں کو مکمل کیا۔'' ❷

## کتاب کی طوالت، فکر معاش سے آزادی:

مولانا میر حامد حسین صاحب لکھنوی سے پہلے ان کے والد جناب مفتی قلی خان نے ''تحفہ اثنا عشریہ'' کے باب مطاعن کے جواب میں ''تشئید المطاعن'' اور باب مکائد کے جواب میں ''تقلیب المکائد'' لکھی تھیں۔ پھر ان کے صاحبزادگان مولانا میر حامد حسین لکھنوی اور مولانا اعجاز حسین لکھنوی، پھر ان کے صاحبزادگان سیّد ناصر حسین (ناصر الملت) اور سیّد سعید (سعید الملت) وغیرہ وغیرہ، یہ پورے کا پورا خاندان ''تحفہ اثنا عشریہ'' کے جواب میں ہی کیوں منہمک رہا؟ اپنے مذہب کی خدمت کا جذبہ بھی یقیناً کارفرما ہوگا، تاہم اس سے زیادہ فکر معاش سے آزادی تھی، کیونکہ اس خاندان کو ''تحفہ اثنا عشریہ'' کے خلاف کتابیں لکھ کر شیعہ نوابوں اور جاگیرداروں سے مال بٹورنے کا فن آ گیا تھا۔ حتیٰ کہ مولانا میر حامد حسین لکھنوی کے سگے بھائی سیّد اعجاز حسین، اور تین بیٹے ناصر حسین اور محمد سعید کے ہمراہ سیّد ذاکر حسین صاحب بھی ''عبقات'' کی تکمیل میں اپنے بھائیوں کی کمک کرتے رہے۔ ''عبقات الانوار'' کے مترجم سیّد شجاعت حسین گوپالپوری لکھتے ہیں:

''خود عبقات الانوار کو دیکھئے کہ اس کی تالیف میں جہاں فردوس مآب علامہ میر حامد حسین کی زحمتوں کا دخل ہے، وہاں اس کی تکمیل میں امراء و نوابین کی دولت کا بھی دخل ہے۔ کیونکہ عالم اپنے علم کو اسی وقت منظر عام پر لا سکتا ہے جب اس کے وسائل فراہم ہوں، اور ان وسائل کی فراہمی میں صرف دولت مدد کر سکتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر صاحبان ثروت نے اپنی فراخدلی کا مظاہرہ نہ کیا ہوتا تو آج جس شکل و صورت میں

---

❶ طاہر عباس اعوان، ''میراثِ برصغیر'' شش ماہی، محرم الحرام نمبر، شمارہ نمبر ۳، مطبوعہ جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ، کراچی صفحہ نمبر ۷۷، ۷۸۔

❷ سیّد سعید اختر رضوی، تقریظ بر کتاب ''نور الانوار اردو ترجمہ ''عبقات الانوار'' جلد اوّل، مطبوعہ بھارت، صفحہ نمبر ۲۶، موضوع حدیث ثقلین۔

عبقات ہم دیکھ رہے ہیں، نظر نہ آتی۔ مجھ سے مولانا علی اختر صاحب مرحوم مترجم الغدیر نے بتایا تھا کہ حسین آباد شیخ پورہ بہار کے نواب صاحب نے اپنے اسٹیٹ (کہ جو اس وقت شیعوں کے بڑے اسٹیٹ میں سے ایک تھا) کی آمدنی کا دسواں حصہ عبقات کی نشر و اشاعت کے لیے وقف کر دیا تھا، حتی کہ بعضوں نے قلم، دوات کے نام پر زمین وقف کی تھی۔ البتہ ان لوگوں نے ایسا کر کے میر حامد حسین پر کوئی احسان نہیں کیا تھا اپنی آخرت بنائی تھی، میر حامد حسین اپنی ذات کے لیے ایک پیسہ کے بھی محتاج نہیں تھے۔''❶

اپنے بزرگوں پر حُسن ظن اچھی چیز ہے، لیکن یہاں تو حقیقت پوری طرح عیاں ہے کہ کتاب ''تحفہ اثنا عشریہ'' کی دھاک دکھا کر ہندوستان کے شیعہ علماء نے کس طرح جاگیرداروں اور وڈیروں کو ورغلایا، پھسلایا اور بہکایا کہ اگر اس کا تفصیلی جواب نہ آیا تو خطۂ ہند کی شیعیت سیاسی طور پر متاثر ہوجائے گی اور سادہ لوح شیعوں کو شعور آ گیا تو ڈیرے ویران ہوجائیں گے۔ چنانچہ وڈیروں نے اپنی تجوریوں کے دروازے کھول دیئے، اور علماء شیعہ نے اپنے قلمی گھوڑے دوڑانے شروع کر دیئے، نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ جہاں یہ قلمی گھوڑے رک جاتے وہاں تجوریوں کے منہ بھی بند ہوجاتے۔ چنانچہ یہ سلسلہ مفتی قلی خان سے ان کے بیٹوں میر حامد حسین اور مولانا اعجاز حسین تک، پھر میر حامد حسین سے ان کی اولاد مولانا ناصر حسین اور ذاکر حسین تک چلتا آیا، مگر ''عبقات'' تھی کہ ختم ہونے میں نہ آئی۔ اس رستے سے مال کمانے کا یہ فن سب سے پہلے علامہ نصیر الدین طوسی نے ایجاد کیا تھا، جن کی ہلاکو خان جیسے ظالم حکمران پشت پناہی کرتے رہے۔ پھر علامہ باقر مجلسی نے صفوی بادشاہوں کی دولت پہ ہاتھ صاف کیے۔ ان کی کتاب ''بحار الانوار'' اسی مہم کا شاخسانہ ہے۔ اور پھر ہندوستان میں یہ حربہ علامہ قلی خان اور ان کی تین نسلوں نے اختیار کیا۔ مگر سچ، سچ ہوتا ہے۔ ''تحفہ اثنا عشریہ'' کی علمی عظمت پھر بھی کم نہ ہوسکی، اور نہ قیامت تک ہوگی۔ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے اپنی اس بے مثال تحقیقی کتاب ''حدیث ثقلین'' میں چونکہ مولانا میر حامد حسین صاحب کا سارا کچا چٹھا کھول دیا ہے، اگرچہ انہوں نے اپنی محتاط اور حساس طبیعت کے پیش نظر اپنی توجہ صرف ان کی علمی خیانتوں اور بے مقصد طوالتوں پر ہی مرکوز رکھی ہے، بایں وجہ شیعہ علماء کا مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی ذات پر دانت پیسنا ایک فطری عمل ہے۔

## مولانا میر حامد حسین، بُغض صحابہ میں پہلوں کے شانہ بشانہ ہیں:

جو حضرات ''عبقات الانوار'' (فارسی) یا مولانا میر حامد حسین لکھنوی کے نام سے ناواقف ہیں یا صرف نام اور کتاب کے نام کی حد تک ہی شناسا ہیں شاید وہ اس گمان کا شکار ہوں کہ یہ ایک علمی نوعیت کی کتاب

❶ شجاعت حسین رضوی گوپالپوری، نور الانوار ترجمہ عبقات الانوار، جلد اوّل، موضوع حدیث ثقلین، صفحہ نمبر ۵۹۔

ہوگی اور اس میں پاکانِ امت پر تبرا وغیرہ نہیں ہوگا۔ سو عرض ہے کہ اہل تشیع کے ہاں علمیت کا معیار ہی پاکانِ امت کی کردار کشی ہے۔ اس سلسلہ میں اگلے مقامات پر ہم کچھ عرض کرسکیں گے، البتہ یہاں اتنا لکھ دینا فائدے سے خالی نہیں ہوگا کہ مولانا حامد حسین مذکور بھی گالیاں دینے، الزامات تراشی کرنے اور غیر اخلاقی گفتگو کرنے میں اپنے پہلوں سے کوئی مختلف نہیں تھے۔ انہوں نے اپنی اس کتاب میں جگہ جگہ دل آزار عبارات درج کی ہیں، مثلاً حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ کی ایک بحث کے جواب میں لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس دین تھا ہی نہیں، تھوڑا بہت دین تو دور کی بات ہے۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض وعداوت اور پیغمبر اسلام پر ان کی افتراء پردازی نے ان کے اعتماد کو اٹھا دیا ہے۔ نیز حضرت عائشہ کی دروغ پردازی اور کتمانِ حق سے تو تاریخ، تفسیر اور حدیث کی کتابیں بھری پڑی ہیں، کن کن باتوں کو بیان کیا جائے؟ اور ایسی حرکتیں انجام دینے میں وہ ہی نہیں بلکہ بے شمار صحابہ وصحابیات ہیں جنہوں نے کزب وافتراء سے دوسروں پر بہتان باندھا تھا اور جب ایسا ہے تو پھر کس طرح کوئی عقل مند یہ کہہ سکتا ہے کہ نقل حدیث میں سارے کے سارے صحابہ ثقہ امین تھے۔'' وغیرہ وغیرہ......

ان جیسی عبارات سے ان کی ''عبقات الانوار'' ہی نہیں، تقریباً ہر کتاب لبالب ہے۔ فلہٰذا ان کے متعلق خالص علمی بحث کرنے اور تبرا وغیرہ نہ کرنے کا گمان، حسن گمان کی حد تک بھی گناہ کبیرہ ہے۔ کیونکہ جو شیعہ عالم گالیاں نہ دے اور الزامات نہ تراشے، اس کی شیعیت مشکوک قرار پاتی ہے۔

## مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے بغض میں ڈھکو صاحب کی ایک رام کہانی:

محمد حسین نجفی المعروف ڈھکو، اپنی اس کتاب میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

''ہمارے عزیز دوست مولوی محمد نافع صاحب'' میں نے موصوف کے نام کے ساتھ ''ہمارے عزیز دوست'' کا لاحقہ اس لیے استعمال کیا ہے کہ موصوف میری دار العلوم محمدیہ سرگودھا کی پرنسپلی کے دور میں کئی بار ہمارے دوست مولانا احمد شاہ چوکیروی مرحوم کے ہمراہ میرے پاس تشریف لاتے تھے۔ اور مجھے ادنیٰ خدمت کا موقع فراہم فرماتے تھے۔ اور جب مولانا چوکیروی سے کبھی کبھار علمی نوک جھونک ہوتی تھی تو اس سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ اور خود اکثر وبیشتر علمی مسائل میں خاموش ہی رہتے تھے۔ آہ! آں قدح بشکست وآں ساقی نماند اب موصوف کی بعض تالیفات دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ وہ تو تعصب وعناد میں اپنے استاد چوکیروی صاحب سے بھی دو ہاتھ آگے نکل گئے ہیں۔ [1]

---

[1] محمد حسین ڈھکو/تحقیقات الفریقین فی حدیث الثقلین، مطبوعہ مکتبۃ السبطین، سرگودھا، صفحہ نمبر ۳۵۷۔

## تبصرہ:

مولانا محمد نافع ۱۹۱۵ء میں اور مولوی محمد حسین صاحب ڈھکو ۱۹۳۲ء میں پیدا ہوئے، پھر مولانا محمد نافع ۱۹۴۳ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہو کر آئے اور مولوی ڈھکو صاحب کی ۱۹۶۰ء میں نجف اشرف عراق سے واپسی ہوئی اور مدرسہ محمدیہ سرگودھا میں مصروفِ تدریس واہتمام ہوئے۔ [1] یعنی جب ڈھکو صاحب رسمی علوم سے فارغ ہوئے تو اس وقت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کو تدریس کرتے اور علم وتحقیق میں اترے بھی سترہ سال بیت چکے تھے۔ سن ولادت اور سن فراغت میں اس قدر تفاوت کے باوجود ڈھکو صاحب مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کو ''عزیز'' کہہ کر گویا اپنے علمی قد کو بڑھا کر پیش کرنا چاہتے ہیں۔ مگر جھوٹ بولنے کے لیے بھی تو عقل درکار ہے، اور ہم نے ہمیشہ بے عقلی کے بطن سے رفض وبدعت پیدا ہوتے دیکھی ہے۔ علاوہ ازیں علامہ چوکیروی رحمہ اللہ سے علمی نوک جھونک اور مولانا محمد نافع کی خاموشی وغیرہ وغیرہ بھی ڈھکوی اتہامات کا بدترین نمونہ ہیں۔ اور اس کی دلیل جناب ڈھکو صاحب کی اپنی مذکورہ سطر ہے یعنی ''مولانا نافع تو تعصب وعناد میں اپنے استاد چوکیروی صاحب سے بھی دو ہاتھ آگے نکل گئے۔'' اصل میں اس قسم کی رام کہانیاں شیعہ علماء ہمیشہ سے گھڑتے آئے ہیں اور انہیں اس کا قطعاً کوئی احساس یا ادراک نہیں ہوتا کہ وہ اپنے لیے خود ہی گڑھے کھود کر ان میں گرتے جا رہے ہیں۔ ان لوگوں کی عقلی وظرفی اور علمی کیفیت دیکھ کر بغیر مطالعہ کیے بھی ایک سمجھ دار قاری نتیجہ اخذ کر سکتا ہے کہ کہاں مولانا محمد نافع کی ''حدیث ثقلین'' اور کہاں ان حضرات کے فضول ولایعنی اعتراضات کی بھرمار؟ بہرکیف ''حدیث ثقلین'' کتاب سے علم وتحقیق کے ایسے فوارے نکل رہے ہیں جو چمنستانِ اسلام کی زینت میں خوشگوار اضافہ کر رہے ہیں۔ مگر اس خوشگوار ماحول سے لطف اندوز ہونے کے لیے بلبل اور کوئل کی حِس لطیف درکار ہے، گدھ اور ماس خور چیل کی جبلی فطرت کو اس کا کوئی فائدہ نہیں مل سکتا۔ حدیث ثقلین کا مکمل لطف تو پڑھ کر ہی لیا جا سکتا ہے، تاہم علامہ شمس الحق افغانی نے اپنی تقریظ میں اور خود مصنف رحمہ اللہ نے ایک جگہ حاشیہ میں اس کا تعارف بمصداق ''دریا بہ کوزہ'' کر دیا ہے۔

علامہ افغانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> ''جن روایات میں لفظ عترت یا اہل بیت آیا ہے وہ روایتاً ودرایتاً درست نہیں، روایتاً اس لیے کہ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی روایت جو صحیح مسلم میں ہے، اس کے ماسوا جملہ روایات پر جملہ محدثین نے کلام کیا ہے۔ اسی لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اس کو قابل اندراج نہ سمجھا۔ اور امام نسائی نے سنن کبریٰ میں اندراج کے

---

[1] طاہر عباس اعوان/ مردِ علم میدانِ عمل میں (سوانح حیات ڈھکو صاحب) مطبوعہ جامعہ ولی العصر، ہاؤسنگ کالونی، لیہ، صفحہ نمبر ۳۷۔

باوجود ''سنن مجتبیٰ'' سے جس میں ان کے ہاں صحت کا التزام ہے، اس کو خارج کر دیا۔ مسلم کی روایت میں اضطراب ہے، اور متنی اضطراب جبکہ ترجیح کے دلائل موجود نہ ہوں، صحت حدیث میں موجب قدح ہے۔ حدیث مسلم میں ازواجِ مطہرات کو ایک روایت میں داخل کیا گیا ہے اور دوسری میں خارج، نیز حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے خود اپنے بڑھاپے اور محل نسیان ہونے کا ذکر کیا ہے، اگر روای کی صحت مان بھی لی جائے تو سابق دو قسم کی روایات اور نصوصِ قرآن کو اس پر ترجیح ہوگی یا کم از کم یہ کہ تمسک بالکتاب والسنۃ جو قرآن سے ثابت ہے، وہ قطعی ہے، اور ثقل دوم کے متعلق اختلاف ہے کہ سنت ہے یا عترت؟ لہٰذا سنت چونکہ مطابق قرآن ہے، اس کو ترجیح ہوگی۔ درایتاً بھی عترت والی روایات درست نہیں، کیونکہ ''غدیر خم'' میں مقصودِ اصلی حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کا دفعیہ تھا اور اعتراضات کی اصلیت عداوت تھی، اللھم والی من اولاہ اور عاد من عاداہ کا تقابل بتلا رہا ہے کہ اہل بیت مستحق محبت ہیں نہ کہ محل عداوت، اسی لیے مذکورہ روایت سے محبت کا ثبوت تو ہو سکتا ہے، وجوبِ تمسک اس سے ثابت نہیں ہوتا، اس کے علاوہ عترت اور اہل بیت کی تعیین بھی کسی روایت میں نہیں کی گئی کہ کون سے افراد مراد ہیں، اگر سب مراد ہوں خواہ مومن یا کافر، صالح ہو یا فاسق، تو اُن کی اطاعت کا امر غیر معقول اور خلافِ درایت ہے۔ بہرحال رسالہ ''حدیث ثقلین'' میرے نزدیک اپنے موضوع پر بے مثال ہے اور دونوں فریق بشرطِ انصاف اس سے مستفید ہو سکتے ہیں۔'' ❶

اور خود مصنف رحمہ اللہ نے یوں وضاحت فرمائی ہے:

''رسالہ ہٰذا ملاحظہ کرنے سے معلوم ہو سکے گا کہ کس کس روایت کے اسناد کو صحیح تسلیم کیا ہے مثلاً مسند احمد رحمہ اللہ کی روایت ہشتم اور مسند دارمی کی روایت وصحیح مسلم کی روایت وغیرہ وغیرہ کی صحت اسناد کو درست کہا ہے اور صرف ان کے متنوں کے مطالب سے بحث کی گئی ہے، بنا بریں مولف رسالہ ہٰذا کے حق میں یہ کہنا غلط ہوگا کہ اس نے ''روایت ثقلین'' کے تمام اسانید پر جرح کر کے انہیں ردّ کر دیا ہے۔'' ❷

اسی حاشیہ کا ڈھکو صاحب نے اعتراف کیا ہے اور اسی حاشیہ سے ایک دوسرے شیعہ عالم کو غلط فہمی ہوئی، اور دونوں پر گزشتہ اوراق میں بحث ہو آئی ہے۔ یہ حاشیہ دراصل کم علم یا سطحی اذہان کے لیے بطور وضاحت لکھا

❶ علامہ شمس الحق افغانی، تقریظ بر کتاب ''حدیث ثقلین''، صفحہ نمبر ۲۵۔

❷ ایضاً، صفحہ نمبر ۳۵، حاشیہ

نوٹ: ایسا ہی ایک اعتراض مرید حسین شیعہ متوطن پدھراڑ ضلع خوشاب نے بھی بذریعہ خط محررہ ۱۱ جولائی ۱۹۹۹ء کیا تو مولانا نافع نے اختصاراً یوں جواب لکھا کہ ''آپ نے فرض کر لیا ہے کہ بندہ نے روایت ہٰذا کا انکار یعنی اس کی صحت کا انکار کیا ہے، پہلے میری کتاب ہٰذا سے یہ انکار ثابت کریں، اس کے بعد آگے کلام چلے گا، کتاب کو تمام تر دیکھیں، سنی سنائی پر اعتماد نہ کریں۔

گیا تھا، کیونکہ احادیث کے متون، اسانید، رجال، پھر ان سے کشیدہ شیعہ وسنی نظریاتی کشمکش ایک ایسی الجھا دینے والی علمی بحث ہے کہ عام لوگوں کی وہاں تک رسائی نہیں ہوسکتی، چنانچہ اس ''پنج سطری'' حاشیہ سے کئی ''پنج تنی'' مزید دھوکے میں مبتلا ہو گئے۔ البتہ بعض اہل سنت کی اس سے خوب تسلی ہوئی اور وہ علامہ محمد نافع کی علمی ہیبت کو سلام کر کے آگے بڑھ گئے۔

## اہل بیت کے متعلق شیعی تصور اور مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کا بیان حقیقت:

بعض کم فہم لوگ بلا سوچے سمجھے یہ اعتراض کر ڈالتے ہیں کہ شیعہ لوگ بہرحال اہل بیت سے محبت کرتے ہیں جبکہ اہل سنت محبت کا حق ادا نہیں کرتے۔ یہ خوش فہمی دراصل شیعہ مذہب کو نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ جس طرح اہل تشیع میں حضرت امام مہدی علیہ الرضوان، سیّدنا حضرت علیؓ کی شخصیت اور قرآنِ مجید کے متعلق الگ الگ تصورات ہیں، ایسے ہی وہ اہل بیت کے متعلق بھی جداگانہ تصور کے قائل ہیں۔ مثلاً شیعہ لوگ:

۱: ازواجِ مطہرات کو نہ صرف اہل بیت سے خارج قرار دیتے ہیں بلکہ ان کی شان میں صریح گستاخی کے مرتکب ہوتے ہیں جبکہ اہل سنت کے نزدیک ازواجِ مطہرات ''بیت سکنیٰ'' میں داخل ہیں اور اس پر نص قرآنی وارد ہے۔

۲: شیعہ لوگ صحابہ واہل بیت کی الگ الگ تقسیم کر کے صحابہ کرام کے متعلق بدگمانیاں پھیلاتے ہیں، اُن پر اہل بیت کے حقوق تلف کرنے کے الزامات لگاتے ہیں، اور ان کے عدمِ ایمان تک کے قائل ہیں، جبکہ اہل سنت کا موقف یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مابین جو اختلافات ہوئے وہ صرف انتظامی حد تک تھے۔ یہ سب کے سب جنتی اور مقدس لوگ ہیں اور ان کے جنتی ہونے پر نص قرآنی وارد ہے۔

۳: اہل تشیع اہل بیت کی خود ساختہ تقسیم کرتے ہیں اور بارہ افراد کو ہی ان میں شامل کر کے دوسروں کا اخراج کرتے ہیں، اور پھر ان بارہ کو ''معصوم'' کہتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تین صاحبزادیوں کا انکار کر کے فقط حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دختر رسول مان کر انہیں ''معصومہ'' قرار دیتے ہیں جبکہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک اہل بیت کے لیے سب سے پہلا شرف ''صحابیت'' اور دوسرا ''قربت رسول'' ہے اور یہ حفاظت کا مقام ہے، عصمت کا نہیں، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اجرائے عصمت کا نظریہ ختم نبوت کے انکار کے مترادف ہے۔ اور چاروں صاحبزادیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ''بیت ولادت'' میں شامل ہیں۔ لہٰذا باقی صاحبزادیوں کا انکار کر کے فقط سیدہ فاطمۃ الزہرا کو دختر رسول ماننا اور محض انہیں ہی اہل بیت رضی اللہ عنہم میں شامل کرنا محبت اہل بیت نہیں بلکہ عداوت ہے۔ انہی نظریات کے بل بوتے پر علماءِ شیعہ ''حدیث ثقلین'' کی آڑ میں اپنا خود ساختہ نظریہ امامت ثابت کرتے ہیں اور پھر اہل سنت کی کتابوں سے جملہ طرق، اور اسانید ومتون کی پرواہ کیے بغیر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں کہ ہمارا یہ نظریہ اہل اسلام کی کتب احادیث سے بھی ثابت

ہے۔ چنانچہ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے ایک تاریخی اور منفرد کارنامہ سرانجام دے کر شیعہ مذہب کے تابوت میں آخری کیل گاڑ دیا اس لیے عرب وفارس کے علماء اس کی تعریب وتفریس کرنے کے متمنی نظر آتے ہیں اور مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے ماضی کے معروف شیعہ عالم جناب مولانا میر حامد حسین لکھنوی کی ''عبقات الانوار'' اور ''استقصاء الافہام'' کا علمی پندار جس طرح توڑا ہے، وہ اہل شعور پر مخفی نہیں ہے۔ فلہٰذا یہ کتاب اہل سنت اور اہل تشیع کے دونوں طبقات کے لیے قابل مطالعہ ہے۔

## (۶) بناتِ اربعہ...... (سن تکمیل مئی ۱۹۸۴ء):

ساڑھے چار سو صفحات پر مشتمل یہ کتاب اپنے موضوع، شانِ تحقیق اور اسلوب بیان کے اعتبار سے بے نظیر تصنیف ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ شیعہ علماء حضور اقدس ﷺ کی صرف ایک بیٹی ہونے کے مدعی ہیں، بقیہ چہار صاحبزادیوں کا انکار کرتے ہیں، چنانچہ اس موضوع پر ویسے تو شیعہ علماء کی درجن بھر کے قریب کتب موجود ہیں، مگر مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے اپنی یہ کتاب دو شیعہ کتابوں کے جواب میں لکھی ہے:

۱: الاصول فی توحد بنت رسول......سید خادم حسین بخاری وزیر آبادی۔

۲: قول مقبول فی اثباتِ وحدتِ بنت رسول......غلام حسین نجفی آنجہانی۔

اوّل الذکر نے کتاب ''بنات اربعہ'' کی طباعت کے بعد مولانا محمد نافع کو خط لکھا تھا۔ یہ خط اگرچہ آپ مکتوبات کی جلد میں بھی ملاحظہ کریں گے، تاہم موضوع کی مناسبت سے یہاں بھی پڑھ لیں۔

### سیّد خادم حسین کا خط بنام مولانا محمد نافع رحمہ اللہ:

محترمی بزرگوارم جناب مولانا محمد نافع دام عزہ۔

سلام مسنون! امید ہے کہ مزاج گرامی بخریت ہوگا۔

ابھی سید محمد قاسم شاہ صاحب کا سرگودھا سے ایک خط موصول ہوا ہے، جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ آپ نے میری کتاب ''الاصول فی توحد بنت رسول ﷺ'' کا جواب لکھا ہے۔ چنانچہ گزارش ہے کہ مذکورہ کتاب بندہ کے نام وی پی کر کے ارسال فرمائیں۔ نیز اطلاعاً عرض خدمت ہے کہ میں نے ایک کتاب ''جواز متعہ'' کے نام سے تصنیف کی ہے اور یہ کتاب میں نے مدرسہ ابراہیمیہ ناصر روڈ سیالکوٹ کے صدر مدرس مولانا محمد علی جانباز کی کتاب ''حرمت متعہ'' کے جواب میں لکھی ہے۔ اگر ضرورت ہو تو آپ کو جواز متعہ ارسال کرنے میں سعادت سمجھوں گا، بہرحال ''الاصول'' کا جواب ضرور ارسال فرمائیں۔ والسلام مع الاحترام

مخلص السید خادم حسین [1]

---

[1] محررہ ۴ مئی ۱۹۸۵ء۔ (لیٹر پیڈ پر مکتوب نگار کی تصویر بھی لگی ہے۔ سلفی)

اور غلام حسین نجفی نے اپنی کتاب میں دیگر علماء اہل سنت کے علاوہ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی مایۂ ناز کتاب ''رحماء بینھم'' جلد سوم میں حضرت عثمان غنیؓ کے شرفِ دامادی رسول سے پیٹ میں مروڑ کھائے ہیں، اور آپ کو کتاب ''رحماء بینھم'' مؤلف محمد نافع عثمانی مروانی ابوسفیانی [1] جیسے ناموں سے مخاطب کیا ہے۔ اور یہ کتاب کل کی کل بکواسات، گالیاں، بدتہذیبی اور انتہائی غیر اخلاقی وغیر شائستہ طرزِ تحریر پر مشتمل ہے، یہی حال سید خادم حسین بخاری کی کتاب کا ہے، شیعہ علماء کی شاطرانہ پالیسیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب یہ علماء اہل سنت سے مخاطب ہوتے ہیں تو مصنوعی اور تکلفاً اخلاقی لب ولہجہ اختیار کرتے ہیں، مگر جب یارانِ رسول ﷺ کا نام ان کے نوکِ زبان وقلم پہ آجائے تو سرتاپاء ان کے چہرے میں آگ کے انگارے بھر جاتے ہیں۔ اس لیے مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے اپنی اس کتاب میں ان دونوں شیعہ علماء یا ان کی کتب کا ذکر کیے بغیر ان کے اٹھائے ہوئے اعتراضات کا قلع قمع کیا ہے۔ اور اس میں سب قدیم وجدید علماء شیعہ کے اعتراضات کے جوابات بھی آگئے ہیں، گالیوں پر مشتمل ان کتابوں کا نام درج کرکے شاید مصنف رحمہ اللہ اپنی بے مثال علمی، تحقیقی اور شاندار طرزِ تحریر پہ مشتمل مذکورہ کتاب کو بٹا نہیں لگانا چاہتے تھے۔ لیکن حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کا مزاج یہ تھا کہ جب کسی کے خلاف قلم اٹھایا جائے تو اس کا ذکر کردینا مناسب ہوتا ہے۔ ہر دو بزرگوں کی یہ ادائیں اپنے اپنے حالات ومزاج کے موافق اور تقاضائے وقت کا درسِ حسن دے رہی ہیں۔ چنانچہ ''بناتِ اربعہ'' کی طباعت کے بعد حضرت اقدس رحمہ اللہ نے جو مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کو خط لکھا تھا، اس میں جہاں کتاب ہذا کی تائید وتصویب اور اظہارِ مسرت ہے، وہاں یہ رائے بھی درج کی ہے، مگر دونوں کے دل میں ایک دوسرے کا کس قدر احترام وعظمت تھی؟ وہ اس خط سے ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ (اگرچہ گزشتہ اوراق میں بھی اس تعلقِ باہمی کی مثال گزر چکی ہے۔)

## حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کا خط بنام مولانا محمد نافع:

حضرت مولانا المکرم زید فضلہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! طالب خیر بخیر ہے۔ آنجناب کی کتاب ''بناتِ اربعہ'' مع گرامی نامی موصول ہوئی۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔ آپ کی یہ تصنیف ماشاء اللہ اپنے موضوع پہ منفرد ہے۔ آپ نے محکم دلائل سے بناتِ اربعہ کا اثبات کرکے شیعی اوہام ووساوس کا قلع قمع کردیا ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ نبی کریم، رحمۃ

[1] غلام حسین نجفی، قول مقبول فی اثباتِ وحدتِ بنت رسول، مطبوعہ جامعۃ المنتظر ایچ بلاک ماڈل ٹاؤن، لاہور، تکمیل کتاب ۱۹۸۲ء، صفحہ نمبر ۵۰۶۔

اللعالمین، خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بنات طاہرات کے اس میں احوال وفضائل بھی درج کر دیئے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ کتاب اس موضوع پر ایک جامع تصنیف ہے۔ حق تعالیٰ آپ کی یہ عظیم خدمت قبول فرمائے۔ اور اس کتاب سے مخالفین وموافقین اور ہر قسم کے تعلیم یافتہ طبقات کو مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ۔ آپ نے غالباً ایک شیعی مؤلف خادم حسین بخاری کی تازہ تصنیف کے پیش نظر یہ ضخیم کتاب لکھی ہے اور اس کی ضرورت بھی تھی۔ حضور ﷺ کی بنات طاہرات کا دفاع اہم دینی فریضہ ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ آپ اس شیعی مصنف کی کسی جگہ نشاندہی بھی کر دیتے تو اس کی افادیت بڑھ جاتی، یہ بندہ کی رائے ہے۔ آپ کے گرامی نامہ کے جواب میں زیادہ تاخیر پہ بندہ معذرت خواہ ہے، کیونکہ اپنی نئی کتاب ''کشف خارجیت'' کی تکمیل میں مصروف رہا ہوں۔ اس کی کتابت بھی مکمل ہو چکی ہے، تصحیح باقی ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ طبع ہوتے ہی ارسال خدمت کر دوں گا۔ قاری شیر محمد صاحب (لاہور) آپ کا ذکر کرتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہم سب کو مذہب اہل السنت والجماعت کی اتباع ونصرت کی توفیق دے اور اہل السنت والجماعت کو کامیابی نصیب ہو آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ۔

نوٹ: کتاب کا ابھی بالاستیعاب تو مطالعہ نہیں کر سکا، البتہ عنوانات اور جستہ جستہ مقامات سے استفادہ کیا ہے۔ نیز دفتر خدام اہل سنت چکوال سے غالباً پچاس نسخوں کی ترسیل کا عریضہ پہنچ چکا ہوگا! والسلام طالب دعا مظہر حسین غفرلہ۔ [1]

## اندازِ بیاں محض تبلیغی نہیں، تحقیقی ہوتا ہے:

کتاب ''حدیث ثقلین'' کی طرح ''بناتِ اربعہ'' کی تقریظ کے لیے بھی سلطان العلماء علامہ ڈاکٹر خالد محمود کا انتخاب کیا گیا، آپ نے اپنے ذوقِ تحقیق کے مطابق ایسی جامع تقریظ لکھی کہ پوری کتاب گویا سمٹ کر چند اوراق میں سمو گئی، اور علم نافع وخالد کا باہمی اتصال نہایت دلکش نظارا چھوڑ گیا، آپ اپنی تقریظ کے اختتامیہ میں رقمطراز ہیں:

''اللہ رب العزت حضرت مولانا محمد نافع صاحب دامت برکاتہم کو جزائے خیر دے اور آپ کی مساعی جمیلہ کو اور نافع بنائے کہ آپ نے آنحضرت ﷺ کی چاروں صاحبزادیوں کے حالات، کمالات اور درجات ایسے محققانہ اور نفیس پیرائے میں بیان فرمائے ہیں کہ اس کتاب کی اشاعت واقعی اس عہد کا ایک نہایت اہم علمی اضافہ ہے۔ مولانا کا اندازِ بیان محض تبلیغی نہیں، تحقیقی بھی ہوتا ہے۔ ایک مؤرخ کی حیثیت میں آپ بات کی

---

[1] محررہ ۲۶ شعبان ۱۴۰۵ھ۔

آخری تہہ تک اُترتے ہیں۔ "رحماء بینھم" کے بعد آپ کی یہ تحقیقی پیشکش بیشک دنیائے علم پر ایک عظیم احسان ہے۔ رب العزت آپ کی ان مساعی کو مشکور فرمائیں اور آپ کو ہر فتنہ اور ہر عین لامہ سے محفوظ فرمائیں۔ امید واثق ہے کہ قارئین اس کتاب کے مطالعہ سے اپنے دلوں میں ایک غیر معمولی سکون وطمانیت محسوس کریں گے۔ [1]

## "بناتِ اربعہ" کا اسلوب تحریر:

مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی ہر کتاب کا بنیادی وصف اگرچہ اعتدال ہے، لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اعتدال کا ذائقہ ہر کتاب کا جدا ہے۔ گویا آپ اپنے قاری کو بحر اعتدال اور بحر تحقیق کے اس مقام تک لے جاتے ہیں، جہاں جا کر آپ کی کرامت کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہا جاسکتا، اسلوب تحریر کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں:

> "معترض دوستوں نے ایک یہ اعتراض بھی نشر کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ان تینوں صاحبزادیوں (حضرت زینب، حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہن) کی کوئی فضیلت کی چیز اسلامی کتب میں نہیں پائی جاتی، شیعہ وسنی کی تصانیف کا ہر صفحہ ان کے ذکر فضیلت سے کورا نظر آیا، اور نبی پاک ﷺ اور ان بیٹیوں کے درمیان الفت ومحبت کا مظاہرہ کبھی نظر نہیں آتا وغیرہ وغیرہ۔ اس اعتراض کے جواب کے لیے اس چیز کی ضرورت ہے کہ ہر سہ صاحبزادیوں کے مذکورہ سوانح پر ایک نظر ڈالی جائے۔ اور ایک ایک عنوان کو سامنے رکھا جائے تو یہ مسئلہ صاف ہوجاتا ہے اور اس اعتراض کا بے بنیاد ہونا از خود واضح ہوجاتا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ان تینوں صاحبزادیوں کے احوال وسوانح ہم نے قریباً اڑتیس عدد اپنی کتب سے اور ساتھ ہی کم وبیش چوبیس عدد شیعہ اکابر علماء کی کتب سے پیش کیے ہیں۔ ان کتابوں کے ذخیرہ سے ہر سہ صاحبزادیوں کے احوال بقدر ضرورت ہم نے نقل کر دیئے ہیں اور بیشتر مقامات میں ان کی اصل عبارات بھی ذکر کر دی ہیں، تاکہ ناظرین کرام کے لیے پوری طرح تسلی کا سامان ہوجائے۔ اہل علم ودانش ان تفصیلات کے مطالعہ سے بخوبی معلوم کر سکتے ہیں کہ معترضین کا یہ دعویٰ کہ سنی وشیعہ کتب ان کے ذکر فضیلت سے خالی ہیں" کہاں تک درست ہے؟ اور "بناتِ ثلاثہ" کے ذکر فضیلت کا کتب تاریخ وروایات میں نہ پائے جانے کا بلند بانگ دعویٰ کتنا قدر صحیح ہے؟ اور اس میں کیا کچھ صداقت ہے؟ [2]

زیر تبصرہ کتاب میں مولانا محمد نافع کی قلمی اٹھان قابل دید ہے، اور علم وتحقیق کا بحر مواج دلکش نظارا پیش کر رہا ہے۔ سب سے پہلے دعویٰ، پھر دلیل، پھر معترض کا وارد کردہ اشکال بعد ازاں رفع اشتباہ، ازالۂ شبہات،

---

[1] علامہ خالد محمود، تقریظ بر کتاب "بنات اربعہ، مطبوعہ تخلیقات" لاہور جنوری ۱۹۹۷ء، صفحہ نمبر ۳۳۔

[2] مولانا محمد نافع، بناتِ اربعہ، صفحہ نمبر ۲۵۲۔

تنبیہات اور دفع توہمات وغیرہ کے زیر عنوان آپ رحمہ اللہ نے ایسے ایسے جواہر وگواہر لوٹا دیئے ہیں کہ ہدایت کا متلاشی شاہراہِ تحقیق پہ خوشی خوشی دوڑتا چلا جاتا ہے، بعض مقامات پر آپ کی غیرتِ ایمانی قاری کو جھنجھوڑتی ہے جب دل آزار قسم کی عبارات پڑھ کر ایک طرف اظہار جوش کو دل بے تاب ہوتا ہے اور دوسری جانب حکمت وموعظہ حسنہ کے ذریعہ جامِ صبر پینے کا حکم ہوتا ہے، اس کی بھی ایک جھلک ملاحظہ ہو، آپ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''ان صاحبزادیوں رضی اللہ عنہن کے حق میں بعض لوگ اس دور میں زبانِ طعن دراز کیے ہوئے ہیں۔ اور لکھتے ہیں کہ یہ نبی کی روایتی بیٹیاں تھیں، یہ نبی کی رواجی بیٹیاں تھیں اور ان کے حق میں کوئی فضیلت قرآن وحدیث سے نہیں ملتی، مطلب یہ ہے کہ صاحبزادیاں (حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہن) نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد نہیں ہیں۔ اور ان کی کوئی فضیلت کتابوں میں مذکور نہیں۔'' (استغفر اللہ العظیم)

ناظرین کرام! اپنے مہربان پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد شریف کے حق میں ان لوگوں کا یہ نہایت نازیبا سلوک ہے، یہ لوگ بڑی بے باکی کے ساتھ ان صاحبزادیوں سے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب شریف کی نفی کرتے ہیں اور اللہ سے بالکل نہیں ڈرتے، اور ساتھ ہی ساتھ دعویٰ یہ ہے کہ ان بیٹیوں کی کوئی فضیلت کتابوں میں نہیں ملتی، نہ شیعہ کی کتاب میں، نہ کسی سنی کتاب میں، بندہ نے یہ چند واقعات اسلامی کتب سے جمع کرکے ناظرین کی خدمت میں پیش کر دیئے ہیں، ساتھ ساتھ شیعہ معتبرات کے بھی حوالے دے دیئے ہیں، اب باانصاف اور شریف باشعور آدمی اس چیز کا فیصلہ خود کرلیں کہ حق بات کون سی ہے؟ اور از خود تراشیدہ چیزیں کون سی ہیں۔ مزید کسی تبصرہ وتشریح کی حاجت نہیں رہے گی، قلیل سی خوفِ خدا کی حاجت ہے، اگر کہیں سے دستیاب ہوجائے تو ''سبحان اللہ'' وہ ساتھ ملالیں۔ [1]

## ''افضلیت النساء'' کے مسئلہ میں مولانا محمد نافع کی تحقیق کا خوبصورت خلاصہ:

آپ نے زیر تبصرہ کتاب کے اندر ایک باب ''افضلیت النساء'' کا بھی قائم کیا ہے اور اس میں قطعیات وظنیات، اور مختلف روایاتِ مشہورہ واخبار صحیحہ کے متعلق بھرپور اور سیر حاصل بحث کرنے کے بعد ''مختلف جہات'' کے اعتبار کرنے کا نہایت سلیقے سے مشورہ دیا ہے اور اس نازک پگڈنڈی سے آپ بڑی سلامتی کے ساتھ گزر گئے ہیں، آپ کا موقف یہ ہے کہ ہر ایک طاہرہ خاتون کو اس کی خاص جہت وحیثیت اور جزوی

---

[1] بنات اربعہ، صفحہ ۱۶۲۔

فضیلت کے اعتبار سے ممتاز تسلیم کر لیا جائے تو اس میں کوئی خرابیٔ نظریہ کا شائبہ پیدا نہیں ہوگا، مثلاً:

۱: اسلام میں مشکل ترین مراحل کے وقت امتیازی خدمات کے لحاظ سے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا مقدم اور فائق ہیں۔

۲: اور دینی علوم میں شرح وافادہ کے اعتبار سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی افضلیت واضح طور پہ ثابت ہے۔

۳: شرافت اصل ونسل کے اعتبار سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی افضلیت میں ان کی بہنوں کے سوا کوئی شریک نہیں۔

۴: جبکہ شرفِ سیادت کے اعتبار سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سب سے افضل ہیں، اس طریقہ سے ہر ایک کی فضیلت اپنی اپنی جگہ مسلم ہے۔ اس کے بعد آپ نے ''توقف کی تلقین'' میں مزید اعتدال، صبر واستقامت اور متحمل مزاج ہونے کی دعوتِ خیر دی ہے، بہر حال کتاب ''بناتِ اربعہ'' اردو زبان میں لکھی جانے والی وہ کتاب ہے کہ جس پر خود اردو زبان کو ناز ہونا چاہیے۔ مبصر کے اس دعوے کو سچا یا خلاف واقعہ کہنے کے لیے پہلے اس کا بشرطِ انصاف مکمل مطالعہ کرنا ضروری ہے اور نیت بخیر تو بہر حال پہلی شرط ہے۔

## (۷) سیرتِ سیّدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ (سن تکمیل، اگست ۱۹۸۸ء):

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سوانح ومناقب پر مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی زیر تبصرہ کتاب شاندار تخیلات اور عشق وعقیدت کے قوس وقزح جیسے رنگوں میں رنگی ہوئی ہے۔ آپ نے اس تصنیف کو کتاب ''رحماء بینہم'' کا حصہ چہارم بنانے کے بجائے الگ سے شائع کیا ہے، کیونکہ ''رحماء بینھم'' میں خلفاء ثلاثہ کے نام بنام اور شانہ بشانہ آپ کا ذکر خیر ہوتا چلا آتا ہے، آپ کی تاریخی شخصیت اور بعض دیگر وجوہ کی وجہ سے ضروری تھا کہ تاریخ کا طالب علم اسے مجلدات کی بجائے الگ سے حاصل کر کے مطالعہ کرے اور پوری یکسوئی وفراخ دلی سے کسی نتیجہ پر پہنچے۔ بنیادی طور پر اس کتاب کے اسبابِ تالیف دو ہیں:

۱: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق شیعہ حضرات کا افراط۔

۲: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق نواصب وخوارج کی تفریط۔

چنانچہ آپ ابتدائیہ میں رقم زن ہیں:

> ''جناب سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ذاتِ والا صفات کے حق میں بعض لوگ افراط کیے ہوئے ہیں، یہ اپنے طبقہ کو شیعانِ علی رضی اللہ عنہ سے تعبیر کرتے ہیں، ان کو روافض کہا جاتا ہے۔ اور بعض لوگ تفریط اور کوتاہی کرتے ہیں، ان کو نواصب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور یہ سلسلہ پوری تاریخ میں برابر چلا آیا ہے۔ اس دور میں بھی ہمارے ملک میں یہ افراط وتفریط موجود ہے اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی پیش گوئی کی تھی کہ میرے بارے میں یہ دو طرح کے گروہ پیدا ہو جائیں گے اور صحیح لوگ ان میں درمیانے درجہ میں ہوں گے۔ ان احوال کے پیش نظر کوشش ہے کہ جادۂ اعتدال پر چل کر حتی المقدور صحیح چیزیں مرتب کی جائیں۔''

# ایک کتاب ''شمائل علی'' کا تذکرہ:

لفظ ''تفریظ'' کے تحت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''پاکستان میں ''شمائل علی'' کے نام سے حال ہی میں ایک کتاب کراچی میں نذیر احمد شاکر کی جانب سے شائع ہوئی ہے جس میں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حد درجہ تحقیر وتنقیص کی گئی ہے اور آنجناب کے مقام ومرتبہ کو گرانے کے لیے بڑی بے باکی کے ساتھ واقعات کی قطع وبرید کی گئی ہے۔ اور انہیں نہایت قبیح شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اولاد حضراتِ حسنین شریفین کے ساتھ ان کو قلبی عناد ہے، جیسا کہ اس کے مندرجات سے ظاہر ہے، قیامِ پاکستان کے بعد یہ لوگ کراچی میں نمودار ہوئے اور اب یہ دیگر شہروں میں بھی پھیلتے جا رہے ہیں۔ ان ہر دو فرقوں ''نواصب'' اور ''روافض'' کا تقابل بڑا خطرناک اور عبرتناک ہے، دونوں طبقے تفریط اور افراط کی راہ لیے ہوئے ہیں جس کی وجہ سے اہل اسلام کو نقصانِ اعظم پہنچ رہا ہے۔'' ❶

''شمائل علی'' نام کی یہ کتاب واقعی گستاخانہ عبارات پر مشتمل ہے اور اس کے ٹائٹل پر مصنف نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام کے نیچے بریکٹ میں (مشکلاتِ حضرتِ مشکل کشا) درج کیا تھا، مذکورہ کتاب مکتبہ جاء الحق کراچی نمبر ۱۸ سے نذیر احمد شاکر کے نام سے چھپی تھی، اور اس پر مشہورِ پاکستان خارجی اور منکر حدیث عُزیر احمد صدیقی نے تقریظ لکھی تھی۔

نذیر احمد شاکر کے تعارف میں لکھا گیا ہے کہ یہ ہندوستان کے ایک علمی گھرانے سے متعلق ہیں، مولانا محمد یوسف کوکن عمری ان کے خالہ زاد بھائی ہیں، شاکر صاحب ۱۹۱۴ء میں پیدا ہوئے، مدراس یونیورسٹی سے بی۔اے کر کے اکاؤنٹینسی کا ڈپلومہ لیا، پھر ''دی مسلمان'' نامی ایک اردو اخبار سے وابستہ ہو گئے۔ پھر فوج میں شامل ہو گئے اور نواب آرکاٹ نے ان کو اپنا ADC بنا لیا، بعد ازاں آفیسر بنا کر ۳۴ ویں انڈین انفنٹری کے ساتھ سیلون بھیج دیئے گئے۔ فوج سے ریلیز ہو کر وطن واپس ہوئے اور مسلم لیگ کے ساتھ جنگ آزادی میں شریک ہوئے۔ جنگ آزادی میں کودنے کے بعد جب پاکستان بن گیا تو انہیں پتہ چلا کہ یہ تو عجیب سی فتح ہے جو اپنے ہی وطن کو پردیس بنا گئی، بعد ازاں مشرقی پاکستان پہنچ گئے۔ اور وہاں چیمبر آف کامرس میں چیف اکاؤنٹنٹ لگ گئے۔ پھر وہاں سے مغربی پاکستان منتقل ہو گئے وغیرہ وغیرہ، یعنی اس پورے ریکارڈ میں یہ کہیں درج نہیں کہ انہوں نے دینی علوم کہاں سے سیکھے؟ کس مکتب فکر سے تعلق تھا، تاریخ وسیاسیات کا مطالعہ کتنا کیا؟

---

❶ مولانا محمد نافع، سیرت سیّدنا علی المرتضیٰ، مطبوعہ تخلیقات لاہور، فروری ۱۹۹۴ء، صفحہ نمبر ۱۸، حاشیہ۔

بس کراچی میں آ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف ایک مسودہ تیار کر دیا، جس کا تعارف عزیز احمد صدیقی یوں کرواتے ہیں:

''اس کتاب کو پڑھنے کے بعد قاری یقیناً حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہلی بار انسانی روپ میں دیکھ کر حیرانی سے پوچھے گا کہ کیا اسی وجہ سے ہمارا مولوی ہم کو جمعے کے خطبے میں سناتا ہے کہ آپ مظہر العجائب والغرائب تھے اور آپ مشارق ومغارب کے امام تھے، آپ اسد الغالب علی کل غالب تھے......شاکر صاحب نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی سچی سوانح حیات مرتب کر کے نہ صرف مسلم نوجوانوں پہ احسان کیا ہے بلکہ اسلام کی بڑی خدمت کی ہے۔ اس سے شرک کے دروازے بند ہو جائیں گے اور سبائی یہودیوں نے حضرت علی کو اسلامی ابوالہول بنا دیا تھا، شاکر صاحب نے وہ بت توڑ کر سنت رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم وابراہیم علیہ السلام ادا کی ہے۔''[1]

یہ کتاب ۱۹۷۸ء بمطابق ۱۴۰۰ھ کے زمانہ میں شائع ہوئی تھی اور اس کی عبارات ومندرجات بہت زہرناک ہیں مثلاً حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ سے چھے بچے جنے، انہیں بہت سے بچے پیدا کرنے کا شرف حاصل ہوا، حضرت علی کی عیش پسندی، سیدہ فاطمہؓ نے علیؓ کے لیے چھ بچے جنے، حضرت علی کو شراب سے الفت تھی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا علی رضی اللہ عنہ سے تنگ آ گئی تھیں، حضرت علی کی نازیبا حرکت، خلافت کے حریص، وغیرہ وغیرہ غرضیکہ صفحہ بہ صفحہ تو کیا سطر بہ سطر اس کتاب میں اہانت سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کی گئی ہے۔ ۳۱۴ صفحات پر مشتمل اس کتاب کا منظر عام پر آنا تھا کہ اہل سنت کے ہاں صف افسوس بچھ گئی کیونکہ وہ اس قدر اہانت وتنقیص کا تصور تک نہیں کر سکتے تھے، جبکہ شیعہ علماء کو نفرتیں پھیلانے کا مزید موقع مل گیا، چنانچہ ان دونوں طبقات (روافض ونواصب) کے ٹکراؤ سے اہل پاکستان اور اہل اسلام شدید ترین ذہنی کرب واضطراب کا شکار رہے، ادھر اہل تشیع نے حضرت علیؓ کے متعلق جتنے افکار ایجاد کر رکھے ہیں ان کو بھی کوئی سلیم الطبع قبول نہیں کر سکتا، یہ لوگ کبھی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اتنا بڑھا دیتے ہیں کہ خدائی تک پہنچا دیتے ہیں، اور کبھی اتنا گھٹا دیتے ہیں کہ وہ صحابی رسول تو کیا، ایک عام بزرگ بھی محسوس نہیں ہوتے۔

## روافض ونواصب کے تقابلی جائزہ سے کشیدہ نتائج:

ہر دو طبقوں کا غیر جانبدارانہ جائزہ لیا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ روافض کے بطن سے ہی ایسے منتشر خیالات کے لوگ پیدا ہوتے ہیں۔ کیونکہ سیّدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق کتب روافض میں یا تو بے

[1] عزیز احمد صدیقی / تقریظ بر کتاب ''شمائل علی''، مکتبہ جاء الحق نمبر ۱۸ کراچی، ۱۴۰۰ھ، صفحہ نمبر ۱۴۔

انتہا تحقیر پائی جاتی ہے، یا پھر انتہا درجے کا غلو، اور یہ دونوں چیزیں جہلاء کی علامت ہیں، "الجاهل اما مفرَط او مفرِط" مسلّم ضابطہ ہے، یعنی جاہل یا تو بہت زیادتی کر جاتا ہے یا بہت کمی، اعتدال پر نہیں رہتا۔ چنانچہ تصویر کا ایک رخ تو یہ ہے کہ اہل تشیع کے مشہور مترجم مولوی حکیم مقبول احمد دہلوی حضرت علیؓ کا حلیہ یوں بیان کرتے ہیں:

"تفسیر برہان میں ہے جو کوئی جناب رسولِ خدا ﷺ کو جناب فاطمہ زہرا کا پیام دیتا تھا تو حضرت انکار فرما دیتے تھے، یہاں تک کہ لوگوں نے پیام دینا چھوڑ دیا، اور وہ سب مایوس ہوگئے۔ جب آنحضرت ﷺ کو یہ منظور ہوا کہ اپنی نورِ نظر کا نکاح جناب امیر المومنین علیہ السلام کے ساتھ کردیں تو جنابِ سیدہ کو بطور راز آنحضرت ﷺ نے اپنے ارادہ سے اطلاع دی یہ سن کر جناب معصومہ نے گردن جھکا لی اور عرض کی بابا، آپ کی رائے مقدم ہے، آپ کو اختیار ہے۔ مگر میں نے زنانِ قریش کی زبانی سنا ہے کہ علی بن ابی طالب کا پیٹ بڑا ہے، ہاتھ لمبے لمبے ہیں، پنڈلیاں موٹی موٹی ہیں، سر کے اگلے حصہ پر بال نہیں ہیں، کشادہ پیشانی ہے، آنکھیں بڑی بڑی ہیں، اُن کا کندھا اتنا سخت ہے جیسے اونٹ کا کندھا، ہنس مکھ ضرور ہیں مگر مالِ دنیا بالکل نہیں رکھتے۔" ❶

یہاں یہ واضح کردینا بھی ضروری ہے کہ مندرجہ بالا عبارت اب ترجمہ مقبول سے شیعہ علماء نے حذف کروادی ہے۔ چنانچہ یہاں لاہور میں نظامی پریس بکڈپو، وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ کا عکس شائع کیا جارہا ہے یا افتخار بکڈپو کرشن نگر لاہور کی طرف سے ضمیمہ مقبول شائع ہوا تو ان نسخوں میں "نظریۂ ضرورت" کے تحت اس عبارت کو خارج کردیا گیا ہے۔ شیعہ کتب میں پورے کے پورے ابواب ہضم کرلیے جاتے ہیں، یہ ان کے ہاں ایک خاص فن اور معمول کا عمل ہے، مگر دوسری طرف اہل سنت اگر اپنی کسی کتاب کے نئے ایڈیشن میں معمولی سی لفظی ترمیم بھی کرڈالیں تو یہ پہاڑ سر پہ اٹھالیتے ہیں، اور محرف وبددیانت وغیرہ ہونے کی طعنہ زنی کرتے ہیں۔

یہ عبارت جو ترجمہ مقبول میں تفسیر برہان سے نقل کی گئی ہے، اور اس میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زبان سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حلیہ شریف جو نقشہ پیش کیا گیا ہے، یہ صریح توہین علی رضی اللہ عنہ ہے اسی طرح علامہ باقر مجلسی نے بھی یہ روایت پیش کرتے ہوئے لکھا ہے:

"علی بن ابراهیم به سند معتبر روایت کرده است: هر که خواستگاری فاطمه رانزد حضرت رسالت ﷺ مي کرد، حضرت رو از او برمي گردانید واظهار کراهت مي

❶ مقبول احمد دہلوی، ضمیمہ جات ترجمہ مقبول، مطبوعہ حیدری کتب خانہ امام باڑہ روڈ بمبئی ۹، صفحہ نمبر ۵۴۲۔

نمود، چوں خواست که اورا به امیر المومنین علیہ السلام تزویج کند، پنهاں به فاطمه اظهار نمود، آں حضرتِ در جواب گفت، اختیار من با تو است ولیکن زنانِ قریش در حق علی مي گویند: او مردی است شکم بزرگ، ودستهائی بلند دارد، وبند هائے استخوانش گنده است، وپیش سرش مو ندارد، وچشمهائے بزرگ دارد، پیوسته دندانهایش به خنده کشاده است، ومالي ندارد۔ فرمود ای فاطمه مگر نمی دانی که حق تعالي مشرف شد بر دنیا ومرا اختیار کرد بر جمیع مردانِ عالم، پس بار دیگر مشرف شد بر دنیا واختیار کرد علی را بر مردانِ عالمیان، پس مطلع شد بر دنیا وتورا اختیار کرد به زنانِ عالمیان۔" ❶

اس کا ترجمہ پیچھے گزر چکا ہے، مگر پھر بھی ہم جلاء العیون کے ایک مترجم کا ترجمہ پیش خدمت کرتے ہیں:

"علی بن ابراہیم نے بسند معتبر روایت کی ہے کہ جو شخص جناب فاطمہ کی خواستگاری حضرتِ رسول ﷺ سے کرتا، تو حضرت اپنا منہ اس کی جانب سے پھیر لیتے اور اظہار کراہت فرماتے، جب ارادہ تزویج ہمراہ علی سے ہوا، جناب فاطمہ سے پوشیدہ بیان کیا، جناب فاطمہ نے کہا میرا اختیار آپ کو ہے، لیکن زنانِ قریش کہتی ہیں، علی بزرگ شکم اور بلند دست ہیں اور بند ہائے استخوان گندہ ہیں۔ آگے سر کے بال نہیں، آنکھیں بڑی اور ہمیشہ خندہ دہاں اور مفلس ہیں۔ حضرت نے فرمایا اے فاطمہ کیا تم کو معلوم نہیں، حق تعالیٰ جانب دنیا متوجہ ہوا اور مجھ کو جمیع مردان عالمیان سے اختیار کیا، پھر دوسری دفعہ دنیا کی طرف متوجہ ہوا اور علی کو مردانِ عالمیان سے اختیار کیا، پھر تیسری دفعہ دنیا کی طرف متوجہ ہوا اور تجھے زنانِ عالمیان سے اختیار کیا۔" ❷

## حاشیہ نگار کی حاشیہ آرائی:

جلاءُ العیون کا جو ترجمہ پاکستان اور ہندوستان سے چھپ رہا ہے اس کے ناظر ثانی اور مقدمہ وحاشیہ نگار مولوی سید ظہور الحسین کوثر بھریلوی خطیب شیعہ تھے، انہوں نے مذکورہ بالا روایت پر حاشیہ لکھنے کی جو جسارت کی ہے، اسے جسارت اور سینہ زوری کے علاوہ کوئی نام نہیں دیا جاسکتا، وہ لکھتے ہیں:

"یہ روایت کہ حضرت علی بڑے پیٹ والے تھے، جناب سیدہ نے کہا، مخالفین نے بنائی ہوئی ہے۔ اور طبری

---

❶ علامہ باقر مجلسی، جلاء العیون فارسی، باب دوم، تاریخ چہار دہ معصوم، تزویج امیر المومنین وفاطمہ، مطبوعہ ایران، بہ تحقیق سید علی امامیان، صفحہ ۲۱۸۔

❷ سید عبد الحسین، ترجمہ جلاء العیون جلد اوّل، مطبوعہ عباس بک ایجنسی لکھنؤ، مارچ ۲۰۰۱، صفحہ نمبر ۲۰۴۔

واسد الغابہ اس کے ناقل ہیں، لہٰذا ایسے واقعات اجماعی شیعوں میں بنے تا کہ لوگ یہ معلوم کرلیں کہ یہ احادیث فضیلت علی و فاطمہ والی ویسی ہی ہیں، بلکہ فاطمہ تو ناراض تھیں نکاح سے، رسول نے معاذ اللہ زبردستی کر دیا۔ مگر سچ ہے جو دشمن آل رسول ہوگا، عقل سے کورا ہوگا اور جو عقل مند ہوگا وہ دشمن آل رسول نہ ہوگا۔"[1]

بالکل بجا فرمایا، صاحب تفسیر البرہان، علامہ باقر مجلسی، علی بن ابراہیم، حکیم مقبول احمد دہلوی، سید عبد الحسین، اور کوثر صاحب بھریلوی کے دشمن آلِ رسول ہونے میں کیا شبہ رہا؟ کیونکہ انہی نے اس کو "بسند معتبر" کہہ کر اپنی اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔ فاعتبروا یا اولي الابصار۔

دوسری جانب حضرت علیؓ کو الوہیت اور ربوبیت کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ اور نُصیری و امامیہ کے مابین اب کوئی فرق نہیں باقی رہا۔ شیعوں میں افکار و نظریات کے حوالہ سے کیسی کیسی آندھیاں چل رہی ہیں؟ ہمیں طوالت کا احساس ہے وگرنہ یہاں شیعہ کتابوں سے ہی کچھ مثالیں پیش کر دیتے، البتہ مندرجہ ذیل کتب کے ذریعہ معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں، یہ کتب ایک معروف شیعہ عالم مولوی محمد حسین زیدی برستی چنیوٹی کی تصنیف کردہ ہیں۔

۱: شیعہ جنت میں جائیں گے، مگر کون سے شیعہ؟ صفحات ۶۴۔
۲: شیخیت کیا ہے؟ اور خالصیت بھی کوئی مذہب ہے؟ صفحات ۲۰۸۔
۳: ملت جعفریہ کا سیاسی کردار۔ صفحات ۱۴۔
۴: تطہیر و تقدیس منبر و محراب۔ صفحات ۳۲
۵: شعار شیعہ اور رمز تشیع۔ صفحات ۱۲۷ وغیرہ وغیرہ۔"[2]

اس صورتِ حال کے پیش نظر ضروری تھا کہ حضرت سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ کی مبنی بر اعتدال اور صحیح عظمت و کردار پر مشتمل سوانح قلمبند ہو، اس عظیم مقصد کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کا انتخاب فرمایا۔ اس کتاب کی اشاعت کے بعد سینکڑوں خوارج مزاج رہِ اہل سنت پہ گامزن ہوگئے اور لا تعداد رفض و بدعت سے متاثر اذہان ہدایت پا گئے۔ الحمد للہ علی ذالک

## سیرتِ سیّدنا علی رضی اللہ عنہ پر مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کا تبصرہ:

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں۔

---

[1] کوثر بھریلوی/حاشیہ جلاء العیون، ایضاً۔
[2] مطبوعہ ادارہ نشر و اشاعت حقائق الاسلام، لاہوری گیٹ، چنیوٹ۔

حضرت مولانا محمد نافع صاحب مدظلہم العالی ہمارے زمانے کے ان علماء اور محققین میں سے ہیں جن کے تصور سے قحط الرجال کے ہولناک تاثر میں کمی آتی ہے۔ شیعیت ان کا خاص موضوع ہے لیکن شیعیت کی تردید میں انہوں نے مناظرانہ انداز اختیار کرنے کے بجائے مفاہمانہ روش اختیار کی ہے اور اپنے مخالفین کے لیے کبھی کوئی ثقیل لفظ استعمال نہیں کیا اور اس کے باوجود خالص علمی اور تحقیقی بنیادوں پر بلامبالغہ شیعہ مفروضات کے پرخچے اڑا دیئے۔ یوں تو مولانا کی ہر تالیف قابل ستائش ہے لیکن خاص طور سے ان کی کتاب ''رحماء بینھم'' اپنے موضوع پر ایسی لاجواب کتاب ہے کہ اردو اور فارسی تو کجا، عربی میں بھی اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔

زیر نظر کتاب بھی ان کی تحقیق ونظر کا شاہکار ہے اس کا مرکزی موضوع حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سوانح حیات ہے لیکن اس کے ضمن میں بہت سے عقائد اور تاریخی نظریات کے مسائل تحقیقی انداز میں زیر بحث لائے ہیں ہم سمجھتے ہیں کہ یہ کتاب ہر مسلمان کے گھر میں پہنچنی چاہیے۔ احقر نے فاضل مؤلف کی خدمت میں بعض طالب علمانہ مشورے بھی پیش کیے ہیں جو انہوں نے فراخ دلی سے قبول فرمائے ہیں۔ بہرصورت! یہ کتاب اپنے موضوع پر بلند پایہ کتاب ہے۔ ❶

## سیرت سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر روزنامہ مشرق کا مفصل تبصرہ:

سوانح یا سیرت نگاری، تحریر اور انشاء پردازی میں غالباً سب سے زیادہ مشکل اور محنت طلب صنف ہے۔ اس راہ میں قدم قدم پر سیرت نگار کو ایسے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے جو اکثر بہت صبر آزما اور حوصلہ شکن ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ یہاں تخیل کی پرواز نہیں بلکہ واقعات اور معاملات کی صداقت کو پیش نظر رکھنا ہوتا ہے۔ اور اگر یہ سیرت خلیفہ چہارم حضرت امیر المومنین سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ہو تو سیرت نگار کی مشکلات میں کئی گنا اضافہ ہوجاتا ہے۔ کیونکہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ذات والاصفات کے بارے میں عالم اسلام کی اکثریت افراط وتفریط میں مبتلا نظر آتی ہے۔ ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہے جو اس سلسلے میں اعتدال سے کام لیتے ہیں۔ حالانکہ خود سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ میرے بارے میں دو طرح کے گروہ پیدا ہوجائیں گے۔ لیکن صحیح لوگ ان میں سے وہ ہوں گے جو درمیانی درجہ میں ہوں گے۔ سیّدنا حضرت علی المرتضیٰ کی سوانح عمری لکھنے کے بارے میں مشہور دانشور اور صاحبِ علم ڈاکٹر حمید اللہ تحریر فرماتے ہیں:

---

❶ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی / ماہ نامہ ''البلاغ'' کراچی، شوال المکرم ۱۴۱۳ھ۔

"تاریخ اسلام کے کسی شخص کی سوانحِ عمری لکھنا غالباً اتنا دشوار نہیں ہے جتنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی، کیونکہ بدقسمتی سے اس میں عقائد سے تعلق پیدا ہوگیا ہے۔ اور سنی وشیعہ معتزلی اور خارجی مؤرخ بھی بے شعوری میں جذبات سے اتنے متاثر ہوجاتے ہیں کہ آج ساڑھے تیرہ سو سال کے بعد بھی دامن سمیٹ کر کوئی ایسی چیز لکھنا آسان نہیں ہے جسے سب قبول کرسکیں۔"

مگر مشکل کو آسان بنانا ہی مردانِ حق کا شیوہ رہا ہے۔ اور الحمد للہ آج اس نفسا نفسی کے دور میں بھی مردانِ حق، صاحبانِ بصیرت اور اربابِ علم ودانش موجود ہیں جو نوع انسانی کی فلاح کے لیے مشکل کاموں کو آسان بنانے میں شب وروز مصروف رہتے ہیں۔ مولانا محمد نافع جو ایک نامور محقق اور عالم دین ہیں۔ ان کا شمار بھی انہی مخلص اور دینی خدمت کے جذبہ سے سرشار حضرات میں ہوتا ہے۔ مولانا نے بڑی تحقیق وجستجو اور مطالعہ کثیر کے بعد "سیرت سیّدنا علی رضی اللہ عنہ" کو مرتب کیا ہے۔ اس کتاب کو مرتب کرنے کے لیے انہوں نے دنیائے اسلام کی مستند ترین کتابوں کا عمیق مطالعہ کیا ہے۔ اور بیشمار شہرہ آفاق تاریخی دستاویزات سے استفادہ کیا ہے۔ مولانا محمد نافع جامع محمدی شریف چنیوٹ ضلع جھنگ کے نائب ناظم اور ادارہ تحقیق وتالیف اور دارالافتاء کے مہتمم بھی ہیں۔ انہوں نے قبل ازیں کئی دینی تحقیقی کتب مرتب کی ہیں اور علمی ودینی حلقوں میں خاصی شہرت رکھتے ہیں۔

سیرت سیّدنا علی المرتضیٰ کو تحریر کرتے ہوئے مولانا محمد نافع نے جن عظیم اور گرانقدر کتب سے استفادہ کیا ہے ان میں سے چند ایک کے نام یوں ہیں: سیرت ابن ہشام، طبقات ابن سعد، تاریخ الخمیس، تاریخ ابن خلدون، مسند امام احمد، صحیح بخاری شریف اور البدایہ لابن کثیر۔ ان شہرہ آفاق تصانیف کے نام ہی اس بات کی ضمانت کے لیے کافی ہیں کہ مولانا کی سیرت نگاری میں کتنی جامعیت ہے۔ اور جو واقعات اور بیانات انہوں نے اپنی کتاب میں تحریر کیے ہیں ان کی صداقت ہر قسم کے شکوک وشبہات سے بالاتر ہے۔

سیرت سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو مولانا نے قاری کی آسانی کے لیے چار ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ دورِ اوّل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولادت کے ذکر سے شروع ہوتا ہے اور ہجرت نبویؐ پر تمام ہوتا ہے۔ دوسرا دور واقعہ ہجرت سے لے کر انتقال نبویؐ کے دوران پیش آئے اہم واقعات پر مشتمل ہے۔ دور سوئم خلفائے راشدین ماسوائے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سب کے حالات اور اذکار کے بیان پر مبنی ہے۔ دور چہارم کا عنوان عہد علوی ہے۔ اور اس کا آغاز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بحیثیت خلیفہ ہونے کے واقعات کے بیان سے ہوتا ہے۔ اس باب میں مصنف نے ان کے عہد خلافت کے تمام اہم واقعات بالخصوص جنگ جمل وجنگ صفین کے حالات پر بہت

تفصیل سے لکھا ہے۔ انہوں نے ان عوامل اور تحریکات پر بھی روشنی ڈالی ہے جو مذکورہ جنگوں کی اصل بنا قرار دی جاتی ہیں۔ اس سلسلے میں مولانا نے صحابہ کرامؓ جن کی ایک خاص تعداد اس وقت بلادِ شام میں موجود تھی، کے ارشادات کے حوالے دیئے ہیں۔ انہوں نے علماء کبار سے منقول بہت سی روایات کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ جنگ وقتال بربنائے عناد وفساد ہرگز نہیں تھے۔ جیسا کہ بعض زائغ عن الحق ناقلین نے لوگوں میں رائج کرنے کی کوشش کی تھی۔ مولانا محمد نافع نے سیرت سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں جو اہم اور منفرد کام انجام دیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہر اہم اور قابل ذکر واقعہ کے ذکر کے ساتھ ساتھ جو شکوک وشبہات صدیوں سے منسوب چلے آرہے ہیں ان کے ازالے کے سلسلے میں مستند اقوال اور روایات نقل کر دی ہیں تاکہ قاری کو صحیح نتیجہ اخذ کرنے میں قدرے آسانی میسر آجائے۔

سیرت سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مطالعہ سے ان شکوک وشبہات کا بخوبی ازالہ ہوجاتا ہے جو صحابہ کرام اور خلفائے راشدین کے بارے میں ایک عرصہ سے دلوں میں گھر کر چکے ہیں۔ مولانا محمد نافع نے اپنی اس قدرے ضخیم تالیف میں تمام متنازعہ فیہ مسائل کا تذکرہ کر دیا ہے۔ جو عامۃ المسلمین کے ذہنوں میں صاحبان عناد راویوں کی کتب پڑھ کر پیدا ہوگئے ہیں۔ اور جس کی بناء پر سادہ دل مسلمانوں کی اکثریت صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے سلسلے میں ظن وظنین اور افراط وتفریط میں مبتلا ہوگئی ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اس تالیف کا مقصدِ اولیٰ صحابہ کرامؓ کی عظمت اور ان کے صحیح مقام کی شناخت کرانا اور ان برگزیدہ ہستیوں سے قلبی ارادت وعقیدت کو دوبارہ دلوں میں پیدا کرنا ہے۔ اس دینی خدمت کے لیے جو مساعی جمیلہ مولانا محمد نافع نے فرمائی ہیں اس کے لیے وہ یقیناً قابل ستائش ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر مرحمت فرمائے۔ [1]

## سیرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر ہفت روزہ ''زندگی'' لاہور کا تبصرہ:

معروف صحافی تنویر قیصر لکھتے ہیں:

''خلفائے راشدین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ، ترتیب کے لحاظ سے چوتھے نمبر پر ہیں۔ اہل سنت کے نزدیک کبار صحابہ میں یہ چاروں نفوس قدسیہ مقام ومرتبہ میں برابر کا درجہ رکھتے ہیں۔ [2] ان چاروں کو اسلام میں ممتاز ترین مقام اس لیے بھی حاصل ہے کہ اللہ کے آخری رسول ﷺ نے انہیں جنت کی بشارت

---

[1] عابد انصاری، روزنامہ ''مشرق'' لاہور، ۸ نومبر ۱۹۹۲ء۔

[2] مذکورہ رسالہ ''زندگی'' کے شمارہ پر مولانا محمد نافع نے اپنے قلم سے یہ عبارت نشان زد کر کے اس پر نقد کیا ہے، کہ یہ چاروں نفوس کمال کے اعتبار سے برابر نہیں ہیں، البتہ شرف صحابیت کے لحاظ سے برابر ہیں۔ (سلفی)

دی اور یہ عشرہ مبشرہ میں خدا کے حکم سے شامل کیے گئے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اسلام میں انتشار اور اسے زک پہنچانے والوں کی کمی نہیں رہی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دور مبارک ایسے ہی مفسد لوگوں کی سرکوبی کرتے گزر گیا۔ اس زمانے میں خوارج اور اسلام دشمنوں کو اسلام کے مضبوط قلعے میں نقب لگانے کا موقع ملا۔ حضرت علیؓ نے بڑی بصیرت اور جرأت کے ساتھ ان لوگوں کی شرارت اور فتنہ پردازیوں کا مقابلہ کیا اور بیشتر میں کامیاب بھی رہے۔ شیعان علی کے بطور ایک فرقہ اٹھ آنے پر معاملات خاصے الجھ سے گئے۔ ایک فرقہ واضح طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بقیہ تینوں خلفائے راشدین پر متقدم، محترم اور برتر ثابت کرنے پر تل گیا اور اس کے لیے دور دور سے کوڑیاں لائی گئیں۔ اسی زمانے میں حضرت علیؓ کو یہ تاریخی فقرہ کہنا پڑا ''میری وجہ سے اسلام کے دو فرقے جہنم میں جائیں گے ایک وہ جو محبت میں غلو کرتے ہوئے بے جا تعریف وتوصیف کرنے پر اتر آئے ہیں اور دوسرا وہ جو میری دشمنی میں بے جا تنقید وتنقیص کا درجہ اختیار کر لیتے ہیں۔''

اہل سنۃ اور اہل تشیع کی سینکڑوں سال کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ دونوں گروہ کئی مقامات پر آمنے سامنے کھڑے نظر آتے ہیں۔ خلافت کا مسئلہ ہو، چاہے باغ فدک، انت منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ کا مسئلہ ہو، چاہے حضرت علی کے تراویح پڑھانے کا، چاہے خیبر کے موقع پر علم نبوی حاصل کرنے پر، ہر ہر گروہ اپنی بات ثابت کرنے پر تلا نظر آتا ہے۔ بعض کتابیں ایسی بھی منظر عام پر آئیں جو افراط وتفریط کا شکار تھیں جن کی بدولت معاملات ومسائل مزید الجھن کا باعث بن گئے۔ ایسے میں کسی ایسی تصنیف کا معرض عمل میں لانا جس میں نہایت احتیاط اور تحقیق کے واقعی اصولوں کو مدنظر رکھا گیا ہو اور جس کی بدولت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات مبارک کی ایسی تصویر کشی کی گئی ہو جو اہل تشیع واہل سنت ہر دو فرقوں کے لیے قبول ہو۔ ❶ ایک عظیم کارنامہ قرار دیا جانا چاہیے اور یہ کارنامہ معروف عالم دین اور محقق جناب مولانا محمد نافع نے اپنی تازہ ترین تصنیف ''علی المرتضیٰ'' کی شکل میں انجام دیا ہے۔

مولانا محمد نافع صاحب کے اسلام کے لیے نفع بخش قلم نے حیات علیؓ سے وابستہ بہت سے تاریخی واقعات کی پہلی مرتبہ نہایت صحت کے ساتھ گرہ کشائی کی ہے۔ جنگ صفین کا سانحہ ہو یا واقعہ مطالبہ قصاص، ہر ہر واقعہ کا تاریخی سند کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے نہایت حکیمانہ انداز میں صلح جوئی کی نیت کے پیش نظر اپنی

---

❶ ہر دو فرقوں کے لیے کیسے قبول ہو سکتی ہے؟ مولانا محمد نافع حضرت علی کو صحابی، چوتھا خلیفہ اور غیر معصوم قرار دیتے ہیں، جبکہ شیعہ خلیفہ اوّل، امام معصوم، مفترض الطاعۃ اور خدا جانے کیا کچھ کہتے ہیں۔ چنانچہ آپ اسی کتاب کے صفحہ ۱۸ پر لکھتے ہیں: ''سیّدنا حضرت المرتضیٰؓ کے سوانح میں ایسی چیز مرتب کر لینا جو مسلمانوں کے تمام طبقوں میں یکساں قبولیت کا شرف حاصل کر سکے نہایت مشکل امر ہے۔'' (سلفی)

تشریح کی ہے اور شیعوں اور سنیوں دونوں بڑے گروہوں کے مستند ترین اور وقیع محققوں اور مؤرخوں کی کتابوں کے حوالے دیئے ہیں۔ مولانا نافع صاحب نے اہل تشیع کی ۳۷ کتابوں کے حوالے شامل کتاب کرکے اسے مزید وقیع اور دلکش بنا دیا ہے۔ کتاب کی تیاری میں جناب نصرت علی اثیر نے بھی اپنا مؤثر اور تحقیقی کردار ادا کیا ہے۔ اللہ دونوں حضرات کی عمر دراز کرے۔ واقعہ یہ ہے کہ موجودہ دور انتشار وافتراق کا دور ہے۔ اب یہ بات شدت سے محسوس کی جا رہی ہے کہ فرقہ واریت سے بلند تر ہو کر تصنیف وتالیف کے میدان میں ایسے کام کیے جائیں جو اتحاد امت کا باعث بن سکیں اور الجھے اور نزاعی مسئلوں کی تشریح بھی اتحاد ویکجہتی کے اصولوں کے پیش نظر کی جائے تاکہ امت محمدیہ کی عظمت کا گمشدہ لعل ایک بار پھر مل جائے۔ مولانا محمد نافع کی کتاب ''علی المرتضیٰ'' اس کوشش وسعی کا بہترین ثبوت ہے۔ [1]

## بارگاہِ حضرت علی رضی اللہ عنہ میں مولانا محمد نافع کے گُل ہائے عقیدت:

مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ نے عربی زبان میں سیرتِ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ایک شاندار کتاب ''المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'' تصنیف کی تھی، جو دارالقلم، دمشق نے بڑے اہتمام سے شائع کی تھی اور اس کا اردو ترجمہ بھی مصنف رحمہ اللہ نے خود ہی کروا دیا تھا، جو ہندو پاکستان میں متعدد مرتبہ اعلیٰ طباعتی معیار پر شائع ہوتی رہتی ہے اپنی اس کتاب میں آپ رحمہ اللہ نے چند ایک مقامات پر مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی کتاب ''رحماء بینھم'' سے بھی فائدہ اٹھایا ہے اور اصول تصنیف کے مطابق آپ رحمہ اللہ کا نام وغیرہ بھی درج کیا ہے۔ ایک مقام پر آپ لکھتے ہیں:

> ''انہی مظلوم شخصیات میں جن کے حقوق نہ صرف یہ کہ ادا نہیں ہوئے بلکہ اُن کے حق میں شدید بے انصافی روا رکھی گئی، حضرت سیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی بلند ومحبوب شخصیت بھی ہے۔ مخصوص حالات، خاص قسم کے عقائد اور چند نفسیاتی اسباب کی بنا پر اُن کی سیرت پر بہت گہرے اور دبیز پردے پڑ گئے ہیں، ارباب بحث وتحقیق تو الگ رہے، خود وہ لوگ جو ان کی عظمت کے گن گاتے ہیں اور اُن کے نام پر اپنے عقائد کی عمارت کھڑی کیے ہوئے ہیں، انہوں نے بھی اکثر اوقات ان کی سیرت کا مطالعہ معروضی وتحقیقی انداز میں نہیں کیا۔ اور پورے ماحول اور اُن کے عہد کے تقاضوں اور دشواریوں کو سامنے رکھ کر امانت وغیر جانبداری کے ساتھ پیش نہیں کیا۔'' [2]

---

[1] تنویر قیصر شاہد، ہفت روزہ ''زندگی'' لاہور، ۸ تا ۱۴ اگست ۱۹۹۲ء۔

[2] سیّد ابوالحسن علی ندوی، المرتضیٰ، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۸ء، صفحہ نمبر ۱۸۔

اسی سے ملتی جلتی بات ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم نے بھی لکھی ہے کہ ''تاریخ اسلام کے کسی شخص کی سوانح عمری لکھنا غالباً اتنا دشوار نہیں ہے جتنا حضرت علی کی، کیونکہ اس میں تعلق بدقسمتی سے عقائد سے ہوگیا ہے، اور سنی وشیعہ، معتزلی اور اباقی (خارجی) مؤرخ بھی بے شعوری میں جذبات سے اتنے متاثر نظر آتے ہیں کہ آج ساڑھے تیرہ سو سال کے بعد بھی دامن سمیٹ کر کوئی ایسی چیز لکھنا آسان نہیں جسے سب قبول کرسکیں۔'' [1]

مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی زیر تبصرہ کتاب بھی تین سو سے زائد عنوانات کے گرد گھومتی ہے اور ہر ہر عنوان پر آپ نے عقلی ونقلی دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں۔ بایں ہمہ بارگاہ علوی میں نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہوئے آپ کی عجز ونیاز طبیعت پر بڑا رشک آتا ہے، چنانچہ ابتداء کتاب کی دو مختلف جگہوں سے مندرجہ ذیل الفاظ قابل توجہ ہیں:

''سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حیاتِ طیبہ کے احوال کو ان کی شان کے شایانِ مرتب کرنا بندۂ ناچیز کی فکر ودانش سے بہت بالا ہے۔ تاہم اس دور کی ضرورت کے تحت یہ ایک حقیر کوشش ہے جو پیش خدمت کی جارہی ہے۔

سیرتِ مرتضوی کے اہم مسائل میں جن گوشوں کو قابلِ وضاحت سمجھا گیا ہے، ان کو پیش نظر رکھا گیا ہے اس کے تمام گوشے بیان نہیں ہوسکے۔ بندہ معذرت خواہ ہے کہ کتاب میں اس فن کے اہل علم کی طرح عبارت آرائی میسر نہیں۔ سیرت نویسوں جیسی اعلیٰ نگارش نہیں پائی گئی لیکن سادہ عبارت کے لباس میں ضروری مضامین کو زیر قلم کیا ہے۔ البتہ یہ کوشش رہی ہے کہ اس مضمون کے طلب گاروں کے لیے اس مرحلہ کا علمی مواد پیش کیا جائے۔ اور عموماً اصل عبارت بھی ساتھ ہی دے دی جائے تاکہ اہل تحقیق حضرات مراجع کی طرف رجوع کرکے اطمینان حاصل کرسکیں اور اپنے ذوق کے مطابق مزید فوائد پر مطلع ہوسکیں۔''

## کتاب ''سیرتِ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ'' کے اہم مضامین:

ویسے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولادت سے لے کر شہادت تک تمام ضروری پہلو اس کتاب میں قلمبند کر دیئے گئے ہیں۔ لیکن بعض عنوانات پر نہایت شرح وبسط کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ مثلاً حضرات ثلاثہ کے دور میں آپ کا بنفس نفیس امورِ خلافت میں بطور معاون ومعتمد علیہ دلچسپی لینا، خلیفہ چہارم کی حیثیت سے آپ کے انتظامی ومجتہدانہ کارنامے اور آزمائش کے لمحات میں استقلال واستقرار کا مثالی نمونہ بن جانا، واقعۂ جمل وجنگ صفین کے اسباب، صفین کا محل وقوع، فریقین کا اصل موقف، وجہ اختلاف، بعض شبہات کا ازالہ، واقعہ تحکیم، پھر اس کی ناکامی، خوارج کا یوم جنم، حکمین (حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما)

---

[1] ڈاکٹر حمید اللہ، مجلہ ''فکر ونظر'' اسلام آباد، پاکستان جولائی ۱۹۸۵ء۔

کی نیتوں اور بصیرتوں کی ایمانی صفائی، اہل صفین کے حق میں رویائے صالحہ، بعض بشارتیں، خوارج کے شر پسند عناصر کے تذکرے، حضرت علیؓ کے مناقب، افتاء وقضاء، عملی نظم، معاشرتی احوال، معاشی حالات، فقہی مسائل اور سانحۂ شہادت وغیرہ وغیرہ پر ناقابل تردید شواہدات اور براہین موتیوں کے طرح پرو دیئے گئے ہیں۔ پھر اہل تشیع نے اسلام میں جو امامت خصوصی کا نزاع پیدا کر کے اپنی صفیں اہل اسلام سے جدا کیں اس پر بھی بہت جامع بحث آ گئی ہے۔

## اہل تشیع کا نظریہ تحریف قرآن اور مولانا محمد نافع کا مؤقف:

چونکہ شیعہ علماء حُبِ علی رضی اللہ عنہ کی آڑ میں قرآنِ مجید کی محفوظیت کے بھی منکر ہیں اور وہ اس سلسلہ میں اس بات کے مدعی ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مخصوص صحیفہ تھا جسے ''الجامعۃ'' یا ''مصحفِ فاطمہ'' وغیرہ کہا جاتا تھا، پھر یہی اصل صحیفہ امام مہدی کے پاس غار میں ہے، جب وہ برآمد ہوں گے تو اصلی نسخہ ساتھ لائیں گے۔ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے اس پر بھی نہایت باریک بینی کے ساتھ بحث کی ہے اور تشیع کے ان مزعومہ و مفروضہ نظریات کو سراسر بہتان اور مبنی بر کذب ہونا ثابت فرمایا ہے۔ اس سلسلہ میں آپ رحمہ اللہ اپنے موقف کی تنقیح یوں فرماتے ہیں:

> ''حاصل کلام یہ ہے کہ مذکورہ بالا شیعی نظریات اور مخصوص مرویات کی بناء پر لوگوں میں تاثر دیا جاتا ہے کہ اصلی قرآن وہی ہے جو آئمہ کے پاس مخفی اور مستور چلا آیا ہے، اور اب امام مہدی کے پاس غار میں محفوظ ہے۔ اور یہ قرآنِ مجید جو مسلمانوں کے پاس ہے یہ اصلی قرآن نہیں۔ اس میں کئی نوع کی تبدیلیاں ہو چکی ہیں اور بہت کچھ محرف ومبدل ہو چکا ہے۔ فلہٰذا شیعہ کے نزدیک یہ قرآن قابلِ اعتماد نہیں۔'' ❶

پھر چند ایک سوالات وارد کرنے کے بعد رقمطراز ہیں:

> ''مختصر یہ ہے کہ سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد اصلی قرآن اور غیر اصلی قرآن کا مسئلہ بعض لوگوں نے خود تجویز کر لیا ہے۔ یہ چیز کتاب اللہ (قرآنِ مجید) کی حفاظت کے خلاف ایک تحریک ہے اور کتاب اللہ سے قوم کا اعتماد اٹھانے کی ایک مذموم سازش ہے۔ جسے کوئی مسلمان تسلیم نہیں کر سکتا۔'' ❷

---

❶ مولانا محمد نافع / سیرۃ حضرت علی المرتضیٰؓ / مطبوعہ تخلیقات لاہور / صفحہ نمبر ۴۷۵۔

❷ ایضاً۔ صفحہ نمبر ۴۸۱۔

## میری کتاب ''تمت'' کی دوسری تاء تک پڑھی جائے، مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کا ایک لطیف ارشاد:

کتاب سیرۃ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ جب شائع ہو کر آئی تو مصنف علیہ الرحمۃ نے اپنے استاذ زادہ مولانا سید محمد قاسم شاہ صاحب کو ایک خط میں یوں نصیحت فرمائی:

''السلام علیکم، مزاج گرامی؟ سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں بعض مباحث بڑے اہم ہیں۔ ان کو غور سے پڑھیں، بلکہ کتاب کو تمت کی دوسری ''تاء'' تک ملاحظہ فرماویں، محترم حضرت قاضی صاحب (آف چکوال) کی طرف سے بھی خط آگیا ہے اور انھوں نے تصدیق کر دی ہے۔ الحمد للہ''

والسلام مع طلب الدعاء

محمد نافع عفا اللہ عنہ [1]

چونکہ بعض لوگ پوری کتاب کا مطالعہ نہیں کرتے، بلکہ ایک آدھ مقام سے اپنے مطلب کی چیز دیکھ کر پھر رائے زنی کرتے ہیں اور پہلے سے موجود ذہن میں بناوٹی اعتراض جڑ دیتے ہیں، حالانکہ سیاق و سباق سے ہٹ کر اور ادھورے مباحث پڑھ کر انگشت نمائی یا لب کشائی کرنا غیر اخلاقی اور بد دیانتی ہے۔ اس لیے آپ نے بطورِ خاص یہ نصیحت فرمائی، اور اس میں ''تمت'' کی دوسری ''تاء'' تک پڑھنے کا جملہ آپ کی حسِ لطیف کی عکاسی کر رہا ہے، اور حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کے جس خط کا یہاں ذکر ہے، اس کا مکمل مضمون تو مکاتیب والے حصہ میں ہی آئے گا، البتہ موضوع اور محل کی مناسبت سے اس کی چند سطریں پیش کر دی جاتی ہیں، کیونکہ حسن اتفاق سے یہ خط سینکڑوں خطوط کے پلندہ میں سے اس وقت ہی میرے سامنے جگمگا رہا ہے۔ حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''بخدمت حضرت مولانا المکرم زید فضلہم''

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، طالب خیر بخیر ہے۔ آپ کی تصنیف ''سیرتِ سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'' مع گرامی نامہ موصول ہوگئی تھی۔ جواب میں بہت زیادہ تاخیر ہوگئی ہے جس پر معذرت خواہ ہوں، کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ نہیں کر سکا، ضُعف کی وجہ سے زیادہ کام نہیں کر سکتا، بعض مقامات دیکھے ہیں اور عنوانات پر سرسری نگاہ ڈالی ہے۔ ماشاء اللہ کتاب اپنے موضوع میں جامع ہے۔ مشاجرات کے سلسلہ میں آپ نے اہل سنت والجماعت کا موقف بھی پیش کیا ہے جو قابل اطمینان ہے۔ بندہ ناکارہ آپ سے حُسنِ ظن رکھتا ہے اور

[1] مکتوب بنام مولانا سید محمد قاسم شاہ بخاری محررہ ۱۹، اگست ۱۹۹۲ء بمطابق ۱۹، صفر ۱۴۱۳ھ۔ از محمدی شریف۔

آپ کی تصانیف کی قدر کرتا ہے، آپ کی کتاب ''رحماء بینہم'' ماشاء اللہ بہت مفید ہے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔ مشاجرات کے مسئلہ میں آج کل افراط وتفریط پائی جاتی ہے۔ دورِ حاضر کی خارجیت کے امام محمود احمد عباسی کی تصانیف سے کئی اہل علم متاثر ہوئے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطاء کو تسلیم کرنے کو بھی سبائیت قرار دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضیات کی توفیق دیں اور اہل سنت والجماعت کو ہر محاذ پر کامیابی نصیب ہو۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم

خادم اہل سنت
مظہر حسین غفرلہ [1]

سیرتِ سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'' کے نازک موضوع کا اندازہ یہاں سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی شہرہ آفاق کتاب ''رحماء بینہم'' جب شائع ہوئی تو یہ ائیر فورس کی لائبریریوں کے لیے بھی باقاعدہ منظور کی گئی تھی مگر جب ''سیرت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'' طبع ہوئی تو پاک فضائیہ نے اسے یہ کہہ کر لائبریریوں کے لیے منظور نہیں کیا کہ اس میں اختلافی باتیں ہیں، حالانکہ اسلوب تحریر، ماخذ ومنابع اور کتب فریقین کے تقابلی حوالے ''رحماء بینہم'' میں زیادہ ہیں۔ اور ''سیرتِ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'' میں بھی مصنف علیہ الرحمۃ نے پھونک کر پھونک کر اپنے قلم کو جنبش دی ہے۔ مگر اہل تشیع نے عوام و عام میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا جو نقشہ متعارف کروا دیا ہے، اب اس سے ہٹ کر اصلی وحقیقی تعارف جب پیش کیا جاتا ہے تو اسے متنازعہ قرار دے دیا جاتا ہے۔ چنانچہ پاک فضائیہ کے ایک سابق خطیب مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے نام اپنے خط میں لکھتے ہیں:

''محترم ومکرم جناب حضرت مولانا محمد نافع صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ کا تحفہ ''سیرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'' پاک فضائیہ کے سربراہ کے پاس پہنچا، انھوں نے اسے شکریہ کے ساتھ قبول کیا۔ اور آپ کی طرف شکریہ کا ایک خط بھجوا دیا ہے، امید ہے کہ یہ خط آپ تک پہنچ گیا ہوگا۔ انھوں نے آپ کی یہ کتاب ہمارے پاس پشاور بھجوائی ہے، متعلقہ ادارے نے اس کا مطالعہ کیا اور یہ رائے دی کہ اس میں کچھ مواد اس انداز میں پایا جاتا ہے کہ جس سے مسلمانوں کے بعض فرقوں کو اختلاف ہے۔ اور ان میں باہمی نفرت پیدا ہوسکتی ہے۔ لہٰذا یہ کتاب ائیر فورس کی لائبریریوں کے لیے موزوں نہیں ہے۔ میں نے اس کا جواب دیا اور آپ کی پہلی کتاب ''رحماء بینھم'' کا حوالہ بھی دیا کہ اگر وہ کتاب ائیر فورس کی لائبریریوں میں داخل کی جاسکتی ہے تو اس کتاب کے لانے میں کیا مضائقہ ہے؟ لیکن میری بات نہیں سنی گئی۔ اور ''معنی ما معنی'' کہہ کر

[1] مکتوب حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ بنام مولانا محمد نافع رحمہ اللہ، محررہ ۲۰ محرم الحرام ۱۴۱۳ھ۔ از چکوال

بات ختم کردی گئی ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کے ساتھ تعاون نہیں کرسکا، کیونکہ فوجی فیصلہ اٹل ہوتا ہے اور مجھ جیسے چھوٹے ملازم اس میں ترمیم نہیں کراسکتے۔"

والسلام طالب دعا
منظور احمد آفاقی
خطیب پاک فضائیہ [1]

## نظریۂ تحریفِ قرآن کا رد، سیرتِ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا اہم باب ہے:

جیسا کہ گزشتہ سطور میں ہم عرض کر آئے ہیں کہ چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذاتِ بابرکات کے نام پر (نہ کہ ایماء پر) ہی تشیع نے نظریہ تحریف ایجاد کیا۔ اس لیے اس کتاب میں مذکورہ نظریہ کا رد ایک یقینی امر تھا، چنانچہ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے اپنی اس بے نظیر تصنیف میں اہل تشیع کے عقیدہ امامت اور عقیدہ تحریف قرآن پر ٹھوس دلائل دے کر یہ ثابت فرما دیا ہے کہ نہ صرف یہ کہ مذکورہ دونوں عقائد خلافِ قرآن وسنت اور تعلیمات علی رضی اللہ عنہ ہیں، بلکہ ایسے عقائد رکھنے والے کسی بھی لحاظ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آلِ علی رضی اللہ عنہ سے تعلق کا دعویٰ کرنے میں حق بجانب نہیں ہیں۔

## اہل تشیع کا عقیدۂ تحریف قرآن، مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ کی خوش فہمی اور مولانا محمد نافع کی وضاحت:

مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ کے تبحر علمی میں کوئی شک نہیں، تاہم شیعیت یا ردشیعیت پر لکھی جانے والی کتب چونکہ ان کا موضوع نہیں تھا، اس لیے اِن کی ایک غلط فہمی سے بعض دینی حلقوں میں اضطراب اور شیعہ حلقوں میں گھی کے چراغ جلائے جاتے ہیں...... وہ عقیدۂ تحریف قرآن کے حوالہ سے ایک عبارت ہے جو اُن کی کتاب "علوم القرآن" میں موجود ہے، مولانا منظور احمد آفاقی نے جب "سیرت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ" کا مطالعہ کیا تو اس میں تحریف قرآن کی بحث پڑھ کر انھوں نے مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی خدمت میں بذریعہ خط سوال لکھا کہ مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ نے "علوم القرآن" میں لکھا ہے کہ قرآنِ حکیم کے بارے میں شیعوں کے بھی وہی عقائد ہیں جو اہل سنت کے ہیں، یعنی یہ کلام جتنا نازل ہوا، اتنا ہی آج محفوظ ہے، اس میں کمی بیشی نہیں ہوئی اور نہ کوئی تغیر وتبدل ہوا ہے۔ موصوف نے سات جید علماء شیعہ کے حوالے بھی نقل کیے ہیں کہ یہ

---

[1] بنام مولانا محمد نافع رحمہ اللہ محررہ ۱۱، اگست ۱۹۹۳ھ۔

عدمِ تحریف کے قائل تھے۔ چونکہ آپ وسیع مطالعہ رکھتے ہیں، اس لیے حقیقتِ حال سے مطلع فرمائیں......

چنانچہ اس کا خط جواب مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے جو دیا، وہ یہاں پیش خدمت کیا جاتا ہے۔

محترم جناب مولانا منظور احمد صاحب زید مجدکم وشرفکم

از محمدی شریف ضلع جھنگ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ......مزاج شریف!

آپ کا محبت نامہ تشریف لایا، الحمد للہ خیریت سے ہیں۔ خط میں آپ نے مسئلہ تحریف قرآن کے متعلق چند ایک چیزیں درج کی ہیں۔ اس کے متعلق ذیل میں چند گزارشات عرض ہیں:

۱: حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ نے اس مسئلہ کے متعلق جو شیعوں کی طرف سے صفائی پیش کی ہے وہ صحیح نہیں۔ حضرت مولانا موصوف بہت بڑے فاضل تھے مگر شیعہ مذہب کی کتب کے مندرجات سے ناواقف تھے۔ ولکل فن رجالٌ۔

۲: شیعہ کے جمہور علماء کے نزدیک یہ قرآنِ مجید محرَّف، مبدَّل اور متغیر ہے۔ اس میں تغیر سورۃ، آیات، اور کلمات کی صورت میں موجود ہے۔ ان سب شکلوں میں ان کے نزدیک تغیر اور تبدل آچکا ہے۔

۳: یہ چار علماء (شیعہ) عدم تحریف کا قول کرتے ہیں لیکن یہ ان کا قول ''تقیہ'' پر محمول ہے۔ اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ انھوں نے تحریف قرآن کا قول کرنے والوں پر کوئی شرعی حکم نہیں لگایا نہ ان کے کفر کے قائل ہوئے ہیں۔ نہ ہی ان کو گمراہ اور ضال کہا ہے۔ نہ ہی کوئی زجر وتوبیخ کا کلمہ ان کے حق میں کہا ہے۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان بعض علماء شیعہ کا عدم تحریف قرآن کا قول کرنا بطور تقیہ کے ہے۔ اور تقیہ ان کے نزدیک بوقتِ ضرورت واجب العمل ہے۔

والسلام

محمد نافع، جامعہ محمدی شریف [1]

## حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کا علامہ افغانی رحمہ اللہ کی خدمت میں اپنا قاصد بھیجنا:

حضرت اقدس قاضی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''مولانا افغانی رحمہ اللہ کا تسامح اور اس کی اصلاح ......علامہ افغانی رحمہ اللہ کو تحریف قرآن کے متعلق شیعہ عقیدہ

---

[1] محررہ ۱۷، فروری ۱۹۹۱ء بمطابق یکم شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ۔

نوٹ: مذکورہ خط کا مکمل مضمون یہاں درج نہیں کیا گیا، وہ ''مکاتیب'' کی جلد میں ملاحظہ کیا جائے۔ (سلفی)

سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی ہے، جب مجھے کتاب ''علوم القرآن'' کے اس مضمون کا علم ہوا تو میں نے مولانا غلام یحییٰ صاحب مرحوم سابق صدر المدرسین جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم کو آپ کے پاس بھیجا۔ اور گزارش کی کہ آپ مسئلہ تحریف قرآن پر نظر ثانی فرمائیں۔ اور اس موضوع پر امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ کی تحقیقی کتاب ''تنبیہ الحائرین'' بھی بھیجی۔ علامہ افغانی کی ان دنوں صحت بہت کمزور تھی۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس مسئلہ پر غور کروں گا۔ علامہ مرحوم اس کے بعد اور زیادہ بیمار ہو گئے۔ بیماری بڑھتی گئی، انہی ایام میں حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی رحمہ اللہ مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور نے بھی آپ کو اس تسامح کی طرف توجہ دلائی جس کے بعد علامہ صاحب نے اپنے آخری ایام میں جواب لکھوایا تھا، جس پر آپ کے دستخط موجود ہیں، اور اس تحریر کا عکس جناب مولانا احمد عبدالرحمن صاحب خطیب نوشہرہ زید مجدہم نے مجھے بھیجا تھا۔ جو میرے پاس محفوظ ہے۔''[1]

## علامہ افغانیؒ کی وضاحتی تحریر:

جس وضاحتی تحریر کے عکس کا حضرت اقدس رحمہ اللہ نے ذکر فرمایا ہے، وہ راقم السطور کے پاس اصل محفوظ ہے۔ اس کی مکمل تحریر ملاحظہ فرمائیں:

''محترم المقام مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی صاحب زیدت معالیکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ! بعد از سلام مسنون، آپ حضرات کا خط ملا، حالات سے آگاہی ہوئی ...... میں نے اپنی تصنیف ''علوم القرآن'' میں صفحہ نمبر ۱۳۴ پر شیعہ اور تحریف قرآن کے سلسلے میں شیعوں کے اقوال نقل کر کے جو یہ لکھا ہے کہ ''شیعوں کا مذہب وہی ہے جو سنیوں کا ہے'' اس سے میری مراد یہ ہے کہ اگر مذکورہ شیعہ اپنے اقوال کے مطابق عدم تحریفِ قرآن کے قائل ہیں تو اس مسئلہ واحدہ میں یہی اقوال سنی مذہب کے مطابق ہیں۔ یعنی اگر کوئی عدم تحریف قرآن کا قائل ہے تو یہ عقیدہ ہمارے سنی مذہب کے عین مطابق ہے۔ ص۱۳۶ پر لفظ '' ناقابلِ اعتبار'' سے ان تحریف قرآن کے قائلین کی طرف اشارہ ہے، یعنی جو لوگ ناقابل اعتبار ہیں اور عدم تحریف قرآن کے قائل نہ ہوں بلکہ تحریف قرآن کے قائل ہوں تو وہ محرف قرآن کہلائیں گے اور تکفیر کے مرتکب ہوں گے خواہ شیعہ ہوں یا کوئی اور۔ کیونکہ محرفِ قرآن ہونے کی صورت میں آیت قرآنی اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا

---

[1] مولانا قاضی مظہر حسین رعلامہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ اپنی تصانیف کے آئینہ میں (غیر مطبوعہ) صفحہ ۲۱۔

الذکرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحافِظُوْن کا انکار لازم آتا ہے جو قطعی کفر ہے۔ آپ اس تشریح کو تفہیم کتاب کے لیے حاشیہ میں شامل کر سکتے ہیں۔"

تحریر کنندہ -
محمد داؤد جان افغانی
ابن شیخ الاسلام حضرت العلامہ
مولانا افغانی صاحب مدظلہٗ
مقام ترنگ زئی چارسدہ۔ پشاور

فقط
تصدیقی دستخط
شمس الحق افغانی ❶

## مولانا عبدالستار تونسوی رحمہ اللہ کی توجہ دلانے پر علامہ افغانی رحمہ اللہ کا رجوع:

مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ کی دستی تحریر پیش کرنے کے بعد اگرچہ مزید کسی شہادت کی ضرورت نہیں رہتی، لیکن بطور ریکارڈ کے یہ حوالہ پیش کر دینا بھی غیر ضروری نہیں ہے کہ مولانا عبدالستار تونسوی رحمہ اللہ نے بھی "علوم القرآن" کی زیر بحث عبارت کی طرف علامہ افغانی رحمہ اللہ کو متوجہ فرمایا تھا جس پر آپ رحمہ اللہ نے ان کو لکھا کہ:

"مجھے آپ کی تحقیق پر پورا اعتماد ہے، میں انشاء اللہ اپنی کتاب کے نئے ایڈیشن میں اس بات کی تصحیح کر دوں گا۔" ❷

## مختصر تبصرہ:

اب اس بحث کی تنقیح کر کے آگے بڑھتے ہیں۔ مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ کو ان کے تسامح کی طرف متوجہ کرنے والے اور ان کی اس بات کو تسامح و غلط فہمی قرار دینے والے مندرجہ ذیل علماء ہیں:

۱: حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ

۲: حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ

۳: حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ

۴: حضرت مولانا عبدالستار تونسوی رحمہ اللہ

---

❶ محررہ ۲۷ جنوری ۱۹۸۲ء یکم ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ۔ (اصل خط راقم عبدالجبار سلفی کے پاس محفوظ ہے۔)

❷ مولانا عبدالحمید تونسوی / نقوشِ زندگی، مطبوعہ تحریک تنظیم اہل سنت / صفحہ نمبر ۳۱۸۔

نوٹ: یہ مولانا عبدالستار تونسویؒ کے سوانح زندگی ہیں، جو ان کی حیات میں شائع ہوئے، مصنف علامہ تونسوی کے نواسہ ہیں۔

ان چار حضرات کے اختلاف کرنے اور متوجہ کرنے پر مولانا افغانی رحمہ اللہ نے اپنے موقف سے رجوع فرمالیا تھا یہی اہل علم کی شان ہے۔ اب ان کے اس مرجوع قول کی بنیاد پر ان چاروں ثقہ اور متبحر علماء کرام کی آراء کو نظر انداز کرتے چلے جانا شیعوں کی مجبوری تو ہوسکتی ہے، ہماری نہیں ...... لہٰذا جب علامہ افغانی رحمہ اللہ نے ان حضرات کے توجہ دلانے پر اپنی کتاب ''علوم القرآن'' والی عبارت کی تحریراً وضاحت فرما کر رجوع کرلیا تو اب ''علوم القرآن'' شائع کرنے والوں پر لازم ہے کہ وہ نئی طباعتوں میں اس رجوع نامہ کی اشاعت کا التزام کریں۔ [1]

''سیرۃ سیدنا حضرت علی المرتضیٰ'' کے ایک اہم باب مسئلہ تحریف قرآن پر کچھ پیش کرنے کے بعد اب مزید بحث کرتے ہیں۔

## ''سیرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'' مولانا قطب الدین اچھالویؒ کی نظر میں:

مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی زیر تبصرہ کتاب جب آپ رحمہ اللہ کے استاذ محترم مولانا قطب الدین اچھالویؒ کے پاس گئی تو انھوں نے اپنے قابل فخر شاگرد کی مذکورہ کتاب پڑھ کر خط ارسال کیا، ملاحظہ ہو:

محترمی جناب مولانا محمد نافع صاحب زید مجدکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ! گرامی نامہ پہنچا، مافیہا سے آگاہی ہوئی یاد آوری کا شکریہ...... بندہ کی پہلے کی بہ نسبت طبیعت اچھی ہے۔ کسی نہ کسی وقت مسجد میں بھی چلا جاتا ہوں۔ لیکن نماز کھڑے ہوکر ابھی نہیں پڑھی جاتی۔ آپ کی دعا کی ضرورت ہے۔ سیرت سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جو جناب نے عطا فرمائی، اسی دن اس کا مطالعہ شروع کردیا تھا اور اب مکمل پڑھ لی ہے مجھے اس کی کوئی بات خلاف واقعہ نظر نہیں آتی، اللہ تعالیٰ آپ کی محنت اور سعی کو قبول فرمائے اور لوگوں کو اس کے پڑھنے اور اپنی اصلاح کرنے کی توفیق دے۔ آمین

العبد الضعیف قطب الدین عفا اللہ عنہ

بمقام اُچھالہ، تحصیل وضلع خوشاب

دیگر کتابوں سمیت آپ رحمہ اللہ کی اس کتاب نے بھی اپنی علمیت وعظمت کا چہار دانگ عالم لوہا منوایا۔ اہل سنت والجماعت کے تمام مکاتب فکر کے سنجیدہ طبقات نے اس کا خیر مقدم کیا، اپنی لائبریریوں کی زینت بنایا اور محبت وقدر شناسی کا خوب حق ادا کیا۔ اہل تشیع کے ہاں اس کتاب نے اپنے انداز میں ہلچل مچائی، انصاف پسند طبائع کو غور کرنے موقع ملا جبکہ شیعہ علماء کتاب ہذا کے مندرجات میں سے کسی ایک پر بھی انگشت نمائی کرنے کی ہمت نہ کرسکے۔ الحمد للہ علی ذالك۔

---

[1] نوٹ: علوم القرآن کی اس عبارت سے ملتا جلتا موقف علامہ افغانی کی اب دوسری کسی بھی کتاب، مقالات یا محاضرات وغیرہ میں پایا جائے تو اس پر علامہ افغانی رحمہ اللہ کی یہی تحریری دستاویز نافذ ہوگی۔ (سلفی)

(۸)

# کتاب ''سیرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ''

## (سن تکمیل اگست ۱۹۹۰)

حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب اور جوابات مطاعن پر مشتمل زیر تبصرہ کتاب بھی مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے ذوقِ تحقیق کا خوبصورت شاہکار ہے۔ یہ کتاب دو مجلدات اور ۷۹۲ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ کا یہ کہنا عینِ انصاف ہے کہ '' حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جن کے خلاف اعتراضات ومطاعن کے ترکش میں کوئی تیر بچا کر نہیں رکھا گیا''۔ اہل تشیع تو رہے ایک طرف، پچھلے پچاس سالوں میں خود اہل سنت بھی آپ رضی اللہ عنہ کی شخصیت سے وابستگی کے اعتبار سے جادۂ اعتدال سے ہٹے ہوئے ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے اہل سنت والجماعت کا موقف بے غبار، بالکل واضح اور دوٹوک ہے۔ اس موقف کی تلخیص یہ ہے کہ:

۱: آپ صحابئ رسول ہیں، آپ کی صحابیت مسلّمہ اور لائق شرف وتعظیم ہے۔

۲: آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے برادرِ نسبتی ہیں۔

۳: آپ کاتب وحی ہیں۔

۴: آپ خلفاء موعودہ میں شامل نہیں ہے، کیونکہ خلافتِ راشدہ موعودہ صرف '' چار یاروں'' تک ہے۔

۵: حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خلیفہ چہارم سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ کا اختلاف ہوا، جس نے بالآخر جنگِ صفین پہ جا کر دم لیا، اس اختلاف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ صواب پر ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خطاء پر، اور یہ خطاء خطاء عنادی یا خطاء بمعنی گناہ نہیں بلکہ ''اجتہادی خطاء'' ہے۔

۶: سانحہ کربلا میں حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ ظلماً شہید ہوئے اور اس میں یزید بری الذمہ نہیں ہے، مگر یزید کے اعمال کے ذمہ دار سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ قطعاً نہیں ہیں، نہ ہی آپ رضی اللہ عنہ سانحہ کربلا کے وقت بقید حیات تھے۔

اس معتدل اور خالص نظریئے کے بعد کم از کم اہل سنت کی صفوں میں اختلاف نہیں ہونا چاہیے تھا، اس وقت شیعیت زیر بحث نہیں ہے، کیونکہ بالفرض جنگ جمل وصفین کے واقعات پیش نہ آتے، یزید حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا نہ ہوتا، اور سانحہ کربلا رونما نہ ہوتا تو کونسا شیعوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصی عظمت کو

مان لینا تھا؟...... افسوس بعض اہل سنت کہلانے والوں پہ ہے کہ جو جادۂ اعتدال سے ہٹ گئے ہیں بعض تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی محبت وعقیدت میں یزید کے ترجمان، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی انتظامی پالیسیوں کے ناقد اور حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی صریح بے ادبی پر اتر آئے۔ اور "قریب الی الخوارج" ہو گئے، دوسری جانب بعض لوگ حضراتِ اہل بیت کی عقیدت میں اتنے مست ہوئے کہ خاندانِ بنو امیہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حتیٰ کہ آپ کے والد گرامی حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ پر بھی ہاتھ صاف کرنے لگے اور "اقرب الی الروافض" ٹھہرے۔ تیسرا طبقہ اکثریتی اور اہل سنت کی قائم کردہ حقیقی شاہراہ پر قائم رہا مگر لطف یہ کہ اول الذکر دونوں طبقوں میں مطعون بن گیا۔ دراصل دو متشدد و متضاد گروہوں میں اعتدال کے ساتھ چلنا بہت بڑی استقامت ہے۔

## "سیاستِ معاویہؓ اور خصائلِ معاویہ" (نفرتوں کی آگ برساتی دو کتب کا تذکرہ)

"سیاست معاویہ" کتاب کے مصنف مہر حسین بخاری ساکن کامرہ ضلع اٹک ہیں اور "خصائلِ معاویہ" کے مصنف جامعۃ المنتظر لاہور کے مدرس مولوی غلام حسین نجفی آنجہانی تھے۔ سید مہر حسین شاہ بخاری کا دعویٰ ہے کہ میں سنی ہوں جبکہ ان کی مذکورہ کتاب سطر بہ سطر شیعہ نظریات کی ترجمان ہے۔ عجیب اتفاق یہ ہے کہ مذکورہ دونوں کتابیں ماہِ فروری ۱۹۸۸ء میں مکمل ہو کر اشاعت پذیر ہوئیں۔ بنیادی طور پر مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی کتاب "سیرتِ سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ" مذکورہ دو زہریلی کتابوں کے جواب میں ہے۔ مگر اپنے مزاج کے مطابق مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے ان دونوں کا کہیں نام نہیں لیا، بعینہٖ جیسے سیرۃ سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں کتاب "شمائل علی کے مصنف کا، اور "رحماء بینہم" حصہ سوم مسئلہ اقربا نوازی" میں مودودی صاحب کا نام نہیں لیا گیا۔ دراصل مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کا موقف یہ تھا کہ ایسے سطحی لوگوں کے بچھائے ہوئے کانٹے ہٹا کر لوگوں کو ان کے اعتراض ومطاعن کے چسکے سے تو بچایا جائے مگر اپنی تحقیقی وعلمی کاوشوں میں بے وزن مصنفین کا نام لا کر ان کو وقعت نہ بخشی جائے۔ اس ذوقِ انفرادی پر ہم گزشتہ سطور میں بحث کر آئے ہیں۔

کتاب "سیاست معاویہ" ۱۲۸ صفحات کی کتاب ہے جو ایک ہی مرتبہ ۱۹۸۸ء میں "مجلس تحفظ ناموسِ اہل بیتؓ" کی طرف سے چھپی تھی، کراچی میں اس زمانہ میں ایک "مجلس حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ" بھی قائم ہوئی تھی جس کے زیر اہتمام شائع شدہ لٹریچر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر الزامات لگائے جاتے تھے۔ مولوی عظیم الدین صدیقی صاحب کی کتاب "حیاتِ سیدنا یزید" اسی مجلس مذکور نے شائع کی تھی۔ مولوی عظیم الدین

صدیقی صاحب نے اپنے ایک مداح کو خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ:

''اصولی طور پر یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ عہدِ رسالت ہی سے بوجوہ اپنے آپ کو خلافت و نیابتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اوروں سے زیادہ حق دار سمجھتے تھے، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی میں انہیں کسی انتظامی ذمہ داری کا اہل نہ سمجھتے ہوئے کوئی منصب عطا نہ کیا، صرف دو بار ذیلی و نجی قسم کی ڈیوٹی ذمہ لگائیں۔''❶

اس کے تقابل میں ''مجلس تحفظ ناموس اہل بیت'' قائم کی گئی، اور ان ''مجلسوں'' میں پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ وہی سلوک کیا گیا جو شیعہ ''مجلسوں'' میں ہوتا آیا ہے۔ ''سیاستِ معاویہ'' کتاب کے مصنف نے اس تصنیف میں نہایت بے باکی، اور شاطرانہ چالوں کے ساتھ بغض و عداوت اور نفرت کی آگ بھڑکا کر جلیل القدر صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حد درجہ توہین کی ہے۔ اور ڈھیٹ پن دیکھئے کہ کتاب ہذا کے پہلے صفحہ پر ایک خود تراشیدہ خواب کے ذریعے اس منحوس کتاب کو ''دربارِ حسینی میں قبولیت'' قرار دیا۔ بالکل ایسا ہی خواب نذیر احمد شاکر مصنف ''شمائل علی رضی اللہ عنہ'' نے بھی پیش کیا ہے۔ بلکہ انہیں تو عالم بیداری میں ہی مکہ مکرمہ میں القاء ہو گیا تھا کہ تم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی توہین و عداوت پر جو کتاب لکھی ہے، یہ مقبول من اللہ ہے، (انا للہ وانا الیہ راجعون) سید مہر حسین بخاری نے اپنی مذکورہ کتاب میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے شجرہ نسب پر ''شجرۂ خبیثہ'' کی سرخی جمائی ہے (صفحہ نمبر ۸) علاوہ ازیں آپ کو ''سود خور'' شراب نوش، سمگلنگ کے دھندہ میں ملوث، بانیٔ بدعات، اور اس قبیل کے بھونڈے اتہامات سے متہم کر کے مصنف نے گویا اپنے تئیں اہل بیت کے ناموس کا فریضۂ تحفظ سرانجام دیا ہے۔ راقم السطور نے اس پر اپنی تصنیف ''دفاع حضرت حسین رضی اللہ عنہ'' میں بحث کر دی ہے۔❷ چنانچہ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے معترض کے جملہ اعتراضات کے تسلی بخش جوابات لکھ کر امت پر بہت بڑا احسان کر دیا۔ اس ضخیم کتاب کے دو مجلدات ہیں جو یکجا شائع ہوتے ہیں۔ مصنف علیہ الرحمۃ نے جواب المطاعن کا حصہ پہلے مرتب کر کے پھر سیر و سوانح کا باب لکھا، نیز زیر تبصرہ کتاب چونکہ آپ کی آخری تالیفات میں سے ہے اس لیے آپ نے اس کی املاء خود نہیں کی۔

راقم السطور کے استفسار پر صاحبزادہ مولانا میاں غلام ابوبکر نافع نے بتایا کہ:

''ضعف طبع کی وجہ سے والد گرامی کے ہاتھوں کی انگلیاں جب درد کرنے لگتیں تو پھر عبارت کی املاء کروالیا کرتے تھے، حسن عبارت آپ کی اپنی ہے، تاہم مخدوم مقبول حسین صاحب اس کی املاء کرتے تھے۔ سیرۃ

---

❶ ابوالحسین محمد عظیم الدین صدیقی / آثار سحر، مطبوعہ مجلس حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کراچی / طبع دوم ۱۹۸۹ء / صفحہ نمبر ۷۹۔

❷ عبدالجبار سلفی / دفاع حضرت حسین رضی اللہ عنہ / مطبوعہ ادارہ مظہر التحقیق لاہور ۲۰۱۴ء / صفحہ نمبر ۲۶۲۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تکمیل یوں ہوئی۔''

دوسری کتاب جس کی تردید کے لیے مولانا محمد نافع رحمہ اللہ میدانِ علم میں اترے وہ معروف شیعہ مدرس غلام حسین نجفی آنجہانی کی کتاب ''خصائلِ معاویہ'' ہے جو ۵٦۰ صفحات پر مشتمل ہے اور جامعۃ المنتظر لاہور سے شائع ہوئی تھی، اس کے علاوہ بھی اس شیعی مصنف نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف مندرجہ ذیل کتابیں لکھیں:

۱: بنوامیہ اور معاویہ، بینڈ باجے سے خلافت تک

۲: بغاوتِ بنوامیہ اور معاویہ

۳: کردار معاویہ اور یزید۔ وغیرہ وغیرہ

جہاں تک ان کتب کی شائستگی، عبارت آرائی یا تہذیب کا تعلق ہے، وہ تو کسی ایک سطر میں بھی موجود نہیں ہے۔ البتہ کتب تواریخ کی جن عبارات کا سہارا لے کر یہ کتابیں لکھی گئی ہیں، مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے ایک ایک تشکیک کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیر کر رکھ دی ہیں، جیسا کہ پہلے عرض کر دیا گیا ہے کہ یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔ پہلی جلد میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سیر وسوانح، اخلاقی کردار، ملی خدمات، اور تعمیری کاموں کا بالتفصیل ذکر خیر ہے اور دوسری جلد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر وارد شدہ الزامات وشبہات کا تحقیقی انداز میں دفاع کیا گیا ہے۔ اور نئے و پرانے تقریباً اکتالیس مطاعن کے جوابات بھی پیش کر دیئے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں اس ضخیم کتاب میں ملوکیت کی آڑ میں مولانا مودودی کی جانب سے جو اعتراضات کیے گئے تھے ان کا بھی بالوضاحت جواب پیش کیا گیا ہے اور مولانا سید لعل شاہ صاحب بخاری کی کتاب ''استخلاف یزید'' میں وارد کیے گئے اشکالات کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔

## ''سیرۃِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ'' چند معاصر اہل علم کی نظر میں:

مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی دیگر کتابوں کی طرح زیر تبصرہ کتاب نے بھی اپنی علمیت کا ہر سو لوہا منوایا۔ کیونکہ سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر جو قدیم اعتراضات جدید قلمکاروں سے برآمد ہو رہے تھے آپ نے ان کا خوب قلع قمع کیا، چنانچہ اہل سنت کے تمام مکاتب میں یہ کتاب پڑھی گئی اور ذمہ دار اہل علم نے اس کی تعریف وتوصیف کرنے میں کسی قسم کا بخل روا نہیں رکھا معاصرین کی زیادہ تر آراء یہاں درج کرنے سے تو بحث بہت طول پکڑ جائے گی، تاہم ''مشتے نمونہ از خروارے'' کے طور پہ چند مثالیں پیش کی جا رہی ہیں۔

## سیرت حضرت امیر معاویہؓ پر البلاغ کراچی کا تبصرہ:

حضرت مولانا محمد نافع صاحب مدظلہم (جامعہ محمدی شریف، ضلع جھنگ) کو اللہ تعالیٰ نے اس بات کی خصوصی توفیق عطا فرمائی ہے کہ انھوں نے اپنی متعدد تالیفات کے ذریعہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حقیقی سیرت و کردار کو مستحکم علمی اور تاریخی دلائل کے ساتھ واضح فرمایا ہے۔ جن انصاف نا آشنا حلقوں نے ان حضرات پر طرح طرح کے اعتراضات و مطاعن کی بھرمار کی ہے۔ ان کے اعتراضات کا شافی اور اطمینان بخش جواب دیا ہے اور حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان جو علمی اور سیاسی اختلافات پیش آئے ان کے حقیقی اسباب کی دل نشین وضاحت فرمائی ہے۔

مولانا محمد نافع صاحب کی کتاب ''رحماء بینہم'' جو تین جلدوں میں شائع ہوئی ہے اپنے موضوع پر ایسی نادر کتاب ہے کہ اس کی نظیر عربی زبان میں بھی موجود نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ''مسئلہ اقرباء نوازی''، ''بنات اربعہ'' اور ''حدیث ثقلین'' پر ان کی کتابیں انتہائی مفید اور قابل قدر ہیں۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے ان کی کتاب ''سیرتِ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'' منظر عام پر آچکی ہے جس میں انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سیرت بڑے دل آویز انداز میں تحریر فرمائی ہے۔ اب ان کی تازہ کتاب ''سیرتِ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ'' اسی مبارک سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جن کے خلاف اعتراضات و مطاعن کے ترکش سے کوئی تیر بچا کر نہیں رکھا گیا۔ موجودہ کتاب میں حضرت مولانا محمد نافع صاحب نے ان کی سیرت کے حقیقی روشن پہلوؤں کو مضبوط دلائل کے ساتھ اجاگر فرمایا ہے پہلی جلد کے پہلے حصے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سوانح، عہد رسالت میں ان کے منصب و مقام اور کارنامے اور ان کے مناقب کی احادیث کو پوری تحقیق کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اسی جلد کے دوسرے حصے میں حضرات خلفائے ثلاثہ کے عہد مبارک میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمات، ان کی جنگی مہمات اور دیگر کارناموں پر روشنی ڈالی گئی ہے جو تقریباً پچاس صفحات پر مشتمل ہیں۔ تیسرے حصے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد کے واقعات زیر بحث لائے گئے ہیں۔ اور اسی ضمن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے اختلافات، جنگ صفین اور تحکیم کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ اور فاضل مؤلف نے ان واقعات کو بیان کرتے ہوئے اپنے آپ کو ان غیر مستند روایات سے نہ صرف پاک رکھا ہے بلکہ ان کی مدلل تردید کی ہے جو ان صحابہ کرام کے بارے میں قرآن وسنت اور مستند روایات کے بیان کردہ اوصاف سے کسی طرح میل نہیں کھاتیں۔

چوتھے حصے میں فاضل مؤلف نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے کارناموں ان کی فتوحات، ان کے قائم کیے ہوئے انتظامی ڈھانچے، ان کی رفاہی اور ترقیاتی خدمات، ان کی علمی کاوشوں، ان کے مکارم اخلاق، ان کے فقہی اجتہادات، اہل بیت کے ساتھ ان کے خوشگوار تعلقات اور ان کے اعزاز و اکرام کے واقعات کا انتہائی مبسوط جائزہ لیا ہے جو اس کتاب کی جان ہے۔ آخر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کے عشق و محبت کے مظاہر اور ان کے بارے میں اکابر اُمت کی آراء نہایت تفصیل اور استقصاء کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔

کتاب کی دوسری جلد خاص طور پر ان مطاعن کے جواب کے لیے مخصوص ہے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر مختلف حلقوں کی طرف سے وارد کیے گئے ہیں۔ فاضل مؤلف نے ان مطاعن میں سے ایک ایک کو موضوع بحث بنا کر بڑی جانفشانی کے ساتھ حقائق کی تحقیق کی ہے اور مستحکم دلائل سے اپنے موقف کو ثابت کیا ہے۔

ہوسکتا ہے کہ کسی صاحب علم محقق کو مؤلف کے اخذ کردہ نتائج سے کسی مقام پر جزوی اختلاف ہو، لیکن یہ بات شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ موصوف نے افراط وتفریط سے الگ رہ کر اہل سنت کے صحیح موقف کی ترجمانی کی ہے اور اس موضوع پر تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔ ان کی ہر بات تاریخی حوالوں سے مزین ہے بلکہ انھوں نے صرف اہل سنت ہی کے نہیں اہل تشیع کے مآخذ سے بھی اپنے مؤقف کو ثابت کیا ہے جن پر ان کی بڑی وسیع اور گہری نظر ہے۔

پھر قابل تعریف بات یہ ہے کہ فاضل مؤلف کا انداز بیان مناظرانہ اور جارحانہ نہیں بلکہ باوقار اور متین ہے اور سنجیدہ علمی تحقیق کے معیار پر پورا اترتا ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت پر جو کتابیں اب تک میری نظر سے گزری ہیں یہ کتاب ان سب میں بہتر ہے اور انشاء اللہ طالبان علم وتحقیق کی عرصے تک رہنمائی کرے گی۔ [1]

## شیخ الحدیث مولانا نذیر احمدؒ (فیصل آباد) کے جذبات!

نحمدہ ونصلي علی رسولہ الکریم۔ اما بعد

اسلام میں جو بھی بڑے بڑے فتنے ظاہر ہوئے ان کا سرا کسی نہ کسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے بدگمانی اور ان کے خلاف بدزبانی سے جا کر ملتا ہے۔ آج کے پرفتن دور میں یہ فتنہ بالخصوص عروج پر ہے بلکہ اس پر ''تحقیق'' کا خوشنما لیبل بھی لگانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

---

[1] ماہ نامہ ''البلاغ'' کراچی/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ۔

حضرت مولانا محمد نافع صاحب مد اللہ ظلہ و دام برکاتہ علینا جو ملک کی نمایاں علمی شخصیات میں سے ہیں اس لحاظ سے قابل مبارکباد اور قابل رشک ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی توانائیاں اور توجہات اس فتنہ کی تردید کی طرف مبذول کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ اس موضوع پر ان کی متعدد کتابیں سامنے آچکی ہیں۔ ان کی کتاب ''رحماء بینھم'' عرصے سے علمی حلقوں میں داد تحسین وصول کر چکی ہے۔ اس سے پہلے شاید عربی زبان میں بھی اس موضوع پر ایسی ضخیم اور وقیع علمی کتاب موجود نہ ہو۔ حضرت دامت برکاتہم نے ذرہ نوازی فرماتے ہوئے اپنی کتابیں سیرت حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور سیرت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ بھی احقر کو عطا فرمائیں۔ ان کے علاوہ واقعہ قرطاس، حضرت مغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ پر ایک الزام کا جواب، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بظاہر قابل اشکال الفاظ پر اور حضرت ابن عباس کی ایک روایت کی تحقیق پر مشتمل مسودے بھی اپنے حسنِ ظن کی بناء پر احقر کو دیکھنے کا حکم فرمایا۔ حضرت مدظلہ کی مذکورہ بالا کتب اور تحریرات متعدد جگہوں سے دیکھنے اور استفادہ کرنے کی توفیق ہوئی۔ ماشاء اللہ ساری تحریرات وسعت مطالعہ اور ٹھوس تحقیقی ذوق کی شاہکار ہیں۔ اندازِ بیان بھی خالصتاً وقیع علمی و تحقیقی ہے بوقت ضرورت خود اہل تشیع کی کتابوں کے حوالہ جات سے بات کو مزید پختہ کیا گیا ہے۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ایسے موضوعات پر بسا اوقات جادۂ اعتدال سے نکل کر ایسا انداز اختیار کرلیا جاتا ہے جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کی تائید میں صحابہ کی دوسری جماعت کی تنقیص لازم آجاتی ہے یا کم از کم اہل سنت والجماعت کے نزدیک نصوص سے ثابت شدہ فضائل میں کمی واقع ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ حضرت مولانا محمد نافع صاحب دامت برکاتہم کی تحریرات اور کتابیں اس قسم کی بے اعتدالی سے پاک ہیں۔ علمی ذوق رکھنے والے عام مسلمانوں کے لیے عموماً اور علماء و طلبہ کے لیے خصوصاً یہ کتابیں انشاء اللہ بہت مفید ثابت ہوں گی۔ حق تعالیٰ حضرت کی ان خدمات میں برکت اور نافعیت عطا فرمائیں۔

از: احقر نذیر احمد غفرلہ، خادم جامعہ اسلامیہ امدادیہ، فیصل آباد [1]

اسی طرح شیخ الحدیث مولانا نذیر احمد رحمہ اللہ اپنے دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں۔

زینۃ خدام الصحابہ رضی اللہ عنہم محقق العصر حضرت مولانا محمد نافع صاحب دامت برکاتہم کی مبارک تحریرات حدیث القرطاس کے متعلق نہایت شوق اور عنایت سے دیکھنے کا موقع ملا۔ حضرت اقدس موصوف نے نہایت

---

[1] محررہ ۱۴ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۷ھ۔

عمدہ ترتیب، بہترین تعبیر، مزاج سلف کے مطابق انداز تحقیق، حقائق کی اذہان عامہ کے مطابق تسہیل، خصوم کے مطاعن کی تقریر کر کے شافی جوابات کی لطیف تقریر وتبیین، الفاظ نرم، دلائل گرم کا اسلوب محفوظ رکھنے کی سعی پھران جوابات کی خصوم کی عبارات سے تائید غرض یہ کہ اس نوعیت کے تمام محاسن کو بجا طور پر ملحوظ رکھنے کی نہایت کامیاب کوشش فرمائی ہے۔ حضرت والا کی اس نوعیت کے موضوعات پر تصانیف ماشاء اللہ کثیر ہونے کے ساتھ ساتھ صحیح اور متین اور انتہائی نافع ہیں۔ حضرت کی تالیفات کا نفع عوام وخواص سب کے لیے ہے۔ ہر طبقہ بشرط انصاف ان سے نہ صرف مستفید ہوتا ہے بلکہ لطف اندوز بھی ہوتا ہے۔ عوام ان کی متانت کے ساتھ ساتھ سہولت سے فائدہ اٹھا لیتے ہیں۔ خواص انداز تشریح وتحقیق سے اپنا دامن لبریز کر لیتے ہیں۔ حضرت کا اسلوبِ تصنیف اشتعال انگیزی سے دور، اعتدال کا حامل اور نمونہ سلف صالحین کے مطابق رہتا ہے یہ اس دور میں عظیم کامیابی ہے۔ ایسی محقق شخصیت اور یہ پُرکشش سادگی یہ بھی اس دور میں نعمت عظیمہ اور حسین آمیزش ہے۔ دل سے دعائیں ہیں کہ حق تعالیٰ حضرت کو صحت کاملہ اور عافیت دائمہ کے ساتھ ان لطائف کی توفیق مرحمت فرمائے رکھیں، ہر طبقہ کو ان کے جواہر کی قدر دانی کی صلاحیت عطا فرمائیں تاکہ ان کا نفع عام بھی ہو تام بھی۔ آمین

کتبہ: احقر نذیر احمد غفرلہ، خادم جامعہ اسلامیہ معاویہ، فیصل آباد [1]

## سیرۃ امیرِ معاویہؓ پر ماہ نامہ ''بینات'' کا تبصرہ:

علمی میدان میں حضرت مولانا محمد نافع صاحت دامت برکاتہم کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ آپ کے قلم حقیقتِ رقم سے متعدد شاہکار کتابیں نکل کر علماء وعوام سے دادِ تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ حالِ ہی میں آپ نے کاتبِ رسول ﷺ جلیل القدر صحابی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت پر دو ضخیم جلدوں میں کتاب مرتب فرمائی ہے۔ یہی کتاب اس وقت ہمارے پیشِ نظر ہے۔ اس کتاب کی جلد اول میں تفصیل کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت کو بیان کیا گیا ہے۔ جبکہ جلد دوم میں آپؓ پر کیے جانے والے تقریباً اکتالیس اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔

مولانا موصوف نے جلد اول میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت کو چار ادوار میں تقسیم کیا ہے۔

دورِ اوّل میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ولادت سے لے کر عہدِ رسالت کے اختتام تک کے حالات ہیں۔

دورِ دوم میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد سے لے کر حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت تک کے

---

[1] محررہ ۹، صفر ۱۴۱۸ھ۔

حالات ہیں۔

دورِ سوم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد سے لے کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے صلح کے زمانے تک کے حالات ہیں۔

دورِ چہارم میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اپنے دورِ خلافت کے حالات ہیں۔

دورِ چہارم بارہ فصلوں پر مشتمل ہے جن میں سے ہر فصل میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت سے متعلق بیش قیمت معلومات درج ہیں۔ شروع کتاب میں ایک انتہائی وقیع مقدمہ ہے جس میں کتاب وسنت کی روشنی میں مقامِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو واضح کیا گیا ہے۔ مولانا موصوف نے اپنی دیگر کتب کی طرح اس کتاب میں بھی مناظرانہ رنگ سے ہٹ کر ناصحانہ طرز کو اپناتے ہوئے اکابرِ علماء اہل سنت کی تحریرات کو پیش کیا ہے۔ آپ کی سنجیدہ، متین اور منصفانہ تحریر سے نہ صرف کاتبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت نکھر کر سامنے آئی ہے بلکہ آپ کی شخصیت پر جو سبائی غبار کے دھند لکے تھے وہ بھی صاف ہوگئے ہیں۔ مزید خوبی یہ ہے کہ مولانا کی اس کتاب سے جہاں روافض وخوارج کی بیخ کنی ہوتی ہے وہیں نواصب کا قلع قمع بھی ہوتا ہے۔ غرضیکہ مولانا موصوف کی یہ کاوش اس سلسلہ کی ایک انتہائی سنجیدہ کاوش ہے۔ جسے پڑھ کر بہت سے غلط فہمیوں کا شکار لوگ اپنے خیالات درست کر سکتے ہیں اور بہت سے گم کردہ راہوں کو راہِ ہدایت مل سکتی ہے۔ جزاہ اللہ عنا وعن جمیع المسلمین خیر الجزاء۔ [1]

## حکیم محمود احمد ظفر کی ایک خوش گپی، اُن کی کتاب کا تذکرہ اور مولانا محمد نافعؒ کے نام خط!

یہاں اگر ہم جناب حکیم محمود احمد صاحب ظفر (مولف کتب کثیرہ) کی ایک خوش گپی پیش کردیں تو نامناسب نہ ہوگا، جن دنوں مولانا محمد نافع رحمہ اللہ اپنی زیر تبصرہ کتاب ''سیرۃ سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ'' کی تصنیف میں مشغول تھے تو حکیم صاحب موصوف نے مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کو خط لکھا، اس کا مضمون ملاحظہ ہو۔

> ''محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ یہ پڑھ کر از حد خوشی ہوئی کہ جناب والا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک مستقل کتاب تالیف فرمارہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کی تکمیل بھی جلد از جلد آپ کے مبارک ہاتھوں فرمادے۔ احقر نے بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت پر دو جلدوں میں ۱۹۶۶ء میں ایک کتاب لکھی تھی، پہلی جلد میں آپ کی سیرت ہے اور دوسری جلد میں آپ پر مطاعن کے جوابات، کتاب کا مقدمہ مولانا

---

[1] ماہ نامہ ''بینات کراچی رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ۔

نوٹ: مبصر کا نام درج نہیں ہے، غالب گمان یہ ہے کہ مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کے قلم سے ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اعلم

امین احسن اصلاحی نے لکھا تھا اور حضرت العلام قاری محمد طیب قاسمی رحمہ اللہ، شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ، حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ اور دیگر کئی علماء نے اس پر اپنی تقریظات لکھی ہوئی ہیں۔
اگر آپ فرمائیں تو میں آپ کو اس کتاب کی دونوں جلدیں بھیج دوں؟ شاید سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر کتاب کے بارہ میں آپ کے لیے کچھ مفید ہو سکیں۔''

والسلام مع الاحترام
نیاز آگین حکیم محمود احمد ظفر [1]

## تبصرہ:

اس خط میں دو باتیں بطور اہم حکیم صاحب موصوف نے لکھی ہیں:

۱: میں نے سیرۃ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر دو جلدوں میں ایک کتاب لکھی تھی۔
۲: چونکہ آپ بھی اس عنوان پہ کام کر رہے ہیں تو میری مذکورہ کتاب آپ کے لیے شاید مفید ہو سکے۔

جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے، یہ صحیح نہیں کہ حکیم صاحب موصوف نے سیرۃ معاویہ رضی اللہ عنہ پر کتاب لکھی تھی، ہاں البتہ انھوں نے ''بنائی'' تھی، کیونکہ یہ ساری کتاب پہلے سے مطبوعہ ایک کتاب کا چربہ ہے۔ اور یہ پاکستان میں فتنہ ناصبیت و یزیدیت کے سرخیل محمود احمد عباسی صاحب (کراچی) کے بھتیجے پروفیسر علی احمد عباسی کی کتاب ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیاسی زندگی'' ہے۔ چنانچہ محمود احمد عباسی خود رقمطراز ہیں:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیاسی زندگی مولفہ پروفیسر مولوی علی احمد عباسی سلمہ کی معرکۃ الآراء بڑے سائز کی ساڑھے چار سو صفحات پر چند سال پہلے چھپی تھی۔ اپنی نوعیت کے اعتبار سے یہ اعلیٰ معیار کی تالیف ہے اور اس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ قانونی پابندی کے باوجود مانگ برابر جاری ہے اور لوگ دگنی قیمت دے کر مطالعہ کے لیے حاصل کرنے کے مشتاق نظر آتے ہیں۔ اسی مضمون پر ایک اور کتاب حکیم محمود احمد ظفر کی مولفہ شائع ہوئی ہے ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ شخصیت و کردار'' جس کے سرسری مطالعہ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ظفر صاحب نے ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیاسی زندگی'' کتاب سے استفادہ ہی نہیں کیا بلکہ اسے سامنے رکھ کر اپنی کتاب مرتب کر ڈالی۔ قدرے لفظی تغیر کے ساتھ عنوانات بھی اسی طرح کے اور مضمون بھی اکثر و بیشتر وہی ہیں۔ یہ صاحب کراچی آ کر راقم الحروف سے کئی بار ملے، اپنا عندیہ ظاہر کر دیتے، اپنی اور اپنے بھتیجے کی کتاب سے مواد لینے کی اجازت بڑے شوق سے دی جاتی، کیونکہ مقصد تو تحریک کی اشاعت ہے، یوں بلا اجازت مضامین نقل کر کے کتاب مرتب کر لینا کہاں تک مناسب ہے؟'' [2]

---

[1] محررہ ۲۷/ مارچ ۱۹۸۹ء از سیالکوٹ۔
[2] محمود احمد عباسی/ حقیقتِ خلافت و ملوکیت/ مطبوعہ مکتبہ محمودیہ لیاقت آباد کراچی، فروری ۱۹۶۸ء/ صفحہ نمبر ۵۵۷۔

عباسی صاحب کے اس انکشاف سے یہ بات تو بخوبی واضح ہو رہی ہے کہ جناب حکیم محمود احمد ظفر صاحب ان کی تحریک کے فرد فرید ہیں اور ان سے کراچی میں کئی بار مل بھی چکے ہیں۔ نیز خطہ پنجاب میں حکیم صاحب موصوف کا عباسی نظریہ کے موید اور ترجمان ہونے میں کوئی شک بھی نہیں اور علی احمد عباسی صاحب کی کتاب سے بجائے استفادہ کرنے کے بعینہ اس کے مضامین کے جملہ حقوق اپنے نام محفوظ کر لینے کا فن بھی حکیم صاحب موصوف کا خاصہ ہے۔ البتہ جائے تعجب یہ ہے کہ حکیم صاحب مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کو اپنی اس ''کاوش'' سے فائدہ اٹھانے کی دعوت دے رہے ہیں، اگرچہ اپنی کسی تحقیق سے دوسرے مصنف کو آگاہ کرنا یا اس سے استفادے کا کہنا کوئی معیوب نہیں ہے۔ لیکن حکیم صاحب موصوف ۱۹۸۹ء تک مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے ہزاروں تحقیقی صفحات دیکھ چکے تھے، اور انھیں آپ رحمہ اللہ کے تحقیقی اسلوب، غزارتِ علمی اور سنی و شیعہ کتابوں تک رسائی جیسی استعداد و کمالات کا علم تھا، اس کے باوجود مولانا محمد نافع رحمہ اللہ جیسی باکمال شخصیت کو اپنی مسروقہ بلکہ ''مجروبہ'' کتاب سے استفادے کی دعوت دینا ایک خوش گپی سی محسوس ہوتی ہے۔

## ''دفاعِ اہل بیت'' کے عنوان کی چند تنظیموں کا تذکرہ!

ماضی میں اہل بیت کے ناموں سے مختلف تنظیمیں بھی بنی ہیں یہ تنظیمیں اگرچہ وقتی اور علاقائی حد تک ہی متعارف ہوئیں، تاہم اپنے فکری اثرات کے اعتبار سے ان کا دائرہ کار کسی حد تک بڑھا ہے۔ فی الوقت بالترتیب ہم صرف تین تنظیموں کا ذکر کر رہے ہیں:

۱: ادارہ تحفظ ناموسِ اہل بیت (کراچی)

۲: مجلس تحفظ ناموس اہل بیت (پاکستان) کامرہ اٹک

۳: تحفظ عظمتِ اہل بیت (صدر دفتر خانیوال روڈ ملتان)

۸۰ء کی دہائی میں یہ تینوں تنظیمیں قریب قریب ایک ہی وقت میں بنی ہیں اول الذکر تنظیم فکری طہارت کے اعتبار سے بالکل صحیح تھی۔ اس کے بانی جناب علی مطہر نقوی ہیں[1]، جو امام اہل سنت علامہ عبدالشکور فاروقی لکھنوی رحمہ اللہ کے شاگرد، نہایت معتقد اور عظمتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مخلص کارکن ہیں، اور اس پیرانہ سالی میں بھی یادداشتوں کے ذریعہ احباب مجلس کو گرماتے رہتے ہیں، انھوں نے ناصبیت کے سرخیل محمود احمد عباسی کے شخصی تعارف اور عقائد و نظریات پر ایک جامع اور معلومات افزاء کتاب بھی ترتیب دی تھی جو

[1] علی مطہر نقوی امروہوی رمحمود احمد عباسی اپنے عقائد و نظریات کے آئینے میں مطبوعہ ۱۹۸۳ر ادارہ تحفظ ناموسِ اہل بیت۔ شمالی ناظم آباد، کراچی رصفحہ اول۔

اسی ادارہ کے زیر اہتمام ۱۹۸۳ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب کا انتساب امام اہل سنت علامہ عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ کے نام سے کیا گیا۔ چنانچہ علی مطہر نقوی رقمطراز ہیں:

''میں اپنے اس ناچیز مجموعہ کو مشاہیر عالم کے مسلّمہ امام اہل سنت علامہ محمد عبدالشکور فاروقی لکھنوی رحمہ اللہ کی طرف منسوب کرتا ہوں، جن کے معترفین علم و تحقیق اور گرویدگان میں شارح ابوداود علامہ خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ، مجددِ وقت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ، شارحِ ''مسلم شریف'' پاکستان کے پہلے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ، مورخ اسلام و شیخ الاسلام پاکستان علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ اور مفتی اعظم متحدہ ہند علامہ مفتی محمد کفایت اللہ دہلی رحمہ اللہ جیسے تاریخی بحر العلوم اور آفتابانِ رشد و ہدایت داخل ہیں۔''

زمین کھا گئی آسمان کیسے کیسے ❶

اس کتاب پر ماہ نامہ ''بینات'' کراچی بابت جون ۱۹۸۴ء بمطابق شعبان ۱۴۰۴ھ میں تبصرہ بھی شائع ہوا تھا۔ علاوہ ازیں مذکورہ ادارہ (تحفظ ناموسِ اہل بیت) کے زیر اہتمام دیگر کارآمد اور علمی کتب بھی شائع ہوتی رہیں، جن میں ''ابو الائمہ کی تعلیم'' از علامہ عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ، ''نسب غوثِ پاک'' از علامہ سید نہال احمد نقوی امروہوی (ریٹائرڈ سیشن جج حیدر آباد دکن) ''بنیادی اسلامی عقائد'' از علامہ لکھنوی رحمہ اللہ، ''ابنِ سبا'' از مولانا اعجاز احمد سہسوانی رحمہ اللہ، تنویر الایمان ترجمہ تطہیر الجنان، وغیرہ وغیرہ شامل ہیں۔ یہ ادارہ عین مذہب اہل سنت والجماعت کے مطابق اپنی علمی خدمات سرانجام دیتا رہا اور اس کے زیر انتظام نہایت قابل قدر اسلامی، سنی لٹریچر منظرِ عام پہ آتا رہا۔ اس ادارہ کے کار پردازان کے عقائد میں کسی قسم کا کوئی ٹیڑھ پن، الحاد یا فکری کجی نہیں تھی۔

ثانی الذکر ''مجلس تحفظ ناموسِ اہل بیت رضی اللہ عنہم'' (کامرہ کلاں ضلع اٹک) تو بالکل شیعہ نما عقائد کی ترجمان تھی اس ادارہ کے زیر انتظام بدنام زمانہ کتاب ''سیاستِ معاویہ'' شائع ہوچکی ہے۔ جس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر شرمناک اور نہایت گھناؤنے الزامات لگائے گئے تھے اور انہی اعتراضات و مطاعن کے جوابات کے لیے مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے اپنے اشہب قلم کو جولانی دے کر تاریخ ساز کتاب ''سیرۃ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ'' قلمبند کی۔ مذکورہ کتاب ''سیاستِ معاویہ'' پر پچھلے اوراق میں بحث گزر چکی ہے۔

ثالث الذکر ''تحفظ عظمتِ اہل بیت'' خالص شیعہ تنظیم تھی، مگر یہ شیعیت کے باہمی خلفشار میں وجود پذیر ہوئی۔ شیعوں میں دو فرقوں (خالصی اور شیخی) کے اختلافات نے جب عروج پکڑا اور باہم تکفیر و قتال تک

---

❶ یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ راقم کو مذکورہ سطور لکھتے ہوئے روز نامہ ''جنگ'' کے ذریعہ پتہ چلا کہ جناب علی مطہر نقوی ۱۵، مارچ ۲۰۱۶ء بروز بدھ کراچی میں انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون آہ! علامہ لکھنویؒ کی نشانی اٹھ گئی۔ کُلُّ من علیہا فان، ویبقٰی وجہ ربك ذوالجلالِ والاکرام۔

نوبت جا پہنچی، جو تادمِ سطور بھی جاری ہے۔ تو ایک طبقہ نے دوسرے کو اہل بیت کا منکر قرار دے کر بزعمِ خویش ''تحفظِ عظمت اہل بیت'' بنا ڈالی جو مؤرخہ ۳۰، دسمبر ۱۹۸۳ء کو بنائی گئی، شیعوں کے ''خالصی'' گروپ کا کہنا تھا کہ یہ تنظیم میرزا احسن الحائری احقاقی کویتی کی سرپرستی میں چل رہی ہے اور اس کی دیگر شاخیں ملک میں ایجنٹوں کے ذریعے سے کھولی گئی ہیں، نیز یہ تنظیم کویتی امداد سے چل رہی ہے، وغیرہ وغیرہ۔ [1]

یہ اور دیگر تنظیموں کی ہنگامہ آرائی میں دو طرح کے نظریات کا زبردست اور نہایت جارحانہ تقابل سامنے آیا، ایک گروہ نے صراحتاً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین پر اپنی ساری ہمت صَرف کر کے بزعم خود دفاعِ اہل بیت کا فریضہ سرانجام دیا اور دوسرے گروہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تحفظ کا دعویٰ کر کے یزید تک کو جنت و ایمان کی اسناد دینا شروع کر دیں اور اس سلسلہ میں ''مجلس حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ'' مکتبہ جاء الحق کراچی، مکتبۂ محمود اور الرحمن پبلیکیشنگ کراچی وغیرہ وغیرہ نے اُلٹا سیدھا لٹریچر شائع کر کے بے اعتدالی کا طوفان برپا کیے رکھا۔ ان حالات کے تناظر میں ضروری تھا کہ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ جیسی معتدل، پُراز علم اور فکری وتحقیقی شخصیت امت کی اس اعتقادی کشتی کو بھنور سے نکالنے میں اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاتی اور تحفظِ عقائد کا فریضہ سرانجام دیتی، چنانچہ آپ نے اسی جذبے کے پیشِ نظر یہ کام سرانجام دیا اور بلا مبالغہ آپ کے اس اقدام سے ہزاروں افراد کو سلامتی کا ساحل نصیب ہوگیا۔

## حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت کے حوالہ سے بعض اہل سنت حلقوں کی بے احتیاطی، بے اعتدالی اور بے انصافی!

پاکستان میں اکثریتی آبادی امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مقلدین پر مشتمل ہے جو بدقسمتی سے دیوبندی و بریلوی تقسیم کا شکار ہے۔ گزشتہ قریبی صدی میں اگر دیوبندی مکتبۂ فکر میں ناصبیت و خارجیت نے جنم لیا تو بریلوی مکتب فکر کی گود میں ''تفضیلیت اور رافضیت'' نے آنکھ کھولی۔ اور بعض رِفض زدہ بریلوی تو اس حد تک بے باک ہوگئے کہ انھوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی افضیلت ثابت کرتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی واضح اور نام بنام تنقیص شروع کر دی مثلاً رضاء الحسن قادری لکھتے ہیں:

۱: پیر ہارون الرشید (موہڑہ شریف کوہ مری ضلع راولپنڈی) نے اپنی ایک دعا کے دوران حضرت سیدنا و مولانا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ''منافق'' کہا۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

---

[1] بلال مہدی/ جواباتِ عالیہ دررَدِّ خرافاتِ غالیہ/ ناشر تحریک داعیانِ حق اسلام آباد/ مئی ۱۹۸۵ء/ صفحہ نمبر ۹۔

۲: قاری ظہور احمد فیضی نے ''شرح خصائص علی'' میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق مردود و مطرود اقوال بیان کیے ہیں، رافضیوں کے اُجرتی محقق کو ہم اسی سال میزانِ تحقیق پر پیش کریں گے، پھر آپ دیکھیں گے کہ اس کی تحقیق کی زنبیل سے کیا کیا کچھ نکلتا ہے۔

۳: شیخ الاظلام ڈاکٹر طاہر القادری کا بیداریٔ شعور کے سلسلے میں کیے ہوئے ایک خطاب کا چھوٹا سا حصہ ہم تک پہنچا۔ اس میں ضمناً جنابِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے مناقب بیان کرنے والوں کو فتنہ گر ملا، یزیدی ٹولہ، خارجی الذہن، حُب کے اہل بیت کے مخالف وغیرہ وغیرہ قرار دیا، اور یہ سب انھوں نے کہا تو کسی اور کو نہیں، سنی بریلوی بھائیوں کو کہا، اتنی تواضع کرنے کے بعد وہ گویا ہوئے کہ ایسے لوگوں کو اہل سنت کی صفوں سے جوتے مار کر نکال دو۔

۴: ''منہاج القرآن لاہور کے مفتی اعظم حضرت علامہ مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی نے جب ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مناقب پر کتاب تصنیف کرنی شروع کی تو طاہر القادری صاحب نے انہیں اس صالح کام سے ٹوک دیا۔''

۵: ''سید مزمل حسین شاہ نے ایک مقام پر تقریر کرتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر بڑا ہی بے باک طعن کیا، جس پر حاضرین میں سے نعرہ بلند ہوا۔ معاویہ پہ لعنت (اعوذ معاذ اللہ) مزمل حسین شاہ نے فوری طور پر اسے منع تو کیا مگر چند لمحے گزرنے کے بعد اس لعین شخص کا ذکر ان الفاظ میں کیا کہ میں اپنے عزیز کو داد دیتا ہوں، اس کے اپنے جذبات تھے۔''

۶: مفتی محمد شوکت سیالوی (خانے وال) مولانا محمد حنیف قریشی (راولپنڈی) اور علامہ سید ریاض حسین شاہ (ناظم اعلیٰ جماعت اہل سنت پاکستان) کے حوالے سے بھی کئی باتیں گردش میں ہیں، شنید ہے کہ انھوں نے علماء کی ایک مجلس میں اپنی سابقہ باتوں سے رجوع اور توبہ کر لی ہے، اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ [1]

ان کے علاوہ پیر محمود شاہ ہزاروی اور اس کے بیٹے پیر محی الدین وغیرہ نے بھی بریلوی مسلک میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات پر بہت زیادہ بُغض فشانی کی، جس کے تفصیلی جوابات بریلوی علماء کرام کے طرف سے آچکے ہیں۔ [2]

---

[1] رضاء الحسن قادری رپیش لفظ کتاب ''دفاعِ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ'' رناشر دارالاسلام لاہور ۲۰۱۳ء رصفحہ نمبر ۸۔

[2] مثلاً ''دشمنانِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا علمی محاسبہ'' دو مجلدات از مولانا محمد علی نقشبندی، لائق مطالعہ ہے۔ اسی طرح کتاب ''من ہو معاویہ'' اور ''مسندِ معاویہ'' وغیرہم قابل قدر ہیں۔ سلفی

علاوہ ازیں مولانا پیر نصیر الدین گولڑوی، مولانا سید لعل شاہ صاحب بخاری، شورش کاشمیری، مولانا شاہ معین الدین ندوی اور مودودی صاحب وغیرہم نے جو اپنی اپنی کتابوں میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں بے احتیاطی برتی ہے، اس کا مسلکِ اہل سنت کے عمومی اور اجماعی نظریے سے یقیناً کوئی دور کا بھی تعلق نہیں ہوسکتا، لیکن تمام اکابرین اہل سنت کی کھینچ تان کر از خود ایک فہرست تیار کر لینا اور عبارات کے اندر قطع و برید کر کے سیاق و سباق سے طوطا چشمی کر کے اور اپنے دماغ میں پہلے سے موجود ایک سوچ کو غذا دینے کے لیے الزامات گھڑ کر سبھی کو ناقدین معاویہ قرار دے کر فقط اپنے آپ کو ہی ''محب معاویہ رضی اللہ عنہ'' قرار دینا بذاتِ خود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین ہے، کیونکہ کوئی عقل مند یہ باور نہیں کرسکتا کہ چودہ صدیوں میں فقط ایک ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو عاشق نصیب ہوا، جن کا نام نامی اسم گرامی پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی آف حویلیاں ضلع ایبٹ آباد ہے، کیونکہ آں موصوف نے ہی پوری امت کو گستاخان حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں شامل کیا ہے، ماسوائے اپنے آپ کے، ان کی کتاب ''ناقدینِ معاویہ رضی اللہ عنہ'' ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ [1] غرضیکہ ان تمام امراض کا تریاق مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی زیر تبصرہ کتاب ہے، جس میں آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب، اسلافِ اُمت کا زاویہ فکر، مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا بہترین تجزیہ شیعی پروپیگنڈے کا علمی استیصال اور تاریخی روایات کا منصفانہ حل پیش فرما دیا ہے۔ کیونکہ جب کتاب و سنت کا عمیق علم نہ رکھنے اور شانِ صحابیت کو نہ سمجھنے والے محض تاریخی گھگھو گھوڑے دوڑاتے ہیں تو ان کی زبان و قلم سے خیر برآمد نہیں ہوتا جیسا کہ ایک صاحبِ قلم جو بقلمِ خود ''نقاشِ فطرت'' کہلواتے تھے، اپنی ایک کتاب میں لکھتے ہیں:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طبیعت میں عام صحابۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے برخلاف امارت اور شان و شوکت کا رجحان زیادہ تھا، آپ نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹے یزید کو جانشین مقرر کر کے لوگوں سے بیعت لے لی، اب خلافت نے آمریت کا جامہ پہن لیا۔'' [2]

ایسے جارحانہ لب کشاء اور محروم از حقیقت قلم کُشاء مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی اس کتاب کا سامنا کرتے ہیں تو ان کی علمیت اور نام نہاد تحقیق یا تاریخ دانی کا سارا غرور خاک میں مل جاتا ہے۔

## فسقِ یزید اور مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کا موقف!

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت پر اٹھنے والے بعض قلم حُب یزید کی سیاہی بھی صفحات پر چھوڑ دیتے ہیں۔

---

[1] قاضی طاہر علی الہاشمی / ناقدین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ / قاضی چن پیر الہاشمی اکیڈمی، حویلیاں، ہزارہ / ۲۰۱۳ء۔

[2] ایم اسلم / رنگ و تاز / مطبوعہ مکتبۂ نظامی لاہور مئی ۱۹۷۸ء / صفحہ نمبر ۲۲۔

لیکن مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کا یزید کے متعلق بے لاگ اور دوٹوک موقف تھا کہ اس کے کارِ بد کے ہم ذمہ دار ہیں نہ ہمیں اس کے دفاع کی ضرورت ہے، چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

"یہ چیز بھی مسلمات میں سے ہے کہ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شیرازۂ امت کو منتشر ہونے سے بچانے کے لیے یزید کی حکومت کو تسلیم کر لیا تھا، یہ بیعت اس لیے نہ تھی کہ وہ یزید کو ہر طرح سے حق دارِ خلافت سمجھتے تھے بلکہ اس لیے کہ امتِ مسلمہ میں خوں ریزی نہ ہو اور جس طرح بھی بن پڑے، مسلمان ایک جھنڈے کے نیچے مجتمع رہیں، یزید کی حکومت کو تسلیم کرنا اس شرط کے ساتھ تھا کہ ان کی اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت برقرار رہے گی، اور وہ حکومت کی کسی ایسی بات کو ہرگز نہیں مانیں گے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہو، بایعنا ھذا الرجل علی بعیۃ اللہ ورسولہ (بخاری) مذکورہ بالا اشیاء اس چیز کی نشاندہی کرتی ہیں کہ اس دور میں یزید کے ظاہری اعمال و احوال عموماً اس درجہ کے نہ تھے کہ اس کی مخالفت ضروری ہو اور اسلام کے خلاف اس کا کردار نہیں تھا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جس دور میں اس کا انتخاب کیا یا اس کی نامزدگی کی تو اس میں اہلیت سمجھ کر ہی ایسا کیا گیا تھا، آئندہ کے لیے کسی کو کیا معلوم ہوتا ہے کہ کیا حالات پیش آئیں گے؟ والغیب عند اللہ تعالی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے بعد جو یزید کے کارنامے مثلاً واقع کربلا، واقعہ حرہ، اور مکہ شریف پر چڑھائی وغیرہ جو کتابوں میں پائے جاتے ہیں اُن کا ذمہ دار خود یزید ہے نہ کہ جناب معاویہ رضی اللہ عنہ! ان کی وجہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مطعون کرنا بڑی زیادتی ہے اور آنجناب اس کے ذمہ دار نہیں۔" [1]

علاوہ ازیں آپ نے حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کے ساتھ اپنی پہلی ملاقات کا احوال سناتے ہوئے بھی اس امر کا اظہار کیا تھا کہ بندہ یزید کے متعلق وہی نظریہ رکھتا ہے جو تمام اکابرین و اسلاف اہل سنت والجماعت کا ہے، (یہ بات مع حوالہ پچھلے اوراق میں گذر چکی ہے) بہر کیف سیرۃِ سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اردو ذخیرہ میں اب تک بیسیوں کتب شائع ہو چکی ہیں۔ ان سب کتب کو پڑھنے، پرکھنے کے بعد جب مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی تحقیقات اور اسلوب بیان تک منصف مزاج قاری کی رسائی ہوتی ہے تو وہ بلاشبہ یہ کہنے میں بے خود ہو جاتا ہے کہ:

نہ ہوا پر نہ ہوا میر کا انداز نصیب
ذوقؔ یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

---

[1] مولانا محمد نافع رسیرۃِ حضرت امیر معاویہؓ ردار الکتاب، لاہور رصفحہ نمبر ۴۶۰، جلد نمبر ۲۔

## (۹) فوائد نافعہ (۲ مجلدات، سنِ تکمیل اکتوبر ۱۹۹۹ء):

مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی ہر ایک کتاب یواقیت کے موتیوں سے بھری پڑی ہے، مبصر سطر بہ سطر مطالعہ کرنے کے بعد اس نازک پگڈنڈی سے خود کو گزارتے ہوئے دقت محسوس کر رہا ہے کہ آپ کی کونسی کتاب کو آپ کی کس کتاب پر ترجیح دی جائے؟ اس عظیم المرتبت اور پُرعظمت سلسلۂ تصنیف کی ایک سنہری کڑی کتاب ''فوائد نافعہ'' بھی ہے، جو تقریباً ایک ہزار صفحات کے لگ بھگ دو جلدوں پر مشتمل نوادرات کا عجیب وغریب خزانہ ہے، اس کتاب کی مقبولیت کی ایک یہ دلیل بھی ہے کہ آپ کی وفات کے بعد ایران سے ایک فارسی النسل عالم دین نے نہایت شستہ اور سہل ایرانی فارسی میں ترجمہ کروا کے شائع کروا دیا ہے، اس کتاب میں دفاعِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے حوالہ سے مختلف مضامین، ضروری سوالات اور کئی ایک اہم ومشہور اعتراضات کا دفعیہ کر دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب ہذا پڑھنے سے قاری کے ذہن سے شکوک وشبہات کا ارتفاع ہو جاتا ہے۔ اس کتاب کی پہلی جلد کو پانچ فصول میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اور اس کی ترتیب یہ ہے:

۱: پہلی فصل میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سوانح، حضرت عائشہ بنت صدیق رضی اللہ عنہا کے ایمان افروز حالات، آیتِ غار کی وجدانی تشریح، عدمِ شرکت جہاد کا اعتراض اور مدلل جواب، خلافتِ بلافصل کی جامع بحث اور مالک بن نویرہ کے قتل کا اعتراض اور اس کی حقیقت وغیرہ شامل ہیں۔

۲: دوسری فصل واقعہ قرطاس اور اس کے پس منظر، ایام مرض الوفات، امامتِ صلوٰۃ، مسئلہ تراویح، توہمات کا ازالہ، عہد عثمانی میں اہتمام تراویح، متعۃ النساء کا مسئلہ، اور اس پر طرفین کے دلائل کے بعد مفصل اور منصفانہ شرعی فیصلہ، طلاقِ ثلاثہ اسلامی روایات کی روشنی میں، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ پر الزام کی حقیقت، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اسلام کی نظروں میں، واقعہ تحکیم، طبعی صلاحیت و دینی اعتماد وغیرہ وغیرہ پر مشتمل ہے۔

۳: تیسری فصل میں عثمانی مطاعن کے جوابات، غزوۂ بدر میں عدم شرکت کے اعتراض پر بحث، غزوۂ احد سے فرار کا الزام، منیٰ میں چار رکعت نماز اور جمعۃ المبارک میں اذان ثانی کے ایزاد پر اعتراض کا جواب، حکم بن العاص کی جلاوطنی پر اعتراض کا جواب، احراق مصاحف اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر الزام کی حقیقت وغیرہ پر نہایت شرح وبسط کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔

۴: چوتھی فصل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معیارِ حق اور مدارِ دین ہونے، حدیثِ حوض کے متعلق طعن کا جواب،

تاریخ طبری میں منقول معتضد باللہ کے رسالے کا جواب، حضراتِ معاویہ رضی اللہ عنہ وعلی رضی اللہ عنہ کے نزاع پر کلام، حجر بن عدی اور عمرو بن الحمق کے تذکار، اور حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے متعلق نازیبا کلمات کا دندان شکن جواب دیا گیا ہے۔

۵: پانچویں اور آخری فصل میں ایک شیعہ اشتہار میں اٹھائے جانے والے چند اعتراضات کے جوابات، حضراتِ طلحہ رضی اللہ عنہ وزبیر رضی اللہ عنہ پر شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے الزام کی حقیقت، اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر معوذتین کے قرآنیت کے منکر ہونے پر الزام کا دفعیہ وغیرہ وغیرہ شامل ہیں۔

## (۱۰) فوائد نافعہ۔ جلد دوم (سیرۃِ حسنین شریفین رض):

جلد دوم کا بیشتر حصہ حضراتِ حسنین شریفین رض کے سوانح پر مشتمل ہے، اور اس حصہ کو پڑھ کر نہ صرف یہ کہ قاری کے ایمان میں حلاوت آجاتی ہے بلکہ ان لوگوں کا یہ اعتراض بھی پادر ہوا ہو جاتا ہے کہ یہ دو شہزادے صفتِ صحابیت سے متصف نہ تھے، علاوہ ازیں خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے ہاں ان دونوں بھائیوں کی قدر و منزلت، عہد مرتضوی میں ان کی خدمات، حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت اور وفات، سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی وفات تا شہادت کے احوال و واقعات، استخلافِ یزید کا مسئلہ، واقعہ کربلا سے متعلقہ چند اہم مباحث، مسئلہ ماتم، حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے احوال اور قاتلینِ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے عبرتناک انجام کا تذکرہ شامل ہے۔

## علامہ خالد محمود کے مقدمہ کے تین اہم اقتباسات:

سلطان العلماء علامہ ڈاکٹر خالد محمود نے ''فوائد نافعہ'' پر تقریظ لکھی جو دوسری جلد میں شامل اشاعت ہے۔ علامہ صاحب اور مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کا علمی ذوق اور اسلوب تحقیق ایک جیسا ہے، کام کا دائرہ اور مقاصد بھی ایک ہی تھے، دونوں ہی عظمتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے شیدائی رہے، اس لیے مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے اپنی اکثر کتب پر علامہ خالد محمود صاحب سے ہی سے تقریظ لکھوائی ہے۔ چنانچہ ''فوائد نافعہ'' پر بھی آپ نے مفصل اور پُر زور مقدمہ لکھ کر گویا ایک ہزار صفحات کو سو، سوا سو سطور میں سمو دیا، علامہ صاحب کی تقریظ کے تین اقتباسات ملاحظہ ہوں:

۱: ''یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حسن اور حسین کی شخصیات امت میں کبھی مختلف فیہ نہیں سمجھی گئیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت سے دستبردار ہونا پسند کیا مگر امت میں فریق بننے کو پسند نہیں کیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ

گو کربلا میں اکیلے تھے اور یہ واقعہ آناً فاناً اپنے منطقی انجام کو پہنچ گیا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اہل سنت کی کتب حدیث میں شاید ہی کوئی کتاب ہو جس میں اہل بیت کی منقبت اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے فضائل کے باب نہ بندھے ہوں۔ سانحۂ کربلا کے بعد زین العابدین علی بن حسین رضی اللہ عنہ جب مدینہ منورہ میں اقامت پذیر ہوئے تو امت کے تمام علماء اور محدثین کس طرح فرط عقیدت میں آپ کے حلقے میں آتے رہے۔ اور ان سے علمی اور روحانی فیض پاتے رہے یہ اہل علم سے مخفی نہیں جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے بغیر کوئی شخص کامل الایمان نہیں ہوسکتا تو جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم محبت فرمائیں اس سے محبت رکھے بغیر کوئی شخص کیسے کامل ایمان ہوسکتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس محبت کی اساس پر چاہتے ہیں کہ دوسرے بھی حسین سے محبت و مودت رکھیں۔''

۲: ''حضرت مولانا محمد نافع صاحب نفعنا اللہ بعلومہ مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اس عظیم کام کا بیڑا اٹھایا اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی زندگی کو مختلف ادوار میں لا کر سمجھانے کی کوشش کی۔ آپ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر اس انداز سے لکھا کہ اس میں کوئی فرقہ وارانہ جھلک دکھائی نہیں دیتی آپ کا فاضلانہ قلم ہے جو حقائق و واقعات کے بہاؤ میں اس بات کی پروا کیے بغیر کہ کوئی کیا کہے گا، بڑے سکون وطمانیت کے ساتھ چلتا جا رہا ہے مصنف نے ان بیانات میں بڑی بڑی کٹھن گھاٹیاں عبور کی ہیں اور پتہ چلنے نہیں دیا کہ آپ نے ان میں کس طرح شکوک وشبہات کے بڑے کانٹے اکھاڑ دیئے ہیں۔''

۳: راقم الحروف ان دنوں پاکستان آیا ہوا تھا کہ اچانک فون آیا کہ مولانا محمد نافع صاحب آپ کو ملنے کے لیے لاہور آرہے ہیں۔ مولانا تشریف لائے اور پورے دو دن ہمارے اس موضوع پر مذاکرات رہے میں سمجھتا ہوں کہ جہاں تک اس کتاب کا تعلق ہے مولانا نے اس میں موتی پرو دیئے ہیں۔ اور سنی وشیعہ کی پرانی آویزش سے ہٹ کر فریقین کو نہایت معتدل پیرائے میں سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کی فکر و بصیرت اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی علمیت وعقیدت پر غور و فکر کی دعوت دی ہے۔ یہ تحقیق انیق اس فاضلانہ قلم اور ناقدانہ علم کے ساتھ ہمیں صدیوں پیچھے کہیں نہ ملے گی۔ ❶

## ایران سے ''فوائد نافعہ'' کے فارسی ترجمہ کی اشاعت:

''رحماء بینھم'' کی عربی اشاعت جب بیروت سے ہوئی تو مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی تصانیف و تحقیق

---

❶ علامہ ڈاکٹر خالد محمود، تقریظ بر کتاب ''فوائد نافعہ'' جلد دوم، دار الکتاب لاہور، اگست ۲۰۰۵ء، صفحہ نمبر ۱۴ و صفحہ نمبر ۱۷۔

کا عرب و فارس میں شہرہ ہوا۔ چنانچہ فارسی زبان والے اہل علم نے بھی فارسی خواں طبقہ کی سہولت کے لیے آپ کی کتابوں کی تفریس کا بیڑہ اٹھایا، چند سال پہلے جناب مولانا ابوعمران صاحب نے اس کا فارسی ترجمہ کر کے حال ہی میں اس کی خوبصورت اور معیاری طباعت کروا دی ہے، یہ بڑے سائز کے ۵۷۲ صفحات ہیں، کاغذ نہایت عمدہ، اور ٹائٹل و کتابت فارسی رسم الخط میں اعلیٰ و دیدہ زیب ہے یہ فارسی ترجمہ ۷ رجب ۱۴۳۴ھ میں مکمل ہوا، اور پھر منصۂ شہود پر آیا، یہ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی کرامت، حسنِ اخلاص اور اصحابِ رسول ﷺ کے ساتھ عشق وعقیدت کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس پاکباز اور مخلص بندے کی محنت کا عرب وعجم سے لوہا منوایا۔ ذالك فضل الله يوتيه من يشاء۔ مترجم نے یہ کام انتھک محنت سے کیا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت اور عقیدت کے ساتھ ساتھ ظاہر ہے کہ وہ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی الفت سے بھی سرشار ہیں۔ کتاب ہذا کا فارسی ترجمہ چونکہ حال ہی میں منظر عام پہ آیا ہے اور ابھی پاکستان کے اہلِ علم کے پاس نہیں پہنچا، اس لیے ہم یہاں فارسی ترجمہ کی چند عبارات (مع اردو عبارات از قلم مولانا محمد نافع) پیش کرتے ہیں، تاکہ باذوق اہلِ علم کتاب تک رسائی حاصل کرنے میں گرمجوشی پیدا کرسکیں۔

## غارِ ثور اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ:

(مترجم کی فارسی عبارت)

نخستین منزل این قافلة چندنفری غار ثور بود نخست حضرت صديق اكبر رضي الله عنه داخل غار رفت وآن را آماده كرد، سوراخ ها را بست وجايي براى نشستن رسول خدا ﷺ مهيا كرد۔ سپس آن حضرت ﷺ داخل شد، رسول الله ﷺ سر مبارك خويش را بر زانوی حضرت صديق اكبر رضي الله عنه نهاد۔ حضرت صديق اكبر رضي الله عنه بسيار ترسيد و گفت: «اگر اينها از بالای غار به پايين بنگرند، ما را مي بينند۔»

رسول اكرم ﷺ فرمود: «ابوبكر! هرگز هراس به دل راه مده، من وتوتنها نيستيم، بلكه سومي خداست۔»

در اين هنگام سكون و اطمينان خاصي از سوی خداوند سبحان بر قلب اطهر آن حضرت ﷺ نزول يافت وبه بركت آن بر قلب حضرت صديق اكبر رضي الله عنه نيز نازل شد۔

خداوند متعال به وسیلهٔ گروهي از فرشتگان آن دو نفر را حفاظت فرمود، این هم کرشمه ای از حفاظت خداوندی بود که تار عنکبوت که اوهن البیوت، سست ترین وضعیف ترین است، مانند دژی استوار موجب حفاظت آنان گشت۔

(اردو عبارت از مولانا محمد نافع رحمہ اللہ)

''غارِ ثور کی صحبت'' اس مختصر قافلہ کی پہلی منزل غارِ ثور تھی، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہلے غار کے اندر داخل ہوئے اور تمام جگہ درست کی، سوراخ وغیرہ بند کیے، جب اندر بیٹھنے کی تمام جگہ صفائی کر لی تو اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لایئے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم غار میں داخل ہوئے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زانو پر سر مبارک رکھ کر آرام فرمانے لگے، ادھر کفار کے چند آدمی بالکل غار کے سر پر آپہنچے، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس وقت گھبرائے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر یہ لوگ پاؤں کی طرف نظر کریں تو ہم صاف نظر آسکتے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غمزدہ ہونے کی کوئی بات نہیں، ہم صرف دو ہی نہیں بلکہ ایک تیسرا (خداوند عالم) ہمارے ساتھ ہے۔ اس وقت حق تعالیٰ نے ایک خاص قسم کی کیفیت، سکون واطمینان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے صدیقِ رفیق کے قلبِ مبارک پر نازل فرمائی اور فرشتوں کی فوج سے حفاظت وتائید فرمائی، یہ اسی تائید غیبی کا کرشمہ تھا کہ لکڑی کا جالا جسے اوھن البیوت کہا جاتا ہے، بڑے بڑے مضبوط ومحکم قلعوں سے بڑھ کر موجب تحفظ ہوا اور بچاؤ کا ذریعہ ٹھہرا۔''

## ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت:

(مترجم کی فارسی عبارت)

صاحبان علم و دانش به خوبی مي دانند که هریکی از این ویژگی ها از روایت های دیگر نیز تأیید مي شوند؛ به ویژه ماجرای افك با شرح و بسطی طولانی در احادیث بیان شده است۔ خداوند سبحان ده آیه جهت تأیید عفت و طهارت او از آسمان نازل فرمود که هر صبح و شام در تمام عالم بر زبان ها جاری و تلاوت مي شوند۔

بنابر این، برای شخص پاك طینت فقط یك ویژگی کافی است تا به این خاتون بهشتی و بانوی بزرگوار رضي الله عنها عقیدهٔ خوبی داشته باشد۔ اما برای افراد بدسرشت وبدطینت آیات قرآنی واحادیث نبوی مفید نیستند۔ خداوند به هر مسلمانی توفیق دهد تا نسبت به اهل بیت رسول الله ﷺ گمان و عقیدهٔ خوبی داشته باشد۔

(اردو عبارت از مولانا محمد نافع رحمہ اللہ)

''اہل علم حضرات جانتے ہیں کہ مذکورہ خصائل میں ایک ایک کی تائید دوسری متعدد روایات سے ہوسکتی ہے۔ خصوصاً واقعہ افک میں بڑی تفصیلات ہیں۔ حضرت ام المومنین کی خاطر اللہ کریم نے پوری دس آیاتِ قرآنِ مجید پارہ اٹھارہ سورہ نور میں عرش سے فرش پر نازل فرما کر اس منزہ و مطہرہ خاتون کی عزت افزائی فرمائی ہے۔ تاکہ اس کی عفت اور پاکیزگی کے تذکرے صبح و شام، روز و شب تمام عالم میں تا قیامت جاری رہیں۔ نیک طینت انسان کے لیے ایک ہی حمیدہ خصلت ام المومنین کی ان کے ساتھ حسن عقیدت قائم رکھنے کے لیے کافی وافی ہے اور کج فطرت افراد کے لیے نہ روایاتِ نبوی مفید ہوسکتی ہیں اور نہ آیاتِ قرآنی فائدہ بخش سکتی ہیں، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اہل بیتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحیح عقیدت نصیب فرمائے۔''

یاد رہے کہ فی الحال ''فوائد نافعہ'' کی پہلی جلد کا فارسی ترجمہ شائع ہوا ہے۔ شنید ہے کہ دوسری جلد کا ترجمہ ہوچکا ہے اور بہت جلد زیور طباعت سے آراستہ ہوگا، خدا کرے کہ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی جملہ کتب کی تعریب وتفریس، بلکہ دنیا کی ہر زبان میں تراجم ہوسکیں، کیونکہ یہ تحقیقی کتابیں واقعتاً اس کا استحقاق رکھتی ہیں۔

## (۱۱) حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ (سنِ تکمیل، ۱۹۸۳ء):

''حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ'' کے نام سے زیر تبصرہ کتاب پہلے مختصراً شائع ہوئی تھی اور بعد میں اس میں اضافہ کردیا گیا تھا، اس پر بھی علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب کی تقریظ ہے جو پوری کتاب کی روح ہے، نیز مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ کی رائے گرامی بھی شامل ہے۔ مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''مولانا محمد نافع مدظلہم (نفع اللہ المسلمین بعلومہ) کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں، آپ فضلاء قدیم دارالعلوم دیوبند میں سے ہیں، حق تعالیٰ نے آپ کو علم، فہم اور قلم کی نعمتوں سے نوازا ہے، اور سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ تحریرات میں اعتدال ہے، تقویٰ ہے، اور اتباع اسلاف، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس راہ پر قائم رکھے۔''[1]

سلطان العلماء حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود اپنی تقریظ میں رقمطراز ہیں:

''موضوع بہت اہم تھا، اس بات کا مواد تاریخ کے اوراق میں بہت بکھرا ہوا تھا، ان مباحث کے پہلو اور زاویے بھی بہت تھے اور مورخین کے بیانات میں کئی کئی امور میں تضادات بھی تھے، ایسے موضوع پر قلم اٹھانا اور تحقیق کی راہ سے افراط وتفریط سے بچتے ہوئے کنارے پر نکل آنا آسان کام نہ تھا، لیکن یہ اللہ رب

---

[1] مولانا سید حامد میاں / رائے بر کتاب ''حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ / دارالکتاب لاہور / ص ۱۶ / جولائی ۲۰۱۴ء۔

العزت کی عطا ہے، جسے چاہے اس کی توفیق عطا فرمائے۔'' ولقد جاء فی المثل السائر کم ترك الاول بلآخر'' یہ سعادت اللہ رب العزت نے مولانا محمد نافع صاحب دامت برکاتہم کے نام لکھی تھی، جو اس ورطۂ مباحث میں دور تک چلے گئے اور الحمد للہ کامیاب ہو کر ساحلِ مراد پر اترے۔''[1]

اس کتاب میں حضرت سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے مکمل احوال، مختلف غزوات میں ان کی شرکت، آپ رضی اللہ عنہ پر اعتمادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، بت شکنی کے لیے آپ کا انتخاب، قضائے دین کے لیے حضرت ابوسفیان کا تعین، جنگ یرموک میں مساعی، مختلف اعتراضات کے شافی جوابات حضرت ہند بنتِ عتبہ (اہلیہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ) کے حالات، تشرف بیعت، کلمۂ مرحبا کا اعزاز، واقعہ بیعت النساء اور مجاہدانہ کارنامے، نیز حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے مکمل احوال، غزوہ حنین میں ان کی شرکت، منصب کتابت، منصب امارت، روایت حدیث کا شرف، فتح مدینہ و دمشق کے حالات اور ام المومنین حضرت سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ایمان افروز واقعات درج ہیں۔ یہ کتاب ۱۴۴ صفحات پر مشتمل ہے، مگر مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے ذوق تحقیق، اور وسعت علمی کا یہ حال ہے کہ ۴۶، عدد کتب نادرہ اہل سنت اور ۴، عدد کتب اہل تشیع اس مختصر کتاب کا مراجع ومنابع قرار پائے۔ جیسا کہ دیگر تصنیفات میں آپ کا یہ اسلوب چھلکتا ہے۔

## (۱۲) عظمتِ صحابہ رضی اللہ عنہم:

زیر تبصرہ کتاب مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے ذخیرہ اور میراثِ علمی کا عجیب شاہکار ہے، جس میں اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حجیت کو ثابت کیا گیا ہے اور ایک ایک سطر سے یہ حقیقت عیاں وآشکار کردی گئی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بغیر شریعتِ مطہرہ کا کوئی مسئلہ امت تک نہیں پہنچ سکتا، آپ رحمہ اللہ نے اس کتاب کی املاء نہیں فرمائی تھی، بلکہ حوالہ جات کی ترتیب اور مکمل مواد تیار کرکے اپنے شاگرد جناب مولانا ڈاکٹر حافظ محمد سعد اللہ کو حکم فرمایا تھا کہ وہ ان موتیوں کو عباراتِ کی لڑی میں پرو دیں، چنانچہ انھوں نے حکم کی تعمیل کی اور نہایت سلیقے و قرینے کے ساتھ مذکورہ خدمت سرانجام دی، لیکن اب جبکہ یہ کتاب زیور طباعت سے آراستہ ہو چکی ہے، مصنف علیہ الرحمۃ دنیا سے کوچ فرما گئے۔ یہ کتاب بھی دیگر کتابوں کی طرح علماء وطلبہ سمیت ہر فرد کے لیے قیمتی تحفہ ہے، جس کا ایک ایک لفظ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اخلاص وفا کی ترجمانی کر رہا ہے یہ بہترین کتاب ۲۷۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اور اس کا ابتدائیہ لکھنے کی سعادت کاتب السطور کو نصیب ہوئی۔ الحمدُ للہ علی ذالك۔

---

[1] علامہ خالد محمود در تقریظ بر کتاب ایضاً ص ۱۴۔

## غیر مطبوعہ مسودات:

مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے خزانۂ علمی کو دیکھنے سے پتہ چلا کہ لاتعداد مضامین و مقالات پر مشتمل آپ کے ایسے مسودے بھی محفوظ ہیں جو ابھی تک طبع نہ ہو سکے، ان میں مسئلہ تحریف قرآن، عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، مسئلہ فسق یزید، اور ماضی میں شیعہ ریشہ دوانیوں کی تفصیل و تضبیط وغیرہ وغیرہ جیسی نگارشات شامل ہیں، یہ ایک مستقل محاذ ہے جس پر کام کرنے کی ضرورت ہے، مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے حالاتِ زندگی، سینکڑوں خطوط، ستر سالہ ڈائریوں کی ترتیب وحواشی وغیرہ جیسی خدمت کرنے کے بعد ہماری دلی تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس محبوب و مقبول بندہ کے یادگار ان قیمتی و علمی مسودات پر بھی ہمیں کام کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے فیضان علم پر اپنے تاثرات اور ان کی قیمتی تصانیف کا تعارف کروانے کے بعد اب ہم اگلے باب میں ان مصادر و مراجع کی فہرست پیش کرتے ہیں جن کی اساس پر آپ نے اپنے علم وفضل کی عمارت کھڑی کی اور یہ باب بھی اہل علم و ذوق کو متلذذ و محظوظ کرے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

## مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے مآخذ و مصادر!

کسی بھی مصنف کی علمی قابلیت اور محنت کو جانچنے کا بہترین پیمانہ اس کے منابع و مصادر ہوتے ہیں، یعنی کتنی قدیم، تحقیقی اور مسلّمہ کتابوں تک رسائی حاصل کرنے کے بعد مصنف نے اپنا مؤقف و مدعا پیش کیا ہے، اور ایک چراغ جلانے کے لیے اسے کتنے چراغوں کی روشنی لینا پڑی ہے۔ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کتابوں کے رسیا تھے اور بلا حوالہ بات کہنی تو درکنار آپ ناپختہ حوالہ دینے کے بھی قائل نہیں تھے۔ ہم یہاں ان مآخذ و مصادر کی فہرست پیش کر رہے ہیں، جو آپ رحمہ اللہ کی ہر کتاب کے ساتھ شائع ہوتی ہیں، تاکہ آپ کی علمی گہرائی اور تحقیقی رسائی کی ایک جھلک دیکھی جا سکے۔ پیش نظر رہے کہ اس میں سے تکرار حذف کرنے کی کوشش کی گئی ہے، حتیٰ کہ اگر ایک کتاب کے مختلف حوالہ جات مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی کئی ایک تصانیف میں منتشر نظر آئے تو ہم نے صرف ایک مرتبہ ہی کتاب کا نام درج کیا ہے اس کے باوجود اہل علم ان نادر و بیش بہا کتب کا جائزہ لے کر آپ رحمہ اللہ کی غزارتِ علمی پر اَش اَش کر اٹھیں گے۔

| نمبر شمار | نام کتاب | مصنف | سن وفات یا تالیف |
|---|---|---|---|
| ۱ | قرآن مجید | ...... | ...... |
| ۲ | کتاب الخراج | لامام ابی یوسفؒ | ۱۸۲ھ |
| ۳ | کتاب الآثار | لامام ابی یوسفؒ | ۱۸۲ھ |
| ۴ | مسند ابوداؤد | الطیالسی | ۲۰۳۔۲۰۴ھ |
| ۵ | المصنف الحمیری الصغانی (۱۱ جلد) | للحافظ الکبیر ابی بکر عبدالرزاق ہمام بن نافع | ۲۱۱ھ |
| ۶ | مسند حمیدی | للحافظ ابی بکر عبداللہ الزبیر الحمیدی | ۲۱۹ھ |
| ۷ | کتاب الاموال | افلامام ابی عبید القاسم بن سلام | ۲۲۴ھ |
| ۸ | غریب الحدیث | لابی عبید القاسم بن سلام الہروی ۴ جلد | ۲۲۴ھ |
| ۹ | طبقات محمد بن سعد | ۸ جلد | ۲۳۰۔۲۳۵ھ |
| ۱۰ | المصنف | لابی بکر عبداللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان بن ابی شیبہ الکوفی (قلمی) | ۲۳۵ھ |
| ۱۱ | کتاب نسب قریش | مصعب زبیری، ابوعبداللہ المصعب بن عبداللہ بن المصعب الزبیری | ۲۳۶ھ |
| ۱۲ | کتاب الطبقات | خلیفہ ابن خیاط (ابوعمرو) | ۲۴۰ھ [1] |

---

[1] ایک کتاب ''تاریخ خلیفہ بن خیاط'' بھی ہے، دارالفکر بیروت سے ۱۹۹۳ء کا شائع شدہ نسخہ، جس پر دکتور سہیل ذکار نے تحقیقی محنت کی ہے، مجھے دیکھنے، پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے اور اس کی سبیل یہ بنی کہ مورخہ ۶ مارچ ۲۰۱۶ء کو مجاہد ختم نبوت حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب کے ہمراہ بندہ کو لاہور تا چکوال سفر کرنے کا موقع ملا تو حضرت مولانا موصوف کے پاس یہ کتاب موجود تھی، اس تاریخ کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس میں واقعہ حرہ کے موقع پر یزیدی فوج کے ہاتھوں شہید ہونے والے صحابہ کرامؓ کے نام مبارک درج ہیں، شنید ہے کہ حضرت شاہ نفیسؒ نے اس کا ترجمہ کرنے کی ذمہ داری کسی عالم دین پر ڈالی تھی مگر تا حال اس کی تفصیل علم میں نہ آسکی۔ سلفی

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱۳ | مسند احمد الامام | احمد ابن حنبل الشیبانی (۶ جلد) معہ منتخب کنز العمال | ۲۴۱ھ |
| ۱۴ | کتاب المحبّر لابی | جعفر البغدادی (ابوجعفر محمد بن حبیب بن اُمیہ بغدادی) | ۲۴۶ھ |
| ۱۵ | الصحیح البخاری | محمد بن اسماعیل بخاری (۲ جلد) | ۲۵۶ھ |
| ۱۶ | التاریخ الکبیر | محمد بن اسماعیل بخاری (۸ جلد) | ۲۵۶ھ |
| ۱۷ | صحیح مسلم | مسلم بن حجاج القشیری | ۲۶۰۔۲۶۱ھ |
| ۱۸ | سنن ابن ماجہ | ابوعبداللہ محمد بن یزید ماجہ | ۲۷۳۔۲۷۵ھ |
| ۱۹ | ترمذی شریف | ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی | ۲۷۵۔۲۷۹ھ |
| ۲۰ | ابوداؤد | ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی | ۲۷۵ھ |
| ۲۱ | المعارف | لابن قتیبہ دینوری ابومحمد عبداللہ بن مسلم الکاتب | ۲۶۷ھ |
| ۲۲ | انساب الاشراف | احمد بن یحییٰ بلاذری | ۲۷۰۔۲۷۹ھ |
| ۲۳ | مسند البزار | ابوبکر احمد بن عمرو البزار البصری (قلمی) | ۲۹۲ھ |
| ۲۴ | السنن للنسائی | ابوعبدالرحمان احمد بن شعیب | ۳۰۳ھ |
| ۲۵ | تفسیر لابن جریر الطبری | محمد بن جریر ابوجعفر | ۳۱۰ھ |
| ۲۶ | کتاب الکنیٰ والاسماء | شیخ ابوبشر محمد بن احمد بن حماد الدولابی (۲ جلد) | ۳۱۰ھ |
| ۲۷ | تاریخ الامم والملوک | ابن جریر الطبری (۱۲ جلد) | ۳۱ھ |
| ۲۸ | مسند ابی عوانہ | الحافظ الثقہ الکبیر یعقوب بن اسحاق الاسفرائینی | ۳۱۶ھ |
| ۲۹ | شرح معانی الآثار | ابوجعفر الطحاوی، احمد بن محمد بن سلامت الازدی المصری | ۳۲۱ھ |

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۳۰ | مفرقہ علوم الحدیث | حاکم نیشاپوری ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ | ۴۰۵ھ |
| ۳۱ | المستدرک للحاکم نیشاپوری | ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ (۴ جلد) | ۴۰۵ھ |
| ۳۲ | تثبیت دلائل النبوۃ | قاضی عبدالجبار الہمدانی | ۴۰۵ھ |
| ۳۳ | تاریخ جرجان | ابوالقاسم حمزہ بن یوسف بن ابراہیم السہمی | ۴۲۷ھ |
| ۳۴ | مسند احمدؒ لامام احمد بن حنبلؒ | (٦ جلدیں) معہ منتخب کنز العمال | ۲۴۱ھ |
| ۳۵ | حلیۃ الاولیاء | لابی نعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی (۱۰ جلد) | ۴۳۰ھ |
| ۳٦ | تاریخ اصفہانی یا اخبار اصبہان | لابی نعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی (۲ جلد) | ۴۳۰ھ<br>۴۴۵ھ |
| ۳۷ | کتاب الموافقۃ لابن السمان فضائل ابی بکر الصدیق | لابی طالب محمد بن علی بن الفتح الحربی العشاری | ۴۴٦ھ |
| ۳۸ | الاعتقاد علی مذہب السلف للبیہقی | | ۴۵۸ھ |
| ۳۹ | کتاب الکفایہ فی علم الروایہ | للخطیب بغدادی | ۴٦۳ھ |
| ۴۰ | الاستیعاب | لابن عبدالبر اندلسی ابوعمرو یوسف بن عبدالبر النمری معہ اصابہ (۴ جلد) | ۴٦۳ھ |
| ۴۱ | تاریخ بغداد | ابی بکر احمد بن علی الخطیب بغدادی (۱۴ جلد) | ۴٦۳ھ |
| ۴۲ | الفقیہ والمتفقہ | للخطیب بغدادی | ۴٦۳ھ |
| ۴۳ | موضح اوہام الجمع والتفریق | للخطیب بغدادی (۲ جلد) | ۴٦۳ھ |
| ۴۴ | الفائق | علامہ زمخشریؒ | ۵۳۸ھ |
| ۴۵ | سیرت عمر بن الخطاب | ابوالفرج ابن الجوزی | ۵۹۷ھ |
| ۴٦ | کتاب الاربعین | امام فخر الدین رازی (محمد بن ضیاء الدین عمر الرازی) | ٦۰٦ھ |

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۴۷ | اُسد الغابہ لابن اثیر الجزری | (محمد بن محمد بن عبدالکریم الشیبانی) الشہیر عزالدین الجزری (۵ جلد) | ۶۳۰ھ |
| ۴۸ | الترغیب والترہیب | زکی الدین المنذری | ۶۵۶ھ |
| ۴۹ | تاریخ ابن خلکان | ابن خلکان | ۶۸۱ھ |
| ۵۰ | مؤطا امام مالکؒ | | ۱۷۹ھ |
| ۵۱ | کتاب الآثار لامام محمدؒ | | ۱۸۹ھ |
| ۵۲ | کتاب الحجۃ لامام محمدؒ | | ۱۸۹ھ |
| ۵۳ | کتاب الخراج لیحییٰ ابن آدم القرشی | | ۲۰۳ھ |
| ۵۴ | المصنّف لعبدالرزاق بن ہمام (۱۱ جلد) | | ۲۱۱ھ |
| ۵۵ | مسند حمیدی للحافظ ابی بکر عبداللہ الزبیر | | ۲۱۹ھ |
| ۵۶ | کتاب الاموال لابی عبید القاسم بن سلام | | ۲۲۴ھ |
| ۵۷ | غریب الحدیث لابی عبید القاسم بن سلام، (۴ جلد) | | ۲۲۴ھ |
| ۵۸ | السنن لسعید بن منصور | | ۲۲۷ھ |
| ۵۹ | طبقات لمحمد ابنِ سعد (۸ جلد) طبع لیڈن | | ۲۳۰ھ |
| | | | ۲۳۵ |
| ۶۰ | المصنف لابی بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ | | ۲۳۵ھ |
| ۶۱ | کتاب نسب قریش لابی عبداللہ المصعب۔ ابن مصعب زبیریؒ | | ۲۳۶ھ |
| ۶۲ | تاریخ خلیفہ بن خیاط (ابوعمرو)۔ ۲ جلد | | ۲۴۰ھ |
| ۶۳ | المسند لامام احمد بن حنبلؒ، ۶ جلد معہ منتخب کنز العمال | | ۲۴۱ھ |
| ۶۴ | کتاب المحبر لابی جعفر محمد بن حبیب بن امیہ بغدادی | | ۲۴۵ھ |
| ۶۵ | تاریخ کبیر لامام محمد بن اسماعیل بخاریؒ (۸ جلد) | | ۲۵۶ھ |
| ۶۶ | تاریخ صغیر (طبع ہند) | | ۲۵۶ھ |
| ۶۷ | الصحیح لامام محمد بن اسماعیل بخاری، طبع نور محمد | | ۲۵۶ھ |
| ۷۸ | کتاب المراسیل لابی داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی | | ۲۷۵ھ |

| | | |
|---|---|---|
| ۶۹ | سنن ابی داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی | ۲۷۵ھ |
| ۷۰ | المعارف لابن قتیبہ (ابومحمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الکاتب الدنیوری) | ۲۷۶ھ |
| ۷۱ | انساب الاشراف احمد بن یحییٰ بلاذری (مطبوعہ ۱۹۵۹ء) | ۲۷۷ھ |
| | | ۲۷۹ھ |
| ۷۲ | فتوح البلدان (سن طباعت ۱۹۵۹ء) | ۲۷۹ھ |
| ۷۳ | کتاب قیام اللیل وقیام رمضان للشیخ محمد بن نصر المروزی | ۲۹۴ھ |
| ۷۴ | مسند ابی یعلی احمد بن علی الموصلی (قلمی پیر گوٹھ جھنڈا سندھ) | ۳۰۷ھ |
| ۷۵ | تاریخ ابن جریر طبری محمد بن جریر ابی جعفر الطبری | ۳۱۰ھ |
| ۷۶ | کتاب الامالی......ابی قاسم عبدالرحمن بن اسحاق الذجاجی | ۳۴۰ھ |
| ۷۷ | السنن الدارقطنی......ابوالحسن علی بن عمر دارقطنی | ۳۸۵ھ |
| ۷۸ | فضائل ابی بکر الصدیق...... لابی طالب محمد بن علی بن الفتح الحربی العشاری (معہ رسائل اخر، شرح ثلاثیات البخاری وغیرہ) | ۴۴۶ھ |
| ۷۹ | کتاب جمہرۃ انساب العرب......لابی محمد علی بن احمد بن سعید | ۴۵۶ھ |
| ۸۰ | المعروف ابن حزم الظاہری الاندلسی | ۴۵۶ھ |
| ۸۱ | السنن الکبریٰ......لابی بکر احمد بن حسین البیہقی (۱۰ جلد) | ۴۵۸ھ |
| ۸۲ | کتاب الکفایہ فی علم الروایہ......خطیب بغدادی | ۴۶۳ھ |
| ۸۳ | کتاب التمہید ......لابن عبدالبر | ۴۶۳ھ |
| ۸۴ | جامع بیان العلم لابن عبدالبر | ۴۶۳ھ |
| ۸۵ | اصول فخر الاسلام بمعہ شرح کشف الاسرار......علی بن محمد البزودی | ۴۸۲ھ |
| ۸۶ | اصول سرخسی ......لشمس الائمہ لابی بکر محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی | ۴۸۳ھ |
| | | ۴۹۰ھ |
| ۸۷ | المناقب......للامام اعظم للموفق بن احمد المکی | ۵۶۸ھ |
| ۸۸ | شرح السنہ......لامام البغوی ابی محمد حسین بن مسعود الفراء البغوی | ۵۱۶ھ |
| ۸۹ | تلخیص ابن عساکر......لابن بدران | ۵۷۱ھ |

| | | |
|---|---|---|
| ۹۰ | التاریخ الکامل ......لابن اثیر الجزری | ۶۳۰ھ |
| ۹۱ | مقدمہ ابن صلاح ......ابو عمرو عثمان بن صلاح شہرزوری | ۶۴۳ھ |
| ۹۲ | جامع مسانید......امام اعظم للقاضی خوارزمی (ابو المؤید محمد بن محمود بن محمد الخوارزمی) | ۶۶۵ھ |
| ۹۳ | ریاض النضرہ۔لمحب الطبری (لابی جعفر احمد محب، الطبری) | ۶۹۴ھ |
| ۹۴ | تفسیر مدارک......لابی البرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی | ۷۰۱ھ |
| ۹۵ | الفتاویٰ الکبریٰ......للحافظ ابن تیمیہ الحرانی | ۷۲۸ھ |
| ۹۶ | تفسیر غرائب القرآن...... لنظام الدین حسن بن محمد بن حسین القمی للنیشابوری | ۷۳۰ھ |
| ۹۷ | مشکوٰۃ المصابیح......ولی الدین خطیب تبریزی۔سن تالیف | ۷۳۷ھ |
| ۹۸ | تفسیر بحر المحیط ......لاثیر الدین ابی عبداللہ محمد بن یوسف ابی حیان اندلسی | ۷۴۵ھ<br>۷۵۴ھ |
| ۹۹ | تذکرۃ الحفاظ......لشمس الدین ابی عبداللہ بن عثمان الذہبی | ۷۴۸ھ |
| ۱۰۰ | الباعث الحثیث ......لابن کثیر عماد الدین ابی الفدا الدمشقی | ۷۷۴ھ<br>۷۷۵ھ |
| ۱۰۱ | البدایہ والنہایہ......لابن کثیر عماد الدین دمشقی (۱۴ جلد) | ۷۷۴ھ<br>۷۷۵ھ |
| ۱۰۲ | مجمع الزوائد......لنور الدین الہیثمی (۱۰ جلد) | ۸۰۷ھ |
| ۱۰۳ | المناقب......لامام اعظم للشیخ محمد بن محمد بن شہاب الکروی | ۸۲۷ھ |
| ۱۰۴ | لسان المیزان......للحافظ ابن حجر ابی الفضل احمد بن علی العسقلانی (۶ جلد) | ۸۵۲ھ |
| ۱۰۵ | تہذیب التہذیب......لابن حجر العسقلانی (۱۲ جلد) | ۸۵۲ھ |
| ۱۰۶ | کتاب الاسعاف فی احکام الاوقات ......للشیخ برہان الدین بن موسیٰ الطرابلسی | ۹۰۵ھ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۰۷ | وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ......علامہ نور الدین السمہودی | ۹۱۱ھ |
| ۱۰۸ | تاریخ الخلفاء للسیوطی......جلال الدین سیوطی | ۹۱۱ھ |
| ۱۰۹ | تنزیہ الشریعۃ المرفوعہ......لعلی بن محمد بن عراق الکنانی | ۹۶۳ھ |
| ۱۱۰ | الصواعق المحرقہ......لابن حجر المکی (شہاب الدین احمد بن حجر الہیثمی) | ۹۷۳ھ |
| | | ۹۷۵ھ |
| ۱۱۱ | کنز العمال (طبع اوّل)......علی متقی الہندی (۸ جلد) | ۹۷۵ھ |
| ۱۱۲ | کشف الظنون......از حاجی خلیفہ مصطفیٰ بن عبداللہ کاتب چلپی | ۱۰۶۷ھ |
| | | ۱۰۶۸ھ |
| ۱۱۳ | ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء......شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ | ۱۱۷۶ھ |
| ۱۱۴ | نبراس شرح شرح عقائد......مولانا عبدالعزیز پرہاروی | ۱۲۳۹ھ |
| ۱۱۵ | تحفہ اثنا عشریہ......مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ | ۱۲۳۹ھ |
| ۱۱۶ | رُوح المعانی......سید محمود آلوسی | ۱۲۷۰ھ |
| ۱۱۷ | ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ......لابی جعفر احمد المحب الطبری | ۶۹۴ھ |
| ۱۱۸ | الجوہر النقی علی السنن البیہقی...... | ۷۴۵ھ |
| ۱۱۹ | تفسیر البحر المحیط......لابی حیان الاندلسی اثیر الدین ابو عبداللہ محمد بن یوسف (۸ جلد) | ۷۴۵ھ |
| | | ۷۵۴ھ |
| ۱۲۰ | تاریخ اسلام الذہبی......حافظ ابو عبداللہ بن عثمان الذہبی | ۷۴۸ھ |
| ۱۲۱ | المنتقیٰ للذہبی | ۷۴۸ھ |
| ۱۲۲ | سیر اعلام النبلاء......شمس الدین الذہبی | ۷۴۸ھ |
| ۱۲۳ | منہاج السنہ......لابن تیمیہ احمد بن عبدالحلیم الحرانی الدمشقی الحنبلی | ۷۲۸ـ۲۴۸ھ |
| ۱۲۴ | تفسیر ابن کثیر......عماد الدین ابو الفداء الدمشقی | ۷۷۴ـ۷۷۵ھ |
| ۱۲۵ | البدایہ والنہایہ......لابن کثیر عماد الدین الدمشقی | ۷۷۴ـ۷۷۵ھ |
| ۱۲۶ | تاریخ ابن خلدون......عبدالرحمن بن محمد بن خلدون حضرمی | ۷۷۹ سن تالیف |
| ۱۲۷ | توضیح تلویح......سعد الدین تفتازانی | ۷۹۱ھ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۲۸ | فتح الباری شرح البخاری۔ ابن حجر عسقلانی (ابو الفضل احمد بن علی العسقلانی ۱۲) | ۸۵۲ھ |
| ۱۲۹ | الاصابہ......لابن حجر مع استیعاب (۴ جلد) | ۸۵۲ھ |
| ۱۳۰ | تہذیب التہذیب......لابن حجر (۱۲ جلد) | ۸۵۲ھ |
| ۱۳۱ | النکت علی کتاب ابن الصلاح والفیہ العراقی......ابن حجر عسقلانیؒ | ۸۵۲ھ |
| ۱۳۲ | عمدۃ القاری شرح بخاری...... بدر الدین عینی | ۸۵۵ھ |
| ۱۳۳ | فتح المغیث......شمس الدین السخاوی (شرح الفقیہ الحدیث للعراقی) | ۹۰۲ھ |
| ۱۳۴ | الاسعاف فی احکام الاوقاف ......للشیخ برہان الدین ابراہیم بن موسی الطرابلسی الحنفی | ۹۰۵ھ |
| ۱۳۵ | تنویر الحوالک شرح مؤطا امام مالکؒ......علامہ جلال الدین سیوطی | ۹۱۱ھ |
| ۱۳۶ | وفاء الوفاء فی اخبار دار المصطفیٰ......لنور الدین السمہودی | ۹۱۱ھ |
| ۱۳۷ | مواہب اللدنیہ......لشہاب الدین احمد بن محمد قسطلانیؒ | ۹۲۳ھ |
| ۱۳۸ | ارشاد الساری فی شرح بخاری...... شہاب الدین احمد ابوبکر بن عبدالمالک القسطلانی | ۹۲۳ھ |
| ۱۳۹ | الزواجر لابن حجر مکی......شہاب الدین احمد بن حجر الہیثمی المکی | ۹۷۳۔۹۷۵ھ |
| ۱۴۰ | الصواعق المحرقہ......لابن حجر الہیثمی المکی | ۹۷۳۔۹۷۵ھ |
| ۱۴۱ | کنز العمال......علی متقی ہندی (۸ جلد) طبع اول | ۹۷۵ھ |
| ۱۴۲ | شرح فقہ اکبر......ملا علی بن السلطان القاری | ۱۰۱۴ھ |
| ۱۴۳ | مرقاۃ شرح مشکوٰۃ......ملا علی قاری (۱۱ جلد) | ۱۱۰۴ھ |
| ۱۴۴ | جمع الفوائد......لمحمد بن سلیمان الفارسی (۲ جلد) | ۱۰۹۴ھ |
| ۱۴۵ | فتح الرحمن (ترجمہ فارسی)......شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ | ۱۱۷۶ھ |
| ۱۴۶ | منتہی الکلام......مولانا حیدر علیؒ فیض آبادی | سن تالیف ۱۲۴۷ھ |
| ۱۴۷ | تفسیر روح المعانی......سید محمود آلوسی بغدادیؒ | ۱۲۷۰ھ |
| ۱۴۸ | فیض الباری......حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ | ۱۳۵۲ھ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۴۹ | المؤطا للامام مالکؒ...... مالک ابن انس | ۱۷۹ھ |
| ۱۵۰ | مسند ابی داؤد الطیالسی (سلیمان ابن داؤد بن جارود الطیالسی) | ۲۰۴ھ |
| ۱۵۱ | سیرت ابن ہشام | ۲۱۸ھ |
| ۱۵۲ | المصنف لابن ابی شیبہ (ابوبکر عبداللہ ابن محمد بن ابراہیم بن عثمان بن ابی شیبہ الکوفی) | ۲۳۵ھ |
| ۱۵۳ | مسند احمد بن حنبلؒ الشیبانی | ۲۴۱ھ |
| ۱۵۴ | مسند عبد ابن حمیدؒ۔ قلمی پیر جھنڈا۔ سندھ | ۲۴۳ھ<br>۲۴۹ھ |
| ۱۵۵ | السنن دارمیؒ...... ابومحمد عبداللہ ابن عبدالرحمن التمیمی | ۲۵۵ھ |
| ۱۵۶ | نوادر الاصول للحکیم ترمذی...... ابوعبداللہ محمد بن علی بن حسین بن بشر بن المؤذن الملقب بہ حکیم ترمذی | ۲۵۵۔۳۲۰ھ |
| ۱۵۷ | مسندِ بزار...... ابوبکر احمد ابن عمرو ابن عبدالخالق البزار | ۲۹۲ھ |
| ۱۵۸ | کتاب الضعفاء والمتروکین للنسائی ...... ابو عبدالرحمان احمد ابن شعیب نسائی | ۳۰۳ھ |
| ۱۵۹ | السنن نسائی...... ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی | ۳۰۳ھ |
| ۱۶۰ | الخصائص للنسائی...... ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب نسائی | ۳۰۳ھ |
| ۱۶۱ | مسند ابی یعلیٰ ...... احمد بن علی بن المثنیٰ التمیمی الموصلی قلمی کتب خانہ سعیدیہ حیدرآباد دکن | ۳۰۷ھ |
| ۱۶۲ | التاریخ لابن جریر الطبری...... ابوجعفر محمد بن جریر الطبری | ۳۱۰ھ |
| ۱۶۳ | مسند ابی عوانۃ ...... یعقوب ابن اسحٰق بن ابراہیم الاسفرائنی بحوالہ طبقات الانوار | ۳۱۶ھ |
| ۱۶۴ | مشکل الآثار...... امام طحاوی ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ | ۳۲۱ھ |
| ۱۶۵ | کتاب الجراح والتعدیل ...... للرازی ابومحمد عبدالرحمان بن ابی حاتم الرازی | ۳۲۷ھ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۶۶ | روایات ابن عقدہ ......ابو العباس احمد ابن محمد بن سعید الکوفی المعروف ابن عقدۃ | ۳۳۲ھ بحوالہ طبقات الانوار |
| ۱۶۷ | الصحیح لابن حبان......ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد البستی | ۳۵۴ھ |
| ۱۶۸ | کتاب المجروحین لابن حبان......ابو حاتم محمد ابن حبان بن احمد البستی | ۳۵۴ھ |
| ۱۶۹ | معاجم صغیر۔اوسط۔کبیر للطبرانی (ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب الطبرانی | ۳۶۰ھ |
| ۱۷۰ | احکام القرآن لابی بکر الجصاص (ابو بکر احمد بن علی الرازی) | ۳۷۰ھ |
| ۱۷۱ | السنن الدارقطنیؒ (ابو الحسن علی بن عمر الدارقطنی) | ۳۸۵ھ |
| ۱۷۲ | اخبارِ اصفہان (لابی نعیم اصفہانی ابو نعیم احمد بن عبداللہ بن احمد الاصفہانی) | ۴۳۰ھ |
| ۱۷۳ | الاحکام فی اصول الاحکام لابن حزم الامام ابی محمد علی بن حزم الاندلسی الظاہری | ۴۵۶ھ |
| ۱۷۴ | السنن الکبریٰ للبیہقی (ابو بکر احمد بن حسین ابن علی البیہقی) | ۴۵۸ھ |
| ۱۷۵ | تجرید التمہید لابن عبدالبر اندلسی | ۴۶۳ھ |
| ۱۷۶ | جامع بیان العلم وفضلہ (از ابن عبدالبر اندلسی) | ۴۶۳ھ |
| ۱۷۷ | کتاب التمہید لما فی المؤطا من المعانی والاسانید لابن عبدالبر اُندلسی | ۴۶۳ھ |
| ۱۷۸ | تاریخ بغداد (ابو بکر احمد بن علی المعروف خطیب بغدادی) | ۴۶۳ھ |
| ۱۷۹ | کتاب الفقیہ والمتفقہ للخطیب بغدادی | ۴۶۳ھ |
| ۱۸۰ | معالم التنزیل للبغوی الحسین ابن مسعود ابو محمد محی السنۃ بغوی | ۵۱۶ھ |
| ۱۸۱ | الشفاء فی حقوق المصطفیٰ (ابو الفضل عیاض ابن موسیٰ المالکی) | ۵۴۴ھ |
| ۱۸۲ | تاریخ ابن عساکر (ابو القاسم علی ابن الحسن) | ۵۷۱ھ |
| ۱۸۳ | تفسیر کبیر، لفخر الدین رازی | ۶۰۶ھ |
| ۱۸۴ | رجال القرنین از ابو شامہ المقدسی (السادس والسابع) | ہفتم صدی ہجری |
| ۱۸۵ | النہایۃ فی غریب الحدیث (لابن اثیر جزری) | ۶۳۰ھ |

١٨٦ از عزالدین ابوالحسن علی ابن محمد بن عبدالکریم المعروف ابن اثیر جزری

١٨٧ أسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ (لابن اثیر جزری) ٦٣٠ھ

١٨٨ کتاب المختارۃ للضیاء المقدسی ٦٤٣ھ

(ضیاء الدین ابی عبداللہ محمد ابن عبدالواحد سعدی المقدسی)

١٨٩ تذکرۃ الخواص لسبط ابن الجوزی ٦٥٤ھ

١٩٠ کنایۃ الطالب للشیخ ابی عبداللہ محمد بن یوسف گنجی ٦٨٥ھ

١٩١ الترغیب والترہیب (ذکی الدین المنذری) ٦٥٦ھ

١٩٢ تاریخ ابنِ خلکان ٦٨١ھ

١٩٣ میزان الاعتدال لذہبی (ابوعبداللہ بن عثمان شمس الدین الذہبی) ٧٤٨ھ

١٩٤ مجمع الزوائد (نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی) ٨٠٧ھ

١٩٥ تقریب التہذیب (لابن حجر عسقلانی)

١٩٦ الصواعق المحرقہ (لابن حجر مکی) ٩٧٣ھ

٩٧٥ھ

١٩٧ قانون الموضوعات لطاہر الفتنی والہندی (محمد الطاہر بن علی الہندی الفتنی) ٩٨٦ھ

١٩٨ نور الابصار فی مناقب اہل بیت النبی المختار از شیخ مومن بن حسن مومن الشبلنجی۔ قرن والثالث عشر ١٣

١٩٩ جامع صغیر للسیوطی (متوفی ٦١١ھ شرح فیض القدیر لعبد الرؤف المناوی المصری) ١٠٠٣ھ

٢٠٠ المصنوع فی احادیث الموضوع (از ملا علی قاریؒ) ١٠١٤ھ

٢٠١ شرح مسلّم الثبوت (از مولانا بحر العلوم عبدالعلیؒ) ١٢٢٥ھ

٢٠٢ بُستان المحدثین (از شاہ عبدالعزیز دہلویؒ) ١٢٣٩ھ

٢٠٣ فوائد المجموعہ فی احادیثِ الموضوعۃِ الشوکانیؒ (محمد بن علی الشوکانی) ١٢٥٠ھ

٢٠٤ المصنف لعبد الرزاق ٢١١ھ

٢٠٥ سیرۃ ابن ہشام (ابومحمد عبدالملک بن ہشام الحمیری) ١٨۔٢١٣ھ

| | | |
|---|---|---|
| ۲۰۶ | کتاب الاموال لابی عبید القاسم بن سلام | ۲۲۴ھ |
| ۲۰۷ | طبقات ابن سعد ابوعبداللہ محمد بن سعد بن منیع الہاشمی | ۲۳۰-۳۵ھ |
| ۲۰۸ | کتاب المحبر لابی جعفر محمد بن حبیب بن امیہ بغدادی | ۲۴۵ھ |
| ۲۰۹ | المعرفہ والتاریخ لابی یوسف یعقوب بن سفیان البسوی | ۲۷۷ھ |
| ۲۱۰ | فتوح البلدان احمد بن یحییٰ البلاذری | ۲۷۷-۷۹ھ |
| ۲۱۱ | تاریخ طبری (محمد بن جریر ابی جعفر طبری) | ۳۱۰ھ |
| ۲۱۲ | جوامع السیرۃ لابن حزم | ۴۵۶ھ |
| ۲۱۳ | السنن الکبریٰ بیہقی (لابی بکر احمد بن الحسین البیہقی) | ۴۵۸ھ |
| ۲۱۴ | کتاب الکفایہ للخطیب بغدادی | ۴۶۳ھ |
| ۲۱۵ | الاستیعاب لابن عبدالبر اندلسی مع اصابہ | ۴۶۳ھ |
| ۲۱۶ | الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ للقاضی عیاض القرن السادس | ۵۴۴ھ |
| ۲۱۷ | مختصر تاریخ ابن عساکر عبدالقادر (ابن بدران) | ۵۷۱ھ |
| ۲۱۸ | اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ لابن اثیر جزری | ۶۳۰ھ |
| ۲۱۹ | جامع الاصول لابن اثیر الجزری | |
| ۲۲۰ | تہذیب الاسماء واللغات للنواوی (الشیخ محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف) | ۶۷۶ھ |
| ۲۲۱ | تاریخ الاسلام للذہبی (حافظ ابوعبداللہ بن عثمان الذہبی) | ۷۴۸ھ |
| ۲۲۲ | سیر اعلام النبلاء للذہبی | ۷۴۸ھ |
| ۲۲۳ | المنتقیٰ للذہبی | ۷۴۸ھ |
| ۲۲۴ | العبر فی خبر من غبر للذہبی | ۷۴۸ھ |
| ۲۲۵ | الصارم المسلول علی شاتم الرسول لابن تیمیہ (احمد بن عبدالحلیم) | ۷۲۸ھ |
| ۲۲۶ | تفسیر القرآن العظیم لاسماعیل ابن کثیر دمشقی | ۷۷۴-۷۵ھ |
| ۲۲۷ | البدایہ والنہایہ لابن کثیر عماد الدین الدمشقی | ۷۷۴-۷۵ھ |
| ۲۲۸ | اکمال المعلم شرح مسلم لامام ابی عبداللہ محمد بن خلیفہ الوشتانی الابی المالکی | ۸۲۷-۲۸ھ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۲۹ | المطالب العالیہ بزوائد المسانید الثمانیہ لابن حجر العسقلانی | ۸۵۲ھ |
| ۲۳۰ | الاصابہ فی تمیز الصحابہ لابن حجر العسقلانی | ۸۵۲ھ |
| ۲۳۱ | تہذیب التہذیب لابن حجر العسقلانی | ۸۵۲ھ |
| ۲۳۲ | شرح مسلم السنوسی (اکمال الاکمال لامام ابی عبداللہ بن محمد بن یوسف موسی الحسنی) | ۸۹۵ھ |
| ۲۳۳ | فتح المغیث للسخاوی شرح الفقہ الحدیث للعراقی | ۹۰۲ھ |
| ۲۳۴ | الدر المنثور للسیوطی (جلال الدین عبدالرحمن) | ۹۱۱ھ |
| ۲۳۵ | الحاوی للفتاویٰ للسیوطی | ۹۱۱ھ |
| ۲۳۶ | خلاصہ تذہیب الکمال للخزرجی (صفی الدین احمد بن عبداللہ) | ۹۲۳ھ |
| ۲۳۷ | تاریخ الخمیس تالیف الشیخ حسین بن محمد بن الحسن الدیار بکری | ۹۶۰ھ |
| ۲۳۸ | تنزیہ الشعریہ لابن عراق الکنانی (علی بن محمد بن عراق الکنانی) | ۹۶۳ھ |
| ۲۳۹ | الفتاویٰ الحدیثیہ لابن حجر المکی الہیثمی (احمد بن حجر الہیثمی مکی) | ۹۷۳۔۷۵ھ |
| ۲۴۰ | شرح الشفاء لعلی القاریؒ | ۱۰۱۴ھ |
| ۲۴۱ | نسیم الریاض شرح الشفا للخفاجی القاضی عیاض احمد شہاب الدین الخفاجی | ۱۰۱۴ھ |
| ۲۴۲ | عقیدۃ السفارینی (الشیخ محمد بن احمد السفارینی الحنبلی) | ۱۱۷۳ھ |
| ۲۴۳ | مؤطا امام مالکؒ | ۱۷۹ |
| ۲۴۴ | المصنف للحافظ الکبیر ابی بکر عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری الصنعانی (۱۱ جلد) | ۲۱۱ھ |
| ۲۴۵ | سیرت ابن ہشام | ۲۱۳ھ |
| | | ۲۱۸ھ |
| ۲۴۶ | کتاب السنن لسعید بن منصور (مجلس علمی کراچی) | ۲۲۷ھ |
| ۲۴۷ | المصنف لابی بکر عبداللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان بن ابی شیبۃ الکوفی (قلمی) | ۲۳۵ھ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۴۸ | مسند احمد لامام احمد بن حنبل الشیبانی معہ منتخب کنز العمال (۶ جلد) | ۲۴۱ھ |
| ۲۴۹ | انساب الاشراف للبلاذری | ۲۷۷ھ<br>۲۷۹ھ |
| ۲۵۰ | فتوح البلدان احمد بن یحییٰ بلاذری | // |
| ۲۵۱ | تفسیر لابن جریر الطبری | ۳۱۰ھ |
| ۲۵۲ | کتاب الکنیٰ والاسماء للشیخ ابی بشر محمد بن احمد بن حماد الدولابی (۲ جلد) | ۳۱۰ھ |
| ۲۵۳ | تاریخ الامم والملوک محمد ابن جریر طبری | ۳۱۰ھ |
| ۲۵۴ | المنتخب ذیل المذیل رر | // |
| ۲۵۵ | کتاب الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم رازی | ۳۲۷ھ |
| ۲۵۶ | کتاب المجتبیٰ لابی بکر محمد بن الحسن بن درید الازدی | ۳۲۱ھ |
| ۲۵۷ | کتاب المجروحین لابن حبان ابو حاتم محمد بن حبان البستی | ۳۵۴ھ |
| ۲۵۸ | المستدرک للحاکم نیشاپوری | ۴۰۵ھ |
| ۲۵۹ | لطائف المعارف لابی منصور الثعالبی | ۴۲۹ھ |
| ۲۶۰ | جمہرۃ الانساب لابن حزم | ۴۵۶ھ |
| ۲۶۱ | کشف المحجوب للشیخ علی ہجویریؒ اللاہوری | ۴۵۶ھ |
| ۲۶۲ | جوامع السیرۃ لابن حزم | ۴۵۶ھ |
| ۲۶۳ | السنن الکبریٰ للبیہقی | ۴۵۸ھ |
| ۲۶۴ | تاریخ بغداد للخطیب البغدادی (ابی بکر احمد بن علی) | ۴۶۳ھ |
| ۲۶۵ | کتاب التمہید لابی شکور سالمی (ابوشکور محمد بن عبد سعید بن شعیب الکبشی السالمی الحنفی) معاصر شیخ علی ہجویریؒ | ۴۶۵ھ |
| ۲۶۶ | تفسیر بغوی (ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی) | ۵۱۶ھ |
| ۲۶۷ | العواصم من القواصم للقاضی ابی بکر بن العربی اندلسی | ۵۴۳ھ |
| ۲۶۸ | غنیۃ الطالبین لشیخ عبدالقادر جیلانیؒ | ۵۶۰ھ |
| ۲۶۹ | تلخیص ابن عساکر | ۵۷۱ھ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۷۰ | تاریخ ابن عساکر کامل۔ ابو القاسم علی بن حسن بن ہبۃ اللہ المعروف بابن عساکر (جلد اول) | ۵۷۱ھ |
| ۲۷۱ | تجرید اسماء الصحابہ للجزری الجامع الاحکام القرآن | ۶۳۰ھ |
| ۲۷۲ | تفسیر قرطبی ابو عبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی المالکی الجامع الاحکام القرآن | ۶۷۱ھ |
| ۲۷۳ | تہذیب الاسماء واللغات لامام نووی ابی زکریا محی الدین بن شرف نووی | ۶۷۶ھ |
| ۲۷۴ | شرح المہذب للنووی | // |
| ۲۷۵ | الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ للقاضی ابی الفضل عیاض بن موسیٰ الحصبی اندلسی من علماء القرن السادس | |
| ۲۷۶ | تفسیر خازن علاؤ الدین علی بن محمد بغدادی المعروف خازن | ۷۲۵ھ |
| ۲۷۷ | کتاب التمہید والبیان فی مقتل الشہید عثمانؓ (محمد بن یحییٰ بن ابی بکر اندلسی) | ۷۴۱ھ |
| ۲۷۸ | تذکرۃ الحفاظ للذہبی | ۷۴۸ھ |
| ۲۷۹ | المغنی للذہبی | ۷۴۸ھ |
| ۲۸۰ | المنتقیٰ للذہبی | ۷۴۸ھ |
| ۲۸۱ | کتاب دول الاسلام للذہبی | ۷۴۸ھ |
| ۲۸۲ | میزان الاعتدال للذہبی | ۷۴۸ھ |
| ۲۸۳ | سیر اعلام النبلاء للذہبی | ۷۴۸ھ |
| ۲۸۴ | مدارج السالکین لابن قیم شمس الدین ابی عبداللہ | ۵۱-۷۵۶ھ |
| ۲۸۵ | محمد بن ابی بکر الحنبلی الدمشقی المعروف بابن قیم الجوزیہ | ۵۱-۷۵۶ھ |
| ۲۸۶ | اعلام المعوقعین لابن قیم | ۷۵۶ھ |
| ۲۸۷ | زاد المعاد لابن قیم | ۷۵۶ھ |
| ۲۸۸ | نصب الرایہ للذیلعی جمال الدین ابو محمد عبداللہ | ۷۶۲ھ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۸۹ | بن یوسف الحنفی الزیلعی | ۷۶۲ھ |
| ۲۹۰ | تفسیر ابن کثیر عماد الدین الدمشقی | ۷۷۴-۷۵ھ |
| ۲۹۱ | السیرۃ النبویہ لابن کثیر | // |
| ۲۹۲ | تاریخ ابن خلدون | ۷۷۹ھ |
| ۲۹۳ | شرح مقاصد سعد الدین مسعود بن عمر بن عبداللہ التفتازانی | ۷۹۱ھ |
| ۲۹۴ | مجمع الزوائد النور الدین الہیثمی (۱۰ جلد) | ۸۰۷ھ |
| ۲۹۵ | موارد الظمان لنور الدین الہیثمی | ۸۰۷ھ |
| ۲۹۶ | شرح مواقف سید شرایہ بن محمد الجرجانی | ۸۱۶ھ |
| ۲۹۷ | الاصابہ فی تمیز الصحابہ لابن حجر جلد معہ استیعاب | ۸۵۲ھ |
| ۲۹۸ | کتاب المدلسین لابن حجر | ۸۵۲ھ |
| ۲۹۹ | تہذیب التہذیب لابن حجر۔ (۴ جلد) | ۸۵۲ھ |
| ۳۰۰ | لسان المیزان لابن حجر (۶ جلد) | // |
| ۳۰۱ | فتح القدیر شرح ہدایہ لشیخ کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف لابن ہمام | ۸۶۱ھ |
| ۳۰۲ | انسان العیون فی سیرۃ الامین المامو معروف بالسیرۃ الحلبیہ لعلی بن برہان الدین الحلبی الشافعی | ۹۰۰ھ |
| ۳۰۳ | فتح المغیث للسخاوی | ۹۰۲ھ |
| ۳۰۴ | المسامرۃ فی شرح المسایرۃ کمال الدین محمد بن محمد المعروف بابن شریف المقدسی | ۹۰۵ھ |
| ۳۰۵ | وفاء الوفاء للسمہودی | ۹۱۱ھ |
| ۳۰۶ | تطہیر الجنان واللسان لابن حجر المکی | ۹۷۵-۷۳ھ |
| ۳۰۷ | کنز العمال۔ ۸ جلد، طبع اول | ۹۷۵ھ |
| ۳۰۸ | نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض احمد شہاب الدین الخفاجی المصری | ۱۰۵۸ھ |
| ۳۰۹ | قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین / حضرت الشاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ | // |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۱۰ | الفتح الربانی لترتیب مسند احمد۔ عبدالرحمان البنا الساعاتی | ۱۳۵۱ھ |
| ۳۱۱ | المنار المنیف لابن قیم | |
| ۳۱۲ | مسند ابی داؤد الطیالسی | ۲۰۳۔ ۲۰۴ھ |
| ۳۱۳ | سیرت لابن ہشام (ابومحمد عبدالملک بن ہشام) | ۲۱۸۔ ۲۱۳ھ |
| ۳۱۴ | طبقات ابن سعد (محمد بن سعد) | ۲۳۳۔ ۲۳۵ھ |
| ۳۱۵ | نسب قریش للمصعب الزبیری | ۲۳۶ھ |
| ۳۱۶ | مسند امام احمد بن حنبلؒ | ۲۴۱ھ |
| ۳۱۷ | کتاب المعرفۃ والتاریخ لابی یوسف | |
| ۳۱۸ | سفیان البسوی | ۲۷۰۔ ۲۷۱ھ |
| ۳۱۹ | المعارف لابن قتیبۃ الدینوری | ۲۷۶ھ |
| ۳۲۰ | انساب الاشراف للبلاذری (احمد بن یحییٰ) | ۲۷۷۔ ۲۷۹ھ |
| ۳۲۱ | المنتخب من ذیل المذیل لابن جریر الطبری | ۳۱۰ھ |
| ۳۲۲ | الصحیح لابن حبان | ۳۵۴ھ |
| ۳۲۳ | کتاب الثقات لابن حبان | ۳۵۴ھ |
| ۳۲۴ | احکام القرآن للجصاص | ۳۷۰ھ |
| ۳۲۵ | المستدرک للحاکم | ۴۰۵ھ |
| ۳۲۶ | الاستیعاب لابن عبدالبر | ۴۳۶ھ |
| ۳۲۷ | تاریخ بغداد للخطیب بغدادی | ۴۳۶ھ |
| ۳۲۸ | جمہرۃ انساب العرب بغدادی | ۴۳۶ھ |
| ۳۲۹ | دلائل النبوۃ للبیہقی | ۴۵۸ھ |
| ۳۳۰ | السنن الکبریٰ للبیہقی | ۴۵۸ھ |
| ۳۳۱ | المبسوط لشمس الائمہ السرخسی | ۴۹۰ھ |
| ۳۳۲ | شرح السنۃ (ابومحمد الحسین بن مسعود الغرا البغوی) | ۵۱۶ھ |
| | | ۵۱۸ھ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۳۳ | تفسیر احکام القرآن للقرطبی | ۶۷۱ھ |
| ۳۳۴ | تھذیب لاسماء واللغات للنواوی | ۶۷۶ھ |
| ۳۳۵ | ذخائر العقبی للمحب الطبری | ۶۹۴ھ |
| ۳۳۶ | مشکوٰۃ المصابیح للشیخ ولی الدین الخطیب | ۷۳۷ھ |
| ۳۳۷ | سیر اعلام النبلاء للذھبی (تاریخ اسلام للذھبی) | ۷۴۸ھ |
| ۳۳۸ | زاد المعاد (لابن قیم) | ۷۵۶ھ |
| ۳۳۹ | المنار المنیف (لابن قیم) | ۷۵۶ھ |
| ۳۴۰ | الاصابۃ لابن حجر العسقلانی | ۸۵۲ھ |
| ۳۴۱ | شرح ھدایۃ لبدر الدین العینی | ۸۵۵ھ |
| ۳۴۲ | سیرۃ حلبیۃ لعلی بن برھان الدین الحلبی | ۹۰۰ھ |
| ۳۴۳ | وفاء الوفاء السمھودی (نور الدین السمھودی) | ۹۱۱ھ |
| ۳۴۴ | اللآلی المصنوعۃ للسیوطیؒ | ۹۱۱ھ |
| ۳۴۵ | الخصائص الکبری للسیوطیؒ | ۹۱۱ھ |
| ۳۴۶ | تفسیر الدر المنثور للسیوطیؒ | ۹۱۱ھ |
| ۳۴۷ | الموضوعات الکبیر لعلی القاری | ۱۰۱۴ھ |
| ۳۴۸ | شرح مواھب اللدنیہ للزرقانی | ۱۱۱۷ھ |
| ۳۴۹ | تفسیر للشوکانی (محمد بن علی الشوکانی) | ۱۲۵۰ھ |
| ۳۵۰ | موضوعات الشوکانی (محمد بن علی الشوکانی) | ۱۲۵۰ھ |
| ۳۵۱ | الفتح الربانی (ترتیب مسند احمد بن حنبلؒ)، از عبدالرحمان البناء الساعاتی | ۱۳۵۱ھ |
| ۳۵۲ | تاریخ الخمیس الدیار البکری (الشیخ حسین بن محمد بن الحسن) | ۹۶۰ھ |
| ۳۵۳ | الروض الانف للسھیلی (ابوالقاسم عبدالرحمن بن عبداللہ السھیلی) | ۵۸۱ھ |
| ۳۵۴ | منحۃ المعبود فی ترتیب مسند الطیالسی ابی داؤد | |
| ۳۵۵ | تنزیہ الشریعۃ العراق الکنانی (ابوالحسن علی بن محمد بن العراق الکنانی) | ۹۶۳ھ |
| ۳۵۶ | فتح القدیر لابن ھمام (الشیخ کمال الدین محمد بن عبدالواحد) | ۸۶۱ھ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۵۷ | بدائع الصنائع (از علاؤالدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی) | ۵۸۷ھ |
| ۳۵۸ | کتاب الآثار۔ لامام محمد ابی عبداللہ محمد بن الحسن الشیبانیؒ | ۱۸۹ھ |
| ۳۵۹ | کتاب الخراج۔ لیحیٰی بن آدم القرشیؒ | ۲۰۳ھ |
| ۳۶۰ | المصنف۔ لعبدالرزاق (الحافظ الکبیر ابی بکر عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری الصنعانی) (مجلس علمی) | ۲۱۱ھ |
| ۳۶۱ | سیرت لابن ہشام (ابومحمد عبدالملک بن ہشام) | ۲۱۳ھ |
| | | ۲۱۸ھ |
| ۳۶۲ | المسند للحمیدی (لامام ابی بکر عبداللہ بن الزبیر الحمید) (مجلس علمی) | ۲۱۹ھ |
| ۳۶۳ | کتاب الاموال۔ لابی عبید القاسم بن سلام | ۲۲۴ھ |
| ۳۶۴ | السنن لسعید بن منصور (مجلس علمی) | ۲۲۷ھ |
| ۳۶۵ | الطبقات الکبیر۔ لمحمد بن سعد (طبع لیڈن) | ۲۳۰ھ |
| | | ۲۳۵ھ |
| ۳۶۶ | المسند۔ لامام احمد بن حنبل الشیبانیؒ (طبع مصر) قدیم | ۲۴۱ھ |
| ۳۶۷ | المسند۔ للدارمی ابی عبداللہ بن عبدالرحمن بن الفصل التیمی سمرقندی الدارمی | ۲۵۵ھ |
| ۳۶۸ | الادب المفرد (لامام محمد بن اسمٰعیل البخاری) | ۲۵۶ھ |
| ۳۶۹ | المراسیل۔ لابی داؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی | ۲۷۵ھ |
| ۳۷۰ | انساب الاشراف۔ لاحمد بن یحیٰی البلاذری | ۲۷۷ھ |
| | | ۲۷۹ھ |
| ۳۷۱ | کتاب المعرفۃ والتاریخ۔ لابی یوسف یعقوب بن سفیان البسوی | ۲۷۷ھ |
| ۳۷۲ | کتاب السنۃ۔ لابی عبداللہ محمد بن نصر المروزی | ۲۹۴ھ |
| ۳۷۳ | کتاب قیام اللیل وقیام رمضان والوتر لابی عبداللہ محمد بن نصر المروزی | ۲۹۴ھ |
| ۳۷۴ | المنتقیٰ۔ لابن جارود (لابی محمد عبداللہ بن علی بن الجارود النیشابوری) | ۳۰۷ھ |
| ۳۷۵ | التاریخ لمحمد بن جریر ابی جعفر الطبری | ۳۱۰ھ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۷۶ | کتاب الکنیٰ۔ للشیخ ابی بشیر محمد بن احمد بن حماد الدولابی | ۳۱۰ھ |
| ۳۷۷ | الصحیح: لابی بکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ السلمی نیشاپوری | ۳۱۱ھ |
| ۳۷۸ | کتاب المصاحف۔ للحافظ ابی بکر عبداللہ بن ابی داؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی | ۳۱۰ھ |
| ۳۷۹ | الاجماع۔ لابی بکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشابوری | ۳۱۰ھ |
| ۳۸۰ | احکام القرآن۔ لابی بکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی | ۳۷۰ھ |
| ۳۸۱ | الفتنۃ وقعۃ الجمل۔ للسیف بن عمر الضبی الاسدی | ۴۰۰ھ |
| ۳۸۲ | المستدرک۔ للحاکم نیشاپوری (ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ) | ۴۰۵ھ |
| ۳۸۳ | ذکر اخبار اصبہان۔ لابی نعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی | ۴۳۰ھ |
| ۳۸۴ | فضائل الصدیق۔ لابی طالب محمد بن علی العشاری (مکتبہ سلفیہ ملتان) مع دیگر رسائل بحوالہ محدث ابی عوانۃ | ۴۴۶ھ |
| ۳۸۵ | الفصل فی الملل والاہوا والنحل۔ لابن حزم الاندلسی (ابومحمد علی بن احمد بن سعید المعروف ابن حزم الظاہری الاندلسی) | ۴۵۶ھ |
| ۳۸۶ | السنن الکبریٰ۔ لابی بکر احمد بن الحسین البیہقی | ۴۵۸ھ |
| ۳۸۷ | الاعتقاد علی مذہب السلف۔ لابی بکر احمد بن الحسین البیہقی | ۴۵۸ھ |
| ۳۸۸ | دلائل النبوۃ۔ لابی بکر احمد بن الحسین البیہقی | ۴۵۸ھ |
| ۳۸۹ | التبصیر فی الدین۔ لابی المظفر الاسفرائنی | ۴۷۱ھ |
| ۳۹۰ | مفردات القرآن۔ لابی القاسم حسین بن محمد بن المفضل الراغب الاصفہانی | ۵۰۲ھ |
| ۳۹۱ | کتاب الاقتصاد فی الاعتقاد۔ لمحمد بن محمد بن محمد ابو حامد الغزالی الطوسی | ۵۰۵ھ |
| ۳۹۲ | کیمیائے سعادت (فارسی)۔ محمد بن محمد بن محمد ابو حامد الغزالی الطوسی | ۵۰۵ھ |
| ۳۹۳ | کتاب الفائق۔ للزمخشری | ۵۳۸ھ |
| ۳۹۴ | العواصم من القواصم۔ لقاضی ابی بکر ابن العربی المالکی | ۵۴۳ھ |

| | | |
|---|---|---|
| ۳۹۵ | شرح تصحیح الترمذی۔ لقاضی ابی بکر ابن العربی المالکی | ۵۴۳ھ |
| ۳۹۶ | تہذیب و تلخیص۔ ابن عساکر لابن بدران عبدالقادر | ۵۷۱ھ |
| ۳۹۷ | المنتظم۔ لابی الفرج ابن الجوزی | ۵۹۷ھ |
| ۳۹۸ | النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر لمحمد بن محمد المعروف لابن اثیر الجزری | ۶۰۶ھ |
| ۳۹۹ | جامع الاصول من احادیث رسولؐ۔ (ابوالسعادت مبارک بن محمد) | ۶۰۶ھ |
| ۴۰۰ | المغنی۔ لابی محمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ | ۶۲۰ھ |
| ۴۰۱ | معجم البلدان۔ لشہاب الدین ابی عبداللہ المعروف یاقوت الحموی | ۶۲۶ھ |
| ۴۰۲ | الکامل لابن اثیر الجزری۔ (ابوالحسن علی بن ابی الکرم) | ۶۳۰ھ |
| ۴۰۳ | اسد الغابۃ۔ ابوالحسن علی بن محمد بن محمد بن عبدالکریم الشہیر عزالدین المعروف ابن اثیر الجزری | ۶۳۰ھ |
| ۴۰۴ | مختار الصحاح۔ للشیخ محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر الرازی طبع مصر | ۶۶۰ھ |
| ۴۰۵ | تفسیر الجامع الاحکام القرآن ( لابی عبداللہ محمد بن احمد القرطبی المالکی الاندلسی) | ۶۷۱ھ |
| ۴۰۶ | تہذیب الاسماء واللغات۔ لمحی الدین یحییٰ بن شرف النواوی | ۶۷۶ھ |
| ۴۰۷ | شرح مسلم شریف۔ محی الدین یحییٰ بن شرف النواوی | ۶۷۶ھ |
| ۴۰۸ | التاریخ۔ لابن خلکان | ۶۸۱ھ |
| ۴۰۹ | ذخائر العقبیٰ۔ لمحب الطبری | ۶۹۴ھ |
| ۴۱۰ | کتاب التمہید والبیان فی مقتل الشہید عثمانؓ۔ لمحمد بن یحییٰ بن ابی بکر الاندلسی | ۷۴۱ھ |
| ۴۱۱ | تذکرۃ الحفاظ۔ لشمس الدین ابی عبداللہ الذہبی | ۷۴۸ھ |
| ۴۱۲ | میزان الاعتدال۔ لشمس الدین ابی عبداللہ الذہبی | ۷۴۸ھ |
| ۴۱۳ | المنتقیٰ۔ لشمس الدین ابی عبداللہ الذہبی | ۷۴۸ھ |
| ۴۱۴ | العبر۔ لشمس الدین ابی عبداللہ الذہبی | ۷۴۸ھ |
| ۴۱۵ | دول الاسلام۔ لشمس الدین ابی عبداللہ الذہبی | ۷۴۸ھ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۱۶ | میزان الاعتدال۔ لشمس الدین ابی عبداللہ الذہبی | ۷۴۸ھ |
| ۴۱۷ | تاریخ الاسلام۔ لشمس الدین ابی عبداللہ الذہبی | ۷۴۸ھ |
| ۴۱۸ | اعلام الموقعین۔ لشمس الدین ابی عبداللہ محمد بن ابی بکر الحنبلی الدمشقی | |
| ۴۱۹ | المعروف ابن قیم الجوزیہ | ۷۵۱ھ |
| | | ۷۵۶ھ |
| ۴۲۰ | نصب الرایۃ۔ للشیخ جمال الدین ابی محمد عبداللہ بن یوسف الحنفی | |
| ۴۲۱ | تفسیر القرآن۔ لابن کثیرؒ | // |
| ۴۲۲ | التاریخ۔ لابن خلدون عبدالرحمن بن محمد بن خلدون الحضرمی | ۷۷۹ھ |
| ۴۲۳ | شرح المقاصد۔ لسعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی | ۷۹۱ھ |
| ۴۲۴ | شرح الطحاویۃ فی عقیدۃ السلفیہ۔ لقاضی صدر الدین علی بن علی بن | |
| ۴۲۵ | محمد بن ابی العز الحنفی | ۷۹۲ھ |
| ۴۲۶ | تفسیر البرہان فی علوم القرآن۔ لامام بدر الدین محمد بن عبداللہ زرکشی | ۷۹۴ھ |
| ۴۲۷ | مجمع الزوائد۔ لنور الدین الہیثمی | ۸۰۷ھ |
| ۴۲۸ | شرح المواقف۔ للسید شریف علی بن محمد الجرجانی | ۸۱۶ھ |
| ۴۲۹ | القاموس۔ للشیخ محمد بن یعقوب مجد الدین فیروز آبادی | ۸۱۷ھ |
| ۴۳۰ | الاصابہ۔ لابن حجر العسقلانی | ۸۵۲ھ |
| ۴۳۱ | فتح الباری شرح بخاری شریف۔ لابن حجر العسقلانی | ۸۵۲ھ |
| ۴۳۲ | شرح نخبۃ الفکر۔ لابن حجر العسقلانی | ۸۵۲ھ |
| ۴۳۳ | تہذیب التہذیب۔ لابن حجر العسقلانی | ۸۵۲ھ |
| ۴۳۴ | عمدۃ القاری شرح بخاری۔ لبدر الدین العینی | ۸۵۵ھ |
| ۴۳۵ | سیرۃ الحلبیہ۔ لعلی برہان الدین الحلبی | ۹۰۰ھ |
| ۴۳۶ | مقاصد الحسنۃ۔ لشمس الدین السخاوی | ۹۰۲ھ |
| ۴۳۷ | المسامرہ۔ لکمال الدین بن محمد بن محمد ابی شریف القدسی الشافعی | ۹۰۹ھ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۳۸ | ارشاد الساری شرح بخاری شریف۔ لشہاب الدین احمد ابوبکر بن عبدالمالک القسطلانی | ۹۲۳ھ |
| ۴۳۹ | کتاب الیواقیت والجواہر۔ للشیخ عبدالوہاب الشعرانی | ۹۴۲ھ |
| ۴۴۰ | تاریخ الخمیس۔ لدیار البکری (الشیخ حسین بن محمد بن الحسن) | ۹۶۰ھ |
| ۴۴۱ | الصواعق المحرقۃ معہ تطہیر الجنان لابن حجر مکی | ۹۷۳ھ |
| | | ۹۷۵ھ |
| ۴۴۲ | مرقاۃ شرح مشکوۃ شریف۔ ململا علی بن سلطان القاری | ۱۰۱۴ھ |
| ۴۴۳ | الموضوعات الکبیر۔ لملاعلی بن سلطان القاری | ۱۰۱۴ھ |
| ۴۴۴ | شرح فقہ اکبر۔ ملاعلی بن سلطان القاری | ۱۰۱۴ھ |
| ۴۴۵ | مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ | ۱۰۳۴ھ |
| ۴۴۶ | نسیم الریاض شرح الشفاء۔ لشہاب الدین الخفاجی | ۱۰۵۸ھ |
| ۴۴۷ | جمع الفوائد۔ لمحمد بن محمد بن سلیمان الفارسی المغربی | ۱۰۹۴ھ |
| ۴۴۸ | شرح مواہب اللدنیہ۔ لمحمد بن عبدالباقی الزرقانی المالکی | ۱۱۱۷ھ |
| ۴۴۹ | الناہیہ عن طعن امیر المؤمنین معاویہؓ۔ از مولانا عبدالعزیز پرہارویؒ | ۱۲۳۹ھ |
| ۴۵۰ | الموضوعات۔ لمحمد بن علی الشوکانی | ۱۲۵۰ھ |
| ۴۵۱ | الفوائد المجموعۃ۔ لمحمد بن علی الشوکانی | ۱۲۵۰ھ |
| ۴۵۲ | تفسیر القرآن۔ للشوکانی | ۱۲۵۰ھ |
| ۴۵۳ | منحۃ المعبود فی ترتیب مسند الطیالسی ابی داؤد۔ تالیف احمد عبدالرحمن النباء الساعاتی | ۱۳۵۱ھ |
| ۴۵۴ | فیض الباری حواشی صحیح بخاری۔ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ | ۱۳۵۲ھ |
| ۴۵۵ | مسند عمر بن الخطاب۔ لابی یوسف یعقوب بن شیبۃ بن الصلت (بیروت) | |
| ۴۵۶ | کتاب الزھد والرقائق لعبداللہ بن مبارک المروزی | ۱۸۱ھ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۵۷ | مسند ابی یعلی الموصلی للام الحمام شیخ الاسلام ابی یعلی احمد بن علی بن المثنی الموصلی | ۲۱۰ھ |
| ۴۵۸ | المصنف للحافظ الکبیر ابی بکر عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری الصنعانی | ۲۱۱ھ |
| ۴۵۹ | السنن لسعید بن منصور (مجلس علمی) | ۲۲۷ھ |
| ۴۶۰ | الطبقات الکبریٰ لمحمد بن سعد بن میع الزھری | ۲۳۰ھ |
| ۴۶۱ | المصنف لابی بکر عبداللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان بن ابی شیبۃ الکوفی (طبع کراچی) | ۲۳۵ھ |
| ۴۶۲ | فضائل الصحابۃ لامام احمد بن حنبل الشیبانی | ۲۴۱ھ |
| ۴۶۳ | کتاب السنۃ لامام احمد بن حنبل الشیبانی | ۲۴۱ھ |
| ۴۶۴ | ادب المفرد | ۲۵۶ھ |
| ۴۶۵ | کتاب الثقات للعجلی (احمد بن عبداللہ بن صالح) | ۲۶۱۰ھ |
| ۴۶۶ | تاریخ المدینۃ المنورۃ لابی زید عمر بن شبۃ النمیری البصری | ۲۶۲ھ |
| ۴۶۷ | المراسیل ۔ لابی داؤد السجستانی (سلیمان بن الاشعث) | ۲۷۵ھ |
| ۴۶۸ | المعارف لابن قتیبۃ ۔ ابو محمد عبداللہ بن مسلم الکاتب الدینوری | ۲۷۶ھ |
| ۴۶۹ | کتاب المعرفۃ والتاریخ لابی یوسف یعقوب بن سفیان البسوی | ۲۷۷ھ |
| ۴۷۰ | السنن للنسائی ۔ لابی عبدالرحمان احمد بن شعیب | ۳۰۳ھ |
| ۴۷۱ | السنن الکبریٰ ۔ للنسائی ۔ طبع جدید بیروتی | ۳۰۳ھ |
| ۴۷۲ | تاریخ الامم والملوک لمحمد بن جریر ابوجعفر الطبری | ۳۱۰ھ |
| ۴۷۳ | المنتخب من ذیل المذیل | ۳۱۰ھ |
| ۴۷۴ | شرح معانی الآثار لابی جعفر احمد بن محمد بن سلامت الازدی الطحاوی | ۳۲۱ھ |
| ۴۷۵ | کتاب الثقات ۔ لامام محمد بن حبان بن احمد التمیمی البستی | ۳۵۴ھ |
| ۴۷۶ | المستدرک للحاکم، لابی عبداللہ محمد بن عبداللہ نیشاپوری | ۴۰۵ھ |
| ۴۷۷ | اخبار اصبہان | ۴۳۰ھ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۷۸ | تہذیب تاریخ دمشق لابن عساکر لابن بدران (عبدالقادر) | ۵۷۱ھ |
| ۴۷۹ | مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر للامام محمد بن مکرم المعروف بابن منظور | ۵۷۱ھ |
| ۴۸۰ | سیرۃ عمر بن الخطاب لابی الفرج ابن الجوزی | ۵۹۷ھ |
| ۴۸۱ | اسد الغابۃ لابن اثیر محمد بن عبدالکریم الشیبانی الشہیر عزالدین الجزری | ۶۳۰ھ |
| ۴۸۲ | تفسیر الجامع لاحکام القرآن لابی عبداللہ محمد بن احمد القرطبی المالکی الاندلسی | ۶۷۱ھ |
| ۴۸۳ | ریاض الصالحین لمحی الدین یحییٰ بن شرف النواوی | ۶۷۶ھ |
| ۴۸۴ | اعلام الموقعین لشمس الدین ابی عبداللہ محمد بن ابی بکر الحنبلی | ۷۵۱/۷۵۶ھ |
| ۴۸۵ | الدمشقی المعروف ابن قیم الجوزیۃ | |
| ۴۸۶ | وفاء الوفا فی اخبار دار المصطفیٰ لنور الدین السمہودی | ۹۱۱ھ |
| ۴۸۷ | خلاصۃ تذہیب الکمال لصفی الدین احمد بن عبداللہ الخزرجی | ۹۲۳ھ |
| ۴۸۸ | تاریخ الخمیس لدیار البکری الشیخ حسین بن محمد بن الحسن | ۹۶۰ھ |
| ۴۸۹ | تفسیر القرآن لمحمد بن علی الشوکانی | ۱۲۵۰ھ |
| ۴۹۰ | الآثار السنن للشیخ محمد بن علی النیموی | ۱۳۲۲ھ |
| ۴۹۱ | الفتح الربانی (ترتیب مسند احمد) لعبدالرحمان الساعاتی | ۱۳۷۸ھ |
| ۴۹۲ | مسند عمر بن عبدالعزیز | المتوفی ۱۰۱ھ |
| ۴۹۳ | المسند لامام ابی حنیفہ (امام اعظم) | ۱۵۰ھ |
| ۴۹۴ | فضائل الصحابہ لامام احمد الشیبانی | ۲۴۱ھ |
| ۴۹۵ | المنتخب مسند عبد بن حمید | ۲۴۹/۲۴۳ھ |
| ۴۹۶ | المسند للدارمی (ابی عبداللہ بن عبدالرحمن بن الفضل التمیمی الدارمی) | |
| ۴۹۷ | جزء الحسن بن عرفہ العبدی | ۲۵۷ھ |
| ۴۹۸ | تاریخ المدینۃ المنورۃ لابی زید عمرو بن شبہ الحمیری البصری | ۲۶۲ھ |
| ۴۹۹ | تاریخ الثقات للعجلی (احمد بن عبداللہ بن صالح العجلی) | ۲۶۱ھ |
| ۵۰۰ | السنن لابی داود سلیمان بن اشعث السجستانی | ۲۷۵ھ |

| | | |
|---|---|---|
| ۵۰۱ | غریب الحدیث لابن قتیبہ | ۲۷۶ھ |
| ۵۰۲ | الامامۃ والسیاسۃ لابن قتیبہ | ۲۷۶ھ |
| ۵۰۳ | المعارف لابن قتیبہ | ۲۷۶ھ |
| ۵۰۴ | انساب الاشراف للبلاذری | ۲۷۹/۲۷۷ھ |
| ۵۰۵ | کتاب المعرفہ والتاریخ للبسوی (ابی یوسف یعقوب بن سفیان البسوی) | ۲۷۷ھ |
| ۵۰۶ | کتاب مجاب الدعوۃ لابن ابی الدنیا | ۲۸۱ھ |
| ۵۰۷ | کتاب السنۃ لابی عبداللہ محمد بن نصر المروزی | ۲۹۴ھ |
| ۵۰۸ | السنن الکبریٰ ابوعبدالرحمن احمد بن شعیب النسائی | ۳۰۳ھ |
| ۵۰۹ | الخصائص للنسائی ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی | ۳۰۳ھ |
| ۵۱۰ | مسند لابی یعلی الموصلی (احمد بن علی الموصلی) | ۳۰۷ھ |
| ۵۱۱ | المنتقیٰ لابن جارود (ابی محمد عبداللہ بن علی بن الجارود نیشاپوری) | ۳۰۷ھ |
| ۵۱۲ | التاریخ لمحمد ابن جریر الطبری | ۳۱۰ھ |
| ۵۱۳ | کتاب الکنیٰ للدولابی | ۳۱۰ھ |
| ۵۱۴ | علل الحدیث لابن ابی حاتم الرازی | ۳۲۷ھ |
| ۵۱۵ | کتاب الجرح والتعدیل | ۳۲۷ھ |
| ۵۱۶ | المعجم الاوسط للطبرانی | ۳۶۰ھ |
| ۵۱۷ | الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان | ۳۵۴ھ |
| ۵۱۸ | المستدرک للحاکم (ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم النیشاپوری) | ۴۰۵ھ |
| ۵۱۹ | ذکر اخبار اصبہان لابی نعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی | ۴۳۰ھ |
| ۵۲۰ | المحلی لابن حزم (ابومحمد علی بن احمد بن سعید المعروف ابن حزم الاندلسی) | ۴۵۶ھ |
| ۵۲۱ | جمہرۃ الانساب لابن حزم الاندلسی | ۴۵۶ھ |
| ۵۲۲ | جوامع السیرۃ لابن حزم الاندلسی | ۴۵۶ھ |
| ۵۲۳ | الاعتقاد علی مذہب السلف للبیہقی | ۴۵۸ھ |

| | | |
|---|---|---|
| ۵۲۴ | دلائل النبوۃ للبیہقی | ۴۵۸ھ |
| ۵۲۵ | الاستیعاب لابن عبدالبر (معہ الاصابہ) | ۴۶۳ھ |
| ۵۲۶ | تاریخ بغداد للخطیب بغدادی | ۴۶۳ھ |
| ۵۲۷ | کتاب الکفایہ للخطیب بغدادی | ۴۶۳ھ |
| ۵۲۸ | کتاب التمہید لابی الشکور السالمی | ۴۶۵ھ |
| ۵۲۹ | التبصیر فی الدین لابی المظفر الاسفرائنی | ۴۷۱ھ |
| ۵۳۰ | شرح السیر الکبیر للسرخسی | ۴۹۰/۴۸۳ھ |
| ۵۳۱ | کیمیائے سعادت لامام غزالی (لمحمد بن محمد بن محمد ابوحامد الغزالی الطوسی) | ۵۰۵ھ |
| ۵۳۲ | شرح السنۃ لامام بغوی (ابومحمد حسنین بن مسعود الفراء البغوی) | ۵۱۶ھ |
| ۵۳۳ | مصابیح السنۃ للبغوی | ۵۱۶ھ |
| ۵۳۴ | کتاب الفائق لزمخشری | ۵۳۸ |
| ۵۳۵ | شرح الجامع الترمذی لقاضی ابی بکر ابن العربی المالکی | ۵۴۳ھ |
| ۵۳۶ | العواصم من القواصم لقاضی ابی بکر ابن العربی المالکی | ۵۴۳ھ |
| ۵۳۷ | احکام القرآن لابن العربی لقاضی ابی بکر ابن العربی المالکی | ۵۴۳ھ |
| ۵۳۸ | تاریخ ابن عساکر کامل (ابوالقاسم علی بن حسن بن ہبۃ اللہ المعروف ابن عساکر) | ۵۷۱ھ |
| ۵۳۹ | کتاب القصاص والمذکرین لابن الجوزی | ۵۹۷ھ |
| ۵۴۰ | العلل المتناہیہ لابن جوزی | ۵۹۷ھ |
| ۵۴۱ | الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ للقاضی ابی الفضل عیاض بن موسیٰ اندلسی من علماء قرن سادس | |
| ۵۴۲ | جامع الاصول لابن اثیر الجزری (محمد بن محمد المعروف بابن اثیر الجزری) | ۶۰۶ھ |
| ۵۴۳ | اسد الغابہ لابن اثیر الجزری | ۶۰۶ھ |

| | | |
|---|---|---|
| ۵۴۴ | المغرب (ابوالفتح ناصر الدین المطرزی) | ۶۱۰ھ |
| ۵۴۵ | المغنی لابن قدامہ (ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ) | ۶۲۰ھ |
| ۵۴۶ | الکامل لابن اثیر (ابوالحسن علی بن ابی المکرم) | ۶۳۰ھ |
| ۵۴۷ | تجرید اسماء الصحابہ للجزری | ۶۳۰ھ |
| ۵۴۸ | الترغیب والترہیب مزکی الدین المنذری | ۶۵۶ھ |
| ۵۴۹ | جامع مسانید امام اعظم لابی المؤید محمد بن محمود بن محمد الخوارزمی | ۶۶۵ھ |
| ۵۵۰ | تفسیر الجامع لاحکام القرآن لابی عبداللہ محمد بن احمد القرطبی المالکی الاندلسی | ۶۷۱ھ |
| ۵۵۱ | مثنوی مولانا روم (جلال الدین رومی) | ۶۷۲ھ |
| ۵۵۲ | شرح مسلم شریف للنووی (محی الدین یحییٰ بن شرف النووی) | ۶۷۶ھ |
| ۵۵۳ | تہذیب الاسماء للنووی (محی الدین یحییٰ بن شرف النووی) | ۶۷۶ھ |
| ۵۵۴ | وفیات الاعیان لابن خلکان | ۶۸۱ھ |
| ۵۵۵ | فیض القدیر شرح الجامع الصغیر لعبد الرؤف المناوی | ۷۱۰ھ |
| ۵۵۶ | الصارم المسلول لابن تیمیہ لاحمد بن عبدالحلیم الحرانی الدمشقی الحنبلی | ۷۴۸/۷۲۸ھ |
| ۵۵۷ | الجواہر النقی للترکمانی | ۷۴۵ھ |
| ۵۵۸ | سیر اعلام النبلاء للذہبی (شمس الدین ابی عبداللہ الذہبی) | ۷۴۸ھ |
| ۵۵۹ | | |
| ۵۶۰ | المنتقی للذہبی | ۷۴۸ھ |
| ۵۶۱ | تاریخ الاسلام للذہبی | ۷۴۸ھ |
| ۵۶۲ | العبر للذہبی | ۷۴۸ھ |
| ۵۶۳ | دول الاسلام للذہبی | ۷۴۸ھ |
| ۵۶۴ | المغنی فی الضعفاء للذہبی | ۷۴۸ھ |
| ۵۶۵ | المنار المنیف لابن قیم | ۷۵۱/۷۵۶ھ |
| ۵۶۶ | کتاب الروح لابن قیم | ۷۵۱/۷۵۶ھ |

| | | |
|---|---|---|
| ۵۶۷ | زاد المعاد لابن قیم | ۷۵۱/۷۵۶ھ |
| ۵۶۸ | نصب الرایہ للزیلعی (جمال الدین ابو محمد عبداللہ بن یوسف الزیلعی الحنفی) | ۷۷۵/۷۶۲ھ |
| ۵۶۹ | الکرمانی شرح صحیح البخاری لعلامہ شمس الدین محمد بن علی الکرمانی | ۷۸۶ھ |
| ۵۷۰ | شرح الطحاویہ فی عقیدۃ السّلفیہ لقاضی صدر الدین علی بن علی محمد بن ابی العز الحنفی | ۷۹۲ھ |
| ۵۷۱ | مجمع الزوائد لنور الدین الہیثمی | ۸۰۷ھ |
| ۵۷۲ | موارد الظمآن لنور الدین الہیثمی | ۸۰۷ھ |
| ۵۷۳ | شرح المواقف للسید شریف علی بن محمد الجرجانی | ۸۱۶ھ |
| ۵۷۴ | القاموس للشیخ محمد بن یعقوب مجد الدین فیروز آبادی | ۸۱۷ھ |
| ۵۷۵ | تہذیب التہذیب | ۸۵۲ھ |
| ۵۷۶ | طبقات المدلسین | ۸۵۲ھ |
| ۵۷۷ | شرح نخبۃ الفکر لابن حجر العسقلانی | ۸۵۲ھ |
| ۵۷۸ | المطالب العالیہ لابن حجر العسقلانی | ۸۵۲ھ |
| ۵۷۹ | تقریب التہذیب لابن حجر العسقلانی | ۸۵۲ھ |
| ۵۸۰ | تعجیل المنفعہ لابن حجر العسقلانی | ۸۵۲ھ |
| ۵۸۱ | فتح الباری فی شرح البخاری لابن حجر العسقلانی | ۸۵۲ھ |
| ۵۸۲ | الدرایہ فی تخریج احادیث الهدایہ لابن حجر العسقلانی | ۸۵۲ھ |
| ۵۸۳ | فتح القدیر لابن ہمام شرح ہدایہ مع العنایہ | ۸۶۱ھ |
| ۵۸۴ | فتح المغیث شرح الفیہ الحدیث لشمس الدین السخاوی | ۹۰۲ھ |
| ۵۸۵ | المسامرۃ لکمال الدین بن محمد بن محمد بن ابی شرف القدسی الشافعی | ۹۰۹ھ |
| ۵۸۶ | تاریخ الخلفاء لجلال الدین السیوطی | ۹۱۱ھ |
| ۵۸۷ | تدریب الراوی فی شرح تقریب لنووی للسیوطی | ۹۱۱ھ |
| ۵۸۸ | درمنثور (امام سیوطی) | ۹۱۱ھ |

| | | |
|---|---|---|
| ۵۸۹ | وفاء الوفاء للشیخ نور الدین السمہودی | ۹۱۱ھ |
| ۵۹۰ | کتاب الیواقیت والجواہر للشیخ عبدالوہاب الشعرانی | ۹۴۲ھ |
| ۵۹۱ | تاریخ الخمیس للدیار البکری (الشیخ حسین بن محمد بن الحسن) | ۹۶۰ھ |
| ۵۹۲ | تنزیہ الشریعۃ المرفوعہ لابن عراق الکنانی | ۹۶۳ھ |
| ۵۹۳ | الصواعق المحرقۃ مع تطہیر الجنان لابن حجر المکی | ۹۷۵/ ۹۷۳ھ |
| ۵۹۴ | کنز العمال لعلی متقی الہندی | ۹۷۵ھ |
| ۵۹۵ | تطہیر الجنان لابن حجر المکی | ۹۷۵/ ۹۷۳ھ |
| ۵۹۶ | الفتاویٰ الحدیثیہ لابن حجر المکی | ۹۷۵/ ۹۷۳ھ |
| ۵۹۷ | مرقاۃ شرح مشکوٰۃ لملاعلی بن سلطان القاری | ۱۰۱۴ھ |
| ۵۹۸ | الموضوعات الکبیر لعلی القاری | ۱۰۱۴ھ |
| ۵۹۹ | شرح فقہ اکبر لعلی القاری | ۱۰۱۴ھ |
| ۶۰۰ | مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی از حضرتِ شیخ احمد سرہندی | ۱۰۳۴ھ |
| ۶۰۱ | نسیم الریاض شرح الشفاء لشہاب الدین الخفاجی | ۱۰۵۸ھ |
| ۶۰۲ | نور الانوار از مولانا احمد جیون | ۱۱۳۰ھ |
| ۶۰۳ | عقیدۃ السفارینی (محمد بن احمد السفارینی) | ۱۱۷۳ھ |
| ۶۰۴ | رسائل ابن عابدین الشامی (محمد امین ابن عابدین الشامی) | ۱۲۵۲ھ |
| ۶۰۵ | فتاویٰ الشامی لابن عابدین | ۱۲۵۲ھ |
| ۶۰۶ | الفتح لربانی لاحمد عبدالرحمان النباء الساعاتی | ۱۳۵۱ھ |
| ۶۰۷ | فیض الباری حواشی صحیح البخاری از مولانا انور شاہ کشمیریؒ | ۱۳۵۲ھ |
| ۶۰۸ | مجمع البحار للشیخ محمد طاہر الفتنی | |
| ۶۰۹ | الآثار المرفوعہ از مولانا عبدالحیٔ لکھنوی | ۱۳۰۴ھ |
| ۶۱۰ | الرفع والتکمیل از مولانا عبدالحیٔ لکھنوی | ۱۳۰۴ھ |
| ۶۱۱ | اعلاء السنن از مولانا ظفر احمد عثمانی | |
| ۶۱۲ | مرأۃ العاشقین ملفوظات حضرت خواجہ اعلیٰ سیالوی | ۱۳۰۰ھ |

٦١٣ احکام شریعت از مولانا احمد رضا خان بریلوی ١٣٤٠ھ
٦١٤ فتاویٰ امدادیہ از حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ١٣٦٢ھ
٦١٥ شرح عقد الایمان فی معاویۃ بن ابی سفیان، مخطوطہ فی مکتبہ الاسدیہ، سوریا
٦١٦ کتاب الکامل لابن عدی
٦١٧ تاریخ یحییٰ بن معین
٦١٨ کتاب المجتبیٰ لابن درید
٦١٩ تہذیب وتلخیص ابن عساکر لابن بدران عبدالقادر
٦٢٠ بذل المجہود شرح ابی داود
٦٢١ تاج العروس شرح القاموس لعلامہ مرتضیٰ زبیدی
٦٢٢ مرأۃ الجنان للیافعی
٦٢٣ البیان المغرب فی اخبار المغرب لابن العذاری المراکشی
٦٢٤ الخطط للمقریزی
٦٢٥ محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ للخضری
٦٢٦ بلاد العرب لحسن بن عبداللہ الاصفہانی
٦٢٧ الفہرست لابن ندیم
٦٢٨ الاحکام السلطانیہ لابی الحسن الماوردی
٦٢٩ ادب الدنیا والدین لابی الحسن الماوردی
٦٣٠ کتاب المواعظ والاعتبار المقریزیہ
٦٣١ الکامل للمبرد
٦٣٢ لطائف المعارف لابی المنصور الثعالبی
٦٣٣ تذکرۃ الموضوعات للمقدسی
٦٣٤ کتاب الدیات لابی بکر احمد الشیبانی
٦٣٥ کتاب مناسک الحج واماکن طرق الحج
٦٣٦ مکتوبات شاہ عبدالعزیز دہلوی از ایوب قادری

۶۳۷ منتخب مکتوبات قدوسیہ للشیخ عبدالقدوس گنگوہی ۹۴۴ھ
۶۳۸ احکام القرآن از مولانا مفتی محمد شفیع کراچی
۶۳۹ مقام صحابہؓ از مولانا مفتی محمد شفیع کراچی
۶۴۰ الانتقاد علی تمدن الاسلامی از علامہ شبلی نعمانی
۶۴۱ مسند ابن جعد (الحسن علی بن الجعد بن عبید الجوہری) ۲۳۰ھ
۶۴۲ کتاب الاباطیل ابی عبداللہ الحسین بن ابراہیم الجوزقانی ۵۴۳ھ

# مصادرِ و مراجع از کتب شیعہ

۶۴۳ الامالی للشیخ ابی جعفر محمد بن حسن الطوسی ۴۶۰ھ
۶۴۴ شرح نہج البلاغہ للحدیدی۔ سن تالیف ۶۴۹ھ سن وفات ۶۵۶ھ
۶۴۵ منہاج الکرامہ فی اثبات الامامۃ لابن المطہر الحلی ۷۲۶ھ
۶۴۶ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب سید جمال الدین ابن عنبۃ ۸۲۸ھ
۶۴۷ بحار الانوار لملا باقر مجلسی ۱۱۱۱ھ
۶۴۸ جلاء العیون //
۶۴۹ درۂ نجفیہ شرح نہج البلاغہ (از شیخ ابراہیم بن حاجی حسین دنبلی) ۱۲۹۱ھ
۶۵۰ ناسخ التواریخ لمرزا محمد تقی لسان الملک ۱۲۹۷ھ
۶۵۱ تنقیح المقال للشیخ عبداللہ مامقانی ۱۳۰۰ھ
۶۵۲ منتہی الآمال از شیخ عباس قمی ۱۳۵۹ھ
۶۵۳ الفخری فی الآداب السلطانیۃ والدول الاسلامیہ از محمد بن علی بن طباطبا المعروف ابن الطقطقی
۶۵۴ مروج الذہب علامہ مسعودی
۶۵۵ التنبیہ والاشراف للمسعودی الشیعی ۳۴۰ھ
۶۵۶ الامالی الشیخ الصدوق (ابوجعفر محمد بن علی بن بابویہ القمی) ۳۸۱ھ طبع ایران
۶۵۷ کتاب الخصال للشیخ الصدوق (ابوجعفر محمد بن علی بن بابویہ القمی) ۳۸۱ھ

| | | |
|---|---|---|
| ۶۵۸ | نہج البلاغۃ از تالیفات شیخ سید شریف الرضی ابو الحسن محمد بن ابی احمد الحسین | ۴۰۴ھ طبع مصر |
| ۶۵۹ | تنزیہ الانبیاء۔ شیخ مرتضیٰ علم الھدیٰ | ۴۰۶ھ |
| ۶۶۰ | الارشاد للشیخ المفید (محمد بن النعمان المفید) | ۴۱۳ھ |
| ۶۶۱ | تھذیب الاحکام۔ لمحمد بن حسن بن علی الطوسی | ۴۶۰ھ |
| ۶۶۲ | کتاب الاستبصار | ۴۶۰ھ |
| ۶۶۳ | کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ بمع ترجمہ فارسی للشیخ علی بن عیسیٰ اربلی | ۶۸۷ھ تبریز۔ ایران |
| ۶۶۴ | حیات القلوب: از ملا باقر مجلسی | ۱۱۱۱ھ نول کشور۔ لکھنؤ |
| ۶۶۵ | الانوار النعمانیہ للشیخ نعمت اللہ الجزائری | ۱۱۱۲ھ طبع تبریز |
| ۶۶۶ | الشافی از السید مرتضیٰ علم الہدیٰ بمع تلخیص الشافی از شیخ ابوجعفر الطوسی | ۴۰۶ھ۔ طبع قدیم ایران |
| ۶۶۷ | الامالی للشیخ ابی جعفر محمد بن حسن شیخ الطائفہ الطوسی | ۴۶۰ھ نجف اشرف |
| ۶۶۸ | احتجاج طبرسی از شیخ ابومنصور احمد بن علی طبرسی | ۵۴۸ھ طبع قدیم ایران |
| ۶۶۹ | تفسیر مجمع البیان للطبرسی (الشیخ ابو علی الطبرسی) | ۵۴۸ھ |
| ۶۷۰ | المناقب للاخطب خوارزم الموفق بن احمد بن محمد البکری المکی۔ نجف اشرف عراق مکتبہ حیدریہ | ۵۶۸ھ |
| ۶۷۱ | مناقب ابن شہر آشوب۔ محمد بن علی بن شہر آشوب ماز ندرانی۔ طبع قدیم ہندوستان | ۵۸۸ھ |
| ۶۷۲ | شرح نہج البلاغۃ (حدیدی) ابو حامد عبدالحمید بن بہاء الدین محمد المدائنی ابن ابی الحدید، تاریخ تالیف ۶۴۹ھ، تاریخ وفات ۶۵۶ھ طبع ایران و بیروت۔ | |
| ۶۷۳ | شرح نہج البلاغہ لکمال الدین میثم بن علی بن میثم بحرانی ۶۷۹ھ طبع حیدریہ طہران۔ | |

| | | |
|---|---|---|
| ۶۷۴ | کشف الغمہ۔ علی بن عیسیٰ اربلی بمعہ ترجمہ فارسی ۶۸۷ھ تبریز۔ ایران | |
| ۶۷۵ | عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب از سید جمال الدین ابن عنبۃ طبع حیدریہ نجف اشرف، عراق۔ | ۸۲۸ھ |
| ۶۷۶ | شرح نہج البلاغہ وترجمہ از ملا فتح اللہ القاشانی | ۹۸۸ھ ایران |
| ۶۷۷ | مجمع الرجال، زکی الدین مولیٰ عنایۃ اللہ علی القہپائی (تاریخ تالیف) | ۱۰۱۶ھ |
| ۶۷۸ | احقاق الحق، قاضی نور اللہ شوستری مرعشی | ۱۰۱۹ھ در عہد جہانگیر مقتول شدہ۔ ایران |
| ۶۷۹ | مجالس المومنین قاضی نور اللہ شوستری | ۱۰۱۹ھ |
| ۶۸۰ | الصافی شرح اصول کافی ملا خلیل قزوینی، تاریخ تالیف | ۱۰۶۷ھ نول کشور لکھنؤ |
| ۶۸۱ | مرآۃ العقول شرح اصول کافی ملا محمد باقر مجلسی | ۱۱۱۰ھ |
| | | ۱۱۱۱ھ۔ ایران |
| ۶۸۲ | جلاء العیون ملا باقر مجلسی | ۱۱۱۱ھ۔ ایران |
| ۶۸۳ | حیات القلوب // //نول کشور لکھنؤ | |
| ۶۸۴ | حق الیقین // //لکھنؤ، ایران | |
| ۶۸۵ | بحار الانوار // //ایران | |
| ۶۸۶ | حملہ حیدری از مرزا رفیع باذل ایرانی۔ | ۱۱۱۹ھ |
| ۶۸۷ | شرح نہج البلاغۃ المعروف ''درۃ النجفیۃ'' از شیخ ابراہیم بن حاجی حسین الدنبلی | ۱۲۹۱ھ |
| ۶۸۸ | ناسخ التواریخ از مرزا محمد تقی لسان الملک وزیر اعظم ناصر الدین قاچار شاہ ایران | ۱۲۹۷ھ |
| ۶۸۹ | منتہی الآمال از شیخ عباس قمی | ۱۳۵۹ھ |
| ۶۹۰ | تتمۃ المنتہی // // | |

۶۹۱ تحفۃ الاحباب // //

۶۹۲ فوائد الرضویہ // //

۶۹۳ فارسی ترجمہ نہج البلاغہ از فیض الاسلام سید علی نقی۔ ۱۳۲۶ھ

۶۹۴ منار الہدیٰ (شیخ علی بحرانی)

۶۹۵ صحیفۂ علویہ

۶۹۶ حضرت عمر (سید علی حیدر بن علی اظہر)

۶۹۷ ماہیۃ معاویہ (احمد علی کربلائی)

۶۹۸ کلید مناظرہ (برکت علی گوشہ نشین)

۶۹۹ احتجاج طبرسی (شیخ احمد بن علی بن ابی طالب طبرسی) ۵۴۸ھ

۷۰۰ تفسیر مجمع البیان از الشیخ ابی علی الفضل بن الحسن الطبرسی ۵۴۸ھ

۷۰۱ مناقب، خطیب خوارزم ۵۶۸۔۵۷۱ھ

۷۰۲ کشف الغمۃ فی معرفۃ الائمہ (از علی بن عیسیٰ اردبیلی) ۶۰۷ھ

۷۰۳ جامع الرواۃ (از محمد بن علی اردبیلی) ۱۱۰۰ھ

۷۰۴ رجال تفرشی (از آقا میر مصطفےٰ تفرشی) ۱۰۱۵ھ

۷۰۵ تفسیر الصافی از محمد بن المرتضیٰ المحسن الملقب بالفیض کاشانی۔

قرن حادی عشر

۷۰۶ منتہی المقال فی اسماء الرجال از محمد بن اسمٰعیل ابو علی۔

۷۰۷ ملخص المقال فی تحقیق احوال الرجال از ابراہیم بن الحسین بن علی بن الغفار الدنبلی ۱۲۷۷ھ

۷۰۸ روضات الجنات فی احوال العلماء والسادات۔ از میرزا محمد باقر موسوی ۱۲۸۷ھ

۷۰۹ ینابیع المودۃ للشیخ سلیمان قندوزی۔ طبع بیروت، سن تالیف ۱۲۹ھ

۷۱۰ تحفۃ الاحباب فی نوادر آثار الاصحاب للشیخ عباس قمی ۱۳۵۹ھ

۷۱۱ رجال مامقانی تنقیح المقال (از شیخ عبداللہ مامقانی) ۱۳ صدی سیز دہم

۷۱۲ عبقات الانوار (از میر حامد حسین لکھنوی) صدی سیز دہم

۷۱۳ کتاب فلک النجاۃ (از مولوی علی محمد شیعی و حکیم امیر دین شیعی جھنگوی) ۱۴۰۰ھ
۷۱۴ اخبار الطوال للدینوری، ابی حنیفہ احمد بن داؤد ۲۸۲ھ
۷۱۵ قرب الاسناد (عبداللہ بن جعفر الحمیری ابوالعباس القمی) (قرن الثالث)
۷۱۶ اصول کافی (محمد بن یعقوب کلینی رازی) ۳۲۹ھ
۷۱۷ فروع کافی (// //) ۳۲۹ھ
۷۱۸ مروج الذہب لابی الحسن علی بن الحسین بن علی المسعودی ۳۴۶ھ
۷۱۹ علل الشرائع۔ (شیخ صدوق ابوجعفر محمد بن علی بن بابویہ القمی) ۳۸۱ھ
۷۲۰ معانی الاخبار (// //) ۳۸۱ھ
۷۲۱ رجال کشی (ابوعمرو محمد بن عمر بن عبدالعزیز الکشی) (قرن رابع)
۷۲۲ نہج البلاغہ متن (شیخ سید شریف الرضی ابوالحسن محمد بن ابی احمد الحسین) ۴۰۴ھ
۷۲۳ تنزیہ الانبیاء (سید مرتضیٰ علم الہدیٰ) ۴۰۶ھ
۷۲۴ کتاب الشافی (// //) معہ تلخیص الشافی للطوسی ۴۰۶ھ
۷۲۵ ارشاد شیخ مفید۔ (محمد بن نعمان المفید) ۴۱۳ھ
۷۲۶ الامالی (شیخ ابوجعفر محمد بن حسن شیخ الطائفہ) ۴۶۰ھ
۷۲۷ تہذیب الاحکام۔ شیخ ابوجعفر محمد بن حسن الطوسی ۴۶۰ھ
۷۲۸ الاستیصار // // ۴۶۰ھ
۷۲۹ مناقب خوارزمی (اخطب خوارزم الموفق بن احمد بن محمد البکری المکی) ۵۶۸ھ
۷۳۰ شرح نہج البلاغہ حدیدی (ابوحامد عبدالحمید بن بہاؤالدین محمد المدائنی بن ابی الحدید) ۶۵۶ھ
۷۳۱ شرح نہج البلاغہ (کمال الدین میثم بن علی بن میثم بحرانی) ۶۷۹ھ
۷۳۲ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب (سید جمال الدین ابن عنبہ) ۸۲۸ھ
۷۳۳ معالم الاصول (شیخ جمال الدین ابومنصور حسن بن زین الدین) ۱۰۱۱ھ
۷۳۴ احقاق الحق (قاضی نوراللہ شوستری مرعشی) ۱۰۱۹ھ
۷۳۵ جلاء العیون (// //) ۱۱۱۱ھ

| | | |
|---|---|---|
| ۷۳۶ | حیات القلوب (〃 〃) | ۱۱۱۱ھ |
| ۷۳۷ | حق الیقین (ملا باقر مجلسی) | ۱۱۱۱ھ |
| ۷۳۸ | الدرۃ النجفیہ شرح نہج البلاغہ (شیخ ابراہیم بن حاجی حسین الدنبلی) | ۱۲۹۱ھ |
| ۷۳۹ | ناسخ التواریخ (مرزا محمد تقی لسان الملک) ۱۴ جلد | ۱۲۹۷ھ |
| ۷۴۰ | تاریخ طراز مذہب مظفری | صدی سیزدہم |
| ۷۴۱ | تنقیح المقال (عبداللہ المامقانی) | 〃 〃 |
| ۷۴۲ | تتمہ المنتہی (شیخ عباس القمی) | ۱۳۵۹ھ |
| ۷۴۳ | تحفۃ الاحباب (〃 〃) | ۱۳۵۹ھ |
| ۷۴۴ | شرح نہج البلاغۃ (ترجمہ فارسی) فیض الاسلام سید علی نقی ۔سن تالیف | ۱۳۶۲ھ |
| ۷۴۵ | ترجمہ مصائب النواصب (فارسی) مصنف قاضی نور اللہ، | ۱۳۳۴ھ |
| ۷۴۶ | مترجم مرزا محمد علی رشتی | ۱۳۳۴ھ |
| ۷۴۷ | کتاب سلیم بن قیس الہلالی العامری الکوفی، توفی قریباً ۹۰ھ ۔مطبع حیدریہ۔ نجف اشرف عراق | |
| ۷۴۸ | تاریخ یعقوبی (احمد بن ابی یعقوب بن جعفر الکاتب العباسی | ۲۵۸ھ ۲۵۱ھ۔طبع جدید بیروت |
| ۷۴۹ | فرق والشیعہ (ابومحمد الحسن بن موسیٰ النوبختی) من علماء القرن الثالث طبع عراق | |
| ۷۵۰ | مقاتل الطالبیین (ابوالفرج اصفہانی صاحب الاغانی) تالیف ۔ | ۳۱۳ھ التوفی ۳۵۶ھ۔طبع ایران |
| ۷۵۱ | تفسیر القمی، علی بن ابراہیم القمی ۔کان فی عصر الامام العسکری | ۳۰۷ طبع ایران |
| ۷۵۲ | اصول کافی وفروع کافی مکمل، محمد بن یعقوب کلینی رازی | ۳۲۹ھ نول کشور لکھنؤ |
| ۷۵۳ | کتاب الروضہ من الکافی از محمد بن یعقوب کلینی رازی | ۳۲۹ھ |

| | | |
|---|---|---|
| ۷۵۴ | التنبیہ والاشراف، للمسعودی | ۳۴۵ھ |
| ۷۵۵ | امالی شیخ صدوق ابوجعفر محمد بن علی بن بابویہ القمی | ۳۸۱ھ طبع ایران |
| ۷۵۶ | علل الشرائع للشیخ الصدوق (〃 〃) | ۳۸۱ھ طبع جدید نجف عراق |
| ۷۵۷ | معانی الاخبار شیخ صدوق (〃 〃) | ۳۸۱ھ طبع قدیم ایران |
| ۷۵۸ | نہج البلاغہ از تالیف شیخ سید شریف الرضی ابوالحسن محمد بن ابی احمد الحسین | ۴۰۴ھ مصری |
| ۷۵۹ | (نقیب الطالبین) الارشاد للشیخ المفید (محمد بن النعمان المفید) | ۴۱۳ھ |
| ۷۶۰ | منتہی المقال لابی علی | ۱۲۰۰ھ |
| ۷۶۱ | تنقیح المقال لعبد اللہ مامقانی | ۱۳۰۰ھ |
| ۷۶۲ | تحفۃ العوام حاجی حسن بن علی الشیعی | |
| ۷۶۳ | منتخب التواریخ از محمد ہاشم الخراسانی | ۱۳۵۲ھ |
| ۷۶۴ | بصائر الدرجات للشیخ محمد بن حسن الصفار | ۲۹۰ھ |
| ۷۶۵ | روضات الجنات (محمد باقر مرزا الخوانساری) تاریخ تالیف | ۱۲۸۷ھ |
| ۷۶۶ | مقاتل الطالبین لابی الفرج الاصفہانی الشیعی | ۳۵۶ھ |
| ۷۶۷ | تاریخ الفخری (محمد بن علی بن طاطبا (ابن طقطقی) الشیعی تالیف) | ۷۰۱ھ |
| ۷۶۸ | منتخب التواریخ از محمد ہاشم خراسانی الشیعی | ۱۳۵۲ھ |
| ۷۶۹ | کتاب البلدان للیعقوبی (〃 〃) | (〃 〃) |
| ۷۷۰ | الاخبار الطوال للدینوری (احمد بن داؤد ابی حنفیہ) | ۲۸۲ھ |
| ۷۷۱ | فرق الشیعہ لابی محمد حسن بن موسیٰ نوبختی (من علماء قرن الثالث) | |
| ۷۷۲ | رسالہ قرب الاسناد لعبد اللہ بن جعفر الحمیری (من علماء قرن الثالث) | |
| ۷۷۳ | مقاتل الطالبین لابی الفرج الاصفہانی | سن وفات ۳۵۶ھ |
| ۷۷۴ | تاریخ یعقوبی لاحمد بن ابی یعقوب بن جعفر الکاتب العباسی | ۲۸۵/۲۵۹ھ |
| ۷۷۵ | مقاتل الطالبین لابی الفرج علی بن الحسین بن محمد اصفہانی صاحب | ۳۵۶ھ |

| | | |
|---|---|---|
| ۷۷۶ | الاغانی | ۳۱۳ھ |
| ۷۷۷ | رجال کشی، ابوعمرو محمد بن عمر بن عبدالعزیز الکشی | القرن الرابع |
| ۷۷۸ | نہج البلاغۃ تالیف شیخ سید شریف الرضی ابوالحسن محمد بن ابی احمد الحسین | ۴۰۴ھ |
| ۷۷۹ | کتاب الارشاد للشیخ محمد بن نعمان المفید (الشیخ المفید) | ۴۱۳ھ |
| ۷۸۰ | تلخیص الشافی للشیخ ابی جعفر محمد بن حسن شیخ الطائفہ الطوسی | ۴۶۰ھ |
| ۷۸۱ | الامالی // // | ۴۶۰ھ |
| ۷۸۲ | احتجاج طبرسی للشیخ ابومنصور احمد بن علی الطبرسی | ۵۴۸ھ |
| ۷۸۳ | شرح نہج البلاغۃ (حدیدی) ابوحامد عبدالحمید بہاء الدین محمد | ۶۵۶ھ |
| ۷۸۴ | المدائنی ابن ابی الحدید | |
| ۷۸۵ | جلاء العیون لملا محمد باقر المجلسی | ۱۱۱۱/۱۱۱۰ھ |
| ۷۸۶ | بحار الانوار // // | ۱۱۱۱/۱۱۱۰ھ |
| ۷۸۷ | ناسخ التواریخ از مرزا محمد تقی لسان الملک وزیر اعظم ناصرالدین قاچار شاہ ایران | ۱۲۹۷ھ |
| ۷۸۸ | منتہی الامال للشیخ عباس القمی | ۱۳۵۹ھ |
| ۷۸۹ | تتمۃ منتہی الامال | ۱۳۵۹ھ |
| ۷۹۰ | اخبار الطوال۔ لاحمد بن داؤد ابی حنیفہ الدینوری الشیعی | ۲۸۲ھ |
| ۷۹۱ | بصائر الدرجات۔ للشیخ ابی جعفر محمد بن حسن الصفار الشیعی | ۲۹۰ھ |
| ۷۹۲ | قرب الاسناد۔ لعبداللہ بن جعفر الحمیری من اصحاب حسن العسکری | قرنِ ثالث |
| ۷۹۳ | جعفریات ملحقہ بہ قرب الاسناد۔ لابی علی محمد بن محمد بن الاشعث الکوفی | قرنِ ثالث |
| ۷۹۴ | تفسیر القمی۔ لعلی بن ابراہیم القمی کان فی عصر الامام العسکری | ۳۰۷ھ |
| ۷۹۵ | مقاتل الطالبین۔ لابی الفرج علی بن الحسین بن محمد الاصفہانی متوفی | ۳۵۶ھ |
| ۷۹۶ | علل الشرائع۔ للشیخ صدوق ابی جعفر محمد بن علی بن الحسین بن موسیٰ ابن بابویہ القمی | ۳۸۱ھ |

| | | |
|---|---|---|
| ۷۹۷ | کتاب معانی الاخیار۔ للشیخ صدوق ابی جعفر محمد بن علی بن الحسین بن موسیٰ ابن بابویہ القمی | ۳۸۱ھ |
| ۷۹۸ | کتاب الشافی معہ تلخیص شافی۔ للسید مرتضیٰ علم الہدی | ۴۰۶ھ |
| ۷۹۹ | کتاب الارشاد۔ للشیخ محمد بن نعمان المفید (الشیخ المفید) | ۴۱۳ھ |
| ۸۰۰ | الاستبصار۔ للشیخ ابی جعفر الطوسی (محمد بن حسن) | ۴۶۰ھ |
| ۸۰۱ | الامالی۔ للشیخ ابی جعفر محمد بن حسن شیخ الطائفہ الطوسی | ۴۶۰ھ |
| ۸۰۲ | تہذیب الاحکام۔ لابی جعفر محمد بن حسن الطوسی | ۴۶۰ھ |
| ۸۰۳ | تاریخ یعقوبی احمد بن ابی یعقوب بن جعفر الکاتب العباسی | ۲۵۸ھ ۲۵۶ھ طبع جدید |
| ۸۰۴ | عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب۔ للسید جمال الدین ابن عنبۃ | ۸۲۸ھ |
| ۸۰۵ | بحار الانوار۔ لمحمد باقر بن محمد تقی المجلسی | ۱۱۱۰ھ |
| ۸۰۶ | جلاء العیون۔ لمحمد باقر بن محمد تقی المجلس | // |
| ۸۰۷ | حیاتَ القلوب۔ از ملا محمد باقر بن محمد تقی المجلسی | // |
| ۸۰۸ | حق الیقین۔ از ملا محمد باقر بن محمد تقی المجلسی | // |
| ۸۰۹ | تفسیر الصافی۔ لمحمد بن المرتضیٰ المحسن المقلب بالفیض کاشانی (قرن حادی عشر) | ۱۲۹۱ھ |
| ۸۱۰ | الدرۃ النجفۃ (شرح نہج البلاغۃ) للشیخ ابراہیم بن حاجی حسین الدنبلی | ۱۲۹۱ھ |
| ۸۱۱ | ناسخ التواریخ۔ از لسان الملک میرزا محمد تقی وزیر اعظم سلطان ناصر الدین قاچار ایران | ۱۲۹۷ھ |
| ۸۱۲ | اخبار ماتم۔ تالیف محمد حسین بن محمد علی (مطبوعہ رامپور) تالیف | ۱۲۸۵ھ |
| ۸۱۳ | سیرت امیر المومنین علیہ السلام۔ از مفتی جعفر حسین الشیعی (آف گوجرانوالہ) | قرن رابع عشر |

ناظرین کرام!

یہ طویل فہرست ہم نے یہاں بے معنیٰ پیش نہیں کی بلکہ یہ دعوتِ تدبیر دے رہی ہے اور خصوصاً علماء

و محققین کے لیے اس میں بہت بڑا اسبق ہے کہ صحیح معنوں میں خدمتِ دین اور اشاعتِ علم کے لیے کس قدر جگر کاوی کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ سینکڑوں کتابوں کی فہرست ہے جس میں مجموعی طور پہ درجن بھر فارسی، ایک آدھ اردو اور باقی کل کی کل عربی میں ہیں، کاتب السطور نے بچشمِ خود لائبریری میں جا کر ان کتابوں کا مشاہدہ کیا، کئی کئی مجلدات پر مشتمل کتابیں اور پھر ہر کتاب کے پہلے صفحہ پر ضروری نوٹ و حوالہ جات نیز دوسرے مقامات کی عبارات سے تقابل اور نتائج کا اندراج مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے وسعت مطالعہ اور سُرعتِ تحریر کا پتہ دے رہا ہے۔ یہاں تک کہ کئی ایک صفحات پر خوشخط قلم سے کتابت کی اغلاط کی تصحیح بلکہ مصنف کے تسامحات تک کی نشاندہی کی گئی ہے۔ یہ چیز جہاں علماء کرام اور محققین کے لیے باعث فخر، قابل تقلید اور بے مثل نمونہ ہے، وہاں ان نام نہاد مصنفین و مؤلفین کے لیے درس عبرت بھی ہے کہ جو اصل کتابوں تک رسائی حاصل کرنا تو کجا انھوں نے ان کتابوں کو کبھی دیکھا تک نہیں، مگر وہ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی کتب سے آپ کا حوالہ دیئے بغیر مذکورہ اقتباسات پورے کے پورے اٹھا کر اپنی کتب میں شامل کر دیتے ہیں، ان حرکات شنیعہ اور افعال قبیحہ سے خود کو محقق یا عالم منوانا آسان ہوتا تو علم کی رونقیں کب کی ماند پڑ گئی ہوتیں اور علماء حق و تحقیق کا کہیں نام نہ ہوتا، مگر علم چونکہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور انبیاء علیہم السلام کی میراث ہے، اس لیے اس میں خیانت کرنے والے اور دوسروں کی محنت کو اپنے کھاتے میں ڈالنے والے زیادہ دیر تک لوگوں کی آنکھوں میں دھول نہیں جھونک سکتے اور بالآخر ان کی نقاب کشائی ہو کر رہتی ہے۔

# باب نمبر8

# مناظرے ومباحثے اور مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے تجربات

- ......مناظرہ چک رجوعہ......فروری ۱۹۴۹ء
- ......مناظرہ چک تارڑ......دسمبر ۱۹۴۹ء
- ......مناظرہ کوٹ چُغَطّہ، ضلع سرگودھا......جنوری ۱۹۵۲ء
- ......مناظرہ سلّو لکے......مارچ ۱۹۵۳ء
- ......مناظرہ چک رشیدہ......جولائی ۱۹۵۴ء
- ......مناظرہ کالووال......جون ۱۹۵۵ء
- ......مناظرہ موضع بیروالا......جولائی ۱۹۵۵ء
- ......مناظرہ منڈی پھلروان......اگست ۱۹۵۵ء
- ......تاریخی مناظرہ جھوک دایہ......ستمبر ۱۹۵۵ء

# مناظرہ ومباحثہ اور مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے تجربات

مناظرہ و مباحثہ بھی وعظ وتقریر کی طرح اشاعتِ حق کا ایک پُر اثر ذریعہ رہا ہے۔ اہل حق نے ہمیشہ باطل کے اوہام و وساوس کا توڑ مجمع عام میں دلائل و براہین کے ساتھ کیا ہے۔ مگر اس میں شائستگی، قوت برداشت، منصفانہ طبیعت، اخلاقیات، اور متانت وسنجیدگی کا ہونا بہت ضروری ہے۔ اور یہ ذریعہ بھی ایک آخری حربے کے طور پر اکابرین امت نے استعمال کیا ہے، ورنہ وعظ ونصیحت اور اصلاحی تقاریر وحسن کردار سے بہتر کوئی چیز لوگوں کو حق کے قریب نہیں کرتی۔ قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کے جہاں دعوتی نمونے جا بجا موجود ہیں وہاں مناظرانہ ماحول کی کیفیات کا ذکر بھی ہے۔ پارہ نمبر ۳ آیت نمبر ۲۵۸ سورۃ البقرۃ میں نمرود کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ مباحثے کا ذکر ہے اس کے تحت مفسرین نے مباحثے کا بوقت ضرورت جواز بھی لکھا ہے اور طریقۂ مباحثہ بھی، علاوہ ازیں اس ضمن میں ہم دو قرآنی مثالیں پیش کر کے آگے بڑھتے ہیں۔

## پیغمبرانہ مناظرہ کا ایک نمونہ اور مناظرے کے مؤثر آداب!

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام دعوت وتبلیغ کے سلسلہ میں جہد مسلسل سے گزر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرعون کے دربار میں جا کر فریضۂ رسالت کی ادائیگی کر رہے تھے تو ایک دن فرعون نے کہا:

قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيدًا وَلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سنين۔ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِىْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ من الكافرين۔

”فرعون نے کہا کیا ہم نے تجھے اپنے ہاں بچپن میں نہیں پالا اور زندگی کے کئی برس تو ہمارے درمیان نہیں رہا؟ اور اب تو وہ عمل کر گیا جو کر گیا، اور تو تو ناشکرا ہے۔“

اس سے اگلی آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کا جواب پیش کرتے ہیں، اُن پیغمبرانہ جوابات میں امت کے اہل علم کے لیے بحث ومناظرہ کے جو آداب ملتے ہیں، وہ قابل غور اور قابل عمل ہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں انہی آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''دو مختلف الخیال شخصوں اور جماعتوں میں نظریاتی بحث و مباحثہ، جس کو اصطلاح میں مناظرہ کہا جاتا ہے، زمانۂ قدیم سے رائج ہے۔ مگر عام طور پر مناظرہ ایک ہار جیت کا کھیل ہو کر رہ گیا ہے۔ لوگوں کی نظر میں مناظرہ کا حاصل اتنا ہی ہے کہ اپنی بات اونچی ہو، چاہے اس کی غلطی خود بھی معلوم ہو چکی ہو، اس کو صحیح اور قوی ثابت کرنے کے لیے دلائل اور ذہانت کا سارا زور خرچ کیا جائے۔ اسی طرح مخالف کی کوئی بات سچی اور صحیح بھی ہو تو بہرحال ردّ ہی کرنا اور اس کی تردید میں پوری توانائی صرف کرنا ہے۔ اسلام ہی نے اس کام میں خاص اعتدال پیدا کیا ہے، اس کے اصول و قواعد اور حدود متعین کر کے اس کو ایک مفید موثر آلۂ تبلیغ و اصلاح بنایا ہے آیاتِ مذکورہ میں اس کا ایک مختصر سا نمونہ ملاحظہ فرمایئے۔ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام نے جب فرعون جیسے جبار خدائی کے مدعی کو اس کے دربار میں دعوتِ حق پہنچائی تو اس نے مخالفانہ بحث کا آغاز اول دو ایسی باتوں سے کیا جن کا تعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ذات سے تھا، جیسے ہوشیار مخالف عموماً جب اصل بات کے جواب پر قادر نہیں ہوتا تو مخاطب کی ذاتی کمزوریاں ڈھونڈتا اور بیان کیا کرتا ہے تاکہ وہ کچھ شرمندہ ہو جائے اور لوگوں میں اس کی ہوا اُکھڑ جائے۔ یہاں بھی فرعون نے دو باتیں کیں۔ اول تو یہ کہ تم ہمارے پروردہ ہمارے گھر میں پل کر جوان ہوئے ہو، ہم نے تم پر احسانات کیے ہیں، تمہاری کیا مجال ہے کہ ہمارے سامنے بولو۔ دوسری بات یہ ہے کہ تم نے ایک قبطی شخص کو بلاوجہ قتل کر ڈالا ہے جو علاوہ ظلم حق ناشناسی اور ناشکری بھی ہے کہ جس قوم میں پلے اور جوان ہوئے اُسی کے آدمی کو مار ڈالا؟ اس کے بالمقابل حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیغمبرانہ جواب دیکھئے کہ اول تو جواب میں سوال کی ترتیب کو بدلا، یعنی قبطی کے قتل کا حصہ جو فرعون نے بعد میں بیان کیا تھا اس کا جواب پہلے آیا اور خانہ پرورده ہونے کے احسان کا ذکر جو پہلے کیا تھا اس کا جواب بعد میں۔ اس ترتیب بدلنے میں حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ واقعہ قبطی میں اپنی ایک کمزوری ضرور واقع ہوئی تھی، آج کل کے مناظروں کے طرز پر تو ایسی چیز کے ذکر ہی کو رَلا مِلا دیا جاتا ہے اور دوسری باتوں کی طرف پھیرنے کی کوشش کی جاتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کے رسول نے اسی کے جواب کو اوّلیت دی۔ اور جواب بھی فی الجملہ اعترافِ کمزوری کے ساتھ دیا، اس کی قطعاً پرواہ نہ کی کہ مخالف لوگ کہیں گے کہ انھوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کر کے ہار مان لی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے جواب میں اس کا تو اعتراف کر لیا کہ اس قتل میں مجھ سے غلطی اور خطاء ہوگئی، مگر ساتھ ہی اس حقیقت کو بھی واضح کر دیا کہ یہ غلطی قصداً نہیں تھی ایک صحیح اقدام تھا جو اتفاقاً غلط انجام پر پہنچ گیا کہ مقصد تو قبطی کو اسرائیلی شخص پر ظلم سے روکنا تھا اسی قصد سے اس کو ایک ضرب لگائی تھی اتفاقاً وہ اسی سے مر گیا، اس لیے یہ فعل خطاء ہونے کے باوجود ہمارے اصل معاملہ یعنی نبوت کے دعوے اور اس کی حقانیت پر کوئی اثر نہیں ڈالتا۔ مجھے اس غلطی پر تنبہ ہوا اور قانونی گرفت کے خوف سے شہر سے نکل گیا۔ اللہ تعالیٰ نے پھر کرم فرمایا اور نبوت و رسالت سے سرفراز

فرما دیا۔ غور کیجئے کہ اس وقت دشمن کے مقابلہ میں موسیٰ علیہ السلام کا سیدھا صاف جواب یہ تھا کہ مقتول قبطی کو واجب القتل ثابت کرتے، اس پر ایسے الزامات لگاتے، جس سے اس کا واجب القتل ہونا ثابت ہوتا، کوئی دوسرا آدمی تکذیب کرنے والا بھی وہاں موجود نہ تھا جس سے تردید کا اندیشہ ہوتا۔ اور اس جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوا کوئی دوسرا آدمی ہوتا تو اس کا جواب اس کے سوا کچھ نہ ہوتا مگر وہاں تو خدا تعالیٰ کا ایک اولو العزم رسول، صدقِ مجسم تھا جو حق وصدق اور حقیقت کے اظہار ہی کو اپنی فتح سمجھتا تھا، دشمن کے بھرے دربار میں اپنی خطاء کا اعتراف بھی کرلیا۔ اور اس سے جو نبوت و رسالت پر شبہ ہوسکتا تھا اس کا جواب بھی دے دیا۔ اس کے بعد پہلی بات یعنی خانۂ پرورده ہونے کے احسان جتلانے کے جواب کی طرف توجہ فرمائی تو اس کے اس ظاہری احسان کی اصل حقیقت کی طرف توجہ دلا دی کہ ذرا سوچو، میں کہاں اور دربارِ فرعون کہاں؟ میری پرورش تمہارے گھر میں ہونے کے سبب پر غور کرو تو یہ حقیقت کھل جائے گی کہ تم جو پوری قوم بنی اسرائیل پر خلافِ انسانیت ظلم توڑ رہے تھے کہ ان کے بے گناہ معصوم لڑکوں کو قتل کر دیتے تھے، بظاہر تو تمہارے اس ظلم وستم سے بچنے کے لیے میری والدہ نے مجھے دریا میں ڈالا اور تم نے اتفاقی طور پر میرا تابوت دریا سے نکال کر گھر میں رکھ لیا اور حقیقتاً یہ اللہ تعالیٰ کا حکیمانہ انتظام اور تمہارے ظلم کی غیبی سزا تھی کہ جس بچے کے خطرہ سے بچنے کے لیے تم نے ہزاروں بچے قتل کر ڈالے تھے، قدرت نے اس بچے کو تمہارے ہی ہاتھوں پلوایا۔ اب سوچو کہ یہ میری پرورش تمہارا کیا احسان تھا؟ اس پیغمبرانہ طرز جواب کا یہ اثر تو طبعی اور عقلی طور پر حاضرین پر ہونا ہی تھا کہ یہ بزرگ کوئی بات بنانے والے نہیں...... سچ کے سوا کچھ نہیں کہتے۔ اس کے بعد جب معجزات دیکھے تو اور تصدیق ہوگئی، اور گو اقرار نہیں کیا مگر مرعوب اتنا ہوگیا کہ یہ صرف دو آدمی، جن کے آگے پیچھے کوئی تیسرا مددگار نہیں، دربار سارا اُس کا، شہر اور ملک اُس کا، مگر یہ خوف اس پر طاری ہے کہ یہ دو آدمی ہمیں اپنے ملک ومملکت سے نکال دیں گے۔ یہ ہوتا ہے خداداد رُعب اور صدق وحق اور سچائی کی ہیبت! حضرات انبیاء علیہم السلام کے مجادلات و مناظرات بھی صدق وسچائی اور مخاطب کے دینی خیر خواہی کے جذبات سے پُر ہوتے ہیں۔ وہی دلوں میں گھر کرتے ہیں اور بڑے بڑے سرکشوں کو رام کر لیتے ہیں۔" [1]

## اختلافی مباحث میں گفتگو کے آداب!

اصحاب کہف کی تعداد کے متعلق جب نصاریٰ کے بعض گروہوں ملکانیہ، یعقوبیہ اور نسطوریہ وغیرہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مباحثہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے پارہ نمبر ۱۵ سورۃ الکہف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی اس

[1] مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ، رتفسیر معارف القرآن رمطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی رجلد ششم رصفحہ نمبر ۵۱۸۔

کا جواب بتایا، یہاں اس کی تفصیل مقصود نہیں، اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو طویل بحثوں میں قرینہ گفتگو بتا کر پوری امت کے علماء دین کی راہنمائی کی، چنانچہ حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

''ان دونوں جملوں میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تعلیم دی گئی ہے وہ درحقیقت علماء امت کے لیے اہم رہنما اصول ہیں کہ جب کسی مسئلہ میں اختلاف پیش آئے تو جس قدر ضروری بات ہے اس کو واضح کر کے بیان کر دیا جائے اس کے بعد بھی لوگ غیر ضروری بحث میں اُلجھیں تو ان کے ساتھ سرسری گفتگو کر کے بحث ختم کر دی جائے۔ اپنے دعوے کے اثبات میں کاوش اور ان کی بات کی تردید میں بہت زور لگانے سے گریز کیا جائے کہ اس کا کوئی خاص فائدہ تو ہے نہیں، مزید بحث وتکرار میں وقت کی اضاعت بھی ہے اور باہم تلخی پیدا ہونے کا خطرہ بھی۔'' ❶

## اس زمانہ میں مناظرہ حقیقی نہیں ہوتا:

اب تو عدم برداشت اور متشددانہ طبائع کی وجہ سے اہل حق کئی سال پہلے سے مناظرہ کے نام سے ہی دور رہنے لگے ہیں، چنانچہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے اپنے ایک مسترشد کو لکھا تھا:

''اخلاص اور سچی ہمدردی کو ہاتھ سے نہ جانے دیجیے، مجادلات اور فضول بکواس سے حتیٰ الوسع اجتناب فرمائیں، اس زمانہ میں مناظرہ حقیقی نہیں ہوتا، نفس پرستی اور خودنمائی مقصود ہوتی ہے۔ کہہ دیجیے کہ ہم نے حق بات ظاہر کر دی، ہمارا فریضہ صرف تبلیغ اور واضح کر دینا ہے، ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے۔ ہاں اگر سخت حاجت پیش آجائے تو اولاً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیجیے۔ اس سے استمدادِ باطنی کے بعد میدانِ مناظرہ میں قدم رکھیے۔ مگر اس کی بے نیازی سے مطمئن نہ ہو جائے ''وَلَوْشَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ'' کو کبھی ذہن سے نہ نکالیے، ہدایت اور اضلال دونوں اس کے اختیار میں ہیں۔'' ❷

## مناظروں کا حضرتِ تھانوی رحمہ اللہ پر اثر:

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا ملفوظ ہے کہ:

''جب میں سنتا ہوں کہ کسی مناظرہ میں اہل بدعت کے مقابلہ میں اپنی جماعت غالب آگئی، تب بھی صدمہ ہوتا ہے کہ عوام کیا کہتے ہوں گے کہ مولوی آپس میں لڑ رہے ہیں، ایسے مناظروں سے عوام کو بہت ضرر پہنچتا ہے۔ مناظروں اور جوابی رسالوں نے اہل باطل کو بہت فروغ دے دیا ہے ورنہ اگر بے پروائی برتی جاتی

---

❶ ایضاً، جلد پنجم رص نمبر ۵۸۰۔

❷ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ رسلوک وطریقت رمرتبہ مولانا حمید الدین رشیدیؒ رصفحہ نمبر ۲۵۳۔

اور ان کے رد کی جانب کچھ التفات ہی نہ کیا جاتا تو ان کو اتنی اہمیت حاصل نہ ہوتی جتنی اب حاصل ہوگئی ہے، مناظروں سے تو اہل باطل کو اور زیادہ فروغ ہوتا ہے اور نتیجہ کچھ نہیں۔ البتہ اہل باطل کا اثر مٹانے کے لیے حق کی تقریر و اشاعت بار بار اور جا بجا کرنا البتہ نافع ہے۔"[1]

یاد رہے کہ یہاں ان مناظروں پر بات ہو رہی ہے جو غیر علمی، غیر سنجیدہ اور مکابرہ و مجادلہ کا روپ دھار لیتے ہیں، وگرنہ انبیاء علیہم السلام کے زمانہ سے لے کر اب تک اہل حق میں سے مخصوص افراد ضرور ایسے موجود رہتے ہیں، جو ٹھوس علمی بنیادوں پر حق کا دفاع کرتے ہیں۔ مجموعی اعتبار سے اہل حق کو دعوت و تبلیغ سے زیادہ کوئی چیز موافق نہیں آتی۔ پاکستان ہی کی تاریخ کو لے لیجیے، یہاں پر اہل سنت کے تین بڑے مسالک میں سے دیوبند مکتبہ فکر کو ذمہ دار اور مہذب گروہ مانا جاتا ہے۔ مدارس و مساجد اور خانقاہی نظام کے ذریعہ یہ امت کے پہلے لوگوں کے آثار و مزاج پہ چل رہے ہیں، اس کے برعکس دوسرے مسالک کو مناظروں کی چیلنج بازی اور دوسروں کو نیچا دکھانے کی بے جا و بے محل تعلی لے ڈوبی، باوجود اس کے علماء اہل سنت نے بامر مجبوری ہی مباحثوں کے میدان میں قدم رکھے، اور اس کے خاطر خواہ نتائج بھی سامنے آئے، مگر اپنے فکری اعتدال، امن ساز طبیعت، اور نفرت سوز مزاج کی بناء پر طبعاً یہ اس فن سے نفور ہی رہے۔ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کو بھی اس فن میں کمال ملکہ حاصل تھا، بلکہ آپ نے مناظروں میں صدر مناظر کے فرائض سرانجام دیئے، بعض میں معاونِ مناظر اور بعض میں خود مناظرے کیے، لیکن آپ نے بھی بہت جلد محسوس فرما لیا کہ مناظرہ کی بجائے، تصنیف، تدریس اور وعظ و نصیحت کو ہی زیادہ سے زیادہ وقت دیا جائے، آپ کا یہ فیصلہ نہایت کارآمد ثابت ہوا اور آنے والے وقتوں نے ثابت کر دیا کہ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ تصنیف و تالیف میں کس قدر نافع نکلے...... مناظروں اور مباحثوں کی طویل و عریض اور مبالغہ آمیز روداد وں کی بجائے ہم آپ کی ڈائری پر ہی اکتفاء کرتے ہیں، جو آپ کے اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی ہے۔ ان میں مناظروں کی داستان بھی ہے اور اس کے نتائج کے اثرات و تجربات بھی بہ دست نافع درج ہیں۔ ظاہری اعتبار سے یہ روداد شاید پڑھنے والوں کے لیے غیر متوقع ثابت ہو، مگر استقلال و استقامت اور دینِ اسلام کی مخلصانہ خدمت کرنے والوں کو ایک ایک سطر سے کئی کئی پہلو نظر آتے چلے جائیں گے۔ ان شاء اللہ

## (۱) مناظرہ چک رجوعہ، فروری ۱۹۴۹ء:

یہ مناظرہ ۱۴ فروری ۱۹۴۹ء کو چک رجوعہ میں منعقد ہوا، اس مناظرہ کی روداد مولانا رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

---

[1] خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ / اشرف السوانح / مطبوعہ ملتان / جلد ۳ / ص ۲۲۰۔

''روافضِ رجوعہ (مثلاً غلام حسن شاہ وغیرہ) نے عوام کو تنگ کیا، اس پر مدافعانہ جوابی طور پر حضرت سجادہ نشین صاحب [1] بمع چند علماء چک رجوعہ ''پہلوان کے'' منگل کی رات کو پہنچے۔ روافض کچھ ٹال مٹول کرتے رہے، کوئی چیز طے نہ ہونے پائی۔ (اس سے اگلے دن ۱۵ فروری کو بھی) شرائط و موضوع وغیرہ جات میں کافی وقت ضائع کیا گیا۔ آخر کار میدانِ وعظ قائم ہوا اور خصم نے بھی مقابل میں آکر میز نصب کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد غلام عباس رئیس رجوعہ مجمع میں متکبرانہ وضع و ہیئت میں پہنچا۔ اور بڑا برافروختہ ہو کر کہنے لگا کہ مناظرہ کی آگ میں اپنے علاقہ میں نہیں لگنے دوں گا وغیرہ وغیرہ۔ اصل میں ان روافض حضرات کی ہنگامی تحریک تبدیل مذہب کا ردعمل تھا جو آج مجبوراً مناظرہ تک اترنا پڑا۔ آخر کار حکمتِ عملی سے مولوی قطب الدین صاحب نے زور دے کر کہا کہ سردار صاحبان خدا و رسول ﷺ کی تعریف کرنے پر تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ آپ بھی سنیں گے؟ اس بہانہ سے حمد و تعریف کرتے کرتے عظمت و عزتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ و سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا پر زور دیا کہ اتنے جلیل القدر رسول ﷺ کیسے غلط ناطے رشتے ان سے کر سکتے تھے؟ مجمع خوب جما رہا اور عوام پر خوب مسئلہ واضح کیا، بعد ازاں جوابی طور پر پروفیسر الطاف صاحب انصاری مہاجر، مقیم علاقہ رجوعہ اور دیگر ملا صاحبان وغیرہ میں پروفیسر صاحب کھڑے ہوئے، اور دراز تمہید کے بعد اس پر زور دیا کہ بیوی سے عموماً دو مقصد ہوتے ہیں، ایک افزائشِ نسل، دوسرا تسکین خاطر و حصولِ راحت وغیرہ، یہ مذکورہ بیویوں سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے حاصل تھے۔ کچھ ایسے ہیر پھیر سے اس نے مذمت کرنا چاہی۔ آخر سورۂ تحریم کی آیت اِنْ تَتُوبَا اِلَی اللّٰہِ الخ سے اپنا مدعا پورا کرنے پر اس نے زور ڈالا۔ اس اثنا میں ترجمہ آیتِ مذکور ہماری جانب سے پوچھا گیا۔ خصوصاً شرط و جزاء، تفصیل و تطبیق و ترتیب وغیرہ تو کہنے لگا میں تو پروفیسر ہوں ہمارے مولوی صاحب ترجمہ کریں گے، اس پر مجمع عام میں بڑی فضیحت ہوئی۔ آخر ملا صاحب اٹھے، مگر صحیح ترجمہ نہ کر سکے، اور عبارتی حل میں سے عہدہ برآ نہ ہو سکے، اس پر مجمع میں ہائے ہو مچ گئی۔ اجلاسِ (مناظرہ) ختم کرنا پڑا اور عصر کے وقت چک پھٹیکا کو تمام علماء روانہ ہوئے۔''

## (۲) مناظرہ چک تارڑ، دسمبر ۱۹۴۹ء:

چک تارڑ نمبر ۲۱۰ میں مورخہ ۳۰ دسمبر ۱۹۴۹ء کو یہ مناظرہ ہوا۔ آپ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''سردار غلام عباس رجوعہ، میاں ریاض حسین ٹھٹھہ اور محمد شاہ صاحبان کی کوشش سے چک مذکور میں ۱۲/ربیع الاول کو آئینی تعطیل میں سکول کے ماسٹروں کی ایک میٹنگ بلائی اور تبلیغی جلسہ شیعی مشن کے لیے کرایا گیا۔

[1] حضرت مولانا خواجہ قمر الدین سیالوی مراد ہیں۔

مولوی بشیر ٹیکسلا والا [1] اور مولوی اسماعیل گوجرہ والا اس علاقہ میں نارِ رفض شعلہ بار کرنے کے لیے پہنچے۔ سنیوں نے جوابی کاروائی کے لیے مولانا قطب الدین صاحب، مولانا احمد بخش ضیائی اور ناچیز محمد نافع کو مدعو کیا۔ آخر ان کے چیلنج کرنے پر ہم نے مناظرہ کرنا قبول کیا۔ اور مناظرہ ہوا، ہماری طرف سے ضیائی صاحب اور شیعوں کی طرف سے مناظر مولوی اسمٰعیل تھا۔ ایمانِ بالقرآن اور خلافت پر مناظرہ ہوا۔ اللہ کے فضل سے سنی اچھے رہے، دوسرے دن صرف اپنی اپنی تقریریں ہوئیں۔ آخری تقریر مولانا قطب الدین نے کی، تب یہ اجلاس تمام ہوئے۔ آج کل اس علاقہ میں رفض کی تبلیغ بڑے زور سے جاری کردی گئی ہے۔ شاید اکثریت کے ساتھ سیاسی مقابلہ بھی ملحوظ ہے۔ چک رجوعہ میں یہی دعویدار تھے کہ ہمارے علاقہ میں یہ مناظرہ کے تنازعہ کی آگ نہ لگائی جائے۔ شاید آج اس کا بدلہ لیا گیا۔''

## (۳) مناظرہ کوٹ چُغَطّہ، ساہیوال ضلع سرگودھا، ۲۲ جنوری ۱۹۵۲ء:

کوٹ چُغَطّہ ساہیوال ضلع سرگودھا میں یہ مناظرہ طے ہوا تھا، جانبین سے زور وشور کے ساتھ تیاریاں ہوئیں، مگر شیعوں نے ایک اشتہار بعنوان ''انتشار نہ پھیلایئے'' چھپوا کر مناظرہ سے صرف ایک دن پہلے تقسیم کردیا تاکہ مناظرہ التواء میں پڑ جائے اور ہماری ہزیمت نہ ہو۔ چنانچہ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ اپنی ۱۹۵۲ء کی ڈائری میں مورخہ ۱۸ جنوری کے ورق پر لکھتے ہیں:

''علاقہ ساہیوال موضع ''کوٹ چغطّہ'' میں شیعہ، سنی مناظرہ ۲۲ جنوری ۱۹۵۲ء کو ہو رہا ہے۔ مولانا ضیائی صاحب تشریف لے آئے ہیں۔ سیال شریف میں اہل علم جمع ہو کر مشورہ کریں گے۔ اللہ کریم فتح ونصرت فرماویں۔''

پھر ۲۰، ۲۱ اور ۲۲ جنوری ۱۹۵۲ء کی ڈائری میں آپ نے لکھا:

''مولانا ضیائی صاحب کی رفاقت میں سفر ہوا۔ آج سیال شریف پہنچے۔ حوالہ جات اور نوٹ انواٹ لگائے جا

---

[1] مولوی بشیر ٹیکسلا والا ماضی کے معروف شیعہ مناظر رہے۔ بعد میں جب شیعوں کے جوتوں میں دال بٹی اور اختلافات بڑھے تو یہ بھی مولوی اسمٰعیل گوجروی کے دھڑے میں رہے اور جانبین سے ایک دوسرے کے خلاف ہزاروں صفحات لکھے گئے، مقدمہ بازیاں چلیں اور قتل وقتال پر نوبت جا پہنچی، ایک شیعہ عالم مولوی بشیر صاحب کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:
''جنگ عظیم دوم کے موقع پر ۱۹۴۵ء میں ہندوستان سے مولانا محمد بشیر صاحب انصاری انگریزوں کے جاسوس کی حیثیت سے عراق لے جائے گئے۔ جہاں پر سربراہ مذہب شیخیہ احقاقیہ مرزا موسیٰ اسکوئی الحائری انگریزوں کی طرف سے یہی خدمات انجام دے رہے تھے۔'' (العقائد الحقیہ، صفحہ ۸۴، مصنف سید محمد حسین زیدی برتی، مطبوعہ ادارہ انتشارات حقائق الاسلام چنیوٹ، مطبوعہ ۱۹۹۶ء)

رہے ہیں۔ مولوی فضل حق صاحب ڈیرہ غازی خان سے اور مولوی محمد صدیق [1] وغیرہم کافی علماء تشریف لائے۔ آج شیعوں نے ایک اشتہار مذبذب لوگوں کی طرف سے بعنوان ''انتشار نہ پھیلایئے'' طبع کر دیا ہے کہ ہم بعض مصالح کے مدنظر اس مناظرہ کو ملتوی کرتے ہیں۔ یہ شیعوں نے برموقع دھوکہ دے کر شرارت کی ہے اور سنی علماء کو محض تکلیف ہوئی۔ آخر کار حکومت کی مداخلت اور شیعہ کے فرار کے بعد یہ طے ہوا کہ تبلیغی اجلاس کر لیے جائیں۔ ۱۲ بجے سیال شریف سے روانگی ہوئی۔ ساہیوال اور چادھیوالہ برلب سڑک ہم لوگوں نے جناب حضرت سجادہ نشین صاحب (مولانا خواجہ قمر الدین سیالوی) کی سرپرستی و نگرانی میں دو اجلاس قائم کیے۔ اور وعظ ہوئے پھر رات کو علماء کرام بمقام ''وجھ'' تشریف لے گئے۔''

یاد رہے کہ اس مناظرے کا شیعوں کی جانب سے اعلانِ التواء مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کو بہت ناگوار گزرا، کیونکہ وعدہ خلافی کی وجہ سے کئی دنوں کی محنت، علماء کرام اور عوام الناس کا اجتماع نیز سفری مشقت اور وقت کے ضیاع کی وجہ سے آپ کا دلبرداشتہ ہونا ایک فطری امر تھا چنانچہ آپ نے اپنی ڈائری میں لکھا:

''یادداشت ضروری''

جب تک کسی ذمہ دار آدمی کی تحریر باقاعدہ مفصل نہ لے لی جائے، مناظرہ نہ کرنا چاہیے۔ یہ (شیعہ) لوگ برموقع دھوکہ دیتے ہیں اور بلاوجہ تکلیف ہوتی ہے۔ کوٹ چغطہ میں تجربہ ہوا ہے۔ [2]

علاوہ ازیں کہ شیعوں کے تقسیم کردہ اشتہار ''انتشار نہ پھیلایئے'' کا مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے ایک تفصیلی جواب قلمبند کیا تھا، جس میں باحوالہ اور مدلل تاریخی روایات سے ثابت کیا کہ انتشار کون پھیلاتا ہے، اور عاشورہ محرم میں ہر سال فسادات کا مرتکب کون ہوتا ہے، اس جوابی مضمون کا عنوان ''ملت پاکستان میں انتشار پھیلانے والے کون ہیں؟'' تھا اور ہفت روزہ ''دعوت'' لاہور ۱۹۵۲ء فروری کے دوسرے ہفتہ کی اشاعت میں یہ مضمون شائع ہوا تھا۔

## (۴) مناظرہ موضع ''سلُول کے'' اور مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی گرفتاری:

۱۳، مارچ ۱۹۵۳ء کو موضع ''سلُول کے'' میں ایک مناظرہ طے ہوا تھا، جس کا ذکر مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے ۱۱ فروری ۱۹۵۲ء کی ڈائری میں یوں کیا:

---

[1] مولانا محمد صدیق رحمہ اللہ آف تاندلیانوالہ ضلع فیصل آباد کے رہنے والے تھے، معروف اہل حدیث عالم تھے اور فنِ مناظرہ میں یدطولیٰ رکھتے تھے پوری زندگی رفض و بدعت کی تردید اور تحفظ اہل سنت کا فریضہ سرانجام دیا اور اس عنوان پر چند ایک کتب بھی لکھیں۔ سلفی

[2] مولانا محمد نافع رحمہ اللہ ذاتی ڈائری، ۲۳ جنوری ۱۹۵۲ء بمطابق ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۷۱ھ۔

''وریام نامی ایک شخص موضع سلول کے، سے ایک تحریر لایا ہے اس میں ایک مناظرہ کی بنیاد ڈالی گئی ہے۔
سلطان شاہ ولد نور زمان آف رجوعہ نے اور وریام دیوکہ نے مابین تبدیلی مذہب ایک تحریر لکھی ہے کہ یکم چیت، ۱۳ مارچ جمعہ کو مندرجہ ذیل مسائل کا ثبوت و تحقیق پیش کرنی لازمی ہے، جو سچا ثابت ہوگا، اس شخص کے مذہب پر دوسرے کو آنا ہوگا۔''

اول: صحابہ رضی اللہ عنہم نے ناحق حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا باغِ فدک غصب کرلیا۔

دوم: حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم شریک نہیں ہوئے۔ وغیرہ وغیرہ

لیکن یہ مناظرہ ہو نہ سکا تھا، کیونکہ ۱۳، مارچ ۱۹۵۳ء کو مرکز تنظیم اہل سنت ملتان میں تین روزہ کانفرنس حضرت خواجہ نظام الدین رحمہ اللہ تونسوی کی صدارت میں منعقد ہونا تھی، مگر تحریک ختم نبوت اپنے زوروں پر تھی، اور اس تحریک کے ڈائریکشن کے سلسلہ میں مذکورہ کانفرنس ملتوی ہوگئی۔ اور مولانا نورالحسن شاہ بخاری رحمہ اللہ کو ملتان سے اور مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کو چنیوٹ سے گرفتار کرکے جیل بھیج دیا گیا۔ اور پھر ۴، اگست ۱۹۵۳ء کو آپ رحمہ اللہ بورسٹل جیل لاہور سے رہا ہوئے۔ آپ رحمہ اللہ کے ہمراہ مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمہ اللہ، مفتی محمد دین آف مگھیانہ اور دیگر علماء بھی تھے، جس کی مکمل تفصیل آپ ڈائریوں کی جلد میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ

## (۵) مناظرہ موضع ''رشیدہ'' جولائی ۱۹۵۴ء:

یہ مناظرہ ۲۱، جولائی ۱۹۵۴ء کو ہونا قرار پایا، مولوی محمد اسمٰعیل صاحب گوجروی از جانب اہل تشیع اور اہل سنت کی جانب سے مولانا محمد نافع رحمہ اللہ، مولانا عنایت اللہ سانگلوی [1] اور مولانا محمد خان تھے۔ یہاں بھی

---

[1] مولانا عنایت اللہ سانگلوی بریلوی مسلک کے معروف عالم، مبلغ اور مناظر تھے۔ ابتداء میں بلاتفریقِ مسلک علماء کرام سے مل کر شیعوں سے مناظرے کرتے تھے مگر بعد میں مولانا سردار احمد فیصل آبادی نے ایسا کرنٹ لگایا کہ متشدد مزاج ہوگئے اور دیوبندی، بریلوی نزاعات میں دلچسپی لینا شروع کردی، آخری دم تک پھر یہی کچھ کرتے رہے۔ سانگلہ ہل میں زندگی گزاری اور ملک بھر میں ان کے وعظ ہوتے تھے، موصوف کھانے پینے میں بہت زیادہ رغبت رکھتے تھے اور اندھا دھند کھاتے تھے، چنانچہ مدرسہ حزب الاحناف لاہور کے مفتی مولانا غلام حسن صاحب قاری لکھتے ہیں کہ ''شیخوپورہ کے علاقہ میں میزبان نے بوتل پیش کی تو حضرت نے فرمایا اوئے شیخا! پورا ڈالا اٹھا کے لا، وہ ڈالا لے آیا آپ چھ چھ پائپ چھ چھ بوتلوں میں لگاتے جاتے اور غٹر غٹر پیتے جاتے جب پورا ڈالا ختم ہوگیا تو فرمایا کیا پکایا ہے؟ شیخ صاحب چھوٹے پائے بہت لذیذ پکاتے تھے چنانچہ اس دن بھی انہوں نے پورا پتیلا بلکہ بہت بڑا پتیل بھر کر پائے پکائے اور ایک ڈونگے میں لے کر حاضر ہوگئے حضرت نے فرمایا پورا پتیلا لے کے آ، وہ لے کے آیا تو فرمایا ہڈیاں علیحدہ کرو، شوربا علیحدہ اور گوشت علیحدہ کرو اس نے آدھا گھنٹہ ساتھ ملازم لگا کر تعمیل ارشاد کی تو حضرت نے گوشت کھالیا، اور شوربا پی لیا اور فرمایا ''شیخ جی کھانا تقریر کے بعد کھائیں گے''۔ ان شاء اللہ (تقریری نکات صفحہ ۵۸۹، ناشر کرماں والا بک شاپ لاہور مطبوعہ ۲۰۰۷ء، سلفی)

مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے حسبِ عادت شور شرابا کر کے فضاء مکدر کردی، البتہ جانبین نے آمنے سامنے جلسے کیے اور اپنے اپنے مذہب کی صداقت بیان کر کے چلتے بنے۔ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''سنا گیا ہے کہ آج موضع رشیدہ میں ملا اسماعیل شیعہ کی آمد ہے، صبح مولوی عبدالرحمن صاحب کی معیت میں چند کتابیں لے کر جانا ہوا، گزشتہ رات سے اجلاس جاری تھے۔ مولوی اسماعیل آج ہی آیا، ان کا جلسہ بھی دس بجے سے شروع ہوگیا۔ اس نے اپنی تقریر میں بڑا شور و شر کیا کہ کون ہے جو میرے مقابلہ میں آئے؟ میں حوالے پر حوالہ پیش کرتا ہوں، محمدی والے مولوی نے بڑا شور مچایا ہوا ہے کہ اسماعیل نے یہ کردیا، وہ کردیا۔ علیٰ ہذا بڑی چالاکی سے اس نے کام لیا۔ ہمارے علماء میں سے مولانا محمد خان صاحب اور مولوی عنایت اللہ صاحب سانگلہ والے وغیرہم اپنی جگہ بڑے اطمینان سے جلسہ کرتے رہے۔ ڈیڑھ بجے کے قریب ان کے لوگ ہمارے جلسہ میں آئے کہ مناظرہ ہونا چاہیے۔ ہم نے پُرامن طریقے سے جواب دیا کہ ہر فریق اپنا اپنا جلسہ کرلے، اس کے بعد اگر ضرورت ہوئی تو ہم کہیں نہیں جارہے، بات چیت ہوسکتی ہے۔ مگر ہمارا جلسہ خراب اور وقت ضائع نہ کیا جائے۔ ہمارا جلسہ جاری رہا۔ اور عصر کے وقت مولوی اسماعیل واپس چلا گیا اور ہم وہیں رہ گئے۔''

یہاں مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے اپنی ڈائری میں مندرجہ ذیل یادداشت بھی نوٹ کی ہے:

''چرب لسان'' کے تقابل میں فصیح اللسان ضروری ہے تاکہ حوالہ کی کمی نہ رہ جائے۔ کیونکہ اس قسم کی چیلنج بازی کا جواب اس طرح نہ ہو تو اپنے عوام فوراً بڑے بد دل ہونے لگ جاتے ہیں۔'' [1]

دراصل مولوی محمد اسمٰعیل صاحب چرب زبان تھے، اور نہایت اعلیٰ درجہ کے شاطر و چالاک بھی، اس لیے ان کو مناظرہ میں قابو کرنے کے لیے مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے یہ اپنا تجربہ لکھا ہے کہ ایسے شاطر و چالاک کو صرف طاقتِ علم سے روکنا مشکل ہوجاتا ہے، چاک و چوبند اور فصیح اللسان مقابل کا ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب اہل سنت علماء میں سے مولانا عبدالستار تونسوی رحمہ اللہ سے مقابلہ کرنے میں اس لیے گھبراتے تھے کہ علامہ تونسوی رحمہ اللہ جہیرُ الصوت اور اور بارعب شخصیت کے مالک تھے۔ یاد رہے کہ ضلع جھنگ کے قصبہ جات میں جہاں کہیں مولوی محمد اسمٰعیل گوجروی کی آمد ہوتی تو مولانا محمد نافع رحمہ اللہ بھی وہاں جلسہ رکھ لیتے اور اپنے شاگردوں سمیت کتب لے کر پہنچ جاتے۔ تاکہ مناظرے کی نوبت آجائے تو بروقت ان کا توڑ کیا جاسکے۔ کیونکہ آپ نہ مناظرے کا چیلنج دینے کے عادی تھے اور نہ ہی بے مقصد مباحثوں میں الجھنے کے شوقین تھے، لیکن جب مولوی اسماعیل صاحب یا دیگر شیعہ علماء مجبور کرتے تو پھر مناظرہ کرنے میں

---

[1] مولانا محمد نافع رذاتی ڈائری ر ۲۱ جولائی ۱۹۵۴ء بمطابق ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۷۳ھ۔

دیر بھی نہیں لگاتے تھے۔ البتہ اس کی ابتدا کبھی نہ کرتے۔ جیسا کہ خود ایک جگہ فرماتے ہیں:

”موضع ٹھٹھی بالا راجہ سے مستری محمد یار اور عبدالحق مہانہ نے اپنے ماحول کے پیش آمدہ حالات ذکر کیے ہیں۔ بڑا دکھ ہوا۔ ان کو چند تجاویز دی گئی ہیں اور وسطِ شوال سے قبل تبلیغی جلسہ حلقہ لالیاں میں کرنے کا خیال ہے۔ یہ لوگ مناظرہ کے لیے بڑے مجبور کیے جا رہے ہیں۔ اللہ کریم رحم فرمائے۔ مگر ہم نے مناظرہ سے الگ رہنے کا مشورہ دیا ہے اور تاکیداً دیا ہے۔“[1]

## (٦) مناظرہ ”کالووال“ جون ١٩٥٥ء:

”کالووال“ میں ٢١ جون ١٩٥٥ء بمطابق ٢٩ شوال ١٣٧٤ھ کو مناظرہ ہوا تھا، مولانا محمد نافع رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”کالووال“ میں آج جلسہ کی بجائے مناظرہ ہے۔ شیعوں کی طرف سے مُلا اسماعیل تھا اور سنیوں کی طرف سے مولانا اللہ یار چکڑالہ والے مناظر اور استاذ حضرت مولانا سید احمد شاہ صاحب اجنالوی صدر مناظر تھے۔ ایمان بالقرآن اور خلافت پر مناظرہ ہوا۔“

## مولانا اللہ یار چکڑالوی پر شیعوں کا حملہ:

اس مناظرہ سے اگلے دن یعنی ٢٢ جون ١٩٥٥ء کو اہل تشیع نے مولانا اللہ یار خان صاحب چکڑالوی رحمہ اللہ پر بزدلانہ حملہ کر دیا تھا۔ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی ڈائری کا یہ ورق پڑھیے:

”کالووال میں آج جلسہ اور علماء اہل سنت پر حملہ۔ ہمارے علماء نے تقریریں کیں۔ شام کو رخصت ہوتے وقت مولانا اللہ یار خان صاحب پر شیعوں نے حملہ کر دیا۔ وہ تو بچ گئے، ان کے ساتھی کو خوب مضروب کیا گیا اور علماء کرام کے میزبان سید محمد شاہ صاحب سکنہ کالووال کا ظالموں نے کلہاڑیوں سے سر پھوڑ دیا۔ (ترجیع)

نوٹ: اس مناظرہ میں مولانا محمد نافع رحمہ اللہ غالباً خود موجود نہیں تھے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ معاونین کی ٹیم میں آپ شامل ہوں، مگر اپنے اساتذہ کے نام کے ساتھ بطور کسرِ نفسی اپنا ذکر نہ کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ اعلم

## (٧) مناظرہ موضع بیروالا، جولائی ١٩٥٥ء:

موضع بیروالا میں ١٠، جولائی ١٩٥٥ء بمطابق ١٩، ذیقعدہ ١٣٧٤ھ کو مناظرہ طے ہوا تھا، مگر کوئی شیعہ عالم حسب وعدہ مناظرہ گاہ میں نہ پہنچ سکا، چنانچہ علماء اہل سنت نے وہاں جلسہ منعقد کر دیا اور مناظرہ نہ سہی، وعظ و تبلیغ سے سنیت کی ترویج کی۔ مولانا محمد نافع اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں:

---

[1] مولانا محمد نافع رحمہ اللہ ذاتی ڈائری، ١٦، مئی ١٩٥٤ء بمطابق ١٢، رمضان المبارک ١٣٧٣ھ۔

"شیعوں کی جانب سے بحث کے لیے کوئی مناظر نہ آیا، ہماری جانب سے علامہ دوست محمد قریشی احمد پوری،[1] اور مولوی محمد خان صاحب نے تزویج سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر تقریریں کیں۔"

## (۸) مناظرہ منڈی پھلروان، شدید بارشیں، اور مناظرے کا التواء:

مورخہ ۱۴، ۱۵، اگست ۱۹۵۵ء بمطابق ۲۴، ۲۵ ذوالحج ۱۳۷۴ھ کو منڈی پھلروان متصل بھلوال ضلع سرگودھا میں یہ مناظرہ طے ہوا تھا، مگر انہی دنوں بارشوں کا سلسلہ شروع ہوگیا، جو کئی دن تک جاری رہا۔ جس کی وجہ سے مناظرہ نہ ہوسکا تھا، دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ مولوی محمد اسماعیل صاحب گوجروی مناظر اہل تشیع بھی نہ پہنچ سکے تھے۔ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں: پھلروان منڈی میں شیعہ، سنی مناظرہ ہے۔ مولوی فضل الٰہی صاحب کارمختار ہیں۔ موضوعاتِ مناظرہ یہ ہیں:

۱: شیعوں کا ایمان بالقرآن

۲: مذہب اہل بیت کیا ہے؟

۳: خلافت اصحاب ثلاثہ رضی اللہ عنہم

۴: ایمان والدین شریفین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

اشتہار مشترکہ تیار کیا گیا ہے۔ ملا اسماعیل کے دستخط ثبت ہیں۔ شدید بارشیں شروع ہوگئی ہیں۔ ہمارا جانا نہیں ہوا۔ لاریاں بند ہیں، معلوم نہیں مناظرہ ہوا یا رک گیا۔

پھر ۱۵، اگست ۵۵ء کی ڈائری میں آپ لکھتے ہیں:

"آج بھی شدید بارش شروع ہوگئی ہے۔ ساتھ والا تالاب انتہائی طور پر بھر گیا ہے۔ اللہ کریم رحم فرمائے آمین۔ مناظرہ، بھلوال حکومت نے روک دیا ہے۔ لہٰذا کوئی اجتماع نہ ہوسکا مگر میں پتہ چلا کہ حکومت نے نہیں روکا، بلکہ ملا اسماعیل خود نہیں پہنچ سکا۔ دوسرے ملاں بھیج دیے۔ جبکہ تنظیمِ اہل سنت والے اِدھر جمع تھے۔"

نوٹ: جس طرح شدید بارشوں اور لاریاں بند ہونے کی وجہ سے مولانا محمد نافع رحمہ اللہ اور دیگر حضرات نہیں پہنچ پائے تھے۔ ایسے ہی مولوی محمد اسماعیل گوجروی کے لیے بھی مجبوری بن گئی ہوگی، کیونکہ موسمی تغیرات سے تو سبھی متاثر ہوتے ہیں، اس لیے بتقاضائے انصاف مذکورہ مناظرے کے التواء کا ملبہ مولوی اسمٰعیل

[1] علامہ دوست محمد قریشی رحمہ اللہ اصلاً احمد پور شرقیہ ضلع بہاولپور کے رہنے والے تھے، بعد میں کوٹ اڈو ضلع مظفر گڑھ منتقل ہوگئے اور تادم واپسیں وہیں رہے۔ سلفی

صاحب پر نہیں ڈالا جاسکتا۔ اور نہ ہی مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی محتاط طبیعت نے اپنی ڈائری میں کوئی ایسی رائے درج کی ہے۔ ہمارا یہ تجزیہ خاص اس مناظرہ کے متعلق ہے۔ وگرنہ اکثر مناظروں میں مولوی محمد اسماعیل صاحب کا بھاگ جانا، شرائطِ مناظرہ طے کرنے میں کئی کئی گھنٹے صَرف کر دینا، خلطِ مبحث کرنا اور دورانِ گفتگو الفاظ شنیعہ کا بے دریغ استعمال کرنا وغیرہ وغیرہ ایسے افعال ہیں کہ جن سے خود منصف مزاج شیعہ بھی انکار نہیں کرتے۔ ان کی اس عادت سے اکثر مواقع پر علماء اہل سنت کو سوائے سفری مشقت کے کچھ حاصل نہ ہوتا تھا۔ اس لیے ۱۹۷۰ء کے زمانہ میں مولانا پیر کرم شاہ صاحب رحمہ اللہ اور مولانا افتخار احمد بگوی رحمہ اللہ کی نگرانی میں موضع وجھ سرگودھا میں جو تاریخی مناظرہ ہوا تھا، اس میں علامہ عبدالستار تونسوی رحمہ اللہ نے یہ شرط رکھی تھی کہ مناظرہ زمین پر نہیں ہوگا بلکہ مکان کی چھت پر ہوگا، کیونکہ گوجروی صاحب فرار ہونے میں مہارتِ تامہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ یہ مناظرہ چھت پر ہی ہوا تھا۔ مولوی محمد اسمٰعیل گوجروی صاحب چھت سے تو چھلانگ نہ لگا سکے، البتہ اگلی صبح مختلف گھروں میں پناہ لیتے اور جھاڑیوں میں چھپتے چھپاتے ''عرفان بس سروس'' پر سوار ہو کر فرار ہو گئے تھے۔ اور اہل اسلام کو بے مثال فتح ونصرت ہوئی تھی۔ [1]

## (۹) مناظرہ جھوک دایہ ضلع جھنگ، ستمبر ۱۹۵۵ء:

یہ مناظرہ مورخہ ۱۷، ۱۸ ستمبر بمطابق ۲۹، ۳۰ محرم الحرام ۱۳۷۵ھ کو جھوک دایہ ضلع جھنگ میں ہوا۔ انعقاد مباحثہ کا سبب یہ ہوا کہ رئیس اعظم حاجی گہنہ خان گاڈی کو ان کی شیعہ برادری اور چند رؤسا نے مذہب تشیع پر نہ صرف مائل بلکہ مجبور کیا۔ اس بناء پر حاجی صاحب موصوف نے حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ سے رابطہ کیا اور مناظرہ کی فرمائش کی تاکہ حق اور باطل کا فرق ہمیں بھی محسوس ہو اور میرے لیے اپنی فکری راہ کا تعین کرنا آسان ہو۔ چنانچہ حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ نے مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کو مشاورت کے لیے طلب کیا اور فرمایا کہ جلد از جلد سیال شریف حاضر ہوں۔

## حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ کا مولانا محمد نافع پر اعتماد:

مولانا محمد نافع رحمہ اللہ اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں:

''جھوک دایہ ضلع جھنگ میں شیعہ وسنی کشمکش بڑی سخت ہوگئی ہے۔ اہل سنت نے سیال شریف حضرت سجادہ نشین صاحب کی خدمت میں اطلاع کی ہے کہ جلد یہاں علماء کے ذریعہ تبلیغ ومناظرہ کرائے جائیں۔ ورنہ

[1] مولانا عبدالغفار تونسوی / تذکرہ حضرت علامہ تونسوی / مطبوعہ تحریک تنظیم اہل سنت پاکستان / صفحہ نمبر ۱۶۶۔

رہے سہے لوگ بھی شیعیت کی لپیٹ میں آجائیں گے۔ لہٰذا اس ضرورت کی بناء پر مولانا ضیائی صاحب اور بندہ کو فرمان ہوا کہ تمام کتبِ شیعہ لے کر سیال شریف پہنچ جائیں۔ بنابریں آج سرگودھا حاضر ہیں اور حوالہ جات دیکھے جا رہے ہیں۔" [1]

مولانا محمد نافع رحمہ اللہ اور ان کے قریبی دوست مولانا احمد بخش ضیائی کو حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ کا مع کتب اپنے ہاں بلوانا اور انعقاد مناظرہ کے لیے پیش رفت اور باہمی تجاویز کا تبادلۂ خیال کرنا اس حقیقت کو پوری طرح روشن کر رہا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب کو مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے تبحر علمی پر بھرپور اعتماد تھا۔ اس مناظرہ کے لیے ۱۸، ۱۷ ستمبر کی تاریخیں طے کی گئیں۔ جب مناظرین کے انتخاب کا مرحلہ آیا تو مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے تجویز پیش فرمائی کہ چونکہ فریق مخالف کے مناظر مولانا مرزا یوسف حسین لکھنوی (مقیم میانوالی شہر) اور مولوی محمد اسماعیل صاحب گوجروی ہیں، اس لیے ہماری طرف سے بھی مناظر جہیر الصوت ہونا چاہیے۔ اور اس مقصد کو مولانا عبدالستار تونسوی یا علامہ دوست محمد قریشی کے ذریعہ پورا کیا جاسکتا ہے۔

## مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کا خواجہ قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ کی جانب سے ملتان کا سفر کرنا:

مناظرہ کی مقررہ تاریخ دن بہ دن قریب آرہی تھی، اس زمانہ میں رابطہ کی عمومی سہولت فقط خط و کتابت تھی، ٹیلی فون یا تار کی سہولیات نادر تھیں، اگر خط و کتابت ہوتی تو تونسوی صاحب اور مولانا دوست محمد قریشی صاحب کو خدا جانے یہ خطوط کب ملتے؟ کب یہ حضرات واپسی جواب ارسال کرتے اور اپنی کیا ترتیب پیش کرتے؟ کیونکہ ہر دو حضرات سال کے بارہ مہینے مسلسل سفر میں رہتے۔ اس کے لیے طے ہوا کہ ایک با اعتماد شخصیت کو خواجہ صاحب قبلہ اپنا دستی رقعہ دے کر ان حضرات کو لینے کے لیے روانہ کر دیں۔ چنانچہ حضرت خواجہ قمر الدین صاحب سیالوی رحمہ اللہ نے مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کو پچاس روپیہ دے کر روانہ کیا کہ آپ علامہ تونسوی صاحب اور علامہ قریشی صاحب ہر دو حضرات کو، یا ان میں سے جو دستیاب ہو، لے کر واپس پہنچیں۔ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"سجادہ نشین صاحب کی جانب سے علامہ قریشی صاحب اور تونسہ شریف دستی خط لکھے گئے۔ تاکہ مناظرہ مذکورہ کے لیے قریشی صاحب یا مولانا عبدالستار صاحب تونسوی کو بلایا جائے۔ بندہ ملتان کے لیے روانہ

---

[1] مولانا محمد نافع رذاتی ڈائری، ۱۱ ستمبر ۱۹۵۵ء بمطابق ۲۲ محرم ۷۵ ۱۳ھ۔

ہوا، اس سفر کے لیے خمسین روپے عنایت کیے گئے۔ یہاں سے مگھیانہ، اور مگھیانہ سے ملتان جانا ہوگا۔"❶

علامہ دوست محمد قریشی رحمہ اللہ نے مذکورہ مناظرہ بعد میں طبع کروا دیا تھا اور مولوی اسماعیل گوجروی صاحب نے بھی الگ روداد شائع کی تھی۔ مولانا دوست محمد قریشی رحمہ اللہ کی مولفہ روداد کے شروع میں لکھا ہے:

"بنابریں خواجہ صاحب نے حضرت مولانا محمد نافع صاحب مدرس جامعہ محمدی شریف جھنگ کو دفتر تنظیم اہل سنت ملتان میں حضرت مولانا عبدالستار صاحب مناظر تنظیم اہل سنت آف تونسہ اور حضرت العلامہ مولانا دوست محمد قریشی کو لینے کے لیے بھیج دیا۔ مولانا صاحب نے سفر کی کوفت سے قطع نظر کرتے ہوئے حسبۃً للہ جانے سے انکار نہ کیا اور خواجہ صاحب کے حسب الارشاد ملتان پہنچ گئے۔"❷

## مرزا یوسف حسین کا مناظرے سے انکار اور مولوی اسماعیل صاحب کی تلاش:

معاہدے کے مطابق مرزا یوسف حسین صاحب لکھنوی، مقیم میانوالی نے مقامِ مناظرہ پر پہنچ کر مناظرہ کرنے سے انکار کر دیا، یہ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ اور علامہ دوست محمد قریشی کی علمی ہیبت تھی۔ مرزا صاحب اپنے گھر بیٹھ کر تو "وفاتِ عائشہ" جیسے دل آزار رسالے نہایت سرعت سے لکھ کر شائع کر دیتے تھے، جس کی سطر سطر میں ام المومنین کی توہین کی گئی ہے۔ مگر آج جب دلائل کے تبادلۂ خیال کا آمنے سامنے مرحلہ آیا تو مرزا صاحب کو دن میں تارے نظر آ گئے۔ اہل تشیع نہایت پریشان ہوئے۔ چنانچہ عین مناظرہ کے دن صبح سویرے مولوی محمد اسماعیل صاحب گوجروی کو تلاش کرنے کے لیے بھاگ دوڑ شروع کر دی گئی۔ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"ہفتے کی صبح مولوی اسماعیل کو تلاش کر کے بلایا گیا۔ مرزا یوسف حسین مذکور نے فرار کیا اور مناظرے سے انکار کیا۔ آخر کار اس سے تحریر لی گئی کہ میں مناظرہ نہیں کرتا بلکہ اسماعیل میری جگہ مناظرہ کرے گا۔ پھر اسماعیل صاحب کے دستخط شرائط والے قرطاس پر کرائے گئے اور مناظرہ شروع ہوا۔"

"موضوع مناظرہ ہذا"

اول: اپنا ایمان بالقرآن شیعہ ثابت کریں گے۔ (سوال از اہل سنت)

دوم: سنی خلافت خلفاء ثلاثہ ثابت کریں گے۔ (سوال از شیعہ)

---

❶ مولانا محمد نافع/ ذاتی ڈائری، ۱۲ ستمبر ۱۹۵۵ء بمطابق ۲۳ محرم الحرام۔

❷ مولانا دوست محمد قریشی/ مناظرہ جھوک دایہ/ ۷۵/ ۱۳ھ۔ ناشر دفتر تنظیم اہل سنت ملتان/ طبع قدیم، تاریخ طباعت ندارد۔

سوم: شیعہ خلافت علی بلا فصل قرآنِ مجید سے ثابت کریں گے۔ (سوال از اہل سنت)

چہارم: عدم استحقاق میراثِ فدک سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سنی ثابت کریں گے۔ (سوال از جانب شیعہ) [1]

یاد رہے کہ مناظرے کا یہ پہلا دن تو مولانا مرزا یوسف حسین لکھنوی کو مناظرہ کرنے پر تیار کرنے، ان کا دوٹوک انکار کرنے اور متبادل مناظر مولوی محمد اسماعیل صاحب کو تلاش کرنے، لانے میں گزر گیا، اور ان کی آمد کے بعد دن کا بقیہ حصہ شرائط مناظرہ طے کرنے میں کھپ گیا، کیونکہ مولوی محمد اسماعیل صاحب گوجروی زیادہ تر شرائط طے کرنے میں وقت ضائع کرتے تھے، یہ اُن کا محبوب مشغلہ تھا۔ اس سے پہلے مرزا یوسف حسین صاحب سے سنی عالم دین مولانا چراغ الدین آف ریتڑی شرائطِ مناظرہ پر گفتگو کر رہے تھے۔ جب علامہ دوست محمد صاحب قریشی رحمہ اللہ تشریف لائے تو آپ رحمہ اللہ نے فرمایا (بقولِ ناشر):

''مولانا چراغ الدین صاحب سے کہیے کہ وہ شرائط مناظرہ طے نہ کریں میں خود بخود ان سے شرائط مناظرہ طے کرلوں گا۔ چنانچہ مغرب کی نماز کے بعد وہیں مناظرینِ اہل تشیع کا انتظار کیا گیا۔ لیکن وہ بجائے ۸ بجے شام کے ۱۱، بجے رات تشریف لائے۔ مرزا یوسف حسین کا علامہ قریشی رحمہ اللہ کے مقابلہ میں آنا تو درکنار حضرت العلامہ کو دیکھتے ہی شرائط مناظرہ طے کرنے کی بھی تاب نہ رہی تھی، بہرحال آہی گئے۔ شرائطِ مناظرہ طے کرتے وقت مرزا جی جس طرح حواس باختہ ہوئے وہ کیفیت ان لوگوں سے پوچھیے جو وہاں موجود تھے۔ ذیل میں شرائط مناظرہ کا نقشہ دیا جاتا ہے، یہ وہی نقشہ ہے جسے خواجہ صاحب سیال شریف نے اپنے ہاتھوں سے وہیں بیٹھ کر ٹائپ کیا۔''

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شرائط مناظرہ مابین اہل سنت والجماعت وشیعہ حضرات بمقام جھوک دایہ نزد کوٹ عیسیٰ شاہ ضلع جھنگ مورخہ ۱۷ ستمبر ۱۹۵۵ء از ۹، بجے دن تا گیارہ بجے دن اور ۳ بجے شام تا ۵ بجے شام! جو فریق وقت مقررہ پر نہ پہنچے گا اس کی شکست متصور ہوگی۔ یہ مناظرہ باتفاق فریقین ہو رہا ہے۔ ہر دو فریق بانیان مناظرہ اپنے اپنے فریق کے حفظِ امن کے ذمہ دار ہوں گے۔ حفظِ امن کے لیے جو وسائل وہ مناسب سمجھیں گے اختیار کریں گے۔ چنانچہ ایک وسیلہ یہ ہوگا کہ جانبین کے دس دس آدمی درمیان میں حفاظت کے لیے مقرر کر دیئے جائیں گے۔'' [2]

تو دوبارہ مذکورہ شرائط مولوی محمد اسماعیل صاحب کے ساتھ طے کرنے میں ۱۷، ستمبر کا دن اور رات گزر

---

[1] مولانا محمد نافع رذاتی ڈائری ر ۱۷ ستمبر ۱۹۵۵ء بمطابق ۲۹ محرم الحرام ۷۵ ۱۳ھ۔

[2] ابتدائیہ کتاب مناظرہ جھوک دایہ رمطبوعہ تحریک تنظیم اہل سنت ملتان

گئی۔ اگلے دن باضابطہ مناظرہ شروع ہوا۔ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں:

"ہر موضوع کے لیے دو گھنٹے کا وقت مقرر ہوا، دو دن ۱۷، ستمبر ہفتہ اور ۱۸، ستمبر اتوار کو مناظرہ ہوتا رہا۔ شیعوں کے صدر (مناظر) مرزا یوسف حسین لکھنوی، حال میانوالی تھے۔ اور مولوی اسماعیل صاحب مناظر تھے۔ جبکہ ہمارے صدر مناظر استاذ مولانا سید احمد شاہ صاحب اجنالوی اور مولانا درویش محمد صاحب تھے، اور مولانا حامد علی شاہ صاحب آف گجرات بھی موجود رہے۔ جبکہ مولانا علامہ دوست محمد صاحب قریشی صدر مبلغ تنظیم اہل سنت مناظر تھے۔ ہمارے مناظر نے خوب دلائل دیئے۔ لوگوں پر کذبات شیعہ خوب واضح ہوئے۔ بعد از مناظرہ شام کو تمام علماء و مشائخ واپس ہوئے اور بندہ مگھیانہ کے راستہ واپس ہوا، اور جامعہ کی کتب ساتھ ہیں۔ (مگھیانہ میں) مولانا غلام حسین صاحب سے ملاقات ہوئی، ۱۲ بجے تک ان کے ہاں ٹھہرنا ہوا۔ اور قریشی صاحب اپنے ساتھیوں سمیت ملتان رخصت ہوئے۔ بندہ ایک بجے مگھیانہ سے چل کر قصبہ محمدی بخریت پہنچ گیا۔ الحمد للہ علیٰ کل حال۔" [1]

## مناظرہ جھوک دایہ میں مولانا محمد اشرف سیالوی کا آنکھوں دیکھا حال:

مولانا خواجہ قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ نے ایک مختصر کتاب بنام "مذہبِ شیعہ" لکھی تھی جس کا بزعم خویش تردیدی جواب شیعہ عالم محمد حسین صاحب ڈھکو نے بنام "تنزیہہ الامامیہ" لکھا، پھر اس کے جواب الجواب میں مولانا محمد اشرف سیالوی نے "تحفۂ حسینیہ" لکھی جو تین جلدوں میں ہے۔ مولانا سیالوی مرحوم لکھتے ہیں:

"یہ مناظرہ جھوک دایہ کے مقام پر غالباً ۱۹۵۶ء میں ہوا تھا۔ اور بندہ بھی اس میں حاضر تھا۔ جبکہ درسِ نظامی کی ابتدائی کتب کا متعلم تھا اور دارالعلوم ضیاءِ شمس الاسلام سیال شریف میں ہی زیرِ تعلیم تھا۔ خلافت بلا فصل کے موضوع پر مناظرہ شروع ہوا، جس میں اہل تشیع مدعی تھے تو اہل السنت کے مناظر نے بار بار مباہلہ کیا کہ خلافت بلا فصل تمہارا اہم اور بنیادی عقیدہ ہے اور قطعی عقیدہ ہے۔ نیز تمہارے نزدیک خلیفہ امام مقرر کرنا اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری ہے لہٰذا اس موضوع پر لمبی چوڑی بحث کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس امر کا ابھی دو منٹ میں فیصلہ ہوسکتا ہے۔ بس تم قرآنِ مجید سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام دکھلا دو اور اس کے ساتھ خلافت بلافصل کا لفظ دکھا دو، کیونکہ دوسرے جتنے قطعی عقائد ہیں مثلاً توحید و رسالت اور قیامت، تو قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے ان کا بڑی صراحت اور وضاحت سے ذکر کیا ہے جبکہ تمہارا خلافتِ بلافصل کا عقیدہ سب عقائد

---

[1] مولانا محمد نافع رذاتی ڈائری، ۱۸، ۱۹ ستمبر ۱۹۵۵ء بمطابق ۲، ۳ صفر المظفر ۱۳۷۵ھ۔

کی روح اور جان ہے اس کا قرآنِ مجید میں کہیں ذکر بھی نہ ہو، یہ کیسے ممکن ہے؟ لہٰذا قرآنِ مجید سے علی مرتضیٰ خلیفۃ اللہ بلا فصل یا اس مضمون کی، کوئی آیت دکھلاؤ؟ شیعی مناظر مولوی محمد اسماعیل گوجروی صاحب پہلے تو ٹال مٹول کرتے رہے۔ بالآخر یہ آیت پڑھی جو حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ نے بیان فرمائی ہے یعنی وانہ فی ام الکتاب لدینا لعلي حکیم جس پر عوام اہل تشیع کی طرف سے نعرہ ہائے حیدریہ کا وہ تسلسل قائم ہوگیا کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ بالآخر گہنہ خان گاڈی بلوچ، جس کے ڈیرے پر اور جس کے زیر انتظام یہ مناظرہ تھا، اس کو مناظر اہل سنت مولانا دوست محمد قریشی صاحب نے شیعی ترجمہ مقبول دہلوی دے کر شیعی مناظر کے پاس بھیجا کہ یا تو اپنے ترجمہ کو غلط کہو اور اپنی طرف سے کوئی دوسرا ترجمہ دکھلاؤ اور یا اپنے عوام کو سمجھاؤ اور بتلاؤ کہ یہاں علی بمعنی عالی شان ہے اور اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات مراد نہیں ہے تاکہ یہ نعرہ بازی بند ہو اور مناظرہ جاری رہ سکے۔ لیکن اس دوران شیعی علماء کتابیں باندھ کر اور لنگوٹ کس کر بھاگنے کے لیے تیار ہو چکے تھے۔ لہٰذا گاڈی صاحب کو خود ہی یہ اعلان کرنا پڑا کہ شیعی ترجمہ مقبول میں بھی علی بمعنی عالی شان ہے اور اس سے قرآن کریم کی توصیف مقصود ہے۔ شیعہ مولوی نے صرف دھوکہ دہی سے کام لیا ہے۔'' [1]

## مناظرہ جھوک دایہ میں ابن شہاب زہریؒ کے متعلق علامہ قریشیؒ کی رائے اور مولانا محمد نافع رحمہ اللہ و دیگر علماء اہل سنت کی توضیحات:

امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کا محدثین کے ہاں ایک مقام ہے اور محدثین کے مقام کا تعین کرنا یا ان کی فکری راہوں کی شناسائی گھر بیٹھے بٹھائے نہیں ہو جاتی بلکہ اس پر علم حدیث اور اصول حدیث کے اہل فن ہی بہتر رائے دے سکتے ہیں، پاکستان میں ۸۰ء کی دہائی مذہبی وفکری اور سیاسی و معاشرتی اعتبار سے ہمیشہ یادگار رہے گی۔ اس دہائی میں مختلف تحریکوں، تنظیموں اور مجلسوں نے کیا کیا گل کھلائے اور اہل سنت کو متحد کرنے کا چکمہ دے کر کس طرح اہل سنت کا شیرازہ بکھیرا گیا؟ یہ ایک المناک اور اندوہناک داستان ہے۔ اسی دہائی میں ایک یہ روش بھی پیدا کی گئی کہ اہل سنت کے اہل تشیع کے ساتھ جن جن عقائد و مسائل میں نزاع ہے، ان میں بجائے تردید رفض کرنے کے اپنے اندر ہی کمزوریاں پیدا کر کے انہیں اچھالا جائے اور سرخروئی کے خواب دیکھے جائیں۔ جس کسی روایت کا سہارا لے کر شیعہ اعتراض کرتے ہیں یہ لوگ بجائے شیعوں کا منہ بند کرنے کے اپنی روایت ہی کا انکار کر دیتے ہیں، حتیٰ کہ اگر شیعوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دعویٰ محبت میں غلو کیا تو انھوں

---

[1] مولانا محمد اشرف سیالوی / تحفہ حسینیہ جلد سوم، ناشر اہل السنۃ پبلی کیشنز دینہ ضلع جہلم / صفحہ نمبر ۶۴۔

نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تنقیص شروع کردی، اگر شیعوں نے سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر تبرا کیا تو انھوں نے جواب میں یزید کی مدحت خوانی جاری کردی، اور تو اور جب شیعوں نے ۱۰ محرم الحرام کو اپنے غیر اسلامی مذہب کے پرچار کا ذریعہ بنالیا تو انھوں نے جواب میں سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر تنقید کا بازار گرم کردیا، یہاں تک کہ مرزا حیرت دہلوی نے اپنی کتاب ''کتاب شہادت'' میں سارا زور اس بے سروپا دعوے کے اثبات میں صرف کردیا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ تو کربلا میں شہید ہوئے ہی نہیں تھے۔ بلکہ وہ تو اس سے دس سال پہلے قسطنطنیہ والی جنگ میں شہید ہوگئے تھے۔ اعاذنا اللہ منہ۔ ان کی کس کس جہالت کو یہاں تحریر کیا جائے؟ بہرکیف مناظرہ جھوک دایہ میں علامہ دوست محمد صاحب قریشی رحمہ اللہ نے علامہ ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کا ذکر آنے پر کہہ دیا:

''خلاصہ یہ کہ (ابن شہاب زہری) شیعوں میں جاکر شیعہ بن جاتا ہے اور سنیوں میں جاکر سنی بن جاتا تھا۔ پس جب روایت مقبول نہ رہی تو استدلال ہی نہ رہا۔'' [1]

اور ایک موقع پہ جاکر یہ بھی فرمادیا کہ:

''حضرات آپ دیکھ رہے ہیں کہ میں پہلے مولوی اسمٰعیل کے سب اعتراضات کا جواب دیتا ہوں، اس کے بعد اپنے اعتراضات کرتا ہوں یا دلائل پیش کرتا ہوں۔ لیکن مولوی اسمٰعیل میرے دلائل کو ہاتھ ہی نہیں لگاتا۔ میں نے زہری کو دونوں کا راوی اور مشتبہ الحال ثابت کیا۔''

## مولانا مفتی عبدالشکور ترمذیؒ کی مناظرہ جھوک دایہ میں شرکت، اور ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کے متعلق اظہارِ خیال:

مولانا مفتی سید عبدالشکور صاحب ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''جھوک دایہ میں شیعہ وسنی مناظرہ خواجہ قمرالدین صاحب سیالوی رحمہ اللہ نے کروایا تھا۔ میں بھی دوسرے روز اس میں چلا گیا۔ میں سیدھا ہی گہنہ خان کی مسجد میں گیا، جب علامہ دوست محمد قریشی صاحب رحمہ اللہ اور مولانا سید احمد شاہ صاحب رحمہ اللہ کو پتہ چلا کہ میں آیا ہوں تو وہیں مسجد میں چلے آئے اور پہلے دن کے مناظرہ کے متعلق بتانا شروع کیا اور کہا کہ کل کو ''باغِ فدک'' کے مسئلہ پر مناظرہ ہونا ہے۔ جب خواجہ قمرالدین صاحب کو معلوم ہوا تو وہ بھی وہیں مسجد میں چلے آئے اور کہا کہ آپ نے بہت اچھا کیا کہ تشریف لائے ہیں، علامہ دوست محمد صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا ابھی میٹنگ ہونی ہے آپ بھی تشریف لائیں اور اپنے مشوروں سے

---

[1] مناظرہ جھوک دایہ/ ناشر تنظیم اہل سنت ملتان/ ص ۵۸، ۶۰۔

نوازیں تاکہ ایک مسودہ تیار ہو جائے۔ میں بھی مشورہ میں حاضر ہوا وہاں بات چلتی رہی، آخر میں مولانا سید احمد شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ایک بات فرمائی کہ یہ بھی نوٹ کر لیں، میں نے کہا کہ اس کو رہنے دیں آخر علامہ دوست محمد صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا اچھا لکھ لیتا ہوں، مناسب موقع پر اگر ذکر آیا تو خیر ورنہ نہیں، پھر مناظرہ ہوا، علامہ دوست محمد صاحب رحمہ اللہ نے خوب مناظرہ کیا، گو شیعوں کا مولوی اسماعیل بڑا ہوشیار تھا مگر علامہ صاحب نے اس کی ایک نہ چلنے دی۔ آخر اس نے فدک کے متعلق بخاری کی روایت پیش کی جس میں امام زہری راوی ہیں تو قریشی صاحب نے کہہ دیا کہ شیعہ کتب کی رُو سے وہ شیعہ ہے، شیعہ اسے اپنا امام مانتے ہیں لیکن مولوی اسماعیل نے سنیوں کی کتب کے حوالے دینے شروع کر دیئے۔ خیر مناظرہ ختم ہوا۔ مناظرہ کے بعد ایک دفعہ فروکہ (جگہ کا نام) علامہ قریشی صاحب رحمہ اللہ تشریف لائے اس وقت وہاں تانگے جاتے تھے، میں بھی ساتھ ہو لیا، رستہ میں مَیں نے علامہ قریشی صاحب سے ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کے واقعہ اور مناظرہ جھوک دایہ کی بات چھیڑ دی، میں نے ان سے کہا کہ ہمارے پاس اور دلائل کیا کم ہیں؟ جب آپ ابن شہاب کو شیعہ کہہ رہے ہیں تو سنی کتب میں ایسی احادیث بھری پڑی ہیں جو ابن شہاب سے مروی ہیں اس لیے میرا مشورہ یہی تھا کہ یہ حوالہ پیش نہ کیا جائے۔ لیکن آپ نے مجبوراً پیش کر دیا، مولوی اسماعیل ہوشیار اور چالاک تھا اس نے اس بات کو خوب اڑایا، دیوبند سے فتویٰ لیا اور اسے شائع کیا، علامہ صاحب رحمہ اللہ نے میرے مؤقف کو تسلیم کیا، پھر ایک بار مولانا سید احمد شاہ صاحب چوکیروی رحمہ اللہ آئے تو میں نے وہی بات ان سے بھی کی تو انھوں نے فرمایا کہ ہم نے تو الزاماً جواب دیا تھا، میں نے کہا شاہ صاحب جب مخالف ہماری کتاب سے دلیل دے رہا ہے تو ہمیں اپنی کتب سے اس کا رد کرنا ہے نہ کہ مخالف کی کتب سے جواب دینا ہے۔ اس وقت ہم نے الزاماً جواب نہیں دینا بلکہ تحقیقی دینا ہے، چونکہ اس سے قبل شاہ صاحب اپنی کتاب ''تحقیقِ فدک'' میں ابن شہاب کے بارہ میں الزامی طور پر لکھ چکے تھے کہ وہ شیعہ ہے، تو انھوں نے فرمایا کہ آئندہ اڈیشن میں انشاء اللہ ختم کر دوں گا۔'' [1]

علامہ احمد شاہ صاحب چوکیروی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں بطورِ الزام امام زہری رحمہ اللہ کو شیعہ لکھا تھا بطور تحقیق نہیں، جبکہ مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی رحمہ اللہ کا موقف یہ تھا کہ ہمیں بطورِ الزام بھی اہل تشیع کے مباحث میں انہیں شیعہ نہ کہنا چاہیے، اور بعینہٖ یہی موقف مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کا تھا، پہلے علامہ احمد شاہ چوکیروی رحمہ اللہ کی مکمل عبارت ملاحظہ فرمائیے، آپ لکھتے ہیں:

''میں نے جواب سوم میں ابن شہاب زہریؒ کے شیعہ ہونے کا اظہار کیا تھا اور کتب معتبرہ شیعہ کے حوالہ

---

[1] سید عبدالقدوس ترمذی/حیات ترمذیؒ سوانح حیات مولانا مفتی عبدالشکور ترمذیؒ/ناشر جامعہ حقانیہ ساہیوال ضلع سرگودھا/صفحہ نمبر ۵۴۳۔

جات سے اس جواب کو مزین کیا تھا، میرا مقصد اس سے محض الزام دینا تھا اگر میرے نزدیک یہ جواب تحقیقی ہوتا تو میرا فرض تھا کہ اہل سنت کی مستند کتابوں سے اس چیز کو ثابت کرتا، مگر تحقیق فدک کا مطالعہ کرنے والے گواہ ہیں کہ میں نے اس جواب میں کسی سنی کتاب کا حوالہ پیش نہیں کیا۔ حق کے طالب کے لیے جواب سوم کے الزامی ہونے کے واسطے صرف یہی دلیل کافی ہے، جن دنوں میری کتاب ''تحقیق فدک'' زیور طباعت سے آراستہ ہو کر جلوہ گر ہوئی، بلا توقف صدیقوں کے دشمنوں بلکہ صداقت کے مخالفوں نے اس کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور صَرف کیا۔ یہاں تک کہ اہل سنت والجماعت کے مُسلّمہ اور برگزیدہ علماء کرام سے ابن شہاب زہری کے سنی ہونے کے فتوے حاصل کیے اور اپنے اخبارات میں جلی سرخیوں کے ساتھ اور نمایاں عنوانات میں درج کیے، چنانچہ راقم الحروف نے ہفت روزہ ''دعوت'' لاہور میں اور پندرہ روزہ ''الفاروق'' چوکیرہ سرگودھا میں نام بردہ جواب سوم کے الزامی ہونے کا اعلان کر دیا۔ اور ساتھ ہی دریافت کیا کہ آیا شیعہ کی کتابوں میں الزامی جوابات کا وجود ہے یا کوئی نہیں؟ پھر اس کے بعد میں نے کتب شیعہ سے الزامی جوابات کی نشاندہی بھی کر دی۔ آج سات برس ہونے کو آئے ہیں مگر کسی شیعہ عالم نے مہر سکوت نہیں توڑی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے ان کی زبان یا زبانِ قلم پر قبضہ کر رکھا ہے۔ ہاں گاہے گاہے ازرہِ شرارت اور دھوکہ بازی اس چیز کو دہرا دیتے ہیں جس کے جواب با صواب نے انہیں مبتلائے عذاب کر دیا ہوا ہے۔ ماسٹر منظور حسین اجنالوی نے بھی اپنی برائے نام ''توثیق فدک'' بہ جواب ''تحقیق فدک'' میں ابن شہاب زہری کے تشیع کی تردید پر بہت زور مارا ہے اور ان کا سنی ہونا کتب رجال اہل سنت کی اور فتاویٰ علماء اہل سنت سے ثابت کیا ہے، میں نے اعلان کر دیا تھا کہ شیعہ مبلغین کو ابن شہاب زہری کے سنی ثابت کرنے کے لیے دور جانے کی کوئی ضرورت نہیں، وہ مجھ سے استفتاء کریں تو میں اپنی قلم سے اُن کا سنی ہونا لکھ دوں گا۔ مگر شیعہ مبلغین کا مقصد اظہارِ حق نہ تھا۔ وہ تو صرف یہی چاہتے تھے کہ کسی طرح ''تحقیق فدک'' کے اثر و رسوخ اور اس کے قبول عام کو روکنے میں کامیاب ہو جائیں اس لیے انھوں نے ہر ناجائز حربہ کو استعمال کرنے میں کوئی شرمندگی محسوس نہ کی اور باوجود اس کے کہ ان کا ضمیر انہیں ملامت کرتا رہا، پوری ڈھٹائی سے میرے خلاف پروپیگنڈہ کرتے رہے۔ جب کہ میں نے اس جواب کو الزامی قرار دیا تھا، تو فن مناظرہ کے اصول کے ماتحت شیعہ مبلغین کا فرض تھا کہ اپنی کتبِ معتبرہ سے ابنِ شہاب زہری کے تشیع کی تردید کرتے۔ یہ چیز تو ان کے بس کا روگ نہ تھی۔ اس واسطے اہل سنت کی کتابوں سے ابن شہاب زہری کے سنی ہونے کو ثابت کرنے لگ گئے۔''[1]

---

[1] علامہ احمد شاہ چوکیروی، تحقیق فدک، طبع چہارم، ناشر امام پاکستان اکیڈمی، سرگودھا، صفحہ نمبر ف، ق۔

یہ سطور بالکل واضح ہیں، ان پر تبصرہ کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ الزامی و تحقیقی جوابات میں کیا فرق ہوتا ہے؟ بلکہ خود علامہ چوکیروی رحمہ اللہ واشگاف الفاظ میں ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کو سنی تسلیم کرتے ہوئے الزامی دلائل پہ یوں تبصرہ کرتے ہیں:

> ''خدا کے بندے! یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ حضرت ابن شہاب زہری رحمہ اللہ اہل سنت کے نزدیک سنی ہیں۔ اگر اس بات کا استفتاء مجھ سے کیا جاتا تو بھی یہی جواب ہوتا۔ ماسٹر صاحب اور ان کے استاذ صاحب گوجروی نے عوام کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کے لیے یہ کاروائی کی ہے۔ وہ جانتے تھے کہ ہماری یہ کاروائی اصول مناظرہ کے خلاف ہے، مگر جب وہ اپنے مُسلّمات سے جواب پر قادر نہ تھے تو خاموش کیسے بیٹھ جاتے؟''❶

یہ عبارت پہلی کا گویا خلاصہ ہے جس میں دوٹوک فیصلہ دے دیا گیا کہ علامہ ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کو شیعہ قرار دینا غلط، بالکل غلط ہے علامہ دوست محمد صاحب قریشی رحمہ اللہ نے مناظرہ جھوک دایہ میں، یا علامہ احمد شاہ چوکیروی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''تحقیق فدک'' طبع اول میں اگر اس کو شیعہ کہا تھا تو اس کی حیثیت فقط الزامی ہے، تحقیقی نہیں اور تقریری و تحریری مناظرہ میں الزامی دلائل کا استعمال مُسلّم بین الفریقین ہے۔ نیز خود ان حضرات نے بھی بہ قلمِ خود وضاحت فرما دی ہے کہ ہم یہ بات کتب شیعہ سے نقل کر رہے ہیں اس کا جواب شیعوں پر لازم ہے نہ کہ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہم علامہ زہری رحمہ اللہ کے تشیع کے قائل ہیں۔

## مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کا ایک انتباہی نوٹ:

مناظرہ جھوک دایہ کے بنیادی محرک ہی مولانا محمد نافع رحمہ اللہ اور حضرت خواجہ قمر الدین صاحب سیالوی علیہ الرحمۃ تھے۔ حضرت سیالوی رحمہ اللہ نے انعقادِ مناظرہ سے ایک ہفتہ پہلے مولانا محمد نافع رحمہ اللہ اور آپ کے قریبی دوست مولانا احمد بخش ضیائی رحمہ اللہ کو مع کتب سیال شریف طلب کر کے حوالہ جات کی ترتیب دلوائی، مشاورت کی، پھر مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کو باقاعدہ ملتان روانہ فرمایا تاکہ وہ مولانا دوست محمد قریشی رحمہ اللہ صاحب کو لے کر جھوک دایہ پہنچیں۔ گویا شروع سے آخر تک آپ اس میں شریک رہے۔ دورانِ مناظرہ جب علامہ قریشی رحمہ اللہ نے الزامی حیثیت سے علامہ ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کو شیعہ کہا تو مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے اس کو غیر ضروری قرار دیا، پھر جب مناظرہ جھوک دایہ کی روداد قلمبند کی گئی تو اس میں بھی مناظرہ کی یہ گفتگو من وعن شائع کردی گئی۔ اس وقت کاتب السطور ❷ کے سامنے ''مناظرہ جھوک دایہ'' طبع اول کا وہ نسخہ موجود ہے جو مولانا

---

❶ ایضاً، صفحہ نمبر ۲۸۹۔

❷ عبدالجبار سلفی

محمد نافع رحمہ اللہ کا ذاتی نسخہ ہے اور یہ آپ کو علامہ دوست محمد قریشی صاحب نے خود ارسال کیا تھا۔ اس نسخہ کے بالکل پہلے صفحہ پر مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے اپنے قلم سے ایک نوٹ درج کیا ہوا ہے، یہاں وہ قلمی تحریر پیش خدمت ہے۔ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''ضروری انتباہ''

اس کتابچہ میں صفحہ نمبر ۵۸ اور ۶۰ وغیرہ پر جو علامہ زہری رحمہ اللہ کے حق میں لکھا ہے کہ شیعوں میں جا کر شیعہ بن جاتا تھا اور سینوں میں سنی الخ۔ یہ کلام اگرچہ بطور الزام کے ذکر کیا ہے، تب بھی صحیح نہیں ہے۔ اس سے زہری رحمہ اللہ کا جو مقام محدثین کے نزدیک ہے، اس کی تغلیط ہوتی ہے۔ اور اعتماد فی الروایت ختم ہو جاتا ہے، یہ طریقہ ہرگز درست نہیں ہے اس میں اہل سنت کے مسلک کا سخت نقصان ہے۔ اور جمہور علمائے فن کے طریق کی سراسر برخلافی ہے۔ مخالف کو جواب دیتے ہوئے اپنے مذہب کے مخالف و متضاد راہ اختیار کرنا کونسی دانائی ہے؟؟ یہ راہ سو فیصد غلط ہے اس سے اجتناب کرنا لازم ہے۔ اس مقام میں اتنا قدر کلام کرنا کافی ہے کہ یہاں کلام میں ادراج فی الروایت ہے اور مُدرّج زہری رحمہ اللہ ہے۔ محدث زہری رحمہ اللہ روایت میں ادراج کر دیتے تھے اور راوی کا فی الروایت ادراج کر دینا دوسروں کے لیے حجت نہیں ہے، اس کا تسلیم کرنا ضروری نہیں ہے۔ زہری رحمہ اللہ کا جو مقام محدثین میں ہے اسے گرایا نہیں جا سکتا، ان کو شیعہ قرار دینا غلط ہے، صحیح نہیں ہے۔ اس وقت علماء کرام نے الزاماً یہ قول کہہ دیا ورنہ یہ حقیقت الامر کے خلاف ہے۔ عافاھم اللہ تعالیٰ۔ اور راوی ادراج فی الروایت سے متروک نہیں ہو جاتا، بلکہ مقبول ہی رہتا ہے۔
(ملاحظہ ہوں اصول حدیث کی کتب)

''ناچیز محمد نافع عفا اللہ عنہ''

## مولانا طاہر مکی کی سطحیت:

یہ صاحب کراچی میں محمود احمد عباسیؔ، علامہ تمنا عمادی، مولانا محمد اسحق سندیلویؔ، اور مولانا حبیب الرحمن صدیقی کاندھلویؔ کے ترجمان بنے ہوئے ہیں۔ یہ سارا گروپ (سوائے مولانا سندیلوی کے کہ وہ مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مسئلہ میں بے اعتدال ہو گئے تھے) بہ یک وقت یزیدی، خارجی، سلف بیزار بلکہ انکار حدیث تک کا ارتکاب کر جاتا ہے۔ ان صاحب نے مولانا تمنا عمادی کی کتاب ''امام زہری و امام طبری تصویر کا دوسرا رخ'' پر مقدمہ لکھا ہے، اور اس میں بڑی تعلی کیساتھ لکھا ہے کہ مناظرہ جھوک دایہ میں مولانا دوست محمد قریشی رحمہ اللہ نے اور ''تحقیق فدک'' میں علامہ احمد شاہ چوکیروی رحمہ اللہ نے ابن شہاب زہری کو شیعہ لکھا ہے،

حالانکہ یہ صاحب ان اکابر کی تحقیقات کو سمجھنے سے ہی قاصر ہیں، مگر تحریر میں بڑھک بازی اور بے جا شیخی اس حد تک ہے کہ گویا ''ذھبیٔ زماں'' ہیں۔ چنانچہ شہید ناموس صحابہ رضی اللہ عنہم مولانا حق نواز جھنگوی رحمہ اللہ کے ساتھ کراچی میں اپنی ایک ملاقات کی روداد پیش کرتے ہوئے طاہر المکی صاحب لکھتے ہیں:

''میں نے کہا آپ کے مشن کے حوالے سے ایک مثال پیش کرتا ہوں بشرطیکہ آپ بھڑک نہ جائیں، انھوں نے کہا فرمایئے! میں نے کہا حدیث وسیرت کے مدوّنِ اول امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ میں شیعیت کے جراثیم تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی وہ تمام روایات جو سنی شیعہ مباحث سے متعلق ہیں یہ جراثیم لیے ہوئے ہیں، قرآنِ کریم کی جمع وتدوین کا معاملہ ہو، ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا معاملہ ہو (افک کا) ہر جگہ یہی بزرگ نظر آتے ہیں، مولانا نے کہا کہ یہ تو آپ نے بڑی خطرناک بات کہہ دی۔ اس کی وجہ سے تو آپ پر منکر حدیث ہونے کا فتویٰ لگ سکتا ہے۔ میں نے کہا اسی لیے تو یہ مثال میں نے آپ کے سامنے پیش کی ہے۔ اچھا یہ فرمایئے بریلوی مسلک کے علماء کی جماعت کے قائد مولانا قمر الدین سیالوی منکر حدیث تھے؟ کہنے لگے نہیں۔ میں نے کہا آپ کے استاذ محترم صدر تنظیم اہل سنت مولانا دوست محمد قریشی مرحوم تو ضرور منکر حدیث تھے بلکہ عام مولویوں کی رٹی ہوئی عبارت کے مطابق ''من شك فی کفرہ فقد کفر''! مولانا ہنس کر کہنے لگے کیا آپ مجھ سے پہیلیاں بجھوا رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا جناب ان دونوں حضرات نے امام زہری کے شیعہ ہونے کا اقرار کیا ہے۔ لہٰذا آپ کے فتوے کے اصل مصداق وہ ہیں، میں تو صرف ان کا ناقل ہوں۔ مولانا حیران رہ گئے، میں نے اسی وقت اپنی لائبریری سے مولانا قمر الدین سیالوی کی کتاب ''مذہب شیعہ'' اور مولانا دوست محمد قریشی کا ''مناظرہ جھوک دایہ'' منگا کر انہیں دکھائے۔ مولانا مرحوم انہیں پڑھتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ آپ نے تو میری آنکھیں کھول دیں۔ بالآخر میں نے ان دونوں کتابوں کی فوٹو اسٹیٹ کرا کے مولانا کے سپرد کی اور عرض کیا کہ اب فرمایئے میرا مشورہ اور میری پیش کردہ مثال درست ہے یا نہیں؟ مولانا نے فرمایا بلا شک وشبہ! مرحوم کی شہادت کے بعد ان کے ایک پرجوش معتقد نے بتایا کہ شہید مرحوم نے یہ بات اپنی کسی تقریر میں بھی ببانگ دہل کہہ دی ہے اور کہا کہ ہم سے تقیہ نہیں ہوسکتا۔'' [1]

اس کے بعد موصوف نے مولانا حق نواز شہید رحمہ اللہ کی ڈیرہ اسماعیل خان میں کی جانے والی ایک تقریر کے اقتباسات بھی پیش کیے ہیں جس میں وہ جذباتی لہجے میں امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کو شیعہ قرار دیتے ہیں، ہم نے یہ تقریر نہیں سنی، لیکن مولانا حق نواز شہید رحمہ اللہ اگر مولوی طاہر مکی صاحب کی گفتگو سے متاثر ہوگئے

---

[1] مولانا طاہر مکی رمقدمہ بر کتاب ''تصویر کے دو رخ'' رناشر الرحمن پبلشنگ ٹرسٹ کراچی رص ۲۸۔

تھے اور تقریر میں بھی ان تاثرات کو بیان کردیا تھا تو یہ کوئی بعید نہیں ہے کیونکہ وہ مغلوب الحال تھے، محبتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں مدہوش تھے اور جذبۂ شہادت سے سرشار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک پُر جوش اور تحریکی مزاج کے عالم دین تھے اور ان صفات کا حامل انسان عموماً تحقیقی باریکیوں میں نہیں جاتا۔ مگر مکی صاحب کے دل میں تو سوائے فتور کے کچھ بھی نہیں ہے، کیونکہ یہ تو اصطلاحاتِ مناظرہ، موقع ومحل کی مناسبت اور قائل کی مراد و توضیحات کو سمجھنے تک سے قاصر ہیں، فلہٰذا معذور ہیں۔ اور جہاں تک اہل دانش وبینش کا تعلق ہے ان کے لیے علامہ چوکیروی رحمہ اللہ ان کے قابل فخر شاگرد مولانا محمد نافع رحمہ اللہ، علامہ قریشی رحمہ اللہ، اور مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ کی تحقیق وآراء دربارۂ امام زہری رحمہ اللہ کافی وشافی ہیں، دراصل جب کوئی بھی انسان اپنی کسی غلطی پر جم جائے اور اپنی اصلاح کرنے یا تحقیقِ مزید کی سعی نہ کرے تو وہ غلطیوں پر غلطیاں کرتا چلا جاتا ہے، اس پر بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کے حضرات نے اولاً عام مردوں کے سماع کا انکار کیا، پھر حیات الانبیاء اور حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہوگئے، اور روضۂ اطہر پر پڑھے جانے والے صلوٰۃ وسلام کے متعلق نظریہ ایجاد کرلیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ وسلام سماعت نہیں فرماتے، پھر اسی دوران اسلافِ امت پر گولہ باری شروع کردی گئی، یہاں تک کہ اس گروپ کے مولوی احمد سعید صاحب ملتانی گکڑھٹوی منکر حدیث اور گستاخِ امام بخاری ہوکر دنیا سے رخصت ہوئے، ان کی زندگی کی آخری کتاب جو متنازعہ ترین تھی، اس پر شاہد ہے، جس میں وہ دیگر واہیات وتلبیسات کے ساتھ ساتھ یہ بھی لکھتے ہیں کہ:

"اکثر علماء اسلام کی تحقیق میں عموماً اور اہل تشیع علماء کے نزدیک خصوصاً زُہری شیعہ اور پھکڑ باز بھی ہے۔"[1]

## مولانا عبدالقدوس خان قارن کا ایک تاثُّر:

مولوی احمد سعید خان صاحب کی مذکورہ کتاب یعنی "قرآنِ مقدس اور بخاری محدث" کے چند ایک جوابات مختلف علماء کرام نے لکھے تھے، شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کے فرزندِ ارجمند جناب مولانا عبدالقدوس خان صاحب قارن نے بھی ایک علمی اور تحقیقی جواب لکھا تھا، جس کا نام "دَفْعُ اعتراضاتِ المُخبِّث علی بخاری محدث" المعروف "امام بخاری رحمہ اللہ کا عادلانہ دفاع" ہے۔ یہ کتاب حضرت مولانا مدظلہ نے مجھے ارسال فرما کر احسان فرمایا تھا جس میں مندرجہ ذیل خط بھی تھا:

مکرمی جناب مولانا عبدالجبار سلفی صاحب زید مجدہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہٗ!

"امام بخاری کا عادلانہ دفاع" کے تین نسخے بھیج رہا ہوں ان میں سے ایک نسخہ آپ کی خدمت میں ہدیہ

[1] احمد سعید خان/قرآن مقدس اور بخاری محدث/مرکزی جمعیت اشاعت التوحید/ص ۳۰۴۔

ہے، اور باقی دو نسخے ماہ نامہ حق چار یارؓ لاہور میں تبصرہ کے لیے ہیں۔ نیک دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں۔''

فقط والسلام

عبدالقدوس قارن

۱۱، اپریل ۲۰۰۹ء گوجرانوالہ

چنانچہ راقم نے مذکورہ کتاب پر تفصیلی تبصرہ ماہ نامہ حق چار یارؓ میں شائع کر دیا تھا۔ اس کتاب میں امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کے متعلق مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے موقف کے حوالہ سے حضرت مولانا موصوف نے لکھا ہے:

''امام زہری رحمہ اللہ کو کسی بھی معتبر عالم نے شیعہ نہیں کہا، حضرت مولانا محمد نافع صاحب مدظلہ نے لکھا تھا، مگر بعد میں اپنی غلطی تسلیم کر لی۔''❶

اور اس سے پہلے مولانا قارن صاحب مولانا محمد نافع رحمہ اللہ سے اپنی ملاقات کا ذکر یوں درج کرتے ہیں:

''جامعہ محمدی شریف ضلع جھنگ کے ممتاز عالم دین اور بہت سی کتابوں کے مصنف حضرت مولانا محمد نافع صاحب دام مجدہم بھی ایک عرصہ تک اسی طبقہ میں سے تھے اور انھوں نے اپنی تحریرات میں بھی اس کا اظہار کیا مگر بعد میں انھوں نے اپنے نظریہ کی اصلاح فرمالی۔ چند ماہ قبل راقم الحروف حضرت مولانا سیف اللہ صاحب ناظم جامعہ امدادیہ چنیوٹ اور حضرت مولانا قاری عبدالحمید صاحب زیدہ مجدہ مہتمم جامعہ انوار القرآن چنیوٹ اور چند دیگر حضرات کے ہمراہ حضرت مولانا محمد نافع صاحب دام مجدہم کی زیارت کے لیے حاضر ہوا۔ حضرت نے انتہائی محبت وشفقت کا مظاہرہ فرمایا کافی دیر علمی باتیں ہوتی رہیں اسی دوران میں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حضرت سے امام زہری رحمہ اللہ کے متعلق پوچھا تو فرمانے لگے وہ ثقہ ثبت راوی اور اہل السنت والجماعت میں سے تھے۔ پھر فرمایا کہ میں نے پہلے جو لکھا، حضرات نے اس جانب توجہ دلائی اور مزید تحقیق سے مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔''❷

## تبصرہ:

مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے امام زہری رحمہ اللہ کو کہاں شیعہ لکھا ہے؟ اور رجوع کہاں کیا؟ اس کا ذکر حضرت مولانا قارن صاحب نے نہیں کیا۔ یہ یقیناً آپ کا تسامح ہے۔ کیونکہ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے زندگی بھر کبھی زہری رحمہ اللہ کو شیعہ نہیں کہا اور نہ لکھا تو رجوع راچہ معنی است؟ حتیٰ کہ مناظرہ جھوک دایہ جو ۱۹۵۵ء کو ہوا مولانا محمد نافع رحمہ اللہ تو اس زمانہ میں بھی اپنی تحقیق کے مطابق امام زہری رحمہ اللہ کو سنی ہی تسلیم کرتے تھے بلکہ

---

❶ مولانا عبدالقدوس خان قارن، دفع اعتراضاتِ الخبث علیٰ بخاری محدث، مطبوعہ فروری ۲۰۰۹ء عمر اکادمی گوجرانوالہ، ص ۷۲۔

❷ ایضاً، ص ۲۶۔

آپ رحمہ اللہ تو فن مناظرہ کی رُو سے بطور الزام بھی انہیں شیعہ کہنے پر تیار نہیں تھے، جیسا کہ آپ رحمہ اللہ کے اپنے ہاتھ کی انتہاہی تحریر گزشتہ اوراق میں ہم پیش کر آئے ہیں۔ ہاں البتہ رواۃِ حدیث پر فنی لحاظ سے جس طرح دیگر اہل علم علمِ قدیم اور آراء متقدمین کی روشنی میں بحث کرتے ہیں، امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ پر بھی مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے دورانِ تحقیقات کوئی ایسا جملہ لکھ دیا ہو جس سے بظاہر کسی قاری کو مغالطہ ہوتا ہو تو وہ الگ بات ہے، اور یہ مغالطے تو بڑے بڑے علماء کو بھی لگ جاتے ہیں۔ مگر بہ یک جنبشِ لب مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے ابن شہاب زہریؒ کو اہل سنت کی صفوں سے نکال دیا ہو، یہ آج کل کے نفسیاتی مریضوں اور کاغذی محققین کا کام تو ہوسکتا ہے، مولانا محمد نافع رحمہ اللہ جیسی محتاط اور حساس طبیعت رکھنے والے ایک ایسے عالم دین سے نہیں ہوسکتا، جس نے پوری زندگی شاہراہِ علم و تحقیق پر قدم پھونک پھونک کر رکھا ہو۔ مولانا عبدالقدوس خان قارنؔ مدظلہ ایک سنجیدہ مزاج، پیکرِ علم اور سب سے بڑھ کر متقی عالم دین ہیں۔ انھوں نے ملاقات کی جو روداد لکھی ہے، اس میں انہیں ضرور اشتباہ ہوا ہے اور شدید غلط فہمی ہوئی ہے۔ سوچتے سمجھتے ہوئے یقیناً ان سے کوئی مبالغہ یا غلط بیانی قطعاً ممکن نہیں ہے۔ دراصل ایک محقق عالم جب کسی مسئلہ کے جملہ پہلوؤں کو بیان کرتا ہے تو گہری نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ لکھنے والے کا اپنا طبعی رجحان کس جانب ہے؟ اور سطحی ذہن کا قاری اس کو اپنے علمی ظرف کے مطابق قبول کر کے فوراً نتیجہ اخذ کر لیتا ہے، اس لیے مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے جب الزامی ابحاث میں ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کے متعلق تاریخی روایات کے سارے پہلو درج کیے تو بعض قارئین بلا تحقیق ایک منفی اثر لے بیٹھے جبکہ مناظرانہ و محققانہ مقام و محل کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں۔ اس لیے آپ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''رحماء بینھم'' کے پہلے اڈیشن کے بعد معمولی ترمیم کی تھی، جو مذکورہ کتاب کی جلد اول کے صفحہ نمبر ۱۴۷ تا صفحہ ۱۵۱ پر دیکھی جاسکتی ہے۔ غالباً اسی ترمیم کو بعض اہل علم رجوع سمجھ بیٹھے ہیں اور بعض نے اسے تفردات کا نام دے دیا، درحقیقت یہ نہ رجوع ہے نہ تفردِ علمی، بلکہ علامہ ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کے متعلق مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کا نظریہ بے غبار اور متعین تھا کہ وہ سنی محدث اور جلیل القدر عالم دین تھے، البتہ ادراج فی الحدیث کے ضمن میں اگر ان سے کوئی علمی لغزش کہیں ہوئی ہے تو اس سے نہ ان کا مذہب مجروح ہوتا ہے اور نہ شانِ علم پہ آنچ آتی ہے۔ نیز مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے الزامی طور پہ شیعہ کتب سے زہری رحمہ اللہ کے متعلق جو عبارات دی ہیں وہ صرف شیعوں پر حجت ہیں اور ان کا جواب انہی کے ذمہ ہے اس سے اہل سنت کو اپنا وقار کمزور کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ رہے دورِ حاضر کے خوارج مزاج یا فتنہ طبع لوگ، مثلاً محمود احمد عباسی،

حکیم نیاز احمد، فیض عالم صدیقی، یا ان کے دوسرے متبعین و متاثرین، تو ان کی علمی حیثیت کچھ بھی نہیں۔ یہ حضرات خود پوری زندگی فکری الجھاؤ اور بھول بھلیوں میں مبتلا رہے اور کسی سلامتی کے ساحل تک نہ پہنچ پائے تو دوسروں کی راہنمائی کیا کرتے؟ بہرکیف اس قسم کی غلط فہمیوں کا پیدا ہو کر ظاہر ہونا بری بات نہیں ہے، کیونکہ اس سے علم و تحقیق کو وسعت ملتی ہے۔ اگر یہ چیز نہ ہو تو علمی معاشرے میں فکر اجتہادی تحرک سلب ہو کر رہ جائے۔ تاہم جب مضبوط دلائل و شواہدات سے غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جائے تو پھر اپنی کمزور رائے پر بلا وجہ ڈٹے رہنا اچھی روش نہیں، کیونکہ یہی ضد آگے چل کر الحاد کی راہیں ہموار کرتی ہے اور تفرقہ پیدا ہو جاتا ہے جس کا خمیازہ نسلِ انسانی کو صدیوں تک بھگتنا پڑ جاتا ہے۔ یاد رہے کہ ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کے متعلق مولانا عبدالحمید تونسوی کے نام اپنے ایک خط میں بھی مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے وضاحت فرما دی تھی کہ میں کیا، کسی بھی ذمہ دار سنی عالم نے ان کو شیعہ قرار نہیں دیا، مذکورہ خط ''مکاتیب'' کی جلد میں ملاحظہ کیا جا سکے گا۔

# مولانا محمد نافع رحؒ کی کسرِ نفسی

جیسا کہ تاریخی اعتبار سے پیش کیا جا چکا ہے کہ مناظرہ جھوک دابیہ کے محرک اوّل اور حضرت خواجہ سیالویؒ کے دستِ راست و معتمد علیہ مولانا محمد نافع تھے۔ مذہبِ حق کے دفاع کی فکر اور صحابہ کرامؓ کے ساتھ آپ کی قلبی محبت و ایمانی وارفتگی ہی تو تھی کہ اس زمانہ کی سفری صعوبتوں کو برداشت کرنے پر آپ تیار ہو گئے۔ اور پھر یہ بھی یاد رہے کہ ملتان پہنچے کے بعد جب پتہ چلا کہ علامہ دوست محمدؒ قریشی اور علامہ تونسویؒ صاحب دور دراز کہیں جلسوں پر گئے ہوئے ہیں تو مولانا محمد نافع رحمہ اللہ دفتر تنظیم کے رجسٹر سے ان کا سفری شیڈول دیکھ کر وہاں تک جا پہنچے جہاں یہ حضرات موجود تھے، وہاں جا کر مناظرے کی اطلاع بھی کی اور ایک تنظیمی اجلاس میں بھی شریک ہوئے جیسا کہ آپؒ اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں۔

''دفتر تنظیم بیرون بوہڑ دروازہ ملتان محلہ فرید آباد سے معلوم ہوا کہ مولانا عبدالستار صاحب تونسوی کا داخلہ جھنگ میں ممنوع ہے، اور مولانا دوست محمد قریشی صاحب کا سرگودھا داخلہ ممنوع ہے لہٰذا اب تونسہ مقدسہ جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ پھر قریشی صاحب کا پروگرام رجسٹر سے معلوم کر کے مسّو شاہ، شہر سلطان جانا تجویز ہوا، ملتان سے مظفر گڑھ اور مظفر گڑھ سے شہر سلطان سفر کیا، رات بدھ کو (مسّو شاہ) بخاری صاحب (مولانا سید نورالحسن شاہ) اور قریشی صاحب سے ملنا ہوا، معاملہ پیش کیا، تجویز ہوا کہ قریشی صاحب ۱۶، ستمبر کی

صبح پہنچ جائیں گی...... جہان پور“ میں تنظیم اہل سنت کے اجلاس میں مندرجہ ذیل فیصلے ہوئے۔

ا: تنظیم کا ہر مبلغ اپنی اپنی تصنیفات پر ”مبلغ تنظیم“ ضرور لکھوائے، جو پہلے صفحہ پر طبع ہو، خواہ چھوٹی تصنیف ہو یا بڑی!

۲: پرچہ ”دعوت“ کی کتابت دیدہ زیب ہو اور یکساں ہو یعنی ایک ہی کاتب کے ہاتھ کی ہو۔

۳: پرچہ تنظیم مدحِ صحابہؓ، ختم نبوت یا حجیت حدیث وغیرہ پر علمی مضامین سے خالی نہ ہونا چاہیے۔

۴: تنظیمی علماء کو مجبور کیا جائے کہ مذکورہ عنوانات کے مضامین پرچہ کو ارسال کریں۔ یہاں مولانا تونسوی صاحب سے ملاقات ہوئی اور انہیں خواجہ قمر الدین سیالوی صاحب والا خط حوالہ کیا۔ ۲، بجے کے قریب مولانا دوست محمد قریشی صاحب، بندہ اور صوفی احمد یار نعت خواں ہر سہ ملتان دفتر تنظیم میں پہنچے۔ سردار احمد خان صاحب پتافی اور مجاہد الحسینی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ پرچہ ”دعوت“ اور مرکز کے متعلق گزارشات ذکر کیں، پھر علی الصباح براستہ مظفر گڑھ، اٹھارہ ہزاری سفر اختیار کیا، مولوی منظور احمد شاہ صاحب بھی ساتھ ہوئے۔ یہ معین مناظر علامہ قریشی صاحب ہوں گے...... ۱۱، بجے مگھیانہ پہنچے ۲، بجے لاری کے ذریعہ عند العصر جھوک دایہ پہنچے۔ شیعہ علماء کو لانے والے میاں خضر حیات شاہ آف شاہ جیونہ گدی والا ہے اور اہل سنت علماء کے داعی حاجی گہنہ خان گاڈی بلوچ، رئیس جھوک دایہ ہیں۔“ [1]

لیکن اس کے باوجود کسرِ نفسی کا یہ عالم کہ اپنے استاذ محترم علامہ احمد شاہ چوکیرویؒ کے ذکر (جو پہلے گزر چکا ہے) میں مناظرہ جھوک دایہ کا تذکرہ کرتے ہوئے اس بات کا اظہار تک نہ کیا کہ مذکورہ مباحثہ میں میرا کس حد تک بنیادی کردار رہا، حقیقت یہ ہے کہ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ مجاہدۂ اختیاری کے اس مقام پر تھے جہاں جا کر ولی فنافی اللہ ہو جاتا ہے۔ اپنی ذات کو اخفاء میں رکھنا، نام ونمود اور نمائش وآرائش جیسی روحانی بیماریاں تو جیسے آپ کو کبھی چھو کر بھی نہیں گزری تھیں...... اور مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی زندگی میں تو کہنا شاید نامناسب تھا مگر اب یہ کہنے میں کوئی مبالغہ نہیں کہ آپ بلاشبہ پیدائشی ولی تھے اور اہل سنت والجماعت کے اضافۂ مقدر کا ایک یہ بھی سبب ہے کہ اس کی فکری ونظریاتی جڑوں مین مولانا محمد نافع رحمہ اللہ جیسے برگزیدہ اور خداترس علماء دین کا خون پسینہ شامل ہے۔

---

[1] مولانا محمد نافع رحمہ اللہ رذاتی ڈائری ۱۳ تا ۱۶ ستمبر ۱۹۵۵ء۔

## مولوی محمد اسمٰعیل گوجروی کی حسبِ عادت شیخی بازی!

اس مناظرہ کی ایک رُوداد مولوی اسمٰعیل گوجروی صاحب نے بھی اپنے شاگردوں سے مرتب کروائی تھی...... چنانچہ ناصر حسین نجفی نے تو گوجروی صاحب کی حمایت میں سچ کا وہ خون کیا کہ علامہ ابن مطہر حلی اور قاضی نور اللہ شوستری تک کی روحیں تڑپ اٹھی ہوں گی، وہ لکھتے ہیں:

۱: یہ وہ مناظرہ ہے جس میں درجنوں دیوبندی اور بریلوی علماء کی معاونت کے باوجود تنظیم اہل سنت کے مبلغ مولوی دوست محمد قریشی، حضرت مبلغ اعظم مولانا محمد اسمٰعیل صاحب مدظلہ، شیعہ مناظر کے دلائل کو توڑ نہ سکے۔

۲: یہ وہ مناظرہ ہے جس میں پیر سیال شریف کی موجودگی اوران کی کرامات بھی مذہبِ اہل سنت کو نہ بچا سکیں۔

۳: یہ وہ مناظرہ ہے جس میں مناظر اہل سنت اپنے مُسلَّمات سے انکار کرتا رہا اور سنی بانی مناظرہ حاجی گہنہ خان کے بھتیجے محمد خان اور غلام رسول خان گاڈی بلوچ نے میدانِ مناظرہ میں ہی شیعہ ہونے کا اعلان کر دیا۔

۴: یہ وہ مناظرہ ہے جس میں مبلغ اعظم مدظلہ سے شکست کھا کر ندامت اُٹھائے بریلوی علماء نے سیال شریف اور دیوبندی علماء نے جامعہ محمدی میں جا کر دم لیا۔ [1]

منہ اور قلم کے آگے کوئی کھائی تو ہوتی نہیں کہ اس میں گر جانے کا خطرہ ہو، خصوصاً جب انسان کے دل میں بُغضِ صحابہؓ و اہل بیتؓ، اور خوف آخرت کا فقدان ہو تو پھر جھوٹے افسانے گھڑتے چلے جانا نہ کوئی مشکل ہے نہ ناممکن! حقیقت یہ ہے کہ مبلغ اعظم کی ہمیشہ کی طرح اس مناظرہ میں بھی اچھی خاصی دُرگت بنی تھی۔ اور منصف مزاج شیعہ علماء و عوام خود بھی مبلغ اعظم یا ان کے مذکورہ آنجہانی شاگرد کی گیدڑ بھبھکی کو درخورِ اعتناء نہیں سمجھتے۔

## (۱۰) مناظرہ بستی سیال کوٹ ھتانہ گڑھ مہاراجہ! (جولائی ۱۹۵۶ء)

یہ مناظرہ اہل سنت اور اہل تشیع کے مابین ۵، جولائی ۱۹۵۶ء بمطابق ۲۵ ذیقعدہ ۱۳۷۵ھ کو علاقہ بستی سیال کوٹ، متصل شورکوٹ، گڑھ مہاراجہ ضلع جھنگ میں طے پایا، مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے حسب مزاج علماء اہل سنت کو مطلع کیا، آپ رحمہ اللہ نے حوالہ جات کی ترتیب دی اور موقع پر پہنچ گئے۔ مگر اہل تشیع کی ہٹ

---

[1] ناصر حسین نجفی، روئداد مناظرہ جھوک دایہ "مشمولہ" فتوحات شیعہ/ناشر مبلغ اعظم اکیڈمی جوہر آباد/خوشاب/ص نمبر ۱۷۰۔

دھری اور ان کی وڈیروں کی چاپلوسی نے یہ مباحثہ ہونے نہ دیا۔ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ اس کی روداد مع تجربات اپنی ذاتی ڈائری میں یوں نقل کرتے ہیں:

''مولانا عبدالستار تونسوی بھی پہنچ چکے تھے، شیعی مولوی صاحبان مولوی اسماعیل صاحب، سیف اللہ اور اکبر عباس وغیرہم بڑی آب و تاب اور سج دھج سے لاریوں اور گاڑیوں میں آئے جبکہ ہمارے علماء اپنی پرانی ہیئت کذائی میں جمع ہوئے۔ فریقِ ثانی نے بڑے زور و شور سے آواز کسنے شروع کیے۔ پولیس حائل ہوئی اور مناظرہ نہ ہونے دیا۔ غریبوں کا صرف اللہ کریم ساتھی تھا۔ پسران و گدی نشینانِ سلطان باہو وغیرھم سب کے سب شیعہ رئیسوں کی رعایت کی خاطر سامنے تشریف نہ لائے [1] ترجیح۔ آخر کار ہر فریق کا اجلاس یعنی (جلسہ) ہوا۔ غریب طبقہ نے بڑی ہمت کر کے یہ مرحلہ تمام کیا۔''

## ''تجربہ''

۱: فریقین اگر متوازی طاقت کے ہوں تو مناظرے کا انجام سب و شتم اور گالی گلوچ پہ ہوتا ہے اور اگر ایک فریق غالب طاقت کا اور دوسرا کمزور ہو تو مناظرہ کا انجام جھگڑے اور لاٹھی چارج پر ہوتا ہے...... فافہم۔

۲: ہمیشہ مناظرہ کسی محفوظ مقام پر ہونا چاہیے۔ بلکہ ضروری ہے۔

۳: بغیر طاقت کے وقتی جوش کے پیش نظر یہ اقدامِ (مناظرہ) نہ کیا جائے۔

۴: فریقِ مخالف سے تحریری چیلنج لینا چاہیے تا کہ انجام کے نتائج سے خود محفوظ رہا جا سکے۔

۵: کیونکہ بعد میں یہ نتیجہ نکلا کہ علماء اہل سنت کو حکومت کی طرف سے ۳، ۳ ماہ کے لیے ضلع جھنگ میں داخل ہونے پر پابندی لگا دی گئی اور علامہ قریشی، مولانا تونسوی اور مولانا درویش محمد ہر تین پر تین ماہ کیلئے زبان بندی لگ گئی۔

بہر کیف جمعۃ المبارک کی صبح کو علماء واپس ہوئے۔ خمیس کو تقریریں اچھی ہو گئی تھیں۔ ۵ جولائی اصلاً جلسے کی تاریخ طے تھی مگر شیعوں نے خواہ مخواہ یومِ مناظرہ بنا دیا تھا۔ پھر اہل سنت جوابی آمادگی کیلئے مجبور ہو گئے۔ آج سارا دن مگھیانہ میں لاری نہ ملنے کی وجہ سے صَرف ہو گیا۔ کل واپسی گھر جانا ہو سکے گا انشاء اللہ تعالیٰ [2]

---

[1] ہم نے کتاب کی ابتداء میں ایک باب میں یہ بحث درج کر دی ہے کہ گدی نشینوں کی مداہنت اور لچک سے شیعیت کو بہت فروغ ملا ہے۔ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے مذکورہ ارشاد سے ہمارا دعویٰ مزید تقویت پا رہا ہے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ، شیخ مجدد الف ثانی رحمہ اللہ، علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ، خاندانِ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ، اکابرین علماء دیوبند، مشائخ گولڑہ و سیال شریف، اور مشائخ تونسہ شریف عظمتِ صحابہؓ کے مسئلے پر حساس نہ ہوتے تو آج عالم اسباب میں اہل سنت کی اعتقادی حالت کیا ہوتی؟ اس کے تصور سے بھی بدن کانپ جاتا ہے۔ سلفی

[2] ذاتی ڈائری مولانا محمد نافع رحمہ اللہ / ۵، جولائی ۱۹۵۶ء۔

جیسا کہ پہلے کہا گیا ہے کہ وعظ و تبلیغ اور تحریری مناظرے عوام کی فوز و فلاح اور مسئلے کی تفہیم کیلئے زیادہ مفید رہتے ہیں بہ نسبت تقریری مناظروں کے، کہ ان میں سوائے شور و غُل، اور وقتی فائدہ کے دائمی اور کلّی فوائد کم، نقصانات زیادہ ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ آج تک کوئی مناظر اپنی زندگی کے اواخر تک مناظروں پر قائم نہیں رہا...... تبلیغ، تصنیف اور تدریس تین ایسے شعبے ہیں کہ جن میں استقلال اور مستقل مزاجی رہی ہے۔ ماضی میں بڑے بڑے مناظر زندگی کے اواخر میں لفظِ مناظرہ سے ہی اتنے بدظن ہوئے کہ اِدھر کسی نے مناظرہ کا نام لیا، اُدھر ان کی پیشانی پہ بل آ گئے ...... حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ زمانۂ طالب علمی اور فراغت کے کچھ عرصہ بعد تک بہت زیادہ شوقینِ مناظرہ رہے، بلکہ مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ جیسے قابل اور مایہ ناز مناظر کو اعتراف تھا کہ حضرت تھانویؒ کو اس فن میں کمال کا ملکہ حاصل تھا۔ مگر کچھ ہی عرصہ کے بعد آپ مناظروں سے اتنے دلبر داشتہ ہوئے کہ فرماتے تھے۔

''مجھے جتنا اُس زمانہ میں مناظروں کا شوق تھا، اب بوجہ مضرتوں کے اُتنی ہی اس سے نفرت ہے۔ کیونکہ تجربات سے ثابت ہو چکا ہے کہ عام طور پر مناظرے نیک نیتی سے نہیں کیے جاتے، اُن کا مقصد خواہی نخواہی دوسرے فریق کو نیچا دکھانا ہوتا ہے اور اس کی تہہ میں اغراضِ فاسدہ ہوتی ہیں جن کی وجہ سے بجائے نفع کے ضرر واقع ہوتا ہے۔ کج بحثی، ہٹ دھرمی کی عادت پڑ جاتی ہے اور حقیقت شناسی کی استعداد جاتی رہتی ہے۔''[1]

مولانا خیر محمد جالندھریؒ (بانی جامعہ خیر المدارس ملتان) قیام پاکستان سے پہلے پوری مستعدی سے مناظرے کرتے رہے، چنانچہ ۷ر جولائی ۱۹۴۰ء کو علماء اہل حدیث کے ساتھ جنڈیالہ گورو ضلع امرتسر میں مناظرہ کیا۔ اور یہ مناظرہ فیصلہ کن اور کامیاب رہا، مولانا خیر محمدؒ نے جب اپنے مرشد مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کو مناظرہ میں فتح یابی کی خبر بذریعہ خط روانہ کی تو جواب میں حضرت تھانویؒ نے فرمایا:

''یہ بھی دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے دل سے مناظرہ کا شوق نکال دے۔''[2]

اس کے بعد تو مولانا خیر محمد صاحبؒ کے دل سے بھی شوقِ مناظرہ جاتا رہا جیسا کہ مصنف ''خیر السوانح'' بعنوان ''حضرت والاؒ کا ترکِ مناظرہ'' لکھتے ہیں:

''چنانچہ حضرت والا نے بھی مناظرہ ترک فرما دیا۔ جیسا کہ ان کے شیخ حکیم الامتؒ نے ترک فرما دیا تھا اور اس کے بعد حضرتِ والاؒ نے بہت کم مناظرہ میں حصہ لیا...... حضرت مولانا حافظ منظور احمد صاحب استاذ

---

[1] روایت منشی عبدالرحمن خان رسیرتِ اشرف رص ر ۲۸۳۔

[2] مولانا آفتاب احمد رخیر السوانح رناشر، ادارہ خیر المعارف پرانا شجاع آباد روڈ...... ملتان، اکتوبر ۲۰۰۰ء رصفحہ نمبر ۲۲۴۔

الحدیث خیر المدارس کی روایت ہے کہ حضرتِ والاؒ نے فرمایا کہ پہلے مناظرہ کیا کرتا تھا، خصوصاً فقہ حنفی کی اہمیت کے لیے۔ بعدہٗ حضرت تھانویؒ نے مناظرہ سے منع فرما دیا کہ اس سے کما حقہ، احقاقِ حق نہیں ہوتا۔ اس لیے اپنے مرشد کے فرمانے پر مناظرہ چھوڑ دیا۔'' ❶

ماضی قریب میں وکیلِ احناف مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ آخری سالوں میں باوجود کامیاب مناظر ہونے کے اس شعبہ سے غیر مطمئن تھے، فرماتے تھے تربیتی مجلسوں اور وعظ و تبلیغ کی نشستوں میں اختلافی مباحث بانداز احسن بیان کرنے میں ذہن سازی ہوتی ہے، مناظروں میں فقط ہلا گلہ ہوتا ہے۔ یہ بھی فرماتے تھے کہ میں خود تو اب مناظرہ نہیں کروں گا، البتہ شاگردوں کو روکوں گا نہیں، کہ کہیں ضرورت پڑ بھی جاتی ہے۔ ❷

بریلوی مسلک میں ماضی کے معروف مناظر مولانا سعید احمد اسعد فیصل آبادی نے حال ہی میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ کے بڑے بیٹے مولانا زاہد الراشدی سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی، بعدازاں ملاقات ہوئی، انھوں نے ملاقات میں کیا کہا؟ مولانا زاہد الراشدی سے سنیے، لکھتے ہیں:

''حافظ پیر ریاض احمد چشتی نے فون پر دریافت کیا کہ بریلوی مکتب فکر کے معروف عالم دین مولانا سعید احمد اسعد آپ سے ملاقات کے خواہش مند ہیں۔ انہیں کیا جواب دوں؟ میں نے عرض کیا کہ آج کے پروگرام کا نظم آپ کے ہاتھ میں ہی ہے۔ اگر گنجائش ہے تو ان کے ہاں جانے کی ترتیب بنالیں، چنانچہ (فیصل آباد) جاتے ہی پہلے اُن سے ملاقات کا پروگرام بن گیا۔ مولانا سعید احمد اسعد بریلوی مکتب فکر کے معروف بزرگ مولانا مفتی محمد امین کے فرزند اور جامعہ امینیہ شیخ کالونی کے مہتمم ہیں، مسلکی اختلافات پر ایک بڑے مناظر کی شہرت رکھتے ہیں۔ اور معروف خطباء میں شمار ہوتے ہیں۔ حافظ ریاض احمد چشتی، مولانا قاری لائق علی اور سید ذکر اللہ حسنی کے ہمراہ جامعہ امینیہ میں حاضری ہوئی۔ مولانا صاحب موصوف نے عزت و توقیر سے نوازا اور ملاقات کا مقصد یہ بتایا کہ وہ ایک عرصے سے اس سوچ میں ہیں کہ دیوبندی، بریلوی تفریق اختلافات امت کے اجتماعی ماحول اور مقاصد کے لیے نقصان کا باعث بن رہی ہے۔ اس کو سمیٹنے کی کوئی صورت نکالنی چاہیے۔ تاکہ ہم مل کر ملک و قوم کے اجتماعی مسائل کے لیے محنت کر سکیں......

مولانا سعید احمد اسعد نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں میری تجویز یہ ہے کہ اس سے قبل دونوں طرف کے جن بزرگوں مثلاً مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی، مولانا مفتی محمد حسین نعیمی، مولانا عبدالستار خان نیازی، مولانا

---

❶ ایضاً...... صفحہ نمبر ۲۲۶۔

❷ یہ بات مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد خاص مولانا محمد اسمٰعیل محمدی نے مصنف کو بتائی اور باوجودیکہ مولانا محمدی صاحب خود بھی مناظرے کرتے رہے، کہنے لگے کہ میری تو اب مناظروں سے جان جاتی ہے۔ (سلفی)

عبدالرحمن اشرفی اور دیگر جن حضرات نے جو کوششیں کی ہیں اور تجاویز پیش کی ہیں، ان سے استفادہ کیا جائے۔ اور باہمی مسلکی اختلافات کے بارے میں بیٹھ کر باہمی اتفاق رائے سے ہر مسئلہ میں قدرِ مشترک طے کر کے اس کا اعلان کیا جائے۔'' ❶

حالانکہ مولانا سعید احمد اسعد ماضی میں بڑی خشوع و خضوع سے مناظرے کرتے رہے، اور دیوبندی مکتب فکر کے متعلق ان کا شمار علماء متشددین میں ہوتا تھا۔ مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی اور مولانا محمد یوسف رحمانی رحمہ اللہ سمیت کئی ایک علماء سے ان کے مناظرے ہوتے رہے، مگر زندگی بھر اس محاذ پر مغز کھپائی کے بعد جمع، تفریق کر کے جو نتیجہ نکلا، وہ ان کی مندرجہ بالا گفتگو سے صریح ظاہر ہے۔ اور اس پر تبصرے یا تجزیئے کی حاجت نہیں ہے۔ ایک شیعہ عالم مولوی محمد حسین صاحب ڈھکو بھی ''مناظرہ'' کے متعلق لکھتے ہیں:

''ہمارا ہمیشہ سے یہ نظریہ رہا ہے کہ علمی مسائل عوامی مناظروں سے حل نہیں ہوتے۔ ہاں البتہ یہ شغل بے کاراں ہے۔ کوئی بیڑے لڑاتا ہے، کوئی مرغ لڑاتا ہے اور کوئی ریچھ کتے لڑاتا ہے اور کوئی مولوی لڑا کر تماشہ دیکھتا ہے اور لوگوں کو دکھاتا ہے کہ کونسا مولوی اچھے ٹھونگے مارتا ہے۔ مناظرہ میں ہر ایک یہی کوشش کرتا ہے کہ عوامی جذبات اُبھارے اور چرب زبانی سے کام لے کر اپنی کامیابی کے جھنڈے گاڑے۔ اس میں چونکہ کوئی کسی کی نہیں مانتا اس لیے دونوں ہی نہیں ہارتے۔ حالانکہ مناظرہ جسے ''جدل احسن'' کہا جاتا ہے، دونوں متخاصمین کی غرض و غایت صرف اظہارِ حق اور اظہارِ صواب ہونی چاہیے۔ اگر ان کی غرض ایک دوسرے کی تغلیط و الزام ہو تو یہ مکابرہ ہے، مناظرہ نہیں کہلائے گا اور ہونے والے ان اکثر مناظروں میں دیکھا گیا ہے کہ شرائط کا لحاظ نہیں رکھا جاتا...... عموماً یہ اہل سنت ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔'' ❷

## تبصرہ:

مناظرہ کے متعلق تو ڈھکو صاحب نے جو کہا، سو کہا، مگر ان کی آخری سطر ''عموماً یہ اہل سنت ہی کی طرف سے ہوتا ہے'' ان کی شیعی بغیضی طبیعت اور رافضیانہ تلبیس کا شاہکار جملہ ہے۔ ڈھکو صاحب کے حوالے سے ہم مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی تصانیف و تالیف کے باب میں کچھ لکھ آئے ہیں۔ یہاں ضمناً اور برسبیل تذکرہ ایک بار پھر ان کا ذکر آ گیا تو عرض کر دیں کہ موصوف کے خلاف ان کے اپنے ہم مذہبوں نے کوئی درجن بھر تک کتابیں لکھ ڈالی ہیں۔ اور ''گھر کا بھیدی لنکا ڈھاوے'' کے مصداق ان کی ہر فطرتی صفت مع تشریح و توضیح درج کر دی ہے۔ مثلاً معروف شیعہ عالم مولانا مرزا یوسف حسین لکھنوی نے ڈھکو صاحب کی کتاب ''اصول

---

❶ مولانا زاہد الراشدی رنوائے حق ''روزنامہ اسلام'' مؤرخہ ۲۳ نومبر ۲۰۱۵ء بمطابق ۱۰، صفر ۱۴۳۷ھ۔

❷ محمد حسین ڈھکو رتنزیہہ الامامیہ مطبوعہ سرگودھا رصفحہ نمبر ۳۲۴۔

الشریعہ" کی تردید میں ایک کتاب "حقائق العقائد" لکھی تھی، اس کے دیباچہ میں ایک شیعہ قلمکار ڈھکو صاحب کو بدفطرت، خارجی اور منکر اہل بیت قرار دیتے ہوئے لکھتا ہے:

"چوتھا بدنصیب (ڈھکو صاحب) فسادی پاکستان کے شیعوں کے حصے میں آیا جس نے پاکستان آکر شیعوں میں اختلاف ڈالنا شروع کر دیا۔ اس فسادی ملّانے ایک کتاب لکھی، بنام "اصول الشریعہ" اور "احسن الفوائد" ان کتابوں میں اس نے توہینِ اہل بیت کی حد کر دی۔ جب یہ کتابیں مناظرِ عام پر آئیں تو ہر طرف شیعوں کے آپس میں اختلافات ہونا شروع ہوگئے۔ اس وقت کے علماء حقہ نے ان فاسد کتابوں کے جوابات تحریر فرمائے اور جب علماء حقہ کی کتابیں منظر عام پر آئیں تو شیعہ شیعان امیر المؤمنین، موالیانِ حیدر کرار اس فاسد مولوی (ڈھکو) سے نفرت کرنے لگے۔ لیکن کچھ لوگ اس بے دین مولوی ڈھکو کا ساتھ دیتے رہے اور اکثریت شیعانِ علی تبرا کرنے لگے، آخر یہ ہوا کہ اس کا بھی نام و نشان ختم ہوگیا۔" ❶

ایک اور شیعہ عالم نے ڈھکو صاحب کے خلاف اپنی کتاب میں یوں لکھا:

۱: "یہ مولوی ڈھکو صاحب جس کے باطل نظریات کی وجہ سے تمام موجودہ فقہاء و مجتہدین ادام اللہ ظلہم نے ان کو ضال، مضل، دین سے خارج اور کافر قرار دیا ہے۔"

۲: مولوی ڈھکو صاحب نے اپنی دو شادیوں کا تو ذکر فرمایا ہے لیکن تیسری شادی کا تذکرہ نہیں فرمایا جو جناب نے جتوئی ضلع مظفر گڑھ کے مولوی مرید کاظم نامی ایک مولوی کی دختر سے کی تھی۔ پھر چند دنوں کے بعد اسے بے گناہ طلاق دے دی اور پھر اپنے خسر کو ایک خط تحریر فرمایا، جس میں اس کی بیٹی کی تو تعریف فرمائی اور وجہ طلاق بیان فرماتے ہوئے اپنی پہلی دو بیویوں کے لیے لفظ "امہات المومنین" تحریر فرمایا، بایں انداز کہ "میں تو کبھی بھی نکاح کے بعد طلاق نہ دیتا لیکن" امہات المومنین" نے اتنا پریشان کر دیا ہے کہ مجھے ان کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑ گئے ہیں اور میں یہ انتہائی اقدام کر رہا ہوں کہ آپ کی بیٹی کو بے گناہ طلاق دے رہا ہوں۔ (اس خط کی ایک نقل میرے پاس محفوظ ہے) صاحبان انصاف غور فرمائیں کہ امہات المومنین تو صرف اور صرف حضور ختمی مرتبت ﷺ کی ازواجِ محترمات ہیں، مولوی ڈھکو صاحب نے اپنی بیویوں کے لیے امہات المومنین کی اصطلاح استعمال کر کے کس طرح اپنے آپ کو حضور اکرم ﷺ کے مثل قرار دیا تھا۔" العیاذ باللہ ❷

---

❶ آغا طاہر عباس نقوی رابتدائیہ کتاب "حقائق العقائد" مطبوعہ ڈسکہ ضلع سیالکوٹ، صفحہ نمبر ۲۵۔ (کُل صفحات ۳۲۰)

❷ ابو العرفان محمد عباس قمی رمولوی محمد حسین ڈھکو کا مذہب اُن کی تصنیفات کی روشنی میں رناشر ادارہ منہاج الحسینؑ، جوہر ٹاؤن لاہور جولائی ۲۰۰۷ رص ۲۵۔۱۶۔

ایک اور شیعہ قلمکار لکھتے ہیں:

''ڈھکو صاحب سرگودھا کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں ایسے گھرانے میں پیدا ہوئے جو عام طور پر زمینداروں کی خدمت گاری کے لیے مخصوص ہوتا ہے اور علاقائی زبان میں کمی کہلاتا ہے۔ ڈھکو نے عربی، فارسی کی چند کتابیں سطحی طور پر ایسے نظام میں پڑھی ہیں، جہاں نہ کوئی نصاب مقرر ہوتا ہے، نہ باقاعدہ جماعتیں ہوتی ہیں، نہ امتحان ہوتا ہے، البتہ اہل علم کا لباس وہاں ہر کس و ناکس کو بآسانی مل جاتا ہے، بس اتنی سی بات پر وہ بقلمِ خود حجۃ الاسلام اور سرکار علامہ ہی نہیں بن گئے بلکہ بقولِ خود اسلحۂ علم سے مسلّح ہو کر اہلِ علم و اہلِ حق سے برسر پیکار ہونے کی بھی ٹھان لی۔''❶

مزید ایک شیعہ عالم کہتے ہیں:

''محقق دوراں، علامہ عصر، پروفیسر علی حسین صاحب شیفتہ نے یہ کتاب (تحقیق حق) مولوی محمد حسین صاحب ڈھکو کی وہابیت نواز کتاب ''اصول الشریعہ'' کی مکمل اور مُسکت تردید میں زیب قرطاس کی ہے، اس کتاب نے وہابیت نواز دماغوں کی چولیں ہلا کر رکھ دی ہیں، اور بوکھلاہٹ میں یہ مجدیت کی تبلیغ کرنے والا ٹولہ اپنے دماغی توازن و اعتدال سے اس قدر محروم ہوا کہ تہذیب و شائستگی کی تمام سرحدوں کو پار کر کے دشنام طرازی پر اتر آیا جیسا کہ ان کی طرف سے شائع ہونے والا نہایت ہی ناشائستہ پوسٹر شاہد ہے۔ دراصل یہ طبقہ شیعوں کو شیعیت سے برگشتہ کرنے کے لیے معرضِ وجود میں آیا ہے۔''❷

چونکہ ڈھکو صاحب نے اپنے مناظروں کے عدمِ فوائد اور ناکامیوں کا بوجھ اہل سنت پر بلاوجہ و بوجۂ تعصب ڈالا ہے، اس لیے اہل تشیع میں ان کی وقعت ظاہر کرنا ضروری تھا۔ آخر میں ہم اہل تشیع کے باہمی اختلافی مناظرہ کی رُوداد میں سے ایک اقتباس درج کر کے اس بحث کا اختتام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ احمد پور سیال جھنگ میں شیعہ علماء کے دو مختلف الخیال گروہوں میں ایک مرتبہ مناظرہ ٹھن گیا تھا۔ اس کے متعلق ایک شیعہ عالم لکھتے ہیں:

''احمد پور سیال میں مناظرہ کے فرار سے لے کر آج تک ڈھکو علماء کے سامنے نہ آنے سے اسی لیے بھاگتا چلا آرہا ہے کہ اسے اپنی جہالت کا بھی احساس ہے اور اپنی دین فروشی کا بھی علم ہے، اس لیے وہ گھر میں بیٹھ کر عوام کو بہکانے کا دھندا اختیار کیے ہوئے ہے۔''❸

---

❶ سید تصدق حسین بخاری رتائیدِ حق وتردیدِ باطل، مطبوعہ ادارہ تحفظِ ایمان سرگودھا رصفحہ نمبر ۸،۷۔ (کل صفحات ۲۷۶)

❷ مولانا ضمیر الحسن جھنگوی، تحقیق حق کتاب پر علماء حق کے تبصرے، صفحہ نمبر ۳۴۔

❸ مولانا سبط حسن رڈھکّو کے ڈھکو سلے رناشر ابلاغ العمران، پاکستان رمطبوعہ ۱۹۹۷ء رصفحہ نمبر ۱۷ (کل صفحات ۱۵۲)۔

یہاں ہم فی الحال اس حَیص بیص میں نہیں پڑتے کہ شیعہ علماء کے مابین یہ اختلاف کس نوعیت کا تھا، مختصراً اتنا لکھ دینا کافی ہے کہ ۷۰ء کی دہائی میں ان میں ''شیخی اور خالصی'' نام کے دو گروہ وجود میں آئے تھے، یہ فکری اختلاف بالآخر روپے پیسے کی چمک سے گزرتا ہوا آخر کار ایک دوسرے کے قتل وقتال پر جا کر منتج ہوا۔ درجنوں کتابیں ایک دوسرے کے خلاف لکھی گئیں، مناظرے ہوئے حتیٰ کہ مقدمہ بازی چلتی رہی، جیسا کہ گزشتہ اوراق میں گزر چکا ہے کہ مولوی محمد اسماعیل صاحب گوجروی کا جب ایکسیڈنٹ ہوا تو اس وقت بھی وہ اسی باہمی مناقشے کے سلسلے میں ایک پیشی پہ جا رہے تھے۔ بہر کیف بہ نظر انصاف دیکھا جائے تو یہ اختلافات طبعی ہوتے ہیں، جیسا کہ اہل سنت میں بھی کئی ایک ٹولیاں موجود ہیں اگرچہ شیعی باہمی تنازعات کا اگر اہل سنت اپنے باہمی اختلافات سے تقابل کریں تو اہل تشیع کی حالت پھر بھی ناگفتہ بہ ہے۔ مگر ہم نے یہ بات صرف بطور ریکارڈ کے لکھی ہے نہ کہ محض تنقید وطنز کے طور پہ! اور ناواقف قارئین کے علم میں ڈھکو صاحب کا اصل چہرہ دکھانا بھی مقصود ہے کہ مناظرات کے ضمن میں جو بے اعتدالیاں پائی جاتی ہیں ان کا تعلق کسی ایک مکتب فکر کے ساتھ نہیں ہے، بلکہ یہ ہر طبقے میں موجود ہیں۔ مگر ڈھکو صاحب کہتے ہیں کہ یہ ''اہل سنت ہی کی طرف سے بے اصولیاں ہوتی ہیں''۔ اس لیے ہم نے اس ''با اصول'' مجتہد صاحب کی اپنوں میں حیثیت و وُقعت کی ادنیٰ سی ایک جھلکی دکھائی ہے۔

مناظرہ و مباحثہ کے بعد اب ہم مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی خدماتِ دینیہ کے دوسرے شعبوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ بہ نظرِ ظاہر ممکن ہے یہ محسوس ہو کہ کسی واقعہ میں مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کا بذاتِ خود موجود رہنا ثابت نہیں ہوتا، مگر جو تاریخی بات یا واقعہ صاحبِ سوانح کی زندگی میں پیش آیا ہو، جبکہ اس میں اُن کے حقیقی بھائی مولانا محمد ذاکرؒ کا عملی کردار، جامعہ محمدی کی مرکزی حیثیت اور خصوصاً مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے اپنی ڈائری میں بطور ریکارڈ تذکرہ لکھا ہو، اس کی مکمل تفصیل، تاریخی حقائق، آغاز و انجام اور عوامل وعوائب کا اندراج خلطِ مبحث نہیں بلکہ سوانح کا جُزوِ خاص ہے۔ چنانچہ ضلع جھنگ میں پیش آنے والا ایک تاریخی واقعہ پیشِ خدمت کیا جا رہا ہے، جس کا بنیادی مآخذ ہمارے نزدیک مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی قلمی سطور ہیں اور بعد ازاں دیگر شواہدات و براہین کے ساتھ موضوع کو مبرہن کر دیا گیا ہے الحمدُ للهِ علىٰ ذالِك۔

# باب نمبر 9

# سانحہ حسّو بلیل اور مجلس تحفظ ناموسِ صحابہ رضی اللہ عنہم

## (۴، اکتوبر ۱۹۵۷ء)

۱: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی توہین کی ایک شرمناک جسارت!

۲: مولانا غلام حسین مگھیانوی رحمہ اللہ کا مجلس تحفظ ناموس صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام سے تحریک چلانا۔

۳: ایک فقید المثال کانفرنس کے انعقاد کا فیصلہ۔

۴: سانحہ حسّو بلیل اور عدالتی کاروائی۔

۵: سنی ریزولیشن کے مندرجات اور اکابرین کی آمد۔

۶: مولانا محمد نافع رحمہ اللہ اور مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ کا مجاہدانہ کردار

۷: مذکورہ جدوجہد کا خلاصہ۔

یہ بات اب کوئی ڈھکی چھپی نہیں رہی کہ پاکانِ امت کو بُرا بھلا کہنا شیعہ مذہب کا بنیادی خاصہ ہے۔ خصوصاً حضراتِ صحابہ کرامؓ، اور ازواجِ مطہراتِ رسول ﷺ کے متعلق شیعہ علماء و ذاکرین کا بدبودار لب ولہجہ تاریخ کا ایک سیاہ ترین باب ہے۔ یہودی عقائد و اعمال میں بنیادی چیز حضراتِ انبیاء علیہم السلام کی توہین وتحقیر بلکہ قتل عام تک میں ملوث ہونا ہے۔ جیسا کہ قرآنِ مجید میں کئی ایک مقامات پر اس کی تصریح موجود ہے۔شیعہ مذہب کا بانی عبداللہ بن سباء چونکہ یہودی تھا تو یہ یہودی عادت ان میں بایں طور منتقل ہوئی کہ عداوتِ صحابہ کرامؓ ان کی پہچان بن گئی۔ کتاب وسنت کا مطالعہ کرنے والا ہر صاحب عقل اور صاحب دانش و بینش جانتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے اساسی طور پہ دو کام تھے:

(۱) اللہ تعالیٰ سے دین لینا

(۲) اللہ تعالیٰ کے دین کو اپنی امت میں منتقل کرنا

ایک ذریعہ اللہ تعالیٰ سے دین لینے کا ہے اور دوسرا ذریعہ مخلوق تک دین منتقل کرنے کا ہے۔ حضور اکرم ﷺ تک جس ذریعہ سے دین پہنچا ہے اس کو ''وحی'' کہتے ہیں، اور اُمت تک جس ذریعہ سے منتقل ہوا ہے اس کو ''صحابہ کرامؓ'' کہتے ہیں۔ یہودیوں نے پہلے ذریعہ یعنی وحی لانے والے عظیم المرتبت فرشتہ حضرت جبریل علیہ السلام سے عداوت پیدا کی اور کہا کہ جبریل فرشتہ نبی کے پاس وحی لاتا ہے اس لیے وہ ہمارا دشمن ہے۔ ہمارے پہلوں کو بھی اس سے بہت تکلیفیں پہنچیں ہیں، اگر جبریل کے بدلے کوئی اور فرشتہ وحی لائے تو حضور اکرم ﷺ پر ایمان لے آئیں گے۔ اور اہل تشیع نے یہ نظریہ ایجاد کیا کہ صحابہ کرامؓ مخلصین کی جماعت نہیں تھی، انہوں نے دنیاوی مفادات کی خاطر کلمۂ اسلام پڑھا تھا، جب کبھی اسلام پر آزمائش کا وقت آیا، یہ ساتھ چھوڑ گئے، اہل بیتِ رسول ﷺ کے ساتھ زیادتیاں کیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافتِ بلافصل ہتھیالی، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا باغِ فدک قبضہ میں لے لیا، حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو روضۂ اطہر میں دفن نہ ہونے دیا، ایک بدبخت نے تو یہاں تک بھی لکھ دیا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا منصوبہ تو اسی دن بن گیا تھا جس دن سقیفۂ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کیا تھا۔ (العیاذ باللہ) غرضیکہ کوئی ایک شیعہ عالم ایسا نہیں ہے کہ جس کی کتابوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بُغض افشانی نہ کی گئی ہو، بلکہ مُتعہ اور بُغضِ صحابہ کو علماء شیعہ نے ضروریاتِ مذہبِ امامیہ میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ علامہ باقر مجلسی نے اعتقاداتِ امامیہ پر ایک رسالہ عربی زبان میں لکھا تھا، جس کو ''لیلیّہ'' کا نام دیا گیا ہے۔ اس کے متعدد تراجم مختلف شیعہ علماء نے کیے ہیں۔ اس وقت ہمارے پیش نظر اس کے دو اردو ترجمے ہیں، ایک مولوی محمد عارف پرنسپل مدرستہ الواعظین لاہور کا

اور دوسرا مولوی محمد حسین صاحب ڈھکو مقیم سرگودھا کا ہے۔ علامہ مجلسی لکھتے ہیں:

"ومما عد من ضروريات دين الامامية استحلال المتعة والحج التمتع والبرائة عن ابی بکر و عمر و عثمان و معاوية و يزيد بن معاويه وكل من حرب امير المومنين اوغيره من الائمة ومن جميع قتلة الحسين وقول حی علی خير العمل فی الاذان۔"

"کچھ وہ امور جن کو ضروریاتِ منصب امامیہ میں شمار کیا گیا ہے وہ متعہ، حجِ تمتع کو حلال سمجھنا اور ابوبکر، عمر، عثمان، معاویہ اور یزید بن معاویہ اور ہر اس شخص سے جس نے امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام یا کسی اور امام سے جنگ وجدال کی، (اس سے) بیزاری کرنا، اس طرح تمام قاتلانِ امام حسین علیہ السلام سے بیزاری کرنا اور اذان میں کلمہ حی علی خیر العمل کہنا۔" ❶

اور مولوی محمد حسین صاحب ڈھکو نے اس عبارت کا جو ترجمہ کیا ہے، وہ بھی ملاحظہ ہو:

"منجملہ ان امور کے جن کو مذہب شیعہ کی ضروریات میں سے شمار کیا گیا ہے، متعہ اور حجِ تمتع کو حلال سمجھنا بھی ہے۔ نیز فلاں، فلاں، فلاں اور یزید اور اس کے باپ اور ہر اس شخص سے بیزاری اختیار کرنا ہے جس نے جناب امیر المومنین یا دیگر آئمہ طاہرین میں سے کسی کے ساتھ جنگ وجدال کیا ہے، اسی طرح جناب امام حسین علیہ السلام کے قاتلوں سے برات ظاہر کرنا اور اذان میں کلمۂ حی علیٰ خیر العمل کہنا بھی ضروریاتِ مذہب میں داخل ہے۔" ❷

یہاں ڈھکو صاحب نے تقیہ شریفہ پر عمل کرتے ہوئے بجائے اسماء درج کرنے کے "فلاں، فلاں اور فلاں" لکھا ہے جو ایک نسلی، قدیمی اور ناری رافضی ہونے کی علامت ہے۔ بہرکیف یہاں تک عرض کرنے کا مقصد فقط اتنا ہے کہ "متعہ و تبرّا" مذہبِ امامیہ کی بنیاد ہے۔ اور جو شیعہ ہو کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توہین نہ کرے اس کی شیعیت مشکوک قرار پاتی ہے۔ یہ ایک عمرانی اور نفسیاتی اصول ہے کہ جب کسی مذہب کے ذمہ دار اور بڑے لوگ کسی امر کا اہتمام کرتے ہیں تو ان کے متبعین ان سے بڑھ کر اس کام کو سرانجام دیتے ہیں، اعتدال مزید اعتدال کو اور تشدد مزید تشدد کو جنم دیتا ہے۔ یہی حال غلو، بغض وعداوت اور نفرت کے جذبات کا ہے۔ جب مذہب کے ذمہ داران کی کوئی تقریر اور کوئی تحریر عداوتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے خالی نہ ہو تو عوام کا دو قدم آگے بڑھ جانا کوئی بعید یا دور از حقیقت نہیں ہے۔

---

❶ سید محمد عارف مترجم رسالہ "لیلیّہ" للمجلسی ناشر اسلامیہ مشن پاکستان صفحہ نمبر ۵۲۔

❷ محمد حسین ڈھکو مترجم رسالہ "لیلیّہ" مطبوعہ ادارہ تبلیغ شیعہ اپریل ۱۹۸۰ء، صفحہ نمبر ۶۰۔

نوٹ: اس ترجمہ کو "اعتقاداتِ امامیہ" کے نام سے منسوب کیا گیا ہے۔

یہ اکتوبر ۱۹۵۷ء کی بات ہے کہ تحصیل شور کوٹ ضلع جھنگ کے معروف قصبہ ''حسّو بلیل'' میں ایک شخص نے خلیفۃ المسلمین سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کا پُتلا بنایا اور اس کو گدھے پر سوار کر کے گلی گلی گھمایا گیا، جب اس واقعہ کا شہرہ ہوا تو مسلمانوں کے تن بدن میں آگ کا لگنا ایک فطری عمل تھا۔ روافض کے اس عملِ شر نے ضلع جھنگ میں اشتعال اور غیظ وغضب کی وہ فضاء پیدا کر دی تھی کہ آنے والے کئی سالوں تک اس مسموم فضاء کے اثرات باقی رہے۔ چنانچہ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ اپنی ذاتی ڈائری میں بعنوان ''رافضیوں کا خطرناک اقدام'' لکھتے ہیں:

''آج ۴، اکتوبر ۱۹۵۷ء کو موضع حسّو بلیل تحصیل شور کوٹ میں ماسٹر نذر عباس شیعہ مہاجر نے اپنے ہم خیالوں کے ساتھ مل کر سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا ایک پتلا تیار کر کے اس کو جوتوں کا ہار پہنایا، اور جلوس نکال کر سارے قصبہ میں پھرایا، اور جگہ جگہ توہین آمیز نعرے لگا کر اس کو جوتے مارے۔ آخر کار یہ جلوس مخدوم نذر حسین قریشی رئیس موضع حسّو بلیل کے ڈیرہ پر ختم کر کے پتلا مذکور جلا دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ واقعہ ہفت روزہ ''دعوت'' میں پہلے کسی نے اطلاع دے کر شائع کرا دیا، پھر دوسرے اخبارات لائل پور اور لاہور وغیرہ نے بھی مذمت کی اور ہتکِ عزت کا مقدمہ بھی عدالت ای ڈی ایم میں دائر کیا گیا ہے۔ مولانا محمد ذاکر صاحب اور شیر محمد بلوچ کی جانب سے یہ پیروی ہوگی۔ ۲۰ نومبر ۵۷ء کو اس کی پہلی ساعت جھنگ میں ہوگی۔''[1]

چنانچہ اس مقدمہ کی پہلی پیشی پر مولانا محمد ذاکرؒ جھنگ تشریف لے گئے۔ اس پیشی میں مقدمہ کی سماعت ہوئی اور عدالت نے اگلی تاریخ مقرر کر دی۔ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''مولانا (محمد ذاکر صاحب) مہتمم، جھنگ صدر سے واپس ہوئے۔ آج مقدمہ حسّو بلیل کے مقدمہ کی پیشی تھی۔ پھر آئندہ ۱۹، دسمبر ۵۷ء کی تاریخ متعین ہوئی ہے۔''

---

[1] مولانا محمد نافع رحمہ اللہ، ذاتی ڈائری ۴، اکتوبر ۱۹۵۷ء بمطابق ۴، ربیع الاول ۱۳۷۷ھ۔

# سانحہ حسّو بلیل کی مکمل رُوداد

حکیم حافظ محمد سلطان محمود جھنگ صدر کے محلہ ''چندانوالہ'' کے رہائشی اور مولانا محمد ذاکرؒ و مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے بے حد عقیدت مند تھے۔ حسّو بلیل میں جب سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کی مذکورہ گستاخی کا واقعہ پیش آیا تو سب سے نمایاں، مجاہدانہ اور اس سے بڑھ کر عاشقانہ کردار ادا کرنے والے مگھیانہ کے مولانا غلام حسینؒ تھے جنہوں نے ایک تحریک ''مجلس تحفظ ناموسِ صحابہؓ'' کی بنیاد رکھی۔ جنہوں نے نہ صرف ضلع جھنگ بلکہ دور دراز کے علماء، صوفیاء، وکلاء اور عوام کو بیدار کیا۔ اور فروری ۱۹۵۸ء میں بطور احتجاج ایک بہت بڑی کانفرنس کا اعلان کر کے ہلچل مچا دی تھی۔ چنانچہ حکیم سلطان محمود صاحب جو مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ کے ساتھ ساتھ رہتے تھے، انہوں نے بعد میں اس سانحہ اور تحریک کی روداد قلمبند کی تھی۔ ہم یہاں اُس تاریخی ریکارڈ کو محفوظ کر کے پیش کر رہے ہیں۔ تاکہ اس میں خیر اور شر کے حوالہ سے حالات کے تمام پہلو قارئین کے لیے اضافۂ معلومات کا ذریعہ بھی بنیں اور جامعہ محمدی شریف کا سنہرا کردار بھی سامنے آجائے۔ حکیم حافظ سلطان محمود لکھتے ہیں:

''۴، اکتوبر ۱۹۵۷ء کی شام کو اسلام کی نامور شخصیت حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہم کا پتلا تیار کر کے گدھے پر سواری کرا کر اور لمبی داڑھی بنا کر (العیاذ باللہ) ''حسّو بلیل'' کی گلی کوچہ میں ایک جلوس کی شکل میں گھمایا گیا اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے نام کے آگے ''مردہ باد'' کے نعرے لگائے گئے۔ اور مخدوم نذر حسین قریشی کی موجودگی میں اُن کے ڈیرہ پر اس پتلا کو اور اصحابِ ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو گالیاں دیتے ہوئے اس پتلا کو جوتے مارے گئے۔ اور پھر وہ پُتلا آگ میں جلایا گیا۔ اور یہ ساری کاروائی مخدوم نذر حسین کے ڈیرے پر اُن کی موجودگی میں ہوئی۔ اب یہ ساری کاروائی دیکھ کر اہل سنت والجماعت کے لوگوں کا کلیجہ منہ کو آگیا۔ سنی لوگ سراپا احتجاج بن گئے اور جوق در جوق حضرت مولانا عبدالکریم صاحب بلوچ آف روڈو سلطان اور حافظ دوست محمد صاحب آف روڈو سلطان اور محمد خان نمبر دار صاحب کی قیادت میں صدر مقام شہر مگھیانہ میں حضرت مولانا غلام حسین صاحب، خطیب مسجد دھجی کے پاس آنا شروع ہو گئے۔ اور گزارش کی کہ آپ ان بدباطن لوگوں کے خلاف قانونی کاروائی کریں، مولانا غلام حسین صاحب نے شہر کے تمام سنی حلقوں کے تعاون سے ''مجلس تحفظِ ناموسِ صحابہ رضی اللہ عنہم'' کے نام سے ایک جماعت بنائی، اس جماعت کے صدر حضرت مولانا غلام حسین صاحب خود تھے اور جنرل سیکرٹری جناب شیخ محمد شریف تھے، اور ملزمان سانحہ حسُو بلیل کے خلاف استغاثہ ہائے عدالت جناب اے ڈی ایم صاحب کے زیر دفعہ ۲۹۵/ ۱۵۳ دائر کر دیئے گئے۔ مگر سماعتِ استغاثہ کی مطلوبہ منظوری حاصل نہ ہوسکی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سید کرنل عابد

حسین شاہ آف شاہ جیونہ مخدوم نذر حسین قریشی مجرم اوّل سانحہ مذکورہ کا قریبی دوست اور معاون تھا۔ کرنل عابد حسین ❶ رئیس اعظم جھنگ اور خود کو حضرت شاہ جیونہ کی اولاد کا فردِ فرید ظاہر کرتا تھا۔ ضلع جھنگ کی سیاست کی بھاگ دوڑ اس کے ہاتھ میں تھی۔ ملکی سیاست میں بھی کرنل صاحب کو کافی عروج ملا۔ یہ سکندر مرزا کی حکومت میں وزیر رہے اور مذہباً شیعہ تھے۔ جبکہ مخدوم نذر حسین قریشی بھی اپنے علاقہ کا بڑا زمیندار اور رئیس تھا۔ لہٰذا کرنل عابد حسین اپنے ہم وطن سیاسی دوست اور ہم مذہب شیعہ رئیس کو ہر قیمت پہ بچانا چاہتا تھا۔ ضلع جھنگ کے حکام بھی کرنل عابد حسین کے رحم و کرم پر تھے۔ اور یہ سارے مل کر ہر قیمت پر اس سانحہ کو من گھڑت، جھوٹ اور فراڈ کا پلندہ بنا کر ختم کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے حکومت بھی استغاثہ کی سماعت کی اجازت دینے پر تیار نہ تھی۔ اب مجلس تحفظ ناموسِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے تمام شہر کے اہل سنت کی جامع مساجد میں ایک ریزولیشن پاس کرا کر حکومتی اعلیٰ عہدیداران کو بھیجا گیا، مگر اربابِ اقتدار اس طرف توجہ دینے کو بھی تیار نہ ہوئے۔

## سُنی ریزولیشن کے مندرجات

یہ اجتماع متفقہ طور پر پاس کرتا ہے کہ سانحہ حَسّو بلیل ضلع جھنگ کا رئیس مخدوم نذر حسین قریشی نے اپنے ہم عقیدہ دیگر افراد کے ساتھ سازش کر کے اور اپنے سیاسی اثر و رسوخ کو استعمال کر کے ناجائز فائدہ اٹھایا اور مورخہ ۴، اکتوبر ۵۷ء کی شام کو اسلام کی نامور شخصیت حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شرمناک توہین کا باعث بنا، یہ اجلاس قرارداد پیش کرتا ہے کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی، سرکار رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفۂ ثانی اور سسر ہیں، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے داماد، اسلامی سلطنت کے استقلال، اور عدل و انصاف میں اپنی مثال آپ ہیں۔ اسلام کی ایسی مایۂ ناز شخصیت کا پُتلا تیار کر کے گدھے پر سوار کر کے اور پُتلے کی تحقیر آمیز لمبی داڑھی بنا کر موضع حَسّو بلیل کی گلی کوچہ میں ایک جلوس کی شکل میں گھمایا گیا اور ''عمر بن خطاب مردہ باذ'' کے نعرے لگائے گئے۔ پھر مخدوم نذر حسین قریشی کی موجودگی میں ان کے ڈیرہ پر اس پُتلے کو جلایا جانا، اس پر جوتے برسانا اور اصحاب ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو گالیاں دینا ایسا شنیع اور ناقابل برداشت فعل ہے

---

❶ کرنل صاحب مذکور سے ایک مرتبہ لکھنؤ کے بڑے شیعہ عالم نے لڑکی برائے متعہ طلب کی تھی، حاجی مرید حسین چشتی لکھتے ہیں ''کرنل عابد حسین شاہ نے آپ کو (خواجہ قمر الدین سیالوی) مناظرے کا چیلنج دیا اور لکھنؤ سے مجتہد بلوایا آپ چند علماء کی معیت میں وہاں پہنچ گئے۔ مجتہد کو مخاطب کر کے فرمایا جس آیت کا ترجمہ تو نے کیا ہے وہ آیت پڑھ کر سناؤ' تم جیتے ہم ہارے مجتہد آیت کی تلاوت نہ کر سکا اور اسٹیج چھوڑ کر بھاگ گیا رات کو کرنل سے برائے متعہ لڑکی طلب کی تو کرنل نے معذرت چاہی، مجتہد نے دوبارہ کہا' دخترِ خود بیار'' کرنل نے پھر معذرت کی، دوسرے دن مجتہد صاحب لکھنؤ روانہ ہو گئے۔ کرنل موصوف نے مجتہد کی اس حرکت کی قطعاً پرواہ نہ کی۔'' (فوز المقال فی خلفاء پیر سیال جلد نمبر ۴، صفحہ نمبر ۵۶۱، مطبوعہ کہکشاں کلفٹن کراچی)

کہ جس سے ضلع بھر کے سوادِ اعظم اہل سنت والجماعت کی سخت دل آزاری ہوئی ہے۔ نیز سارے پاکستان میں فرقہ وارانہ کشیدگی پیدا کرنے کی بنیاد ڈالی گئی ہے اور پاکستان کی سالمیت کے لیے نقصان دہ حرکت کی گئی ہے۔ لہٰذا یہ اجتماع اس واقعہ پر سخت نفرت وحقارت کا اظہار کرتے ہوئے حکام ضلع کی پُراسرار خاموشی جو ایک ماہ سے زائد تک رہی، پر حیرت و استعجاب کا اظہار کرتا ہے۔ اور صوبائی حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ اب جبکہ ملزمان کے خلاف استغاثہ ہائے بعدالت اے ڈی ایم صاحب بہادر دائر کیے گئے ہیں مطلوبہ منظوریٔ سماعت جلد عطا فرمائی جائے۔ ملزمان کے خلاف حکام کی کاروائی جو انہوں نے ۱۲، نومبر ۱۹۵۷ء کو عمل میں لائی، پر اپنے پورے اطمینان کا اظہار نہیں کرسکتا۔ جبکہ مخدوم نذر حسین قریشی رئیس موضع ''خشّو بلیل'' کو جس کی ہدایت پر اور اسی کے ڈیرے پر یہ کاروائی عمل میں آئی۔ کسی قسم کی پاداش سے مبرّا اقرار دینا بے انصافی پر محمول کرتا ہے اور مطالبہ کرتا ہے کہ مخدوم صاحب خشّو بلیل کو غنڈہ ایکٹ میں چالان کیا جائے، اور ہیڈ ماسٹر نذر عباس کو فوری طور پر برطرف کیا جائے۔ اس کی نقول بخدمت جناب ڈپٹی کمشنر صاحب جھنگ، سپرنٹنڈنٹ صاحب، کمشنر ملتان، چیف سیکرٹری، ہوم سیکرٹری، وزیرِ اعلیٰ، گورنر صاحب بہادر صوبہ مغربی پاکستان برائے مناسب کاروائی ارسال کی گئی ہیں یہ کاروائی باہتمام مجلس تحفظ ناموسِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جھنگ، مگھیانہ عمل میں لائی گئی...... دستخط......صدر مجلس۔

## مولانا غلام حُسین مگھیانوی رحمہ اللہ کی ایمان افروز تقریریں اور سُنی مسلمانوں کی بیداری

اب مولانا غلام حسین صاحب کی ہر جمعہ پر پُر مغز اور رُوح پرور تقریروں نے سنی دنیا کے ضمیروں کو جھنجوڑا۔ سنی دنیا جاگ اٹھی۔ حضرت مولانا غلام حسین صاحب کی ہر تقریر کا لفظ لفظ اہل سنت والجماعت کے لیے رحمت تھا۔ اور بدباطن، شرپسند، گستاخِ صحابہ کے لیے فاروقی خنجر تھا۔ حضرت مولانا غلام حسین صاحب ہر جمعہ کی تقریر میں اپنوں کو سمجھاتے اور گستاخِ صحابہ رضی اللہ عنہم پر آگ برساتے۔ حکومت اور حکمرانوں کو اہل سنت کے مطالبات سے آگاہ فرماتے۔ مگر آئے دن حکمرانوں کا تعاون شرپسند اور بدباطن مجرمین کے ساتھ بڑھتا ہی گیا۔ جس سے سنی مسلمان بد دِل ہوگئے اور تحفظ ناموسِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے اپنی جانیں تک قربان کرنے کو تیار ہوگئے۔ اُدھر مولانا غلام حسین صاحب صدر مجلس تحفظ ناموس صحابہ رضی اللہ عنہم اور شیخ

محمد شریف صاحب جنرل سیکرٹری مجلس تحفظِ ناموسِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف حکومت کی طرف سے کوئی مقدمہ بنا کر گرفتار کرلیا جاتا اور کبھی نظر بند! ہر آئے دن اہل سنت والجماعت کے بہت بڑے احتجاجی جلوس اور ہڑتالیں اپنی مثال آپ تھیں۔ مگر حکمرانوں اور حکام کے رویے میں ذرہ برابر فرق نہ آیا۔ چنانچہ مجلس تحفظ ناموس صحابہ رضی اللہ عنہم نے ضلع جھنگ میں ایک بہت بڑی کانفرنس کرنے کا فیصلہ کیا۔ تاکہ حکومت اور حکمرانوں کی مدہوشی کو ہوش میں بدلا جائے۔ اس کانفرنس کی تاریخ ۲۲، اور ۲۳ فروری ۱۹۵۸ء مقرر ہوئی۔ جب اس کانفرنس کا اشتہار چھپ کر شہر کی دیواروں پر چسپاں ہوئے تو سردار غلام فرید ڈپٹی کمشنر ضلع جھنگ پڑھ کر سیخ پا ہوگئے۔ اور اکثر علماء کے فوراً جھنگ میں داخلے بند کر دیئے خصوصاً قدوۃ السالکین، زبدۃ الکاملین حضرت خواجہ نظام الدین تونسوی اور الحاج خواجہ قمر الدین صاحب آستانہ عالیہ سیال شریف اور اعلیٰ حضرت سیدنا پیر غلام محی الدین صاحب آستانۂ عالیہ گولڑہ شریف کی جھنگ آمد پر پابندی لگا دی گئی۔

## سانحہ حسّو بلیل کے خلاف تاریخی کانفرنس

## اشتہار کا تفصیلی مضمون اور مدعوّین اکابر

اس کانفرنس کا بہت بڑا اشتہار شائع کیا گیا تھا جس کے سائز، کتابت، ڈیزائن اور سانحہ کی تفصیل سے وقار اور طنطنہ چھلکتا تھا۔ نیز شرکت کا وعدہ کرنے والے علماء کرام کے جلی حروف میں اسماء درج تھے۔ اس اشتہار کا مکمل مضمون اور مواد ملاحظہ فرمائیں۔

> ''مؤرخہ ۲۲، اور ۲۳ فروری بروز پیر، اتوار بمقام پرانی عیدگاہ زیر صدارت حضرت قدوۃ السالکین، زُبدۃ الکاملین، حضرت خواجہ نظام الدین صاحب محمودی سلیمانی تونسوی مدظلہٗ ۲، اعلیٰ حضرت العلامہ بے بدل الحاج الحافظ خواجہ قمر الدین صاحب دامت برکاتہم سجادہ نشین آستانۂ عالیہ سیال شریف ۳، اعلیٰ حضرت سیدنا پیر غلام محی الدین صاحب دامت برکاتہم سجادہ نشین آستانۂ عالیہ گولڑہ شریف ۴۔ علامہ بے مثال بلبل بُستانِ رسول صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ صاحب سجادہ نشین آستانۂ عالیہ آلومہار شریف۔''

اِسلامیانِ پاکستان حادثہ فاجعہ حسو بلیل سے ناواقف نہ ہوں گے۔ چند بد باطن اور شر پسند اشخاص نے ملت اسلامیہ کی سالمیت پر اور جناب حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسلمین سیدنا عمر ابن الخطاب فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ

حرِ رسول ﷺ و داماد حضرت اُسد اللہ الغالب امیر المؤمنین خلیفۃ المسلمین سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کی شانِ اقدس میں جو گستاخیاں کی ہیں مسلمانانِ ضلع جھنگ کی ابتدا ہی سے یہ کوشش رہی ہے کہ آئین وقانون یعنی استغاثہ ۲۹۵ر ۱۵۳۔ ان تعزیرات پاکستان کے ذریعہ مجرمان کو سزا دلائی جا سکے۔ لیکن صوبائی حکومت کی طویل پُر اسرار خاموشی اور التواء نے نذر حسین قریشی لینڈ لارڈ حسو بلیل و دیگر ملزمان کو قانون کی زد سے بچنے کا موقع مہیا کیا ہوا ہے۔ اور نیز چند اہل غرض اور فرقہ پسند اخبارات اور گندم نُما جَو فروش قائدین کو کہنے کا موقع مہیا کیا ہوا ہے کہ اس معاملہ میں شانِ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ میں گستاخیاں کرنے والوں کو مُحبانِ اہل بیت رضی اللہ عنہم کا نام دیا جائے اور اس سانحۂ عظیم کو من گھڑت اور مفروضہ قصہ ظاہر کیا جائے۔ سرِ بازار ہمارے بزرگوں کی اس طرح توہین و تذلیل کے بعد ایسے دریدہ دہن اور شر پسند افراد کا سدِ باب نہ کیا گیا تو اس سے وہ شرارے اور بجلیاں پیدا ہوں گی جو ملک کے استحکام اور ملت کے اِتحاد کو جلا کر بھسم کر دیں گے۔ چنانچہ مشائخِ عظام و علمائے کرام کے فیصلہ کے مطابق کہ ایسے فتنوں کے سدِ باب اور اس قسم کے جملہ اُمور مذہبی کے متعلق مستقل لائحہ عمل کے لیے مجلسِ شوریٰ منعقد ہو سکے و نیز طے پایا ہے کہ کانفرنس منعقد کی جائے اور جملہ قرار دادیں معتمد شعبہ مضامین کمیٹی ریل بازار جھنگ صدر کو تاریخ کانفرنس سے چار دن پیشتر ارسال کر دی جائیں۔

لہٰذا برادرانِ اسلام سے گزارش ہے کہ اس مقدس اجتماع میں شامل ہو کر اسلامی اتحاد کو زندہ کریں اور اصحابِ رسول اللہ ﷺ کی ناموس کے لیے کوئی عملی پُر امن اقدام اٹھا کر ثوابِ دارین حاصل کریں۔ علماء کرام ذیل نے تشریف لانے کا وعدہ فرمایا ہے۔

۱: شیخ التفسیر اعلیٰ حضرت مولانا احمد علی صاحب دامت فیضہم صدر جمعیۃ العلماء اسلام مرکزی پاکستان لاہور۔

۲: حضرت مولانا مفتی محمود صاحب نائب صدر جمعیت العلماء اسلام مرکزی پاکستان لاہور۔

۳: خطیب بے مثال حضرت مولانا محمد علی صاحب ناظم اعلیٰ مرکزی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان۔

۴: مجاہد ملت جناب شیخ حسام الدین صاحب لاہور۔

۵: حضرت سید المحققین مولانا سید ابو البرکات محمد احمد صاحب قادری دامت فیضہم صدر جمعیت العلماء مرکزی پاکستان لاہور۔

۶: شیرِ بیشۂ حریت حضرت مولانا عبدالستار خان نیازی۔ مجاہد اہل سنت والجماعت۔

۷: حضرت سید نور الحسن شاہ صاحب مدظلہ، ناظم تنظیم مرکزیہ اہلِ سنت والجماعت پاکستان۔

۸: حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنوی صدر مرکزیہ جمعیت اہل حدیث پاکستان لاہور۔
۹: حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب گجرانوالی ناظمِ اعلیٰ جمعیت اہل حدیث پاکستان لاہور۔
۱۰: مفکرِ قوم جناب ماسٹر تاج الدین صاحب انصاری۔
۱۱: حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی مدظلہ العالیٰ ناظمِ اعلیٰ مجلس مرکزیہ جمعیت الاسلام لاہور۔

الداعی

اراکین مجلس استقبالیہ — غلام حسین بقلم خود

باہتمام مجلس تحفظ ناموسِ صحابہ کرامؓ — صدر مجلس استقبالیہ حسو بلیل کانفرنس

جھنگ صدر حسو بلیل

## کانفرنس روکنے کے لیے حُکّام کی رکاوٹیں

## مولانا غلام حسین مگھیانویؒ کی گرفتاری اور اکابرین کی حکمت عملی!

اشتہار مندرجہ بالا منظرِ عام پر آیا تو سردار غلام فرید ڈپٹی کمشنر صاحب ضلع جھنگ نے فوراً حضرت مولانا غلام حسین صاحب صدر مجلس تحفظ ناموسِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو شہر بدر کر کے ضلع جھنگ کے آخری گاؤں اُکڑیانوالہ میں بھیج دیا۔ اس کے بعد حضرت مولانا محکم الدین صاحب صدر مدرسہ ریاض الاسلام مجلس تحفظ ناموسِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے صدر منتخب ہوئے جنہیں دوسرے دن ڈپٹی کمشنر صاحب نے شہر بدر کر کے گڑھ مہاراجہ بھیج دیا۔ اُس کے بعد حضرت مولانا حاجی حکیم محمد دین صاحب ساکن محلہ چندانوالہ کو صدر مجلس تحفظ ناموسِ صحابہ رضی اللہ عنہم منتخب کیا گیا۔ اُن کو بھی ڈپٹی کمشنر صاحب نے شہر بدر کر کے کوٹ شاکر بھیج دیا۔ اس کے بعد مسجد ٹاہلیاں والی کے ساتھ چوہدری ولی محمد صاحب انسپکٹر آبکاری کے مکان کی بیٹھک میں رات کو ایک خفیہ اجلاس ہوا۔ اس اجلاس میں اس ناچیز حکیم حافظ سلطان محمود ساکن محلہ چندانوالہ کو مجلس تحفظ ناموسِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا صدر منتخب کیا گیا۔ بعد از انتخاب صدر مجلس تحفظ ناموسِ صحابہ رضی اللہ عنہم جناب شیخ محمد سعید صاحب ایڈووکیٹ وصدر مسلم لیگ ضلع جھنگ و سابق ایم پی اے اور پارلیمانی سیکرٹری حکومت پنجاب اور جناب رائے احمد نور صاحب سنگراء ایڈووکیٹ صدر سٹی مسلم لیگ ان دونوں صاحبان مخلص نوجوان، بے لوث دینی خدمتگار، جہاں دیدہ اور زیرک مددگاروں نے فرمایا کہ تمام حضرات سن لیں کہ آج کے اس خفیہ اجلاس کی کاروائی کسی کے

آگے ظاہر نہ کریں۔ اگر حکومت کو پتہ چل گیا کہ موجودہ صدر مجلس تحفظ ناموسِ صحابہ رضی اللہ عنہم حکیم حافظ سلطان محمود ہے تو اسے بھی فوراً ڈپٹی کمشنر صاحب شہر بدر کردیں گے۔ پھر فرمایا کہ اکثر علماء کرام اور مشائخ عظام کا داخلہ ضلع جھنگ میں ڈپٹی کمشنر صاحب ضلع جھنگ نے بند کردیا ہے ہمت کریں اور حسو بلیل کانفرنس کو لازماً کامیاب کرنے کی کوشش کریں۔ اس کے بعد جناب شیخ محمد سعید صاحب ایڈووکیٹ [1] نے فرمایا کہ اس کارِ خیر میں خرچ کرنے کے لئے جتنی رقم کی ضرورت ہو فوراً مجھ سے لے جائیں۔ ساتھ ہی جناب رائے احمد نور سنگرا ایڈووکیٹ نے فرمایا کہ ہوسکتا ہے کہ آپ شیخ محمد سعید صاحب سے رقم لینے کو آئیں اور شیخ صاحب موجود نہ ہوں۔ نہ مل سکیں تو فوراً میرے پاس آجائیں، رقم کی جتنی بھی ضرورت ہو مجھ سے لے جائیں۔ مگر کام میں رکاوٹ نہ آنے دیں۔ ہر قیمت پر حسو بلیل کانفرنس کو کامیاب کرنے کی کوشش کریں۔ پھر جناب شیخ محمد سعید ایڈووکیٹ صاحب نے فرمایا کہ ہر دن کی اطلاع رضا کاروں کے ذریعہ حضرت مولانا غلام حسین صاحب کو اکڑیانوالہ میں، حضرت مولانا محکم الدین صاحب کو گڑھ مہاراجہ میں اور حضرت مولانا حکیم حاجی حافظ محمد دین صاحب کو کوٹ شاکر میں باقاعدہ روزانہ پہنچائیں تاکہ وہ مقامی حالات سے باخبر رہیں۔ مندرجہ بالا احکامات کی تعمیل میں یہ نیاز مند اپنے بھائی محمد بخش کو اکڑیانوالہ میں حضرت مولانا غلام حسین صاحب کی خدمت میں بھیج دیتا اور اپنے چچازاد بھائی محمد چراغ کو گڑھ مہاراجہ میں حضرت مولانا محکم الدین صاحب کی خدمت میں بھیج دیتا۔ اور سکندر علی ولد غلام محمد قوم بھٹی سکنہ بستی یابووالی کو حضرت حاجی حکیم حافظ محمد دین صاحب کی خدمت میں کوٹ شاکر بھیج دیتا۔ اور کبھی اپنے بھائی محمد بخش کو حضرت مولانا محکم الدین صاحب کے پاس گڑھ مہاراجہ میں اور اپنے چچازاد بھائی میاں محمد چراغ کو حضرت مولانا غلام حسین صاحب کے پاس اکڑیانوالہ میں بھیج دیتا۔ اور رقم جو کرایہ وغیرہ پر خرچ ہوتی یہ نیاز مند (حکیم سلطان محمود) اپنی جیب سے خرچ کردیتا۔ چونکہ مشائخ عظام و علمائے کرام کے لئے ضلع بندی کا حکم تھا۔ لہٰذا حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب

---

[1] شیخ محمد سعید ایڈووکیٹ چنیوٹ کے خوجہ مگول خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۹۳۵ء میں وکالت پاس کرنے کے بعد جھنگ صدر میں سکونت اختیار کی، انہوں نے جھنگ میں انجمن خادم المسلمین بنیاد رکھی تھی اور انجمن اصلاح المسلمین چنیوٹ کے بانی اراکین میں سے تھے۔ سیاسی زندگی کی ابتداء ۱۹۳۸ء سے کی اور مسلم لیگ ضلع جھنگ کے صدر اور جنرل سیکرٹری رہے۔ ان کے مختصراً حالات بلال زبیری نے اپنی کتاب ''تاریخ جھنگ'' صفحہ نمبر ۴۶۹ مطبوعہ ۱۹۷۶ء میں درج کیے ہیں۔ شیخ محمد سعید کا جامعہ محمدی کے ساتھ بھی گہرا تعلق رہا اور مجلس تحفظ ناموس صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی بھرپور کردار ادا کرتے ہوئے سانحہ حسو بلیل کے مجرموں کو سزا دلوانے میں اپنی طرف سے سرتوڑ کوشش کرتے رہے۔ سلفی

بانی دارالعلوم جامع محمدی شریف کے پاس میاں محمد رمضان کو، اور حضرت مولانا محمد چراغ صاحب واُصو والے حال ساکن محلہ ایبٹ پور والے کو اعلیٰ حضرت خواجہ نظام الدین صاحب سجادہ نشین آستانۂ عالیہ تونسہ شریف کے پاس بھیج کر یہ اطلاع دی اور عرض کی کہ جناب قبلہ ۲۲رفروری کی رات کو سیال شریف تشریف لاویں اور حضرت سید غلام محی الدین صاحب سجادہ نشین آستانۂ عالیہ گولڑہ شریف کو جناب حضرت مولانا محمد ذاکرؒ نے اِطلاع دی کہ ۲۲رفروری ۱۹۵۸ء کی رات کو سیال شریف حاضر ہوں تاکہ دن کو یہ تینوں حضرات سجادہ نشین مل کر اکٹھے ضلع جھنگ میں داخل ہوں۔ ان دنوں حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب بانی دارالعلوم جامعہ محمدی شریف برائے اہتمام و انتظام حسوبلیل کانفرنس، اپنے عزیز مخلص با اعتماد دوست جناب شیخ محمد سعید صاحب ایڈووکیٹ سابقہ ایم پی اے اور پارلیمنٹری سیکرٹری صوبہ پنجاب کی کوٹھی میں ہفتہ عشرہ مقیم رہے۔ ۲۱رفروری ۱۹۵۸ء کو شیخ محمد شریف ٹرانسپورٹر نے حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب کو اطلاع دی کہ ڈی سی صاحب نے جناب کی گرفتاری کا حکم دے دیا ہے۔ اب حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب اور یہی شیخ محمد شریف ٹرانسپورٹر اور یہ نیازمند حکیم حافظ سلطان محمود تینوں پیدل چل کر چوہدری ولی محمد انسپکٹر آب کاری کے مکان محلہ ٹاہلیاں والا میں آئے۔ نماز عصر ہم تینوں نے مسجد ٹاہلیاں والی میں ادا کی۔ بعد از نماز عصر شیخ محمد شریف ٹرانسپورٹر نے حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب سے عرض کی کہ حضور میری لاری بعد از نماز مغرب یہاں سے چلتی ہے اور سیال شریف جاتی ہے۔ جناب بعد از نماز مغرب یہاں سے چلیں اور آدھیوال سکول کے سامنے چور راستہ پر ٹھہریں۔ وہاں سے میں آپ کو لے لوں گا۔ اور ہم ڈیڑھ گھنٹہ میں لاری پر سیال شریف پہنچ جائیں گے۔ چنانچہ بعد از نماز مغرب یہ نیاز مند (حکیم حافظ سلطان محمود) حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب کو تانگہ میں ساتھ لے کر آدھیوال سکول کے سامنے سڑک پر پہنچ گیا۔ وہاں سڑک کے کنارے پر ایک جنڈی تھی۔ چاندنی رات تھی۔ اس جنڈی کے سایہ میں نیازمند نے اپنا تولیہ بچھا کر حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب کو بٹھا دیا۔ تاکہ کوئی حضرت مولانا صاحب کو پہچان نہ سکے۔ اور نیاز مند لاری کی انتظار میں ساتھ کھڑا رہا۔ تقریباً ایک گھنٹہ بعد وہاں سے ایک ویگن اور لاری پولیس سے بھری ہوئی گزری۔ اس نیازمند نے حضرت صاحب سے عرض کی کہ حضور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ جیپ اور پولیس کی بھری ہوئی لاری جناب کی گرفتاری کے لیے دریا کے پُل پر جارہی ہے۔ اور محسوس ہوتا ہے کہ یہ شیخ محمد شریف ٹرانسپورٹر جناب کا خیر خواہ نہیں بلکہ یہ ڈپٹی کمشنر ضلع جھنگ کا جاسوس ہے۔ حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب نے فرمایا کہ حافظ سلطان محمود کسی کے متعلق کیا کہا جاسکتا ہے؟ اللہ ہی بہتر جانے۔ تقریباً تین گھنٹے تک شیخ محمد شریف ٹرانسپورٹر کی لاری کا انتظار کیا، نا اُمید ہو کر ایک خالی ٹانگہ آرہا تھا۔ اس پر سوار ہو کر سیشن چوک میں نزد مسجد میاں غلام حسین صاحب سِکلی گر کے اُترے۔ مسجد میں داخل ہوئے تو میاں غلام حسین صاحب اکیلا نماز پڑھ کر اپنے وظیفہ میں مشغول تھا۔ رات کے ۱۱ بج چکے تھے۔ میاں غلام حسین صاحب نے

حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب سے عرض کی کہ حضور اس وقت کیسے آنا ہوا؟ حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب نے فرمایا کہ جسوبلیل کانفرنس کے سلسلہ میں سیال شریف ضروری جانا تھا۔ آدھیوال میں لاری کے تین گھنٹے انتظار سے نا اُمید ہوکر واپس آ گئے ہیں۔ جانا ضروری تھا۔ مگر نہیں جا سکے۔ بڑی پریشانی ہے۔ اب حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب اور نیاز مند حافظ سلطان محمود نے وضو کیا۔ نماز پڑھی، سلام پھیرا تو میاں غلام حسین صاحب کی طرف سے ہم دونوں کے لیے کھانا موجود تھا۔ بھوک تھی، ہم نے سیر ہو کر کھانا کھایا۔ یہاں تک کہ میاں غلام حسین صاحب نے اپنے بھانجے راجہ اللہ داد کو فرمایا کہ اپنی کار جلدی لائیں۔ کار فوراً آ گئی۔ کھانا کھا کر حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب اور یہ نیاز مند کار پر سوار ہو کر چل پڑے۔ ڈرائیور کی ساتھ والی سیٹ پر راجہ اللہ داد تھا اور پچھلی سیٹوں پر حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب اور یہ عاجز حکیم حافظ سلطان محمود بیٹھے تھے۔

جب کار دریا کے پُل چنڈ والی کے اگلے موڑ پر پہنچی تو کم از کم ایک درجن مسلح سپاہیوں نے سامنے آ کر کار کو روک لیا۔ اور ان کے افسر نے پوچھا کون ہو، کہاں جانا ہے؟ تو راجہ اللہ داد نے جواب دیا۔ جی میں راجہ اللہ داد ہوں، میرا ٹرک فلاں جگہ پر پھنس گیا ہے وہاں جا رہا ہوں۔ کار کو روکنے والے پولیس افسر نے بڑے پُر اعتماد لہجے میں کہا اچھا جاؤ۔ کار چل پڑی جب ہم سب پولیس کے خطرے سے مطمئن ہو گئے تو راجہ اللہ داد نے پیچھے مڑ کر حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب کی طرف متوجہ ہو کر عرض کی کہ حضور فجر کو میرے اوپر فتویٰ نہ لگا دینا کہ رات کو راجہ اللہ داد نے غلط بیانی یعنی جھوٹ بولا تھا۔ حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب راجہ اللہ داد کی بات سن کر مسکرا دیے۔ تقریباً رات ایک بجے ہماری کار سیال شریف پہنچ گئی۔ ہمارے حاضر ہونے سے پہلے اعلیٰ حضرت خواجہ نظام الدین صاحب محمودی سلیمانی تونسوی سجادہ نشین آستانہ عالیہ تونسہ شریف اور اعلیٰ حضرت سیدنا پیر غلام محی الدین صاحب سجادہ نشین آستانۂ عالیہ گولڑہ شریف تشریف لا چکے تھے۔ مجلس جاری تھی۔ بعد از سلام مسنونہ اور قدم بوسی کے ہم سب اللہ والوں کی مجلس کے فیض سے مستفیض ہوئے۔

تھوڑی دیر بعد حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب اور اس خادمِ نعلین حکیم حافظ سلطان محمود کو منتظمین کی طرف سے ایک علیحدہ کمرہ ملا۔ کمرہ میں بسترے بھی موجود تھے۔ وہاں ہمیں ایک اور ساتھی بھی مل گیا۔ جو کہ حاجی محمد حسین صاحب ساہیوالیہ انسپکٹر چنگیات میونسپل کمیٹی صدر جھنگ کا بھائی میاں غلام حسین تھا۔ ہم تینوں نے رات آرام سے گزاری۔ صبح بعد از نمازِ فجر اعلیٰ حضرت خواجہ نظام الدین صاحب سجادہ نشین آستانۂ عالیہ تونسہ شریف کی طرف سے حکم ہوا کہ جلدی ایک بند کمرے میں خاص الخاص افراد کی میٹنگ کا ہونا ضروری ہے۔ فوراً اہتمام ہو گیا۔ دربار شریف کے نزدیک والی بیٹھک میں دروازہ بند کر کے کاروائی شروع ہوئی۔ میٹنگ میں صرف گیارہ افراد تھے۔ اور اس میٹنگ کے صاحب صدر اعلیٰ حضرت خواجہ نظام الدین صاحب سجادہ نشین آستانۂ عالیہ تونسہ شریف تھے۔ باقی حضرات کے نام یہ ہیں:

(۱) اعلیٰ حضرت خواجہ نظام الدین صاحب سجادہ نشین آستانۂ عالیہ تونسہ شریف (۲) اعلیٰ حضرت خواجہ قمرالدین صاحب سجادہ نشین آستانۂ عالیہ سیال شریف (۳) اعلیٰ حضرت سید غلام محی الدین صاحب سجادہ نشین آستانۂ عالیہ گولڑہ شریف (۴) حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب بانی دارالعلوم جامعہ محمدی شریف (۵) حضرت محمد سعد اللہ صاحب (یہ حضرت خواجہ قمرالدین صاحب سجادہ نشین آستانۂ عالیہ سیال شریف کے چچا تھے)۔(۶) نواب ملک فتح محمد ٹوانہ صاحب یہ سر خضر حیات ٹوانہ صاحب کا نزدیکی رشتہ دار ہے۔ جو سر خضر حیات حکومتِ برطانیہ کی طرف سے پنجاب کا آخری وزیر اعظم تھا (۷) جناب نواب فتح اللہ خان صاحب جو کہ ضلع جھنگ میں ڈپٹی کمشنر رہ چکا تھا (۸) جناب فتح شیر لنگڑیال، یہ ایک بہت بڑا زمیندار تھا (۹) میاں غلام حسین ساہیوالیہ جھنگ نزد مسجد دھجی والی (۱۰) شیخ محمد شریف ٹرانسپورٹر، جو ڈپٹی کمشنر صاحب کا چہیتا تھا (۱۱) یہ خادمِ نعلین حکیم حافظ سلطان محمود موجودہ صدر مجلس تحفظ ناموسِ صحابہ رضی اللہ عنہم ساکن محلہ چندانوالہ صدر جھنگ۔

## اِجلاسِ خاص الخاص

اعلیٰ حضرت خواجہ نظام الدین صاحب سجادہ نشین آستانۂ عالیہ تونسہ شریف موجودہ اجلاس کے صاحبِ صدر نے فرمایا کہ مولانا محمد ذاکر سانحہ حسو بلیل کو تفصیلاً بیان کریں۔ حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب نے جب واقعہ حسو بلیل کی بات شروع کی تو تھوڑی دیر بعد حضرت محمد سعد اللہ صاحب نے حضرت مولانا محمد ذاکر کی بات میں مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ حضور یہ سب سنی سنائی باتیں اور من گھڑت قصے ہیں۔ اِن میں کوئی حقیقت نہیں [1] یہ نیاز مند حکیم حافظ سلطان محمود حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، عرض کی

---

[1] میاں سعد اللہ حضرت خواجہ قمرُ الدین سیالویؒ کے حقیقی چچا تھے اور یہ بزرگ جاگیرداروں اور سرمایہ داروں سے اچھے خاصے مرعوب رہتے تھے۔ اس لیے وہ بجائے اہل تشیع کی اس کفریہ حرکت پہ احتجاج کرنے کے، اُلٹا اس کو من گھڑت کہہ کے سردار نذر حسین شاہ اور کرنل عابد حسین جیسے بد باطن لوگوں کی چھتری بن رہے تھے۔ کچھ لوگوں کا ضمیر مردہ ہوتا ہے، مگر کچھ کا سرے سے ہی نہیں ہوتا۔ ضمیر کا لاشہ بھی پڑا ہو تو کچھ نہ کچھ وقعت رکھتا ہے۔ مگر محروم از ضمیر لوگ زمین پہ بوجھ ہوتے ہیں۔ یہ سعد اللہ میاں صاحب وہی بزرگ ہیں کہ جب ۱۹۵۱ء میں مولانا محمد ذاکرؒ نے الیکشن لڑنے کا فیصلہ کیا تو مدمقابل شیعہ جاگیردار سردار حسین شاہ وغیرہ نے انہیں استعمال کر کے مولانا محمد ذاکرؒ کو دستبردار کروانے میں اپنی پوری ہمت صَرف کردی تھی اور حضرت خواجہ قمر الدین سیالویؒ کو جا کر کہا تھا کہ مولوی محمد ذاکر ایک غریب مولوی ہے، آپ اس غربت زدہ مولوی کو سرداروں کے مقابل لاکر کیوں مروانا چاہتے ہیں؟ اس نے الیکشن تو کیا جیتنا، وہاں اس کا رہنا مشکل ہو جائے گا، وغیرہ وغیرہ، مگر اللہ تعالیٰ اپنے ولی اور باعمل عالم کو کہاں ذلیل ہونے دیتے ہیں، چنانچہ وقت نے ثابت کردیا کہ مولانا محمد ذاکرؒ نے سرمایہ داروں سے سینہ تان کر ٹکر لی، تاریخی کامیابیاں سمیٹیں، محمد ذاکر اور محمد نافع دونوں بھائی خالق و مخلوق کی نگاہوں میں سرخرو ٹھہرے اور میاں سعد اللہ صاحب جیسے ''خیر خواہ'' رالیں ہی ٹپکاتے رہ گئے۔ سلفی

کہ حضور مولانا صاحب حضرت محمد سعد اللہ صاحب کی اس بات کا یہ جواب دیں۔ قبلہ حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب نے میرے زانوں پہ ہاتھ رکھ کر دبایا اور فرمایا ادب، ادب، اب نیاز مند خاموش ہوگیا۔ پھر حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب نے بات شروع کی تو حضرت محمد سعد اللہ صاحب نے دوبارہ بات میں مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ کیا تسلی ہے اس بات کی کہ واقعہ حسو بلیل میں یہ سب کچھ ہوا ہے؟ پھر نیاز مند حکیم حافظ سلطان محمود نے دوبارہ عرض کی کہ حضور مولانا صاحب اس بات کا حضرت محمد سعد اللہ صاحب کو یہ جواب دیں پھر دوبارہ حضرت محمد ذاکر صاحب نے میرے زانوں پر ہاتھ رکھ کر دبایا اور فرمایا کہ ادب، ادب خاموش۔ یہ نیاز مند دوسری بار پھر خاموش ہوگیا۔ اب تیسری بار حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب نے سانحہ حسو بلیل کی بات شروع کی تو تیسری بار حضرت محمد سعد اللہ صاحب غصے میں آگئے اور بڑے سخت لہجے میں فرمایا کہ یہ مولانا محمد ذاکر اور مولوی غلام حسین دونوں شیخ محمد سعید ایڈووکیٹ کے بندے ہیں۔ جو سبق اُس نے ان دونوں کو دیا ہے۔ یہ اُسی سبق کو دُہرائیں گے۔ یہ سب باتیں غلط اور بنائی گئی ہیں۔ اب تیسری بار پھر اس نیاز مند نے عرض کی کہ حضور اس بات کا حضرت محمد سعد اللہ صاحب کو یہ جواب دیں مگر اب تو حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب بالکل خاموش ہوگئے۔ تو اعلیٰ حضرت خواجہ نظام الدین صاحب سجادہ نشین آستانۂ عالیہ تونسہ شریف نے فرمایا کہ محمد ذاکر یہ تو بڑی زیادتی ہے کہ تُو مولوی غلام حسین کے ساتھ مل کر ہمیں غلط استعمال کر رہا ہے؟ اب بھی حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب میرے زانو ہی دباتے رہے اور ادب ادب ہی فرماتے رہے۔ مگر اب تو اِس عاجز نے پرواہ تک نہ کی اور اعلیٰ حضرت خواجہ نظام الدین صاحب کی خدمت اَقدس میں یہ عرض کی کہ حضور اس عاجز کی بھی ایک التجاء ہے۔ اگر حضورِ اقدس اِجازت فرما دیں تو عرض کردوں قبلہ حضرت خواجہ نظام الدین صاحب سجادہ نشین آستانۂ عالیہ تونسہ شریف نے فرمایا کہ تیرا تعارف؟ عرض کی حضور! یہ عاجز مجلس تحفظ ناموسِ صحابہؓ کا موجودہ صدر ہے۔ فرمایا کہ ہاں اجازت ہے بولیں۔ عرض کی کہ حضرت محمد سعد اللہ صاحب سوال کریں۔ مَیں جواب دوں گا۔ ہمارے سوال اور جواب کے درمیان کوئی صاحب دخل نہ دے۔ فیصلہ صرف جناب کی ذات بابرکات ہی فرماوے۔ تو اعلیٰ حضرت خواجہ نظام الدین صاحب سجادہ نشین نے فرمایا ٹھیک ہے۔ اب سوال اور جواب شروع ہوگئے۔

سوال نمبر ۱: حضرت محمد سعد اللہ صاحب نے فرمایا کہ سانحہ حسُو بلیل کا صحیح واقعہ کیا ہے؟

جواب: نیاز مند نے عرض کی کہ حضور ۴ر اکتوبر ۱۹۵۷ء کی شام کو حضرت عمرؓ کا پُتلا گدھے پر سوار کرا

کر لمبی داڑھی بنا کر حسُو بلیل کی گلی کوچہ میں جلوس کی شکل میں عمر بن خطاب مردہ باد کے نعرے اور اصحابِ ثلاثہ کو گالیاں دے کر اُس کے پُتلا کو جوتے مارے گئے۔ پھر یہ پُتلا آگ میں جلایا گیا۔ اور یہ سب کچھ مخدوم نذر حسین کے ڈیرے پر اُس کی موجودگی میں ہوا۔ عالیجاہ! عرض یہ ہے کہ حضرت مولانا غلام حسین صاحب صدر مجلس تحفظ ناموسِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور شیخ محمد شریف صاحب جنرل سیکرٹری مجلس تحفظ ناموسِ صحابہ یہ دونوں صاحبان اعلیٰ حضرت خواجہ قمر الدین صاحب سجادہ نشین آستانۂ عالیہ سیال شریف جو کہ اب با اَدب اعلیٰ حضرت خواجہ نظام الدین صاحب کے سامنے ایستادہ ہیں، کی خدمت میں حاضر ہو کر سانحہ حسوبلیل کا سارا واقعہ عرض کیا اور مجلس تحفظ ناموسِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ تعاون کی اِلتجا کی تو اعلیٰ حضرت خواجہ قمر الدین صاحب سجادہ نشین آستانۂ عالیہ سیال شریف نے فرمایا کہ حضرت مولانا غلام حسین صاحب اور شیخ محمد شریف صاحب آپ دونوں واپس تشریف لے جائیں اور مقامی علماء کا ایک اجلاس بُلائیں۔ اور یہ علماء دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث سب ہوں۔ پھر اِن علماء میں سے ایک اچھا خاصا وفد منتخب کر کے حسوبلیل لے جائیں اور یہ وفد حسوبلیل جا کر پوری تسلی کرے کہ یہ سانحہ حسوبلیل کے واقعات کس حد تک صحیح ہیں؟ اگر یہ واقعات حسُوبلیل سے ثابت ہو جائیں کہ یہ سب کچھ ہوا ہے۔ تو بعد از مکمل تسلی کے اعلیٰ حضرت خواجہ نظام الدین صاحب کی خدمتِ اقدس میں حاضری دیں۔ اور تفصیلاً سارا سانحہ حسوبلیل کا سنائیں۔ پھر جو حکم اعلیٰ حضرت خواجہ نظام الدین صاحب سجادہ نشین آستانۂ عالیہ تونسہ شریف کی طرف سے ہوگا۔ ہم سب اُس حکم پر عمل کرنے کے پابند ہیں۔ پس یہ دونوں صاحبان حضرت مولانا غلام حسین صاحب اور شیخ محمد شریف صاحب واپس آئے۔ مقامی علماء، دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث کا اجلاس بلایا اور وفد منتخب کیا۔

اس وفد میں مندرجہ ذیل علماء تھے:

۱: حضرت مولانا غلام حسین صاحب صدر مجلس تحفظ ناموسِ صحابہ خطیب مسجد دھجی والی۔

۲: حضرت مولانا مفتی محمد عبدالحلیم صاحب خطیب مسجد شیخ لاہوری و معلم مدرسہ ہذا۔

۳: حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب خطیب مسجد جھنگ بازار نزد سبزی منڈی۔

۴: حضرت مولانا حاجی حافظ محمد دین صاحب محلہ چندانوالہ صدر جھنگ۔

۵: حضرت مولانا محکم الدین صاحب صدر مدرسہ ریاض الاسلام و خطیب مسجد محلہ چندانوالہ۔

۶: حلیم حافظ سلطان محمود خطیب مسجد مولانا عبید اللہؒ ساکن محلہ چندانوالہ صدر جھنگ۔

۷: حضرت مولانا غلام قادر صاحب خطیب مسجد قاضیانوالی۔

مندرجہ بالا تمام علماء کرام کا وفد حسو بلیل پہنچا۔ حسو بلیل کے دیہات اور حسو بلیل شہر کے گلی کوچوں میں پھر کر پوری تسلی کی کہ جو کچھ سانحہ حسو بلیل میں لکھا گیا ہے وہ سب کچھ ہوا ہے۔ یہ تمام وفد کی متفقہ رائے تھی۔ اب حضرت مولانا غلام حسین صاحب صدر مجلس تحفظ ناموسِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور شیخ محمد شریف صاحب جنرل سیکرٹری مجلس تحفظِ ناموسِ صحابہ رضی اللہ عنہم یہ دونوں صاحبان تونسہ شریف روانہ ہوئے اور اعلیٰ حضرت خواجہ نظام الدین صاحب سجادہ نشین آستانۂ عالیہ تونسہ شریف کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور تمام واقعہ سانحہ حسو بلیل کا سنایا۔ سن کر اعلیٰ حضرت خواجہ نظام الدین صاحب سجادہ نشین آستانۂ عالیہ تونسہ شریف بے چین ہو گئے۔ اور فرمایا کہ اب کیا پروگرام ہے؟ حضرت مولانا غلام حسین صاحب نے عرض کی کہ حضور! حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے پروانے شمعِ رسالت کے نُور سے منور آستانے پُر دیوانے پہنچ گئے ہیں۔ آگے جناب کا امر مطلوب ہے۔ اس وقت اعلیٰ حضرت خواجہ نظام الدین صاحب سجادہ نشین آستانۂ عالیہ تونسہ شریف پہ ایک عجیب سی کیفیت طاری تھی۔ سانحہ حسو بلیل کا واقعہ سن کر غم سے آنکھیں پُرنم تھیں۔ اور فرمایا کوئی مشورہ دیں، مولانا حضرت غلام حسین صاحب نے عرض کی حضور ایک اچھی خاصی کانفرنس کرنے کا خیال ہے تو اعلیٰ حضرت خواجہ نظام الدین صاحب سجادہ نشین آستانہ عالیہ تونسہ شریف نے فرمایا ٹھیک ہے۔ مگر اس کانفرنس میں تمام فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو ماننے والے دیوانوں کو بُلایا جائے۔ جن میں دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث سب کو اکٹھا کریں تا کہ حکومت کی مدہوشی کو ہوش سے بدلا جاوے اور جو عُلمائے کرام اور مشائخ عظام کے نام حسو بلیل کانفرنس کے اشتہار میں درج ہیں، یہ سب اعلیٰ حضرت خواجہ نظام الدین صاحب سجادہ نشین آستانۂ عالیہ تونسہ شریف نے تجویز فرمائے اور جناب نے ہی تاریخ ۲۲، ۲۳ر فروری ۱۹۵۷ء مقرر فرمائی۔ اس کے بعد حسو بلیل کانفرنس کی صدارت پیش کی تو جناب نے یہ صدارت بھی قبول فرمائی اس کے بعد حسو بلیل کانفرنس کا اشتہار اعلیٰ حضرت خواجہ نظام الدین صاحب کی تمام کرم نوازیاں فرمانے کے بعد چھاپا گیا۔ جب یہ اشتہار چھپ کر شہر کی دیواروں پہ چسپاں ہوا تو پاکستان کی ساری حکومت خصوصاً ضلع جھنگ کے اعلیٰ افسران پر لرزہ طاری ہو گیا۔

سوال نمبر ۲: حضرت محمد سعد اللہ صاحب نے فرمایا کہ اشتہار میں جو مختلف مکاتبِ فکر کے علماء دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث لکھے گئے ہیں۔ اگر یہ ایک سٹیج پر اکٹھے نہ ہوئے تو پھر آپ کی حسو بلیل کانفرنس کا کیا حشر ہو گا؟

عرض کی حضور یہ سب کچھ اعلیٰ حضرت خواجہ نظام الدین صاحب سجادہ نشین آستانۂ عالیہ تونسہ شریف کے

حسب الحکم ہوا ہے۔ اعلیٰ حضرت خواجہ صاحب جناب کے سامنے تشریف فرما ہیں۔ حضور سے مزید تسلی فرمالیں۔ اب حضرت محمد سعد اللہ صاحب کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

ٹھیک ۴۵ منٹ کے سوال اور جواب کے بعد اعلیٰ حضرت عالی قدر موجودہ اجلاس کے صاحبِ صدر حضرت خواجہ نظام الدین صاحب اولیاء تونسویؒ نے فرمایا کہ اے سعد اللہ ابھی کوئی جراثیم تیرے دماغ میں باقی ہیں یا ختم ہوگئے ہیں؟ اب حضرت محمد سعد اللہ کے پاس سوائے خاموشی کے کوئی جواب نہ تھا۔ پس اب اعلیٰ حضرت خواجہ نظام الدین تونسوی آستانۂ عالیہ تونسہ شریف پہ جوانی تھی، سجادہ نشین ذیشان تھے، جلال میں آگئے۔ جلال باکمال میں آکر بپھرے ہوئے شیر کی طرح گرج کر بلند آواز میں فرمایا، اب ہمارے ہر ایک سانس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت برس رہی ہے کہ ضلع جھنگ کے علاقہ حسو بلیل میں حضرت عمرؓ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا پُتلا بنا کر جلایا جائے اور ہم یہاں بیٹھ کر حلوے کھائیں۔ یہ دین سے انحراف نہیں تو کیا ہے۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ ہم ضلع جھنگ میں نہ جائیں۔ سردار غلام فرید ڈپٹی کمشنر جھنگ جو چاہے کرے۔ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے غلام کسی ضلع بندی کی پرواہ نہیں کرتے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہم ضرور جائیں گے۔

اب اس خاص الخاص گیارہ اشخاص کے اجلاس میں ابتداء سے ہی تین ہستیاں (۱) اعلیٰ حضرت خواجہ قمر الدین صاحب سجادہ نشین آستانۂ عالیہ سیال شریف (۲) اعلیٰ حضرت سید محی الدین صاحب سجادہ نشین آستانۂ عالیہ گولڑہ شریف اور (۳) ملک فتح محمد ٹوانہ صاحب جو کہ سرخضر حیات ٹوانہ حکومتِ برطانیہ کے آخری وزیرِ اعظم کا نزدیکی رشتہ دار تھا۔ یہ تینوں صاحبان قیام کی صورت میں ہاتھ باندھ کر باادب اعلیٰ حضرت خواجہ نظام الدین صاحب تونسوی رحمہ اللہ کے سامنے کھڑے تھے۔ یہ تینوں بزرگ ہستیاں از ابتداء اجلاس تا انتہا باادب اعلیٰ حضرت پیر پٹھان صاحبِ صدر کے سامنے کھڑے رہے باقی تمام صاحبان بیٹھے رہے۔ اب نواب ملک فتح محمد ٹوانہ صاحب جو کہ اعلیٰ حضرت خواجہ نظام الدین صاحب تونسوی رحمہ اللہ کے سامنے کھڑے تھے۔ نہایت ہی عاجزانہ اور باادب لہجے میں عرض کی کہ حضور قبلہ عالم اگر اجازت ہو تو نیاز مند کچھ عرض کرے؟ اعلیٰ حضرت خواجہ نظام الدین صاحب نے فرمایا کہ ہاں اجازت ہے۔ ملک فتح محمد ٹوانہ صاحب نے عرض کی کہ حضور اس وقت سکندر مرزا کی حکومت ہے۔ سید کرنل عابد حسین شاہ صاحب مرکز میں وزیر ہیں۔ سید کرنل عابد حسین شاہ صاحب کا آبائی وطن ضلع جھنگ خاص مقام شاہ جیونہ ہے۔ اور سید کرنل عابد حسین شاہ صاحب مذہباً شیعہ ہے۔ عالیجاہ! اس وقت ضلع جھنگ کا شیعہ اہل سنت والجماعت کے خون کا پیاسا ہے اور ہر آئے دن اہل سنت والجماعت کا خون گرانے کے بہانے تلاش کر رہا ہے۔ حضور والا! اب ڈپٹی کمشنر ضلع جھنگ

سردار غلام فرید نے ان تینوں سجادہ نشینوں کا یعنی اعلیٰ حضرت خواجہ نظام الدین صاحب سجادہ نشین آستانہ عالیہ تونسہ شریف رحمہ اللہ اور اعلیٰ حضرت خواجہ قمرالدین صاحب سجادہ نشین آستانہ عالیہ سیال شریف رحمہ اللہ اور اعلیٰ حضرت سید محی الدین صاحب سجادہ نشین آستانۂ عالیہ گولڑہ شریف کا داخلہ ضلع جھنگ میں بند کر دیا ہے اور جناب نے ضلع جھنگ میں داخل ہو کر حسو بلیل کانفرنس کو کامیاب کرنے کا اعلان کر دیا ہے۔ عالیجاہ جب یہ تین سجادہ نشین صاحب حق الیقین فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے پیارے جانثار اور اہل سنت والجماعت کے سپہ سالار ضلع جھنگ کی حدود میں داخل ہوں گے تو فوراً ضلع جھنگ کی پولیس پورے پاکستان کے ان بے تاج بادشاہوں کو گرفتار کر کے جیل میں پہنچا دے گی۔ عالیجاہ! بعد میں پورے پاکستان میں خصوصاً ضلع جھنگ میں جلسے ہوں گے۔ جلوس نکلیں گے، ہڑتالیں ہوں گی۔ اہل سنت والجماعت کے لوگوں پر اہل شیعہ کو اپنے غیظ و غضب کا شوق پورا کرنے کا موقعہ مل جائے گا۔ عالیجاہ صاحبِ صدر گرامیِ قدر ضلع جھنگ کی پولیس آنسو گیس پھینکے گی۔ لاٹھیاں برسائے گی۔ گولیاں چلائے گی۔ آخر حکومتِ پاکستان ہر آئے دن کے جلسے جلوس اور ہڑتالوں سے عاجز ہو جائے گی۔ یہ حکومتِ پاکستان زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ ان تینوں شاہ سواروں کو، فقر کی دُنیا کے راج دُلاروں کو جیل میں رکھ سکے گی۔ مگر جب یہ اہل سنت والجماعت کے گدڑی پوش سپہ سالار جیل سے باہر آئیں گے تو ان اللہ والوں کی لاتعداد مُریدنیاں زار و زار رو رہی ہوں گی۔ کسی کا باپ شہید ہو چکا ہوگا۔ کسی کا بیٹا اور کسی کا بھائی شہید ہو چکا ہوگا۔ کسی کا سُہاگ لٹ چکا ہوگا۔ گویا کہ ضلع جھنگ اہل سنت والجماعت کے لیے ایک ماتم کدہ کا منظر پیش کرے گا۔ حضورِ والا جنابِ اَقدس کا فیصلہ برحق ہے اور جناب کے ہر حکم کی اِطاعت کرنا ہم سب کا ایمان ہے۔

عالیجاہ! اگر مناسب سمجھیں تو کوئی ایسی تجویز اختیار کریں۔ کہ جس سے اہل شیعہ کے غیظ وغضب سے اہل سنت والجماعت کے لوگوں کو بچایا جاسکے۔ اب فیصلہ جناب کی ذات بابرکات پر ہے۔ جو مناسب سمجھیں یہ حکم فرما دیں۔ ہم سب حاضر ہیں۔ ہم تن من دھن سب کچھ جناب کے حکم پر قربان کرنے کو تیار ہیں۔ باقی فیصلہ جناب کی ذات بابرکات پر ہے۔ یہ غلام حاضر ہیں۔ نواب ملک فتح محمد ٹوانہ صاحب کی اس مختصر بامقصد اور پُرمغز تقریر نے تمام سامعین کو سوچنے پر مجبور کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد اعلیٰ حضرت خواجہ نظام الدین صاحب سجادہ نشین آستانۂ عالیہ تونسہ شریف رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ٹوانہ صاحب آپ ہی کوئی تجویز سوچیں اور پیش کریں۔ نواب ملک فتح محمد ٹوانہ صاحب نے عرض کی کہ حضور کے حسب الحکم یہ عاجز یہ ناچیز یہ تجویز پیش کرتا ہے کہ جناب تینوں سجادہ نشین بے شک تشریف لے جائیں۔ اگر حکومت آگے جانے دے تو جائیں، نہ جانے دے

تو واپس تشریف لائیں۔ قانون شکنی نہ کریں تا کہ ضلع جھنگ میں اہل سنت والجماعت کے لوگوں کو اہل شیعہ کے غیظ وغضب سے بچایا جاسکے۔ اور پھر بعد میں مل بیٹھ کر کوئی مناسب لائحہ عمل سوچ کر قدم اٹھایا جاسکے۔ اُس کے بعد اعلیٰ حضرت خواجہ نظام الدین صاحب نے فرمایا کہ ٹوانہ صاحب کی بات پر ووٹنگ کریں۔ جب رائے لی گئی تو صرف دو ووٹ ملک فتح محمد ٹوانہ صاحب کی رائے کے خلاف تھے۔ باقی تمام ووٹیں ملک فتح محمد ٹوانہ صاحب کے موافق تھیں۔ بعد از الیکشن کے تمام اجلاس کے حاضرین نے بمعہ اعلیٰ حضرت خواجہ قمرالدین صاحب سجادہ نشین آستانۂ عالیہ سیال شریف اور اعلیٰ حضرت سید محی الدین صاحب سجادہ نشین آستانۂ عالیہ گولڑہ شریف اور ملک فتح محمد ٹوانہ صاحب کے تمام حاضرین نے متفقہ طور پر گزارش کی کہ آپ ہماری رائے اور ووٹوں کو کوئی اہمیت نہ دیں۔ جناب جو مناسب سمجھیں فیصلہ صادر فرما دیں۔ ہم سب جناب کے فیصلہ کے پابند ہیں۔ اس کے بعد اعلیٰ حضرت خواجہ نظام الدین صاحب سجادہ نشین آستانۂ عالیہ تونسہ شریف نے فرمایا کہ میں اِس اجلاس میں اکثریت کے فیصلے کی قدر کرتا ہوں، رد نہیں کرتا مگر میری طرف سے ایک شرط ہے۔ وہ شرط یہ ہے کہ آنے والے وقت میں یعنی الیکشن میں میرے ساتھ یہ وعدہ کریں کہ نہ کسی شیعہ کو ووٹ دیں گے نہ دلوائیں گے۔ اجلاس کے حاضرین نے متفقہ طور پر وعدہ کیا کہ نہ ہم آئندہ الیکشن میں شیعہ کو ووٹ دیں گے نہ دلوائیں گے اس کے بعد اعلیٰ حضرت خواجہ نظام الدین صاحبِ نے دعا مانگی اور ہم سب نے آمین کہی۔ دعا میں جو الفاظ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء تونسویؒ نے عرض کئے وہ یہ تھے کہ یا اللہ اس اجلاس کے حاضرین میں سے جو شخص اس وعدہ کی پابندی نہ کرے اس کو روزِ محشر فرعون، قارون ہامان کے جھنڈے تلے اُٹھا اور ہم سب کہتے تھے آمین۔ جب دعا ختم ہوئی تو تمام صاحبان حاضرین اجلاس اس بیٹھک سے باہر تشریف لائے۔ سب کے آخر میں حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب بانی دار العلوم جامعہ محمدی شریف اور یہ عاجز حکیم حافظ سلطان محمود بیٹھک سے باہر آئے۔ جب یہ عاجز اور مولانا صاحب دروازہ سے باہر آئے تو حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب نے اس ناچیز کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے اور بار بار چومتے اور فرماتے کہ حافظ سلطان محمود تو نے تو آج میری عزت بچالی ہے۔ حافظ جی تُو نے تو آج میری عزت بچالی ہے۔ اُس دن سے لے کر زندگی کے آخری سانسوں تک حضرت مولانا محمد ذاکر صاحبؒ بانی دار العلوم جامعہ محمدی شریف اس ناچیز پر بہت زیادہ مہربان رہے۔

## جھنگ آنے کی تیاری اور کانفرنس کا التواء

اب اعلیٰ حضرت خواجہ نظام الدین صاحب سجادہ نشین آستانۂ عالیہ تونسہ شریف اور اعلیٰ حضرت خواجہ قمرالدینؒ صاحب سجادہ نشین آستانۂ عالیہ سیال شریف اور اعلیٰ حضرت سید محی الدین صاحب سجادہ نشین آستانۂ عالیہ گولڑہ شریفؒ یہ تینوں شاہ سواران ملت حضرت عمرؓ کے پیارے، اہل سنت والجماعت کے راج دُلارے یہ تینوں مل کر مزار کے اندر گئے۔ [1] فاتحہ پڑھی۔ دعا کی، باہر آئے۔ تو بہت زیادہ عوام الناس کا ہجوم تھا۔ کافی کاریں، موٹر سائیکل اور پیدل مُریدین ومُعتقدین حاضر تھے۔

اب اعلیٰ حضرت پیر تونسویؒ نے فرمایا کہ ہم تینوں جا رہے ہیں۔ آپ سب مناسب فیصلے کا انتظار کریں۔ یہ تینوں سجادہ نشین اپنی اپنی کاروں پر سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ ضلع جھنگ کی حد پر ضلع جھنگ کی پولیس موجود تھی۔ پولیس نے روک لیا۔ جھنگ جانے کی اجازت نہ دی۔ خاص الخاص اجلاس کے فیصلے کے مطابق ان ہستیوں نے قانون شکنی نہ کی۔ واپس تشریف لائے۔ کانفرنس کو ملتوی کرنے کا اعلان کیا۔ سانحۂ حسوبلیل کا استغاثہ جھنگ میں درج ہوا۔ استغاثہ کا مدعی محمد خان بلوچ نزد موضع حسُوبلیل کے ایک گاؤں کا نمبردار تھا۔ حسُوبلیل کانفرنس ملتوی ہونے کے چند دن بعد مدعا علیہ پارٹی نے درخواست دے کر یہ استغاثہ فیصل آباد منتقل کرالیا اور پھر وہاں سے یہ استغاثہ لاہور لے گئے۔

## ملزمان کا لاہور عدالت میں تقیہ، کہ ہم نے عمرو بن سعد کا پُتلا بنایا تھا، حضرتِ عمرؓ کا نہیں!

مجلس تحفظ ناموسِ صحابہؓ کی طرف سے دو وکیل تھے۔

(۱) شیخ محمد سعید صاحب ایڈووکیٹ صدر مسلم لیگ ضلع جھنگ سابقہ ایم پی اے و پارلیمانی سیکرٹری صوبہ پنجاب۔

(۲) رائے احمد نور سنگراء صاحب ایڈووکیٹ صدر سٹی مسلم لیگ۔ یہ دونوں وکیل صاحبان اہل سنت والجماعت کے ذیشان بلافیس اپنی جیب سے اپنا خرچ کر کے ہر تاریخ پر حاضرِ عدالت ہو کر پوری محنت اور شان وشوکت سے وکالت کرتے تھے۔ جب مقدمہ ملزمان کی درخواست پر فیصل آباد اور پھر فیصل آباد سے

---

[1] یعنی حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ کے مزار پر حاضری دی۔

لاہور منتقل ہوا تو یہ دونوں وکیل صاحبان اپنی جیب سے خرچ کر کے اور اپنی کاروں پہ سوار ہو کر ہر تاریخ پر صرف دینی اور ملی جذبہ کے تحت اعلیٰ عدالت لاہور میں حاضر ہو کر بڑی شان اور شوکت اور کروفر سے وکالت کرتے۔ مگر لاہور کی اعلیٰ عدالت میں ملزمان نے بیان دیا کہ وہ پتلا جس کی توہین کی گئی تھی وہ حضرت عمرؓ یعنی فاروقِ اعظم کا پُتلا نہیں تھا۔ یہ عمرو بن سعد کا پُتلا تھا۔ جو عمرو بن سعد لشکرِ یزید کا سپہ سالار تھا چنانچہ ایک مجرم سزا ہوا۔ باقی رہا ہو گئے اور اُس سزا پانے والے مجرم نے اپیل کی۔ وہ بھی بری ہو گیا۔ [1]

بعد از فیصلہ کے صرف چند دن مورخہ ۷ ر اکتوبر ۱۹۵۸ء کو جنرل ایوب خان کا مارشل لاء نافذ ہوا۔ بوقت آغاز مارشل لاء کے جناب سید کرنل عابد حسین شاہ صاحب مرکزی وزیر حکومت پاکستان اپنے آبائی وطن خاندانی نعمت کدہ میں یعنی سید پیر شاہ جیونہ کی جُھل میں آ چکے تھے۔ حکومت ختم، وزارت ختم، دبدبہ اور جلالت

---

[1] نصرت علی ایثر صاحب نے لکھا ہے کہ گستاخی کرنے والے ملزم کو گرفتار تو کر لیا گیا تھا مگر اسے چالان کر کے سزا کے لیے مقدمہ نہ چلایا گیا، تاہم وہ جیل میں ہی اپنی موت مر گیا (ذکرِ ذاکر ص ۱۹۱، جولائی ۱۹۹۷ء) مگر از روئے تحقیق فی الوقت اس کا تسلیم کرنا مشکل ہے۔ کیونکہ ایثر صاحب کی مذکورہ کتاب جہاں معلومات کا مرقع ہے وہاں اس میں تسامحات بھی کافی ہیں۔ راقم کے پاس ''ذکرِ ذاکر'' کا وہ نسخہ ہے جو حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے ذاتی مطالعہ میں رہا اور آپ نے اپنے قلم مبارک سے بعض خلافِ تحقیق باتوں کی نشاندہی فرمائی ہے اگر طباعت سے پہلے ''ذکرِ ذاکر'' کا مسودہ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی چشمِ بینا سے گزر جاتا تو بہتر ہوتا، اس کی فروگذاشتوں میں سے چند ایک کا یہاں بطور ریکارڈ اندراج کیا جاتا ہے۔ مثلاً مُصنف ''ذکرِ ذاکر'' صفحہ نمبر ۲۳۱ پہ لکھتے ہیں کہ جب ۱۹۷۶ء میں مولانا محمد ذاکرؒ کا انتقال ہوا تو حضرت خواجہ قمر الدین سیالویؒ جنازہ میں تشریف لائے اور آپ کو لحد میں اتارا، اس پر مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے نوٹ لکھا ہے کہ'' جنازہ میں شرکت اور لحد میں اتارنے کی دونوں باتیں غلط ہیں اور بالکل خلافِ واقعہ ہیں'' اسی طرح مصنف ''ذکرِ ذاکر'' نے صفحہ نمبر ۲۰۳ پہ لکھا ہے کہ سیاسی لیڈر سردار حسین شاہ مولانا محمد ذاکرؒ کے پاس آیا اور کہا کہ میں آپ کو ۲، لاکھ روپے جامعہ محمدی شریف کے لیے دیتا ہوں آپ الیکشن سے دستبردار ہو جائیں۔ سردار صاحب نے یکمشت ۲، لاکھ روپے دینے کی پیشکش تھی'' اس پر مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے نوٹ لکھا کہ'' قابلِ غور، یہ میرے علم سے خارج ہے''۔ اسی طرح مصنف ''ذکرِ ذاکرؒ'' نے صفحہ نمبر ۲۲۸ پر مولانا محمد ذاکرؒ کے متعلق لکھا کہ'' حضرت ثالث (یعنی خواجہ ضیاء الدین سیالویؒ) نے کمال شفقت سے آپ کو بیعت سے مشرف کیا اور حضرت میاں عبدالغفور صاحب کی وفات کے بعد مسندِ خلافت پر بیٹھنے کی اجازت بخشی'' اس پر مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے لکھا کہ ''غلط، غلط، دونوں سطریں خارج کر دیں بیعت کی اجازت حضرت ثالثؒ سے حاصل نہ تھی، یہ مولف نے صحیح نہیں لکھا''۔ نیز مولف ''ذکرِ ذاکرؒ'' نے صفحہ نمبر ۹۵ پر لکھا کہ'' ۱۹۱۳ء میں ندوہ کے کارکنوں کے اندر باہمی اختلافات بڑھ جانے کی وجہ سے ادارہ انتشار کا شکار ہو گیا جس کی وجہ سے کوئی قابلِ قدر کام نہ کر سکا۔ ندوۃ العلماء کا دعویٰ تھا کہ یہ قدیم اور جدید کا مجموعہ ہو گا لیکن ندوہ قدیم و جدید دونوں کی مخالفت کرتے رہنے کی وجہ سے کوئی مقبولیت حاصل نہ کر سکا، ندوہ کا مقصد صحیح تھا لیکن اس کا نظام کار باہمی اختلافات کی وجہ سے غلط چل نکلا اور اس طرح ایک بہت بڑی کوشش ناکام ہو گئی'' اس پر مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے نوٹ لکھا کہ'' ص ۹۵ پر ندوۃ العلماء کے حق میں جو تبصرہ و تجزیہ لکھا ہے وہ بالکل غلط اور خلافِ واقعہ ہے، قابلِ اخراج ہے، ندوہ کے متعلق تبصرہ ہذا کو خارج کر دیں'' محمد نافع عفا اللہ عنہ۔ یاد رہے کہ ایسے تصحیحی اور اصلاحی نوٹ آپ کے مطالعہ میں رہنے والی ہر کتب عربی و فارسی اور اردو میں موجود ہیں، جو آپ کی علمی و تحقیقی زندگی کا ایک مستقل موضوع ہے۔ سلفی

سب ہوگئے ختم۔ اب اہل سنت والجماعت کے لوگوں کا صبر اور جناب نواب ملک فتح محمد ٹوانہ صاحب کی پیاری تقریر کا اثر اور اعلیٰ حضرت خواجہ نظام الدین صاحب سجادہ نشین آستانۂ عالیہ تونسہ شریف کے خاص الخاص اجلاس کے تمام ممبران صاحبان سے حلف لینے کا اجر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ملا کہ باقی تمام زندگی جناب سید کرنل عابد حسین شاہ صاحب قومی اسمبلی کی کرسی حاصل کرنے کی سرتوڑ کوشش کرتے رہے۔ مگر یہ کرسی نصیب نہ ہوئی۔ اور ہمیشہ ہی شکست ہوتی رہی۔

قبل ازیں الیکشن ۱۹۵۱ء کے موقع پہ فیصلہ ہوا کہ مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کے ممبر دورہ کریں۔ عوام سے رابطہ کرکے تکالیف سنیں اور حتی الوسع ازالہ کریں۔ حضرت مولانا سید عطا محمد شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ ہمارے علاقہ میں خان محمد عارف خان رجبانہ سیال صاحب اور سید کرنل عابد حسین شاہ صاحب اور سید سردار احمد شاہ صاحب اور حکیم عطاء محمد کا گروپ مرتب کیا گیا۔ متفرق مرکزی دیہات سے فارغ ہوتے ہوئے محمدی شریف پہنچے۔ حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب کو پہلے سے ایک شکوہ تھا۔ حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب نے اہلِ وفد سے سوال کیا کہ ضلع جھنگ سے ہمیشہ اہلِ شیعہ ہی کونسل کے ممبر چنے جاتے ہیں۔ کسی سنی کو بھی موقع ملنا چاہئے۔ تو خان محمد عارف خان نے جواب دیا کہ مولوی صاحب شیعہ سنی کا تو کوئی سوال نہیں؟ یہاں تو قابلیت کام دیتی ہے۔ تو مولوی صاحب نے فرمایا کہ گویا سارے ضلع جھنگ کی سرزمین میں کوئی سنی بھی اس قابل نہیں کہ کونسل میں جاسکے؟ یہ بات تو یہاں پر ختم ہوگئی۔ مگر خان محمد عارف خان کی یہ بات حضرت مولانا محمد ذاکر مردِ قلندر کے قلب اطہر پر بجلی بن کر گری اور سارے جھنگ کے در و دیوار گونج اُٹھے۔ علاوہ اِس کے ہر سیٹ پر مسلم لیگ کی ٹکٹ کا حامل شیعہ رئیس تھا۔ اب حضرت مولانا محمد ذاکر نے مسلم لیگ سے بغاوت کردی اور حکیم عطا محمد نے بغاوت میں حضرت مولانا محمد ذاکر کا ساتھ دیا اب حکومت کی طرف سے مسلم لیگ کا صوبائی ٹکٹ سید سردار غلام محمد شاہ ولد سید سردار حسین شاہ کو مل گیا۔ جن کے بالمقابل حضرت مولانا محمد ذاکر آزاد اُمیدوار تھے۔ ❶

سانحہ حسّو بلیل کے سلسلہ میں احتجاجی کانفرنس پر پابندی کے متعلق مولانا محمد نافع ۲۲، فروری ۱۹۵۸ء کی ڈائری میں لکھتے ہیں:

"آج جھنگ میں ایک احتجاجی کانفرنس منعقد ہونا تھی، جس کا مقصد حسّو بلیل والے مقدمہ کی اجازت کا نہ ملنا ہے، مگر حکومت نے دفعہ نمبر ۱۴۴ سارے ضلع میں نافذ کردی ہے اور کانفرنس میں شامل ہونے والوں کا

❶ حکیم سلطان محمود/آپ بیتی سانحہ حسّو بلیل/مطبوعہ حیدر اشفاق پرنٹرز، پریس مارکیٹ جھنگ صدر/صفحہ اول تا ۲۹۔

ضلع میں داخلہ بند کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ تونسہ شریف، سیال شریف اور گولڑہ شریف کے مشائخ سب کو ضلع کی حدود میں داخل نہیں ہونے دیا گیا۔ اور مقامی علماء و کارکنان سب کو نظر بند کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا یہ کانفرنس منعقد نہ ہو سکی اور ساتھ ہی جامعہ کا جلسہ بھی نہ ہو سکا۔''

## عید کے اجتماع میں مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کا احتجاج

سانحہ حسّو بلیل کے سلسلہ میں مولانا محمد ذاکرؒ نے تحریک چلانے اور عدالتوں میں پیشیاں بھگتنے کے لیے خود کو پیش کر رکھا تھا تو دوسری جانب مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے اجتماعاتِ جمعہ و عیدین میں گاہے گاہے احتجاجی قراردادوں کے ذریعہ عوام الناس میں شعور و آگہی پیدا کر رکھی تھی۔ چنانچہ یکم شوال ۱۳۷۷ھ عیدالفطر کے اجتماع میں آپ نے احتجاج کیا اور اپنی ذاتی ڈائری میں لکھا:

''کل چاند نظر نہ آنے کی وجہ سے عید نہ ہو سکی تھی، آج بحمد اللہ عید ہے۔ حسب دستور ۸، بجے صبح کے قریب عید پڑھائی گئی۔ حسب حال بیان کیا گیا۔ مزید مولانا غلام حسین صاحب صدر انجمن تحفظ ناموسِ صحابہ رضی اللہ عنہم مگھیانہ اور سیکرٹری کی گرفتاری پر احتجاج کیا گیا۔ باوجود فصلوں کی مشغولیت کے لوگ کافی جمع ہو گئے''

غالباً اس کے ایک ماہ بعد مولانا غلام حسینؒ صاحب کو رہا کر دیا گیا تھا، کیونکہ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ اُن سے ملاقات کرنے مگھیانہ تشریف لے گئے تھے۔ چنانچہ آپؒ لکھتے ہیں:

'' آج مگھیانہ میں مولانا غلام حسین صاحب کے ہاں قیام ہے۔ آج انہوں نے صبح کا درسِ قرآن مجید میرے ذمہ کر دیا۔ حالانکہ بندہ اس کا اہل نہیں ہے۔'' ❶

یہاں سے مولانا محمد نافعؒ کی کسر نفسی کا ایک اور ثبوت مل رہا ہے اور ایسی باتیں یا واقعات آپ کی زندگی میں متعدد مرتبہ ظہور پذیر ہوئے، اہل سنت کے حقوق، دفاعِ صحابہ رضی اللہ عنہم و اہل بیت، اور علومِ دین کی نشر و اشاعت کے لیے ہراول دستے میں موجود رہتے مگر نام و نمود اور شوقِ شہرت یا حُبّ جاہ و مال سے آپ کوسوں دور رہتے تھے اس لئے ایک معروف صحافی اور مصنف نے آپ کے تعارف میں لکھا:

''مولانا محمد نافع عالم و فاضل اور ''حدیث ثقلین'' اور ''رحماء بینہم'' کے مؤلف ہیں۔ موصوف کی کتابیں علمی حلقوں میں مقبول ہیں، نہایت کم گو اور علم پرور ہیں۔'' ❷

تاریخ کے دیگر اندوہناک اور فرقہ وارانہ فسادات کی طرح یہ سانحہ حسّو بلیل بھی انتہائی اشتعال انگیز اور

---

❶ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ رذاتی ڈائری، ۲۱ جون ۱۹۵۸ء بمطابق ذوالحجہ ۱۳۷۷ھ۔

❷ بلال زبیری رتاریخِ جھنگ رمطبوعہ ۱۹۷۶ء ناشر جھنگ ادبی اکیڈمی رصفحہ نمبر ۴۵۷۔

گھناؤنا عمل تھا، مگر علماء اہل سنت نے پُرزور تحریک چلانے، علمی انداز میں لوگوں کی راہنمائی کرنے اور قانونی چارہ جوئی سے ہٹ کر کوئی ایسا قدم نہیں اٹھایا کہ جس سے یہ ظالم متصور ہوتے اور دشمنانِ صحابہ رضی اللہ عنہم مظلوم بن جاتے۔ جوش کے ساتھ ہوش اور بہادری کے ساتھ حکمت کا تعلق اتنا ہی ہے جتنا علم کے ساتھ عمل کے رشتے کا ہونا ضروری ہے۔ علم بلا عمل، جوش بلا ہوش اور بہادری بلا حکمت سے اہل حق کا کبھی فائدہ نہیں ہوا۔ اور یہ بات مولانا محمد نافع یا ان سے قبل کے علماء اہل سنت نے اپنے طرزِ عمل، اخلاص، استقامت اور استقلال سے ثابت کر کے بطورِ نمونہ ورشکِ جہاں یادگار چھوڑی۔

## ایک ضروری وضاحت:

ہم نے یہاں سانحہ حسّو بلیل کے تاریخی تذکرہ میں حافظ سلطان محمود صاحب کی جس یادداشت کے مندرجات دیئے ہیں، ان میں اردو تصحیح کا التزام کرتے ہوئے عبارات کا ربط، عنوانات، اور کچھ متبادل الفاظ داخل کیے ہیں، جو مطبوعہ کتابچہ کے تقابلی مطالعہ سے ظاہر ہو سکتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ حافظ صاحب مذکور غالباً قلم و قرطاس کے شعبہ سے تعلق نہیں رکھتے تھے، مخلص اور تحریکی شخصیت تھی، کیونکہ ان کی تحریر کردہ یادداشتوں میں زبان و بیان کی بہت سی خامیاں موجود ہیں۔ اس لیے بغرضِ مجبوری ہمیں یہ تکلف کرنا پڑا، تاکہ قاری بے مزہ نہ ہو اور تسلسل کیساتھ یہ تاریخی و تحقیقی گھاٹیاں عبور کرتا چلا آئے۔

## مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ اور مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی جدوجہد کا خلاصہ

سانحہ حسّو بلیل کے بعد اہل سنت والجماعت کی اعتقادی وفکری سرحدوں کی حفاظت کرتے ہوئے مولانا محمد نافع رحمہ اللہ اور آپ کے بھائی مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ کی مذکورہ کاوشوں کا خلاصہ یہ ہے:

۱: سیاسی میدان میں اپنی خدمات سرانجام دیتے ہوئے مصلحت و مداہنت کا اس حد تک شکار ہو جانا کہ مذہب و مسلک کا احساس ہی ختم ہو جائے، علماء حق کو زیب نہیں دیتا۔ ان دو بھائیوں نے جس غیرت و حمیت کے ساتھ ناموس صحابہؓ کا دفاع کیا وہ اہل حق کیلئے مشعل راہ ہے۔

۲: دینی و ملی جدوجہد میں خواہ کتنی ہی عوامی طاقت پشت پر ہو، انتظامیہ اور دیگر سرکاری اداروں کو اپنا دشمن نہیں بنانا چاہیے۔ بلکہ حتی المقدور قانونی دائرہ کار میں رہ کر ملک وملت کی راہنمائی کرنا چاہیے۔

۳: مخلصین کو اپنوں کی حماقتوں اور الزام تراشیوں کو خندہ جبینی کیساتھ برداشت کر لینا چاہیے۔ وگرنہ بڑے اہداف اور بامقصد منزل تک رسائی مشکل ہو جاتی ہے۔

۴: مرزائیت ورافضیت یا دیگر الحادی فتنوں کا تعاقب اہل سنت والجماعت کے تمام مکاتب فکر کے اتحاد و اتفاق سے ہی ممکن اور مؤثر ہوسکتا ہے۔

۵: ہر دینی جدوجہد میں علماء کرام کو مشائخ وصوفیاء کو ساتھ ملا کر میدانِ عمل میں نکلنا چاہیے، وگرنہ مشائخ کے متوسلین کا ایک بڑا طبقہ گھروں میں دبکا رہتا ہے اور بسا اوقات ''ناداں گر گئے سجدے میں جب وقتِ قیام آیا'' کی عملی تصویر بن کر رہ جاتے ہیں۔

# باب نمبر 10

# تحمل مزاجی اور استقلال

ا: قریہ محمدی شریف کی تاریخ میں پہلی فرقہ وارانہ تقریر

۲: مولانا محمد عبداللہ کا تذکرہ، دورہ حدیث شریف کیلئے بریلی شہر روانگی، واپسی پہ متشدّدانہ حرکات، جامعہ محمدی سے استعفیٰ، بارُود بھری تقریر، مغلّظات بھرا خط، مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی دِل آزاری اور اُن کا افسوسناک سانحۂ وفات

۳: لوہاروں کی تُرش رُوئی اور مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی خندہ جبینی۔

# قریہ محمدی شریف میں پہلی فرقہ وارانہ تقریر!

قریہ محمدی شریف سے متصل چک لنگرانہ نمبر ۲۳۷ میں ۱۵، ستمبر ۱۹۲۱ء بمطابق ۱۲ محرم الحرام ۱۳۴۰ھ کو مولانا محمد عبداللہ پیدا ہوئے۔ انہوں نے جامعہ محمدی شریف میں ابتدائی کتابیں پڑھی تھیں، مولانا محمد نافعؒ کے معاصر تھے۔ بعد ازاں بھیرہ ضلع سرگودھا میں مولانا سعید الرحمن ہزاروی سے اور موضع تفری ضلع سرگودھا میں مولانا خدا بخش صاحب سے درس نظامی کی بڑی کتابیں پڑھتے رہے۔ پھر واپس محمدی شریف لوٹ آئے اور مشکوٰۃ شریف تک کتب یہاں مکمل کیں۔ جب دورۂ حدیث شریف کرنے کا مرحلہ آیا تو انہوں نے اپنے طبعی رجحان کے پیش نظر بریلی شریف جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ یہ مولانا احمد رضا خان صاحب کی دینی درسگاہ تھی، اور اس میں اس زمانہ کے اندر مولانا سردار احمد صاحب تدریس کرتے تھے۔ قیام پاکستان کے بعد یہی مولانا سردار احمد صاحب فیصل آباد مقیم ہوئے۔ اور دینی خدمات کے ساتھ ساتھ دیوبندی، بریلوی تشتت ونفور کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ تکفیر بازی کا مشغلہ محبوب تھا اور اختلاف رائے یا ذوقی بُعد کو بھی کفر و اسلام کا مسئلہ بنا دیتے تھے اور سماجی بائیکاٹ تک کے سخت فتوے صادر فرماتے تھے۔ جب مولوی محمد عبداللہ صاحب نے دورۂ حدیث شریف کے لیے بریلی شریف کا قصد کیا تو اس سے چند سال پہلے مولانا محمد نافع رحمہ اللہ دارالعلوم دیوبند سے دستارِ فضیلت باندھ کر واپس آچکے تھے اور مصروفِ تدریس وتصنیف اور تبلیغ تھے۔ آپ اسی وقت خطرہ بھانپ گئے تھے کہ مولانا سردار احمد صاحب تو پھول کی پھلجھڑی اور پٹاخہ بنانے میں مہارتِ تامہ رکھتے ہیں، مولوی عبداللہ صاحب خدا جانے کس قسم کا فکری مزاج لے کر واپس تشریف لائیں گے؟ چنانچہ آپ نے اپنی ڈائری میں لکھا:

''حافظ عبداللہ صاحب دورۂ حدیث شریف کے لیے بریلی شہر جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔''[1]

پھر وہی ہوا، جس کا خدشہ تھا۔ مولوی صاحب موصوف واپس تشریف لائے، چونکہ محمدی شریف ہی کے طالب علم تھے اور اسی علاقہ کے رہنے والے بھی تھے، اس لیے یہیں مدرس مقرر ہو گئے، ان کے قدوم میمنتِ لزوم کا لگنا تھا کہ مولانا محمد ذاکرؒ کا فلسفۂ اعتدال مولانا سردار احمد صاحب کی متشددانہ پالیسی کی بھینٹ چڑھ گیا۔ حالانکہ مولانا محمد ذاکر صاحب رحمہ اللہ قیام پاکستان کے بعد جب ایک مرتبہ فیصل آباد مولانا سردار احمد صاحب کو ملنے گئے تھے تو انہوں نے پورے جذبۂ ایمانی اور زورِ ''ایقانی'' سے ملاقات کرنے سے انکار فرما دیا تھا کہ تم نے جامعہ محمدی میں دیوبندی مدرسین رکھے ہوئے ہیں، اس لیے آپ کو شرفِ ملاقات حاصل نہیں ہو سکتا۔[2]

---

[1] مولانا محمد نافعؒ رذاتی ڈائری ۱۰ ستمبر ۱۹۴۶ء بمطابق ۱۳ شوال ۱۳۶۵ھ۔

[2] یادداشتیں مولانا میاں غلام ابوبکر صدیقی (جو کتاب ہذا میں موجود ہیں)۔

مگر مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ اور مولانا محمد نافع رحمہ اللہ چونکہ ایک مشن اور سوچ کے تحت اپنے اہداف و مقاصد کو پانے کی پاکیزہ سعی میں مشغول تھے، آپ ایسی قلبی دل آزاریوں کو خندہ جبینی کے ساتھ برداشت کر لیتے تھے۔ قصہ کوتاہ یہ کہ مولوی محمد عبداللہ صاحب کی جامعہ محمدی شریف میں بطور مدرس تقرری ہوگئی۔ جب کبھی طلبہ دیوبندی بریلوی افتراق کے لب ولہجے میں بحث و مباحثہ کرتے تو مولانا محمد نافع رحمہ اللہ اور مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ اس کی سخت حوصلہ شکنی فرماتے تھے۔ اس سلسلہ میں بعض اوقات بڑے ظرافت کے لمحات بھی آجاتے تھے۔ مثلاً ایک بار طلبہ کی ایک ٹولی جب ایک دیوبندی مدرس کی کوئی شکایت لے کر مولانا محمد ذاکرؒ کے پاس گئی اور کہا کہ فلاں مدرس صاحب دیوبندیت کی تبلیغ کرتے ہیں۔ طلبہ کی سوچ چونکہ معصومانہ ہوتی ہے، ان کا خیال تھا کہ مولانا صاحب ہماری حوصلہ افزائی فرمائیں گے اور ابھی لیٹر پیڈ اٹھا کر حکم نامہ جاری کر کے بہ یک بینی دو گوش دیوبندی مدرس صاحب کو پروانہ فراغت دے کر ''بریلویت'' کا نام روشن کردیں گے۔ مگر تب سب کے سب سراسیمہ و شرمندہ ہوئے جب مولانا محمد ذاکرؒ نے طلبہ کے چہروں کو بغور دیکھا اور پھر مخصوص لہجے میں فرمایا:

''ماشاء اللہ، ماشاء اللہ، بریلویوں کے منہ تو دیکھو۔'' (1)

یہ گویا ایک اصلاحی طنز تھا۔ کیونکہ عالم اپنے سامعین کے ساتھ، یا شیخ اپنے سالکین کے ساتھ طنزیہ اصلاح کا لہجہ اختیار نہیں کرسکتا۔ مگر ایک استاذ کا اپنے متعلمین کے ساتھ جس نوعیت کا تعلق ہوتا ہے، اس خاص ماحول کے تقاضے اور وقتی تنبیہ کے پیش نظر اس بلیغ طنز نے بہر حال ادارہ کے طلبہ کو سوچنے اور غور وفکر کرنے کا موقع دیا ہوگا...... بہر کیف مولوی عبداللہ صاحب نے حسب مزاج و تربیت جامعہ محمدی کے معتدل اور خالص علمی و تعلیمی ماحول میں اپنی متشددانہ کاروائیوں کا آغاز کردیا اور اس محاذ کا بنیادی ہدف مولانا محمد نافعؒ کی ذات تھی۔ یہ بھی آپ کی وسعت قلبی اور متحمل مزاجی کی روشن دلیل ہے کہ آپ کے حقیقی بھائی جامعہ کے بانی اور آپ اس میں ریڑھ کی ہڈی کا کردار ادا کر رہے تھے۔ لہٰذا مولوی صاحب موصوف کی مذکورہ کاروائیوں کا سدِّ باب کرنا آپؒ کے لیے کوئی مشکل کام نہ تھا۔ مگر خودداری، ذمہ داری اور امت کے وسیع تر مفادات کے حصول کے لیے روشن اور بڑے دماغ کے لوگوں کا اپنا طریقہ ہوتا ہے اور انہی خیالات کی بناء پر وہ بڑے لوگ کہلاتے ہیں اور مخلوقِ خدا کی ابدی ہدایت کا سرچشمہ و مصدر بن جاتے ہیں۔ مولوی محمد عبداللہ کے والد گرامی کا نام میاں احمد یار آھیئر تھا جو مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے خاندان سے قلبی عقیدت رکھتے تھے۔ ایک موقع ایسا بھی آیا جبکہ میاں احمد یار صاحب آھیر کا انتقال ہوچکا تھا، رمضان شریف کا مہینہ تھا اور مولانا محمد

---

(1) یادداشت میاں محمد مختار عمر...... مصنف سے گفتگو۔

نافع رحمہ اللہ نے نماز تراویح میں قرآن مجید سنایا۔ ختم قرآن مجید کا پُرمسرت موقع، رمضان المبارک کی بابرکات ساعات، ستائیسویں کی برکتوں بھری شب اور مسجد یعنی اللہ تعالیٰ کے گھر میں مولوی محمد عبداللہ صاحب نے نہایت افسوسناک حرکت کی، وہ یوں کہ مولانا نافع رحمہ اللہ جو کہ معتکف بھی تھے، آپؒ نے یا ادارہ کی طرف سے ختم قرآن کے اس موقع پر مولوی عبداللہ موصوف پر تقریر کی ذمہ داری لگائی گئی مولوی صاحب موصوف نے کیا تقریر کی؟ اس کی کارگزاری خود مولانا محمد نافع رحمہ اللہ سے سنیے۔ آپؒ ذاتی ڈائری میں بڑے افسوس کے ساتھ لکھتے ہیں:

''۲۷ر رمضان شریف کی شب آج بندہ نے قرآنِ مجید ختم کیا، بندہ اس وقت معتکف تھا اور بعد از تراویح مولوی عبداللہ صاحب نے ایک تاریخی تقریر ارشاد فرمائی، فيه تفريق وتشتيت بين المؤمنين و اجاز علينا الفتوىٰ خلاف الواقع وذكر اشياء آخر التي تم بيانه سب ان يذكر جزاه الله تعالىٰ۔ اس فتنہ انگیز اور پُرافتراق نوعیت کی تقریر محمدی کی تاریخ میں پہلی تقریر ہے۔ ان اللہ معنا۔ اس موقع پر ان کی طرف سے مناظرہ بازی کا چیلنج اور فتویٰ بازی خوب زور سے کی گئی۔ صرف ہمارا نام حذف کر دیا اور ذکر نہ کیا، باقی سب کچھ کیا۔ اس وقت انہوں نے الفاظ کچھ ایسے استعمال کیے کہ ''تم میں تمہارے ایمان کے لوٹنے والے، اور ایمان کے ڈاکو آگئے ہیں وغیرہ وغیرہ، بعد میں متعدد لوگوں نے مجھے کہا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ لیکن بندہ نے کوئی جواب نہ دیا، صبر وسکون اختیار کیا۔ مولوی عبداللہ صاحب نے یہ فتویٰ بازی اپنے والد میاں احمد صاحب آہیر کی وفات کے بعد کی ہے۔ اگر ان کی زندگی میں ایسا کرتے تو خمیازہ بھگت لیتے۔'' [1]

مولانا محمد نافعؒ کی مندرجہ بالا تحریر سے واضح ہو رہا ہے کہ قریہ محمدی شریف کی تاریخ میں ایسی پُرتشتت تقریر جون ۱۹۵۲ء سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی اور یہ مولانا سردار احمد صاحب کا فیض تھا جو مولوی محمد عبداللہ صاحب کی زبان سے شعلہ بار ہو رہا تھا۔ مگر دوسری صرف بُردباری، حوصلہ اور استقامت کی بھی داد دیجئے کہ سوائے صبر، خاموشی، اظہار تأسف اور کلمۂ معیت ''ان اللہ معنا'' کے کسی قسم کا کوئی ردّعمل ظاہر نہ کیا گیا۔

## مولوی محمد عبداللہ صاحب کا جامعہ سے اخراج اور گالیوں بھرا خط:

مذکورہ تقریر کے بعد مولوی صاحب موصوف کا شخصی گراف بہت نیچے چلا گیا تھا، اہل علاقہ نے تو بالکل ان کی ہمنوائی نہ کی، البتہ طلبہ میں سے کچھ ناتجربہ کار اور نو آموز انہیں مل گئے تھے جن پر محنت کر کے وہ بزعم خود ایک ''خدائی فوج'' تیار کر رہے تھے۔ علماء اہل سنت خصوصاً دیوبندی مکتب فکر کے خلاف تعنّت اور تنفّر

---

[1] مولانا محمد نافع رحمہ اللہ ، ذاتی ڈائری، ۲۱ جون ۱۹۵۲ء بمطابق ۲۷، رمضان المبارک ۱۳۷۱ھ۔

پیدا کرنے کی وہ برابر کوشش فرماتے رہے۔ مولوی صاحب موصوف کی یہ روش جامعہ محمدی اور مولانا محمد ذاکرؒ کے مزاج کے بالکل خلاف تھی۔ چنانچہ جب انہوں نے اپنا طرزِ عمل تبدیل نہ کیا تو مولانا محمد ذاکرؒ نے انہیں جامعہ سے بے دخل کر دیا۔ مگر جاتے ہوئے بھی وہ اپنے پُرتشدد آثار بطور یادگار چھوڑ گئے وہ یوں کہ چند طلبہ پر مشتمل تخریبی پارٹی اپنے ساتھ لے گئے اور مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے نام گالیوں بھرا ایک خط بھی قلم بند فرما گئے۔ چنانچہ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''آج طلبہ کی ایک تشدد پسند پارٹی نے جامعہ میں گڑبڑ پیدا کر کے گیارہ افراد نے مولوی عبداللہ صاحب کی معیت و نگرانی میں کوچ کیا، غالباً یہاں سے سیال شریف جائیں گے۔ اور مولوی صاحب مذکور نے بندہ کو مغلّظات بھی تحریراً سنائی ہیں جو طلبہ کے ہاتھ دے کر ہم تک پہنچائی ہیں۔ اور مغلظات بھی ایسیں کہ کوئی شریف انسان دوسرے کو نہیں سنا سکتا۔ وہ وہ مغلظات ارشاد فرمائی ہیں، جزاہ اللہ تعالیٰ علیٰ صاحب مرامہ۔''[1]

مولوی صاحب کے ساتھ جانے والے طلبہ میں گیارہ کا عدد، محض اتفاق تھا یا گیارہویں شریف کی کوئی غیبی نسبت پیشِ نظر تھی؟ بہرحال مولوی صاحب موصوف یہاں سے سیال شریف چلے گئے۔ ان کے ایک شاگرد مولانا عبدالحکیم شرف قادری نے جامعہ محمدی میں ان کا زمانۂ تدریس یا وہاں سے اخراج وغیرہ کا کوئی ذکر نہ کیا، اور لکھا ہے کہ:

''تکمیل علوم کے بعد مدرسہ ضیاء شمس الاسلام، سیال شریف ضلع سرگودھا میں مدرس مقرر ہوئے، اسی دوران جب استاذ الاساتذہ مولانا عطاء محمد بندیالوی دامت الطافہٗ سیال شریف تشریف لائے تو مولانا محمد عبداللہ جھنگوی تبرّکاً ان کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے اور میبذی وغیرہ کتب پڑھیں۔ غالباً ۱۹۵۷ء میں حضرت محدثِ اعظم پاکستان مولانا سردار احمد قدس سرہٗ کے بلانے پر مولانا صاحبزادہ قاضی محمد فضل رسول مدظلہٗ کی تعلیم کے لیے جامعہ رضویہ لائل پور تشریف لے گئے۔ اُن دنوں راقم الحروف کو بھی آپ سے صَرف کی بعض کتابیں پڑھنے کا موقع ملا۔''[2]

جامعہ محمدیہ جیسے معتدل ماحول کے راس نہ آنے پر ظاہری بات ہے کہ مولانا سردار احمد صاحب ہی اپنے تلمیذ رشید کو سنبھال سکتے تھے۔ سیال شریف کے اس وقت سجادہ نشین حضرت مولانا خواجہ قمر الدین صاحب سیالویؒ بھی اگرچہ اپنے پیش رُو بزرگوں کی طرح اعتدال پسند تھے مگر تدریس کے لیے مولوی عبداللہ صاحب

---

[1] ذاتی ڈائری مولانا محمد نافعؒ / ۱۷، اگست ۱۹۵۵ء بمطابق ۲۷، ذوالحجہ ۱۳۷۴ھ۔

[2] مولانا عبدالحکیم شرف قادری / تذکرۂ علماء اہل سنت / نوری کتب خانہ لاہور / صفحہ نمبر ۲۷۰۔

ایسا ایک موزوں مدرس ان کو مل گیا تو انہوں نے قبول کرلیا، مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی ڈائری کے مطابق وہ (مولانا محمد عبداللہ) پہلے سیال شریف گئے اور یہ ۱۹۵۵ء کی بات ہے، اس کے بعد مولوی صاحب موصوف فیصل آباد آگئے۔ بعد ازاں پھر سیال شریف چلے گئے۔ اور فریضۂ تدریس و تبلیغ بذریعہ تشدید و تنقید ادا کرتے رہے۔ تا آنکہ وقت وفات آگیا اور اس کا سبب بھی بڑا افسوسناک تھا۔ مولانا موصوف کے ایک جوان بیٹے کا کسی کے ساتھ تنازع ہوگیا۔ بات مقدمہ، تھانہ تک جا پہنچی تو حریفوں پر اپنا دعوی بھاری رکھنے کے لیے مدعی کا قدرے مضروب اور مجروح ہونا ضروری تھا، مولوی صاحب موصوف نے خود ہی بیٹے کی انگلی زخمی کردی۔ مقدمہ کا انجام تو اللہ جانے کیا ہوا؟ مگر بیٹے کو اپنا لگایا ہوا زخم بڑھتا گیا، یہاں تک کہ پورا بازو متاثر ہوتا چلا گیا، انجام کار شدید مرض لاحق ہوگئی اور دیکھتے ہی دیکھتے جوان سال لڑکا فوت ہوگیا اس جواں مرگ کا صدمہ ایک باپ کے لیے قیامت سے کم نہیں تھا، اور اپنے ہاتھوں لگایا جانے والا نشتر بھی اندر ہی اندر ضمیر کو کاٹ رہا تھا۔ چنانچہ بیٹے کی وفات کے چند ماہ بعد مولوی صاحب موصوف بھی اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ عالم اسباب میں بیٹے کی وفات کو مولوی محمد عبداللہ صاحب کے لیے جان لیوا صدمہ خود مولانا عبدالحکیم شرف قادری بھی لکھ چکے ہیں کہ:

"۱۹۷۳ء میں آپ کا نوجوان صاحبزادہ فوت ہوگیا، یہ صدمہ جان لیوا ثابت ہوا اور آپ ۲۵ ذوالحجہ ۱۳۹۳ھ، ۱۹ جنوری ۱۹۷۴ء کو دارِفانی سے رحلت فرما گئے۔"

ہم سمجھتے ہیں کہ اس نوبت پر مولوی صاحب مذکور کو بے جا تشدد اور غصّے نے پہنچایا تھا۔ اللہ گواہ ہے کہ ہم نے یہ واقعہ بطورِ مُسرّت کے نہیں لکھا، اور لاکھ عقیدت و محبت کے باوجود نہ ہم اس کو مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی کرامت کے طور پر پیش کرنا چاہتے ہیں، ہم صرف اس حقیقت کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ تعصب و تشدد انسان کو اپنی جان کا بھی دشمن بنا کے چھوڑتا ہے۔ اگر اس پر جستجو کرنے بیٹھ جائیں تو ہمیں بلا تفریقِ مسلک و مذہب کئی ایک ایسے واقعات مل جائیں گے کہ جب کسی فرد، قبیلہ یا تنظیم نے غصیلی فضاء پیدا کی تو اس سے مزید تشدّد نے جنم لیا اور پھر معاملہ باہمی قتل و قتال، بغض و حسد اور لڑائی، جھگڑے تک جا پہنچا۔ پاکستان کے اندر سنی تحریک، سپاہ محمد، سپاہ صحابہ، جماعۃ الدعوۃ اور سب کی سب سیاسی تنظیمیں اس بلائے ناگہانی کا شکار ہیں۔ اعاذنا اللہ منہ، اگر ماضی کے واقعات سے حال کے مقیم سبق حاصل کریں گے تو مستقبل میں روشنی کی کرن نمودار ہوسکتی ہے اور آنے والی نسلیں خیر وسکون کا سانس لے سکیں گی، بصورتِ دیگر ظلم وعناد کے یہ گھٹا ٹوپ اندھیرے نہ صرف یہ کہ ہمیں مبتلائے جرم رکھیں گے بلکہ اللہ تعالیٰ کی عظیم عدالت میں ذلت و

شرمندگی کا سامنا بھی کروائیں گے۔ بغض وعناد جو فکری لہروں کے ساتھ وجود میں آتا ہے وہ اپنوں کو کیسے اپنی لپیٹ میں لے کر مقتل گاہ میں پہنچا دیتا ہے۔ اس پر ایک شیعہ ذاکر کا واقعہ بھی ملاحظہ فرمالیں:

''جھنگ میں ایک معروف ذاکر ریاض موچھ والا جب قتل ہوا تو اس نے زخمی حالت میں پولیس افسران کو نزاعی بیان دیا تھا کہ میرے قاتل اہل سنت سے تعلق نہیں رکھتے، بلکہ رجوعہ [1] کے شیعہ ہیں جنہوں نے زرعی مربعے اور نقدی لین دین کے معاملہ میں مجھ پہ قاتلانہ حملہ کیا ہے۔'' [2]

علاوہ ازیں سماجی وخاندانی قتل وغارت کے بنیادی محرکات میں سے ایک اشتعال انگیزی بھی ہے۔ فلہٰذا فرد سے لے کر جماعت تک اہل مذہب سے لے کر اہل سیاست تک اور غیروں سے لے کر اپنوں تک کو اسی تعنت اور غیر انسانی رویوں نے برے انجام سے دوچار کر رکھا ہے۔

## اجتناب از جہلاء

''اجتناب از جہلاء'' یہ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی ڈائری کے ایک ورق کا عنوان ہے۔ جس کا مختصر مگر مکمل مضمون عربی میں ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دو لوہار آپؒ کے پاس کوئی شرعی فتویٰ لینے کے لیے آئے۔ اثناء گفتگو انہوں نے اپنے مطلب کے خلاف مسئلہ پا کر آپ سے الجھنا شروع کر دیا، قرین قیاس یہ ہے کہ انہوں نے شرعی مسئلہ کی بے ادبی کی ہوگی جس پر آپؒ نے اصلاحاً ڈانٹ ڈپٹ کر دی ہوگی۔ بہرحال انہوں نے سخت وسست جملوں کا استعمال کیا، مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ وہ ہمارے اوپر شدید غضبناک ہوگئے، اول فول بکا، اور ایسی ایسی باتیں کہیں جو اس سے پہلے ہم نے اپنی ذات کے لیے کبھی نہیں سنی ہونگی۔ بلکہ قریب تھا کہ وہ حملہ آور ہو جاتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے شرور سے ہماری حفاظت فرمائی۔ یہ ڈائری کا ورق مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے اردو کی بجائے عربی میں لکھا ہے، کیونکہ اس کا تعلق خالصتاً آپ کی ذات کے ساتھ تھا، اس کا لکھنا ضروری بھی نہیں تھا کہ اردو میں لکھتے، اور پیش آمدہ واقعہ کو بطور ریکارڈ چھوڑنا بھی مناسب نہ سمجھا ہوگا، شاید اس لیے عربی میں لکھا۔

چنانچہ آپ لکھتے ہیں:

"الیوم قبیل العصر اثنان حدادین مع صدیق من سکان عدلانہ جاؤلحصول الفتوٰی فی اثناء الکلام قدزجرت الصدیق المذکور بکلمتہ ثقیلتہ فاذا قد غضب علینا

[1] رجوعہ چنیوٹ سے فیصل آباد جانے والی سڑک پر مغرب میں یہ مشہور قصبہ ہے یہاں کے رئیس انگریز دور سے آج تک کسی نہ کسی درجہ میں اقتدار سے منسلک رہے ہیں۔ ۱۵۸۰ء میں اس موضع کی بنیاد حضرت شاہ دولت نے رکھی تھی۔

[2] روایت محمد اشرف بلوچ آف جھنگ رمصنف سے ملاقات مؤرخہ ۲۹ نومبر ۲۰۱۵ء۔

غضبًا شدیدًا، وسبنا سباً ما سمعنا قبل لذاتنا وکادان یصول علینا لکن حفظنا اللہ تعالیٰ من شرّہٖ۔"[1]

دراصل مخلص اور باعمل عالم دین کی ایک شناخت یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ صبر وتحمل کا پیکر ہوتا ہے، کیونکہ علماء کرام کو آنحضرت ﷺ نے انبیاء علیہم السلام کا وارث قرار دیا ہے۔ اور صبر خاصۂ انبیاء ہے۔ اس لیے عالم دین کو بسااوقات کڑوے کسیلے گھونٹ پینا پڑ جاتے ہیں، جس کا انجام نہایت شیریں اور کارآمد ہوتا ہے۔ ایسے صبر و رضا کے واقعات سے آپ کی زندگی بھری پڑی ہے۔ چنانچہ اکثر مواقع پر لوگ آپ کو اپنے معاملات نمٹانے یا فیصلوں کے لیے بھی بلایا کرتے تھے اور آپ اپنی طبعی طہارت یا نیک فطری کے باعث چلے جایا کرتے تھے۔ مگر اس کے ثمرات و نتائج کا بجائے لوگوں سے اظہار کرنے کے، ڈائری میں درج فرما دیتے تھے کہ آئندہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ گویا آپ رحمہ اللہ اپنے طبیب آپ تھے۔ چنانچہ چک نمبر ۲۳۸ میں دو برادریوں کے مابین ایک جھگڑے کا مقدمہ سماعت کرتے ہوئے جب آپ تشریف لے گئے تو غالباً ان کی بے جا ضد، دورخی پالیسی، اور عناد سے دلبرداشتہ ہوئے، اس لیے اپنی ذاتی ڈائری میں درج فرمایا۔

"چک نمبر ۲۳۸ یہاں ایک مشورہ کے سلسلہ میں مہانہ اور کنگر معرکہ جمع ہوئے ہیں کہ اپنا معاملہ سرکاری لین دین وغیرہ نمبرداروں سے الگ کرلیا جائے تا کہ ان کی بے جا زبردستیوں سے نجات حاصل ہو۔

"اہم نوٹ: تجربہ"

اس مشورہ مذکور کا نتیجہ بالکل برعکس ہوا ہے۔ زبانی ہاں جی، ہاں جی کہا کرتے ہیں اور دل میں اپنی اپنی اغراض وخلش پیش پیش رہی ہیں۔ چنانچہ اس معاملہ میں سب دعوٰی کنندگان کا حال آزما لیا گیا ہے۔ آئندہ ایسے بے جان منصوبوں میں پھنس کر انسان کو بے وقعت نہیں ہونا چاہیے۔"[2]

آپ اپنی ڈائریوں میں ذاتی نوعیت کی بعض باتیں جس طرح عربی میں لکھتے تھے، فارسی زبان کا استعمال بھی فرماتے۔ آپ کے صبر و استقلال کا ایک یہ پہلو بھی ہے کہ امراض وغیرہ میں نہایت پُرسکون اور راضی برضا رہتے تھے۔ سنت کے مطابق علاج، معالجہ کے لیے اطباء سے رجوع فرماتے مگر اس میں زیادہ فکر مند نہیں ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک بار آپ نے طبیب کو اپنی تکلیف کی نوعیت بذریعہ خط ارسال کی اور اس میں لکھا کہ تکلیف کا مکمل ازالہ تاحال نہیں ہوا، کبھی کبھی پھر لوٹ آتی ہے۔ دماغ کی کمزوری بھی ابھی باقی ہے۔ سابقہ نسخہ باقی رکھا جائے یا اس میں کوئی تبدیلی کرنی ہے؟ یہ آپ نے خط تو ظاہر ہے اردو میں لکھا ہوگا،

---

[1] مولانا محمد نافع رحمہ اللہ رذاتی ڈائری ۲، جولائی ۱۹۵۹ء بمطابق ۲۴ ذوالحجہ ۱۳۷۸ھ۔

[2] مولانا محمد نافع رحمہ اللہ رذاتی ڈائری ۱۴ دسمبر ۱۹۵۷ء بمطابق ۲۱ جمادی الاوّل ۱۳۷۷ھ۔

مگر ذاتی ڈائری میں بطور یادداشت یہ مضمون فارسی زبان میں جب قلمبند کیا تو اس کی چاشنی بڑھ گئی۔ آپ نے یادداشت یوں درج فرمائی:

''ازالۂ مرض بالکلیہ نشدہ، گاہے گاہے عود کردہ اند، ضعفِ دماغ ہنوز باقی ماندہ، نسخۂ متعلقہ باقی داشتہ جاری و ساری دارند یا متغیر نمائند؟؟'' ❶

اگر کسی سے آپ کو شکوہ ہوتا یا اس کے طرزِ عمل سے ناگواری ہوتی تو قبیح الفاظ یا درشت لہجہ بالکل استعمال نہیں فرماتے تھے، مثلاً ایک موقع پر جامعہ محمدیؒ کے اسکول کے بعض اساتذہ نے کوئی مطالبہ پیش کرتے ہوئے احتجاجاً استعفے دیئے اور ایک شورش کی فضا پیدا کردی تو آپ نے اپنی ڈائری میں لکھا:

''آج جامعہ کے اسکول کے چند مخلص اساتذہ نے ایک مضبوط پارٹی بنا کر استعفیٰ یکجا پیش کردیا ہے۔ تاکہ اہالیانِ دفتر پوری طرح پریشان ہوں۔ ترجیع'' ❷

اس عبارت میں ''مخلص، پریشان'' اور پھر کلمۂ استرجاع پر غور فرمائیں تو اعتدالِ مزاج اور نفسیاتی توازن نہایت متاثر کن محسوس ہوگا۔ اور یہ جس زمانہ کے واقعات ہیں اس وقت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کا شباب تھا، جوانی کا ''حیوانی'' ہونا ایک مسلّمہ قول ہے۔ اس عمر میں انسان کے تمام تر بشری جذبات اپنے جوبن پر ہوتے ہیں، غذاء کا شوق، ملبوسات کی نزاکت، نیند کا غلبہ، شہرت اور نام و نمود کی تمنا، غصہ اور خواہش نفس کا اُبھار، غرضیکہ سارے تقاضوں پر شباب ہوتا ہے۔ اس عمر میں اگر ان ساری چیزوں پہ کنٹرول اور توازن ہو تو یہ کرامت سے کم نہیں ہے۔ اس پر صرف ایک مثال اور پیش کر کے اس باب کا اختتام کیا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ آپ کو باریک کپڑا برائے لباس بطور ہدیہ آیا۔ آپؒ نے اپنی ڈائری میں مندرجہ ذیل عنوان قائم کر کے لکھا:

"اللباس لباس التقوٰی"

''جدید قمیص پتلی عطا ہوئی ہے۔ اور یہ سنت کے خلاف ہے، افسوس بر اعمالِ ما۔'' ❸

یہاں سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ہمارے محبوب و ممدوح حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ علم و فضل اور صبر و رواداری کے ساتھ ساتھ ترکِ لذات اور زہد و اتقاء کا کیسا جمیل پیکر تھے۔ اور اس پر بے شمار شواہد انشاء اللہ ڈائریوں کے مطالعہ سے نذرِ قارئین ہوتے رہیں گے۔ سردست مشتے نمونہ پیش کیا گیا ہے۔

---

❶ ایضاً۔ ۶، جنوری ۱۹۵۸ء بمطابق ۱۴ جمادی الثانی ۱۳۷۷ھ۔

❷ مولانا محمد نافع ''ذاتی ڈائری ۹، جنوری ۱۹۵۸ء بمطابق ۱۷، جمادی الثانی ۱۳۷۷ھ۔

❸ ایضاً۔ ۲۱، جولائی ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۶۸ھ۔

# باب نمبر 11

# شمائل و خصائل

ا: صاحبزادگان کی یادداشتیں

۲: سادگی و عاجزی

۳: خوراک و لباس

۴: پانی کے استعمال میں احتیاط

۵: سودا سلف کی خریداری

۶: غرباء کی مالی امداد

۷: عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم

۸: کیا ''محمد نافع'' شرکیہ نام ہے؟

۹: اہل بیتؓ سے محبت اور سادات کا احترام

۱۰: ایک شیعہ عالم اور مولانا غلام رسول رضویؔ کی آمد

۱۱: تقویٰ و پرہیزگاری، نماز تہجد پر دوام اور بیعت کی خواہش کرنے والے کو ایمان افروز جواب

# شمائل وخصائل

راقم الحروف کا جب بھی مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے دولت کدہ پر جانا ہوتا ہے تو خانگی، خاندانی اور ذاتی شمائل وخصائل کے حوالہ سے مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے متعلق صاحبزادگان سے ضرور کھود کرید کرتا ہے۔ دونوں صاحبزادگان، علاقہ کے معتقدین اور خاندان کے چھوٹے بڑے جب اپنی اپنی بولی میں مختلف واقعات، حالات اور آپ بیتیاں سناتے ہیں تو طبیعت میں عجیب سی طمانیت محسوس ہوتی ہے۔ راقم نے دو بزرگوں کی زندگی و وفات کے بعد ان کے علاقہ کے لوگوں کو ان کی تعریف و تعارف میں بہت زیادہ رطب اللسان پایا ہے ایک چکوال میں سیدی حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ اور دوسرے چنیوٹ میں محقق جلیل حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ! دونوں دارالعلوم دیوبند کے فیض یافتہ، عظمتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مخلص پاسبان اور رفض و بدعت کے لیے تیغ براں تھے۔ مگر ذاتی و خانگی زندگی اور بزم یاراں میں بھی یہ اپنی مثال آپ تھے۔ اگر ان تمام بیانات کو حیطۂ تحریر میں لایا جاتا تو فقط شمائل و خصائل سے ہی ہماری زیرِ نظر کتاب پُر ہو جاتی اور مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی شخصیت و خدمات کے دوسرے پہلو تشنۂ تکمیل رہ جاتے۔ اس لیے صرف آپ رحمہ اللہ کے صاحبزادگان کی یادداشتیں درج کی جا رہی ہیں، اس کی دو وجوہات ہیں۔

① قریب کے لوگ خواہ کتنا ہی قربت اور صحبت سے مستفید ہوں وہ اہل خانہ سے زیادہ اور بہتر نہیں جان سکتے جو اقرب کے درجہ میں ہوتے ہیں۔ اور جن کے سامنے تمام شخصی کمالات اپنی جزئیوں اور باریکیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوتے رہتے ہیں۔

② مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی جملہ صفات میں سے محتاط طبیعت اور متوازن گفتگو کا ملاپ ان کی علمی عظمت کو نکھارتا ہے، اور یہ اوصاف مصنف کی رائے اور تجربہ کے مطابق صاحبزادگان میں منتقل ہوئے ہیں، جس کی بنیاد پر وہ کوئی بات محض پدری و پسری رشتے کے تناظر میں مبالغتاً نہیں کرتے۔ بلکہ ایک عینی گواہ ہونے کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ مولانا میاں محمد ابوبکر صدیقی کی یادداشتیں پہلے قلمبند کی جا رہی ہیں۔

آپ کی ولادت ۱۹۵۷ء میں ہوئی، اور اس موقع پر مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے اپنی ڈائری میں لکھا تھا۔

"الیوم تولَّدَ عزیز محمد ابوبکر ایدہ اللہ بنصرہ العزیز قبل الزوال۔"[1]

---

[1] مولانا محمد نافع رحمہ اللہ، ذاتی ڈائری، ۱۹ راگست ۱۹۵۷ء بمطابق ۲۲ محرم الحرام ۷۷ ۱۳ھ۔

پھر ساتویں دن جب عقیقہ کیا گیا تو آپ رحمہ اللہ نے لکھا:

"آج عقیقہ کیا گیا اور ایک ضان (بھیڑ) ذبح کی گئی۔ جھنڈ اتروائی گئی اور حضرت مہتمم (مولانا محمد ذاکر) صاحب نے "محمد ابوبکر" نام تجویز کیا ہے۔ میرا خیال تھا کہ "محمد عمر" نام ہو۔ مگر مولانا صاحب کی رائے کے موافق محمد ابوبکر ہی تجویز ہوا۔"[1]

چنانچہ اپنے عظیم المرتبت والد گرامی کی شخصی عظمت اور صفات کے تذکرہ میں آپ مصنف کو بتاتے ہیں کہ:
حضرت والد گرامی انتہائی سادہ مزاج اور سادہ بود و باش کے حامل تھے۔ تصنّع، تکلف، بناوٹ اور تفاخر تو آپ کو کبھی چھو کر بھی نہیں گزرا ہوگا۔ بہت ہی سادہ لباس پہنتے تھے۔ سردیوں میں سفید کھدر یا بادام کی گری کے رنگ کا کھدر پسند فرماتے تھے۔ زیادہ کپڑے بنوانے کے مخالف تھے، ہمیشہ دو عدد قمیصیں اور دو عدد چادریں رکھتے، گرمیوں میں لون کا کُرتہ استعمال فرماتے، اور سر پر گول نما عام کپڑے کی سادہ سی ٹوپی استعمال فرماتے تھے گرمیوں اور سردیوں میں، دو گرم جوڑے اور دو پتلے کپڑے کے رکھتے تھے۔ اگر کبھی تیسرا جوڑا بن جاتا تو بہت ناراض ہوتے۔ اپنے کپڑے، رومال، اور ٹوپی وغیرہ ایک سادہ اور عام سے بیگ میں ایسے رکھتے جیسے مسافر نے سفر پر روانہ ہونا ہو۔ آواخر عمر میں جب کپڑوں کی زیادہ ضرورت پڑتی تھی تو ہم بغیر اجازت کے حضرت والد گرامیؒ کے کپڑے سلوا کر بیگ میں رکھ دیتے تو تعجب سے پوچھتے کہ یہ نئے نئے سے کیوں لگ رہے ہیں؟ ہم مصلحتاً یہ جواب دیتے کہ آپ کو مغالطہ ہو رہا ہے یہ مستعمل شدہ ہیں، تب آپ معصومانہ لبوں سے مہکی مسکراہٹ بکھیر دیتے۔ دراصل ضُعف اور علالت کے پیش نظر کپڑوں کی ضرورت زیادہ پڑتی تھی اس لیے ہم ان کے علم میں لائے بغیر یہ کاروائی کرتے تھے۔ وگرنہ جب تک صحت یاب رہے تو تیسرا جوڑا رکھنے کا ان کے ہاں تصور ہی نہ تھا۔ بلکہ شدید ناراضگی کا اظہار فرماتے کہ یہ اسراف ہے، میں کوئی بڑا آدمی ہوں کہ کئی کئی کپڑوں کے جوڑے سلوا کر رکھوں۔ کپڑوں کا جتنا کم تکلف ہو، طبیعت میں اتنا ہی قرار رہتا ہے۔

## خوراک:

والد گرامی لباس کی طرح خوراک بھی بہت کم اور سادہ کھاتے، ہم نے کبھی پیٹ بھر کر آپ کو کھانا کھاتے نہیں دیکھا تھا، بلکہ ہمیں بھی نصیحت فرماتے کہ کھانا وقت پہ کھاؤ لیکن بسیار خوری سے بچو، کہ اس سے بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ آپ رحمہ اللہ عموماً گرمی کے موسم میں صبح کے وقت صرف چائے اور مکھن کے ساتھ

---

[1] ایضاً۔ ۲۵، اگست ۱۹۵۷ء بمطابق ۲۸ محرم الحرام ۱۳۷۷ھ۔

عمومًا استعمال فرماتے تھے۔ اگر مہمانوں کی وجہ سے گھر میں مختلف اقسام کے کھانے پکتے تو حضرت والد گرامی تب بھی اپنا سادہ کھانا چپاتی اور سادہ سالن کھاتے۔ باقی لوازمات کی طرف متوجہ بھی نہ ہوتے، صبح جلد اٹھنے کی عادت تھی، نمازِ تہجد ادا فرماتے، پھر نماز پڑھنے مسجد میں چلے جاتے تھے۔ واپس آکر ناشتہ کرتے، پھر مدرسہ کے کتب خانہ میں تشریف لے جاتے، دوپہر کو واپس آکر کھانا کھاتے، اور کچھ دیر قیلولہ فرما کر ظہر کی جماعت خود جا کر مسجد میں کرواتے، اور عصر کی نماز بھی خود ہی پڑھاتے تھے۔ جمعہ کی نماز والد گرامی بنفسِ نفیس جا کر پڑھاتے اور اپنی حیات میں ہی مجھے (ابوبکر) حکم دیا کہ میری جگہ جمعہ پڑھا دیا کرو، اور اب یہ ذمہ داری میں نبھا رہا ہوں...... حضرت والد گرامی رحمہ اللہ جمعہ کے دن سفید پگڑی باندھتے تھے، عمامہ کو کلف وغیرہ لگانے کے قائل نہیں تھے۔ سفید، دُھلا ہوا اور اُجلا و سادہ عمامہ آپ کے سر پر اتنا جچتا تھا کہ بیان سے باہر ہے، دور کہیں سفر پہ جانا ہوتا تو تب بھی عمامہ استعمال فرماتے تھے۔

## ''لباس!'':

لباس کے متعلق کچھ تذکرہ پہلے کیا گیا، مزید یہ کہ والد گرامی رحمہ اللہ لباس کے معاملہ میں بہت ہی زیادہ سادگی اختیار فرماتے تھے۔ کھدر یا کاٹن کے سوا کپڑا استعمال نہ فرماتے۔ اور کاٹن سے مراد آج کل کی قیمتی اور جدید کاٹن نہیں جسے کلف لگا کر پہنا جاتا ہے، بلکہ خالص سوتی کپڑا مراد ہے، سردیوں میں موٹا سوتی کھدر اور گرمیوں میں عام باریک ہوتا، قیمتی کپڑا بالکل استعمال نہ فرماتے، اکثر معتقدین قیمتی کپڑوں کے تحائف دے کر جاتے تو وہ فوراً ہمیں عنایت فرما دیتے یا حکم دیتے کہ فلاں غریب آدمی کو یہ کپڑے دے آؤ۔ آج کل ریشمی کپڑوں کی اقسام میں جو فیبرک وغیرہ آئے ہوئے ہیں، انہیں بالکل پسند نہیں فرماتے تھے، ایک مرتبہ فیبرک کی چادر سل گئی، وہ بظاہر سوتی محسوس ہوتی تھی، جب دھلائی کے بعد اپنی اصل حالت پہ آئی تو استعمال کرنا چھوڑ دی، فرماتے تھے چمکیلا کپڑا تکبر پیدا کرتا ہے، اسی وقت ایک غریب آدمی کو بلایا، اور چادر اسے دے دی۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ والد گرامی رحمہ اللہ سرگودھا میں مولانا سید قاسم شاہ صاحب کے ہاں دارالمبلغین میں پڑھانے تشریف لے گئے، تو وہاں ایک آدمی نے چار ہزار روپے کا کپڑا خرید کر اندازے سے والد گرامی رحمہ اللہ کی پیمائش کا کرتہ سلائی کیا، وہ آدمی خود ٹیلر ماسٹر تھا، جب آپ رحمہ اللہ گھر آنے لگے تو اس نے بڑی منت سماجت سے وہ پیشِ خدمت کیا، ان دنوں اس کپڑے کی بڑی مشہوری تھی، آپ نے شخصِ مذکور کی دِل جوئی کے لیے قبول کر لیا، مگر گھر آتے ہی فرمایا کہ اس بے وقوف نے مجھ سے پوچھے بغیر اتنی قیمتی قمیص تیار کر دی ہے مگر یہ میرے کسی کام کی نہیں ہے، اس کے چند دنوں بعد عید تھی، آپ رحمہ اللہ نے ایک آدمی کو بلا

کر اسے عنایت کردی۔ آپ رحمہ اللہ بغیر استری کے کپڑے پہننے کے عادی تھے، اگر اہل خانہ کبھی استری کر دیتے تو ناراض ہو جاتے، اور فرماتے تھے استری کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

## پانی کے استعمال میں احتیاط

والد صاحب گرامی رحمہ اللہ پانی کے استعمال کرنے میں بہت حساس تھے۔ وضو کے لئے اگر لوٹے میں پانی منگواتے تو وضو کرنے کے بعد لوٹے میں پانی بچ رہتا، اسی طرح غسل کے وقت بھی بہت کم مقدار میں پانی کا استعمال فرماتے، عموماً ایک بالٹی پانی سے غسل فرمالیتے تھے۔ علالت کے دنوں میں جب ہم نہلاتے تو بار بار تاکید فرماتے تھے کہ تھوڑا پانی ڈالو، یہ اللہ کی نعمت ہے، اس میں اسراف جائز نہیں۔

## سودا سُلف خود لاتے

گھریلو سودا سُلف خود خرید لاتے اور ہمیں بھی ہمیشہ یہی تاکید فرماتے کہ بازار یا دوکان سے سودا خرید کر لانا سنت طریقہ ہے، اس لیے خود جایا کرو۔ اگر ہم کسی آدمی کو بھیجنا چاہتے تو فرماتے خود کیوں نہیں جاتے ہو؟ تھوڑی بہت چیز بھی ہوتی تو جب تک صحت رہی والد گرامیٔ قدر خود جا کر خرید لاتے۔ عموماً غریب دوکاندار سے سودا خرید فرماتے تاکہ اس کی کچھ نہ کچھ فروختگی ہو سکے، ہماری برادری میں نذر محمد ولد غلام حسین ایک غریب درجے کا دوکاندار تھا، اس کی دوکان باقی دوکانوں سے ہٹ کر اندر حویلی میں تھی جس کی وجہ سے اس پاس گاہک کم جاتے، وہ بے چارا اکثر مقروض اور پریشان رہتا تھا۔ والد صاحب اکثر اس کے پاس جا کر خریداری کرتے حالانکہ اس سے اکثر اشیاء نہیں ملتی تھیں، اور وہ ہمارے گھر سے قدرے فاصلے پر بھی تھا، ایک دن میں نے کہا کہ آپ اتنا دور کیوں تشریف لے جاتے ہیں، فرماتے کسی غریب کے ساتھ بھلائی میں ہمارا حصہ شامل ہو جاتا ہے۔

## غُرباء اور مستحقین کی مالی امداد:

یہ نذر محمد دوکاندار جب فوت ہوا تو والد صاحب گرامی کو پریشانی لاحق ہوئی۔ کیونکہ وہ بہت مقروض تھا، بیوہ اور چھوٹے چھوٹے بچے رہ گئے تھے، فرماتے تھے قرض خواہ اب ان سے تقاضہ کریں گے تو یہ کہاں سے دیں گے؟ چنانچہ آپ رحمہ اللہ نے مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمہ اللہ کے ذریعہ چنیوٹ شہر کے چند مال دار لوگوں کو متوجہ کیا جنہوں نے اس خاندان کی مدد کی اور سارا قرضہ اتار دیا۔ اس کے علاوہ خود بھی اور حافظ شیر محمد

صاحب ڈھڈھی، جوکہ مدرسہ جامعہ عربیہ چنیوٹ میں خزانچی تھے، کے ذریعے بھی مکمل تعاون فرمایا۔ آپ نے محمدی شریف قصبہ میں لاتعداد بیوگان، یتامیٰ اور غریب لوگوں کی فہرست بنا رکھی تھی جن کی ہر ماہ کچھ نہ کچھ امداد فرماتے تھے۔ اپنی زمین کے عشر اور زکوٰۃ وغیرہ کی مد میں بھی تعاون فرماتے اور متمول احباب کو بھی توجہ دلاتے، علاوہ ازیں آپ کا ایک معمول یہ بھی تھا کہ جب کوئی معتقد ہدیہ پیش کرتا تو اس کا پانچ فیصد اپنے استعمال میں کرنے سے پہلے الگ کر لیتے جو غرباء میں تقسیم کر دیا جاتا تھا، یہ معمول آپ رحمہ اللہ کا تادمِ آخر رہا۔ بعض لوگ مہینے کے بعد رقم وصول کرنے آجاتے تو آپ فرماتے جونہی اللہ تعالیٰ انتظام فرمائیں گے، میں خود آپ کے گھر بھجوا دوں گا، غرضیکہ نادار لوگ آپ رحمہ اللہ سے بڑی امیدیں وابستہ رکھتے تھے۔

## عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم

بندہ نے والد گرامی سے ہی اکثر کتابیں پڑھی ہیں، ایک دن مشکوٰۃ شریف کا سبق نمازِ ظہر کے بعد سردیوں کے موسم میں دھوپ میں بیٹھے پڑھا رہے تھے کہ حضرت ربیعہ بن اسلمی رضی اللہ عنہ الانصاری کا وہ واقعہ آگیا جس میں انہوں نے تہجد کے وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حسب معمول ایک دن وضو کروایا اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک سے لگا ہوا پانی جمع کر کے نوش کرلیا، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا ربیعہ رضی اللہ عنہ مانگ کیا مانگتا ہے؟ اور جواب میں انہوں نے قیامت کے دن جنت میں یہی خدمت کی ڈیوٹی مانگ لی، جب اس سطر پر پہنچے تو حضرت والد گرامی پر رقت طاری ہوگئی اور اتنا روئے کہ ہچکی بندگئی، کچھ دیر تک یہ کیفیت طاری رہی، پھر کتاب بند کر دی اور فرمایا وہ کس قدر سہانی گھڑی ہوگی کہ جب آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا دریائے رحمت جوش میں ہوگا اور صحابی سے فرما رہے تھے کہ ربیعہ رضی اللہ عنہ جو مانگنا ہے مانگ لو، اس کے بعد آپ رحمہ اللہ پر عشق و محبت کی ایسی وارفتگی طاری ہوئی کہ سبق ترک کر دیا، فرمایا میری طبیعت پر بوجھ ہے، کل سبق پڑھاؤں گا۔

## ''محمد نافع'' شرکیہ نام ہے، ایک غیر مقلد کا اعتراض

## اور آپ رحمہ اللہ کا جواب

ایک دن گرمیوں کے موسم میں والد گرامی بندہ کو سبق پڑھا رہے تھے، ایک صاحب تشریف لائے۔ ننگا سر، طویل اللحیہ، اور شلوار کا پائنچہ ٹخنوں سے بہت اوپر موٹی پنڈلیوں تک چڑھا ہوا تھا، جس سے اندازہ ہوا

کہ کوئی مسلک اہل حدیث سے تعلق رکھتا ہے۔ کمرے سے باہر عموماً ایک تخت پوش نما پھٹہ سا پڑا ہوا تھا، والد صاحب گرامی سبق کے دوران آنے والے مہمانوں کو اس پر بیٹھ کر انتظار کرنے کا حکم فرما دیتے کہ جب سبق ختم ہوگا تو ملیں گے، لیکن آنے والا اگر کوئی عالم دین یا پڑھا لکھا شخص ہوتا تو اسے اندر بلا کر ایک طرف بیٹھنے کا اشارا فرما دیتے، شخصِ مذکور بھی چونکہ ظاہراً پڑھا لکھا محسوس ہو رہا تھا، اس لیے اسے بھی اپنے پاس ایک طرف بٹھا دیا، جب سبق ختم ہوا تو والد صاحب اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اس نے ایک ہاتھ سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا کہ میرے ذہن میں ایک اشکال ہے وہ رفع فرما دیں، وہ یہ کہ آپ کا نام ''محمد نافع'' مشرکانہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات نافع ہے، محمد ﷺ کی نہیں، لہٰذا آپ یہ مشرکانہ نام تبدیل کر دیں، والد گرامی یہ سن کر خلافِ طبیعت طیش میں آگئے کہ تجھے حضور اکرم ﷺ سے کوئی نفع نہیں ہوا؟ مجھے تو آپ ﷺ کی بابرکت ذات سے بہت زیادہ نفع ہوا ہے۔ اس دنیا میں سارا فیض حضور ﷺ ہی کا تو ہے؟ یہ کلمہ، ایمان، قرآن، علمِ دین، اللہ کی معرفت، صحابہ و اہل بیت کی محبت، یہ میری تدریس، تصنیف، تقریر سب کا سب مدنی کریم ﷺ کا فیض ہے۔ کیا آپ نے کبھی کلمہ نہیں پڑھا؟ اور کیا مسلمان ہونے کی حیثیت سے تم پر حضور ﷺ کا کوئی احسان نہیں ہے؟ بس اتنا کہنا تھا کہ وہ خاموشی سے اٹھا اور جوتے پہن کر چلتا بنا۔ اس کے جانے کے بعد آپ پر بڑی عجیب سی کیفیت طاری ہوئی۔ رونے لگ گئے اور فرماتے تھے یہ کیسے لوگ ہیں کہ حضور ﷺ سے ان کو کوئی نفع نہیں ہوا؟

## اہل بیت رضی اللہ عنہم سے محبت

والد گرامی ہر سال ۱۰ ویں محرم الحرام کو اہتمام و التزام کے ساتھ جلسہ منعقد کرواتے، یہ جلسہ جامعہ محمدی میں ہوتا ہے اور اس کا عنوان ''فضائل و مناقبِ اہل بیت'' ہوتا ہے۔ علماء کرام اور نعت خوانان تشریف لاتے اور مناقب اہل بیت بیان کرتے ہیں۔ ہم نے جب سے ہوش سنبھالا، مذکورہ جلسہ ہر سال دیکھتے چلے آرہے ہیں۔ اس جلسہ کا مقصد یہ بیان فرماتے تھے کہ اردگرد کے مضافاتی علاقوں میں شیعوں کی مجالس منعقد ہوتی ہیں اور سنی لوگ تماش بین کے طور پہ وہاں چلے جاتے ہیں، اس لیے ہمیں اپنا جلسہ کرنا چاہیے تاکہ جس قدر ہو سکے لوگ اپنے علماء کرام سے مستفید ہوں اور اہل تشیع کی مشرکانہ مجلسوں سے بچ سکیں۔ جب تک صحت مند رہے، جلسہ میں آخری بیان خود فرماتے تھے اور سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہوئے اکثر آبدیدہ ہو جاتے تھے۔

# سادات کا احترام

حضرت والد گرامی سادات کا بہت احترام کرتے تھے۔ ہمارے گاؤں میں سادات کا ایک خاندان آباد ہے جو نہایت مفلوک الحال یعنی غریب لوگ ہیں۔ لیکن مولانا محمد ذاکرؒ اور مولانا محمد نافع دونوں بھائیوں کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ جب کبھی خوشی، غمی کے موقع پر کھانا وغیرہ تیار ہوتا تو برادری کے گھروں میں تقسیم کرنے سے پہلے وہاں بھجواتے اور تاکیداً پوچھتے تھے کہ وہاں کھانا بھجوایا ہے یا نہیں؟ ایک دفعہ مہمان خانہ جو لنگر خانہ کے نام سے معروف ہے کی صفائی کے لئے ایک دن بندہ نے چند طلبہ کی ڈیوٹی لگا دی، ان میں ایک لڑکا جعفر شاہ کا بیٹا اختر شاہ بھی تھا، اچانک والد صاحب تشریف لائے تو دیکھا کہ اختر شاہ بھی صفائی کر رہا ہے تو اس کو بلایا اور دس روپے دے کر وہاں سے بھگا دیا، جب میں آیا تو بہت ناراض ہوئے کہ تم سیدوں سے صفائی کرواتے ہو؟ حالانکہ مشہور یہ تھا کہ جعفر شاہ کی بیوی شیعہ ہے۔ مگر اس کے باوجود بھی اس سید لڑکے کو آپ رحمہ اللہ نے عزت دی۔

# سادات سے احترام کا دوسرا واقعہ

تھانہ موچی والا ضلع جھنگ کا رہائشی ایک شخص سید شاہ نامی اکثر و بیشتر مع خاندان ہمارے ہاں آیا رہتا تھا۔ والد صاحب گرامی اس کی بڑی آؤ بھگت کرتے تھے ایک دن ان کا داماد اور بھتیجا بچوں سمیت آیا اور آ کر کہا کہ میں اینٹوں کے بھٹہ پر مزدوری کرتا تھا لیکن بھٹہ کی دیوار میرے اوپر آ گری جس کی وجہ سے میرا بازو زخمی ہو گیا ہے زیادہ مشقت والا کام مجھ سے نہیں ہوتا لہٰذا آپ مجھے جانوروں کو چارہ ڈالنے کے لیے تنخواہ پر ملازم رکھ لیں، میں اسی وقت بالکل بے روزگار ہوں اور میرا کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے۔ مجھے بھی اتفاقاً اُن دنوں ایک ملازم کی ضرورت تھی میں نے تنخواہ طے کر کے اسے جانوروں کو چارہ وغیرہ ڈالنے کی ڈیوٹی پہ مامور کر دیا جب حضرت والد صاحب کو پتہ چلا تو مجھے بلایا اور ڈانٹ ڈپٹ کرتے ہوئے فرمایا کہ تو نے سید زادے کو نوکر رکھ لیا ہے؟ اور وہ بھی جانوروں کو چارہ ڈالنے اور گوبر اٹھانے کے لیے؟ فوراً ریاض شاہ کو ملازمت سے برخاست کر دیا کہ کوئی اور کام کرو۔ جب والد گرامی کا جلال نسبتاً کم ہوا تو میں نے کہا کہ وہ بیمار آدمی ہے، صاحب عیال ہے، اگر ہم اس کو نہیں رکھیں گے تو وہ پہلے ہی پریشان ہے، اور ہمارے پاس امید لے کر آیا ہے، اب وہ کیا کرے گا؟ یہ کہیں سادات خاندان سے زیادتی نہ ہو جائے، اگر کچھ معاونت لے کر ہم ان کے بچوں کو کھانا، کپڑا مہیا کرتے رہیں اور مالی خدمت بھی ہوتی رہے تو میں نے تو اس نیت

سے ان کو روزگار مہیا کیا تھا، اگر آپ کا حکم ہے تو میں فارغ کردیتا ہوں ! والد صاحب گرامی کچھ دیر خاموش رہے، پھر فرمایا چلو ان کو رکھ لیں، مگر نرمی سے کام لیں، ان کو پابند نہ کریں، اپنی مرضی سے جو کام کرسکیں کرنے دیں۔ مذکورہ وعدہ لے کر مجھے اجازت فراہم کردی بلکہ ساتھ یہ تاکید بھی فرمائی کہ اس کے زخمی بازو کا علاج کروائیں، چنانچہ میں نے تعمیل ارشاد میں ہسپتال سے اس کا علاج کروایا تو اللہ کے فضل سے صحت یاب ہوگیا۔

## اساتذہ کا احترام:

حضرت والد گرامی اپنے اساتذہ کا بہت احترام فرماتے تھے۔ حضرت مولانا سید احمد شاہ صاحب چوکیرویؒ کے صاحبزادے جب بھی تشریف لاتے تو ان کا بے حد احترام کرتے اور ہدیہ پیش فرماتے، حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے بڑے صاحبزادہ مولانا سید قاسم شاہ صاحب بخاری تو عالم اور متدین تھے مگر دوسرے دونوں صاحبزادگان بشیر شاہ صاحب اور غلام علی شاہ صاحب اس درجہ میں فائق نہیں تھے، لیکن آپ ان کا بھی پورا پورا احترام کرتے، بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ وقتی طور پر اپنے پاس کچھ نہ تھا تو ادھار قم لے کر ان کو ہدیہ ضرور پیش فرماتے۔ ایک مرتبہ میں نے کہہ دیا کہ یہ ہدیہ دینا کوئی فرض یا واجب تو ہے نہیں، اگر ہوں تو دے دیا کریں اور نہ ہوں تو ادھار اٹھانے کا تکلف کیوں فرماتے ہیں؟ یہ سن کر حضرت والد گرامی جلال میں آگئے اور فرمایا میں کوئی تجھ سے لے کر ہدیہ دیتا ہوں جو تم معترض ہو رہے ہو؟ یہ میرا اپنے استاذ محترم کی اولاد سے معاملہ ہے، تم اس میں دخل نہ دیا کرو۔

## دوسرے مذاہب ومسالک کے علماءِ کرام سے رواداری

۱۹۸۰ء کے عشرے کی بات ہے کہ ایک دن آپ رحمہ اللہ کے پاس نماز ظہر کے بعد میں سبق پڑھ رہا تھا، سردیوں کا موسم تھا اور باہر دھوپ میں بیٹھے تھے۔ ایک مولانا صاحب تشریف لائے انہوں نے سیاہ رنگ کی شیروانی پہنی ہوئی تھی اور سر پہ کلف لگا سفید عمامہ باندھ رکھا تھا جس کا ایک طرہ اوپر کو اٹھا ہوا تھا اور دوسرا کمر کی جانب لٹکا ہوا تھا، ان کی خشخشی سی داڑھی تھی اور بڑے نستعلیق قسم کے انسان تھے۔ آتے ہی والد گرامی سے مصافحہ کیا اور اپنا تعارف کروایا کہ میرا تعلقِ مذہب شیعہ سے ہے، میرا نام غلام محمد ہے اور گوجرانوالہ کا رہائشی ہوں نیز شیعہ مذہب کا مبلغ ہوں، آپ کی کتب اور علمیت کا شہرہ سن رکھا تھا، آج جھنگ جانا ہوا تو واپسی پر آپ کی زیارت اور ملاقات کا خیال آگیا۔ حضرت والد گرامی رحمہ اللہ نے مجھے بھیجا کہ جاؤ ان کے

اکرام کا بندوبست کرو، چنانچہ میں چائے مع لوازمات لے آیا، جاتے وقت انہوں نے کتب طلب کیں، اس وقت جو مطبوعہ کتب موجود تھیں وہ بلا قیمت ہدیہ کر دیں اور نہایت پرتپاک انداز میں الوداع کیا۔

## مولانا غلام رسول رضوی کی آمد:

۸۰ء ہی کے عشرہ کی بات ہے کہ گرمیوں کے موسم میں جامعہ محمدی کے دار الضیوف میں شیخ الحدیث مولانا غلام رسول صاحب رضوی، (جامعہ رضویہ جھنگ بازار فیصل آباد) ٹھہرے ہوئے تھے، رضوی حضرات عموماً متشدد مزاج ہوتے ہیں، جب والد گرامی قدر کو پتہ چلا کہ شیخ الحدیث صاحب یہاں مقیم ہیں تو خود جا کر ان سے ملاقات کی اور کافی دیر ان کے پاس بیٹھے رہے، پھر ان کو کتب خانہ لے آئے اور لائبریری کا معائنہ کرایا وہ والد گرامی رحمہ اللہ سے بہت متاثر ہوئے۔ اور جب رخصت ہونے لگے تو آپ رحمہ اللہ ساتھ چل کر تانگہ تک گئے اور سوار کروا کر واپس آئے۔ حالانکہ جامعہ رضویہ کے بانی و مہتمم مولانا سردار احمد صاحب سے جب مولانا محمد ذاکرؒ ملاقات کرنے فیصل آباد گئے تھے تو انہوں نے ملنے سے ہی انکار کر دیا تھا اور کہا کہ تم وہابی پرور ہو، تم نے اپنے جامعہ میں دیوبندی مدرسین رکھے ہوئے ہیں، اس لیے میں ملاقات نہیں کر سکتا۔ حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب ناراض ہو کر واپس آ گئے تھے، اسی مدرسہ کے شیخ الحدیث صاحب کو والد گرامی دو فرلانگ پیدل چل کر تانگے پر سوار کرانے گئے حالانکہ شیخ الحدیث مولانا غلام رسول صاحب رضوی بھی متشدد طبیعت کے مالک تھے۔

## تقوٰی اور پرہیز گاری

والد گرامی قدر اور تقوی و طہارت لازم و ملزوم ہو کر رہ گئے تھے، آپ زہد و اتقاء کا نہایت خوبصورت نمونہ تھے۔ پوری زندگی ایسی گزاری کہ دنیاوی آلائشیں اور آسائشیں آپ رحمہ اللہ کو چھو کر بھی نہیں گزری ہوں گی۔ حرص و ہوس، دنیاوی چیزوں کی تمنا اور روپے پیسے جمع کرنے کا شوق کبھی آپ کے آئینہ دِل کو آلودہ نہ کر سکا، بہت قناعت کے ساتھ زندگی گزاری، تنگ دستی کا وقت بھی آیا تو صبر و رضا کی خاموش تصویر بن جاتے۔ کبھی کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں فرماتے تھے، معاملات کی صفائی بہت زیادہ تھی، اپنے حلقہ اثر میں سے کبھی کسی سے کوئی چیز طلب نہیں کرتے تھے، بس اپنے علمی کام سے کام رکھتے تھے یا عبادات و وظائف میں مشغول رہتے۔ پوری زندگی کسی سے جھگڑا نہیں ہوا، اپنے ہر ملاقاتی اور مجھے معاملات کی صفائی کی

بہت تاکید فرماتے تھے، کہ آج کل لوگ عبادات کا پھر بھی کچھ نہ کچھ خیال رکھتے ہیں مگر معاملاتِ مالی یا دیگر کا بالکل خیال نہیں رکھتے۔ معاشرے کے بگاڑ کی اصل وجہ یہ ہے کہ لوگ حقوق العباد کا خیال نہیں کرتے۔

حضرت والد گرامی کے پاس بسا اوقات مشترکہ رقم ہوتی تھی یعنی دوسرے بھائیوں مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ اور حافظ صالح محمد رحمہ اللہ صاحب کا بھی حصہ ہوتا تھا تو بوقتِ ضرورت آپ رحمہ اللہ اس مشترکہ رقم میں سے بھی خرچ نہ کرتے بلکہ ادھار لے لیتے، فرماتے تھے جب تک رقم تقسیم ہو کر اپنا حصہ نہ مل جائے تب تک مشترکہ رقم میں سے صَرف کرنا دیانت کے خلاف ہے۔ کئی بار ایسا ہوتا کہ صدقات اور زکوٰۃ کی کثیر رقم پاس ہوتی مگر اس میں سے خرچ نہ کرتے کہ یہ مشترکہ رقم بطور امانت ہے اور اس کا استعمال خیانت کے مترادف ہے۔ حالانکہ وہ وقتِ ضرورت خرچ کرنا ہوتی تھی اور بعد میں ذاتی رقم واپس کر دینا بھی ہوتی تھی مگر پھر بھی ایسا قطعاً نہ کرتے۔ بندہ کے ذمہ جب زراعت کی ذمہ داری سپرد ہوئی تو والد گرامی عُشر نکالنے کی ہر وقت تاکید فرماتے تھے، جونہی فصل برداشت کا وقت آتا تو حکم دیتے کہ سب سے پہلے عُشر ادا کرو بعد میں اس کی رقم دوسرے امور میں خرچ کرنا۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ فروخت شدہ فصل کی رقم دیر سے وصول ہوتی تو اپنے پاس سے فصل کا حساب کر کے عُشر ادا کر دیئے اور بعد میں مجھ سے عشر کی مد میں رقم وصول فرما لیتے، فرماتے تھے عشر و زکوٰۃ کی ادائیگی میں مجھ سے تاخیر برداشت نہیں ہوتی۔ گھریلو زیورات کی زکوٰۃ رمضان المبارک میں التزام سے نکالتے اور کبھی بندہ حساب میں تاخیر کرتا تو ڈانٹ پلا دیتے اور ناراض ہو جاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے حقوق ادا کرنے میں متساہل ہوتے ہو؟

## نمازِ تہجد پر دوام

میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے حضرت والد گرامی رحمہ اللہ کو تہجد کی نماز پورے اہتمام اور باقاعدگی سے پڑھتے دیکھا ہے۔ کبھی میں آپ کے کمرے میں سو جاتا تو رات کو آہستہ سے بیدار ہو کر دروازہ کھولتے اور خود وضو کا انتظام فرماتے، اُس وقت ہاتھ سے پانی کھینچنے والے نلکوں کا رواج تھا، نماز میں قرات لُطف لے لے کر کرتے اور کئی آیاتِ قرآنیہ کو تکرار سے تلاوت کرتے اور الحاح وگریہ زاری بہت کرتے تھے۔ نماز تہجد کے بعد اوراد میں مشغول ہو جاتے، والد گرامی جب دعا مانگتے تو ذرا اونچی آواز سے مانگتے۔ اور اپنی طویل دعا کا اختتام خاتمہ بالخیر کے جملوں پر کرتے۔ والد گرامی رحمہ اللہ اکثر دعا میں فرماتے تھے "یا اللہ بندہ کو اپنے دین کی خدمت کے لیے قبول فرما، اور جو میں خدمتِ دین کر رہا ہوں اس کو شرفِ قبولیت عطا فرما اور مزید کام کرنے کی توفیق عطا فرما۔ پھر توبہ و استغفار کرتے ہوئے اپنی اولاد کے لیے دعا فرماتے۔ میں نے

والد گرامی رحمہ اللہ کو کئی بار نماز تہجد کے بعد مناجات کرتے دیکھا ہے مگر کبھی دعا میں دنیاوی وسعتِ رزق یا منفعت کے متعلق الفاظ نہیں سنے۔ یا گریہ زاری کر کے گناہوں کی معافی طلب کرتے اور توبہ و استغفار کے ساتھ خاتمہ بالایمان کی دعا یا پھر دفاعِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خدمت کی قبولیت کی دعا فرماتے۔ میں نے اپنے والد گرامی کو دنیاوی معاملات خاموشی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہمیشہ دیکھا ہے۔

## بیعت کی خواہش کرنے والے کو جواب! ایک ایمان افروز واقعہ

ایک مرتبہ گرمی کے موسم میں جب مَیں کتاب لے کر والد گرامی کے کتب خانہ میں جانے لگا تو باہر تخت پوش پر چوہدری ثقلین چدھڑ رئیس آف ٹاہلی مینگی کو بیٹھے روتے ہوئے دیکھا، میں نے اُن سے علیک سلیک کی، وہ مسلسل رو رہے تھے، مَیں نے وجہ پوچھی مگر وہ کچھ نہ بتا سکے بلکہ ساکت ہو کر بیٹھے روتے رہے۔ میں نے اندر جا کر حضرت والد صاحب کو بتایا کہ چوہدری ثقلین چدھڑ صاحب باہر بیٹھے رو رہے ہیں، والد صاحب گرامی نے فرمایا'' وہ بے وقوف ہے'' اس کے بعد مزید میں بھی پوچھنے کی جرأت نہ کر سکا اور یہی قیاس کیا کہ شاید کسی بات پر حضرت والد صاحب گرامی نے جھڑک دیا ہوگا۔ کچھ دیر بعد چوہدری صاحب اُٹھے اور اپنی گاڑی میں بیٹھ کر چلے گئے۔ میرے لیے یہ بات معمہ رہی کہ خدا جانے کیا معاملہ ہے؟ چوہدری ثقلین چدھڑ ایک جاگیردار آدمی تھا، ان کے ماموں چوہدری دلاور خان ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں ایم پی اے منتخب ہوئے تھے۔ اُن سے بھی ہمارے قریبی تعلقات تھے، چوہدری ثقلین صاحب کا کافی عرصہ سے والد صاحب گرامی کے ہاں آنا جانا تھا وہ صحیح العقیدہ تھے اور والد صاحب سے بہت عقیدت رکھتے تھے۔ کچھ دنوں کے بعد مَیں کسی کام کی غرض سے بھوآنہ شہر گیا تو سرِ راہ چوہدری ثقلین مرحوم سے میری ملاقات ہوگئی۔ میں نے خیر و عافیت کے تبادلہ کے بعد پھر اُن سے اس دن کے رونے کی وجہ پوچھی، تب انہوں نے راز کھولا کہ دراصل میں آپ کے والد صاحب سے بیعت کرنے حاضر ہوا تھا۔ میں نے ان سے درخواست کی کہ آپ مجھے بیعت کرلیں میری بہت خواہش ہے، تو آپ کے والد گرامی مولانا محمد نافع صاحب نے فرمایا کہ میں اس قابل نہیں ہوں کہ تمہیں بیعت کروں، آپ کسی اہل اور قابل بندہ کی بیعت کریں، میں نے جب بہت زیادہ اصرار کیا تو فرمانے لگے، اللہ کے بندے مجھے اپنا پتہ نہیں کہ قیامت کے دن میرا کیا حشر ہونے والا ہے تو میں لوگوں کو کیسے بیعت کرتا پھروں؟'' آپ رحمہ اللہ کے یہ الفاظ سن کر میرے اوپر رقت طاری ہوگئی، بالکل سہم کر رہ گیا اور

سوچا کہ اتنا بڑا متقی و پرہیزگار عالم اپنے متعلق یہ کہہ رہا ہے تو ہم جیسے دنیاداروں کا کیا بنے گا اور ہم کہاں جائیں گے؟ بس باہر آ کر میں رونے لگ گیا اور میرے دل و دماغ پر مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی عاجزی اور خدا خوفی کی ہیبت بیٹھ گئی۔ میں نے چوہدری صاحب سے کہا کہ حضرت والد گرامی بیعت نہیں کرتے صرف وظائف و اوراد بتاتے ہیں، مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ بھی بیعت نہیں کرتے تھے صرف اسباق بتا دیتے تھے جس سے اس شخص کی ہمارے بزرگوں کے ساتھ ایک نسبت قائم ہو جاتی ہے۔

## شفقت علی الخلق کا ایک واقعہ:

ایک دفعہ میں اپنے والد گرامی رحمہ اللہ کے ہمراہ شام کا کھانا کھا رہا تھا، تب میری عمر سات، یا آٹھ سال کی ہوگی ہم چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے یہ ہمارا معمول تھا کہ ہم کھانا حضرت والدِ گرامی کے ہمراہ کھایا کرتے تھے۔ اچانک ایک کتا صحن میں آ کر ہماری چارپائی سے کچھ فاصلے پر کھڑا ہو گیا۔ چونکہ صحن کھلا اور دیہاتی ماحول کا ہے، اس لیے عام طور پر کھانا کھاتے وقت کوے اور دیگر پرندے اکٹھے ہو جاتے یا پھر کوئی کتا بھی اُدھر سے آ دھمکتا تھا۔ حضرت والد صاحب گرامی نے روٹی کا ایک ٹکڑا کتے کی طرف ڈال دیا، میں چونکہ بچہ تھا، شرارت سوجھی تو میں نے والد گرامی کا عصا اٹھا کر (جو چارپائی کے پاس ہی پڑا تھا) کتے کو مار دیا، یہ والد صاحب گرامی کو ناگوار گزرا اور آپ نے مجھے ہلکا سا چپت رسید کر دیا، میں رونے لگ گیا، ہماری والدہ محترمہ نے قبلہ والد صاحب سے شکوہ کیا کہ بچے کو آپ نے کیوں مارا ہے؟ تو فرمایا کہ اس نے ایک خاموش سائل کو کیوں مارا ہے؟ اس کو بھی ہماری طرح بھوک لگتی ہے، اور اس کو بھی ہماری طرح درد ہوتا ہے۔ والد صاحب گرامی کتوں، پرندوں اور دوسرے جانوروں کو خاموش سائل قرار دیتے تھے اور جب کھانا کھاتے ہوئے کوئی پرندہ یا کتا نہ آتا تو پریشان ہو جاتے تھے کہ آج کوئی خاموش سائل نہیں آیا۔ والد صاحب گرامی روٹی کے چھوٹے چھوٹے ذرات بنا کر چھت پر پرندوں کے لئے ڈال دیتے تھے اور روٹی کے چند پیس بنا کر گلی کے نکڑ پر کتوں کے لیے ڈال دیتے تھے۔ والد صاحب گرامی کا مزاج تھا کہ جب بچوں والی کتیا کا پتہ چلتا تو اس کے ٹھکانے پہ جا کر روٹی ڈال آتے اور صبح جب آپ ناشتہ کرنے بیٹھتے تو کووں کا ایک غول آپ کی چارپائی کے پاس جمع ہو جاتا تھا اور آپ ان کو کھلا کر بہت خوش ہوتے تھے۔ آپ کی شفقت علی الخلق بے مثال اور لائقِ دید و تقلید تھی۔

## شریعتِ مطہرہ اور فقہی مسائل پر عمل زندگی کا معمول تھا

شریعت مطہرہ پر عمل ان کی ساری زندگی کا معمول رہا۔ اور آپ کی زندگی شریعت کے نور سے معمور تھی۔ دین کی کسی بات کو بھی معمولی نہ سمجھتے تھے۔ اور اولاد و معتقدین کو بھی اس پر عمل کرنے کی تاکید فرماتے۔ آپ کے معمولات اور لوگوں سے معمولات میں شریعت کو فوقیت حاصل تھی۔ معاشرتی رسم و رواج ان کی زندگی کے معمولات پر کبھی بھی اثر انداز نہ ہوسکے۔ خوشی و غمی کی قبیح رسومات پر عمل تو دور کی بات، دوسروں کو بھی سختی سے منع فرماتے تھے۔ شادی کے موقع پر ''نیوتا'' کو بالکل ناجائز قرار دیتے تھے اور اپنی برادری میں اس رسمِ قبیح پر عمل نہیں کروانے دیتے تھے۔ شریعت پسندی پر اگر کوئی ناراض بھی ہو جاتا تو اس کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ اس پر ایک واقعہ پیش کرتا ہوں؛ یہ ۱۹۷۰ء کی دہائی کی بات ہے کہ جامعہ محمدی شریف کا ایک رقبہ غالباً موضع سلمان تھانہ بھوانہ میں تھا جو کسی آدمی نے جامعہ کے لیے وقف کیا ہوا تھا، یہ موضع محمدی شریف گاؤں سے کوئی ۱۵، کلومیٹر یا اس سے زیادہ فاصلے پر واقع ہے۔ اس لیے اس کی دیکھ بھال مشکل تھی۔ مہتمم جامعہ اور ہمارے تایا جان مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ نے مشورہ کر کے اس رقبہ کو فروخت کرنا چاہا تاکہ محمدی شریف کے قریب ایک موضع دور ہٹہ میں متبادل جگہ خرید لی جائے۔ ایک شخص جس کا نام غالباً چوہدری محمد دین تھا، ان کو یہ رقبہ پسند آیا تو اس سے معاملہ طے کر کے بطور بیعانہ کے پیشگی رقم ۱۰،۰۰۰ ہزار روپے جامعہ کے نائب ناظم چوہدری برکت علی شمیم کے ذریعہ جامعہ کے دفتر میں جمع کروا دی اور بقیہ کل ادائیگی تاریخ مقررہ پر مُشتری نے ادا کرنا تھی۔ مگر اس سے پہلے ہی مُشتری یعنی محمد دین طے شد معاہدہ سے منحرف ہوگیا۔ اور اس نے کہا کہ رقبہ مہنگا ہے اس لیے میں نہیں خرید سکتا۔ اب پنچائتی اصول کے مطابق بیعانے والے دس ہزار روپے وہ واپس نہیں لے سکتا تھا کیونکہ اگر جامعہ معاہدے سے منحرف ہوتا تو دگنی رقم یعنی بیس ہزار روپے ادا کرنا پڑتے تھے اس لیے مشتری زرِ بیعانہ واپس لینے کا دعوی نہیں کرسکتا تھا، مگر دوسری طرف شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں وہ پیشگی رقم جامعہ نہیں رکھ سکتا تھا اور یہ واپس کرنی شرعاً ضروری تھی، اب یہ ایک تنازعہ کھڑا ہوگیا۔ چوہدری برکت علی شمیم نے مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ کو اس بات پر لگا دیا کہ بیعانہ کی رقم واپس کرنے میں جامعہ کا نقصان ہے کیونکہ کوئی دوسرا خریدار اب قیمت پر یہ رقبہ نہیں خریدے گا، اور وہ سوچے گا کہ پہلے خریدار نے اس لیے معاہدہ توڑا ہے کہ یہ رقبہ کم قیمت ہے یا اس میں نقص ہے تو زمین کی قیمت گر جائے گی لہٰذا محمد دین کو بطور جرمانہ یہ رقم دس ہزار واپس نہیں کرنی چاہیے۔ اور دنیاوی خرید و فروخت کا بھی یہی اصول ہے۔ اُدھر محمد دین نے بھی بڑی کوششیں کیں کہ بیعانے کی رقم واپس مل جائے اور اس نے بڑی سفارشیں بھی کروائیں مگر مولانا

محمد ذاکر رحمہ اللہ کوئی بات سننے کے لیے تیار نہ تھے، کیونکہ انہیں عشق کی حد تک جامعہ سے محبت تھی اور وہ جامعہ کا نقصان کسی صورت برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اور چوہدری برکت علی شمیم نے ان کی اس دکھتی رگ کو دبا دیا تھا۔ اب چوہدری محمد دین حضرت والد صاحب گرامی کے پاس آ گیا اور کہا کہ میں غریب آدمی ہوں اتنا نقصان برداشت نہیں کر سکتا۔ لہٰذا آپ یہ رقم واپس کروائیں، شرعاً بھی وہ یہ رقم واپس کرنے کے پابند ہیں، تو حضرت والد صاحب گرامی نے مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ سے بات کی مگر وہ نہ مانے، اور مروّتاً خاموش ہو گئے اور جواباً فرمایا کہ یہ معاملہ برکت علی شمیم کے پاس ہے، اس سے طے کر لیا، بس جامعہ کا نقصان نہیں ہونا چاہیے۔

مختصر یہ کہ حضرت والد صاحب گرامی نے اس پر ایک استفتاء لکھا اور مختلف علماء کرام کو جواب کے لیے ارسال کر دیا۔ جس میں پیر کرم شاہ رحمہ اللہ صاحب بھیروی سمیت مختلف مسالک کے علماء کرام نے فتویٰ دیا کہ شرعاً یہ بیعانہ ضبط رکھنا غلط ہے، واپس کرنا ضروری ہے۔ مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ نے حضرت والد صاحب سے وہ فتاویٰ لے کر برکت علی شمیم کو دیئے کہ ان کو سامنے رکھ کر کوئی فیصلہ کریں۔ ایک دن دوپہر کو جبکہ حضرت والد صاحب مجھے سبق پڑھا رہے تھے کہ اچانک برکت علی صاحب بغل میں فائل دابے آئے، علیک سلیک کی اور پھر کھڑے کھڑے دلائل دینا شروع کر دیئے کہ فلاں جگہ معاہدہ ہوا اور بیعانہ کی رقم ضبط کی گئی، اور فلاں جگہ بھی یوں ہوا، ابھی اس نے بات مکمل نہیں کی تھی کہ والد صاحب محترم انتہائی طیش میں آ گئے اور فرمایا کہ میں شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کرتا ہوں اور توں دنیا کی کرتا ہے؟ میں نے تمام مسالک کے علماء کرام کے فتاویٰ لا کر دکھا دیئے ہیں کہ اسلامی نقطہ نظر سے آپ بیعانہ کی رقم ضبط نہیں کر سکتے اور نہ میں آپ کو ضبط کرنے دوں گا، میرے کمرے سے باہر نکل جاؤ ورنہ میں تمہیں مارنے سے بھی دریغ نہیں کروں گا، ساتھ ہی والد صاحب نے اپنے عصا کی طرف ہاتھ بڑھایا تو شمیم صاحب نے فرار ہونے میں ہی عافیت سمجھی اور دوسرے دن چوہدری محمد دین کو اس کے دس ہزار روپے واپس کر دیئے۔ برکت علی شمیم صاحب ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر تھے اور محمدی شریف انٹر کالج کے پرنسپل رہے۔ اس وقت ان کے بڑے لڑکے چوہدری مسعود صاحب محکمہ ٹیلی فون میں بڑے افسر تھے اور ۱۹۶۰ء کی دہائی میں انہوں نے چنیوٹ سے لائن نکلوا کر قصبہ محمدی شریف میں ٹیلیفون لگوایا تھا، اسی طرح دوسرے بیٹے فیصل آباد ڈویژن کے ڈائریکٹر محکمہ تعلیم تھے اور تیسرے بیٹے گورنمنٹ کالج فیصل آباد میں پروفیسر تھے، ان کی اہمیت کے پیشِ نظر یہ تعارف کروایا گیا ہے، مگر حضرت والد صاحب گرامی نے شریعتِ مطہرہ کے معاملہ میں ان کو ایک پرِ کاہ کے برابر بھی وقعت نہ دی اور ڈانٹ کر باہر نکال دیا، بلکہ شرعی مسئلہ پر ان سے عمل کروا کے رہے۔

## اپنے ہم عصر علماء کی نظر میں مقام:

یہ ۱۹۸۸ء کی بات ہے بندہ نے جامعۃ الاسلامیۃ العالمیۃ اسلام آباد میں ایم۔ اے عربی میں داخلہ لیا۔ اگرچہ والد صاحب کی اس میں نیم رضا مندی شامل تھی۔ کیونکہ آپ رحمہ اللہ کی خواہش تھی کہ میں دورۂ حدیث مکمل کر کے ایک ذی استعداد مدرس بنوں، لیکن بعض وجوہ سے میری طبیعت ادھر مائل نہ ہوئی، اس لیے اسلام آباد بین الاقوامی یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ مجھے اس بات کا برملا اعتراف ہے کہ اتنی بڑی علمی شخصیت کے آغوش میں پرورش پانے اور موقوف علیہ تک ان سے تعلیم حاصل کرنے کے باوجود والد گرامی کی صحیح عظمت و مرتبہ کا اندازہ نہ کرسکا موقوف علیہ کے تین اسباق میں نے دیگر اساتذہ سے پڑھے جن میں مولانا محمد شریف صاحب، مولانا قاضی نصیر الدین صاحب حلہ گنگوی شامل ہیں یہ دونوں حضرات بھی دارالعلوم دیوبند کے فضلاء تھے۔ مجھے پہلے پہل والد گرامی کی علمی عظمت کا اندازہ اسلام آباد جا کر ہوا، اس سلسلہ میں چند ایک واقعات پیش کرتے ہوں۔

بندہ اسلام آباد میں تھا تو حضرت والد صاحب کا خط ملا کہ ایک کتاب جوفنِ رجال پہ تھی اور مصر کی مطبوعہ تھی (مجھے اب اس کا نام یاد نہیں رہا) فرمایا اس کی دو جلدیں محمدی شریف میں موجود ہیں، تیسری اور چوتھی درکار ہے تم اسلام آباد کی کسی لائبریری سے پتہ کر کے بتاؤ، میں نے پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ مذکورہ کتاب ''اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ'' کی لائبریری میں موجود ہے۔ اسلامی یونیورسٹی میں دو قسم کی لائبریریاں تھیں، ایک عام اساتذہ اور طلبہ کے لیے اور دوسری خاص تحقیقی لائبریری تھی، جس کا نام آئی۔ آر، آئی (اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ) ہے۔ اس کی ممبر شپ مخصوص لوگوں کو دی جاتی تھی، اسلامی یونیورسٹی کے اکثر اساتذہ وطلبہ حضرت والد گرامی رحمہ اللہ کو جانتے تھے۔ ان سب سے رابطہ کیا اور کتاب کے حصول کے لیے کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی جن اساتذہ کی اس لائبریری کی ممبر شپ تھی ان کو بھی انہوں نے یہ کتاب جاری کرنے سے انکار کر دیا۔ سب ساتھیوں نے بندہ سے معذرت کر دی کہ اس کتاب کا حصول مشکل کام ہے۔ میں بہت پریشان ہوا کہ اتنی واقفیت کے باوجود لائبریری میں موجود کتاب میں والد صاحب گرامی کے لیے حاصل نہیں کر پا رہا۔ والد صاحب کیا فرمائیں گے کہ چند دن کے لیے بھی ایک کتاب تم نہ لا سکے؟ ادھر دوستوں نے کہا کہ آپ والد صاحب کو کہیں کہ آپ خود چند دنوں کے لیے اسلام آباد تشریف لے آئیں اور کتاب سے استفادہ کر لیں، اس بہانہ سے ہم بھی ان کی زیارت کر لیں گے۔ خیر اس دوران میرے ایک کلاس فیلو ممتاز سدیدی نے مشورہ دیا، یہ سدیدی صاحب

موصوف مولانا عبدالحکیم شرف قادری کے بیٹے تھے، جو ابھی کچھ عرصہ پہلے جامعۃ الازہر مصر سے پی ایچ ڈی کر کے واپس آئے ہیں۔ انہوں نے مجھے کہا کہ میرے والد صاحب کے ملنے والے یہاں اسلامی تحقیقی ادارہ میں ایک ریسرچ آفیسر ہیں اور ان سے ہی متعلقہ یہ لائبریری ہے، اُن سے جا کر بات کرتے ہیں شاید کام ہو جائے۔ میرے ذہن میں مولانا عبدالحکیم شرف قادری صاحب کا کوئی اچھا تاثر نہیں تھا کیونکہ یہ ایک متشدد اور متعصب قسم کے عالم تھے ان کا ایک واقعہ میں آئندہ سطور میں ذکر کروں گا۔ اس لیے میں نے سوچا کہ قادری صاحب کا یہ دوست بھی ایسا ہی ہوا تو کام کہاں بنے گا؟ میں نے سدیدی صاحب سے کہا یہ مشکل لگ رہا ہے، مگر ان کے اصرار پر میں بادلِ نخواستہ ان کے ساتھ چل پڑا۔ قادری صاحب کے ملنے والے یہ صاحب جن کا نام حافظ محمد طفیل تھا، وہاں تحقیقی مقالہ جات لکھتے تھے اور ''فکر ونظر'' میں عموماً ان کے مقالے بھی شائع ہوتے تھے اور وہ کئی کتابوں کے مصنف بھی تھے جو اسلامی تحقیقی ادارہ کی طرف سے چھپی تھیں، ہم دونوں ان کے دفتر گئے، ان سے جا کر مصافحہ کیا اور کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ سدیدی صاحب نے اپنے والد صاحب کا حوالہ دیا اور تعارف کرایا تو میں نے محسوس کیا کہ انہوں نے کوئی خاص توجہ نہیں کی۔ بلکہ واجبی سے انداز میں ان سے ان کے والد صاحب کی خیریت دریافت کی جب سدیدی صاحب نے میرا تعارف کروایا کہ یہ مولانا محمد نافع صاحب کے بیٹے ہیں تو طفیل صاحب فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور دوبارا مصافحہ کر کے چائے وغیرہ کا آرڈر دیا، میں بڑا حیران تھا کہ انہوں نے اپنے ہم مسلک اور دوست کے بیٹے سے زیادہ مجھے عزت کیوں دی؟ لیکن والد صاحب کا نام سنتے ہی وہ جھٹکے سے کھڑے ہوئے تو سمجھ آئی کہ یہ سب حضرت والد صاحب کی وجہ سے ہے۔ پھر وہ کافی دیر تک حضرت والدگرامی کی خیریت دریافت کرتے رہے اور پوچھتے رہے کہ آج کل کس موضوع پہ کام کر رہے ہیں؟ آپ اسلام آباد کیسے آئے ہیں؟ میں نے انہیں بتایا کہ میں نے اور سدیدی صاحب نے ایم اے عربی میں داخلہ لیا ہے والد صاحب نے خط کے ذریعہ مجھے ایک کتاب بھیجنے کا حکم فرمایا مگر وہ آپ کی لائبریری والے ایشو نہیں کر رہے۔ انہوں نے فوراً ٹیلی کام اٹھایا اور نگران سے کہا کہ فلاں کتاب میری میز پر پہنچاؤ۔ چند منٹ کے بعد میری مطلوبہ کتاب سامنے تھی۔ جس کتاب کے حصول کے لیے میں پورے دو ہفتے تگ و دو کرتا رہا اب وہ پانچ منٹ میں حاصل ہوگئی تھی۔ حافظ محمد طفیل صاحب نے یہ کتاب میرے سپرد کرتے ہوئے کہا کہ جانتے ہو یہ کتاب میں آپ کو کیوں دے رہا ہوں؟ اس لیے کہ میں آپ کے والد صاحب کی علمی عظمت سے واقف ہوں اگرچہ ان سے تعارف یا ملاقات تاحال نہیں

ہوئی۔ ہم لوگ ان کے علمی کام سے روزانہ فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ خصوصاً ''رحماءُ بینھم'' سے جتنا فائدہ میں نے حاصل کیا شاید ہی کسی نے کیا ہو۔ آپ کے والد صاحب کے علمی کام سے ہم تو ہر روز فوائد سمیٹیں اور جب ان کو ہمارے علمی تعاون کی ضرورت پڑ جائے اور ہم تساہل برتیں تو یہ بڑی ہی شرم کی بات ہے۔ اور ہمارے لیے باعثِ ندامت ہے۔ پھر بتایا کہ میرا تعلق فیصل آباد سے ہے، میرا ایک عزیز چند ماہ محمدی شریف میں قرآن مجید حفظ کرتا رہا ہے اس نے مجھے بتایا تھا کہ محمدی شریف گاؤں دریا کے کنارے واقع ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ مولانا محمد نافع صاحب نے دریا کے کنارے بیٹھ کر وہ علمی کام کیا جو ہم اسلام آباد میں بیٹھ کر نہیں کر سکے بلکہ ان سے استفادہ و استفاضہ کے محتاج ہیں۔ کہنے لگے یہ کتاب دے کر میں نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی ہے اب آپ بعد از استفادہ یہ کتاب واپس لوٹاتے ہیں یا میرے اعتماد وعقیدت کو ٹھیس پہنچاتے ہیں، یہ آپ پر منحصر ہے۔ اس کے بعد بھی میرا ان سے رابطہ رہا۔ کئی اور کتب ان سے لیتا اور پھر واپس کرتا رہا، بعض نادر کتب کی حضرت والد صاحب مکمل فوٹو کاپی کروا لیتے تھے۔ اسلامی تحقیقی لائبریری سے قبلہ والد صاحب نے بہت استفادہ کیا، اللہ ان کو جزاء خیر عطا فرمائے۔ بعینہ یہی الفاظ ایک دفعہ مولانا سعید احمد جلالپوری رحمہ اللہ نے بھی کہے تھے کہ جو کام مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے دور افتادہ گاؤں میں بیٹھ کر کر دیا ہے، وہ ہم لوگ کراچی جیسے شہر میں بھی نہیں کر سکے۔ مولانا جلالپوری ایک مرتبہ حضرت والد صاحب سے ملاقات کے لیے آئے تو کچا کمرہ دیکھ کر اور درختوں کے سایہ میں بیٹھ کر بہت متاثر ہوئے تھے۔

## مولانا عبدالحکیم شرف قادریؒ کا ایک مضمون:

مولانا عبدالحکیم شرف قادریؒ سے میری بدظنی کی وجہ ایک یہ بھی تھی کہ ایک بار جامعہ محمدی سے شائع ہونے والے رسالہ ماہ نامہ ''الجامعہ'' میں ان کا ایک مضمون ''اسلامی سیاست'' کے زیرِعنوان شائع ہوا۔ میں اس وقت بی اے کے امتحان کی تیاری کے سلسلہ میں جامعہ کے ایک کمرہ میں رہائش پذیر تھا۔ شمارہ کی اشاعت کا مہینہ تو مجھے اب مستحضر نہیں تاہم یہ ۱۹۸۰ء کی دہائی کی بات ہے۔ ''اسلامی سیاست'' کا عنوان دیکھ کر میں نے سوچا کہ اس میں اسلامی سیاست اور مروّجہ سیاست کا موازنہ کیا گیا ہوگا، مگر بعد از مطالعہ میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ قادری صاحب نے پہلے گراف میں ہی تحریک خلافت میں حصہ لینے والوں کو گالیاں دیں اور تین یا چار صفحات کے اس مضمون میں نمبر لگا کر اکتالیس گالیاں درج کیں، جبکہ جامعہ کے بانی ہمارے تایا محترم مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ اور ان کے مرشد حضرت ثالث خواجہ ضیاء الدین سیالوی رحمہ اللہ نے

تحریک خلافت میں بھرپور حصہ لیا تھا، بلکہ اس زمانہ میں اس خطہ میں خانقاہ سیال شریف مرکز کی حیثیت رکھتا تھا اور انگریز کی اس مرکز پہ خاص نظر تھی۔ [1] میں نے سوچا کہ یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ بانی رسالہ و جامعہ کو اس رسالہ میں گالیاں دی جا رہی ہیں اور ان کے پیرومرشد کو بھی گالیوں سے نوازا جا رہا ہے۔ جبکہ جامعہ کے کار پردازان مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ اور حضرت خواجہ صاحب سیالوی رحمہ اللہ کو مجاہد ملت قرار دیتے ہیں کہ انہوں نے تحریک خلافت میں صعوبتیں اٹھا کر کلمۂ حق بلند کیا تھا۔ قادری صاحب کے اس مضمون نے مجھے ان سے متاثر ہونے کی بجائے بدظن کر دیا۔

## مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کے ہاں مولانا محمد نافع کی قدر و قیمت

ایک بار جامعہ فریدیہ اسلام آباد میں مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب تشریف لائے اور مغرب کے بعد آپ کا بیان ہوا اس وقت مولانا محمد عبداللہ صاحب لال مسجد والے حیات تھے، تب مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فیڈرل شریعت کورٹ کے جسٹس تھے۔ ہماری رہائش کویت ہاسٹل میں تھی جو جامعہ فریدیہ کے قریب ہے۔ ہم نے بیان سنا، بعد میں حضرت مفتی صاحب ملنے والوں کے درمیان بیٹھ گئے، لوگ مصافحہ کر رہے تھے، ہم تمام ساتھی بھی مصافحہ کے لیے آگے بڑھے، اور بندہ نے اپنا تعارف کروایا کہ میں مولانا محمد نافع صاحب کا بیٹا ہوں، مفتی صاحب والد صاحب کا نام سنتے ہی فرطِ جذبات سے کھڑے ہو گئے، میرے ساتھ معانقہ کیا اور پھر مجھے اپنے ساتھ بٹھا لیا، بڑی دیر تک حضرت والد صاحب کی خیر و عافیت پوچھتے رہے۔ جب رخصت ہونے لگے اور علماء کرام آپ کو گاڑی تک چھوڑنے گئے تو مفتی صاحب نے مجھے فرمایا کہ آگے چلیں، میں نے مارے شرم کے انکار کیا تو میرا بازو پکڑ کر آگے کر دیا، میرا سر ندامت سے جھک گیا کہ اتنے بڑے عالم دین مجھے اپنے سے آگے چلنے کا کہہ رہے ہیں، جبکہ میری حیثیت ان کے ایک شاگرد جتنی بھی نہیں تھی، گاڑی میں بیٹھتے وقت دوبارا میرے ساتھ بغلگیر ہوئے اور پھر رخصت ہو گئے۔ یہ دراصل حضرت والد صاحب کی عزت و توقیر کی جا رہی تھی جن کی علمی رفعت اور تحقیقی منہج کی وجہ سے ایسے قد آور اہل علم نام سنتے ہی محبت کے پھول برسانے لگ جاتے تھے۔ واپسی پہ ہمارا ایک پٹھان دوست تھا جس کا نام ''املی جان'' تھا وہ بلوچستان کا رہائشی، دارالعلوم کراچی کا فاضل اور اب اسلامی یونیورسٹی میں ایل ایل بی شریعت اینڈ لاء کا

---

[1] تحریک خلافت کی تائید میں سیال شریف سے متعدد کتابچے بھی شائع ہوتے رہے، جن میں سے ایک معروف رسالہ ''اعلان واجب الاذعان'' مطبوعہ ۲، رجب ۱۳۳۹ھ ہے، جو حضرت خواجہ ضیاء الدین سیالوی رحمہ اللہ کی ایک مطبوعہ تقریر ہے اور اس میں جمعیت علماء ہند کی مکمل حمایت کا اعلان کیا گیا تھا، یہ تقریر سید عطاء اللہ بخاری متوطن موضع ناگڑیاں ضلع گجرات نے قلمبند کر کے حضرت خواجہ صاحب کے حکم کی تعمیل میں ''شوق الیکٹرک پریس لاہور'' سے چھپوا کر تقسیم کی تھی۔ سلفی

طالب علم تھا۔ اس نے خالص تحکمانہ انداز میں کہا تم ہم سے آگے چلو، ہم آپ کے پیچھے چلیں گے، کیونکہ میرے استاذ اور میرے شیخ نے آپ کو عزت دی، اب ہم بھی ایسے ہی آپ کو عزت دیں گے۔ میں نے انہیں سمجھایا کہ میں اس قابل قطعاً نہیں ہوں کہ مولانا مفتی محمد تقی عثانی جیسی شخصیت میری تکریم کریں، یہ تو در حقیقت وہ میرے والد صاحب کا اکرام کر رہے تھے، لیکن ''املی جان'' کا دماغ ایسی حقیقت قبول کرنے سے انکاری رہا اور مجھے آگے کر کے پیچھے پیچھے چلتا رہا، اس کے بعد جب کبھی وہ مجھے دیکھتا تو کھڑا ہو جاتا اور کہتا تھا میرے شیخ نے آپ کے والد صاحب کی تکریم کرتے ہوئے آپ کو عزت دی تھی، اب میں اپنے شیخ کی اس ادا کو زندہ کرتا رہوں گا۔ بلا مبالغہ عرض ہے کہ میرے والد گرامی کو لوگ دل سے چاہتے تھے، اور ان کی ان سے محبت وعقیدت درجۂ کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ یہ محبت صحابہ اور دفاعِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا فیضان تھا کہ والد گرامی لوگوں کے دلوں میں اپنا مقام پیدا کر گئے۔

## مولانا محمد ضیاء القاسمی رحمہ اللہ نے کہا اپنا تعارف مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے حوالہ سے کروایا کریں!

۱۹۹۰ء یا ۹۳ء کی بات ہے کہ متحدہ علماء کونسل کے زیر اہتمام حکومت پاکستان نے شریعت بل کے متعلق وزیر اعظم سیکرٹریٹ میں علماء کی ایک کانفرنس بلائی جس میں پورے ملک سے سرکردہ علماء حضرات جمع ہوئے تھے۔ ہمارے ہاتھ بھی اس کے دعوت نامے لگ گئے تھے۔ چنانچہ ہم چند ساتھی بھی شریک ہوئے۔ اس دوران مختلف علماء کرام کے علاوہ مولانا محمد ضیاء القاسمیؒ سے بھی مصافحہ ہوا تو میرے ایک دوست جو جھنگ کے رہنے والے تھے، نے میرا تعارف کرواتے ہوئے کہا کہ یہ مولانا رحمت اللہ صاحب ایم این اے کے چچا زاد بھائی ہیں لیکن مولانا ضیاء القاسمی رحمہ اللہ نے کوئی خاص توجہ نہ دی، لیکن جب میں نے بتایا کہ میں مولانا محمد نافع صاحب کا بیٹا ہوں تو انہوں نے فوراً مجھے سینے سے لگا لیا اور کہا کہ اپنا تعارف والد گرامی کے حوالہ سے کروایا کرو، ان کا بہت بڑا مقام ہے، اہل علم ان کی قدر کرتے ہیں یہ قومی اسمبلی کی ممبری عارضی اور آنی جانی چیز ہے۔ میرے ساتھی کو بڑا احساس ہوا کہ واقعی مجھے میرا سیاسی تعارف نہیں بلکہ والد گرامی کے حوالہ سے کروانا چاہیے تھا۔

## مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی واپس پلٹے اور بغلگیر ہو گئے

اسی موقع کی بات ہے کہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی اور مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی دونوں برادرانِ ذی شان بھی تشریف لائے ہوئے تھے، میں جب مولانا مفتی محمد تقی عثمانی سے ملا تو اس دوران مولانا رفیع عثمانی صاحب آگے بڑھ چکے تھے، مفتی تقی عثمانی صاحب نے آواز لگائی کہ واپس آیئے مولانا محمد نافع صاحب کے بیٹے آئے ہوئے ہیں۔ تب مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب واپس لوٹ آئے اور میرے ساتھ بغلگیر ہو کر نہایت پُرتپاک انداز میں ملے، میرے ساتھی طلبہ ششدر رہ گئے کہ ایسے بڑے بڑے علماء کرام کے ہاں آپ کے والد گرامی کی اتنی وقعت و منزلت ہے کہ نام سنتے ہی ان کے قدم رُک جاتے ہیں۔

## مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی رحمہ اللہ کی علمی دیانت کا واقعہ

ایک مرتبہ اسلام آباد میں میریٹ ہوٹل یا غالباً ''اسلام آباد ہوٹل'' میں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے موضوع پر ایک سیمینار منعقد ہوا جس کی صدارت مولانا ضیاء الرحمن فاروقی رحمہ اللہ نے کی تھی۔ سیمینار میں زیادہ تر حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے باہمی تعلقات وغیرہ کو مخصوص کیا گیا تھا۔ میں بھی سننے چلا گیا۔ اس میں مختلف لوگوں نے اپنے اپنے مقالہ جات پیش کئے جن میں اسلامی یونیورسٹی کے بعض پروفیسرز بھی تھے۔ ظفر اللہ بیگ صاحب اور عبدالرحیم بلوچ کے نام اس وقت میرے ذہن میں محفوظ ہیں۔ ان تمام مقالہ نگاروں نے والد گرامی کی کتاب ''رحماءُ بینھم'' حصہ سوم میں سے من و عن عبارتیں نکال کر اپنے مقالے ترتیب دیئے مگر حضرت والد صاحب کا نام تک نہ لیا اور بزعم خویش وہ خود کو بڑا مذہبی سکالر، محقق، نقاد اور بہت کچھ بنا کر پیش کر رہے تھے۔ میں دل ہی دل میں ہنس بھی رہا تھا اور افسوس کناں بھی تھا، تا آنکہ آخر میں مولانا ضیاء الرحمن فاروقی رحمہ اللہ کا وقتِ خطاب آ گیا تو انہوں نے دلائل دیتے ہوئے آخر میں کہا کہ میں نے جتنی بھی گفتگو کی ہے اس کا ماخذ مولانا محمد نافع صاحب کی کتاب ''رحماءُ بینھم'' ہے۔ جب سیمینار ختم ہوا تو ظفر بیگ صاحب کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے مع عبدالرحیم بلوچ میرے پاس آئے اور کہا کہ ہم نے بھی اپنے مقالہ جات ''رحماءُ بینھم'' سے ہی نقل کیے تھے مگر نہ معمولی ترمیم کر سکے، نہ آپ کے والد صاحب کا نام لے سکے، مگر مولانا نے فاروقی صاحب نے بڑی جرات کی ہے، میں نے کہا یہ اُن کا بڑا پن اور ایک عالم کے لائقِ شان ہے۔ جبکہ آپ نے مذکورہ حرکت کر کے ذہنی سطح کے ساتھ ساتھ اپنی علمی استعداد کا پردہ بھی چاک کر دیا ہے۔

# ''ذاکرو نافع'' دونوں بھائیوں کی بے مثال محبت!

ان دونوں بھائیوں کے باہمی اکرام، لحاظ اور محبت کے واقعات تو بے شمار ہیں، یہاں فی الوقت ایک واقعہ پیشِ خدمت ہے۔

مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ کا ایک خادم تھا جس کا نام ''عابد حسین'' تھا، مگر مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ نے تبدیل کرکے، خادم حسین رکھ دیا تھا۔ مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ کو آخری عمر میں رعشہ ہوگیا تھا اور چلنے پھرنے سے معذور ہوگئے تھے تو آپ گھر سے دارالعلوم جامعہ محمدی شریف تک وہیل چیئر پر جاتے تھے اور یہ خادم حسین آپ کو لے کر جاتا تھا۔ خادم حسین مرحوم بتایا کرتے تھے کہ ایک دن بعد نماز عصر حسب معمول میں مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ کو گھر سے جامعہ کی طرف لے کر جارہا تھا' ہم نے تقریباً نصف رستہ طے کرلیا تھا (یاد رہے کہ گھر سے جامعہ تقریباً دو فرلانگ کے فاصلے پر ہے) تو مولانا محمد نافع رحمہ اللہ دوسری طرف یعنی جامعہ سے گھر کی طرف آرہے تھے، آپ رحمہ اللہ کے ہاتھ میں کتابوں کی بھاری گٹھڑی تھی جسے آپ بستہ کہتے تھے۔ معمول یہ تھا کہ والد صاحب گرامی عصر کی نماز پڑھا کر گھر آجاتے اور مولانا محمد ذاکر صاحب گھر سے جامعہ چلے جاتے۔ جب ان دونوں بھائیوں کا آمنا سامنا ہوا تو مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ نے مجھے فرمایا کہ بھائی صاحب کا بستہ کافی وزنی ہے، تم میری وہیل چیئر یہاں کھڑی کردو اور پہلے ان کا بستہ اٹھا کر انہیں گھر چھوڑ آؤ، خادم حسین کہتا ہے کہ پہلے تو میں نے توجہ نہ دی کیونکہ رستے میں ان کو ٹھہرانا حفاظتی حوالہ سے غیر محفوظ تھا مگر جب مولانا ذاکر رحمہ اللہ نے بہت زیادہ اصرار کیا تو میں انہیں ایک سائیڈ پر چھوڑ کر بھاگا بھاگا مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے پاس آیا اور کہا کہ آپ کتابیں مجھے دے دیں تاکہ گھر چھوڑ آؤں تو مولانا نافع صاحب ناراض ہوگئے کہ تم نے میرے بڑے بھائی کو معذوری کی حالت میں اکیلا چھوڑ دیا اور خود یہاں آگئے؟ میں تو صحت مند اور چلتا پھرتا ہوں، جلدی جاؤ اور مولانا صاحب کو مدرسہ میں پہنچاؤ، خادم حسین نے پھر واپس دوڑ لگادی، جب مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ کے پاس پہنچا تو وہ شدید ناراض ہوئے کہ اتنی بھاری کتابیں تم نے زبردستی کیوں نہ اٹھالیں؟ دوبارہ جاؤ اور پہلے ان کو چھوڑ کر آؤ، میں یہاں ٹھہرا رہوں گا۔ اب خادم حسین پھر مولانا محمد نافع صاحب کے پاس آگیا حالانکہ وہ کافی آگے جاچکے تھے اور کہا کہ حضرت فرماتے ہیں پہلے مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کو گھر چھوڑ کرآؤ، اب مولانا محمد نافع نے برہمی کا اظہار شروع کردیا کہ تم کیسے بے وقوف ہو؟ ان کے ہاتھ کانپتے ہیں، ضعف غالب ہے، اور تم راستہ میں چھوڑ کر پھر میرے پیچھے چلے آتے ہو؟ جاؤ بھائی صاحب کو چھوڑ کر آؤ،

میں چلا جاؤں گا۔ خادم حسین کہتا ہے کہ جب معاملہ یہاں تک پہنچا تو میں نے رونا شروع کر دیا کہ ایک بھائی اُدھر بھیجتا ہے، دوسرا اِدھر بھیج دیتا ہے، اب میں کس کی مانوں اور کس کی نہ مانوں؟ چنانچہ میں روتے ہوئے پھر مولانا ذاکر رحمہ اللہ کے پاس پہنچا اور کہا کہ حضرت آپ دونوں بھائیوں کو ایک دوسرے کی تکلیف کا احساس ہے، مگر میں اب کس کے حکم عدولی کروں؟ کیونکہ کام تو ایک ہی ہوسکتا ہے۔ تو مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ نے فرمایا ''بھائی صاحب (محمد نافع) بہت بڑے ولی اللہ اور متقی و صالح ہیں ان کی خدمت کیا کر'' اس کے بعد مجھے وہیل چیئر آگے لے جانے کی اجازت ملی، مولانا ذاکر رحمہ اللہ صاحب اس وقت قومی اسمبلی میں ممبر بھی تھے اور اسلام آباد پارلیمنٹ میں وہیل چیئر پر تشریف لے جاتے تھے۔ ❶

یہاں تک صاحب سوانح مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے صاحبزادہ کی یادداشتیں پیش کی گئی ہیں جن میں آپؒ کی ذاتی، خانگی، علمی اور عوامی زندگی کے چند پہلوؤں سے نقاب کشائی کی گئی ہے۔ ہم نے یہ یادداشت بلا تبصرہ پیش کی ہیں، اور اس اجمال کی تفصیل ماقبل و مابعد کی ابحاث میں آگئی ہیں، جنہیں پڑھ کر ہمارے ممدوح مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی بھرپور زندگی کا بغور جائزہ لیا جاسکتا ہے۔ اب دوسرے صاحبزادہ جناب میاں محمد مختار عمر صاحب سے بھی چند باتیں استفادہ کر کے پیش کی جارہی ہیں۔

## عبادت و ریاضت!

چنانچہ بڑے صاحبزادہ میاں محمد مختار عمر کہتے ہیں:

ایک سو سالہ زندگی میں صرف آخری تین سالوں میں حضرت والد صاحبؒ شوال کے روزے نہ رکھ سکے تھے اس سے پہلے مکمل شعوری زندگی میں ماہ رمضان المبارک کے ساتھ شوال کے چھ روزے باقاعدگی سے رکھتے رہے۔ اور

❶ یادداشتیں مولانا میاں غلام ابوبکر صدیقی بن مولانا محمد نافعؒ / مصنف سے تبادلۂ خیال۔

نوٹ: یہی وہ ایام تھے جب قدرت اللہ شہاب ضلع جھنگ میں ڈپٹی کمشنر کی ذمہ داری نبھا رہے تھے۔ چنانچہ وہ اپنی خودنوشت سوانح میں لکھتے ہیں: ''جھنگ میں میری ملاقات ایک ایسے بزرگ سے بھی ہوئی جن کا شمار اپنے زمانے کے اولیاء صفت بزرگوں میں ہوتا تھا ان کا اسمِ گرامی مولانا محمد ذاکر تھا، جنہوں نے محمدی شریف میں ایک دار العلوم، سکول اور کالج بھی قائم کر رکھا تھا، نرم خُو، آہستہ خرام، خاموش طبیعت کے مالک اس عالم باعمل اور زاہد شبِ زندہ دار کی ملاقات میری زندگی کا ایک ناقابلِ فراموش اثاثہ ہے، میں نے ان کی نظر نہ کبھی اوپر اٹھتے دیکھی اور نہ ان کی آواز کبھی بلند ہوتے سنی، اپنے دور افتادہ علاقے میں انہوں نے دینی اور دنیاوی علم کی ایسی شمع جلائی جو روز بروز روشن تر ہوتی جارہی ہے۔ ضلع جھنگ میں پہلی ملاقات کے بعد تادمِ زیست ان کی نظرِ کرم ہمیشہ اور ہر جگہ اس بندۂ گنہگار پر رہی جب میں لاہور پوسٹ ہوا تو وہاں بھی ایک دو بار تشریف لائے۔ بھٹو دور میں بھی وہ قومی اسمبلی کے ممبر تھے اس وقت ضعیفی اور نقاہت کا یہ عالم تھا کہ اسمبلی کے سیشن کے لئے بیماری کے باوجود طویل سفر اختیار کرتے تھے اور اسمبلی ہال میں پہیوں والی کرسی پر بٹھا کر لے جائے جاتے تھے۔ اس کے باوجود اسمبلی میں یا اس کے باہر نماز باجماعت کبھی قضاء نہ ہوتی تھی، استقامت کی یہ کرامت میں نے کہیں اور نہیں دیکھی۔ سلفی'' (قدرت اللہ شہاب / شہاب نامہ / مطبوعہ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور / صفحہ ۵۳۴)

رمضان المبارک کے روزے انتقال والے سال میں بھی ترک نہ فرمائے۔ گویا پوری عمر روزوں، نمازوں، تلاوتوں اور ذکر و اذکار کا اہتمام باقاعدگی سے فرماتے رہے۔ وفات والے سال رمضان شریف میں ایک ہفتہ باقی تھا کہ میاں عبداللہ سیال صاحب والد صاحب کو ملنے کے لئے آئے وہ جھنگ میں صوبائی محتسب کے عہدہ پر فائز تھے اور جامعہ محمدی شریف میں سابقہ طالب علم رہ چکے تھے، میاں صاحب شوگر کے مریض بھی تھے میں نے پوچھا اس مرتبہ روزے رکھنے کا کیا ارادہ ہے؟ تو میاں صاحب نے کہا کہ ''مجھے ڈاکٹر نے دن میں اتنے گلاس پانی پینے کا کہہ رکھا ہے، کیونکہ بہت سخت شوگر ہے'' ابھی انہوں نے یہاں تک ہی بات کہی تھی اور روزے رکھنے یا نہ رکھنے کے متعلق کچھ نہیں کہا تھا کہ حضرت والد صاحب نے ان کی بات کاٹ دی اور فرمایا ''میں بھی پورے روزے رکھوں گا آپ بھی نہ چھوڑنا'' حضرت والد صاحب رحمہ اللہ کے اس جملے سے ہم سب ہنس پڑے۔ حضرت والد صاحب کی خوراک عام دنوں میں بھی بہت کم تھی تو بیماری اور بڑھاپے میں مزید قلیل ہوگئی تھی، چند لقمے دن میں اور چند لقمے رات کو تناول فرماتے تھے اور بعض مرتبہ وہ بھی ناغے کا شکار ہو جاتے۔ لیکن رمضان المبارک میں تو حیرت انگیز اور خطرناک حد تک خوراک کم ہو جاتی تھی مثلاً سحری میں چند گھونٹ دودھ نوش فرماتے یا ایک ٹکڑا شیر مال کا تناول فرماتے اور افطاری میں ایک کھجور کا دانہ چند گھونٹ پانی کے ساتھ لے لیتے تھے۔ ایک مرتبہ پروفیسر ڈاکٹر محمد اشرف صاحب (الائیڈ ہسپتال فیصل آباد) نے فون پر حضرت والد صاحب کے پانی کی مقدار کے بارے میں پوچھا تو میں نے بتایا کہ دونوں وقت دو یا تین پیالی پانی پیتے ہیں۔ گرمیوں کے روزے تھے تو ڈاکٹر صاحب سخت گھبرائے اور کہنے لگے ایسے تو حضرت کے گردے کام چھوڑ دیں گے، اور پانی کی کمی کی وجہ سے مزید عوارض پیدا ہونے کا خدشہ ہے، میں نے ڈاکٹر صاحب کا پیغام قبلہ حضرت والد صاحب کو سنایا تو ہونٹوں کو ہلکی سی جنبش دے کر گویا ہنس پڑے اور پانی کی مقدار وہی رکھی۔ اس دوران کمزوری بہت بڑھ گئی، دیگر عوارض تو پیدا نہ ہوئے البتہ ہم ان کا ضعف دیکھ کر بہت پریشان ہوتے تھے، مگر اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے بھی عبادت و ریاضت کے کیسے لطف اٹھاتے ہیں؟ قبلہ حضرت والد صاحب بھی رمضان المبارک کے روزے رکھتے رہے تا آنکہ مکمل روزے رکھ لئے۔

## اعتدال طبیعت کا حصہ تھا

حضرت والد صاحب کے مزاج میں اعتدال بہت تھا، فکری اعتبار سے تو آپ کا معتدل ہونا ہر خاص و عام کو مسلّم ہے، عمومی و معاشرتی زندگی میں بھی یہ وصف موجود تھا مثلاً وقت پر کھانا کھانا اور پُرخوری سے اجتناب، نیز اسراف کے بھی قائل نہیں تھے کمرے میں ایک سے زائد بلب جلتا تو فرماتے ضرورت کے

مطابق روشنی رکھو، بے شک لکھائی پڑھائی کے وقت زائد بلب جلا لیا کرو، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں ان میں فضول خرچی مت کرو۔ اللہ کی راہ میں دل کھول کر خرچ کرتے مگر برابری کی بنیاد پر، یہ نہیں کہ کسی کو کم دیا کسی کو زیادہ! البتہ یہ ہم نے دیکھا ہے کہ روز آنے والے سائل کو رقم کم اور کبھی کبھار آنے والے کو قدرے زیادہ دیا کرتے تھے۔ والد صاحب بہت سادہ طبیعت کے مالک تھے اور سادہ لوگوں کو ہی پسند کرتے تھے کھانے پینے، رہن سہن اور لباس وغیرہ میں تکلف نام کی کوئی چیز نہیں تھی حتیٰ کہ گفتگو میں بھی سادگی اپناتے، اور تحریر میں بھی لفاظی اور پُر تکلف الفاظ استعمال نہیں فرماتے تھے۔ والد صاحب عصرِ حاضر کے تکلفانہ تقاضوں سے کلیتاً بے زار تھے۔ صحابہ کرامؓ سے والہانہ محبت تھی اور پوری زندگی ان کی عظمت ومنقبت بیان کرنا اپنے لئے سعادت سمجھتے تھے اور دشمنانِ اسلام معترضین کے اعتراضات کا علمی قلع قمع کرنا فرض سمجھتے تھے حضرت والد صاحب کی زندگی کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو حضرت ابو ذر غفاریؓ کا رنگ آپ پر چڑھا ہوا نظر آتا تھا، سلف صالحین اور اکابری امت کا بہت زیادہ ادب فرماتے تھے اور آنے والوں کو بھی اکثر و بیشتر یہی نصیحت کرتے تھے کہ سلف کا طریقہ مت چھوڑو، فرماتے تھے دین کو دین سمجھ کر سیکھو، دنیا کمانے کے لیے دین مت اختیار کرو، اعتدال اپناؤ اور افراط وتفریط سے بچو یہ دورِ حاضر کی گمراہیوں کی اصل جڑ ہے، لوگ فروعی مسائل میں بہت زیادہ متشدد ہو گئے ہیں، اپنی اور لوگوں کی اصلاح کی تلقین فرماتے، حضرت والد گرامیؒ کے ہاں اندرون و بیرون ملک سے علم کے شیدا بغرضِ ملاقات تشریف لاتے تھے، کراچی سے پشاور تک اور ایران، بنگلہ دیش نیز عرب ممالک اور ساؤتھ افریقہ تک سے لوگ آتے، والد صاحب گرامی سے اجازتِ حدیث لیتے، جب وہ کسی نصیحت کی درخواست کرتے تو فرماتے آپ عالم ہیں، مجھے تو شرم آتی ہے، آپ اتنی تکلیف اٹھا کر ملاقات کے لئے آتے ہیں، آپ میرے لیے خاتمہ بالخیر کی دعا کیا کریں۔ حضرت والد مکرم جہاں صحابہ کرامؓ پر فریفتہ تھے اور ان کے دفاع میں قلم چلاتے رہنے کو عبادت سمجھتے تھے وہاں مقام اہل بیتؓ کے بھی پورے قدر دان تھے۔ اس لئے ہر سال ۱۰ محرم الحرام کو حضرت سیدنا امام حسینؓ کی یاد میں جلسہ منعقد کرواتے اور جب تک صحت مند رہے، خود تقریر فرماتے تھے اسی طرح ۱۲، ربیع الاول کو بھی ہمیشہ رات کو محمدی شریف کی جامع مسجد میں جلسہ کرواتے، خود بھی تقریر کرتے اور باہر کے علماء کرام کو بھی دعوت دیتے تھے۔ اس موقع پر حضرت والد صاحب گھر میں عمدہ کھانے کا اہتمام حکماً فرماتے تھے تاکہ علماء کرام کی اچھی مہمان نوازی ہو سکے۔ حضرت والد صاحب شہرت سے ہمیشہ گریز فرماتے۔ اگر کوئی شخص آکر اجازت طلب کرتا کہ اشتہار میں آپ کا نام لکھنا ہے تو سختی سے منع فرما دیتے کہ چونکہ میں نے پروگرام میں شرکت

نہیں کرنی تو نام دینے کی کیا ضرورت ہے؟ اور اگر مطبوعہ اشتہار پر اپنا نام دیکھ لیتے تو منتظمین کی بہت گوشمالی کرتے تھے۔ دور حاضر کے ہر اس ذریعہ سے اجتناب فرماتے کہ جس میں ناموری کا شائبہ ہو، ہمیشہ گمنامی کی زندگی کو ترجیح دیتے، اور گوشہ نشینی میں عافیت سمجھتے تھے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ حضرت والد صاحبؒ ایک گمنام قصبہ میں کچے مکان کے اندر گوشہ نشینی کی زندگی تو گزار گئے مگر سعودی عرب، عراق، مصر، ساؤتھ افریقہ، امریکہ، بھارت، بنگلہ دیش اور پاکستان کے چاروں صوبوں میں جہاں جہاں علم کے متوالے رہتے ہیں بلا تفریق مسلک وہ آپ کے پروانے بنتے چلے گئے۔ کیونکہ جو کوئی اللہ کے لیے عاجزی اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو بلندیوں پر پہنچا دیتے ہیں۔ [1]

---

[1] یادداشتیں صاحبزادہ میاں محمد مختار عمر نافع، مصنف سے تبادلہ خیال۔

# باب نمبر 12

# چند معاصرین کا تذکرہ

۱: مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی شخصیت و خدمات پہ لکھے جانے والے مقالہ جات پر ایک تنقیدی نظر۔

۲: ''معاصر'' کا اطلاق کن لوگوں پر ہوتا ہے؟

۳: شخصیت کو جانچنے کا ایک اہم پیمانہ اس کے ''معاصرین'' بھی ہوتے ہیں

۴: فکری و نظری مماثلین، دائرہ کار، دُور رَس نتائج اور صحابہ کرامؓ کی مِدحت و دفاع کا ایمان افروز سلسلہ

# مقالات پر ایک نظر!

مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی زندگی میں ان کی حیات و خدمات پر لکھے جانے والے دو مقالے اس وقت ہمارے پیش نظر ہیں گو کہ یہ مقالے انتہائی مختصر' نامکمل اور مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی حیات و خدمات کا احاطہ کرنے کے اعتبار سے ناقص اسلوبِ تحریر پر مشتمل ہیں' مگر اس لحاظ سے بہرحال قابل قدر بھی ہیں کہ عصری اداروں کے دو طلبہ نے اپنی حد تک محنت، عقیدت اور محبت کے ساتھ یہ قلمبند کئے ہیں۔ ان میں سے ایک مقالہ نگار عبدالرزاق ہیں، جنہوں نے رول نمبر ۹۵۱۸ کے تحت ایم فل علوم اسلامیہ کی جزوی تکمیل اور حصولِ سند کے لئے جی سی یونیورسٹی فیصل آباد میں اپنا مقالہ ۲۰۱۳ء میں جمع کروایا تھا، اس کے کل ۱۷۷، صفحات ہیں اور اس کا نام ''مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی تصانیف کا تحقیقی جائزہ'' ہے۔ دوسرے مقالہ نگار ندیم لیاقت ہیں، جنہوں نے رول نمبر ۱۷۸۲۱ کے تحت ۱۲۴، صفحات پر مشتمل اپنا مقالہ ۲۰۱۴ء میں پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ علوم اسلامیہ کے لیے حوالۂ قرطاس کیا۔ دونوں مقالہ جات کو بغور دیکھنے سے محسوس ہوا کہ ثانی الذکر نے اول الذکر کا مقالہ سامنے رکھ کر بعینہ اپنا مقالہ ترتیب دے دیا ہے اور آج کل شعبہ تحقیق میں نو وارد طلبہ اس میں قصوروار بھی نہیں ہیں، کیونکہ سرقہ بازی کا بازار اس حد تک گرم ہو چکا ہے کہ تحقیق و تفتیش کا نام ہی مخدوش ہو کر رہ گیا ہے اور اس جرم کے مرتکبین اتنی بے باکی بلکہ عریانی سے یہ فعل سرانجام دیتے ہیں کہ اب تعلیمی اداروں کے طلبہ جو تحقیق کے میدان میں پہلا قدم رکھتے ہیں، وہ اصولِ تحقیق اور ضابطۂ تفتیش کے گورکھ دھندوں میں نہیں پڑتے، بہرکیف ہمارے پیش نظر دونوں مقالا جات ہیں، لیکن ہم جی، سی یونیورسٹی فیصل آباد سے لکھے جانے والے مقالہ پر اپنی ناقص آراء کا اندراج کر دیتے ہیں اور اس بات کی کھلی دعوت دیتے ہیں کہ آنے والے وقتوں میں کوئی اور علم پرور ہماری اس رائے پر ناقدانہ اور محققانہ جائزہ لے سکتا ہے۔ تاکہ علم و معلومات کا دائرہ مزید وسیع ہو سکے۔

## معاصرت کی تعریف!

مقالہ نگار نے مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے ''معاصرین'' کا عنوان قائم کرکے جن حضرات کے نام لکھے ہیں ان میں سے بعض تو علمی و تحقیقی اور عمر و تجربہ سمیت کسی بھی لحاظ سے معاصر کہلانے کے حق دار نہیں ہیں، مثلاً ڈاکٹر طاہر القادری، محمد کاشف اقبال وغیرہ وغیرہ، اور بعض ایسے نام لکھے ہیں جو جامعہ محمدی شریف میں زیر تعلیم اور مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے شاگردوں میں شمار کیے جاسکتے ہیں مثلاً مولانا محمد اشرف سیالوی مرحوم، اسی طرح علامہ احمد شاہ چوکیرویؒ کا نام بھی معاصرین کی فہرست میں نہیں آتا کہ وہ آپؒ کے استاذ تھے، مولانا مشتاق احمد چنیوٹی مرحوم تو بالکل آج کی شخصیت ہیں۔ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی علمی و شخصی عظمت اپنی جگہ، مگر جب مولانا محمد نافع رحمہ اللہ سندِ فراغ لے کر دارالعلوم دیوبند سے واپس آچکے تھے تو اس وقت ممکن ہے مولانا عثمانی صاحب کی ولادت بھی نہ ہوئی ہو، قصہ کوتاہ یہ کہ مقالہ نگار نے ''معاصرین'' کے ضمن میں جو نام پیش کیے ہیں، ان میں سے سوائے مولانا عبدالستار تونسویؒ اور مولانا پیر کرم شاہ صاحب الازہریؒ کے، کوئی بھی مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کا ''معاصر'' نہیں کہا جاسکتا۔ اگر تو ''معاصرت'' کا معنی ایک ہی زمانہ میں کچھ لوگوں کا دنیا میں جینا ہے تو پھر تو ''معاصرت'' کی تخصیص یا مفہوم تک ختم ہو جاتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ چند سطروں میں اس امر کی وضاحت کردی جائے کہ معاصر کی حقیقی تعریف کیا ہے؟ اور کن کن شخصیات پر ''معاصرین'' کا اطلاق کیا جاسکتا ہے؟ مولانا محمد اسحق بھٹی لکھتے ہیں:

> ''لفظ ''معاصر'' کے لغوی معنی ہیں ہم زمانہ، ہم عہد اور ہم عصر! معاصرین اس کی جمع ہے جو لوگ ایک زمانے اور ایک عہد میں رہ رہے ہوں وہ لغوی اعتبار سے معاصرین کہلاتے ہیں، لیکن اصطلاحی اعتبار سے اس میں کسی نہ کسی صورت میں برابری یا مماثلت کی صفت کا پایا جانا ضروری ہے۔ دو عالم، دو مصنف، دو ادیب، دو شاعر، دو سیاست دان، دو مقرر، دو فن کار، دو مدرس، دو کھلاڑی، دو پہلوان جو مرتبے، عمر، قابلیت یا تجربے اور طاقت میں پورا یا قریب قریب برابر کا درجہ رکھتے ہوں، معاصر کہلائیں گے۔ ایک عہد اور ایک زمانے کے ہر شخص کو معاصر نہیں کہا جائے گا۔ شاگرد اور استاذ ایک ہی زمانے سے تعلق رکھتے ہیں، لیکن انہیں معنیٔ متعارف میں معاصر نہیں کہا جائے گا۔ مرشد اور مسترشد ایک ہی عہد میں زندگی بسر کرتے ہیں مگر لغت مصطلحہ کی رُو سے وہ معاصر نہیں ہیں۔ حاکم اور محکوم کا دور ایک ہے لیکن ان پر معاصر کی اصطلاح کا اطلاق نہیں ہوگا۔ افسر اور چپڑاسی ایک ہی جگہ رہتے اور ایک ہی دفتر میں کام کرتے ہیں، مگر وہ اس مفہوم میں معاصر نہیں ہیں، جس مفہوم کو یہ لفظ ظاہر کرتا ہے۔ باپ بیٹا ایک ہی وقت میں ایک ہی گھر

میں سکونت پذیر ہیں، لیکن اس کے باوجود ان پر معاصر کی اصطلاح لاگو نہیں ہوگی۔ فوج کا جرنیل اور سپاہی بہ یک وقت ایک ہی جگہ خدمات انجام دیتے ہیں اور دونوں اسلحہ بردار ہیں مگر ان کے مقام و مرتبے کا فرق انہیں باہم معاصر قرار نہیں دیتا۔ ان حضرات کا آپس میں استاذ اور شاگرد کا تعلق ہے، حاکم اور محکوم کا علاقہ ہے، باپ اور بیٹے کا رشتہ ہے، پیری اور مریدی کا معاملہ ہے، افسری اور ماتحتی کا سلسلہ ہے، معاصرت کا ہرگز نہیں ہے۔ عمر، مرتبے اور درجے کو ملحوظِ خاطر رکھے بغیر کسی کو کھینچ کر کسی کا علمی اصطلاح میں معاصر بنا دینا قطعاً قرینِ صحت اور ہم رنگِ حقیقت نہیں بعض حضرات اس ضمن میں اتنے فراخ حوصلہ واقع ہوئے ہیں کہ ان بزرگوں کو بھی معاصر بنا دیتے ہیں، جنہوں نے کبھی ایک دوسرے کو دیکھا اور سنا بھی نہیں ہوتا اور وہ کسی معاملے میں ایک دوسرے کے ہم مرتبہ بھی نہیں ہوتے۔'' ❶

''معاصر'' کی مذکورہ تعریف کے بعد اب ہم مولانا محمد نافع ؒ کے چند اُن معاصرین کے مختصر احوال درج کرتے ہیں جو علم و فضل، کمال و معرفت، تصنیف و تالیف، مناظرہ و مباحثہ، زہد و تقویٰ اور فکر و نظر کے اعتبار سے مولانا محمد نافع ؒ کے ساتھ ایک مضبوط و مربوط فکری مماثلت و مناسبت رکھتے ہیں۔ کیونکہ کسی بھی شخصیت کو پرکھنے، جانچنے، سمجھنے اور اس کے مرتبہ کمال کی گہرائی و اونچائی کا اندازہ لگانے کا ایک اہم پیمانہ اُس کے ''معاصرین'' بھی ہوتے ہیں۔ اس کی ابتداء اور انتہاء دو اہم شخصیات پر ہوگی تا کہ از اول تا آخر قارئین اللہ تعالیٰ کے مخلص و برگزیدہ بندوں سے اپنی محبت و عقیدت کا ذائقہ برقرار رکھ سکیں۔

## (۱) مولانا محمد ذاکر ؒ

مولانا محمد نافع ؒ کے بڑے بھائی تھے، آپ ؒ کی ولادت ۱۹۰۳ء میں ہوئی۔ اور حضرت خواجہ محمد الدین سیالویؒ (متوفی ۲۰، جولائی ۱۹۰۹ء) نے آپ کا نام نامی ''محمد ذاکر'' تجویز فرمایا تھا۔ قرآن مجید کی تعلیم کی ابتداء اپنے جد امجد سے اور تکمیل قبلہ والد گرامی ؒ سے کی۔ بعد ازاں اپنے زمانہ کے معروف متبحر عالم دین مولانا سلطان محمود ؒ چنیوٹی سے صَرف و نحو کی کتب پڑھیں۔ پھر دار العلوم نعمانیہ ملتان میں داخلہ لیا، جامعہ عباسیہ بہاولپور میں بھی زیر تعلیم رہے۔ ان مکاتب میں منقولات و معقولات کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد دار العلوم ضیاء شمس الاسلام سیال شریف میں بھی کسبِ فیض کرتے رہے۔ بالآخر اپریل ۱۹۲۶ء میں دار العلوم دیوبند پہنچے اور امام العصر علامہ سید انور شاہ کاشمیریؒ سے دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی۔ رسمی تعلیم سے فراغت پانے کے بعد اپنے آبائی گاؤں محمدی شریف میں جامعہ محمدی کی بنیاد رکھی۔ اور تعلیمی و علمی خدمات کے ساتھ ساتھ ضلع جھنگ جیسے مخصوص ماحول میں مذہبی سیاست کی بنیاد رکھی۔ آپؒ نے ۱۹۵۲ء میں پہلا

---

❶ مولانا محمد اسحٰق بھٹی / تذکرہ قاضی محمد سلیمان منصوری / صفحہ نمبر ۱۸۳ / مطبوعہ المکتبۃ السلفیہ، شیش محل روڈ۔ لاہور

الیکشن لڑا اور ممبر قومی اسمبلی منتخب ہوئے۔ چنانچہ مولانا خواجہ قمر الدین سیالویؒ کا تذکرہ لکھتے ہوئے مولانا حکیم عطاء محمد قریشی رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۷۹ء) رقم طراز ہیں:

''۱۹۵۱ء، ۵۲ء میں جب مسلم لیگ پر بڑے بڑے لوگوں کا قبضہ دیکھا اور یہ معلوم ہوا کہ ضلع جھنگ کے اکابر نے جو شیعہ مذہب سے منسلک تھے، یہ خبر اڑا دی کہ جھنگ میں شیعہ مسلک کے مہاجرین کو بہ تعدادِ کثیر آباد کیا جا رہا ہے اور ضلع جھنگ کو شیعہ اسٹیٹ بنایا جا رہا ہے تو اس وقت لیگ سے علیحدہ ہو گئے۔ کیوں کہ ہائی کمان لیگ نے نمائندگی کا ٹکٹ صرف شیعہ اکابر کو دے دیا تھا اور اپنے ایک خلیفہ مولوی محمد ذاکر صاحب کو الیکشن لڑنے کا حکم دے دیا بلکہ سنیوں نے ہر ہر سیٹ پر اپنے نمائندے کھڑے کر دیئے۔ مولوی محمد ذاکر صاحب تو جیت گئے بلکہ دوسری سیٹوں پر بھی جیتنے کے لئے ارباب اقتدار کو کئی جتن کرنا پڑے اور یہ زمانہ نواب زادہ لیاقت علی خاں کی وزارتِ عظمیٰ کا تھا۔ دھونس دھاندلی اور جھرلو کی بنیاد انہی کے دور میں رکھی گئی، جس کی تکمیل بھٹو کی وزارت میں ہوئی مگر کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس بدنصیب ملک کے دن کب بھلے آئیں گے۔''

ایک اور مقام پر سیاسی وفد کے ساتھ گفت وشنید کے احوال میں لکھتے ہیں:

''مولانا محمد ذاکر صاحب کو پہلے سے ایک شکوہ تھا کہ رؤسائے جھنگ جن کی اکثریت شیعہ فرقہ سے متعلق ہے اور یہ لوگ ارادہ رکھتے ہیں کہ ضلع جھنگ کو شیعہ اسٹیٹ بنائیں اور اسی بناء پر مہاجرین بھی اسی خیال و عقیدہ کے چن چن کر بسائے جا رہے ہیں۔ اِدھر قادیانیوں نے بھی ربوہ پہ اپنے متنبی مرزا غلام احمد کی نبوت کا جھنڈا گاڑ دیا۔ مولوی صاحب کو اپنے مذہب سے شیفتگی کی حد تک وابستگی تھی، وفد سے سوال کیا کہ ضلع جھنگ سے ہمیشہ اہل شیعہ ہی کونسل کے ممبر چنے جاتے ہیں۔ کسی سنی کو بھی موقع ملنا چاہیے۔ مہر محمد عارف نے جوب دیا کہ مولوی صاحب شیعہ وسُنی کا تو کوئی سوال نہیں، یہاں تو قابلیت کام دیتی ہے تو مولوی صاحب نے فرمایا کہ گویا ہمارے جھنگ کی سرزمین میں کوئی سنی اس قابل نہیں کہ کونسل میں جاسکے؟ یہ بات تو یہاں پر ختم ہوگئی مگر یہ بجلی کا کڑکا تھا یا کیا تھا کہ سارے جھنگ کے در و دیوار گونج اٹھے اور شیعہ، سنی سوال پیدا ہوگیا اور آنے والے ۱۹۵۲ء کے انتخاب نے ضلع جھنگ میں ایک اور رنگ پیدا کر دیا، ہر ہر سیٹ پر مسلم لیگ کے ٹکٹ بنے اور اتفاق سے ہر ٹکٹ کا حامل شیعہ رئیس تھا اور ہر ایک کے مقابلے میں ایک سنی کھڑا ہوگیا۔'' [1]

دوسری بار ۱۹۷۱ء کے الیکشن میں جبکہ آپ بسترِ علالت پر تھے اور ہاتھوں پہ رعشہ طاری تھا، آپ پھر

[1] مولانا حکیم عطاء محمد قریشیؒ / یادِ ایام، صفحہ نمبر ۵۳ و ص ۲۰۳ / مطبوعہ ثنائی پریس سرگودھا، باہتمام ڈاکٹر محمد عبداللہ شاہ ہاشمی۔

قومی اسمبلی کا الیکشن جیت گئے اور تادم آخر ضلع جھنگ میں اسلامی وشرعی بنیادوں پر دین وملت کی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ مولانا محمد ذاکرؒ کی وفات ۲۵، نومبر ۱۹۷۶ء بروز جمعرات کو ہوئی۔ اور آبائی قصبہ محمدی شریف میں تدفین عمل میں آئی۔

## (۲) حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ

مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے معاصرین میں فکری مطابقت ومماثلت رکھنے والی ایک اہم شخصیت سیدی و مرشدی حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ (خلیفہ مجاز شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ) کی بھی ہے جن کی پوری زندگی دفاعِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے محاذ پر صَرف ہوئی۔ آپؒ پنجاب کے معروف شہر چکوال میں ایک تاریخی قصبہ ''بھیں'' کے اندر ۱۹۱۴ء میں پیدا ہوئے۔ آپ رحمہ اللہ کے والد گرامی ابوالفضل مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیرؒ (متوفی ۱۹۴۶ء) اپنے زمانہ کے کامیاب مناظر، مصنف، شاعر اور دبنگ عالم دین تھے، رَدّ رفض پہ مولانا دبیرؒ کی شہرۂ آفاق کتاب ''آفتاب ہدایت'' اور تردید مرزائیت پہ ''تازیانۂ عبرت'' ہے۔ کاتب السطور نے مولانا دبیر رحمہ اللہ کے احوال وآثار پر دو جلدوں پر مشتمل کتاب تصنیف کی ہے جو زیور طباعت سے آراستہ ہوکر اہل تحقیق کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہے۔ مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کو بھی دفاعِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا جذبہ وراثت میں ملا تھا، آپؒ نے ۱۹۳۹ء میں دارالعلوم دیوبند سے دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی، اور پھر خدمتِ دین اسلام کے لئے اپنے آپ کو ہمہ تن مصروف کردیا۔ آپ رحمہ اللہ کو شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے خلعت خلافت سے بھی نوازا، مذہب اہل سنت کی توضیح وتشریح کے حوالہ سے آپؒ کی ذات ایک اتھارٹی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اپنے ضلع چکوال کی ایک ایک بستی میں جاکر سنی مسلمانوں کو بیدار کیا، خلافتِ راشدہ کا شرعی مسئلہ سمجھانے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو منفرد لہجہ وجذبہ نصیب فرمایا تھا۔ آپ رحمہ اللہ نے ۱۹۶۹ء میں تحریک خدام اہل سنت کی بنیاد رکھی، ماہ نامہ ''حق چار یار'' کے نام سے ۱۹۸۸ء میں ایک پرچہ جاری کیا۔ جو پورے تسلسل کے ساتھ آج بھی اپنے جلوے دکھا رہا ہے۔ ماہ نامہ ''حق چار یار'' کے فائل عظمتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا جذبہ رکھنے والوں کے لئے ایک بہترین علمی ذخیرہ ہیں۔ آپؒ گرم مؤقف مگر نرم لب ولہجے میں گفتگو فرماتے تھے، اور شیعیت کو کسی بھی اسلامی یا سیاسی اتحاد میں شامل کرنے کے سخت مخالف تھے۔ چنانچہ جن دنوں جمعیت علماء اسلام (مولانا سمیع الحق گروپ) نے ''شریعت بل'' پاس کروانے کی تحریک چلائی تھی تو آپ رحمہ اللہ اپنے ایک مکتوب میں جمعیت کی اس وقت کی ایک متحرک اور

معروف شخصیت کے نام لکھتے ہیں:

''پاکستان میں شیعہ فقہ جعفری کو فقہ حنفی کے مساوی حق دلوانا چاہتے ہیں اور اس مقصد کے حصول کے لئے موسوی گروہ نے ۸،۷ ماہ گرفتاریوں کی تحریک چلائی تھی اور عارف حسینی گروپ نے کوئٹہ میں ۶، جولائی کو باغیانہ اقدام کیا تھا۔ شیعہ مذہب، اسلام کے خلاف یہودی سازش کے تحت ایجاد کیا گیا ہے، بُغضِ صحابہ رضی اللہ عنہم ان کی بنیاد ہے۔ جس کی وجہ سے وہ تحریف قرآن کے قائل ہوئے ہیں بلکہ کلمہ اور اذان میں ''علي ولي الله وصي رسول الله وخليفته بلا فصل'' کا اضافہ کردیا ہے، تقیہ بھی ان کا وقتی ہتھیار ہے۔ اکثر علماء شیعیت کی تاریخ سے ناواقف ہیں اور اب تو شیعہ خمینی قیادت میں ایک عالمی خطرناک طاقت بن چکے ہیں۔ آپ حضرات ابھی تک اس غلط فہمی میں ہیں کہ رواداری سے وہ غالباً بُغضِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور مخالفتِ اہل سنت والجماعت کا مشن ترک کردیں گے یا ان کا مذہب کمزور ہو جائے گا؟ ''ایں خیال است ومحال است وجنوں''۔ عقائد کے لحاظ سے بھی روافض قادیانیوں سے بدتر کافر ہیں، اور وہ پاکستان میں جس طرح منظم و مسلح ہیں اور بیرونی اسلام دشمن طاقتیں ان کی پشت پناہی کر رہی ہیں، اہل سنت کی عمومی غفلت اور بزدلی کی وجہ سے پاکستان میں ان کا تسلط کچھ مشکل نہیں (خدانخواستہ) ضیاء حکومت بھی مارشل لاء کے باوجود ان کی قوت کے پیشِ نظر مرعوب ہے، ملک میں سنی مسلمان کی بحیثیت سنی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ایم آر ڈی کے جلوسوں میں بھی نفاذ فقہ جعفری کے بینر لگائے جاتے رہے ہیں، جمعیت کا دوسرا دھڑا تو ایم آر ڈی کے سایۂ میں اسلام ڈھونڈ رہا ہے، آپ کے دھڑے کی بھی کوئی حالت نہیں، مودودی جماعت بھی شیعوں سے مل کر انقلاب لانا چاہتی ہے۔ جب تک خلافتِ راشدہ کی بنیاد پر مستقل محنت نہ ہوگی، مروّجہ سیاست سے کوئی مقصد حاصل نہ ہوسکے گا۔ اور کیا لکھوں؟''[1]

اس ایک خط سے آپ رحمہ اللہ کی ایمانی غیرت، مسلکی تصلُّب اور محبتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کو مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے تحقیقی منہج اور فکری تطہیر پر پُورا اعتماد تھا، جس کا جائزہ طرفین کے خطوط پڑھ کر کیا جاسکے گا، آپ رحمہ اللہ نے بھی اپنی قلمی صلاحیتوں سے بھی بھرپور فائدہ اٹھا کر مذہب اہل سنت والجماعت کی خدمت کی، ردّ ماتم پر اردو زبان کی سب سے بڑی کتاب ''بشارت الدارين بالصبر على شهادةِ الحُسين رضي الله عنه'' آپ ہی کی تصنیف ہے، علاوہ ازیں دو ضخیم جلدوں میں ''خارجی فتنہ، کشفِ خارجیت، سنی مذہب حق ہے، دفاع حضرت معاویہؓ، صحابہ کرامؓ اور پاکستان، علمی محاسبہ اور لاتعداد کتابچے، پمفلٹ، قراردادیں، نیز ماہ نامہ ''حق چار یار'' لاہور میں شائع

---

[1] مکتوب مولانا قاضی مظہر حسینؒ بنام مولانا زاہد الراشدی محررہ ۳ شعبان ۱۴۰۶ھ (مصنف کے پاس مکمل خط محفوظ ہے)۔

ہونے والے سینکڑوں مقالات یادگار چھوڑے ہیں۔ مولانا قاضی مظہر حسینؒ نے مورخہ ۲۶، جنوری ۲۰۰۴ء کو صبح پونے پانچ بجے انتقال فرمایا اور اپنے آبائی قصبہ "بھیں"، ضلع چکوال میں اپنے عظیم المرتبت والد گرامی ابوالفضل مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیرؒ کے پہلو میں آسودۂ خاک ہوئے۔ آپ کی یاد میں ماہ نامہ حق چار یار لاہور نے "قائدِ اہل سنت نمبر" نکالا تھا جو مارچ، اپریل ۲۰۰۵ء میں کم وبیش ۱۴۰۰ صفحات پر شائع ہوا۔

## (۴) مولانا احمد بخش ضیائی رحمہ اللہ

آپ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے قریبی رفقاء میں سے تھے اور شیعہ، سنی نزاعی مباحث میں بڑے محنتی مناظر اور عالم شمار ہوتے تھے۔ آپؒ ۱۹۰۸ء میں پیدا ہوئے اور مولانا حکیم عطاء محمد قریشیؒ کے ابتدائی شاگردوں میں سے تھے۔ مولانا قریشی مرحوم نے اپنی خودنوشت سوانح میں شاگردوں کا تذکرہ لکھتے ہوئے دوسرے نمبر پر آپ کا یوں ذکر کیا:

"ازعزیزانِ گرامی مولانا حافظ احمد بخش صاحب ہنجرا المتخلص بہ ضیائی نے بھی ابتدائی کتابیں توسط تک مجھ سے پڑھیں۔ باقی علم جامعہ عباسیہ بہاولپور سے حاصل کیا۔ اور علامہ کی سند حاصل کی، نہایت ذہین، محنتی اور متقی تھے، فارغ التحصیل ہونے کے بعد کئی سال تک سیال شریف کے مدرسہ میں پڑھایا اور مقرر بھی زبردست تھے اور مجھ سے والہانہ تعلق ومودت تھا، وہ حافظ برخوردار صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے تھے جو علاقہ بھوآنہ چدھڑ کی، تحصیل چنیوٹ کے پیرومرشد تھے۔ مولانا احمد بخش صاحب قریب کے سالوں میں جبکہ اپنے ایک رشتہ دار میاں اسلام الدین سکنہ چک منگوآنہ کی فاتحہ خوانی کے لیے ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے کہ حرکتِ قلب نے جواب دے دیا اور اسی حالت میں واصل باللہ ہوگئے۔ حافظ صاحبؒ نے اپنے پیچھے صرف ایک فرزند حافظ (غلام حسین) چھوڑا جو ایم اے اسلامیات ہے اور اپنے والد کے خصائل کا حامل ہے اور بوقتِ تحریر دیال سنگھ کالج لاہور کا لائبریرین ہے۔"[1]

مولانا احمد بخش ضیائی کی وفات مورخہ ۱۴، دسمبر ۱۹۷۴ء بمطابق یکم ذوالحجہ ۱۳۹۴ھ بروز شنبہ ہوئی اور حضرت حافظ برخوردار رحمہ اللہ کی بہشتی دروازہ والی مسجد کی جنوبی دیوار کے ساتھ آپ کی تدفین ہوئی۔[2]

مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی ۱۹۷۴ء تک ڈائریوں میں مولانا احمد بخش ضیائی کا جا بجا تذکرہ ملتا ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ وعظ وتبلیغ، تدریس وتصنیف، مناظرہ ومباحثہ اور دیگر خاندانی وذاتی معاملات میں یہ ایک، دوسرے کے گہرے رفیق تھے۔

---

1. مولانا حکیم عطاء محمد قریشیؒ / یادِ ایام، صفحہ نمبر ۸۲، طبع اول ثنائی پریس سرگودھا۔
2. حاجی مرید احمد چشتی / رفوز القال / مطبوعہ انجمن قمر الاسلام سلیمانیہ کراچی صفحہ نمبر ۱۲۸، جلد چہارم۔

## (۴) مولانا محمد خان اعوان رحمہ اللہ جہلمی

ابو الخالد مولانا محمد خان موضع دھرکنہ ضلع جہلم میں اعوان فیملی میں پیدا ہوئے۔ مختلف مدرسوں میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۴۸ء میں جامعہ محمدی شریف میں دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی، اس زمانہ میں یہاں مولانا عبدالمصطفیٰ الازہری بطور شیخ الحدیث مقیم تھے۔ مولانا محمد خان رحمہ اللہ فراغت کے بعد کچھ عرصہ تک بہ حیثیت مبلغ محمدی شریف میں ہے اور وعظ و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیتے رہے مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی ڈائریوں میں اکثر ان کا ذکر آتا رہا ہے۔ شعلہ بیان مقرر اور نہایت قابل و ذی استعداد کتابی مدرس تھے، آپ رحمہ اللہ نے عظمت و مدحِ صحابہ رضی اللہ عنہم پر چند ایک رسائل بھی لکھے، آپ کی وفات مورخہ ۱۶، فروری ۱۹۸۰ء بمطابق ۲۹ ربیع الاول ۱۴۰۰ھ کو سرگودھا کے قریب ایک ٹریفک حادثہ میں ہوئی۔

## (۵) مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری رحمہ اللہ

یکے از بانیانِ ''تنظیم اہل سنت'' مولانا سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ کے بھی مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے ساتھ گہرے مراسم تھے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے درجنوں خطوط مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے نام محفوظ ہیں جو مکاتیب کی جلد میں ملاحظہ کیے جاسکیں گے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ مورخہ ۱۰، جنوری ۱۹۱۱ء کو ضلع ڈیرہ غازی خان میں بستی سکھانے والا میں پیدا ہوئے۔ والد گرامی کا نام سید محمد شاہ رحمہ اللہ تھا۔ سکول کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد بطور ٹیچر ملازم بھرتی ہوئے کہ حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ کہیں تقریر کے سلسلہ میں تشریف لائے تو آپ کی ذہانت، فطانت اور قوت گویائی دیکھ کر بہت متاثر ہوئے اور شاہ صاحب رحمہ اللہ کو دینی علوم سیکھنے کی ترغیب دی (بعض امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کی طرف یہ بات منسوب کرتے ہیں) بہرحال آپ رحمہ اللہ جامعہ اسلامیہ، ڈابھیل میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے پاس جا پہنچے اور چند سالوں میں درس نظامی کی تمام ضروری کتب پڑھ کر دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی[1] ۱۹۴۳ء میں جب سردار احمد خان پتافی مرحوم نے ''تنظیم اہل سنت'' کی بنیاد رکھی تو سب سے پہلی نگاہ میں انہوں نے مولانا سید نور الحسن شاہ صاحب رحمہ اللہ کو بھانپ لیا اور پھر شاہ صاحب نے برصغیر کے چپے چپے پہ جا کر ''تنظیم اہل سنت'' کو متعارف کروایا اور اسی خدمت میں اپنی زندگی کی شام کردی۔ آپ بہترین صحافی اور مصنف بھی تھے۔ چنانچہ ۱۹۵۳ء میں سیفٹی ایکٹ کے تحت جب آپ پابندِ سلاسل

---

[1] دار العلوم دیوبند سے سند فراغت حاصل کرنے کی بھی ایک روایت مولانا عبدالرشید ارشد مرحوم نے اپنی کتاب ''بیس بڑے مسلمان'' میں درج کی ہے۔ جو غالباً مولانا نور الحسن شاہ بخاری رحمہ اللہ کے دستی مضمون سے نقل کی گئی ہے۔ اللہ اعلم۔ سلفی

کئے گئے تو ساہیوال اور لاہور جیل کی سلاخوں کے پیچھے بیٹھ کر ''الاصحاب فی الکتاب'' لکھی، اسی طرح ''کشف الحقائق'' عادلانہ دفاع ، نبیؑ و صدیقؓ، توحید اور شرک کی حقیقت، سیرۃ ذوالنورینؓ، حیات الاموات وغیرہ وغیرہ بھی آپ کی نہایت علمی و معلوماتی اور ضخیم کتابیں ہیں (اور بعض کتب میں چند تسامحات و تفردات بھی ہیں، جن کی نشاندہی مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کرتے رہتے تھے اور اس سوانح کی ''مکاتیب'' کی جلد میں مولانا عبدالحمید تونسوی کے نام ایک خط میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔ نیز شاہ صاحبؒ کے متشددانہ مزاج کے متعلق مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی رائے بھی دیکھی جاسکے گی)۔ مولانا سید نور الحسن شاہ صاحب رحمہ اللہ بخاری کی دعوت پر ہی مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے ''تنظیم اہل سنت'' میں شمولیت اختیار کی تھی اور جامعہ محمدی شریف میں دورۂ حدیث شریف کے پہلے سال (۱۹۴۹ء) میں شاہ صاحب رحمہ اللہ فضلاء کی دستار بندی کے لئے مہمانِ خصوصی کے طور پر تشریف لائے تھے۔ آپؒ نے ۴، جنوری ۱۹۸۴ء بمطابق ۳۰، ربیع الاول ۱۴۰۴ھ میں آپؒ نے انتقال فرمایا اور اگلے دن باغ لانگے خان، ملتان میں مولانا عبدالستار تونسویؒ کی امامت میں نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔

## (۶) مولانا دوست محمد قریشی رحمہ اللہ

حضرت علامہ دوست محمد قریشی رحمہ اللہ کی ذات گرامی دینی، تبلیغی، اور علمی حلقوں میں محتاجِ تعارف نہیں ہے۔ گزشتہ اوراق میں ''مناظرہ جھوک دایہ'' کی روداد میں آپ رحمہ اللہ کا تفصیلی تذکرہ آچکا ہے' مولانا محمد نافع رحمہ اللہ آپ کے تبحر علمی، انداز تقریر اور خصوصاً زہد و اتقاء سے بہت متاثر نظر آتے ہیں اور یہ تاثرات ڈائریوں اور خطوط میں جا بجا موجود ہیں۔ حافظ نور محمد انور مرحوم علامہ قریشی رحمہ اللہ کے متعلق لکھتے ہیں:

''آپ بے نظیر خطیب، شعلہ نوا مقرر اور بے مثال مناظر و محقق تھے، دار العلوم ڈابھیل سے فارغ التحصیل تھے۔ قدرت نے آپ کی زبان میں ایسی لچک پیدا کردی تھی کہ ساری ساری رات آپ تقریر کرتے رہتے مگر سامعین ذرا بھی اپنی جگہ سے نہ ہلتے اور بڑے شوق و ذوق سے آپ کی تقریر سنتے رہتے جب کسی مقام پر آپ کی تقریر کی منادی کی جاتی اور پوسٹر لگائے جاتے تو دُور دراز علاقوں اور بستیوں سے عقیدت مندوں کا ایک جم غفیر تقریر سننے کے لئے پلٹ آتا۔''[1]

مولانا دوست محمد قریشیؒ بھکر میں تقریر کے لئے تشریف لے گئے تھے واپسی پر اسٹیشن سے ٹکٹ لیا، ساتھ والی مسجد میں نماز عشاء با جماعت ادا کی اور اسٹیشن پہ آکر گاڑی کا انتظار کرنے لگے، اسی دوران اچانک دِل کا دورہ پڑا اور آپؒ کی روح عالم بالا کو پرواز کرگئی، مؤرخہ ۲۶، مئی ۱۹۷۴ء کو آپ کی وفات ہوئی، میت بھکر سے کوٹ اڈو لے جائی گئی اور وہاں پہ مولانا عبدالستار تونسویؒ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔

[1] حافظ نور محمد انور ر انوارِ سخن' مطبوعہ مکتبہ الفاروق لاہور۔ ۱۴۰۰ھ ر صفحہ ۲۰۵

## (۷) مولانا اللہ یار خان رحمہ اللہ چکڑالوی

دفاعِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے محاذ پر تقریروں، تحریروں اور مباحثوں کے ذریعہ آپ نے گرانقدر خدمات سرانجام دیں، بہت نڈر اور بے باک عالم دین تھے آپ ضلع میانوالی کے معروف اور تاریخی قصبہ ''چکڑالہ'' میں اعوان خاندان میں ۱۹۰۴ء کو پیدا ہوئے۔ چکوال کے موضع ''موہڑہ کور چشم'' اور جھنگ کے قصبہ ''لنگر مخدوم'' وغیرہ میں اپنے زمانہ کے معروف علماء سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد جامعہ امینیہ دہلی میں مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ سے دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی، آپ رحمہ اللہ نے دینی خدمات کے لیے ردِ رفض و بدعت کا میدان اختیار کیا اور تادمِ آخر اسی محاذ پر مصروف کار رہے۔ تصانیف میں سے ''تحذیر المسلمین عن کید الکاذبین'' ایمان بالقرآن، الدین الخالص، شکست اعداء حسین رضی اللہ عنہ اور ''حرمت متعہ'' وغیرہم معروف کتابیں ہیں جو آپ کے قلمِ گوہر بار کا نتیجہ ہیں۔ اس کے علاوہ مسئلہ سماع موتی پہ ''حیاتِ برزخیہ'' اور ''حیات النبی ﷺ اور مذاہب اربعہ'' بھی قابل قدر کتابیں ہیں۔ نیز تصوف پر ''دلائل السلوک'' قابل مطالعہ ہے۔ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی کتابوں کی آپ بہت قدر کرتے تھے اور اپنے حلقۂ اثر میں ان کی تشہیر کرتے تھے مؤرخہ ۱۸ فروری ۱۹۸۴ء بمطابق ۱۵، جمادی الاول ۱۴۰۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا اور اپنے آبائی علاقہ چکڑالہ میں مدفون ہوئے۔ ❶

## (۸) علامہ عبدالستار تونسوی رحمہ اللہ

مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے معاصرین میں سے علامہ تونسوی رحمہ اللہ کا نام بھی ہمیشہ اہل سنت کے دل و دماغ میں گونجتا رہے گا۔ آپ رحمہ اللہ کی ولادت ۱۸، مارچ ۱۹۲۶ء کو تونسہ شریف ضلع ڈیرہ غازی خان میں ہوئی۔ دارالعلوم دیوبند میں شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے دورۂ حدیث مکمل کیا اور بعد میں امام اہل سنت علامہ عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ سے تردید شیعیت میں مہارت تامہ حاصل کی، آپ ''تحریک تنظیمِ اہل سنت'' کی روحِ رواں رہے۔ فنِ مناظرہ میں آپ نے بڑی شہرت حاصل کی، جہیر الصوت، اور بے مثال قوتِ حافظہ کے مالک تھے؛ کتب شیعہ کے حصول کے لیے باقاعدہ ایران اور عراق کا سفر کیا اور حضرت خواجہ نظام الدین تونسوی رحمہ اللہ کے مدرسہ میں درجہ کتب کی اعلیٰ کتب کی تدریس بھی کرتے رہے۔ آپ کے حالاتِ زندگی پہ ایک کتاب آپ رحمہ اللہ کے نواسہ مولانا عبدالحمید تونسوی نے ''نقوشِ زندگی'' کے نام سے لکھی اور دوسری آپ

---

❶ حبیب الرحمن صدیقی / امامِ اولیاء، مطبوعہ ادارہ فلاحِ دارین، چوبرجی پارک، لاہور، صفحہ نمبر ۱۸۳۔

کے صاحبزادہ مولانا عبدالغفار تونسوی نے ''تذکرہ حضرت علامہ تونسویؒ'' کے نام سے ترتیب دی۔ مولانا عبدالستار تونسویؒ نے تبلیغی، تدریسی اور مناظرانہ خدمات کے ساتھ ساتھ چند علمی و تحقیقی رسائل بھی تصنیف کیے جن میں ''ازالة الشك عن مسئله فدك'' مناظرہ باگڑ سرگانہ، جنازۃ الرسول ﷺ شامل ہیں اور عربی میں ایک کتاب ''کشف الغوامض عن عقیدۃ الروافض'' بھی قابل مطالعہ ہے آپ نے ۲۱، دسمبر ۲۰۱۲ء کو انتقال فرمایا اور اپنے آبائی شہر تونسہ شریف میں آسودۂ خاک ہوئے۔

## (۹) سلطان العلماء علامہ ڈاکٹر خالد محمود

آپ دنیائے علم کی آبرو ہیں اور عظمتِ صحابہؓ کے بے لوث وکیل ہیں، حضرت علامہ صاحب کی پیدائش کوچۂ عمادالدین امرتسر میں ہوئی [1] اور راقم کے استفسار پہ آپ نے اپنا سن پیدائش ۱۹۲۵ء بتایا۔ آپ نے درس نظامی کی جملہ کتب صرف تین سال میں مکمل کرنے کے بعد ڈابھیل میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ سے دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی، حضرت علامہ صاحب کی طبیعت مناظرانہ ہے اور ظرافت کی لطیف شیرینی سے بھی مالا مال ہے۔ قادیانیوں، شیعوں، یہودی ربیوں اور عیسائی پادریوں سے کئی ایک مناظرے کر کے اسلام کی شان و شوکت کو آشکار کیا۔ آپ مرے کالج سیالکوٹ اور بعد ازاں ایم اے او کالج لاہور میں پروفیسر رہے، ۱۹۵۸ء کے زمانہ میں سنت نگر ابدالی روڈ لاہور میں اپنا ذاتی مکان خریدا، اور ''تحریک تنظیم اہل سنت'' کے پلیٹ فارم سے مدح صحابہ کے مشن میں منہمک ہوگئے۔ تنظیم کے زیر اہتمام شائع ہونے والے رسالہ ''دعوت'' کے آپ مدیر رہے بلکہ سہ روزہ ''دعوت'' کی بندش کے بعد ہفت روزہ اور بعد ازاں پندرہ روزہ ''دعوت'' کا اجراء ثانی آپ ہی نے کیا تھا۔ ۱۹۶۶ء میں آپ مستقل طور پر انگلینڈ منتقل ہوگئے۔ اور ہر سال تین مہینوں کے لیے پاکستان تشریف لاتے ہیں۔ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے آپ کے ساتھ بہت قریبی مراسم رہے اور آپؒ اپنی کتابوں پر تقریظ لکھوانے کے لئے ہمیشہ علامہ خالد محمود صاحب کا انتخاب کیا۔ تبلیغی جدوجہد کے حوالہ سے بھی مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی ڈائریوں میں آپ کا ذکر خیر جگہ جگہ لکھا نظر آتا ہے۔ علامہ صاحب کے علم افروز قلم سے کئی شاہکار کتب جلوہ گر ہو چکی ہیں جن میں آثار التنزیل (۲ مجلدات) آثار الحدیث (۲ مجلدات) آثار الاحسان (۲ مجلدات) آثار التشریع (۲ مجلدات) مطالعہ بریلویت (۸ مجلدات)، خلفاء

---

[1] حضرت علامہ صاحب خود تحریر کرتے ہیں ''۱۸۶۶ء میں پادری رابرٹ کلارک نے امرتسر میں ایک نام نہاد مولوی عمادالدین کو عیسائی کیا، اسے جو زمین ملی وہ اب تک کوچہ پادری عمادالدین کے نام سے موسوم ہے، راقم الحروف امرتسر کے اسی کوچہ کا رہنے والا ہے۔ (کتاب الاستفسارات (مقدمہ) صفحہ نمبر ۴۲ مطبوعہ دار المعارف، لاہور)

راشدین (۲ مجلدات) عبقات، تجلیات آفتاب، مقام حیات اور دیگر چھوٹی بڑی لاتعداد علمی کتابیں و رسائل شامل ہیں۔ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ حضرت علامہ صاحب کو نہایت ذہین وفطین اور عبقری صفت عالم دین قرار دیتے تھے۔ انگلینڈ میں فون پہ راقم نے احوال پُرسی کی تو علامہ صاحب نے فرمایا آج کل علیل ہوں، اس وقت آپ کی عمر نوے سال کو پہنچ چکی ہے۔ مگر حافظہ اور بینائی آج بھی قابل رشک ہے۔ کتابوں کے نام اور حوالہ جات ازبر ہیں۔ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی کتب خصوصاً بناتِ اربعہ، حدیث ثقلین اور فوائد نافعہ پر حضرت علامہ صاحب کی تقاریظ پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔

## (۱۰) مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمہ اللہ

مولانا منظور احمد رحمہ اللہ چنیوٹی مورخہ ۳۱، دسمبر ۱۹۳۱ء میں جنجوعہ راجپوت برادری مین پیدا ہوئے آپ نے مولانا دوست محمد ساقی رحمہ اللہ فاضل دیوبند سے زیادہ تر کتب پڑھیں اور ۱۹۴۹ء میں جامعہ خیر المدارس چلے گئے۔ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ سے کسب فیض کرنے کے بعد ٹنڈو اللہ یار (سندھ) میں مولانا عبدالرحمن کیملپوری رحمہ اللہ سے دورہ حدیث شریف کی تکمیل کی۔ اس کے علاوہ مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ، اور مولانا عبدالرشید نعمانی رحمہ اللہ بھی آپ کے اساتذہ میں سے ہیں۔ تحفظ ختم نبوت کے محاذ پر ایسے استقلال اور استقامت کے ساتھ کام کیا کہ آپ کی ذات اور تحفظِ ختم نبوت لازم وملزوم ہوکر رہ گئے۔ تردیدِ رفض پر بھی علامہ احمد شاہ چوکیروی رحمہ اللہ کے مدرسہ دارالہدیٰ میں دوران تدریس اُن سے بھرپور استفادہ کیا۔ آپ نے دنیا کے بیشتر ممالک میں جاکر فریضۂ تبلیغ ادا کیا اور فتنہ مرزائیت کا استیصال کرنے میں اپنی زندگی کی ایک ایک سانس وقف کیے رکھی۔ مورخہ ۲۷ جون ۲۰۰۴ء کو آپ نے انتقال فرمایا، لاہور میں حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحبؒ نے اور چنیوٹ میں مولانا ناصر الدین خاکوانی نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور قبرستان پیر حافظ یعقوب میں تدفین عمل میں آئی۔ آپ کی سوانح حیات ''حیاتِ سفیر ختم نبوت'' کے نام سے مولانا مشتاق احمد چنیوٹی مرحوم نے لکھی ہے۔ ۱۹۵۳ء میں جب قادیانیوں کے خلاف ملک گیر تحریک چلی تو اس میں مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمہ اللہ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے ساتھ بورسٹل جیل لاہور میں کم وبیش تین ماہ تک پابندِ سلاسل رہے۔ اور اپنی بھرپور تحریکی زندگی میں مولانا چنیوٹی رحمہ اللہ حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی آراء ومشاورت کی روشنی میں قدم آگے بڑھاتے رہے۔

## (۱۱) مولانا خواجہ قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ

آپ رحمہ اللہ کھوکھر سیال برادری میں ۱۴، جولائی ۱۹۰۶ء میں سیال شریف ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے آپ حضرت خواجہ ضیاء الدین سیالویؒ کے صاحبزادہ اور شمس العارفین حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمہ اللہ کے پڑپوتے تھے، معرفت واحسان اور تصوف وسلوک کا ذوق آپ کو اپنے خاندان سے ودیعت ہوا۔ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے خاندان کا خاندانِ سیال شریف سے گہرا تعلق رہا ہے اور ردِ رفض و بدعت کی فکری مماثلت کی وجہ سے حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ کا مولانا محمد نافع رحمہ اللہ سے قریبی تعلق رہا۔ ۱۹۵۶ء کے مناظرہ جھوک دایہ کے انعقاد میں خواجہ صاحب کی از اول تا آخر مولانا محمد نافع رحمہ اللہ سے مشاورت رہی۔ جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ حضرت خواجہ صاحب ناموسِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے حوالہ سے بہت حساس طبع بزرگ تھے اور اس سلسلہ میں ایک کتاب ''مذہب شیعہ'' بھی سپردِ قلم فرمائی تھی۔ ابوالفضل مولانا قاضی محمد کرم الدین صاحب دبیر رحمہ اللہ (والد گرامی حضرتِ اقدس مولانا قاضی مظہر حسین رضی اللہ عنہ) نے ایک جگہ لکھا ہے کہ:

> ''حضرت اقدس مولانا خواجہ محمد قمر الدین صاحب عم فیوضہ کو بھی اس فتنہ کے استیصال کی طرف توجہ ہے۔ چنانچہ آپ نے حکم دے رکھا ہے کہ کوئی رافضی بے دین اس مقدس بارگاہ (سیال شریف) کے پاس تک پھٹکنے نہ پائے اور آپ کے فرمانِ خاص سے تکفیر روافض کا ایک فتویٰ بھی مرتب کیا گیا ہے، جس پر بہت سے ثقہ علماء وفضلاء کی مواہیر و دستخط ثبت ہیں۔ ایزد متعال آپ کی عمر و اقبال میں وسعت بخشے اور بحکم ''الولد سر لابیہ'' آپ کا وجودِ مسعود اپنے والد ماجد اور اجداد امجاد کی طرح اسلام و مسلمین کے لیے ابرِ رحمت ثابت ہو۔ آمین ثم آمین'' [1]

حضرت خواجہ صاحب ایک معتدل المزاج عالم دین اور سنجیدہ ومتین مذہبی راہنماء تھے، ان کی اعتدال پسند طبیعت کے حوالہ سے آئندہ سطور میں کچھ واقعات آرہے ہیں، اور بعض لوگوں نے پُرتشدد و تنفر باتیں جو آپ سے منسوب کر رکھی ہیں، وہ بالکل خلافِ حقیقت ہیں۔ ۱۹۸۰ء میں ایک ٹریفک حادثہ کے نتیجہ میں آپؒ کی شہادت ہوئی۔

---

[1] مولانا محمد کرم الدین دبیرؒ / ہدیۃ الاصفیاء فی مسئلہ سماع الصلحاء / مطبوعہ مسلم پرنٹنگ پریس لاہور / صفحہ نمبر ۳۔

## (۱۲) مولانا قطبُ الدین رحمہ اللہ جھنگوی

مولانا حکیم قطب الدین (متوفی ۱۹۵۹ء) کو اگرچہ زمانی اعتبار سے مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کا معاصر نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن باہمی روابط، فکری تطہیر، علمی معیار، سادگیٔ طبع اور دفاعِ صحابہ کرام جیسی مماثلت کی بناء پر ان کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ مولانا حکیم قطبُ الدین رحمہ اللہ اپنے زمانہ کے مایۂ ناز مناظر، مُصنِّف اور ذی استعداد مدرس تھے۔ آپ کی ولادت موضع ''پیر کوٹ''، متصل شور کوٹ ضلع جھنگ میں مولانا احمد بخش رحمہ اللہ کے ہاں ہوئی تھی۔ سنِ ولادت راقم کو فی الحال معلوم نہ ہوسکا، تاہم قرینِ قیاس یہ ہے کہ ۱۸۹۰ء کے لگ بھگ آپ پیدا ہوئے ہوں گے کیونکہ ۱۹۱۵ء میں آپ علوم وفنون اور فقہ و حدیث کی تعلیم مکمل کرنے کے ساتھ ساتھ طب و جراحت کی سند بھی ''طبیہ کالج دھلی'' سے حاصل کرچکے تھے۔ آپ نے ''چک نمبر ۲۴۲ جوتیاں والا ضلع جھنگ کو اپنا مسکن بنایا اور ضلع جھنگ میں دفاعِ صحابہ رضی اللہ عنہم و تردید رفض و بدعت میں مثالی کردار ادا کیا۔ اب مذکورہ چک جُوتیاں والا'' قطب آباد'' کہلاتا ہے۔ آپؒ نے علومِ صَرف ونحو مولانا جمال الدین رحمہ اللہ سے ''گھوٹہ ضلع ملتان'' میں مکمل کیے۔ اور بقیہ علوم مولانا غلام حسین قریشی تیتری والوں (مظفر گڑھ) سے حاصل کرنے کے بعد طب کی طرف متوجہ ہوئے اور ماہر و حاذق حکیم کے طور پہ مشہور ہوئے۔ مولانا قطبُ الدین رحمہ اللہ نے آریاؤں، عیسائیوں اور ہندوؤں سمیت روافض سے کامیاب مناظرے کیے۔ کہا جاتا ہے کہ ''تقلید شخصی'' کے موضوع پر موضع ''بدوآنہ'' ضلع جھنگ میں مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ سے بھی آپ کا مناظرہ ہوا تھا۔ ❶ مگر مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے سوانح میں جو'' مناظرہ بدوآنہ'' کی رُوداد لکھی گئی ہے۔ اس میں مولانا قطب الدین رحمہ اللہ کا ذکر کہیں نہیں ہے۔ ❷

غالباً یہ سوانح نگار مولانا عبدالمجید سوہدروی کا تسامُح ہے، ورنہ مناظرہ ''بدوآنہ'' (منعقدہ ۵، اکتوبر ۱۹۲۰ء) میں مولانا قطب الدین رحمہ اللہ نے ہی مولانا امرتسری رحمہ اللہ کے ساتھ مباحثہ کیا تھا۔ اس کے علاوہ اہل تشیع کے ساتھ تو آپ کے تحریری اور تقریری مناظروں نے اس زمانہ میں اک دھوم مچا رکھی تھی۔ چنانچہ ان میں سے ایک مناظرہ ''چک روڈو کے چدھڑ'' ضلع جھنگ میں ۱۲، اکتوبر ۱۹۲۵ء کو ہوا تھا۔ اس

---

❶ مولانا عبدالحکیم شرف قادری/ تذکرہ علماء اہل سنت/ مطبوعہ لاہور/ صفحہ نمبر ۴۰۲

❷ مولانا عبدالمجید خادم سوہدروی/ سیرۃِ ثنائی/ مطبوعہ ۱۹۸۹ء، مسلم پبلی کیشنز لاہور/ صفحہ نمبر ۴۳۲

میں شیعوں کی جانب سے مولوی فیض محمد کھیالوی (متوفی ۱۹۴۹ء) بطور مناظر اور مولانا قطب الدین رحمہ اللہ جھنگوی (متوفی ۱۹۵۹ء) اہل سنت کی جانب سے مناظر تھے۔ اس مناظرہ کی روداد اہل سنت اور اہل تشیع نے اُسی زمانہ میں شائع کردی تھی۔ دونوں رودادیں پڑھنے سے ایک غیر جانبدار اور انصاف پسند آدمی فوراً نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ مذکورہ مناظرہ میں مولوی فیض محمد صاحب کھیالوی کو کتنی شرمندگی اٹھانا پڑی تھی۔ ذلیل اور شکست خوردہ ہمیشہ گالیاں نکال کر ہی اپنی بھڑاس اور سڑاند نکالتا ہے۔ چنانچہ اہل تشیع کی روداد جو اکبر شاہ شیرازی اور ڈاکٹر نور حسین جھنگوی وغیرہ نے لکھی تھی اور ۱۹۲۵ء میں ''انجمن تذکرۃ المعصومین جھنگ'' نے شائع کروائی تھی، میں سطر بہ سطر حضور اقدس ﷺ تک کی اتنی گھناؤنی توہین کی گئی ہے کہ ایک مسلمان سر پیٹ کر رہ جاتا ہے، بہرحال مولوی فیض محمد کھیالوی تو اپنے اس جرم کی سزا مسلسل بھگت رہے ہوں گے (اعوذ معاذ اللہ العظیم)۔ افسوسناک امر یہ ہے کہ اب ''دار التبلیغ الشیعہ' کھیال ضلع چکوال'' نے پھر اُس روداد کو شائع کر کے اپنے کفریہ جرم کا اعادہ و اقرار کرلیا ہے۔ بلکہ اس نئے اڈیشن کا حاشیہ نگار مولانا کھیالوی سے بھی بڑھ کر بازاری اور گندی زبان استعمال کرتا نظر آتا ہے۔ اہل سنت کی طرف سے مذکورہ مناظرہ کی کاروائی ''مذہبی مباحثہ معروف بہ فتوحاتِ خمسہ'' کے نام سے شائع کروائی گئی تھی، جسے ابو محمد سعید حکیم مولوی محمد یار مرحوم نے قلمبند کر کے ''الیکٹرک ابو العلائی پریس آگرہ'' سے چھپوایا تھا۔ اس کے ٹائٹل پہ یہ عبارت درج ہے:

> ''لقمان الحکمۃ والدین، قامع البدعۃ والملحدین، سید الواعظین والمناظرین جناب مولانا مولوی محمد قطب الدین صاحب سند و تمغہ یافتہ طبیہ کالج دہلی نے سمجھدار مسلمانوں پر روزِ روشن کی طرح ظاہر کردیا ہے کہ علماء شیعہ در حقیقت عالم نہیں ہوتے، صرف ذاکر ہی ذاکر اور خوش آواز گویے ہوتے ہیں۔ قرآن و حدیث سے ناواقفِ محض اور سُرتار کے استاد ہوتے ہیں۔''

بہرحال شیعہ و سنی کے مابین پانچ اختلافی مسائل پہ یہ مباحثہ ہوا اور مولانا قطب الدینؒ نے شیعہ علماء کی نالائقی اور خلافِ اسلام عقائد ثابت کر کے تگنی کا ناچ نچا دیا تھا۔ اور مولانا فیض محمد صاحب کھیالوی نے ''کھسیانی بلی کھمبا نوچے'' کے مصداق اپنی نگرانی میں تیار کردہ روداد میں صحابہ کرامؓ، ازواجِ مطہراتؓ اور امام الانبیاء ﷺ کی شانِ اقدس میں بدزبانی درج کروا کر اپنی آخرت برباد کی۔

یاد رہے کہ ۱۹۲۵ء میں ہونے والے اس مناظرہ سے کچھ ہی سال پہلے مولانا قطب الدین رحمہ اللہ نے تکفیرِ روافض پر ایک مستقل کتاب ''فیصلہ شرعیہ'' کے نام سے شائع کروائی تھی۔ اس میں آپؒ ایک

مقام پر لکھتے ہیں:

''موجودہ زمانہ کے شیعوں کی روش اپنے متقدمین مجتہدین کے عین مطابق اور اپنی مذہبی کتابوں کے بالکل موافق ہے۔ جیسے اس زمانہ کے رافضی قواطعاتِ معروفہ کے منکر ہیں، ٹھیک اس طرح ان کے گزشتہ مجتہدین اور مذہبی کتابوں کے مصنف اور مولف بھی قواطعاتِ معروفہ کے منکر ہیں، ضروریاتِ دین سے انکاری ہیں، احکامِ منصوصہ کے اعتقاداً معاند و مخالف ہیں، وہ باتفاق تمام فقہاء حنفیہ کافر ہیں، ان بعض احناف نے بھی جو (پھونک پھونک کر قدم رکھتے اور حتی الوسع سنّی رافضیوں کی تکفیر سے احتراز کرتے ہیں) ایسے رافضیوں کو کافر لکھا ہے۔''

اسی طرح ''تکفیرِ روافض پر ایک اعتراض'' کے زیر عنوان مولانا قطب الدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''رہا یہ سوال کہ دینیات کی کتابوں میں یہ مسئلہ ہے کہ اگر کسی شخص میں ننانوے وجوہ کفر کی پائی جائیں اور ایک وجہ اس میں اسلام کی ہو تو اس کو کافر نہ کہا جائے گا اور عقائد کی کتابوں میں ہے ''لا نکفر احدًا من اهل القبلة'' اور حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ کلمہ گو اور اہل قبلہ کو کافر نہ کہنا چاہئے۔

تو اس کا جواب جناب مولانا حاجی سید اشرف علی صاحب تھانوی نے اپنے فتاویٰ امدادیہ میں یہ دیا ہے کہ جس شخص میں کفر کی کوئی وجہ قطعی ہوگی اسے کافر کہا جائے گا اور حدیثیں اس شخص کے بارہ میں ہیں جس میں کفر کی کوئی وجہ قطعی نہ ہو اور اس مسئلہ کے یہ معنی ہیں کہ اگر کوئی امر قولی یا فعلی ایسا ہو کہ محتمل کفر اور عدم دونوں کا ہو گو احتمالِ کفر، غالب اور اکثر ہو تو تب بھی تکفیر نہ کریں گے۔ نہ یہ کہ تکفیرِ قطعی پر بھی تکفیر نہ کریں گے کیونکہ کافر کے یہ معنی نہیں کہ اس میں تمام وجوہ کفر کی جمع ہوں، ورنہ تو جن کا کفر منصوص ہے، وہ بھی کافر نہ ہوں گے۔'' [1]

مولانا اشرف علی تھانویؒ کا حوالہ بطور دلیل پیش کرنا اور تعظیم و احترام سے حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا نام لکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ مولانا قطب الدین معتدل، منصف مزاج اور خالص سُنی حنفی عالم دین تھے۔ حتیٰ کہ انہوں نے اپنے بیٹے مولانا عبدالرشید صاحب جھنگوی کو امام پاکستان مولانا علامہ احمد شاہ صاحب چوکیرویؒ کے پاس درسِ نظامی کی کتب پڑھنے کے لیے بھی بھیجا تھا، مگر مولانا عبدالرشید صاحب خدا جانے اعتدال پر کیوں نہ رہ سکے؟ تاہم ردِّ رفض و بدعت کے حوالہ سے وہ اپنے والد گرامیؒ کی طرح بے لچک کردار ادا کرتے رہے۔ اور عظمتِ صحابہؓ کے منادر رہے۔ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے والد گرامی کا جب انتقال ہوا

[1] مولانا حکیم قطب الدینؒ رفیصلۂ شرعیہ رمطبوعہ قطب آباد ڈاک خانہ چک نمبر ۲۳۲، تحصیل و ضلع جھنگ۔ صفحہ نمبر ۴۹۔

تو تدفین سے قبل آخری دیدار کرنے والوں میں مولانا قطب الدین صاحب تھے جیسا کہ ہمارے ممدوح مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے اپنے والد گرامی کے تذکرہ میں خود یہ بات درج فرمائی ہے۔ تکفیرِ روافض کے حوالہ سے ضلع جھنگ کی تاریخ میں سب سے پہلا منظم، باضابطہ اور تحریری فتویٰ مولانا قطب الدین صاحب نے دیا، اور ۱۹۲۵ء کے مناظرہ میں بھی انہوں بار بار علی الاعلان رافضیت کے خلاف اسلام عقائد بیان کر کے ان کی تکفیر کی۔ اس خطہ میں یہی وہ چراغ تھا جو شمس العارفین حضرت خواجہ شمس الدین صاحب سیالویؒ نے جلایا تھا، پھر خاندانِ بگویہ اہل بھیرہ، مولانا محمد یار پیر کوٹی، مولانا قطب الدینؒ، اور بعد ازاں مولانا محمد ذاکرؒ و مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی شخصیتوں کے روپ میں چراغ سے چراغ جلتے رہے۔ اور عظمتِ صحابہؓ کا پھریرا بلند تر ہوتا چلا گیا۔ اس ڈیڑھ سو سالہ تاریخ کو پڑھ کر دیکھ لیجئے کہ اشتعال، تنفر یا تعصب نام کی کوئی چیز یہاں نہیں پائی جاتی تھی۔ گویا دنیا کے تمام ادیان میں سے دینِ اسلام اعتدال کا مذہب ہے، مذاہب اربعہ میں سے احناف اور احناف میں سے برصغیر کے اندر خاندانِ حضرت شاہ ولی اللہ اعتدال کا علَم بردار رہا، بعد ازاں یہی استقلال و اعتدال علماء دیوبند میں اور پھر خطۂ پنجاب کے ان بزرگوں میں منتقل ہوا، جو کسی نہ کسی حوالہ یا درجہ میں دارالعلوم دیوبند سے نسبت رکھتے تھے اور انہی نسبتوں کی ایک روشن مگر منفرد کڑی مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی ذات ہے۔ ہم نے یہاں آپ رحمہ اللہ کے چند معاصرین اور فکری مماثلین کا تذکرہ سپردِ قلم کر دیا ہے تا کہ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے منہج، مزاج، فکر و نظر، اور روشن کردار کو پرکھنے، سمجھنے میں مدد مل سکے۔ اگرچہ اس عنوان کے تحت مذکورہ بحث کا جال مزید پھیلا جا سکتا ہے۔ مگر خوفِ طوالت کے پیشِ نظر اسی پر اکتفاء کر کے اس کے دیگر پہلو اور ثمرات و نتائج ہم قارئین کے سپرد کرتے ہیں۔

# باب نمبر 13

# مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کا اسلوبِ نگارش

## اور چند منتخب افادات

۱: متنازع کتب اور مصنفین کی اقسامِ خمسہ

۲: تفریق بین المسلمین کا مُوجِدِ اول

۳: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان دائمی مودّت

۴: معترض کے جواب میں ایک علمی تاویل

۵: جن سوالات کے جوابات شیعیت پر قرض ہیں

۶: آیتِ استخلاف کا خلاصہ

۷: نقش برآب

۸: معصومانہ مکروفریب

ادبی کارنامے تاریخ کے تجزیے اور تجربے نیز ادب و انشاء اور نظریاتی روش پر تبصرے ہر دور میں علم کی جان رہے ہیں، اگر تنقید، تردید، اور تبصرہ و تذکرہ نہ ہو تو کسی بھی صاحبِ علم یا صاحبِ فن کا سب کچھ جامد ہو کر رہ جائے، صحتِ لفظی، یا ادبیت وغیرہ کا التزام اگرچہ کامیاب اور ماہر مصنف یا مقرر کی پہچان ہوتی ہے۔ مگر دین کا اپنا مخصوص مزاج ہے۔ اظہارِ دین یا دفاعِ دین کے حوالہ سے اگر ان چیزوں کا اہتمام نہ بھی ہو تو یہ تحریریں دل و دماغ میں اترتی چلی جاتی ہیں۔ بشرطیکہ تحریر لکھنے والا مخلص ہو، اخلاص سے مفلس نہ ہو۔ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ جہاں قیام و طعام، بود و باش اور رہن سہن کے اعتبار سے سادگی پسند تھے، آپ کی تحریروں میں بھی انتہا کی سادگی پائی جاتی ہے، مگر یہ سادگی کا حُسن اجڑے نگر بایں طور آباد کرتا ہے کہ پڑھنے والوں کی طبیعت میں نشاط و سرور پیدا ہو جاتا ہے۔ آپ خطوط، تصانیف یا وعظ و نصیحت میں پُر تکلف گفتگو کے قائل نہیں تھے۔ اس کے باوجود آپ رحمہ اللہ نے علم و ادب کی ایسی چاشنی لفظوں، سطروں اور تجزیوں میں ڈال دی کہ پُرانے شہد کی طرح اس کی مٹھاس دن بہ دن بڑھتی ہی رہے گی۔ اس باب میں ہم مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی تصانیف سے چند منتخب افادات پیش کر رہے ہیں، اس سے فوائد کے حصول و وصول کے ساتھ ساتھ قارئین کو آپ کا اسلوب تصنیف جاننے میں بھی مدد ملے گی، جنہوں نے تاحال تسلسل یا استیعاب کے ساتھ آپ کی تصانیف کا مطالعہ نہیں کیا ہے۔ اب ذیل میں آپؒ کا اسلوب تحریر ملاحظہ ہو۔

## (۱) متنازعہ کُتب اور مصنفین کی پانچ قسمیں

مولانا محمد نافع رحمہ اللہ بعض حقائق پر پڑی گرد اٹھاتے ہوئے لکھتے ہیں:

اول یہ صورت ہوتی ہے کہ ایک مسلم سنی عالم دین کے نام پر بعض تصانیف چسپاں کر دی جاتی ہیں، درحقیقت وہ ان کی تصنیف نہیں ہوتی۔ مثلاً کتاب ''سِرُّ العالمین'' امام غزالی رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے حالانکہ یہ اُن کی تصنیف نہیں، دوم یہ صورت ہوتی ہے کہ ایک عالم فاضل معتبر ہوتا ہے پھر اس کا ہم نام ایک دوسرا شخص غیر معتبر، غیر معتمد اور غیر مستند ہوتا ہے، اس تشابہ اسمی کی وجہ سے اس غیر مقبول شخص کی تصنیف مقبول و معتبر عالم کی طرف منسوب کر کے چلا دی جاتی ہے۔ لوگ اس تشابہ و اختلاط اسم کی بناء پر غلط فہمی میں مبتلا رہتے ہیں مثلاً ابن قتیبہ (صاحب ''کتاب المعارف'') اچھا عالم ہے۔ ''ادب الکاتب'' اس کی تصنیف ہے لیکن ''الامامۃ والسیاست'' اس کی طرف منسوب کی جاتی ہے [1] حالانکہ ''الامامۃ والسیاسۃ'' کا مصنف ابن

---

[1] ابن قتیبہ کی کتاب المعارف میں ہی اس بات کی تردید پائی جاتی ہے کہ ''الامامت والسیاست'' قطعاً ان کی تصنیف نہیں ہے۔ مثلاً ''بقی بعد هذا كتابٌ شاعت نسبتُه الى ابن قتيبه وليس له، وهو كتابُ الامامة والسّياسَةِ والادلّةُ على بطلانِ نسبة هذا لكتابَ الى ابن قيتبةَ كثيرَةٌ منها. (مقدمة المعارف لابن قتيبه، مقدم من دكتور ثروت عكاشه صفحه ٥٦ مطبوعه مصر)'' (ترجمہ) رہی یہ بات کہ کتاب ''الامامۃ والسیاسۃ'' ابن قتیبہ کی تصنیف ہے تو وہ ہرگز ہرگز نہیں بلکہ ان کی طرف منسوب ہے۔ اور اس دعوی پر بہت سارے دلائل ہیں (پھر پانچ دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ مذکورہ کتاب کی نسبت بالکل غلط ہے۔ سلفی)

قتیبہ خالص شیعہ ہے ''الامامۃ والسیاسۃ'' میں صحابہ کرامؓ کے حق میں اس نے سخت جرح وتنقیص کی چیزیں فراہم کر ڈالی ہیں، ظاہر ہے کہ پہلے ''ابن قتیبہ'' کی یہ تصنیف نہیں۔ سوم صورت یہ پائی جاتی ہے کہ تصنیف بھی صحیح ہوتی ہے اور مصنف بھی درست ہوتا ہے لیکن اس کی تصنیف میں تدلیس وتخلیط کردی جاتی ہے۔ جیسے شیخ اکبر ابن عربی رحمہ اللہ کی تصانیف، (شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ نے اس چیز کو'' کتاب الیواقیت والجواہر'' کی الفصل الاول میں ابتدائے کتاب میں بیان کیا ہے) اور شیخ سید جمال الدین کی ''روضۃ الاحباب'' کے متعلق شاہ عبدالعزیزؒ نے کتاب ''عجالۂ نافعہ'' ص ۱۸ طبع مجتبائی دہلی میں تحت اصطلاح ''جامع'' اس چیز کو بیان کیا ہے۔ چہارم، یہ صورت پیش آتی ہے کہ صاحب تصنیف حاطب اللیل کے درجہ میں ہوتا ہے، رطب و یابس ہر طرح کا مواد جمع کر دیتا ہے، صحیح وسقیم، ضعیف وقوی ہر قسم کا مال فراہم کرتا ہے، مثلاً ''مسند الفردوس'' دیلمی وبعض تصانیف ابنِ عساکر، وصاحب ''معارج النبوۃ'' وغیرہ پنجم، اس طرح ہوتا ہے کہ صاحبِ تصنیف متلوّن طبع بزرگ ہے، سنیوں میں سنی، شیعوں میں شیعہ، جیسے سبط ابن جوزی (اپنی تصانیف اور روایات کے اعتبار سے) اور جیسے واعظ کاشفی صاحبِ ''روضۃ الشہداء'' اور جیسے میر خواند صاحبِ ''روضۃ الصفاء'' وغیرہ، یا پھر مخلص شیعہ ہے لیکن عام لوگوں کو اس کے تشیع کا علم نہیں ہوتا۔ لوگ اسے سنی سمجھے ہوئے ہیں، مثلاً شیخ محمد بن یوسف کنجی، صاحبِ ''کفایۃ الطالب'' اور شیخ سلیمان قندوزی بلخی، صاحبِ ''ینابیع المودّۃ'' اور احمد بن اعثم کوفی صاحبِ ''تاریخ اعثم کوفی'' اور ''مسعودی'' صاحبِ مروّج الذہب اور ابن عبدربہ صاحبِ ''عِقد الفرید'' وغیرہ۔

ان معروضات کے بعد اہل علم خود فیصلہ فرما سکتے ہیں کہ یا تو تشابہ اسمی اور اختلاطِ نام کی صورت یہاں کارفرما ہے، یعنی ''مناقبِ امام ابی حنیفہ رحمہ اللہ'' کے مصنف ایک سنی عالم ہیں (جیسا کہ ہماری بعض تراجم کی کتابوں میں اس ''اخطب خوارزم'' کی تعدیل وتوثیق موجود ہے) اس کا نام اور اِس صاحبِ ''مناقبِ خوارزمی'' کا نام اتفاقاً متحد و مشترک ہے۔ یا پھر کسی شیعہ بزرگ نے یہ مرغوب تالیف فرما کر اس سُنی عالم کے نام منسوب کردی ہے۔ [1]

## (۲) تفریقِ بین المسلمین کا مُوجدِ اوّل!

عبداللہ بن سباء کے متعلق آپؒ فرماتے ہیں:

قارئین کرام کی خدمت میں عرض کی جاتی ہے کہ ''تفریق بین المسلمین'' کی تحریک کا اول موجد و بانی عبداللہ بن سبا یہودی النسل ہے۔ اس کا تذکرہ وترجمہ اپنی تفصیلات کے ساتھ شیعہ وسنی دونوں حضرات کی کتابوں میں موجود ہے۔ شیعہ کتابوں مثلاً رجال کشی وغیرہ (جو چہارم صدی ہجری کی تصنیف ہے) سے لے کر اس آخری دور (چودھویں صدی) مثلاً ''تحفۃ الاحباب'' شیخ عباس قمی تک تمام شیعی علماء و مجتہدین نے

[1] رحماء بینھم رمطبوعہ دار الکتاب لاہور رجلد اول، ص ٦٣۔

اس کے احوال درج کیے ہیں۔ اس مسئلہ میں کسی بحث و مناظرہ کی حاجت نہیں ہے۔ ان کی اپنی کتابوں میں ان کے اپنے محقق علماء کی تصانیف میں ابن سباء کے ترجمہ کا مسئلہ درج ہے۔ اہل علم رجوع فرما کر تسلی و تشفی کر سکتے ہیں۔ ❶ اب اس دور کے آخر میں پہنچ کر عبداللہ بن سباء مذکور کے حامیوں نے اس پر وارد شدہ اعتراضات سے جان بچانے کے لیے یہ سکیم چلائی ہے کہ عبداللہ بن سباء کا نام بالکل فرضی ہے۔ اس نام کا کوئی آدمی یہودی النسل نہ تھا، نہ وہ مسلمان ہوا نہ اس نے حُبِ اہل بیت کا لبادہ اوڑھ کر تفریق کی بنیاد قائم کی۔ اسی کا نام ہے کہ ''نہ رہے بانس نہ بجے بانسری''

اگر انہی چیزوں کا نام ''تحقیق و ریسرچ'' ہے تو ماشاء اللہ مذہب و ملت کے نشانات جلد ختم ہو جائیں گے اور حق و باطل کی تمیز، صدق و کذب کا فرق، راستی و دروغ کا امتیاز نیست و نابود ہو جائے گا۔ ❷

## حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان دائمی مودّت

مولانا محمد نافع رحمہ اللہ ارقام فرماتے ہیں:

(شہادتِ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے) اس دردناک حادثہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد شریف نے کس قدر خدمات سرانجام دیں، اور اپنے حقوقِ مودّت اور برادرانہ روابط کا کس طرح اتمام کیا؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ذوالنورین کے آخری ایام میں باغیوں کی مدافعت کے خاطر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے قدم قدم پر پُرزور کوشش صرف کی۔ سنگباری کا جواب سنگباری سے دیا۔ ان کی اولاد جوابی کاروائی میں زخمی ہوئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں پانی ارسال کیا۔ اگرچہ پانی پہنچانے والوں نے زخم کھائے۔ ان مراحل سے گزر کر جب باغی اپنے ظالمانہ مقصد میں کامیاب ہو گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سخت اندوہناک و غمناک ہوئے اور اپنے عزیزوں کو زجر و توبیخ کی اور ضرب و شتم کی۔ پھر اس کے بعد سب سے آخری مرحلہ (یعنی جنازۂ عثمانی و دفن وغیرہ) میں برابر کے شریکِ کار و شاملِ حال رہے۔ یہ تمام چیزیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ و حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان دائمی مودّت و محبت کا بین ثبوت ہیں جو آخری ایام تک قائم و دائم رہی ہیں۔ ❸

---

❶ ایک شیعہ عالم محمد حسین زیدی برستی نے لکھا ہے ''حضرت علی کے ظاہری اقتدار کے زمانے میں ہی ایک شخص نے جس کا نام عبداللہ بن سباء تھا اور جو نسلاً یہودی تھا۔ ظاہری طور پر اسلام قبول کر کے اس بات کا دعویٰ کیا کہ حضرت علی خدا ہیں اور میں ان کا نبی ہوں، حضرت علی نے اس کو اور اس کی پیروی کرنے والوں کو توبہ کے لیے تین دن کی مہلت دی اور جب وہ توبہ کرنے پر آمادہ نہ ہوا تو اسے آگ میں جلا کر موت کی سزا دے دی۔ (شیعہ جنت میں جائیں گے مگر کونسے شیعہ؟ صفحہ نمبر ۱۹ مطبوعہ ادارہ حقائق الاسلام چنیوٹ طبع اول ۱۹۹۹ء) جبکہ دوسری طرف شیعہ علماء اسے بالکل افسانوی اور فرضی شخصیت قرار دیتے ہیں مثلاً سید مرتضیٰ عسکری نے ''عبداللہ بن سباء اساطیر اخریٰ'' میں یہی دعویٰ کیا ہے اس کا اردو ترجمہ قلب حسین رضوی نے کیا ہے اور یہ تین جلدوں میں ''مجمع جہانی اہل بیت'' (عالمی اہل بیت کونسل) نے شائع کی ہے۔ سلفی

❷ رحماء بینہم رجلد دوم رصفحہ نمبر ۹۴، ۹۵ رمطبوعہ دار الکتاب لاہور،

❸ رحماء بینہم رجلد نمبر ۳ رصفحہ ۱۹۵ رمطبوعہ دار الکتاب لاہور۔

# معترض کے جواب میں ایک علمی تاویل!

آپؒ بناتِ اربعہ کے ضمن میں لکھتے ہیں:

﴿يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ . الخ﴾(پارہ نمبر۲۲سورۂ احزاب رکوع نمبر۸)

''اے نبی ﷺ آپ اپنی ازواج اور اپنی بیٹیوں سے فرما دیجیے۔ الخ۔''

اس آیت سے جب اہل سنت ''بَنَاتِكَ'' سے حضور علیہ السلام کی ایک سے زائد بناتِ طاہرات (یعنی چار) کا استدلال کرتے ہیں تو اہل تشیع جواب میں کہتے ہیں کہ یہ جمع تعظیمی ہے، اس لیے یہاں صرف ایک بیٹی ہی مُراد ہے۔ اس پر مولانا محمد نافع رحمہ اللہ بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اگر لفظ ''بناتك'' میں جمع تعظیم کی تاویل کر کے صرف ایک دختر مراد لی جائے تو یہاں سے ایک دوسرا غلط مفہوم بھی کوئی اور شخص بھی اخذ کر سکتا ہے کہ اگر ''بناتك'' سے صرف ایک دختر مراد ہے تو لفظ ''ازواجك'' سے بھی نبی کریم ﷺ کی صرف ایک ہی ''زوجہ'' مراد ہے اور ''ازواج'' یہاں جمع تعظیم کے طور پر مذکور سمجھا جائے گا اور آنجناب ﷺ کی کوئی دیگر زوجہ ہی نہیں ہے۔ امید ہے معترض حضرات اس تاویل کو پسند نہیں فرمائیں گے۔ فلہٰذا جس طرح یہ تاویل درست نہیں، بالکل اسی طرح لفظ ''بناتك'' میں ان کی مجوزہ تاویل (کہ یہ تعظیماً جمع ہے) بھی درست نہیں۔ وجہ ظاہر ہے کہ یہ تاویل سنتِ نبوی ﷺ وملی سیرت و اسلامی تاریخ اور واقعات کے برخلاف ہے۔ سابقاً اس کی تفصیل دے دی گئی ہے اور ابتداء کتاب میں ''اصل استدلال'' کے عنوان کے تحت ذکر کیا گیا ہے۔ قاعدہ یہی ہے کہ مستعمل شدہ لفظ کو اپنے اصل معنیٰ اور ظاہرِ مفہوم پر ہی رکھا جاتا ہے۔ ظاہر عبارت سے ہٹا کر دوسرا مفہوم مراد نہیں لیا جاتا۔ مگر وہاں کوئی قرینہ صارفہ موجود ہو تو تب اس کے اصل معنیٰ کو چھوڑ کر دوسرا معنیٰ مراد لیا جاتا ہے اور آیتِ بالا میں قرینۂ صارفہ موجود ہی نہیں ہے۔ بنابریں آیت مذکورہ کے الفاظ ''ازواجك وبناتك'' میں یہی قاعدہ ملحوظ رکھنا ہوگا۔ ورنہ آیت کا جو صحیح مفہوم و معنیٰ ہے وہ غلط ہو جائے گا۔ قرآن مجید میں غلط استدلال قائم کرنا کسی مسلمان کے لیے ہرگز روا نہیں۔''[1]

---

[1] بنات اربعہ/مطبوعہ تخلیقات لاہور/صفحہ نمبر ۲۱۴۔

# ان سوالات کے جوابات شیعیت پر قرض ہیں

شیعہ احباب ''روایتِ ثقلین'' کا جو کچھ مفہوم بیان کرتے ہیں اس کا حاصل یہ ہے:

۱: ''اہل بیت'' کتاب اللہ کی طرح واجب الاطاعت ہیں اور لازم التمسک ہیں۔ ''حجتِ شرعی'' ہونے کے لحاظ سے کتاب اللہ اور اہل بیت میں کوئی فرق نہیں ہے، جو شخص ان دونوں کے ساتھ تمسک کرے گا وہ ناجی ہوگا جو ان دونوں کے ساتھ تمسک نہ کرے گا وہ گمراہ ہوگا۔

۲: نیز روایت ہذا میں اہل بیت سے مراد صرف بارہ امام ہیں جن کی تابعداری کرنا اور ان کے احکام پر عمل کرنا کتاب اللہ کی طرح لازم ہے۔

''روایتِ ثقلین'' کا اگر یہ مفہوم صحیح ہے جو ان دوستوں نے تجویز کیا ہے تو پھر قدرتی طور پر چند سوالات وارد ہوں گے جن کا تسلی بخش جواب پیش کرنا دوستوں کے لئے لازم ہے اور ان کے متعلق ان مہربانوں کو اپنی جگہ غور وفکر کرنا ضروری امر ہے۔ پہلی یہ چیز قابل توجہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے یہ فرمان جاری فرمایا ہے، اس وقت روایت ہذا کے خطاب (انی تارکٌ فیکم) میں خود'' اہل بیت نبی و'' عترت رسول'' و'' عم رسول'' مخاطب ہیں یا نہیں؟ اگر باقی مخاطبین کی طرح وہ بھی اس خطاب کے مخاطب ہیں اور یہ خطاب ان کو بھی شامل ہے تو سب سے پہلے یہاں اتباعِ نفسہٖ واطاعت لذاتہٖ کا مطلب قابل وضاحت ہے۔ اس کو حل کرنا چاہیے۔ نیز یہ بھی بتلایا جائے کہ:

۱: عم رسول ﷺ حضرت عباسؓ اور

۲: عقیل برادرِ حضرت علی المرتضیٰؓ نے صدیق اکبرؓ کیساتھ بیعت کر کے روایت ہذا کے فرمان کے خلاف کیسے عمل درآمد کر دیا؟

۳: خود حضرت علیؓ نے آخر کار صدیق اکبرؓ سے بیعت کر کے فرمان ہذا کو کیوں فراموش کر دیا؟

۴: سیدنا امام حسنؓ اور

۵: سیدنا امام حسینؓ نے امیر معاویہؓ سے بیعت کر کے اس فرمانِ رسالت کو کیوں متروک العمل ٹھہرا دیا؟

۶: خود امام حسینؓ نے اپنے برادر حقیقی امام معصوم، امام حسنؓ کا اتباع نہ کر کے اس حدیث کا خلاف کیسے کر ڈالا؟ اور امیر معاویہؓ سے بیعت کر لی۔

۷: حضرت علیؓ کے صاحبزادہ محمد بن الحنفیہ نے امام برحق زین العابدین کی امامت تسلیم نہ کر کے اس حکم کو

کیسے پسِ پُشت ڈال دیا؟

۸: اور امام حسنؓ کے صاحبزادے حسن مثنیٰ نے اپنے دعویٰ امامت کے دوران میں امام برحق (زین العابدین) کی امامت کا عملاً انکار کر کے اس روایتِ ثقلین کو کیوں چھوڑ دیا؟

۹: اسی طرح زین العابدینؒ نے حسن مثنیٰ کو امام تسلیم نہ کر کے اس ارشاد کی مخالفت کیوں کر ڈالی ہے؟ حالانکہ حسن مثنیٰ اولادِ علیؓ وعترتِ نبی ونسلِ بتول ہے۔ جس کے اہل بیت ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

۱۰: اور زین العابدین کے صاحبزادے امام زید نے اپنے وقت کے امام محمد باقر کی امامت کا انکار کر کے اس نبوی حکم کو عملاً کیوں فراموش کر دیا؟

۱۱: اسی طرح جناب محمد باقرؒ نے اپنے برادر حقیقی امام زید کی امامت کو نہ تسلیم کر کے اس نبوی حکم کو کیوں عملاً چھوڑ دیا؟

۱۲: اور محمد بن عبداللہ محض بن حسن المثنیٰ بن امام حسنؓ نے اپنی امامت کا دعویٰ کر کے جعفر صادقؒ کو امام تسلیم نہ کرتے ہوئے اس فرمانِ رسالت کو کیوں متروک العمل بنا دیا؟

۱۳: اسی طرح امام جعفر صادقؒ نے حسن مثنیٰ کی اولاد شریف (محمد بن عبداللہ محض) کی امامت تسلیم نہیں کی حالانکہ یہ لوگ اولادِ علیؓ، عترتِ نبی ونسلِ بتول ہیں۔ ان کی اطاعت نہ کرنا نبوی فرمان کا خلاف کرنا ہے۔ جیسا کہ اس حدیث کا مقتضیٰ ہے۔ جعفر صادق کا یہ خلاف کرنا کیسے جائز ہوا؟

۱۴: ابراہیم بن عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ بن امام حسنؓ نے امامِ وقت جعفر صادق کی امامت نہ تسلیم کر کے روایت ہذا (ثقلین) کی کیسے مخالفت کر دی؟

حاصل یہ ہے کہ ان چودہ عدد ''قرابت دارانِ رسول'' اور ''عترتِ رسول'' اور ''اہل بیتِ رسول'' ''اولادِ علی وآلِ بتول'' نے ہی روایتِ ثقلین کے مجوزہ مفہوم کے ہمیشہ خلاف عمل درآمد کیا ہے اور انہوں نے اہل بیت وعترت کی اتباع کو لازم اور واجب نہیں قرار دیا بلکہ غیر اہل بیت کی اتباع کر ڈالی تو دوسری امت کو اس روایت پر عمل کی تلقین کرنا اور دعوت دینا کہاں تک صحیح اور درست ہے؟ [1]

## آیتِ استخلاف کا خلاصہ

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ

---

[1] حدیث ثقلین / مطبوعہ تخلیقات لاہور / صفحہ نمبر ۲۰۵ تا ص ۲۰۷۔

خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔـا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ (سورۂ نور۔ پ۱۸)

''وعدہ کرلیا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو تم میں ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک کام کیے ہیں، البتہ حاکم کردے گا ان کو ملک میں، جیسا کہ حاکم کیا تھا ان سے پہلے لوگوں کو، اور جما دے گا ان کے لیے دین ان کا جو پسند کیا ان کے لیے، اور ان کو امن دے گا ان کے خوف کے بدلہ میں، میری بندگی کریں گے، شریک نہ کریں گے میرے ساتھ کسی چیز کو، اور جو ناشکری کرے گا اس کے پیچھے، سو وہی لوگ ہیں نافرمان۔''

مندرجہ بالا آیتِ کریمہ کے مفہوم سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں درج ذیل فضائل و مناقب مستخرج و مستنبط ہیں۔

۱: استخلاف...... اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ خلافت کا وعدہ فرمایا ہے، جس طرح کہ سابقہ امم کو خلافت کے شرف سے نوازا گیا تھا۔

۲: تمکین...... جو دین ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا ہے ان کو اس دین کے قیام کی خاطر تمکین فی الارض یعنی قدرت نصیب ہوگی۔

۳: امن ...... اللہ تعالیٰ ان کے خوف کو امن میں تبدیل فرما دے گا (یعنی دینِ اسلام غالب آجائے گا اور مخالفین سے خطرات ختم ہو جائیں گے)۔

۴: توحید...... یہ لوگ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے۔

۵: کفرانِ نعمت پر وعید...... جو ان حالات کے بعد کفرانِ نعمت کرے گا وہ فساق میں شمار کیا جائے گا اور بے دینی کی راہ پر ہوگا حاصل یہ ہے کہ آیاتِ قرآنی کا ایک ذخیرہ موجود ہے جن میں سابقین مہاجرین کے لیے فضل و کمال، رضائے خداوندی کی سند اور خلافت کا حصول نیز جنت کی بشارتیں وغیرہ اشیاء مذکور ہیں، ان سب میں دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بطریقِ احسن شامل و شریک ہیں، فلہٰذا جناب سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فضل و کمال اور علو مرتبت میں کوئی شک و شبہ تک نہیں۔ جس جماعت کی اللہ تعالیٰ خود مدح و ثنا فرمائیں ان کی فضیلت سے انکار کرنا دین سے برگشتگی اور اسلام سے رُوگردانی کے مترادف ہے۔ [1]

---

[1] سیرتِ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تخلیقات لاہور رصفحہ نمبر ۴۱۵۔

# نقش برآب!

مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ رقمطراز ہیں:

ایک جنگ کے موقع پر بعض حضرات مشورہ کر رہے تھے اور حضرت ابوسفیانؓ اپنی چھڑی پر ٹیک لگاتے ہوئے وہاں پہنچے اور السلام علیکم کہا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا کہ ”آپ ہمارے قریب نہ آئیں“۔ ان الفاظ کی بناء پر معترض کہہ دیتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابوسفیانؓ کو قابل اعتماد نہ سمجھا اور متہم قرار دیا۔ اس وجہ سے کہ ان کا اسلام اچھا نہیں تھا۔ معترض کی عبارت دیکھ کر ناظرین کرام پریشان نہ ہوں۔ یہ اعتراض محض نقش برآب کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل چند ایک چیزیں پیش کی جاتی ہیں۔ توجہ سے ملاحظہ فرمائیں۔

۱: جس مقام پر جملہ بالا مذکور ہے، آگے وہاں یہ چیز بھی درج ہے کہ اس کے بعد ان لوگوں نے حضرت ابوسفیانؓ کو دعوت دی، آپ تشریف لائے تو انہوں نے کہا کہ آپ ہمیں اپنی رائے سے مطلع فرمائیں۔ چنانچہ حضرت ابوسفیانؓ نے وہاں تشریف لا کر اپنا مفصل جنگی مشورہ ذکر کیا۔ ”فقبلوا ذالك من رای ابی سفیان لعلمهم بانه قد نصحهم“ یعنی حضرت ابوسفیانؓ کا پیش کیا ہوا جنگی مشورہ ان حضرات نے قبول کرلیا اس لیے کہ وہ یقین رکھتے تھے کہ حضرت ابوسفیانؓ نے ان کو خیر خواہانہ مشورہ دیا ہے۔ یہ چیز اتہام کی علامت نہیں، بلکہ حضرت ابوسفیانؓ پر مکمل اعتماد کی بین دلیل ہے۔

۲: جملہ سابقہ میں یہ احتمال بھی ہے کہ وہ حضرات کسی دوسرے معاملے میں مصروفِ گفتگو تھے۔ اس معاملہ سے فارغ ہونے تک کے لیے کہا گیا ہے کہ ٹھہر جائیے! جب وہ بات ختم ہوگئی تو حضرت ابوسفیانؓ کے ساتھ مکالمہ شروع ہوا۔ اس توجیہ کی تائید کتاب کی آئندہ سطور میں پائی جاتی ہے، جیسا کہ ابھی ہم نے اوپر ذکر کیا ہے یعنی حضرت ابوسفیانؓ سے مشورہ طلب کیا گیا اور ان کے مشورہ ان لوگوں نے بطیب خاطر قبول کیا۔

۳: مزید برآں یہ چیز بھی ممکن ہے کہ جملہ سابقہ کی تعبیر ان مذکورہ الفاظ کے ساتھ نقل کرنے والے کی طرف ہو۔ اس موقع کے اصل الفاظ دوسرے ہوں اور معبر نے اپنی طرف سے تعبیر ایسے الفاظ سے کردی ہو جو قابل اعتراض سمجھے جاتے ہیں۔

۴: حضرت ابوسفیانؓ کے متعلق سابقاً ہم نے چند چیزیں ذکر کی ہیں، وہ ان کے ”حسن اسلام“ اور ”اخلاص

دین'' پر دلالت کرتی ہیں۔ حضرت فاروق اعظمؓ کے دور میں جنگ یرموک کے موقع پر ابوسفیانؓ نے جو پُرخلوص کردار ادا کیا' وہ نہایت قابل ستائش ہے۔ مثلاً:

○......جنگ یرموک میں پُرخلوص مساعی اور جنگی مشورہ دینا۔

○......منصب ''القاص'' پر فائز ہونا۔

○......ایمان افروز خطبات دینا۔

○......اپنے بیٹے کو وصایائے استقامت کرنا۔

○......چشم دیگر کی قربانی دینا۔

○......جنگ یرموک میں تمام گھرانے (باپ، بیٹے، بیوی، لڑکی اور داماد) کا شامل ہونا وغیرہ وغیرہ۔

نیز حضرت ابوسفیانؓ سے صحابہ کرامؓ کا حدیث روایت کرنا ان کی دیانت پر اعتماد کرنے کو واضح کرتا ہے۔ [1]

## معصومانہ مکروفریب

مرزائی اپنے نبی کی سنت کے موافق ہر معاملہ میں حد درجہ کی چالاکی سے کام لیتے ہیں۔ حوالہ اخذ کرنے میں بھی اپنے معصومانہ مکروفریب کا کمال کر دیتے ہیں۔ صاحبِ تصنیف کا مقصد کچھ کا کچھ ہوتا ہے۔ لیکن ان کو اندھیرے میں بڑے دور کی سوجھتی ہے۔ لہٰذا میں اپنے عام مسلمان بھائیوں سے بڑی تاکید سے عرض کروں گا کہ جب اس قسم کا کوئی حوالہ سلف صالحینؒ کی تصانیف سے مرزائی شائع کریں تو اس کے مفہوم کی جب تک اصل مآخذ سے پوری تسلی نہ کرلی جائے اس سے ہرگز متاثر نہ ہوں۔ ضرور ان میں کچھ نہ کچھ مرزائیوں کا جھوٹ کام کر رہا ہوگا۔ جس طرح ان کے ابا جان مرزا صاحب قادیانی نے اپنی تصانیف میں اکاذیب، سے جگہ جگہ پر کام لیا ہے۔ اسی طرح ان کی امت بھی جھوٹ کہنے سے اجتناب نہیں کرتی۔ اس پر تجربہ شاہد ہے۔ [2]

## آلِ ابی طالب کی من جانب شیعہ کردار کشی!

عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما کے ایک فرزند کا نام مُعاویہ تھا، یہاں ہم ناظرین کرامؒ کی ضیافتِ طبع کے لئے ایک لطیفہ پیش کرتے ہیں جو شیعہ اکابر علماء نے اس مقام پر ذکر کیا ہے۔ چنانچہ کتاب ''عمدة

---

[1] حضرت ابوسفیانؓ اور ان کی اہلیہ/ دار الکتاب لاہور/ صفحہ نمبر ۶۵۔

[2] مسئلہ ختم نبوت اور سلف صالحین/ دار الکتاب لاہور/ صفحہ نمبر ۱۵۸۔

الطالب'' میں جمال الدین ابن عنبہ شیعی ذکر کرتے ہیں کہ:

'' فولد عبدالله عشرين ذكرا وقيل اربعة وعشرين منهم معاوية بن عبدالله كان وصي ابيه وانما سمى معاوية لان معاوية بن ابى سفيان طلب منه ذالك، فبذل له مأته الف درهم وقيل الف الف''❶

یعنی عبداللہ کے بیس یا چوبیس لڑکے پیدا ہوئے۔ ان میں سے ایک کا نام معاویہ بن عبداللہ تھا اور وہ اپنے باپ کے ''وصی'' تھے اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ امیر معاویہؓ بن ابی سفیان نے عبداللہ بن جعفر کو ایک لاکھ درہم اور بقولِ بعض دس لاکھ درہم دیئے تاکہ وہ اپنے بیٹے کا نام ''معاویہ'' رکھے۔ فلہٰذا عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما نے اس وجہ سے اپنے بیٹے کا نام معاویہ رکھا، مندرجہ بالا روایت کی روشنی میں اکابر شیعہ کے نزدیک آل ابی طالب کی یہی حیثیت ہے کہ وہ چند دراہم لے کر اپنی اولاد کے اسماء اپنے دشمنوں کے نام کے مطابق رکھ دیتے تھے (سبحان اللہ) یہ چیز واضح طور پر ہاشمی حضرات کی کردارکشی ہے جو شیعہ کے اکابر علماء نے بڑے عجیب طریقے سے درج کردی ہے، مگر یہ چیز ہمارے نزدیک ہرگز صحیح نہیں۔''❷

ناظرین کرام!

بطور نمونہ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی کتابوں میں سے ایک' ایک اقتباس ہم نے یہاں پیش کر دیا ہے، جس سے آپؒ کے اسلوب نگارش، طرز تحریر، طریقۂ استدلال اور معترضین کے جواب میں متانت کا لحاظ مترشح ہوسکتا ہے۔ یاد رہے کہ ان اقتباسات کے عنوانات ہم نے خود قائم کیے ہیں، جو انہی اقتباسات میں سے ہی اخذ کیے گئے ہیں۔

---

❶ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب' صفحہ نمبر ۳۸ تحت عقب جعفر طیار طبع ثانی نجف۔

❷ سیرت حضرت امیر معاویہؓ / دارالکتاب لاہور / جلد دوم صفحہ نمبر ۶۵۹۔

# باب نمبر 14

# مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کا سفرِ آخرت

۱: علالت کا آغاز اور ایک معروف مذہبی شخصیت کی آمد

۲: کراچی کے اہل علم کی جانب سے علاج کی پیشکش، کراچی جانے کا فیصلہ اور پھر تدبیر پر تقدیر کا غلبہ

۳: دورانِ علالت کلماتِ تشکّر

۴: مرض الوفات، عبادت کا اہتمام، اور سفرِ آخرت

۵: نمازِ جنازہ، شرکاء جنازہ کے لیے جگہ کا غیبی انتظام، ہزاروں مسلمانوں کا نذرانۂ عقیدت ومحبت اور دعائے مغفرت

۶: تدفین، قبر کے لیے اپنے اجداد کے جلو میں جگہ ملنا، اور اس حوالہ سے ایک یادگار روح پروَر اور علم افزاء واقعہ۔

# ابتدائی تکلیف اور مولانا طارق جمیل صاحب کی آمد!

مؤرخہ ۵، جنوری ۲۰۰۴ء کو آپؒ کے جبڑے میں درد شروع ہوا پھر اسی درد نے ۲۰۱۵ء تک مختلف دردوں کو جنم لیا یعنی بیماریاں اور عوارض مختلف صورتوں میں کم، کبھی زیادہ عود کرتے رہے۔ ابتدائی تکلیف میں بھوآنہ کے ڈاکٹر ظفر صاحب نے علاج شروع کیا۔ مگر اس سے افاقہ نہ ہوا، انہی دنوں عالمی مبلغ اسلام حضرت مولانا طارق جمیل صاحب آپؒ کی ملاقات وزیارت کیلئے تشریف لائے تو انہوں نے مشورہ دیا کہ یہ دانتوں کی بجائے اعصاب کی تکلیف محسوس ہو رہی ہے۔ اور اپنے علاقہ کا ایک واقعہ سنایا کہ ہمارے ہاں ایک زمیندار کے دانت میں درد ہوا تو اس نے دانتوں کا علاج شروع کروا دیا، مگر دانتوں کی تکلیف بڑھتی گئی، بالآخر اس نے ڈاکٹروں کے مشورہ سے سارے دانت نکلوا دیئے۔ مگر درد جوں کا توں رہا۔ بعد میں ڈاکٹروں نے اعصاب کے درد کی تشخیص کی، جب اعصاب کا علاج کروایا گیا تو وہ بالکل تندرست ہوگیا۔ اور اس سے پہلے دانت سارے مُفت میں گئے۔ لہٰذا آپ بھی دانت نہ نکلوائیں بلکہ کسی ماہر ڈاکٹر سے رجوع کریں۔ چنانچہ ''الائیڈ ہسپتال فیصل آباد'' میں ڈاکٹر محمد اشرف صاحب اور دیگر ڈاکٹروں کی ماہر ٹیم نے چیک اَپ کیا تو بتایا کہ اصلاً یہ جبڑے میں موجود ایک باریک رگ میں درد ہے، ڈاڑھ کی تکلیف نہیں۔ بعد از علاج افاقہ ہوا اور گھر منتقل ہو گئے مگر کچھ عرصہ کے بعد پھر یہی درد اٹھا اور اب دایاں بازو کو متاثر کرتا ہوا دائیں ٹانگ تک آ گیا۔ اس دوران چہرے پر ایک مخصوص تکلیف ''ماچھرا'' بھی شروع آ گئی جس سے جھلساؤ کا نشان بن جاتا ہے۔ اس کیلئے ڈاکٹروں نے ''فلوجن انجیکشن'' تجویز کیا ہوا تھا۔ رات کو جب تکلیف بڑھی تو انجکشن لگانے کیلئے بدقسمتی سے ایک نا اہل ڈاکٹر سے پالا پڑ گیا۔ اس نے غیر ذمہ داری کا مظاہر کرتے ہوئے انجکشن کولہو پر ایک رگ کے قریب کر کے لگا دیا، جس کے اثر سے پاؤں سن ہونا شروع ہو گئے۔ صاحبزادہ غلام ابوبکر صدیقی جو اس رات حسب معمول خدمت پر معمور تھے، بتاتے ہیں کہ:

''اس عطائی ڈاکٹر نے کہا آہستہ آہستہ پاؤں دبائیں تو ٹھیک ہو جائے گا، مگر والد گرامی رحمہ اللہ نے مجھے دبانے نہ دیا۔ اس پاؤں میں پہلے ہی درد رہتا تھا، اب بے حس ہونے لگا۔ اس تکلیف میں بھی نمازِ تہجد ادا کرنے کیلئے مجھے وضو کروانے کا حکم ہوا، چنانچہ میں سہارا دے کر بیت الخلاء تک لے گیا، پہلے خود چل لیتے تھے مگر اب پاؤں میں جوتی پہننا بھی دشوار ہوگئی۔ اس کے بعد پھر ماہر ڈاکٹروں سے اعصاب کا علاج

جاری کروایا گیا، میو ہسپتال لاہور میں ڈاکٹر نصر اللہ صاحب، جو اعصاب کے ماہر اور معروف ڈاکٹر ہیں، سے بھی علاج معالجہ ہوتا رہا۔ لیکن اُنیس، بیس کے فرق کے ساتھ مکمل طور پر افاقہ نہ ہوا۔ اور اعصابی تناؤ ''مرضِ مزمن'' کی شکل اختیار کر گیا۔''

## کراچی کے علماء کرام کی آمد، علاج کی پیشکش، کراچی جانے کی تیاری اور تدبیر پر تقدیر کا غلبہ!

اس دوران کراچی کے اہل علم کی ایک جماعت حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی زیارت اور تیمارداری کیلئے آئی۔ جس میں مولانا مفتی نظام الدین شامزئی رحمہ اللہ، مولانا سعید احمد جلال پوری رحمہ اللہ اور مولانا مفتی جمیل خان رحمہ اللہ شامل تھے۔ اور ان کے ہمراہ دیگر علماء کرام بھی تھے۔ مفتی جمیل خان رحمہ اللہ نے مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کو کراچی میں علاج کروانے کی پیشکش کی۔ صاحبزادہ میاں محمد ابوبکر صدیقی کہتے ہیں:

''مفتی جمیل خانؒ صاحب نے والد گرامی کو مشورہ دیا کہ کراچی میں فزیو تھراپی کی جدید مشینیں اور فزیو تھراپسٹ ماہر ڈاکٹرز موجود ہیں۔ اگر ہمیں خدمت کا موقع دیا جائے تو ہم آپ کو کراچی لے جاتے ہیں' مگر والد گرامی نے بصد شکریہ معذرت فرما دی۔ مگر مفتی جمیل خان اس کے بعد بار بار تشریف لاتے رہے اور اپنے ساتھ کراچی لے جانے پر اصرار کرتے رہے۔ بالآخر ان کے اخلاص اور عقیدت کے پیش نظر قبلہ والد صاحبؒ نے ان کی مذکورہ دعوت و پیشکش کو قبول فرمالیا اور کراچی جانے کیلئے آمادگی ظاہر کر دی۔ مورخہ ۲۱، اگست ۲۰۰۴ء کو لاہور سے بذریعہ جہاز کراچی جانے کے لیے ٹکٹ OK ہو چکے تھے، مگر قدرت کو کچھ اور منظور تھا، ہوا یوں کہ لاہور روانگی سے دو دن قبل بڑے بھائی میاں مختار احمد عمر صاحب اور بندہ حضرت والد گرامی کو سہارا دے کر نماز عصر کے لیے مسجد میں لے گئے۔ بڑے بھائی نے مجھے کسی کام کے لیے جامعہ آباد سٹاپ تک بھیج دیا، جب والد صاحبؒ نماز اور دیگر معمولات سے فارغ ہوئے تو بڑے بھائی سہارا دے کر مسجد سے قیام گاہ کی طرف لانے لگے، اس دوران مسجد کے دروازہ پر جوتا پہنتے ہوئے دروازہ کی چوکھٹ پر گر گئے، فوراً ڈاکٹر صاحب کو بلایا تو انہوں نے بتایا کہ کولہے کی ہڈی متاثر ہوگئی ہے، آپؒ کو چنیوٹ ہسپتال لے جایا گیا وہاں سے ڈاکٹروں نے ''الائیڈ ہسپتال فیصل آباد' منتقل کرنے کا مشورہ دیا، مگر حضرت والا صاحب نے سختی سے انکار فرما دیا اور گھر واپس آ گئے۔ اگلے دن حسب پروگرام کراچی روانگی تھی، مولانا مفتی جمیل خانؒ صاحب کو اچانک اس نئے حادثہ کی اطلاع فون پر کی گئی تو انہوں نے فرمایا

آپ بہر صورت حضرتؒ کو کراچی لے آئیں، یہاں تمام عوارض کے ممکنہ علاج کروا لیے جائیں گے۔ مگر والد صاحبؒ نے دوٹوک لفظوں میں انکار فرما دیا۔ اور یوں کراچی لے جانے کا پروگرام التواء کی نذر ہو گیا۔ اس کے بعد اگرچہ گاہے ماہے کبرسنی اور ضعف کی وجہ سے علالت آتی' جاتی رہی لیکن عمومی طور پہ طبیعت ٹھیک رہی اور مطالعہ، ذکر و اذکار، وغیرہ میں مصروف رہے۔''

## دورانِ علالت کلماتِ تشکّر

دس سال کی طویل علالت اور ضُعف کے باوجود آپؒ کی زبان سے کبھی ناگوار جملہ نہیں سنا گیا، ناشکری کے الفاظ کا یہاں سے گزر بھی ناممکن تھا، بلکہ جتنی زیادہ تکلیف ہوتی، اتنا ہی کلماتِ تشکر زیادہ دُہراتے۔ صبر و شکر کے ساتھ شب و روز گزارتے رہے اور اپنے معمولات میں کبھی فرق نہ آنے دیا، نمازِ تہجد بیماری اور معذوری کی حالت میں بھی نہ چھوڑی، دلائل الخیرات، دوسرے اوراد و وظائف اور خصوصاً قرآنِ مجید کی تلاوت معمول کے مطابق جاری رہی۔ اور تسبیحات کے ساتھ ساتھ کتب و رسائل کا مطالعہ بھی فرماتے رہتے تھے۔

## مرض الوفات

۲۴ دسمبر ۲۰۱۴ء بروز بدھ کو حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کو نزلہ و زکام اور کھانسی شروع ہوئی۔ یہ تکلیف بالآخر مرضِ وفات ثابت ہوئی۔ صاحبزادہ غلام ابوبکر صدیقی مصنف کو بتاتے ہیں کہ:

''ان دنوں شدید سردی پڑ رہی تھی، ہر وقت دُھند اور کالے بادل چھائے رہتے تھے، مگر حضرت والد صاحبؒ رات کو لحاف یا کمبل نہیں اوڑھتے تھے، اور نہ ہی ہیٹر جلانے دیتے، جس کی وجہ سے ہم بہت پریشان ہو جاتے۔ ویسے تو پوری زندگی آپؒ کا معمول تھا کہ کمرے میں آگ جلانے یا ہیٹر وغیرہ لگانے کے عادی نہ تھے، فرماتے تھے کہ اس سے مزاج بگڑ جاتا ہے اور قوتِ مدافعت یا قوت ارادی کمزور ہو جاتی ہے، پُرتعیش لوازمات سے ہمیشہ دور رہے اور پُرآسائش زندگی گزارنے کا کبھی وہم بھی قریب نہ آنے دیا تھا، مگر اب ضُعف اور شدید تکلیف کے دنوں میں اور سردی کے موسم جب لحاف نہ اوڑھتے تو ہمارا پریشان ہونا ایک یقینی اور طبعی بات تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپؒ کو نمونیہ کی شکایت ہو گئی۔ ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب، نشتر میڈیکل کالج ملتان والوں نے بہترین اور قیمتی ادویہ تجویز کیں، مگر والد صاحب قبلہؒ بسا اوقات دوا کھانے سے انکار

فرما دیتے۔ خادم غلام رسول اور بندہ کبھی کبھار چوری چھپے کمرے میں ہیٹر جلا دیتے، یا انگاروں کی انگیٹھی چارپائی کے ساتھ رکھ دیتے، مگر اس دوران مرض غلبہ پا چکا تھا۔ ۲۶، دسمبر بروز جمعہ ۲۰۱۴ء کو سورج آب و تاب سے طلوع ہوا تو آپؒ نے باہر دھوپ میں نکلنے کی خواہش ظاہر کی۔ ہم نے چارپائی باہر بچھا دی، آپؒ نے نمازِ ظہر دھوپ میں بیٹھ کر پڑھی، اس دوران ملاقات کیلئے آنے والوں کا تانتا بندھا رہا، لوگ مصافحہ اور زیارت کرتے، طبیعت میں کافی حد تک سکون اور طمانیت محسوس ہو رہی تھی۔ اگلے دن پھر سردی شدت اختیار کر گئی، سورج بھی جلوہ گر نہ ہوا، اور والد صاحبؒ کی طبیعت علیل ہوگئی۔ ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب اور ڈاکٹر عبدالمتین صاحب آف بھوآنہ نے پوری تندہی سے علاج شروع کر دیا۔ مورخہ ۲۸ دسمبر ۲۰۱۴ء بعد از ظہر ڈاکٹر صاحب نے بذریعہ مشین اخراجِ بلغم کیا اور آکسیجن لگا دی، بندہ آکسیجن کا سلنڈر اور دیگر ضروری اشیاء لینے بھوآنہ چلا گیا، جب واپس آیا تو بڑے بھائی میاں مختار صاحب نے بتایا کہ نمازِ عصر کی نیت باندھنے کے بعد قبلہ حضرت والد صاحب پر غنودگی طاری ہوئی، اور اس کے بعد ہوش نہیں آیا۔ حالانکہ بندہ جب بھوآنہ جا رہا تھا تو اس وقت حواس قائم تھے اور کھانسی ہلکی ہلکی سی آ رہی تھی۔ رات کو بندہ، حافظ مقبول صاحب تھہیم اور خادم غلام رسول خدمت سرانجام دیتے رہے۔ اس دوران ایک آزمائش یہ آئی کہ بڑے بھائی میاں مختار صاحب کو دل کی تکلیف شروع ہوگئی اور معاملہ ''یک نہ شد دوشد'' والا ہو گیا۔ ایک طرف چند احباب کے ساتھ بڑے بھائی صاحب کو'' کارڈیالوجی سنٹر فیصل آباد'' منتقل کیا گیا اور دوسری طرف مولانا سیف اللہ خالد صاحب (آف چنیوٹ) ایمبولینس کا انتظام کر لائے اور حضرت والد صاحبؒ کو'' انڈیپینڈنٹ ہسپتال فیصل آباد'' لے گئے۔ بندہ، ڈاکٹر عبدالمتین صاحب، مولانا سیف اللہ خالد صاحب، حافظ مقبول تھہیم اور غلام رسول ہمراہ تھے۔ بندہ کی قلبی پریشانی اور پر بستگی ناگفتہ بہ تھی۔ شب اڑھائی بجے ''انڈیپنڈنٹ ہسپتال، فیصل آباد'' پہنچے۔ وہاں ڈاکٹر اشرف صاحب کے ہاں علاج شروع ہوا، جو کہ تبلیغی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس سے پہلے ۲۰۰۴ء میں بھی ڈاکٹر صاحب مذکور ''الائیڈ ہسپتال'' میں حضرت والد گرامیؒ کے معالج رہ چکے تھے۔ اور علاج کرنے میں بھرپور دلچسپی لیتے رہے۔ اگلا دن اور پوری رات حضرتؒ پر غنودگی اور بے ہوشی کی سی کیفیت طاری رہی۔ شب ایک بجے بندہ نے خادم غلام رسول اور حضرتؒ کے نواسہ عزیزم محمد قاسم کو آرام کرنے کیلئے بھیج دیا اور خود خدمت پہ مامور ہو گیا۔ اس دوران ہسپتال کی نرس وقفہ وقفہ سے حضرت والد گرامی کی نگہداشت کے لیے آتی رہی، اس نے مجھ سے پوچھا کہ یہ بزرگ آپ کے کیا لگتے ہیں؟ میں نے کہا میرے والد گرامی ہیں اور یہ بہت بڑے عالم دین اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں، کہنے لگی کہ اس لیے ہر

وقت ہسپتال میں ملنے والوں کا تانتا بندھا رہتا ہے، جب یہ گفتگو ہو رہی تھی تو میں نے دیکھا کہ اچانک حضرت والد صاحبؒ نے آنکھیں کھولیں اور مجھے سوالیہ نگاہوں سے دیکھنا شروع کر دیا، میں نے محسوس کیا کہ شاید والد صاحبؒ گرامی مجھے ڈانٹ رہے ہیں کہ میں نے تمہیں وصیت کی تھی کہ مجھے ہسپتال لے کر نہ جانا، اب مجھے تم نے نامحرم عورتوں کے سپرد کر دیا؟ میں قبلہ گاہی کی ان سوالیہ نگاہوں کا سامنا نہ کر سکا اور ندامت سے اپنا سر جھکا لیا، خیر اگلی صبح دیگر خدام پہنچ گئے اور بندہ آرام کرنے کی غرض سے دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ ظہر کے وقت فیصل آباد کے جید علماء کرام مولانا مفتی محمد زاہد صاحب، مفتی فضل الرحمن صاحب، مولانا محمد ضیاء مدنی، (کچہری جامع مسجد کے خطیب) سمیت لاتعداد علماء، طلبہ اور دیگر شعبوں سے وابستہ عقیدت مند ہسپتال آنا شروع ہو گئے۔ بندہ نے ڈاکٹر اشرف صاحب سے والد صاحبؒ کی طبیعت کی کیفیت دریافت کی تو انہوں نے کہا کہ بہ ظاہر تو بہتر ہے مگر کمپیوٹر بلڈ پریشر اور دل کی حرکت کی رپورٹ صحیح نہیں دے رہا شاید خرابی کی وجہ سے ایسا ہو رہا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ملازم کے ذریعہ نیا کمپیوٹر منگوایا تو اس نے بھی وہی مایوس کن رزلٹ دیا۔ اس دوران بندہ کسی مہمان کو وصول کرنے تھوڑی دیر کیلئے باہر نکلا تو خادم غلام رسول کا مجھے فون آیا اور اس نے لرزتی آواز سے کہا ''جلدی آیئے''۔ میں فوراً روم میں پہنچا تو قبلہ گاہی حضرت والد گرامیؒ کے آخری سانس تھے اور چراغِ حیات گل ہونے کے قریب تھا۔

دیگر چند خدام اور ڈاکٹرز تقدیرِ الٰہی کے سامنے دست بستہ، پُرنم اور غم ناک ہو کر حضرت والد صاحب گرامیؒ کے چہرہ پر نگاہیں جمائے کھڑے تھے، چونکہ گزشتہ تین دن سے بے ہوشی کی کیفیت طاری تھی اور درمیان میں سوائے چند سیکنڈوں کے آپؒ نے آنکھیں نہیں کھولی تھیں، اس لیے آخری کلمات کا صدور ممکن نہ تھا، چنانچہ مورخہ ۳۰، دسمبر ۲۰۱۴ء بروز بدھ رات سوا دس بجے آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی اور آپؒ ہمیں داغِ جدائی دے کر ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گئے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

## نمازِ جنازہ

رات کو ہی آپؒ کا جسدِ بہشت فیصل آباد سے اپنے گھر (قصبہ محمدی شریف، چنیوٹ) لے جایا گیا اور اگلے دن ملک بھر سے آئے ہوئے ہزاروں مسلمانوں نے اپنے محبوب رہبر، مقتداء اور عالمِ ربانی کی نمازِ جنازہ ادا کی۔ اس سلسلہ میں مصنف کو حضرتؒ کے بڑے صاحبزادہ جناب میاں محمد مختار عمر صاحب نے بتایا کہ:

''اگلی صبح جب کہ نمازِ جنازہ کے لیے جگہ کے انتخاب کا مرحلہ درپیش تھا اور عوام کے جم غفیر کی آمد کے پیش نظر قبل از وقت انتظام کے لیے کوئی مناسب جگہ سامنے نہ آرہی تھی۔ معلوم ہوا کہ محمدی شریف کے جنوب میں ''رُورل ہیلتھ سنٹر'' سے متصل رقبہ خالی پڑا ہے۔ تمام احباب نے حتمی طور پہ یہی جگہ تجویز کی، مولانا محمد سیف اللہ خالد صاحب، مہتمم جامعہ اسلامیہ امدادیہ چنیوٹ نے انتظام اپنے ہاتھ لیا اور یہاں بڑے پیمانے پر لاؤڈ سپیکر وغیرہ نصب کروا دیئے۔ یاد رہے کہ مولانا سیف اللہ خالد صاحب حضرت والد صاحبؒ کو غسل دینے کا شرف بھی رکھتے ہیں، اور ان کے ساتھ بندہ اور خادم غلام رسول نے بطور معاون ہاتھ بٹایا۔ ظہر کی نماز سے پہلے ہی اطراف و اکناف سے لوگ جوق در جوق جنازہ میں شرکت کے لیے پہنچ رہے تھے جن میں ہر مکتب فکر اور ہر شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے مسلمان شامل تھے۔ سہ پہر چار بجے تک کم و بیش ایک لاکھ افراد جمع ہوچکے تھے۔ حضرت والد صاحبؒ نے جنازہ کے متعلق اپنے بیٹے اور بندہ کے چھوٹے بھائی حافظ غلام ابوبکر صاحب صدیقی کے متعلق وصیت فرمائی تھی اور فرمایا تھا کہ کسی بڑی شخصیت کی آمد کا انتظار مت کرنا اور فوراً میرا جنازہ پڑھا دینا۔ مگر موقع پر باہمی مشورہ سے یہ طے پایا کہ خواجۂ خواجگان حضرت مولانا خواجہ خان محمدؒ جو کہ حضرت والد صاحبؒ کے دارالعلوم دیوبند میں ہم سبق رہ چکے تھے، ان کے صاحبزادہ اور جانشین حضرت مولانا خواجہ خلیل احمد صاحب تشریف لائے ہوئے ہیں، ان سے نمازِ جنازہ کی امامت کرانے کی درخواست کی گئی۔ چنانچہ انہی کی امامت میں حضرت والد صاحبؒ کی نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت کی وفات کے بعد ''رمضان شوگر ملز'' کی انتظامیہ کے چند افسران ملک عبدالستار، رانا ظفر صاحبان اور چند دیگر حضرات جب تعزیت کے لیے آئے تو انہوں نے بتایا کہ جس جگہ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کا جنازہ ہوا ہے، یہاں ''رمضان شوگر ملز'' کے شعبہ زراعت نے ٹھیکہ والی زمین پر کماد کی فصل کے لیے ایک نمائشی پلاٹ کا انتظام کیا ہوا تھا، یہ رقبہ تقریباً ۲، ۷ کنال پر مشتمل ہے، اسے ہموار کیا گیا اور جب زراعت کے ماہرین یہاں معائنہ کے لیے آئے تو انہوں نے کہا کہ ابھی تک یہ رقبہ قابلِ کاشت نہیں ہے، اس کو مزید ہموار کیا جائے، چنانچہ اسی پر دوبارہ محنت کی گئی، اور اسی دوران حضرت اقدسؒ کا انتقال ہوگیا، گویا اپنے نیک، محبوب اور برگزیدہ بندہ کی نمازِ جنازہ کے لیے غیب سے اس جگہ کا انتظام ہوا، وگرنہ عوام کے اتنے بڑے اجتماع کے لیے یہاں کوئی مناسب جگہ سامنے نہ آرہی تھی۔

# مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی تدفین

محمدی شریف کے قدیمی قبرستان کے جس احاطہ میں آپؒ کی تدفین ہوئی وہاں پُرانے طرزِ تعمیر کا ایک کمرہ ہے۔ جس میں پہلے سے چار قبور موجود ہیں، پہلی قبر آپؒ کے جد امجد مولانا عبدالرحمنؒ کی ہے، دوسری آپ کے والد گرامی مولانا عبدالغفورؒ کی، تیسری بڑے بھائی حافظ صالح محمدؒ کی اور چوتھی سب سے بڑے بھائی حضرت مولانا محمد ذاکرؒ کی ہے۔ جب مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ کا ۱۹۷۶ء میں انتقال ہوا تو علاوہ تین قبروں کے یہاں مزید ایک اور قبر کی گنجائش تھی۔ اور وہ چوتھی قبر مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ کی بن سکتی تھی۔ مگر ہوا یوں کہ قبل از وفات انہوں نے بڑی تاکید کے ساتھ وصیت فرمائی کہ میری قبر اجداد کے ساتھ متصلاً نہ بنائی جائے بلکہ کمرہ کی دیوار کی بیرونی جانب بنائی جائے تاکہ میں اپنے بزرگوں کی جائے سکونت کے سایہ میں رہوں اور ساتھ ہی مولانا جامیؒ کا مندرجہ ذیل شعر کہا:

بزم وصلت جائے پاکاں نیست من زیشانیم
چوں سگانم جائے دہ در سایۂ دیوار خویش [1]

چنانچہ وصیت کے مطابق مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ کی قبر مذکورہ کمرہ سے باہر غربی جانب بنائی گئی تھی۔ اور خالی رہ جانے والی جگہ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی قبر کے لیے کام آگئی۔ اللہ تعالیٰ کی شان دیکھئے کہ کچھ عرصہ کے بعد بعض انتظامی وجوہ کی بناء پر اس کمرے کی پختہ چھت کو درمیانی دیوار ہٹا کر وسیع کر دیا گیا، تو اب خود بخود مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ کی قبر بھی اپنے دادا، والد، اور دو بھائیوں کے ساتھ مل گئی اور وہ بھی کمرے کے اندر ہی دیگر قبور میں شامل ہوگئی۔ اب مولانا محمد نافع رحمہ اللہ اپنے ان عظیم المرتبت اجداد اور باعمل و ذی شان بھائیوں کے جلو میں آرام فرما رہے ہیں۔ مؤرخہ ۳۱، دسمبر ۲۰۱۴ء کو بعد از نماز عصر آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی اور غروب آفتاب کے ساتھ، جبکہ ۲۰۱۴ء کا سورج غروب ہو رہا تھا، علم و تحقیق کا یہ معیار زہد و اتقاء کا پیکر، عظمت و ناموس صحابہ کرامؓ کا شیدائی اور اپنے اسلاف کی روشن روایات کا سچا امین مدفون ہو کر اپنے مولد و مسکن ''محمدی شریف'' کی مٹی کو رشکِ جنت بنا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

---

[1] پاکباز لوگوں کی بزم میں میرے جیسے بندے کا پہنچ جانا لائقِ شان نہیں ہے مجھے تو اگر ان کی دیوار کے سایہ میں کتے کی طرح جگہ مل جائے تو میں اسی میں خوش ہوں۔

# باب نمبر 15

# منتخب مقالات

| | |
|---|---|
| ○......درویش طبع محقق عظیم | ...... شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی |
| ○......منبعِ علم وحلم | ...... |
| ○......میرے عظیم والد گرامی | ...... میاں مختار احمد عمر |
| ○......ایک عالم باعمل اور فرشتہ صفت انسان | ...... مولانا حافظ محمد سعد اللہ |
| ○......توکلی و برگِ سبزی | ...... مولانا مفتی سید عبدالقدوس ترمذی |
| ○......نرم لہجہ اور گرم دلیل کے مالک | ...... مولانا شفیق احمد بستوی |
| ○......ایک عظیم المرتبت عالم دین | ...... مولانا عبدالمالک |
| ○......معلومات کا خزانہ | ...... |
| ○......علم وفقر کی یکجائی | ...... حافظ ارشد اقبال |
| ○......ایک مخلص عالم دین | ...... ابوالمبارک مولانا حماد الرحمن مدنی |
| ○......کاروانِ اہل سنت کے نامور معمار | ...... مولانا عبدالحمید تونسوی |
| ○......مسلکِ حق کے شارح | ...... مولانا رحمن حقانی |
| ○......مداہنت نا آشنا دِل کے مالک | ...... لیاقت بلوچ |
| ○......چند دُھندلے نقوش | ...... ڈاکٹر فرید احمد پراچہ |
| ○......جبلِ علم | ...... مولانا ریاض محمد بٹ گرامی |
| ○......محسنِ اہل سنت | ...... مولانا نور حسین عارف |
| ○......لعلِ بدخشاں | ...... مولانا محمد ایوب |
| ○......تقویٰ اور ملنساری | ...... حافظ احمد یار |
| ○......اہل سنت کی آبرو | ...... مولانا عامر شہزاد علوی |
| ○......اخلاقِ کریمانہ کی جھلک | ...... مولانا سیف اللہ خالد |
| ○......عالمانہ وقار وانکسار | ...... جناب انجم نیازی |
| ○......جب سورج اور چاند ایک ساتھ غروب ہو گئے ...... | مولانا اللہ وسایا |
| ○......اپنے اسلاف کی یادگار | ...... پروفیسر رشید احمد انگوی |
| ○......پیکرِ علم وفضل | ...... ابوالخیر عارف محمود |

# درویش طبع محققِ عظیم

شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

الحمد للہ ربّ العالمین والصلاۃ والسلام علی خاتم النبیین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین وعلی کل من تبعھم بإحسان إلی یوم الدین، أما بعد!

پچھلے دنوں ہم اپنے عہد کے ایک اور قابلِ قدر عالمِ دین اور درویش طبع محقق عظیم حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے وجود مسعود سے محروم ہوگئے۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان نابغہ روزگار شخصیات میں تھے جن کی نظیریں ہر دور میں گنی چُنی ہوا کرتی ہیں، علم و فضل کے اعلیٰ مقام کے باوجود انہوں نے جس طرح نام و نمود اور شہرت کے رائج الوقت طریقوں سے اجتناب کرتے ہوئے تواضع اور سادگی کے ساتھ زندگی گزاری اور اپنے آپ کو علم و تحقیق کے لئے وقف رکھا، وہ ان کے اخلاص، للّٰہیت اور خدمتِ دین کی تڑپ کا مظہر ہے۔ انہوں نے اپنی جان کھپا کر جو علمی اور تحقیقی شاہ کار اپنی تصانیف کی شکل میں چھوڑے ہیں وہ امت کا عظیم سرمایہ ہیں۔

مجھے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے نیاز اس وقت حاصل ہوا جب وہ اپنی شاہ کار کتاب ''رحماء بینھم'' کی تالیف میں مشغول تھے، اس وقت میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت پر فیصل آباد تشریف لے گئے تھے اور میں بھی حضرت رحمہ اللہ کے ساتھ تھا، اس وقت حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی تالیف کا مسودہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دکھانے کے لیے تشریف لائے، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ سفر میں تھے لیکن کتاب کی اہمیت کے پیش نظر انہوں نے مسودہ کا معتدبہ حصہ ملاحظہ فرمایا اور اس پر اپنی پسندیدگی کا بھی اظہار فرمایا، البتہ ایک مقام پر مسودے میں امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں جو تبصرہ تھا، اس پر نظر ثانی کی تاکید فرمائی جسے حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قبول فرما کر متعلقہ مقام پر عبارتیں تبدیل بھی فرما دیں۔ اور بعد میں انہوں نے مجھے حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی اس ملاقات کا تذکرہ بھی اپنے خط میں اس طرح فرمایا:

''رحماء بینھم'' حصہ اول (صدیقی) بحث ''تاخیر بیعت علوی شش ماہ تک'' میں ایک تحریر مختصراً جناب حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کی میرے پاس محفوظ ہے۔ حضرت مولانا مفتی صاحب موصوف رحمہ اللہ ایک دفعہ فیصل آباد میں حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب کے جناح کالونی میں مکان میں قیام

فرماتے تو اس وقت بندہ یہ ابحاث لے کر آنجنابؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا تو آپؒ نے بڑی شفقت فرما کر ان ابحاث پر نظر اصلاح فرمائی اور مجھ سے محدث الزہریؒ کے حق میں کچھ سخت الفاظ آ گئے تھے۔ اس وقت آنجنابؒ نے اصلاح فرماتے ہوئے درج ذیل الفاظ کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار فرمایا۔ عبارت بلفظہ درج ذیل ہے:

"امام زہریؒ کے معاملہ میں الفاظ محتاط ہونے چاہئیں، ان کے قول کو خود ساختہ کہنا ذخیرہ حدیث سے اعتماد اٹھا دینے کے مترادف ہے۔ ان کی جلالت قدر فی الحدیث کو مجروح نہیں کیا جا سکتا۔ بات صرف یہ ہے کہ زہریؒ کا یہ قول کسی صحابی کی طرف منسوب نہیں اور خود صحابہ کرام شرکاء واقعہ کا بیان ان کے مقابلہ میں راجح یہ مرجوح ہے باقی سب درست ہے۔" (محمد شفیع)

اس واقعے سے پہلے مجھے حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ سے کوئی تعارف حاصل نہیں تھا، لیکن اسی ملاقات میں ایک طرف ان کے مسودے کے علمی اور تحقیقی مقام اور دوسری طرف ان کی انتہائی تواضع اور سادگی نے دل پر گہرا نقش چھوڑا، بعد میں جب ان کی کتاب "رحماء بینھم" منظر عام پر آئی، اور میں اس کے مطالعے سے مستفید ہوا تو کچھ اندازہ ہوا کہ اس سادہ اور متواضع شخصیت نے کتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے، میں اس زمانے میں "فتح الملھم" کا تکملہ لکھ رہا تھا اور اس میں بھی کئی مقامات پر میں نے ان کی کتاب سے ان کا حوالہ دے کر استفادہ کیا۔

حضرت مولانا سے براہِ راست ملاقات کے مواقع تو شاذ و نادر ہی آئے، لیکن خط و کتابت کے ذریعے مستقل رابطہ رہا۔ اور الحمد للہ ان کے بہت سے مکاتیب میرے پاس محفوظ ہیں جن کی نقول میں ان کے صاحبزادگان کو بھیج رہا ہوں تاکہ وہ اگر چاہیں تو انہیں شائع فرما سکیں۔ [1] حضرت مولانا کا مرتبہ میرے لئے استاذ ہی نہیں، استاذ الاستاذ جیسا تھا۔ میری پیدائش کا سن اور ان کی دارالعلوم دیوبند سے فراغت کا سن ایک ہی ہے، یعنی ۱۳۶۲ھ، لہٰذا علم و فضل، عمر، قدامت اور تجربہ کسی بھی حیثیت سے میری اُن سے کوئی نسبت نہیں ہو سکتی، لیکن یہ ان کی تواضع کا مقامِ بلند تھا کہ وہ خط و کتابت کے ذریعہ اپنی تالیفات سے مجھ کو مطلع بھی فرماتے رہتے اور بعض اوقات مشورہ بھی فرماتے۔ چونکہ میں ان کی کتاب "رحماء بینھم" سے بہت متاثر تھا اور میری نظر میں اس موضوع پر کسی بھی زبان میں ایسی جامع، معتدل اور موثر کتاب نہیں لکھی گئی، اس لیے میرے خواہش تھی کہ اس کتاب کا دوسری زبانوں میں بھی ترجمہ ہو، لہٰذا میں نے اپنے ایک رفیق

[1] یہ خطوط راقم الحروف کے پاس آ چکے ہیں اور مشاہیر کے مکاتیب بنام مولانا محمد نافع رحمہ اللہ میں ملاحظہ کیے جا سکیں گے۔ جنہیں الگ سے مستقل جلد میں پیش خدمت کیا جا رہا ہے۔ سلفی

مولانا لقمان حکیم صاحب سے جو اس وقت دارالعلوم کراچی میں استاذ تھے، یہ درخواست کی کہ اس کا عربی میں ترجمہ کریں، چنانچہ الحمد للہ انہوں نے بڑی قابلیت کے ساتھ یہ خدمت انجام دی۔ میں چاہتا تھا کہ یہ کتاب عرب ممالک ہی میں اچھے معیار پر شائع ہو۔ اس کے لیے میں نے بحرین میں اپنے دوست شیخ نظام یعقوبی صاحب سے کتاب کی اہمیت کا ذکر کیا اور یہ درخواست کی کہ وہ اسے اپنے اہتمام میں بیروت سے شائع کرائیں۔ انہوں نے اسے بخوشی قبول کیا اور میں نے اس کی اطلاع حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ کو بھی دیدی، جس سے حضرت مولانا بہت خوش ہوئے۔ افسوس ہے کہ وہاں اس کی طباعت اور اشاعت میں کافی دیر لگ گئی، یہاں تک کہ وہ صاحبِ فراش ہو گئے، اور مجھ سے بار بار تقاضا فرماتے رہے کہ وہ جلد شائع ہو جائے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے چند سال پہلے وہ حضرت کی حیات ہی میں شائع ہو کر آ گئی، جس پر اُن سے بہت سی دعائیں ملیں۔

''رحماء بینھم'' کے علاوہ ان کی تالیفات میں سیرتِ علی مرتضیٰؓ، سیرتِ معاویہؓ، اقرباء نوازی، بناتِ اربعہؓ اور حضرت ابوسفیانؓ کی سوانح بھی اسی اعلیٰ معیار کی ہیں۔ جب ان کی کوئی کتاب مکمل ہوتی تو وہ اپنے کرم سے مجھ ناکارہ کو ضرور بھیجتے اور تبصرے کی بھی فرمائش کرتے، چنانچہ تعمیل حکم میں، میں نے ان کی کئی کتابوں پر تبصرہ بھی لکھا جو البلاغ میں شائع ہوتا رہا ہے۔

عرصۂ دراز سے حضرت مولانا ضعف و علالت کی وجہ سے صاحب فراش تھے، اور بالآخر ۳۰، دسمبر ۲۰۱۴ء رات کو ان کا وقت موعود آ پہنچا، جس سے کسی کو مفر نہیں، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔ میں اُس وقت خود ایک بیماری میں تھا، صاحبزادگان سے خط کے ذریعہ ہی تعزیت کی۔ دل سے دعاء ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی خدماتِ جلیلہ کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرما کر ان کو اپنے خصوصی مقامات قرب میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے صاحبزادگان کو ان کا مشن جاری رکھنے کی توفیق سے نوازے۔ آمین

# منبعِ علم و حلم

مولانا مفتی ناظر حُسین سیالوی

میں غالباً ۱۹۵۳ء میں جامعہ محمدی شریف چنیوٹ میں قرآنِ مجید حفظ کرنے کے لئے داخل ہوا۔ قرآنِ مجید پڑھانے والے ہمیں ایسے عاشق پیر سیال لجپال غریب نواز استاذ الحفاظ نصیب ہوئے، جن کا مشغلہ ہر وقت کلامِ ربانی کی تعلیم تھی یا پھر اپنے پیر و مرشد کی شان و عظمت میں پنجابی زبان کی رباعیات گنگناتے بسر ہو رہی تھی۔ آپ کا اسم گرامی حافظ غلام محمد قاضی تھا۔

مخدوم ملت حضرت علامہ مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ گرامی بھی اگرچہ دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل تھی لیکن ان پر بھی حضور پیر سیال لجپال غریب نواز کی غلامی کا رنگ غالب تھا۔ خود میں نے سالانہ صفر المظفر کے عرس مبارک کے موقع پر اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حضور شیخ الاسلام غریب نواز بعد از نمازِ ظہر دربار عالیہ کی مسجد سے شمالی جانب کمرہ کے دروازہ سے گزر کر روضہ شریف کی جانب جانے لگے تو حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب اس کمرہ میں نماز ادا فرما رہے تھے جیسے ہی حضور شیخ الاسلام پاس سے گزرنے لگے تو حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب سلام پھیرتے ہی آپ کے پاؤں مبارک سے لپٹ کر چومنے لگے۔ آپ غریب نواز نے دونوں ہاتھ مبارک مولانا کی بغلوں میں ڈال کر کھڑا فرمایا اور ارشاد فرمایا اچھا تو بھی لوگوں سے گالیاں دلوانے والوں میں شامل ہے کہ لوگ مجھے کہتے ہیں کہ یہ اپنے پاؤں لوگوں سے چومواتا ہے اور شرک کرتا ہے۔ بہرحال ہم نے ایسے ماحول میں تربیت پائی کہ دیوبندیت کے نام سے ہی تقریباً الرجک تھے۔ اور حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ہر کوئی بتاتا تھا کہ یہ دیوبندی ہیں۔ لہٰذا ہم عموماً جان بوجھ کر آپ سے ملاقات تو کجا حتی الوسع پاس سے گزرتے سلام سے بھی گریز کرتے تھے۔ آپ انتہائی کمزور و ناتواں طبیعت کے مالک تھے اس وقت آپ کی ڈاڑھی مبارک میں تقریباً چوتھائی بال سفید تھے، ہر وقت لائبریری میں تشریف فرما ہوتے۔ البتہ محرم الحرام میں قلعہ کنگراں میں ایک اہل تشیع کے رد میں جلسہ ہوتا جس میں آپ کی مصالحانہ و ناصحانہ انداز کی تقریر سننے کا موقعہ ملتا۔ اس کے علاوہ کبھی میل جول نہ رہا۔ پڑھائی سے فراغت کے بعد میں بحیثیت امام و خطیب فوج میں چلا گیا۔ فوج چھوڑنے کے بعد کراچی ہی میں سویلین ملازمت امام و خطیب کے طور پر اختیار کر لی نیز سیاست میں حضرت علامہ شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بیس

بائیس سال جمعیت علماء پاکستان میں گزارے۔ جب کراچی لسانی فسادات کی لپیٹ میں آگیا تو مجبوراً کراچی چھوڑ کر پنجاب بھوآنہ شہر آ گیا۔ ضلع اس وقت جھنگ تھا، اب ضلع چنیوٹ ہو گیا۔ چونکہ بھوآنہ شہر سے جامعہ محمدی شریف گیارہ بارہ کلومیٹر دور ہے۔ حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صاحب (لخت جگر حضرت مجاہد ملت مولانا محمد ذاکر صاحب رحمۃ اللہ علیہ) کو پتہ چلا تو وہ بصد شفقت و محبت جامعہ محمدی شریف کی خدمت کے لئے مجھے لے گئے اور مجھ جیسے اناڑی آدمی کو مسند افتاء سپرد فرمائی۔ بعد میں اپنی آبائی اور محمدی شریف شہر میں واحد جامع مسجد کی خطابت کا شرف بھی بخشا، ساتھ یہ وصیت بھی فرمائی کہ حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب کے مسلکِ اعتدال کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھنا۔ بندہ ناچیز نے ڈرتے ڈرتے یہ عہدہ سنبھالا کہ وہاں تو ہر وقت سر پر حضرت مولانا محمد نافع صاحب جیسی عظیم علمی شخصیت موجود ہوگی۔ ہر بات پر علمی گرفت ہوگی، خدا معلوم میں کامیاب ہوسکوں یا نہ ہوسکوں؟ بہرحال خطابت کا عہدہ سنبھالا اور حضرت مولانا محمد نافع صاحب سے ڈرتے ڈرتے ملاقات کی ٹھانی۔ پگڑی کو کلف لگی تھی جمعۃ المبارک کے بعد ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ عقیدت میں ہاتھ مبارک چومنے کی کوشش کی لیکن حضرت نے پکڑا ہوا ہاتھ آہستہ سے کھینچ لیا اور دوسرا ہاتھ میری پیشانی پر رکھتے ہوئے فرمایا بس مولانا بس، آپ کا ہاتھ میری پگڑی سے ٹکرایا، پگڑی نہ صرف سر سے اتری بلکہ کھل کر بکھر گئی۔ یہ تھی میری پہلی ملاقات، جس میں اندازہ ہوا کہ ہاتھ نہیں چومنے دیتے، میں نے شرمندہ سا ہو کر پگڑی کو دوبارہ باندھا اور پانچ دس منٹ رسمی طور پر بیٹھ کر چلا آیا۔ ماہ ربیع الاوّل زادھا اللہ شرفاً و تعظیماً قریب تھا۔ بارہ ربیع الاوّل سے پہلے والے جمعہ کو بلوایا اور ارشاد فرمایا بارہ ربیع الاوّل شریف کی رات کو ہماری طرف سے محفل میلاد پاک ہوگی اور خطاب آپ نے کرنا ہے۔ اور ساتھ ہی حکم فرمایا کہ

آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری اداؤں کا ذکر ضرور کرنا۔ الحمد للہ رب العالمین یہ محفل میلاد آٹھ سال سے مسلسل آپ کی زیر نگرانی ہوتی اور میری تقریر کے اختتام پر آپ کی طرف سے پُرتکلف تبرک تقسیم ہوتا لیکن اس نویں سال آپ کے وصال کے بعد مجھے اس محفل پاک میں شرکت کی دعوت نہیں ملی۔

میں حیران و پریشان ہوگیا سمجھ نہیں آرہی تھی کہ حضرت مسلک دیوبند کے عظیم عالم اور محفل میلاد کروائیں گے اور میری تقریر ہوگی؟ خداوند کریم خیر کرے، فرمایا اس رات کھانا بھی آپ کا میرے پاس ہوگا۔ ہاں ایک خیال کرنا یہ محفل میلاد کے اختتام پر جو کھڑے ہو کر اردو میں صلوٰۃ وسلام پڑھا جاتا ہے۔ اس کا یہاں رواج نہیں ہے، لہٰذا یہ نیا رواج نہ ایجاد کرنا۔ مجھے تو یہ نصیحت سخت بُری لگی میں نے دل ہی دل میں

کہا رات تو آلے دیکھ لیں گے۔ اللہ اللہ وقت مقررہ خوش قسمتی سے آ ہی گیا میں نے غالباً سلام علی ال یاسین سے تقریر شروع کی اور پورا زور اس پر لگا دیا کہ پتہ نہیں لوگوں کو کیا ہو گیا نماز میں قرآنِ مجید کی تلاوت کرتے ہیں تو کیا سلامٌ علی موسیٰ و ھارون سلام علی ابراھیم۔ سلام علی نوح فی العالمین یہ آیتیں نہیں پڑھتے؟ جب نماز میں نبیوں پر سلام بھیجنا جائز ہے تو بیرون نماز منع کیوں ہو گیا؟ پھر اللہ جل شانہ نے تو اپنے محبوب ﷺ کی عظمت و توقیر کے لئے التحیات میں باادب دوزانو بٹھا کر خطاب کے ساتھ اپنے بندوں کو محبوب ﷺ کی بارگاہ بیکس پناہ میں سلام عرض کرنے کا حکم فرمایا۔ بہرحال میں نے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ اسی موضوع پر بیان کیا۔ دیر ہو گئی حضرت سے ملاقات نہ ہوئی اور میں چلا آیا۔ جمعۃ المبارک پڑھانے کے لئے حاضر ہوا تو یاد فرمایا میں ڈرتے ڈرتے حاضر ہوا کہ میری اسی تقریر کا شاید سخت ردعمل سامنے آئے۔ آمنا سامنا ہوا تو ہنستے ہوئے ارشاد فرمایا: مولانا میں صلوٰۃ و سلام کا منکر نہیں ہوں خود پڑھتا ہوں اور کسی کو منع نہیں کرتا۔ البتہ یہ اردو میں جو کھڑے ہو کر پڑھتے ہیں چونکہ وہ طریقہ پہلے رائج نہیں اس لئے میں نے عرض کیا تھا۔ جب آپ نے ''عرض کئے'' کے الفاظ ادا فرمائے تو مجھے انتہائی شرمندگی ہوئی کہ ایک عظیم ہستی کس عجز و انکساری کے ساتھ مجھ جیسے بے علم اور اپنے بچوں کی عمر کے بندہ کے ساتھ گفتگو فرما رہے ہیں۔ بس یہاں سے ملاقات کا حوصلہ ملا اور پھر عموماً ہر جمعۃ المبارک کی نماز سے پہلے یا بعد میں ملاقات وزیارت کا شرف حاصل ہوتا رہا۔ بعد میں بارہا مرتبہ دلی بے قراری ہوتی کہ کاش! حضرت کے پاس حاضری کا زیادہ وقت ملتا لیکن آپ کی ضعیفی بیماری نیز آپ کے تصنیفی کام میں رکاوٹ کا خیال آڑے آتا رہا۔

نہ کبھی مجھ جیسے اناڑی مولوی کی تقریر پر نکتہ چینی کی نہ پکڑ دھکڑ، ایک دفعہ ارشاد فرمانے لگے آپ سے ایک عرض کرنی ہے یا اپیل سمجھ لیں لیکن میں سناٹے میں آ گیا خداوند کریم خیر کرے۔ میں نے عرض کی حضور ارشاد فرمائیں جبکہ میرے دل میں عجیب عجیب قسم کے وسوسے شروع ہو گئے۔ پتہ نہیں آج کیا خطا ہوئی کیا فرمائیں گے۔ اچانک گویا ہوئے۔ آپ جمعۃ المبارک کا خطبہ شریف تھوڑا تیز پڑھتے ہیں۔ بعض لفظوں کی سمجھ نہیں آتی، تھوڑا آہستہ پڑھیں تو مہربانی ہو گی۔ بس اتنی سی بات تھی آپ کو تکلیف دی، معاف کرنا، میں پانی پانی ہو گیا۔ کیا مشفقانہ انداز ہے ایک عالم دین کا، اور کیا عجز و انکساری کی ستھری اور پاکیزہ تعلیم ہے ایک اپنے بچے کو، جب بھی کبھی حاضری ہوئی مزاج پرسی کی، ایک ہی جملہ زبان مبارک پر ہوتا الآن کما کان۔ نہ کوئی شکوہ نہ شکایت نہ تکلیف سے کوئی ہاہو کا شور و غلغلہ، ہر وقت اپنے رب کریم جل شانہ کی حمد و ثنا اس کے دینِ متین کی نشر و اشاعت کی دھن یا مولا کریم جل شانہ کے حبیب ﷺ پر درود و سلام کی لگن میں مست و محو رہ

کر زندگی گزارنے والے مثالی وعظیم بندۂ خدا کے حضور حاضری کو میں بڑا اعزاز اور خوش بختی سمجھتا ہوں۔ جب کبھی کسی مسئلہ میں تردد ہوتا یا سمجھ نہ آتا بے دھڑک حضرت کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر رہنمائی حاصل کرتا۔ اور میری معلومات حاصل کرنے پر بڑے خوش ہوتے اپنی ساری تصنیفات مجھے مفت عنایت فرماتے۔ اپنے خادم خاص حافظ غلام رسول صاحب سے ارشاد فرماتے ''دیکھنا کوئی کتاب رہ نہ جائے، مولانا کی خدمت میں تمام میری کتب پیش کرنا'' تو ایسا بھی ہوا کہ آپ کی کئی تصنیفات میرے پاس ڈبل بھی آگئیں جو کہ میں نے معذرت کر کے واپس کیں۔ یہ انفرادی مجھے اعزاز اپنی مرضی سے عطا فرماتے کہ بغیر میری فرمائش کے اپنے دست مبارک سے بعض اوقات مجھے عطا ہونے والی کتاب پر لکھتے۔ ''ہدیہ برائے مولانا محمد ناظر صاحب زید مجدہم''

نیچے لکھتے: دعا گو محمد نافع عفا اللہ عنہ۔ یا ناچیز محمد نافع عفا اللہ عنہ! جسے پڑھ کر میں شرما جاتا کہ مجھے مولانا زید مجدہم۔ اور اتنی عظیم ہستی خود کو ناچیز لکھتی ہے۔

اس ماہ رمضان المبارک ۱۴۳۵ھ والے کی آمد سے ایک یا دو جمعۃ المبارک سے پہلے ملاقات ہوئی تو فرمایا: مولانا میرے لئے ایک خصوصی دعا فرمانا کہ اللہ پاک جل شانہ پورے روزے رکھنے کی سعادت نصیب فرمائے۔ میں یہ تمنا و آرزو سن کر حیران رہ گیا کہ ایک سو سال سے زائد عمر شریف کا یہ نحیف و ناتواں شخص اپنے مولا کریم جل شانہ کی بندگی کا کتنا حریص ہے۔ ہم اچھے بھلے صحت مند ہو کر معمولی سی تکلیف پر عبادت چھوڑ بیٹھتے ہیں اور انہیں اس حالت میں بھی خیال ہے تو صرف اپنے مولا کریم جل شانہ کی رضا مندی اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک اداؤں کو اپنانے کا شوق دامن گیر ہے۔ آپ تین بھائی تھے اور بہنوں کا مجھے پتا نہیں کہ تھیں یا نہیں۔ بڑے بھائی حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب رحمۃ اللہ علیہ، دوسرے بھائی حضرت حافظ صالح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، تیسرے اور سب سے چھوٹے بھائی حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ تینوں بھائی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے صدق و صفا کے پیکر عجز و انکساری میں اپنی مثال آپ تھے۔ کس کس کے بارے میں بے علم عاجز بندہ کیا لکھے بڑے بھائی وہ تھے جن کے بارے میں حضور شیخ الاسلام لجپال غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے کسی نے دنیا میں چلتا پھرتا فرشتہ دیکھنا ہو تو مولانا محمد ذاکر صاحب کو دیکھ لے۔ وہ اسم با مسمیٰ ذاکر تھے، جن کے بچپن میں بہاولپور یونیورسٹی کے استاذ محترم حضرت مولانا محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ نے فخریہ ارشاد فرمایا کہ مجھے محمد ذاکر صاحب جیسے شاگرد کی عفت و عصمت کی قسم اٹھانی پڑے تو اٹھا سکتا ہوں۔ چھوٹے بھائی حضرت حافظ صالح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عظمتوں کو میں سلام پیش کرتا ہوں، جنہوں نے گھر کے

پورے کام کاج کی ذمہ داری اپنے ناتواں کندھوں پر اٹھائی۔ چھوٹے اور بڑے بھائی کو دین اسلام کی خدمت کے لئے وقف کیا اور ان کے ایثار و قربانی کے صدقے میں دونوں بھائی ظاہری و باطنی علوم کے مرکز و محور بنے اور دنیاء فانی میں چاند بن کر چمکے اور اپنی عظمتوں سے لوگوں کو فیض عام ظاہری و باطنی بانٹا۔ میرے جیسا ایک حقیر انسان ان ہستیوں کے صدق و صفا عجز و انکساری و ایثار کو کس پیمانے پر پرکھتا کہ یہ ایک سے ایک بڑھ کر ہیں۔ اس بھائی کی شان کا کیا ٹھکانہ جس نے دونوں بھائیوں کو دنیاوی کاموں اور الجھنوں سے فراغت بخشی وہ واقعی حافظ صالح محمد صاحب رحمہ اللہ حقیقی صالح تھے۔ صرف نام کے صالح محمد نہیں تھے، یہ دونوں بھائی اور ان کمالات و اعلیٰ صفات کا ان کو حامل بنانا یہ حافظ صالح محمد صاحب رحمہ اللہ کا صدقہ جاریہ تھے۔ میں تو بعض دفعہ سوچتا ہوں کہ حضرت حافظ صالح محمد رحمہ اللہ ان دونوں بھائیوں سے بھی بڑے بزرگ تھے، جنہوں نے اس نفسانی وحرص و ہوس کی فانی دنیا میں عظیم قربانی دے کر دونوں بھائیوں کو عظمتوں اور روشنیوں کا بلند و بالا ہدایت حاصل کرنے والوں کے لیے مینار بنایا۔ مجھے اللہ تعالیٰ جل شانہ کے اس عظیم فضل وکرم پر اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور پیر سیال لجپال غریب نواز کے صدقے فخر و ناز ہے کہ مولا کریم جل شانہ نے تینوں مقدس ومحترم ہستیوں کے دیدار پاک کا شرف بخشا۔ نیز حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب رحمہ اللہ اور حضرت مولانا نافع صاحب رحمہ اللہ کی وقتاً فوقتاً صحبت نصیب فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان پاک ہستیوں کے صدقے مجھے بھی صدق و صفا اور ان کی اعلیٰ اخلاقی و روحانی نعمتوں سے سرفراز فرمائے۔ آمین ثم آمین

یہ تینوں بھائی لوگوں کے لئے قابل رشک پاکیزہ زندگیاں گزار کر دارِ فانی سے رخصت ہوگئے۔ دیکھیں کون خوش نصیب ان کی مقدس زندگیوں سے سعادتیں برکتیں حاصل کرکے اپنی دنیاوی و اُخروی زندگی سنوارتا ہے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

# میرے عظیم والد گرامی

صاحبزادہ میاں مختار احمد عمر

حضرت اقدس مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے جد امجد حضرت میاں امام الدین رحمہ اللہ (المعروف فقیر صاحب) کو گیارویں صدی ہجری کے وسط میں حضرت خواجہ بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمہ اللہ کے اس وقت کے سجادہ نشین نے دینِ متین کی خدمت اور خلقِ خدا کو راہِ حق دکھانے کی امانت اور ذمہ داری سونپ کر ملتان سے روانہ کیا۔ حضرت فقیر صاحب دریائے چناب کے کنارے پر چلتے ہوئے جب بستی محمدی شریف میں پہنچے تو یہیں سکونت اختیار کرلی اور اسی بستی کی جامعہ مسجد میں آپ رحمہ اللہ نے حفظِ قرآن مجید کی تدریس کا آغاز فرمایا جو بفضل اللہ تعالیٰ چار صدیاں گزرنے کے باوجود بلاتعطل جاری وساری ہے۔ حضرت میاں امام الدین رحمہ اللہ قرآن وشریعت کے صحیح معنوں میں عامل تھے، آپ نے ساری زندگی قرآنِ مجید کے پڑھانے میں صَرف کی، علاقہ بھر میں قرآنِ مجید کا فیض عام کیا، اپنے گاؤں میں جو اصلاحات نافذ کیں ان سے آپ کی شریعتِ مطہرہ سے والہانہ وابستگی کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً موضع محمدی شریف میں کاشتکاروں کو تمباکو کی کاشت سے روک دیا، مزامیر کی حامل اقوام مثلاً بھنڈ، نٹ، میراثی اور ڈھول پیٹنے والے طبقے کے لیے اس موضع میں رہائش اختیار کرنا ممنوع قرار دیا۔ یہی وجہ ہے کچھ عرصہ قبل تک قریہ محمدی شریف کے ہر گھر کے اکثر افراد حافظِ قرآن ہوتے تھے، ورنہ ایک حافظ تو ہر گھر میں لازمی ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ فوج کے ایک حاضر سروس بریگیڈئیر صاحب تشریف لائے اور کہنے لگے سنا ہے محمدی شریف کے قبرستان میں پچاس ہزار حُفّاظ مدفون ہیں، ہم نے کہا ہمیں تو صحیح تعداد کا اندازہ نہیں البتہ چار صدیوں سے حفظِ قرآن کا سلسلہ جاری ہے، گاؤں کے لوگوں نے حفاظ کا تذکرہ کیا تو بریگیڈئیر صاحب نے اندازہ لگاتے ہوئے کہا کہ اس طرح تو پچاس ہزار سے بھی زائد حفاظ بنتے ہیں۔

آپ رحمہ اللہ کے دادا جان میاں عبدالرحمن رحمہ اللہ اور والدِ گرامی حضرت مولانا میاں عبدالغفور رحمہ اللہ حضرت خواجہ شمس العارفین رحمہ اللہ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے، حضرت خواجہ صاحب رحمہ اللہ نے ان دونوں بزرگوں کو جو کہ عالم باعمل اور صوفی باصفا تھے خرقہ خلافت سے نوازا اور دینِ اسلام کی خدمت اور خلق خدا کی رہنمائی کی ذمہ داری سونپی۔ یوں ایک عظیم روحانی خانقاہ کے طور پر قصبہ محمدی شریف پورے ملک میں معروف ہوا۔ یہ دونوں حضرات عمر بھر مسجد میں بیٹھے یادِ خدا میں مست رہے اور سینکڑوں چوروں، ڈاکوؤں اور

بھولے بھٹکے ہوئے انسانوں کی زندگی میں اپنی روحانی قوت سے انقلاب برپا کیا، بقول حضرت اقبالؒ ؎

کوئی اندازہ کرسکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مؤمن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

چنانچہ ایک طرف حفظِ قرآن مجید کا فیض جاری رہا تو دوسری طرف خانقاہی نظام کے تحت رشد و ہدایت کا ایک سرچشمہ ہدایت کے متلاشیوں کی آماجگاہ تھا، اس طرح ان دونوں بزرگوں کے فیض سے علاقہ بھر کی کایا پلٹ گئی۔

حضرت مولانا میاں عبدالغفور رحمہ اللہ کے بعد آپ رحمہ اللہ کے دونوں صاحبزادوں حضرت مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ اور حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے اس مسند کو سنبھالا اور اپنے والد ماجد رحمہ اللہ کی علمی و روحانی وراثت کو تقسیم کیا۔ معروف شاعر و ادیب اور سابق اے ڈی ایل بی جھنگ محترم انجم نیازی صاحب لکھتے ہیں:

''اس گاؤں کی شہرت کا باعث میاں عبدالغفور رحمہ اللہ کے بڑے بیٹے حضرت مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ بنے جو بیک وقت ایک عالم، پیر اور سیاست دان تھے، یہ لوگوں سے ووٹ نہیں مانگتے تھے بلکہ لوگ ان کو خود آ کر ووٹ دیتے تھے، یہ اپنے مثالی تقویٰ اور پرہیزگاری میں مشہور تھے، ان کے تقویٰ اور پرہیزگاری کی مہکار پورے ملک کے کونے کونے تک پھیل چکی تھی، ان کی وجہ سے یہ گاؤں مقامی سطح سے اٹھ کر ملکی سطح تک جانا پہچانا جاتا تھا''۔

حضرت اقدس میاں عبدالغفور رحمہ اللہ کے چھوٹے صاحبزادے مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے تمام زندگی دین کی اشاعت و تحفظ کے لیے وقف کر رکھی تھی اور خود بھی پابندِ شرع تھے، سادگی آپ کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی، ہمیشہ کچے مکان میں رہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا شانہ پکڑ کر ارشاد فرمایا ''اس دنیا میں ایک مسافر یا راہ گزر کی طرح رہنا'' میں جب بھی آپ کے کمرے میں داخل ہوتا تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی کے مطابق آپ کا کمرہ ایک مسافر کا نقشہ پیش کرتا، مجھے ہمیشہ حدیث پاک کے یہ الفاظ یاد آجاتے اور آپ کا نحیف وجود اس حدیث کی عملی شکل میں دکھائی دیتا ؎

جہاں میں نمونہ ہے وہ سادگی کا | اونچا ستارہ ہے اک عاجزی کا
چمکتا ہے دل علم کی روشنی سے | اٹھاتا ہے تکلیف ہر اک خوشی سے

آپ رحمہ اللہ کی زندگی کا سب سے عظیم علمی کارنامہ یہ ہے کہ آپ دفاع صحابہ رضی اللہ عنہم جیسے نازک موضوع پر

ایسے عمدہ طریقے اور انوکھے اسلوب سے کام کر گئے جس کی نظیر پیش کرنے سے تاریخِ اسلام کے مؤرخین قاصر ہیں۔

تاریخِ اسلام میں بڑے بڑے مؤرخ ومحقق گزرے ہیں لیکن حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ جس سادہ، صاف ستھرے، اجلے اور اعتدال کا دامن تھام کر دل نشیں انداز میں رحماء بینھم جیسی کتاب لکھ گئے اور اللہ جل شانہ کے صادق و پاکیزہ کلام کی حقیقت کو جس طرح واضح کیا کہ مخالف بھی داد دینے پر مجبور ہوگیا، تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ بقول جسٹس (ر) جناب مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ ''اردو تو اردو رہا عربی لٹریچر میں بھی اس موضوع پر اس پائے کی کتاب میری نظر سے نہیں گزری''۔

ڈاکٹر ملک بشیر احمد صاحب فیصل آباد وفاقی محتسب کے عہدہ پر کام کرتے رہے ہیں، ملاقات کے لیے تشریف لائے تو بوقت ملاقات حضرت والد گرامی رحمہ اللہ کے ہاتھ چوم لیے، حضرت والد صاحب رحمہ اللہ چوں کہ عجز و انکساری کا نمونہ تھے، اس لیے فرمایا: میں اس قابل نہیں ہوں کہ میرے ہاتھ چومے جائیں اور انہیں ڈانٹ دیا، جج صاحب ناراض ہوگئے، اس کے بعد حضرت نے ان سے معافی مانگی کیوں کہ مہمان کا احترام لازم ہے۔ جج صاحب نے مشروط معافی کا کہا کہ اگر مجھے ہاتھ چومنے دیں تو معاف کردوں گا ورنہ نہیں، پھر ڈاکٹر صاحب نے بتایا: میری پہلی پوسٹنگ واشنگٹن میں ایمیگریشن کے عہدے کے طور پر ہوئی تو مجھے یہ کتاب رحماء بینھم پڑھنے کو ملی، میں نے تمام کتاب پڑھ ڈالی اور انگریزی خواں ہونے کے باوجود اتنا متاثر ہوا کہ یہ عہد کیا جن ہاتھوں سے ایسی عمدہ کتاب معرضِ تحریر میں آئی ان کو ضرور بوسہ دوں گا۔

حضرت مولانا مفتی محمد عبدالقوی صاحب دامت برکاتہم العالیہ جو کہ حضرت عبداللہ ملتانیؒ کی گدی کے خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں، ملاقات کے لیے ملتان سے تشریف لائے، بوقتِ ملاقات بتایا کہ میں کئی سال قبل ٹورنٹو شہر کے ایک ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا، اس شہر میں میرے ایک عالم دوست مجھے ملنے کے لیے تشریف لائے تو اپنے ساتھ رحماء بینھم کتاب لائے، میں نے کتاب پڑھنا شروع کی تو اڑھائی سو صفحات کی اس کتاب کو پڑھ کر سویا۔ اس وقت سے میں نے یہ عہد کر رکھا تھا کہ رحماء بینھم کے مصنف سے ضرور ملوں گا۔

ایک صاحب ساؤتھ افریقہ سے تشریف لائے، کہنے لگے میں رحماء بینھم وہاں پڑھی تھی، میرے بچے بنوری ٹاؤن اور دارالعلوم میں پڑھتے ہیں، میں نے سوچا کہ بچوں سے ملنے پاکستان گیا تو رحماء بینھم کے مؤلف سے ضرور ملوں گا۔

ایک مرتبہ ایران سے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب دامت برکاتہم العالیہ تشریف لائے، تہران کے رہنے والے ہیں، فرمانے لگے ہم نے اس کتاب کا ترجمہ فارسی میں کیا ہے لیکن بوجوہ ہم اس کو اب تک طبع نہیں کرواسکے، ایسی عمدہ کتاب فارسی میں بھی شائع ہونی چاہیے۔

جسٹس شریعت کورٹ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے کتاب کی افادیت کے پیش نظر اس کا عربی میں ترجمہ کروایا اور بیروت سے اپنے دوست نظام یعقوبی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے ذریعے طبع کرائی۔ جب سے عربی میں رحماء بینھم طبع ہوئی ہے تو عرب ممالک کی یونیورسٹیوں میں اس کتاب پر مقالات کا اہتمام کروانے پر غور کیا جارہا ہے۔

حضرت مولانا مفتی رحمت اللہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی حرم مدینہ میں ایک پاکستانی وفد، جس کا تعلق فیصل آباد سے تھا، سے ملاقات ہوئی، دورانِ گفتگو انہوں نے فرمایا: رحماء بینھم ایک پاکستانی عالم کی لکھی ہوئی کتاب ملی ہے، میں ویب سائٹ پر روسی زبان میں لیکچر دیتا ہوں اور میرے سننے والے کم و بیش پندرہ، سولہ ہزار افراد ہیں، میں نے اس موضوع پر لیکچر دیا تو مجھے کم از کم پندرہ سو میسج موصول ہوئے جس میں اس موضوع کو آگے بڑھانے پر زور دیا گیا تھا، لیکن میری مشکل یہ ہے کہ اس موضوع پر میرے پاس صرف ایک کتاب موجود ہے، اس کے علاوہ اس موضوع پر اور مواد میسر نہیں ہے۔ فیصل آباد کے معروف قاری محمد یونس صاحب مدظلہ العالی اس وفد میں شامل تھے، انہوں نے مولانا مفتی رحمت اللہ صاحب مدظلہ العالی سے عرض کیا کہ حضرت اس موضوع دفاعِ صحابہ رضی اللہ عنہم پر اسی مصنف کی متعدد کتابیں موجود ہیں، آپ پریشان نہ ہوں، ہم آپ کو یہ کتابیں مہیا کریں گے، آپ اپنے موضوع کو آگے چلائیں، پھر وہ لوگ حضرت والد گرامی کی کتابوں کا مکمل سیٹ لے کر گئے اور حضرت مولانا مفتی رحمت اللہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ کو ارسال کیا۔

رحماء بینھم کی طرح آپ کی تمام تصانیف کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی، غالباً ۸۴/ ۱۹۸۳ء کی بات ہے کہ بندہ ''مکہ بکس'' کے نام سے لاہور میں کتابوں کا کاروبار کرتا تھا، میرے ایک پبلشر ساتھی سرفراز صاحب حج پر گئے تو مدینہ منورہ میں کتابوں کی دوکان پر گئے، وہاں آپ کی کتاب بناتِ اربعہ انڈیا کی طبع شدہ خرید کر لائے جو اب تک ہمارے پاس محفوظ ہے۔

آپ کے معتدل اندازِ تحریر کی وجہ سے مخالفین بھی آپ کو احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ایک مرتبہ رجوعہ سادات کے رہائشی سید حیدر رضا نقوی صاحب جو ایران میں قم کی یونیورسٹی سے فاضل بن کر آئے ہیں

اور اپنے آبائی گاؤں ''رجوعہ سادات'' میں ایک بڑے جامعہ کے انچارج ہیں چوہدری محمد سلیم صاحب حمزہ پلازہ والے کو ساتھ لے کر والد محترم رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت نے ان کا اکرام فرمایا، چائے پلائی، ان کو کتابیں ہدیۃً عنایت فرمائیں انہوں نے حضرت کے معتدلانہ طرزِ تحریر کی بہت تعریف کی۔

آخر کار آپ رحمہ اللہ ایک صدی پر محیط زندگی گزار کر دارِ بقا سے دارِ فنا کی طرف کوچ کر گئے، ایک طرف شمسی سال ۲۰۱۴ء کا آخری سورج غروب ہو رہا تھا تو دوسری طرف علم وعمل اور اسلام کا شیدائی، جنابِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عاشقِ صادق اور صحابہؓ کا سچا غلام دنیائے اسلام پر اپنے علم وعمل کی کرنیں بکھیر کر، چمکتے دمکتے چہرے کے ساتھ علم کی دنیا میں غروب ہو گیا مگر اپنے پیچھے روشنی کا ایک ایسا مینارہ چھوڑ گیا کہ جب تک سورج چمکتا رہے گا اس آفتاب کی روشن کرنیں داعیانِ اسلام اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے غلاموں کے دلوں کو منور کرتی رہیں گی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد حضرت رحمہ اللہ نے اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ کے قائم کردہ مدرسہ جامعہ محمدی شریف میں درس وتدریس کا آغاز کیا اسی مدرسہ کے پہلے مدرس حضرت مولانا سید احمد شاہ صاحب چوکیروی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت رحمہ اللہ کے استاذ گرامی تھے اور سادات خاندان سے تعلق رکھتے تھے آپ کے خاندان میں رافضی عنصر بہت تھا۔ اوائل عمر میں سید صاحب حقہ کشید کرنے کا شوق رکھتے تھے ایک مرتبہ شاہ صاحبؒ اپنے خاندان کے ایک عمر رسیدہ بزرگ جو کہ زبردست حُقیل تھا (زیادہ حقہ پینے والا) ان کے ڈیرہ پر تازہ حقہ کے کش لگانے تشریف لے گئے۔ اثنائے گفتگو قرآن کا ذکر آ گیا تو وہ حقیل بزرگ شاہ صاحب سے کہنے لگے ''اوئے بھولے احمد شاہ اس قرآن وچ بڑے وادھے گھاٹے ہوگئے نیں'' یعنی اس قرآن میں کافی ترمیم وتوسیع ہوگئی ہے۔ یہ تو حضرت چوکیروی رحمہ اللہ کے خاندان کا حال تھا اور جس ماحول میں پڑھانے تشریف لائے اس علاقہ کے تمام بڑے بڑے سادات خاندان، معروف گدی نشین اور بڑے بڑے جاگیردار، رجوعہ، شاہ جیونہ، شاہ اسماعیل وغیرہ تمام رافضی سبائی تھے۔ اس پر مزید میدان سیاست کے شاہ سوار تھے۔ نیز انگریز کے پرانے وفادار ہونے کی وجہ سے ہر حکومت کے کاسہ لیس تھے غریب عوام ان کے حلقۂ ارادت میں بندھے ہوئے زندگی بسر کر رہے تھے۔ جاگیرداری نظام کا شکنجہ کیا کم تھا کہ سادات خاندان کی عقیدت اور پیری مریدی کا بندھن، سیاسی گروہ بندی ایسے مختلف پھندے تھے جس میں غریب عوام جکڑے ہوئے تھے۔ اس علاقے میں سبائیت نے گویا ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ دوسری طرف فتنہ قادیانیت قادیان سے رختِ سفر باندھ کر چنیوٹ کے ساتھ اپنا ڈیرہ (ربوہ) میں جما چکا تھا۔ قادیان کے بعد چنیوٹ

کی سرزمین سے زیادہ سازگار ماحول کہیں میسر نہ آیا۔[1] اس پر مزید پورا ماحول دیوبندی، بریلوی، اختلافی مسائل کی لپیٹ میں تھا۔ اس ماحول میں دیوبندی ہونا سب سے بڑا جرم سمجھا جاتا تھا۔ حالانکہ حضرت مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ کی فراغت دارالعلوم دیوبند کی تھی حضرت علامہ انور شاہ صاحب رحمہ اللہ کشمیری کے شاگرد تھے۔ جبکہ حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ اپنے والد گرامی حضرت مولانا عبدالغفور رحمہ اللہ کے دست حق پرست پر بیعت تھے۔ ان کے والد گرامی بھی سیال شریف سے خلافت کا شرف حاصل کر چکے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ سیال شریف کے ساتھ نیاز مندانہ تعلق رکھتے تھے خود چونکہ معتدل مزاج، تعصب و تشدد سے کوسوں دور۔ خانقاہی نظام کے ساتھ قلبی لگاؤ اور انس تھا، زندگی بھر خانوادہ سیال شریف کا دل سے احترام کرتے آپ کو کسی صاحبزادہ کا حکم آتا تو اس کو انجام دیتے اور روحانی طور پر اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل نمونہ تھے۔ حضرت مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ کی مقناطیسی شخصیت انتہائی معتدل مزاج تھی انہوں نے اپنے مدرسہ کی بنیاد بھی مسلک اعتدال پر رکھی تھی۔ اپنے مدرسے میں تمام سنی مکاتب فکر کے علما کو مفتی، صدر مدرس اور شیخ الحدیث مقرر فرمایا۔ سیاسی طور پر ہمیشہ ضلع بھر میں تمام مکاتب فکر کے علماء اور ہر طبقہ فکر کو ایک پلیٹ فارم پر جمع رکھا یہی وجہ ہے ضلع بھر کی سیاست میں ہمیشہ کامیاب ٹھہرے جبکہ ان کے نامزد کردہ نمائندے بھی سو فیصد کامیاب ہوئے۔ ۱۹۷۰ء کی دہائی میں پنجاب بھر میں پاکستان پیپلز پارٹی کا طوفان تھا لیکن مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ کی اعتدال پر مبنی پالیسی کی بدولت ضلع جھنگ میں پیپلز پارٹی ایک سیٹ بھی حاصل نہ کر پائی سیال شریف کے گدی کے بزرگوں کا مزاج بھی معتدل تھا۔ حتیٰ کہ اس وقت کے بعض شدت پسند علماء سیالوی حضرات کو دیوبندی نواز سمجھتے تھے ایک مرتبہ پیر طریقت حضرت خواجہ محمد قمر الدین رحمہ اللہ حضرت مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ کے ہاں تشریف لائے رات محمدی شریف گاؤں میں مولانا کے کمرے میں قیام فرمایا محفل جمی جس میں حضرت مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ، مولانا محمد نافع رحمہ اللہ اور ان دونوں کے علاوہ ان کے بھتیجے مولانا فضل کریم سیالوی نیز دیگر دیہاتوں کے مقامی افراد موجود تھے آپ رحمہ اللہ نے کراچی کے سفر کے حالات سنانے شروع کیے اثنائے گفتگو حضرت خواجہ قمر الدین رحمہ اللہ نے فرمایا کراچی شہر میں جہاں ہم ٹھہرے ہوئے تھے بعض کراچی کے علماء تشریف لائے جن میں مولانا محمد شفیع اوکاڑوی مرحوم بھی شامل تھے۔ اس وفد نے حضرت خواجہ صاحب سے سوال کیا حضرت آپ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کو کافر

---

[1] جاگیرداروں اور گدی نشین پیروں کے گٹھ جوڑ، سرمایہ دارانہ نظام کے ہاتھوں کچلے ہوئے عوام کی حالت زار اور ضلع جھنگ کی مذہبی حالت وغیرہ پر ہم گزشتہ صفحات میں مستقل باب کے تحت بحث درج کر آئے ہیں۔ سلفی

سمجھتے یا نہیں؟ تو انہیں حضرت خواجہ سیالویؒ نے بتلایا کہ میں ان کو کافر نہیں سمجھتا۔ تب ان علماء نے کہا اعلیٰ حضرت فاضل بریلی نے تو ان کو کافر لکھا ہے اور آپ ان کو مسلمان سمجھتے ہیں؟ تو میں نے ان سے کہا کہ حضرت اعلیٰ حضرت کے پاس ان کو کافر لکھنے کا کوئی ثبوت یا جواز ہوگا میرے پاس تو کوئی ایسا جواز یا ثبوت نہیں ہے۔ لہٰذا میں ان کو کافر کیسے کہہ دوں؟ عالم دین ہونے کے ناطے ان کا احترام ہے مگر ان کی ہر بات میرے لیے حجت ہرگز نہیں۔

اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا جس عبارت کی وجہ سے فاضل بریلی نے مولانا نانوتوی رحمہ اللہ کو کافر لکھا ہے اس عبارت کی رو سے مولانا نانوتوی رحمہ اللہ پر کفر ثابت نہیں ہوسکتا۔ جامعہ محمدی شریف کے ماحول پر سیال شریف کے گہرے اثرات تھے۔ چونکہ اس ماحول کی اکثریت کا سیال شریف کے خانوادے سے پیری مریدی کا تعلق تھا لہٰذا اس پس منظر میں جامعہ محمدی شریف کے حالیہ ماحول میں فرقہ واریت کی شدت پسندی سمجھ سے بالا ہے۔ خانوادہ سیال کے حضرات بھی خانقاہی مزاج محبت ومودت اور اولیاء امت کے مزاج کے مطابق رواداری خلق خدا سے پیار و شفقت کا مزاج رکھتے تھے۔ حضرت مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ دیوبند میں پڑھتے تھے تب حضرت خواجہ ضیا الدین سجادہ نشین آف سیال شریف مولانا کی دعوت پر دیوبند تشریف لے گئے رات قیام فرمایا حضرت کا یہ جملہ بہت معروف ہوا کہ ”یہاں (دیوبند) میں صحیح حنفیت دیکھنے میں آئی ہے“ حضرت خواجہ سیالوی رحمہ اللہ کے اعزاز میں جلسہ ہوا تو دارالعلوم دیوبند کی انتظامیہ کی طرف سے سپاسنامہ پیش کیا گیا جس کے جواب میں حضرت خواجہ سیالوی رحمہ اللہ نے اپنے پیارے مرید، اور سفر کے ساتھی مولانا ظہور احمد بگوی کو فرمایا تو انہوں نے سپاسنامہ کا جواب حاضرین کے سامنے پیش فرمایا یاد رہے کہ مولانا ظہور احمد بگوی اور ان کے بھائی مولانا ذاکر بگوی بھیرہ کے معروف علماء کرام میں سے تھے ان کا روحانی تعلق سیال شریف سے تھا مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ محمدی شریف والے اور حضرت مولانا محمد ذاکر بگوی بھیرہ والے دونوں پیر بھائی تھے۔ اور مختلف تحریکوں میں مشترکہ جدوجہد کی مثلاً تحریک خلافت اور تحریک ختم نبوت میں بھرپور کردار ادا کیا۔ یہ بگوی خاندان علمی لحاظ سے معروف شمار ہوتا تھا آگے چل کر تو زیادہ تر علماء دیوبند کی طرف جھکاؤ ہوگیا تھا۔ ان کا معروف رسالہ ”شمس الاسلام“ تاحال چھپ رہا ہے۔ اسی طرح ایک مرتبہ سیال شریف کے مدمقابل ایک فرلانگ کے فاصلہ پر سبائی فتنہ پردازوں نے ایک بہت بڑا علم اور عباس علمدار کا پنجہ راتوں رات کھڑا کردیا جس کی وجہ سے ایک بڑے پیمانے پر فساد اور تصادم کا شدید خطرہ پیدا ہوگیا۔ سیال شریف کے ہزاروں مسلح مریدین سیال شریف پہنچ گئے۔ حضرت خواجہ قمرالدینؒ کے سجادگی کا دور

تھا سرگودھا کے تمام مکاتب فکر کے علماء کو سیال شریف جمع کیا گیا تمام سنی مکتب فکر کے علماء نے اپنے تعاون کا یقین دلایا اس موقع پر حضرت خواجہ سیالوی رحمہ اللہ نے حضرت علامہ احمد شاہ صاحب چوکیری رحمہ اللہ کو امامت کے لیے مصلیٰ پر کھڑا فرمایا اور سیال شریف کی خانقاہ کے مصلیٰ پر ایک سید زادے جو کہ دیوبند مکتب فکر سے متعلق تھے، نے امامت کرائی۔ ایک مرتبہ جھوک دابیہ میں شیعہ، سنی کے مناظرہ جس کا اہتمام مقامی زمیندار نے کیا لیکن حضرت خواجہ قمر الدین رحمہ اللہ نے اس میں کلیدی کردار ادا کیا تھا۔ حضرت خواجہ سیالوی رحمہ اللہ نے علامہ سید احمد شاہ صاحب رحمہ اللہ اور حضرت مولانا نافع رحمہ اللہ کو ارشاد فرمایا انہوں نے مولانا دوست محمد قریشی رحمہ اللہ کو بلایا مناظرہ اللہ کے فضل و کرم سے جیت لیا گیا جس میں مناظر ہونے کا کردار مولانا دوست محمد قریشی رحمہ اللہ کا تھا لیکن مناظرے کا تمام مواد حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے بڑی محنت و ریاضت سے مہیا فرمایا تو حضرت خواجہ سیالوی رحمہ اللہ نے مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کو بڑی شاباش دی اور ڈھیر ساری دعائیں دیں۔ [1] البتہ ایک بات ضرور تھی کہ حضرت مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ کے چند قریبی عزیزوں میں بعض حضرات علماء بریلی سے بے حد متاثر تھے اور ان کے اثرات کی وجہ سے ماحول معتدل ہونے کی بجائے شدت پسندی کی طرف مائل رہا۔ اور بعض مقامی مخالف حضرات نے بھی اس میں کردار ادا کیا جن کا ان دونوں بھائیوں سے حاسدانہ رویہ تھا۔ [2]

بہر کیف جامعہ محمدی شریف کا ادارہ دریائے جناب سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر واقعہ کچے کا علاقہ ہے، یہاں کی باسی اقوام میں اکثریت جرائم پیشہ افراد تھے۔ ان معروضی حالات کی وجہ سے غربت، جہالت گمراہی، پسماندگی دین سے دوری اور معاشرتی انحطاط گویا جہالت کے ہر سمت اندھیرے تھے۔ حضرت مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ نے اس علاقہ میں تعلیمی تحریک شروع کی اور سیاسی طور پر جاگیرداروں کا مقابلہ کر کے ان کو شکست وریخت سے دوچار کیا۔

ان حالات میں حضرت ممدوح رحمہ اللہ پہلے پہل مقامی اور بیرونی علماء کے ساتھ مل کر علاقہ بھر میں مدح صحابہ رضی اللہ عنہم اور دفاع صحابہ رضی اللہ عنہم کے عنوانات پر علاقہ بھر میں تبلیغی اجتماع منعقد کرتے رہے۔ ان علماء میں حضرت مولانا احمد بخش ضیائی مولانا منظور احمد برخورداری، مولانا محمد خان رحمہ اللہ جہلمی، حضرت مولانا حکیم عطاء محمد صاحب رحمہ اللہ قریشی (از میانوالی) اور تحریک تنظیم اہل سنت (ملتان) والوں سے باقاعدہ رابطہ رکھا وہاں سے

---

[1] اس پر تاریخی ثبوت کے ساتھ مکمل بحث اپنے مقام پر گزر آئی ہے۔

[2] حاسدانہ اور معاندانہ رویوں پر بھی بحث گزر چکی ہے۔ سلفی

خطیب حضرات بھی وقتاً فوقتاً تشریف لاتے اس طرح اس علاقہ کے غریب عوام میں اہل سنت کا شعور اجاگر کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ حضرت سید احمد شاہ رحمہ اللہ چوکیروی آپ کے استاذ گرامی تھے۔ ان کا خاندانی پس منظر میں سبائیت کا غلبہ تھا۔ اس علاقہ میں بھی رافضیت سے پالا پڑ گیا تو ذہین و شفیق استاذ نے اپنے لائق، شریف النفس اور متین شاگرد کی خوبیوں سے متاثر ہو کر ان کو تحقیق و تصنیف پر آمادہ کیا اور پہلی تصنیف ''حدیث ثقلین'' لکھوائی اس کے بعد رحماء بینھم کا موضوع بھی علامہ سید احمد شاہ رحمہ اللہ نے منتخب فرمایا تب حضرت رحمہ اللہ نے کمال صبر و استقامت کے ساتھ اپنے کام میں کم وبیش پچپن ساٹھ سال صرف کر دیئے۔ اور اپنے موضوع کے اعتبار سے تاریخ کا منفرد، ٹھوس جامع اور ناقابل تردید کام کر گئے بقول معروف شاعر و ادیب جناب انجم نیازی، جو کام تاریخ اسلام کے بڑے مؤرخین ابن خلدون امام رازی رحمہ اللہ اور امام غزالی رحمہ اللہ نہ کر سکے وہ کارنامہ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے انجام دیا پہلے پہلَ جناب انجم نیازی کی تصنیف ''ہفت اولیاء'' کی یہ عبارت پڑھ کر مبالغہ آرائی کا گمان ہوا لیکن حضرت رحمہ اللہ کی وفات کے بعد جب یہی الفاظ اکثر علماء کرام اور دیگر اہل علم حضرات نے حتی کہ پنجاب یونیورسٹی کے پروفیسر صاحبان نے اتنے تواتر سے استعمال کیے اور اپنے تاثرات کا اظہار کیا یا حضرت کے تعزیتی پروگراموں میں اپنے خطابات میں دوہرائے تو محسوس ہوا کہ انجم نیازی نے حقیقت بیان کی تھی نہ کہ مبالغہ آرائی فرمائی تھی۔ (1) بہرکیف حضرت ممدوح رحمہ اللہ ہر مشکل، ہر رکاوٹ، معاشرے کی ہر ناگواری کو صبر و استقامت سے برداشت کرتے ہوئے تن تنہا بغیر کسی معاون کے بے سروسامانی کے عالم میں شیشم کے درخت کے سائے یا کچے کمرے کی دیواروں کے سائے میں بیٹھ کر وہ کام کر گئے جو کہ ایک ٹیم بھی کرنے سے قاصر رہے۔

اتنا ٹھوس، جامع، مضبوط، پائیدار، مؤثر، سلیس، ناقابل تردید، اور علمی و تحقیقی مگر عام فہم کام کہ ہر معیار کا آدمی اس سے مستفیض ہو سکتا ہے۔ نصف صدی گزرنے کے باوجود مخالف مؤقف کا کوئی فرد یا جماعت آج تک جواب نہ دے سکی۔ اور نہ دے سکیں گے ان شاء اللہ۔ آپ نے اپنی نگرانی میں ایک کتب خانہ ترتیب دیا جو کہ ادارہ جامعہ محمدی شریف میں قائم تھا۔ لیکن اس کی تمام تر ذمہ داری اور ترتیب حضرت رحمہ اللہ فرماتے رہے اپنے موضوع یعنی دفاع صحابہ رضی اللہ عنہم اور مدح صحابہ رضی اللہ عنہم کے عنوانات کے متعلقہ کتابوں کا ایک بڑا انمول ذخیرہ جمع فرمایا اور دوران مطالعہ ہر اہم کتاب پر فٹ نوٹ لگائے کہ کتاب کا خلاصہ اس قاری کے سامنے آجاتا اس

(1) یہ حقیقت بھی مبالغہ آرائی پر مشتمل ہے۔ کیونکہ جو کام ابن خلدون رحمہ اللہ، امام رازی رحمہ اللہ یا غزالی رحمہ اللہ کر گئے وہ بعد کے علماء کرام بھی تو نہ کر سکے۔ اس لیے اس قسم کا تقابل خواہ مبنی بر حقیقت ہو، پہلوں کی شخصی و علمی عظمت کا وزن کم کرنے کی وجہ سے نامناسب ہے۔ سلفی

سے ان نادر کتب کی افادیت و اہمیت کئی گنا بڑھ گئی۔ حضرت رحمہ اللہ کا معمول تھا صبح 9/10 بجے کتب خانہ میں تشریف لاتے خود تالا کھولتے چار پائی بچھاتے۔ اپنی چوکی پر خود کتابیں سجاتے اور مطالعہ میں مگن ہو جاتے۔ کوئی ملازم کوئی شاگرد خدمت کے لیے موجود نہ ہوتا نماز کا وقت ہو جاتا تو اپنا لوٹا اٹھاتے نل سے پانی لیتے خود ہی وضو فرماتے مسجد چلے جاتے۔ سردیوں میں ظہر و عصر کی جماعت ادارہ کی مسجد میں خود امامت فرماتے گرمیوں میں عموماً دوپہر کو گھر واپس آجاتے گھر کھانا کھاتے کچھ دیر آرام فرماتے اور قریہ محمدی شریف کی مسجد میں نماز پڑھتے۔ یہاں امامت کے فرائض مولانا مفتی محمد شریف مرحوم و مغفور سرانجام دیتے تھے۔ مگر سردیوں میں دونوں نمازیں ظہر و عصر ادارے میں پڑھتے اور آپ رحمہ اللہ خود امامت فرماتے۔ جب تک چلتے پھرتے رہے جمعہ ادارے کی مسجد میں آپ رحمہ اللہ پڑھاتے لیکن جناب ناظم عمومی ادارہ اور ادارے کے دیگر مدرسین طلباء سب جمعہ کی نماز قریہ محمدی شریف والی مسجد میں پڑھتے اور گاؤں والی مسجد میں جمعہ مفتی مولانا محمد شریف رحمہ اللہ پڑھاتے عیدین بھی ادارے کی مسجد میں حضرت رحمہ اللہ ہی پڑھاتے۔ جب معذور ہو گئے تو عیدین اور جمعہ ادارے کی مسجد میں حضرت رحمہ اللہ کے چھوٹے بیٹے مولانا حافظ ابوبکر پڑھاتے جو کہ آج تک یہی ترتیب چلی آرہی ہے لیکن آج بھی ادارے کے ناظم عمومی مولانا رحمت اللہ صاحب اور ان کے مدرسین و طلبہ تمام حضرات نماز جمعہ قریہ محمدی شریف والی جامع مسجد میں پڑھتے ہیں۔

حضرت کی زندگی میں اور بعد میں آج تک حضرت رحمہ اللہ کے عقیدت مند اور ملنے والے مدرسے والی مسجد میں نماز جمعہ ادا کرتے لیکن قلیل تعداد میں ہوتے البتہ عیدین میں مجمع کافی بڑا ہوتا جس کی ترتیب اب بھی وہی ہے۔ حضرت رحمہ اللہ انتہائی روادار انسان تھے اور اخلاق نبویؐ کے سختی سے پابندی فرماتے۔ حتی کہ اس پورے ماحول میں شریعت کی پابندی اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عامل آپ سے زیادہ کوئی نہ تھا لیکن اس ماحول کی یہ خاص خوبی تھی کہ اس کی غالب اکثریت حضرت کی پہچان نہ کر سکی ان کی وفات کے بعد جنازے میں لاکھوں کا مجمع جس میں دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث کی یہ شمولیت دیکھ کر اکثر لوگ کہتے سنے گئے کہ ”ہائے“ ہم تو حضرت رحمہ اللہ کو پہچان نہیں سکے یہ تو کسی اور دنیا کے انسان تھے۔“

بعض شیعوں سے لوگوں نے سوال کیا کہ آپ لوگ اس جنازے میں کیا لینے آئے ہیں؟

تو ان کا جواب تھا کہ ”کیا ہمیں بخشش کی ضرورت نہیں“ ہم جنازے میں شمولیت کر کے بخشش کرانے

آئے ہیں۔[1] حضرت رحمہ اللہ ایک معصوم انسان تھے جس نے کبھی کسی کو دکھ نہ دیا جس نے کسی کی دل آزاری نہ کی بلکہ ایک مثالی زندگی گزاری۔ جس نے زندگی غلامئ مصطفےٰ ﷺ بلکہ ان کے غلاموں کی غلامی میں گزاری۔ اس شخص کے بارے لوگ کہتے سنے گئے یہ تو وہابی ہے اس میں غالباً یہ رازِ پنہاں تھا کہ یہ بھی حضور اقدس ﷺ کی سنت ہے۔ لوگ گالیاں دیتے تو حضور ﷺ دعائیں دیتے لوگ آپ ﷺ پر گند پھینکتے اور حضور اقدس ﷺ ان کی تیارداری فرماتے لوگ آپ ﷺ کو جادوگر کہتے لیکن آپ ﷺ ان کو دعاؤں سے نوازتے۔

حضرت رحمہ اللہ کے والد گرامی حضرت مولانا عبدالغفور رحمہ اللہ نے اپنے گاؤں کے دوست ملک میرداد کھوکھر کو فرمایا میرے اس چھوٹے بیٹے محمد نافع رحمہ اللہ کو حضور اقدس ﷺ سے ایک خاص نسبت حاصل ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی والدہ کے بطن مبارک پر پیشاب نہیں کیا اور میرے اس بیٹے نے بھی اپنی والدہ کے جسم کو پیشاب سے آلودہ نہیں کیا۔ یہی وجہ تھی اگر حضرت کی نجی زندگی پر غور کیا جائے تو ہر شعبہ زندگی میں حضور اقدس ﷺ کی اتباع اور شریعت مطہرہ کی پابندی کے مناظر نظر آتے ہیں۔ گھر کے کچے کمرے کی چھت میں کھجور کے پھٹرے ڈلوائے کہ یہ سنت بھی چھوٹ نہ جائے اپنا ایک تکیہ چمڑے کا بنوایا اس میں چھال بھری کہ یہ سنت بھی زندہ ہو جائے۔ ہر نماز کے ساتھ تازہ وضو فرماتے اور فرض پڑھنے کے بعد بقایا نماز احاطہ مسجد سے باہر پڑھتے کہ یہ بھی سنت رسول ﷺ کی ہے۔ قربانی میں ہمیشہ چھترا (دنبہ) ذبح کرتے کیونکہ حضور اقدس کو چھترے کی قربانی پسند تھی۔ ایک مرتبہ بڑی دلچسپ صورت حال پیدا ہوگئی جب تک حضرت مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ زندہ رہے تینوں بھائیوں مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ، حافظ محمد صالح رحمہ اللہ، اور مولانا محمد نافع رحمہ اللہ آمد و خرچ مشترکہ رکھتے مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ سب سے بڑے تھے اور محمدی شریف کی خانقاہ کے صاحب سجادہ بھی تھے ان کو بکرے، چھترے وغیرہ عقیدت مند لوگ بطور ہدیہ پیش کرتے تھے قربانی کا موقع تھا۔ حافظ صالح محمد تو وفات پا چکے تھے۔ دونوں بھائی زندہ تھے۔ تیسرے بھائی حافظ صالح محمد کے اکلوتے بیٹے مولانا حافظ فضل کریم صاحب تھے۔ ان تینوں کے لیے قربانی کے جانور خریدنے کا معاملہ آیا تو پتہ چلا کہ تین چھترے یا اس میں کوئی بکرا تھا وہ ہدایہ میں ملے ہوئے موجود ہیں۔ لہٰذا تینوں جانور لائے گئے اور ایک چھترا حضرت

---

[1] جن لوگوں کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ازواجِ مطہرات کے ساتھ عقیدت و اعتماد سے بخشش کا پروانہ نہ مل سکا، انہیں ایک سنی عالم دین کے جنازہ میں کیا بخشش مل سکتی تھی؟ درحقیقت یہ ان لوگوں کا تقیہ اور موقع پرستی ہوتی ہے اور ویسے بھی شیعہ علماء نے سنیوں کے جنازہ میں شریک ہو کر جو بددعائیں پڑھنے کی تلقین اپنے عوام کو کر رکھی ہے وہ ان کے بغض و عناد سے اٹے چہرے پر سے نقاب کشائی کرنے کے لیے کافی ہے۔ سلفی

مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے لیے مخصوص کیا گیا کہ اس کی قربانی وہ خود کریں گے۔ یاد رہے جب تک سکت رہی اپنی قربانی کو ذبح خود کرتے تھے کیونکہ یہ بھی آقا ﷺ کی سنت پاک ہے۔ جب جانور مخصوص ہو گیا تو حضرت رحمہ اللہ کو بتلایا گیا تو حضرت رحمہ اللہ نے کہا میں تو اس کی قیمت ادا کروں گا ان کے پاس علیحدہ کوئی پونجی نہ ہوتی تھی کہیں سے ادھار لیا یا کچھ پیسے بچا کر رکھے ہوئے تھے واللہ اعلم۔ بہرکیف اس چھترے کی قیمت میاں سلطان کمو کا نامی (ایک خادم جو حضرت مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ کی خدمت میں رہتا تھا) اس کو کہا کہ اس چھترے کی قیمت لگواؤ تاکہ بڑے بھائی صاحب کو اس کی قیمت ادا کروں ورنہ میں یہ چھترے کی قربانی نہیں کروں گا۔ سلطان کمو کا بے چارہ سادہ لوح بھی تھا اس نے یہ بات حضرت رحمہ اللہ کے بڑے بھائی حضرت مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ کو بتا دی حضرت پہلے تو خوب ہنسے پھر فرمایا ارے بے وقوف یہ کیا بات کر رہا ہے میں اپنے بھائی سے چھترے کی قیمت لونگا؟

یہ بات اس نے حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کو جا کر بتائی انہوں نے اس کو جھاڑ پلائی کہ جاؤ یہ قیمت ان کے خادم شیر محمد کو دے دو میں جب تک قیمت ادا نہ کرلوں قربانی نہ کروں گا۔ اب سلطان کمو کا بے چارے کی سمجھ میں نہ آئے کہ میں کیا کروں اور کیا نہ کروں۔ شیر محمد خادم ذرا تیز، سمجھدار آدمی تھا اس نے۔ حالات کا جائزہ لے کر مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ حضرت رحمہ اللہ سلطان تو بھولا آدمی ہے آپ یہ رقم مجھے دیں میں مولانا (یعنی مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ) کو پیش کردوں گا۔ یوں اس نے ذہانت سے یہ معاملہ رفع دفع کیا۔

حضرت رحمہ اللہ نے قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح فرمایا۔ حضرت رحمہ اللہ کا معمول تھا کہ وہ قربانی کا چھترا آخری دنوں میں خریدتے تھے اور ذبح کرنے تک مذکورہ جانور اس کی تحویل میں رکھتے جس سے جانور خرید کیا تھا اور ایک دو دن کی رکھوالی کی قیمت اس کو الگ ادا کرتے اور جانور قربانی والے دن منگواتے اور خود ذبح کرتے۔

حضرت ممدوح رحمہ اللہ رواداری اور اپنے خاندان سے تعلق کو خوب نبھاتے گاؤں بھر میں جو برادری تھی ان کی کوئی مرگ ہو جاتی تو پہلے دن جہاں وہ لوگ اکٹھے ہوتے تشریف لے جاتے جب معذور ہو گئے تو اپنے بیٹوں میں سے کسی ایک کو بھیجتے۔ جنازے میں خود شریک ہوتے یا ہمیں شرکت کا حکم فرماتے غرضیکہ آپ ایک صحیح معنوں میں عالمِ باعمل تھے اور یہ حقیقت ہے کہ آپ کی رحلت سے نہ صرف ایک قصبہ محمدی شریف یا ضلع چنیوٹ یہ پورا خطہ ایک باکمال شخصیت کے وجود سے محروم ہو گیا ہے۔

# ایک عالم باعمل اور فرشتہ سیرت انسان

تحریر: ڈاکٹر حافظ محمد سعد اللہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

اہلِ علم و دانش سے یہ امر مخفی نہیں کہ ہر وہ آدمی جو دینی مسائل، قرآن و حدیث، فقہی احکام جانتا، دین سے متعلقہ دیگر علوم وفنون پر دسترس رکھتا، دینی کتب کو پڑھنے، وعظ و تقریر کرنے، عوام الناس کو دینی مسائل بتانے اور فتویٰ دینے کی صلاحیت و استعداد رکھتا ہے لغوی اعتبار سے اور عرفِ عام میں اس پر عالم دین کا اطلاق ہوسکتا اور کیا جاتا ہے۔ مگر شرعی اعتبار سے اور حقیقی معنوں میں عالم دین کا اطلاق اس شخص پر ہوتا ہے جس کا عمل، سیرت و کردار اور گفتار بھی اپنے علم اور شریعت کے مطابق ہو۔ چنانچہ صاحب مشکوۃ المصابیح نے معروف تابعی اور نامور فقیہ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کی روایت سے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا یہ اثر نقل کیا ہے کہ آپ نے قرآن وسنت کے ساتھ ساتھ تورات وانجیل کے معروف عالم حضرت کعب بن احبار رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''من ارباب العلم'' علم والے لوگ کون ہیں؟ تو اس کے جواب میں انہوں نے بتایا ''الذین یعملون بما یعلمون'' وہ لوگ جو اپنے علم کے مطابق عمل بھی کرتے ہیں۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی سے متعلق دوسرا سوال کرتے ہوئے فرمایا ''فما اخرج العلم من قلوب العلماء'' کون سی چیز علماء کے دلوں سے علم کو نکال دینے والی ہے؟ تو انہوں نے بتایا! ''الطمع'' وہ (دنیا کا) لالچ ہے۔ قرآن مجید نے تو ان علماء کو جو اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتے ایسے گدھے سے تشبیہ دی ہے جس پر کتابیں لدی ہوں۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿مثل الذین حملوا التوراة ثم لم یحملوها کمثل الحمار یحمل اسفارا﴾

''جن لوگوں کو تورات پر عمل کا حکم دیا گیا تھا پھر انھوں نے اس پر عمل نہ کیا ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو کتابیں لادے ہو۔''

زیر بحث چیز کی مزید وضاحت اور تشریح کے لئے یہاں علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے اس آیت پر تفسیری نوٹ کا مطالعہ بے جا نہ ہوگا۔ فرماتے ہیں:

''یعنی یہود پر ''تورات'' کا بوجھ رکھا گیا تھا اور وہ اس کے ذمہ دار ٹھہرائے گئے تھے لیکن انھوں نے اس کی تعلیمات و ہدایات کی کچھ پرواہ کی، نہ اس کو محفوظ رکھا نہ دل میں جگہ دی نہ اس پر عمل کر کے اللہ کے

فضل و انعام سے بہرہ ور ہوئے۔ بلاشبہ تورات جس کے یہ لوگ حامل بنائے گئے تھے، حکمت و ہدایت کا ایک ربانی خزینہ تھا مگر جب اس سے منتفع نہ ہوئے تو وہ ہی مثال ہوگئی نہ محقق شدی نہ دانشمند۔ چار پائے برو کتابے چند۔ ایک گدھے پر علم و حکمت کی پچاسوں کتابیں لاد دو اس کو بوجھ میں دبنے کے سوا کوئی فائدہ نہیں۔ وہ تو صرف ہری گھاس کی تلاش میں ہے۔ اس بات سے کچھ سروکار نہیں رکھتا کہ پیٹھ پر لعل و جواہر لدے ہوئے ہیں یا خزف وسنگریزے۔ اگر محض اسی پر فخر کرنے لگو کہ دیکھو! میری پیٹھ پر کیسی کیسی عمدہ اور قیمتی کتابیں لدی ہوئی ہیں لہٰذا میں بڑا عالم اور معزز ہوں تو یہ ''اور زیادہ گدھا پن ہوگا۔''

عالم دین کی مذکورہ بالا لغوی تعریف اور عرفی اطلاق کے اعتبار سے بے شمار اور لا تعداد لوگوں کو علماء دین کہا جاسکتا اور کہا جاتا ہے مگر عالم دین کی درج بالا شرعی تعریف کے اعتبار سے خال خال اور گنے چنے لوگ ہی علماء دین کہلانے کے حق دار ہیں۔ ایسے ہی علماء دین کے متعلق پیغمبر اسلام (ﷺ) نے فرمایا:

«ان العلماء هم ورثة الانبياء»

''بیشک علماء ہی انبیاء کرام کے حقیقی وارث ہیں۔''

علماء دین کی مندرجہ بالا شرعی تعریف پر پورا اترنے والے علماء دین میں ایک نام ضلع جھنگ (اور اب ضلع چنیوٹ) کی ایک چھوٹی سی بستی محمدی شریف میں جنم لینے والے مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ کا نام نامی بھی یقیناً شامل ہے۔ جو اپنے علمی، تحقیقی، تصنیفی، تالیفی، تدریسی، دعوتی، تحریری، تربیتی، دینی، روحانی، مالی اور اخلاقی فیوض و برکات سے کوئی صدی بھر ایک طویل عرصہ تک خلق خدا کو نفع پہنچاتے رہنے کے بعد مؤرخہ ۷ ربیع الاوّل ۱۴۳۶ھ بمطابق بمطابق ۳۰ دسمبر ۲۰۱۴ء کی شام دس گیارہ بجے کے درمیان ہزاروں لوگوں کو سوگوار چھوڑ کر اس دار فانی سے دار آخرت کو کوچ فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

## حضرت مولانا رحمہ اللہ کا قریب سے مشاہدہ

آئندہ سطور میں حضرت مولانا رحمہ اللہ کے حوالے سے چند تاثرات و خیالات سنے سنائے نہیں بلکہ راقم کے ذاتی اور چشم دید مشاہدہ پر مبنی ہیں اور کوشش کی گئی ہے کہ عقیدت و محبت میں کسی قسم کی مبالغہ آرائی اور غلو سے کام لینے کی بجائے حقیقت پر مبنی احوال کی عکاسی کی جائے اور معلوم رہنا چاہیے کہ ''شنیدہ کے بود مانند دیدہ''

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ راقم کا آبائی گاؤں بھی محمدی شریف ہے۔ اندازاً ۶۲۔۱۹۶۱ سے لے کر

۱۹۷۶ء تک حفظ قرآن اور ابتدائی تعلیم سے لے کر درس نظامی اور دورہ حدیث تک کی تعلیم میں نے حضرت مولانا کے بڑے بھائی مجاہد ملت حضرت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۷۶ء) کے قائم کردہ دینی ادارے ''جامعہ محمدی شریف'' میں پائی جس میں مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ ادارے کے تمام تعلیمی منصوبوں اور انتظامی کاموں میں اپنے بھائی جان کے دست راس، معاون، نائب، شعبہ تصنیف و ترجمہ کے انچارج، کتب خانہ (لائبریری) کے ناظم، و مدرس، شیخ الحدیث، مفتی اور خطیب کے طور پر گوناں گوں خدمات سرانجام دیتے تھے۔ اس دوران بچپن اور ابتدائی کلاسوں سے جامعہ میں شرافت، عالمانہ وقار، تواضع، عاجزی، انکساری، سادگی، فقر و درویشی کا پیکر، سارا دن کتب خانہ میں بیٹھا اور ازدگرد کتابوں کے ڈھیر میں گھرا اور اپنے کام سے کام رکھنے والا ایک چھوٹے سے قد کا دبلا پتلا نحیف و نزار اور صاف ستھرے اور سادہ کپڑوں میں ملبوس ایک خاموش طبع شخص نظر آتا تھا جن سے کبھی سر راہ ملاقات ہو جاتی تو سر پر دست شفقت پھیر دیتا اور وقتاً فوقتاً میرے چھوٹے بھائیوں کو بلا کر ہماری تھوڑی بہت مالی مدد کر کے یتیم پروری کا بھی مظاہرہ کرتا تھا۔ مگر اسے زیادہ قریب سے دیکھنے کا موقع راقم کو اس وقت ملا جب درس نظامی کے آخری سالوں میں ہدایہ اور صحیح مسلم شریف وغیرہ ان کے پاس پڑھنے کا موقع ملا۔ اس وقت تک بحمد اللہ شعور اور سوجھ بوجھ بھی پیدا ہو چکی تھی۔ پھر ان کی شفقت سے تدریسی اوقات کے علاوہ بھی ان کے پاس اٹھنے بیٹھنے اور چھوٹی موٹی علمی خدمت سرانجام دینے کا موقع ہاتھ آیا۔ بعد ازاں راقم ۸۰-۱۹۷۹ سے اگرچہ لاہور آ گیا مگر اس کے باوجود آخر دم تک حضرت مولانا رحمہ اللہ کی استاذانہ شفقت، علمی کاموں میں اعتماد اور حسن ظن قائم رہا۔ اپنا علمی، تحقیقی اور تصنیفی و تالیفی کام زیادہ تر انہوں نے بنفس نفیس اور اپنے ہاتھوں سے سرانجام دیا جس تفصیل آگے آئے گی تاہم ۸-۷ سال قبل اپنی مستقل قسم کی جسمانی معذوری اور بیماری کے بعد بقیہ چھوٹے موٹے علمی کام اور مسوّدات کی ترتیب میں بحمد اللہ جتنا اعتماد راقم پر فرماتے تھے اتنا شاید کسی دوسرے شاگرد پر نہیں فرماتے تھے چنانچہ آج کل بھی ان کے بعض مسودات کو راقم مرتب کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ان کی بڑی خواہش تھی کہ یہ کام ان کی زندگی میں پایہ تکمیل کو پہنچ جائے مگر راقم اپنی ذاتی مصروفیات کے باعث ان کی یہ حسرت پوری نہ کر سکا جس کا خود مجھے بڑا افسوس ہے مگر ''اے بسا آرزو کہ خاک شدہ'' [1]

---

[1] ان مسودات میں سے ایک مسودہ اب زیور طباعت سے آراستہ ہو چکا ہے جس کا نام ''عظمتِ صحابہ رضی اللہ عنہم'' ہے۔ اس کے مآخذ و منابع کی نشاندہی حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ خود کر گئے تھے اور اپنے ہاتھ سے اکثر عبارات بھی حوالۂ قرطاس فرما گئے تھے، جس کی تکمیل و تتمیم فاضل مضمون نگار نے پوری ہمت سے کی ہے اور کاتب السطور کو ابتدائیہ لکھنے کی سعادت نصیب ہوئی، یہ کتاب حضرت رحمہ اللہ کے جملہ تصانیف کے ناشر حافظ محمد ندیم صاحب نے اپنے ادارہ ''دار الکتاب لاہور'' سے شائع کی ہے۔ سلفی

حضرت مولانا کو راقم پر جو اعتماد اور حُسن ظن تھا اس کی ایک مثال تحدیث نعمت کے طور پر اگر یہاں درج کردوں تو بے جا نہ ہوگا۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے راقم کے بارے میں درج ذیل تاثرات جن کا آپ نے حضرت مولانا محمد ذاکر رحمۃ اللہ سے متعلق میرے ایک مضمون پر غائبانہ اظہار فرمایا، میرے لئے بطور خاص سرمایہ اور میرے دعویٰ کا ثبوت ہیں۔ آپ نے مذکورہ مضمون کے بارے میں لکھا:

"مضمون ذیل مولانا حافظ سعد اللہ صاحب زید مجدہم کا ہے۔ مولانا موصوف جامعہ محمدی شریف کے فارغ شدہ بہترین فاضل ہیں۔ ایم اے اسلامیات ہیں اور ماشاء اللہ کئی وقیع کتابوں کے مترجم ہیں۔ ان کے قلم سے کئی عمدہ تالیفات مرتب ہوچکی ہیں۔ ریسرچ سیل (دیال سنگھ لائبریری) لاہور کے رسالہ منہاج کے ایڈیٹر ہیں۔ انہوں نے مولانا محمد ذاکر مرحوم کے ملی خدمات بالاختصار زیر قلم کئے ہیں۔"

## حضرت مولانا کے علمی و تحقیقی کام کا اجمالی جائزہ

اس مسلّمہ امر کی وضاحت کی چنداں ضرورت نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جس پسندیدہ دین (دین اسلام) کی اپنے آخری رسول اور خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذریعے تکمیل فرمادی ہے اس کی حفاظت کا ذمہ بھی اس قادر مطلق نے خود اٹھا رکھا ہے۔ اسلامی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے ہر زمانے میں ایسے اسباب اور ایسے مخلص، ایثار پیشہ اور جاں نثار علماء پیدا فرمائے جن سے اس نے دین کی حفاظت کا کام لیا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نور نبوت سے مستقبل کا ملاحظہ فرماتے ہوئے یہ پیشین گوئی فرمائی تھی کہ:

«یحمل هذا العلم من کُلّ خلف عدوله ینفون عنه تحریف الغالین وتاویل الجاهلین وانتحال المبطلین»

"ہر آنے والی نسل کے ثقہ و عادل لوگ (مستند علماء) اس علم دین کو سینوں سے لگائے رکھیں گے جو (ورثاء انبیاء ہونے کی بناء پر) حد سے تجاوز کرنے والے لوگوں (نام نہاد علماء) کی من گھڑت تحریف، جاہلوں کی (خودساختہ) تاویل اور باطل پرستوں کے غلط انتساب کو اس (علم دین) سے دور رکھنے کا (شرعی) فریضہ سرانجام دیتے رہیں گے۔"

ہمارے ممدوح حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ بھی فی زمانہ ایسے ہی علماء میں سے تھے جنہوں نے حفاظتِ دین کا مذکورہ فرض کمال ہمت، مستقل مزاجی، عالمانہ بصیرت اور بلا جواز ملامت کرنے والوں کی ملامت سے بے پروا ہوکر بڑی جوانمردی سے ادا کیا۔

حضرت مولانا رحمہ اللہ کی تصانیف و تالیفات سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ خالق کائنات کو چونکہ ان کی ذات سے اہل بیت نبوی اور صحابہ کرامؓ کے دفاع، مطاعن و مشاجرات صحابہ کے معاملے میں منصفانہ موقف کی وضاحت اور ان کے معاملے میں افراط و تفریط سے بچاؤ کا کام لینا مقصود تھا اس لیے بفحوائے حدیث نبوی ''کل میسر لما خلق لہ'' ہر آدمی کو جس مقصد/کام کے لئے پیدا کیا گیا ہو اسے اس کی توفیق دے دی جاتی ہے۔ مذکورہ کام ان کے لئے آسان کر دیا گیا۔ اللہ نے انہیں جسمانی طور پر کمزور ہونے اور لمبے چوڑے وسائل نہ ہونے کے باوجود اس کام کے لئے درکار وہ ذوق، ایسا جذبہ، اتنا حوصلہ، تڑپ، طلب، جستجو اور ہمت عنایت فرمائی کہ انہوں نے حوالہ جات تلاش کرنے سے لے کر پروف خوانی تک کے تمام مراحل سرانجام دے کر تن تنہا اور ایک دیہات میں بیٹھ کر وہ کام کر دکھایا جو بڑے بڑے ادارے بھی سرانجام نہ دے سکے۔ انہوں نے اپنی جوانی، بڑھاپا، ساری توانائیاں، تمام وسائل، صلاحیتیں اور وقت اس کام کے لئے وقف کر دیا۔

میری معلومات اور ذاتی مشاہدہ کے مطابق انہیں جتنا اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی ہمہ وقت فکر رہتی تھی اور اس کے سارے پہلوؤں اور جزئیات تک کی تشریح و توضیح کا اہتمام تھا، اتنی فکر اور اہتمام انہیں کسی دوسرے کام کے بارے میں نہ تھا۔ پھر اس سلسلے میں درکار بعض ضروری کتابوں کی تلاش میں انہوں نے جتنی مشقت اٹھائی، جتنے دور دراز کے سفر کئے اور ایک ایک روایت اور حوالہ کے لئے جتنی ورق گردانی کی یہ انہی کا حصہ تھا۔ اس ساری ذہنی و جسمانی محنت و مشقت جستجو اور تگ و دو کے پیچھے یقیناً مذکورہ حدیث نبوی میں بیان کردہ صداقت کارفرما تھی۔

مشیت ایزدی کے مطابق جس موضوع پر تحقیق کرنا ان کے لئے مقدر تھا، اس کے ساتھ انصاف کرنا اتنا آسان نہ تھا۔ ایک تو یہ تفسیر، حدیث، اسماء الرجال، انساب، طبقات، علم العقائد اور تاریخ کی کتابوں میں بکھرا ہوا تھا دوسرے بعض راویوں مؤرخین اور مصنفین نے اہل بیت نبوی اور اصحاب رسول ﷺ کے بارے میں اپنے مخصوص نقطۂ نظر، افکار و نظریات اور آنکھوں پر تعصب کی پٹی بندھے ہونے کے باعث متعلقہ روایات و واقعات میں اتنا التباس، اتنی غلط فہمیاں، اتنے مغالطے اور اتنے شکوک و شبہات ایسی چالاکی سے پیدا کر دیئے ہیں کہ ان میں صحیح اور غلط کی پہچان عوام الناس اور عام قارئین تو درکنار اکثر پڑھے لکھے لوگوں، سطحی الذہن اہل علم اور بڑے بڑے علماء کے بس کا روگ بھی نہیں۔ حضرت مولانا رحمہ اللہ نے اہل بیت نبوی اور اصحاب رسولؐ کے بارے میں قرآن و حدیث کی صریح نصوص، اجماع امت اور اہل سنت

والجماعت کے اجماعی عقیدہ کی روشنی میں مذکورہ قسم کے مشتبہ، شکوک وشبہات سے بھرپور اور رطب و یابس تاریخی مواد کو انتہائی باریک بینی سے دیکھا اور تمام روایات و واقعات کا حقائق کی روشنی میں جائزہ لیا۔ اس کے لئے انہیں ایک ایک روایت کی صحت اور ایک ایک راوی کی عدالت وثقاہت جانچنے کے لیے بیسیوں اسماء الرجال کی کتابیں کھنگالنا پڑیں۔ اس سلسلے میں انہیں کتنی محنت اور کتنی ورق گردانی کرنی پڑی نیز کتنی باریک بینی اور گہرائی سے انہوں نے روایات کا جائزہ لیا، اس کا اندازہ ان کی تالیفات میں درج ''ایک غلط فہمی کا ازالہ''، ''ایک شبہ اور اس کا ازالہ''، ''تنبیہ''، ایک اشتباہ اور اس کا ازالہ''، ''ایک وضاحت'' وغیرہ جیسے عنوانات کے تحت درج تفصیل اور مندرجات اور فہرست ماخذ و مراجع سے لگایا جاسکتا ہے۔ جس کی قدر و قیمت کوئی محقق و مصنف ہی سمجھ سکتا ہے۔

خلفاء راشدین میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں سے ہر ایک پر مختلف حوالوں سے ماضی کے یا موجودہ مخالفین نے جتنے بھی اعتراضات اور شکوک وشبہات پیدا کرنے اور اسلام میں ان کے ارفع و اعلیٰ مقام کو گھٹانے یا ان کے روشن کردار کو داغدار کرنے یا ان کی خدمات میں عیب تلاش کرنے کی کوشش کی ہے یا قرآنی نص کے مطابق ان کے ''رحماء بینھم'' ہونے پر کسی شک و شبہ کا اظہار کیا ہے۔ اسی طرح دیگر صحابہ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ وغیرہ اور امہات المومنین میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بناتِ طاہرات کے سیرت وکردار اور عفت و پاک دامنی کے حوالے سے جس نے بھی خُبثِ باطن اور بُغض وعناد کا مظاہرہ کیا ہے مولانا رحمہ اللہ نے بڑی ٹھوس بنیادوں، محکم دلائل، مستند اور ناقابل تردید حوالہ جات اور فریق مخالف کے نزدیک مسلمات کے ذریعے اتنے دلائل وشواہد اور کبار ومحدثین وفقہاء کے اقوال اور بزرگان دین کی تصریحات سے اس کی تردید کی ہے کہ کم ازکم کسی انصاف پسند آدمی کو اس کے بعد اعتراض کی گنجائش نہیں رہتی۔ چنانچہ مولانا ''سیرت حضرت امیر معاویہ'' کی دوسری جلد جو ان پر کئے گئے اعتراضات اور مطاعن کے جوابات پر مشتمل ہے، کے پیش لفظ میں فرماتے ہیں:

کتاب لوتامله الضریر
لعاد کریمتاه بلا ارتیاب

یعنی یہ وہ کتاب ہے کہ اگر نابینا آدمی بھی اس پر غور کرے تو بیشک اس کی دونوں آنکھیں بینا ہو جائیں گی۔

حضرت مولانا رحمہ اللہ کے تحقیقی انداز کی مختصر وضاحت کے بعد ان کے اسلوب تحریر پر ایک نظر ڈال لینا

بھی ضروری ہے۔ آپ نے اپنی تمام تصانیف میں کہیں بھی مناظرانہ اور مجادلانہ طرز تحریر اختیار نہیں کیا۔ اپنے مخالفین کے دلائل کا جواب دلائل اور ان کے نزدیک مسلّم امور کی مدد سے دیا ہے۔ کسی بڑے سے بڑے مخالف کی دل آزاری کی ہے نہ ناقص زبان استعمال کی ہے بلکہ انتہائی مہذب اور شائستہ زبان میں ان کے استدلال کا جواب دیا ہے۔

مثلاً ''رحماء بینهم'' حصہ اول صفحہ نمبر ۳۴۳ پر ایک سرخی کا عنوان ہے'' احباب کی جانب سے ایک روایت'' اس میں ایک شیعہ عالم کی ایک روایت اپنے موقف کی تائید میں درج کی ہے۔ اسی طرح کئی جگہ ''شیعہ دوستوں'' کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

## حضرت مولانا رحمہ اللہ کا حُسنِ عمل اور کردار

حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ کے عزیز و اقارب کے علاوہ ہزاروں ایسے لوگ اور ان کے شاگرد ابھی موجود ہیں جو یقیناً اس بات کی گواہی دیں گے کہ حضرت مولانا کی عملی زندگی، سیرت و کردار، اخلاق، لوگوں کے ساتھ طرزِ عمل، رویہ اور برتاؤ بھی عین شریعت اور سنت کے مطابق تھا۔ قرآن و حدیث اور اسوہ و سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رُو سے جو عبادات، اعمال اور اخلاق حسنہ ایک مسلمان سے مطلوب ہیں وہ اس گئے گزرے مادہ پرستی، زر پرستی اور مفاد پرستی کے دور میں بھی قابل رشک حد تک ان میں موجود تھے۔ ہم یہاں ان کی عبادات، نماز، روزہ اور بیماری میں شرعی طور پر رخصت ہونے اور انتہائی کمزوری کے باوجود عزیمت پر عمل کرتے ہوئے گزشتہ رمضان میں بھی روزہ نہ چھوڑنا اور ہمہ وقت تسبیح اور ذکر اذکار میں مشغول رہنے کی بات نہیں کرتے کیونکہ خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رحمہ اللہ کے الفاظ یا اصطلاح میں یہ ''لازمی نیکی'' ہے جس کا فائدہ انسان کی ذات تک محدود ہوتا ہے۔ ہم یہاں خواجہ صاحب رحمہ اللہ کی اصطلاح ہی میں مولانا کی ''متعدّی نیکی'' کی بات کرتے ہیں جس کا نفع اور فائدہ دوسرے انسانوں اور خلق خدا کو پہنچتا ہے۔ دوسرے لوگوں کے حوالے سے شریعت کے اندر ایک مسلمان سے جس طرزِ عمل اور حسن اخلاق کا مطالبہ کیا گیا ہے مثلاً تواضع، عاجزی، انکساری، ہمدردی، خیر خواہی، یتیم پروری، غرباء، مساکین بیوگان کی اپنی وسعت کے مطابق خبر گیری، راست گفتاری، سادگی، تکلفات سے گریز، ضرورت مندوں پر خرچ، انفاق فی سبیل اللہ، دیانت داری، خدمت خلق، نفع رسانی، چھوٹوں پر شفقت، احترام انسانیت، خدا خوفی، خدا ترسی، معاملات اور لین دین میں صفائی، مہمان نوازی، شرم و حیاء، اپنے ہاتھ سے کام کرنا، عزم و استقلال، امارت پسندی سے اجتناب، توکل علی اللہ اور صبر و شکر وغیرہ۔ ان تمام مطلوبہ اخلاق حسنہ سے آپ متصف اور اس کے مقابلے میں

رذائل اخلاق مثلاً حُبّ دنیا، حبِّ جاہ و مال، حرص، لالچ، طمع، غرور، تکبر، غرباء کی تحقیر انسانیت کی تذلیل، عُجب پسندی، خوشامد، چاپلوسی، دھوکہ دہی، جھوٹ، عیب جوئی، کسی کا حق مارنا، کسی سے نا انصافی، کتمان حق وغیرہ، سے کوسوں دور تھے۔

آپ کی حد درجہ تواضع کا عالم یہ تھا کہ گھر سے جامعہ میں تشریف لے جاتے تو اپنا کتابوں کا بستہ خود اٹھاتے کبھی کسی خادم یا طالب علم سے مدد نہیں لی۔ راستے میں کوئی عقیدت مند اٹھانے کی کوشش کرتا تو ایسا نہ کرنے دیتے۔ جامعہ کے کتب خانہ میں پہنچ کر خود چارپائی کرسیاں وغیرہ نکال لیتے۔ وضو کے لئے خود لوٹا اٹھا کر پانی بھر لیتے۔ ہوٹل سے چائے خود لے کر آتے، چھوٹا موٹا سودا سلف یا پھل وغیرہ خریدنے کے لئے سنت رسول کے مطابق خود دوکان پر تشریف لے جاتے اور خود ہی اٹھا کر رہائش گاہ پر لے آتے۔

حضرت مولانا سرمایہ دار تھے نہ کبھی سرمایہ جمع کرنے کی فکر یا کوشش کی۔ اس کے باوجود گاؤں کی بیوہ خواتین، یتیم بچوں اور نادار لوگوں کی ہمیشہ حسب استطاعت خبر گیری اور تھوڑی بہت مالی مدد فرماتے رہتے۔ نام نمود و نمائش تصنّع اور تکلّف ان کے نزدیک سے بھی نہیں گزرا تھا۔ ان کی چال ڈھال لباس، سادگی، کھانے پینے کے برتن، سونے کی چارپائی، تکیہ بستر، اور نشست گاہ وغیرہ کو دیکھ کر انجان آدمی قطعاً یہ اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ یہ اپنے وقت کا کوئی بہت بڑا فاضل، عالم، محقق اور مصنف ہے۔ ان کے زہد، فقر، درویشی اور دنیا داری سے عدم دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ راقم نے کوئی ۴۰ سال کی شعوری قربت میں کبھی بھی ان کی زبان سے پیسے، مکان، زمین، بھینس، گائے، بیل یا کسی قسم کی مالی پریشانی کا ذکر نہیں سنا۔ جب بھی ملاقات ہوئی اور کئی کئی گھنٹوں پر مشتمل نشست رہی سوائے کتابوں اور علمی کام کے کبھی کسی قسم کی دنیاداری کی بات کا ذکر تک نہیں ہوتا تھا۔ ان کے زہد، فقر، لباس، سادگی، رہن سہن اور درویشی کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے سامنے یقیناً حضور اکرم (ﷺ) کی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے فرمائی گئی یہ خصوصی ہدایت ہوگی کہ

«کن فی الدنیا کانك غریب او عابر سبیل وعد نفسك فی اهل القبور»

''تم دنیا میں اس طرح رہنا گویا کہ تم اجنبی یا راہ رو ہو اور اپنے آپ کو اہل قبور میں شمار کرنا۔''

یا حضور ﷺ کی اس سنت پر عمل ہوگا کہ ایک موقع پر چٹائی پر سونے کے باعث جب حضور ﷺ کے جسم نازنین پر نشان پڑ گئے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ہمیں حکم فرمایا ہوتا تو ہم کوئی نرم گدا بچھا دیتے۔ تو آنجناب (ﷺ) نے فرمایا:

«مالي وللدنیا وما انا والدنیا الا کراب استظل تحت شجرة ثم راح وترکها»

''میرا اور دنیا کا آپس میں کیا تعلق ہوسکتا ہے۔ میرا دنیا سے تعلق اس سوار یا مسافر جیسا ہے جو تھوڑی دیر کے لئے کسی سایہ دار درخت کے نیچے ستانے کے لئے ٹھہرا پھر اس سائے اور درخت کو چھوڑ کر روانہ ہوگیا۔''

حضرت مولانا رحمہ اللہ کی مذکورہ عبادات، طاعات، زہد وتقویٰ، حُسن عمل اور استقامت دیکھتے ہوئے اگر انہیں ایک عام مسلمان کے درجے سے اوپر کامل مومن بلکہ ولی بھی کہہ دیا جائے تو شاید مبالغہ آرائی اور غلط نہ ہوگا۔ مشہور متکلم علامہ تفتازانی رحمہ اللہ نے ولی اللہ کے بارے میں قرآن وحدیث کی تمام تصریحات کو مدنظر رکھتے ہوئے شرح عقائد نسفی میں جو ایک ولی کی تعریف کی ہے وہ ہمارے ممدوح مولانا محمد نافع رحمہ اللہ پر پوری طرح صادق آتی ہے۔ علامہ تفتازانی رحمہ اللہ ولی کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

«الولي هو العارف بالله تعالیٰ وصفاته حسب ما يمكن : المواظب على الطاعات، المجتنب عن المعاصي، المعرض عن الانهماك فی اللذّات والشّهوات»

''ولی وہ آدمی ہوتا ہے جو انسانی بساط کی حد تک اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کی معرفت رکھنے والا، تمام طاعات پر ہمیشگی اختیار کرنے والا، ہر قسم کے چھوٹے بڑے گناہوں سے بچنے والا اور دنیا کی لذتوں اور شہوات میں منہمک ہوجانے سے گریز کرنے والا ہوتا ہے۔''

حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ''موت العالِم موت العالَم'' (ایک عالم دین کی موت ایک جہان کی موت کے مترادف ہے) کے مصداق ایک قومی سانحہ ہے۔ علمی دنیا ایک ایسے عالم باعمل، محقق، مفتی، سلف صالحین کے ایک جیتے جاگتے اور چلتے پھرتے نمونے اور فرشتہ سیرت آدمی سے محروم ہوگئی ہے جس کا خلا پُر ہونے کا بظاہر دُور دُور تک کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ مولانا نے صرف صاحبزادہ میاں محمد مختار عمر صاحب، میاں ابوبکر صدیقی صاحب، بھتیجے مولانا محمد رحمت اللہ صاحب (ناظم عمومی جامعہ شریف) اور مولانا فضل کریم صاحب، پوتوں میں عزیز محترم علی، عثمان اور محمد قمر الحق و دیگر اہل خانہ کو ہی سوگوار اور یتیم نہیں چھوڑا بلکہ تمام علمی دنیا کو یتیم کر گئے ہیں۔ اللہ ان کی قبر پر کروڑوں رحمتیں اور انوار وبرکات نازل فرمائے۔

مولانا کے کامل مومن بلکہ ولی ہونے کے میرے مذکورہ دعویٰ کی دلیل ایک تو موت کے وقت ان کے چہرے کا نور اور تبسم تھا۔ علامہ اقبال رحمہ اللہ نے مردمومن کی نشانی بتاتے ہوئے کہا تھا:

نشانِ مردِ مومن باتو گویم

چوں مرگ آید تبسم برلبِ اوست

دوسرے ایک دور دراز دیہات میں ملتان، وہاڑی، لاہور، جھنگ، فیصل آباد، چنیوٹ، بھوآنہ، لالیاں، سرگودھا وغیرہ جیسے شہروں کے علاوہ قرب و جوار کے دیہاتوں سے کم از کم پچاس ساٹھ ہزار آدمیوں جن میں اکثریت علماء اور طلباء دین کی تھی، کی نمازِ جنازہ شرکت بھی مذکورہ دعویٰ کا بین ثبوت ہے۔

# چند یادیں اور چند علمی نکات

حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ اپنے بڑے اور جلیل القدر بھائی مجاہد ملت مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ بانی و ناظم عمومی جامعہ محمدی شریف کے وصال (۲۵ نومبر ۱۹۷۶ء، ۳ ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ) تک جامعہ کی مختلف خدمات حقیقی معنوں میں بھائی کی طرح فی سبیل اللہ اور بڑے خلوص و محنت سے سرانجام دیتے رہے۔ آپ نے جہاں جامعہ شعبہ تصنیف و تالیف کے انتہائی محنت طلب سارے کام کا بوجھ اکیلے اٹھایا ہوا تھا وہاں ناظم صاحب کی نیابت، جمعہ کی خطابت، افتاء اور فرائض بھی سرانجام دے کر علمی نفع رسانی کا کام کرتے تھے۔

راقم الحروف نے ۷۶-۱۹۷۵ء میں موقوف علیہ میں ہدایہ اخیرین اور دورہ حدیث میں صحیح مسلم شریف حضرت مولانا سے پڑھی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ سارا علم کتابوں میں نہیں رکھا۔ اگر یہ بات ہوتی تو اساتذہ کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ جن لوگوں نے اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے ہیں وہ یقیناً اس امر کی گواہی دیں گے کہ درسی اور نصابی کتب کے علاوہ جو معلومات علمی نِکات تجربات اور مشاہدات استاذ سے ایک آدھ گھنٹے میں پکی پکائی کی طرح مل جاتے ہیں وہ برسوں کے ذاتی مطالعہ سے بھی نہیں ملتے۔ مذکورہ درسی کتابوں کی تدریس کے دوران حضرت مولانا اپنے وسیع اور گہرے مطالعہ کی بنیاد پر کئی علمی نکات اور قیمتی معلومات بھی فراہم کرتے تھے مگر اپنی کم عقلی، ناتجربہ کاری اور لاپرواہی کی وجہ سے وہ روزانہ کے اور سارے علمی نکات تو محفوظ نہ کیے جاسکے۔ اب چالیس سال کے بعد بہت ساری چیزیں ذہن سے اوجھل ہوگئی ہیں۔ تاہم چند متفرق نکات اور معلومات درس کے دوران نوٹ کر لیتے تھے انہیں مستقل ریکارڈ پر لانے کے لیے ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔ جن سے عام استفادے کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا کی وسعت نظری اور رسوخ فی العلم کا اندازہ بھی لگایا جاسکے گا۔

اس کے علاوہ ایک دن دوران سبق حضرت مولانا پر رقت کی کیفیت بھی ظاہر ہوئی تھی۔ یہ رقت بلاشبہ کوئی دکھلاوا اور مصنوعی چیز نہ تھی بلکہ ان کی قلبی کیفیت کی غماز تھی۔ انسے ریکارڈ پر لانا بھی قارئین کے لیے

فائدے سے خالی نہیں۔ علمی نکات کی تفصیل سے قبل اس رقت طاری ہونے کا قصہ کچھ یوں ہے کہ:

۷۶۔ ۱۹۷۵ء میں جامعہ محمدی شریف (ضلع جھنگ اب ضلع چنیوٹ) میں ہماری دورہ حدیث کی کلاس تھی اور جامعہ میں یہ ہماری آخری کلاس تھی۔ اس کلاس میں ہم گنتی کے چند طلبہ تھے۔ حافظ میاں علم الدین صاحب (محمدی شریف) حافظ احمد یار صاحب مرحوم (محمدی شریف) حافظ محمد حیات صاحب (کانویں والا)، حافظ محمد انور صاحب (چک پٹھنیکا) محمد علی نصیر صاحب (موضع سلمان) اور راقم الحروف، ایک دن حدیث شریف کے سبق کے دوران غزوہ بدر کے قیدیوں میں حضرت عباس بن عبدالمطلب کے گرفتار کیے جانے اور رات کو ان کی مشکیں کسے جانے کے باعث ان کے کراہنے کی آواز پر نبی رحمت ﷺ کے بے قرار ہو جانے اور مشکیں کھلنے پر آپ ﷺ کی بے سکونی کی کیفیت دور ہو جانے کی روایت آئی تو استاذ محترم پر بے ساختہ ایک رقت کی کیفیت طاری ہوگئی آواز بھر آگئی اور آنکھوں میں آنسو آگئے۔ یہ رقت ان کی حقیقی محبت رسول ﷺ کی واضح دلیل تھی جو ان کے دل میں موجزن تھی۔

محمدی شریف میں چند متعصب قسم کے لوگوں نے حضرت مولانا رحمہ اللہ کے خلاف محض دارالعلوم دیوبند (انڈیا) سے فارغ التحصیل ہونے کی بنا پر مسلکی پروپیگنڈا پھیلا رکھا تھا مگر اس چشم دید منظر کے بعد پروپیگنڈا سے پیدا شدہ تاثر راقم کے دل سے ہمیشہ کیلئے ختم ہوگیا۔ پھر کئی مواقع پر یہ بات دیکھنے میں آئی کہ جہاں حضور اکرم ﷺ کے صحابہ کرامؓ سے بے پناہ عقیدت و محبت ان کی رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے تھی۔ اور زندگی بھر ان کا دفاع کرتے رہے وہاں حضور اکرم ﷺ کی ذات اور آپ کے اہل بیت سے بھی کمال درجے کی عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ جس پر ان کی تین اہم تالیفات ''بنات اربعہ'' ''سیرت حسنین کریمینؓ'' اور ''سیرت علی المرتضیٰؓ'' کے علاوہ محمدی شریف کی جامع مسجد میں ۱۲ ربیع الاول کی رات اور شب معراج کو جلسے اور جلسے کے بعد تبرک کا خصوصی انتظام کرانا۔ اسی طرح یوم عاشوراء کو سیدنا امام حسینؓ کی شہادت کے دن بڑے شد و مد سے جلسہ کا اہتمام کرنا گواہ ہیں۔

اب ذیل میں وہ علمی نکات اور معلومات نمبروار درج کی جاتی ہیں جن کی طرف سطور بالا میں اشارہ کیا گیا ہے۔

۱: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے والد حضرت شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ نے ایک دن اپنے قریب بیٹھی چڑیا کے متعلق کہا کہ یہ کہہ رہی ہے کل عید ہوگی۔ لوگوں نے اس بات کو تسلیم نہ کیا تو چڑیا نے اپنی زبان میں کہا: ''دروغ در جنس ما نیست ایں خاصہ بنی آدم است'' (جھوٹ بولنا ہماری جنس میں نہیں یہ صرف بنی

آدم/انسان کا خاصہ ہے)

۲: حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے بیٹھنے کی جگہ 60x60 ذراع تھی اور ذراع کہتے ہیں ''کہنی سے بیچ کی انگلی تک کے حصہ کو'' تقریباً ڈیڑھ دو فٹ

۳: حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کے ساتھ کسی موقع پر ایک نیکی فرمائی اور جب اس نے اس کا صلہ دینا چاہا تو فرمایا ''انا لا مبیع معروفا'' (ہم نیکی بیچا نہیں کرتے)۔

۴: صوفیہ کے نزدیک تہجد کی نماز تمام نفلی عبادات کی سردار ہے اور اس میں قرآنِ مجید گنگنا کر پڑھنا دل کی صفائی ہے۔

۵: ماتم کا آغاز عباسی خلیفہ معزالدولہ دیلمی نے محرم ۳۵۲ھ میں کرایا اور ۱۸ ذی الحجہ ۳۵۲ھ کو ''عید غدیر'' منائی۔

۶: قرآنِ مجید کی آیت ''وَوَرِثَ سُلَیْمَانُ دَاوٗدَ'' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ''نحن معاشر الانبیاء ولا نرث ولا نورث'' کے مخالف نہیں کیونکہ قرآنی آیت میں علم و نبوت کی وراثت مراد ہے جبکہ حدیث میں دنیوی مال و دولت کی وراثت مراد ہے۔

۷: قرآن مجید کی وہ آیات جن میں بظاہر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فہمائش یا تنبیہ فرمائی گئی ہے، مثلاً: ''فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ'' (سورۃ الشعراء: ۲۱۳) اور ''إِذًا لَّأَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا'' (سورۃ بنی اسرائیل: ۷۵) اس قسم کی آیات بطور تعریض ہیں آکھاں دھی نُوں تے سناواں نُو نُوں'' ❶

۸: الراضي بالمعصية في حكم المعاصي (کسی معصیت یعنی اللہ کی نافرمانی پر راضی آدمی معصیت کے مرتکب کے حکم میں ہے)

۹: ما من امة الا هلكت بعلماء ها (ہر امت اپنے علماء کی وجہ سے ہی ہلاک ہوئی، مراد علماء سوء ہیں)

۱۰: لولا کا جواب کبھی مقدم ہوتا ہے جیسے (كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا) (سورۃ القصص:۱۰)، (وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ) (سورۃ الاعراف:۴۳) اسی طرح (وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ) (سورۃ یوسف:۲۴)

❶ یعنی روئے سخن تو بیٹی کی طرف ہوتا ہے لیکن تنبیہ دراصل بہو کو کرنا مقصود ہوتا ہے۔

۱۱: ذالک میں ''ذا'' اسم اشارہ، ''لِ'' زائد اور ''ک'' ضمیر جو مخاطب کے حال کے مطابق آتی ہے۔ اگر مخاطب واحد ہو تو ضمیر بھی واحد، مخاطب تثنیہ ہو تو ضمیر بھی تثنیہ اور مخاطب جمع ہو تو ضمیر بھی جمع آتی ہے جیسے ذَالِکُمْ یُوْعَظُ بِهٖ (سورۃ الطلاق:۲) مگر قرآنِ مجید میں اس عمومی قاعدہ کے خلاف بھی آیا ہے:

(ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ) (سورۃ البقرۃ:۵۲)

۱۲: تمیز مُحوّل عن الفاعل جیسے تَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا (تمت صِدق کَلِمَةِ رَبِّكَ)

۱۳: تمیز محول عن المفعول جیسے اَحْصٰى كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا (اَحْصٰي عَدَدَ كُلِّ شَیْءٍ)

۱۴: اسی لیے علامہ شاطبی (امام ابواسحاق ابراہیم بن موسیٰ الشاطبی، م ۷۹۰ھ) نے فرمایا ہے:

(کان العلم فی صدور الرجال ثم انتقل الی الکتب ومفاتحه بایدی الرجال)

علم شروع میں مردوں (اساتذہ) کے سینوں میں پھر کتابوں میں منتقل ہو گیا تاہم اس کی چابیاں اب بھی مردوں (اساتذہ) کے ہاتھ میں ہیں۔ [1]

درج بالا علمی و فنی نکات اور نادر معلومات دیکھ کر اب احساس ہوتا ہے کہ کاش روزانہ کے سبق میں اس قسم کی علمی باتیں نوٹ کر لی ہوتیں تو آج کام آتیں۔ ''مگر اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت''۔ آخر میں دعا ہے کہ اللہ کریم حضرت استاذی المکرم کی للہ فی اللہ تمام علمی دینی تحقیقی تصنیفی تالیفی اور ملی خدمات کو قبول فرمائے انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے اور ہم نیاز مندوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

کوئی تین چار سال قبل عاشوراء کے موقعہ پر حاضری ہوئی تو اس وقت راقم نے ''ڈارک براؤن'' کلر کا سوٹ پہنا ہوا تھا، شام کا وقت تھا۔ اور اس وقت اندھیرے میں بالکل سیاہ نظر آرہا تھا۔ دیکھتے ہی سخت ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ راقم نے وضاحت کی تو تب کہیں جا کر تھوڑا سا مطمئن ہوئے۔

علمی تحقیق کے معاملے میں مستقل معمول تھا کہ کسی بڑے سے بڑے فاضل اور محقق کے دیے گئے حوالے پر آنکھیں بند کر کے اعتماد نہیں کر لیتے تھے۔ جب تک اس حوالے کو اصل کتاب سے اور اس کے سیاق و سباق کو نہیں دیکھ لیتے تھے اپنی تحقیق میں درج نہیں کرتے تھے۔ یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ آپ کی تمام تصانیف میں کوئی ایک حوالہ بھی ایسا نہیں ہوگا جسے آپ نے اصل کتاب کو دیکھے بغیر کسی دوسرے محقق و مصنف پر اعتماد کرتے ہوئے درج کر دیا ہو۔

---

[1] الموافقات فی اصول الشریعہ (اردو ترجمہ) مطبوعہ مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور ۱۹۹۳ء، ۱/ ۱۳۵۔

# حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ کا مولانا قاسم نانوتوی بانئ دار العلوم دیوبند کے بارے میں نقطۂ نظر

ماضی قریب کے مشائخ اور بزرگانِ دین میں ایک معروف نام حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ (م ۱۹۸۰ء) (خانقاہ سیال شریف ضلع سرگودھا، پنجاب، پاکستان) کا ہے۔ جو محض ایک پیر اور گدی نشین نہ تھے بلکہ خیر آبادی سلسلے کے نامور عالم دین مولانا معین الدین اجمیری رحمہ اللہ کے مایۂ ناز شاگرد، بہت بڑے فاضل، درسیات کے ماہر اور جامع معقول و منقول تھے، یہ محض عقیدت نہیں بلکہ حقیقت ہے جس کا تمام مکاتب فکر کے علماء کو اعتراف ہے۔ ان کی اعتدال پسندی اور دار العلوم دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کے بارے میں ان کے نقطۂ نظر کی وضاحت کے لیے حضرت کے انتہائی عقیدت مند بلکہ منظورِ نظر اور خصوصی قُرب و توجہ کے حامل و مُمِدِّ خاص الحاج مولانا حافظ فضل کریم صاحب مدظلہ (مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ بانی جامعہ محمد شریف ضلع چنیوٹ اور مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے بھتیجے) نے جو ماشاء اللہ خود بھی بڑے فاضل اور منقول و معقول پر نظر رکھنے والے عالم دین ہیں، راقم الحروف سے یہ واقعہ بیان کیا کہ:

ایک مرتبہ خواجہ قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ نبی رحمت ﷺ کے موئے مبارک کے حصول کے سلسلے میں دار العلوم قمر الاسلام سلیمانیہ کراچی میں دار العلوم کے بانی اور اپنے مرید خاص حضرت سید عظمت شاہ ہمدانی کے ہاں تشریف لے گئے تو بریلوی مکتبہ فکر کے علماء کرام کا ایک وفد خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وفد کی قیادت معروف عالم دین مولانا غلام علی اوکاڑوی فرما رہے تھے۔ انہوں نے خواجہ صاحب سے کہا: ''سنا ہے آپ مولانا محمد قاسم نانوتوی کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ہاں۔ انہوں نے کہا نانوتوی صاحب ''تحذیر الناس'' میں نبی اکرم ﷺ کی ختم نبوت کے مسئلے پر بحث کرتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے،

''...... بلکہ اگر بالفرض آپ ﷺ کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔'' (ص ۶۵ طبع ادارہ تحقیقات اہل سنت لاہور، ۲۰۰۱ء)

جبکہ تحذیر الناس میں ہی دوسری جگہ لکھا ہے:

''...... بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی ﷺ کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔'' (ص ۸۵ طبع مذکور)

تو ان عبارات سے معلوم ہوا کہ وہ حضور ﷺ کے بعد بھی امکان نبوت کے قائل تھے تو وہ کیسے مسلمان

ہوسکتے ہیں؟

**اس کے جواب میں خواجہ صاحب نے فرمایا:**

''میں نے ''تحذیر الناس'' کو دیکھا ہے۔ میں مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کو مسلمان سمجھتا ہوں۔ مجھے فخر ہے کہ میری حدیث کی سند میں ان کا نام موجود ہے'' خاتم النبیین کا معنی بیان کرتے ہوئے جہاں مولانا نانوتوی رحمہ اللہ کا دماغ پہنچا ہے وہاں تک معترضین کا دماغ نہیں پہنچا۔ دراصل قضیۂ فرضیہ کو قضیۂ واقعیہ حقیقیہ سمجھ لیا گیا ہے۔ جس طرح لَوْ (اگر) کا مدخول (مقدمہ) ناممکن ہوتا ہے اسی طرح تالی بھی ناممکن ہوتا ہے۔ جیسے ''لَو کان فیھما اٰلھۃٌ الا اللہ لفسدتا'' (قرآنی آیت) میں ہے۔ مولانا نانوتوی رحمہ اللہ کی عبارت سے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا آنا ناممکن ثابت ہوتا ہے اور آپ امکان ثابت کر رہے ہیں۔ میں اپنے اس دعویٰ پر تین سو نحویوں کے اقوال پیش کرسکتا ہوں۔'' اس پر وفد کے ارکان نے کہا: ہمارے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی نے تو انہی عبارات کی بنیاد پر انہیں کافر قرار دیا ہے۔ اور جو انہیں کافر نہ مانے وہ بھی ان کے نزدیک کافر ہے۔

خواجہ صاحب نے فرمایا میں یہ نہیں کہتا۔ مزید فرمایا میں وہ پٹاری والا نہیں جو ہر مسلمان کو کافر کہتا پھرے۔ [1]

بعد ازیں راوی مذکور مولانا حافظ فضل کریم صاحب مدظلہ نے راقم کو یہ بھی بتایا کہ چند سال قبل یہاں محمدی شریف کی جامع مسجد کے سابق خطیب مولانا اللہ بخش سیالوی سے ایک دن نماز جمعہ کے بعد خواجہ قمرالدین سیالوی رحمہ اللہ کے درج بالا قول (واقعہ) پر بات ہوئی تو وہ کہنے لگے خواجہ صاحب رحمہ اللہ نے اس قول سے رجوع کرلیا تھا۔ جس کے جواب میں (مولانا فضل کریم صاحب) نے کہا یہ رجوع آپ کی زندگی میں ہونا چاہیے تھا جو ثابت نہیں۔

---

[1] افسوس کہ بعض ناخواندہ قسم کے لوگوں نے جو تکفیری مہم چلائی تھی اس کا نشانہ آنے والے وقتوں میں خود بریلوی مکتب فکر کے علماء بھی بن گئے۔ مثلاً مولانا پیر کرم شاہ صاحب رحمہ اللہ کے متعلق بریلوی دوستوں نے لکھا کہ ''جسٹس کرم شاہ بھیروی کو نہ جانے کیا سوجھی کہ قاسم نانوتوی دیوبندی کی حمایت میں ''تحذیر الناس میری نظر میں' نامی کتاب لکھ ماری اور اس کتاب کے آخر میں یہ گل افشانی کی کہ میں یہ کہنا درست نہیں سمجھتا کہ مولانا نانوتوی ختم نبوت کے منکر تھے'' گویا کہ وہ تمام علماء اہل سنت بشمول علمائے حرمین و ہند جنہوں نے قاسم نانوتوی کو ختم نبوت کا منکر قرار دیتے ہوئے اس پر فتویٰ کفر دیا وہ سب غلط تھے (نعوذ باللہ) جسٹس کرم شاہ کی اسی مندرجہ بالا عبارت اور دوسری عبارات کے پیشِ نظر علماء اہل سنت نے پیر کرم شاہ کو کافر قرار دیا ہے۔ (دو ماہی مجلہ ''کلمہ حق'' صفحہ ۹۶ مئی، جون ۲۰۱۱ء) اسی طرح مغفرتِ ذنب کے مسئلہ پر بعض متشددین نے مولانا احمد رضا خان صاحب سے اختلاف کی وجہ سے ڈاکٹر ابوالخیر محمد زبیر کو بھی اسلام سے اخراج کا نوٹس دے دیا ہے۔ (ماہ نامہ بینات کراچی رشہید ناموس رسالت نمبر صفحہ ۳۲۱، دسمبر ۲۰۱۱ء) بے اعتدالی اور جہالت کا بالآخر یہی نتیجہ ہوتا ہے۔ سلفی

# خواجہ ضیاء الدین سیالوی رحمہ اللہ کا مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ کو اپنا بیٹا قرار دینا

خانقاہ سیال شریف (ضلع سرگودھا، پنجاب۔ پاکستان) کے تیسرے نامور اور جذبۂ حریت و جہاد سے سرشار اور غیرت اسلامی و ایمانی کے پیکر خواجہ ضیاء الدین سیالوی رحمہ اللہ جامعہ محمدی شریف کے بانی حضرت مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ پر کتنی شفقت فرماتے تھے، اس کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے مولانا حافظ کریم صاحب (مولانا مذکور کے بھتیجے) نے راقم الحروف سے فرمایا:

''ایک مرتبہ خواجہ ضیاء الدین سیالوی رحمہ اللہ نے اپنے بیٹوں خواجہ بدر الدین، خواجہ قمر الدین اور خواجہ فخر الدین سے فرمایا جبکہ سب سے چھوٹے صاحبزادے خواجہ ظہیر الدین صاحب اس وقت آپ کی گود میں لیٹے ہوئے تھے۔ مولانا محمد ذاکر بھی وہاں موجود تھے۔ آپ نے مولانا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے صاحبزادگان سے فرمایا یہ محمد ذاکر بھی میرا بیٹا ہے۔ اسے ہمیشہ اپنا بھائی سمجھنا۔''

# مولانا محمد نافع رحمہ اللہ اور خواجہ قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ کا باہمی احترام اور پیار کا تعلق

مولانا محمد نافع رحمہ اللہ اگرچہ خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ کے باقاعدہ مرید نہ تھے لیکن اپنے والد گرامی حضرت میاں عبدالغفور رحمہ اللہ کے شیخ خواجہ ضیاء الدین سیالوی کے صاحبزادے اور جانشین ہونے کے ناطے ان کا انتہائی احترام اور تعظیم و تکریم فرمایا کرتے تھے۔ خواجہ صاحب بھی عمر اور منصب میں کہیں بڑا ہونے کے باوجود مولانا پر بڑی شفقت اور ایک عالم دین ہونے کے ناطے احترام فرمایا کرتے تھے۔ حضرت مولانا فضل کریم صاحب مدظلہ کی چشم دید گواہی ہے کہ حضرت خواجہ صاحب جب محمدی شریف تشریف لایا کرتے اور ان کے کھانے کے لیے دستر خوان بچھایا جاتا تو اس وقت مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ اگر دستر خوان پر نظر نہ آتے تو بطور خاص انہیں بلا کر اپنے ساتھ کھانے میں شامل فرمایا کرتے۔

اسی طرح مولانا فضل کریم صاحب کا بیان ہے کہ چچا جان (مولانا محمد نافع رحمہ اللہ) جب حج پر تشریف

لے گئے تو سعودی عرب جدہ کا ڈائریکٹ ویزہ نہ مل سکنے کے باعث بحری جہاز کے ذریعے پہلے بحرین پہنچے وہاں سے براستہ سڑک کسی ٹرک پر بیٹھ کر سعودی عرب پہنچ گئے۔

اب حج سے فراغت کے بعد واپسی کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ اس وجہ سے کئی ماہ تک انہیں سعودیہ میں رکنا پڑا۔ اسی دوران مولانا محمد رحمت اللہ صاحب (موجودہ ناظم عمومی جامعہ محمدی، ایم پی اے) اور میں (مولانا فضل کریم صاحب) سیال شریف گئے۔ ہم دونوں بھائیوں کا اس وقت بچپن تھا۔ وہاں خواجہ قمر الدین صاحب کے پاس حکیم علی محمد مختصر بھی موجود تھے۔ ہم نہیں جانتے تھے کہ یہ حکیم صاحب ہمارے مولانا محمد ذاکر صاحب کے گہرے بلکہ جگری دوست ہیں۔ انہوں نے ہم سے پوچھا بچو! بتاؤ تمہارے چچا (مولانا محمد نافع) کا کیا بنا؟ واپسی کی کوئی صورت نکلی ہے یا نہیں؟ ہمارے کچھ عرض کرانے سے پہلے ہی حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا حکیم صاحب! اللہ تعالیٰ مولانا کو واپس لانے کا کوئی انتظام کردے گا۔ اس پر حکیم صاحب نے تھوڑے سے تعجب کا اظہار کیا تو خواجہ صاحب نے فرمایا:

''حضرت میاں عبدالغفور صاحب کی ساری اولاد ہمارے نزدیک برابر ہے۔''

علیٰ ہذا القیاس ایک موقعہ پر اہل تشیع کے ساتھ مناظرہ کرنے کے لیے خواجہ قمر الدین صاحب نے مولانا محمد نافع صاحب کو حکم دیا تو انہوں نے عرض کیا میری آواز بہت دھیمی ہے اور شیعہ مناظر بڑا بڑبولا ہے۔ مجھ پر اس کی آواز غالب آجائے گی اس لیے میں معروف مناظر مولانا دوست محمد قریشی کا نام تجویز کرتا ہوں۔ خواجہ صاحب نے اس تجویز سے اتفاق فرمایا۔ مگر قریشی صاحب کو سارا علمی اور حوالہ جاتی مواد مولانا محمد نافع صاحب نے مہیا فرمایا[1] جس کے نتیجے میں شیعہ مناظر کے مقابلے میں قریشی صاحب نے مناظرہ جیت لیا۔ اس پر خواجہ صاحب نے مولانا محمد نافع کو شاباش دیتے ہوئے بڑی مسرت کا اظہار فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ یہ سب تمہارا ہی کارنامہ ہے۔

---

[1] اس مناظرہ کی مکمل تفصیل پورے تاریخی ریکارڈ کے ساتھ گزر چکی ہے۔ یہاں فاضل مضمون نگار سے مبالغہ ہوا ہے کیوں کہ علامہ قریشی رحمہ اللہ بذاتِ خود بہت بڑے فاضل اور معتبر عالم دین تھے خصوصاً فنِ مناظرہ میں کمال دسترس رکھتے تھے اور ان خداداد صلاحیتوں کی بناء پر مولانا محمد نافع رحمہ اللہ بھی اُن کے بڑے مداح تھے اور انہیں اپنے اکثر و بیشتر جلسوں پر مدعو کرتے تھے۔ مناظرہ کرنے کے لیے جس شخصیت کا انتخاب مولانا محمد نافع رحمہ اللہ جیسے باکمال عالم دین نے کیا اس کی علمی عظمت کا کیا ٹھکانہ ہوگا؟ تاہم علمی تعاون یا بعض تحقیقی مواد کی فراہمی سے علامہ قریشی رحمہ اللہ کا علمی قد متاثر نہیں ہوتا اور نہ ہی علامہ محمد نافع رحمہ اللہ کا آفتاب علم و تحقیق ایسی عقیدتوں یا مبالغہ آرائیوں کا محتاج ہے۔ سلفی

# کتاب ''بناتِ اربعہ'' کی اہل بیت نبویؐ کے ہاں قبولیت

حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی تالیف ''بناتِ اربعہ'' (یعنی چار بناتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کی اہل بیت نبوی کے ہاں قبولیت یا پسندیدگی کے حوالے سے ایک ذاتی واقعہ اور خواب بیان کرتے ہوئے مولانا فضل کریم صاحب مدظلہ نے راقم کو بتایا کہ:

''حج اور عمرے کے ارادے سے مجھے کئی بار حرمین شریفین میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔ ان مواقع پر مدینہ منورہ میں قیام کے دوران میرا معمول تھا کہ میں (مولانا فضل کریم صاحب) مسجد نبوی میں ہی کھڑے ہو کر جنۃ البقیع میں محو استراحت ازواج مطہرات، اہل بیت نبوی، صحابہ کرامؓ اور دیگر خوش نصیب مدفون لوگوں کے لیے ایصال ثواب اور سلام عرض کر دیا کرتا تھا۔ جنۃ البقیع میں اس خیال سے نہیں جاتا تھا کہ تاریخی روایات کے مطابق تقریباً دس ہزار صحابہ کرام جنۃ البقیع میں مدفون ہیں مگر اب چودہ صدیاں بعد بھی جبکہ صحابہ کے بعد ہزاروں لاکھوں لوگوں کو وہاں دفنایا جا چکا ہے، جنۃ البقیع کے موجودہ احاطہ میں چند ہزار قبریں نظر آتی ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ موجودہ حکومت نے اپنے مخصوص نظریات اور عہد نبوی وصحابہ کے آثار مٹا دینے کے طرزِ عمل کے پیشِ نظر مسجد نبوی کی دیوار سے آگے جنت البقیع کی دیوار تک قبروں پر بلڈوزر پھیر کر زمین برابر کر کے اوپر فرش بنا دیا ہو اور نیچے صحابہ کی قبریں موجود ہوں تو جنت البقیع تک جانا کہیں بے ادبی کے زمرے میں نہ آ جائے۔ ایک دفعہ عمرے پر جانے لگا تو چچا جان (مولانا محمد نافع رحمہ اللہ) نے فرمایا: جنۃ البقیع میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کی قبور پر جا کر میرا سلام عرض کرنا اور یہ دعاء کرنا ''کہ بناتِ اربعہ'' میں اللہ تعالیٰ مجھے صحیح روایات اور مستند تاریخی حقائق و واقعات لکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔'' میں نے حسبِ ہدایت اس حکم پر عمل کیا۔ پھر کتاب مزکور مرتب ہو کر مکہ بکس لاہور سے پہلی مرتبہ شائع ہوئی۔''

اس کے بعد میں (مولانا فضل کریم صاحب) نے ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ ''گویا میں مکہ مکرمہ کے کسی ہوٹل یا مکان میں مقیم ہوں۔ وہاں حضرت مولانا خواجہ قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ بھی تشریف فرما ہیں۔ خواجہ صاحب نے مجھے بتایا کہ آپ کے چچا مولانا محمد نافع نے ''بناتِ ازبعہ'' کے عنوان سے جو کتاب لکھی ہے وہ

''مائی صاحبہ'' نے بڑی پسند فرمائی ہے۔اب ''مائی صاحبہ'' سے خواجہ صاحب کی کیا مراد تھی؟ ام المؤمنین سیدہ خدیجہؓ یا آپ کی چار صاحبزادیوں میں سے کوئی صاحبزادی؟ یہ میں نہیں پوچھ سکا تھا۔ یہ خواب میں نے چچا جان (مولانا محمد نافع) کو بتایا تو بڑی دیر تک ان پر رقت کی کیفیت طاری رہی۔ اللہ تعالیٰ استاذ محترم مولانا علامہ محمد نافع رحمہ اللہ کی جملہ خدمات دینیہ کو ان کی مکمل نجات کا ذریعہ بنائے اور قیامت تک آنے والی نسلوں کی ہدایت کا ذریعہ بنائے رکھے۔ آمین

# اپنے اسلاف کی یادگار

(پروفیسر رشید احمد انگوی۔ پرنسپل ریٹائرڈ گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، گوجرانوالہ)

اس وقت اس ناکارۂ خلق راقم الحروف کے دل کی کیفیات اللہ کریم کی نگاہ میں ہیں، قلم حقیقی معنوں میں لرز رہا ہے کہ ''چہ نسبت خاک رابعالمِ پاک'' کے مصداق صورت حال میں، میں کیا اور میرا بیان کیا؟ مگر اللہ کریم کی اس نعمت پر شکر ادا کرتا ہوں کہ مجھے دورِ اولیٰ کے کسی عالمِ ربانی کی سی شان رکھنے والے اس مردِ قلندر کی نہ صرف زیارت کرنے بلکہ بہت قرب میں ہم نشینی اور ہم کلامی کا شرف حاصل رہا۔ میرا تعلق وادئ سون سکیسر (خوشاب) کے گاؤں انگہ کے معروف دینی و علمی گھرانے قاضی خاندان سے ہے۔ میرے والد محترم مولانا قاضی محمد خلیل رحمہ اللہ کو یہ علمی امتیاز اور شرف حاصل ہوا کہ دارالعلوم ڈابھیل (ضلع سورت۔ انڈیا) میں محدث کبیر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے پاس علومِ حدیث کی تعلیم کے لئے حاضر ہوئے اور دورہ حدیث کی کلاس میں اوّل پوزیشن حاصل کر کے اپنے دور کے جید علماء کی آنکھوں کا تارا بن گئے۔ اسی پس منظر میں دارالعلوم جامعہ محمدی شریف (ضلع چنیوٹ) کے بانی اور مہتمم / ناظم مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ کی نگاہ میں محبوبیت کے مقام پر فائز تھے اور اسی بنا پر دو مرتبہ مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ کی خواہش و اصرار پر جامعہ محمدی میں شیخ الجامعہ / صدر المدرّسین کے مناصب جلیلہ پر متعین رہے۔ یہ دوسری بار جامعہ محمدی میں تدریسی خدمات کا زمانہ تھا جب مجھے ساتویں، آٹھویں، نویں جماعت میں جامعہ محمدی ہائی سکول میں پڑھائی کرنے کا موقعہ میسر آیا اور اس سکولی تعلیم کے شانہ بشانہ دینی تعلیم / درس نظامی کی طالب علمی بھی نصیب ہوئی۔

مولانا محمد نافع رحمہ اللہ، مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ کے چھوٹے بھائی مگر اپنے محققانہ مزاج اور لائحہ عمل میں منفرد ہستی کے مالک تھے۔ مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ تو بلند پایہ قومی سیاستدان اور سلسلۂ چشتیہ میں تصوف کے خلیفہ و مرشد تھے اور وسیع روابط کا خوب صورت نمونہ تھے۔ اس کے برعکس مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کا اوڑھنا بچھونا کتابوں سے بھرا کتب خانہ تھا۔ اس دور میں آج کی تحقیقی سہولیات نہیں تھیں۔ یہ ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۱ء کا دور تھا۔ مدرسہ کے کمروں خصوصاً وسیع دارالحدیث میں تدریسی سرگرمیاں عروج پر رہتیں مگر سکول کے سامنے ایک خاموش و پرسکون عمارت ایک بڑا کمرہ اس مردِ خود آگاہ کا مسکن تھا جہاں تدریس و تحقیق میں پورا دن گزار کر

شام کے وقت بستی میں اپنے گھر چلے جاتے تھے مجھے کتابوں کی تفصیل معلوم نہیں کہ مولانا محمد نافع نے کون سی کتاب یا کتب میں والد صاحب سے سبق پڑھا مگر وہ خود بھی والد صاحب کو اپنا استاذ کہا کرتے اور اساتذہ بھی انہیں والد صاحب کا شاگرد بتاتے تھے۔ جو بات مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کو بالکل منفرد بناتی تھی وہ ان کا وسیع المطالعہ محقق ہونا تھا۔ ان کے پاس کم وبیش ہر روز ڈاکیہ کتابوں کے بڑے بڑے پیکٹ لاتا۔ راقم چونکہ ان کا استاذ زادہ اور شیخ الجامعہ کا فرزند تھا اس لیے مجھے اس جرأت و جسارت کا حق حاصل تھا کہ کتب خانے میں داخل ہو کر ان کے ڈاک میں آئے پیکٹوں سے ڈاک کے ٹکٹ اتار لیتا۔ یہیں سے مجھے ٹکٹ اکٹھے کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ ان کی ڈاک کا ایک قابل ذکر حصہ بیرونی ممالک سے آئے ہوئے بنڈل ہوتے تھے۔ اکثر عرب ملکوں سے عرب کتب پر مشتمل ڈاک آتی تھی۔ یہ ٹکٹ میری بہت سی بین الاقوامی معلومات کا ذریعہ بنے۔ کاش کہ مرور زمانہ کے ساتھ میری وہ ٹکٹوں والی کاپیاں گم نہ ہو جاتیں تو ان کے مندرجات سے اسلامی دنیا کے اس بین الاقوامی محقق کے بارے میں معلومات ملتیں۔ راقم نے ان کی شخصیت کو جیسے دیکھا بعد میں آنے والے ادوار میں محسوس ہوا کہ مولانا مرحوم پنجاب ایک دور افتادہ مقام پر بیٹھ کر جس لگن اور کمٹمنٹ کے ساتھ کام کرتے رہے اس پر انہیں ڈاکٹر حمید اللہ رحمہ اللہ (مقیم فرانس) کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے ''پنجابی حمید اللہ'' کہنے کو جی چاہا اور تحقیق میں انہوں نے جس جانفشانی سے کام لیا بعد از مرگ ان کے نام ڈاکٹریٹ کی ڈگری نچھاور کرنا بالکل جائز فیصلہ ہوگا۔ وہ اپنے دور کے فخر المحققین تھے ان کی تحقیق کا مرکزی مضمون ''دورِ صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین)'' تھا۔ والد صاحب ان کی تحقیقی معرکہ آرائیوں پر بارہا داد بھرے تبصرے کرتے تھے خصوصاً رحماء بینھم کے لیے ان کی زبردست جستجو پر ہمیشہ توصیف وتعریف فرماتے۔

مولانا محمد نافع کی زندگی انتہائی سادگی پر قائم تھی۔ کھدر کا لباس اور گول نماز والی کپڑے کی ٹوپی ان کا پہناوا تھا۔ کُرتا اور چادر زیب تن ہوتا۔ جسم قدرے کمزور تھا بال ٹوپی میں بند مگر زلفیں گردن کی جانب لپٹی یا گھنگھریالی واضح طور پر دکھائی دیتیں۔ آنکھوں میں ایک مستقل چمک تھی۔ دانت بہت خوب صورت اور مسکراتے چہرے کو زیب بخشنے والے تھے، ان کے چہرے سے ہی سچائی اور کھرا پن نمایاں تھا۔ خوراک بہت سادہ تھی۔ ہمیشہ چاکر کی روٹی بطور سنت کھائی۔ زندگی اتنی پاکیزہ سیدھی سادھی اور شفاف کہ مثالی بندہ مؤمن کا خاکہ لکھنا ہو تو مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کا بیان کفایت کرے۔ آج جب مدارس کو افرنگ زدہ اور امریکہ پرستی کی نگاہ و عینک سے دکھا کر عیوب کا منبع بتایا جا رہا ہے ضرورت ہے کہ مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ اور مولانا محمد نافع رحمہ اللہ برادران جیسی شخصیات کا تذکرہ عام کیا جائے تاکہ دینی مدارس کے اساتذہ وطلبا بھی اپنے آپ کو اس

دور کے اکابر اور علمائے سلف کی نشانیوں سے مستفیض کر سکیں۔ خصوصاً علماء واساتذہ وطلبہ جامعہ محمدی شریف کا بھی فرض ہے کہ وہ علمی وتحقیقی گہرائی اور عالمانہ کردار وطرز حیات اور مسلکی اعتدال اپنانے کی راہ اختیار کریں۔ آخر میں اس دور کے اس سرچشمۂ فیض سے سیراب ہونے والے چند علماء وطلبہ کے نام بھی حسب یادداشت پیش کرتا ہوں۔

مولانا غلام فرید مرحوم (صادق آباد) مولانا غلام محمد مرحوم (اسلام پور فراز) مولانا شیر محمد (وریام والا)، مولانا محمد سلیمان، مولانا غلام نبی، مولانا محمد سلیمان کامل مرحوم (شورکوٹ)، مولانا محمد سلیم فاروقی، مولانا عبدالدیان، مولانا محمد صادق، حکیم محمد اسحاق، عبدالجلیل فاروقی، عبید اللہ سیال، قاضی غلام رسول غازی، حکیم مقبول احمد، احمد دین (ساہیوال)، خالد جامعی، مولانا بدر الدین، مولانا غیاث الدین، نیز جھنگ کے عبدالستار نجم صاحب اور پنجاب یونیورسٹی کے مشہور پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی صاحب رحمہ اللہ وغیرہ وغیرہ اللہ کریم ان سب پر دنیا وآخرت میں رحم فرمائے۔ (آمین)

# تو گُلی و برگِ سبزی

(مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم)

۸ ربیع الاول ۱۴۳۶ھ بدھ کی رات گیارہ بجے برخوردار عبدالقدیر سلمہ نے اطلاع دی کہ حضرت مولانا محمد نافع صاحب انتقال فرما گئے ہیں معاً مفتی طاہر مسعود صاحب مدظلہ (سرگودھا) کے فون سے بھی اس خبر کی توثیق ہوئی جس پر یقین کئے بغیر اب کوئی چارہ نہ تھا انا للہ وانا الیہ راجعون ان اللہ ما اخذ ولہ اعطی و کل عندہ باجل مسمی۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا مرحوم و مغفور کے درجات بلند فرماویں اور پسماندگان کو صبر و اجر عطا فرمائیں، آمین۔

حضرت مولانا رحمہ اللہ آج سے ایک صدی قبل ۱۳۳۵ھ بمطابق ۱۹۱۵ء میں حضرت مولانا عبدالغفور صاحب مرحوم کے گھر پیدا ہوئے انہوں نے ۱۹۱۴ء میں جب حج کیا تو مکہ معظمہ مدینہ منورہ کا سفر اس زمانہ میں اونٹ پر ہوتا تھا آپ نے جس شتربان سے اونٹ کرایہ پر لیا تھا اس کا نام نافع تھا حج سے واپسی پر جب ۱۹۱۵ء میں حق تعالیٰ نے آپ کو فرزند عطا فرمایا تو اس کا نام آپ نے اپنے شتربان کے نام پر محمد نافع رکھا، بفضلہٖ تعالیٰ آگے چل کر آپ اس نام کے پورے مصداق اور اسم بامسمیٰ ثابت ہوئے وذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

۱۳۵۲ھ بمطابق ۱۹۳۳ء میں حفظ قرآن کریم آپ نے والد گرامی سے کیا، دینی کتب کی ابتدائی تعلیم حضرت مولانا اللہ جوایا شاہ صاحب اور اپنے برادر بزرگ حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب سے حاصل کی پھر مدرسہ اشاعت العلوم فیصل آباد، محمدی شریف ضلع جھنگ، واں بھچراں ضلع میانوالی، موضع انہی ضلع گجرات میں مایہ ناز اساتذۂ کرام سے درس نظامی پڑھا اور معقولات کی اونچی کتابوں کی تکمیل کی۔

آخر میں آپ دورۂ حدیث شریف کے لئے دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے اور وہاں ۱۳۶۳ھ ۱۹۴۳ء میں حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب، حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی، حضرت مولانا مفتی ریاض الدین صاحب، مفتی اعظم حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ سے کتب حدیث شریف پڑھ کر فراغت حاصل کی اور اس کے بعد دارالعلوم جامعہ محمدی میں سلسلۂ تدریس شروع فرمایا۔

آپ ؒ ۱۹۴۷ء میں تنظیم اہل سنت والجماعت سے وابستہ ہوئے اور رافضیت کے خلاف علمی وتحقیقی کام کیا، تنظیم کے رسالہ ہفت روزہ ''دعوت'' اور چوکیرہ سے شائع ہونے والے ماہنامہ ''الفاروق'' کے لئے علمی مضامین تحریر فرمائے۔

۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت میں حصہ لیا اور پس دیوار زنداں بھی رہے بعد ازاں اپنے استاذ مکرم حضرت مولانا علامہ احمد شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مشورہ اور ہدایات کے موافق ''رحماء بینھم'' کے عنوان پر تحقیقی کام کیا، مذہب اہل سنت کی حقانیت اور اہل تشیع کے رد میں آپ نے متعدد علمی تحقیقی تالیفات تحریر فرمائیں جن سے عوام وخواص ہمیشہ مستفید ہوتے رہیں گے۔

احقر ناکارہ نے حضرت مولانا مرحوم ومغفور کا نام تو بہت پہلے سن رکھا تھا کیونکہ احقر کے برادر معظم حضرت مولانا عبدالصبور صاحب ترمذی مرحوم دارالمبلغین کوٹ ادو میں ان سے استفادہ کرچکے تھے اور وہ ان کا ذکر فرمایا کرتے تھے لیکن زیارت پہلی مرتبہ اس وقت ہوئی جب آپ ۱۹۸۴ء میں مدرسہ علوم شرعیہ جھنگ میں علماء کرام کو رد رافضیت کورس پڑھانے کے لئے وہاں تشریف لائے، دن کو حضرت امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ کے نبیرہ حضرت مولانا عبدالعلیم صاحب لکھنوی دامت برکاتہم درس دیتے اور بعد نمازِ ظہر حضرت مولانا محمد نافع صاحب کا درس ہوتا۔ یکم شعبان المعظم ۱۴۰۴ھ بروز جمعرات مدرسہ علوم شرعیہ کے سالانہ امتحان کے لیے حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے گئے احقر ان کے ہمراہ تھا، احقر نے دونوں حضرات کے درس میں شرکت کی اس طرح پہلی مرتبہ حضرت سے قدرے استفادہ اور زیارت کا موقع حاصل ہوا، فللہ الحمد ولہ الشکر۔

بعد میں حضرت کی محققانہ تالیفات وتحقیقات نافعہ سے خوب استفادہ کا موقع ملا اور متعلقہ موضوع سے متعلق حضرت کی تحقیق انیق کو حرف آخر پایا، آپ کی نافع اور مفید تالیفات مسئلہ ختم نبوت اور سلف صالحین، حدیث ثقلین، رحماء بینھم، مسئلہ اقربا پروری، حضرت ابوسفیان اور ان کی اہلیہ، بنات اربعہ، سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ، سیرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور فوائد نافعہ وغیرہ میں سے ہر کتاب اور ہر تصنیف لطیف ایک سے ایک بڑھ کر ہے حضرت نے جس موضوع پر قلم اٹھایا صحیح بات یہ ہے کہ تحقیق کا ادا کردیا، فجزاہ اللہ تعالي خیر الجزاء۔

حضرت نے اپنی تالیفات میں اہل سنت والجماعت کے عقائد حقہ مسلک حق کی حقانیت اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی گہرے دوستانہ تعلقات ومراسم کو واضح دلائل سے ثابت کرنے کے ساتھ ان پر

کیے گئے شبہات و اعتراضات کے مسکت و مدلل جوابات بھی عنایت فرمائے ہیں اور پھر کمال یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہم محبت و مودت کو آپ نے فریق مخالف کی معتبر کتب کی صریح اور واضح عبارات سے ثابت فرما کر تمام شبہات کا قلع قمع فرما دیا ہے۔

پھر خوبی یہ ہے کہ آپ نے جوابی کارروائی میں جو انداز اختیار فرمایا ہے وہ نہایت مدلل محققانہ اور ناصحانہ ہے مخالف سے مخالف بھی اگر بنظر انصاف اس کا مطالعہ کرے تو وہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اس طرح فرق ضالہ کی تردید میں آپ کے قلم نے جادہ مستقیم سے سرمو انحراف نہیں کیا، بلا مبالغہ تردیدی مضامین جادلهم بالتي هي احسن اور قولاً لينا اور آپ کی ذات گرامی صحیح معنی میں محقق اہل سنت اور وکیل صحابہ کی مصداق ہے۔ فللہ درہ وعلی اللہ اجرہ۔

آپ کی جملہ محققانہ کتب سے اہل علم عوام وخواص اپنے اور پرائے برابر استفادہ کر رہے ہیں اور بحمد اللہ تعالیٰ امت کو ان سے بہت فائدہ اور نفع پہنچ رہا ہے جو ان شاء اللہ تعالیٰ آخرت میں آپ کے رفع درجات کا سبب ہوگا۔

آپ کی بے نظیر عمدہ اور تحقیقی تصنیف لطیف ''رحماء بينهم'' کی علمی دنیا میں دھوم مچی ہوئی ہے، احقر نے حضرت شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم سے براہِ راست سنا ہے کہ: ''اس موضوع پر دنیا کی کسی بھی زبان میں ایسی کتاب نہیں لکھی گئی''۔

اس لئے حضرت عثمانی مدظلہم نے اس سے استفادہ فرمایا اور عرب ممالک میں استفادہ کے لیے اس کا عربی ترجمہ بھی کروا دیا ہے جو اب شائع ہو چکا ہے۔

ایک مرتبہ ماسٹر مزمل حسنین ساکن گروٹ نے حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کی کتاب ''فیض الباری'' شرح بخاری کی ایک عبارت کی طرف متوجہ کیا جسے اہل تشیع اپنے عقیدہ باطلہ تحریف قرآن کی تائید میں پیش کرتے ہیں احقر نے حضرت والد صاحب سے استفادہ کے بعد اس عبارت کی وضاحت میں ایک تحریر لکھی جس سے روافض کے اعتراض کا جواب بخوبی ہو جاتا تھا لیکن احقر کا یہ جواب قدرے طویل تھا ''فیض الباری'' کی یہی عبارت جب ماسٹر صاحب موصوف نے حضرت مولانا رحمہ اللہ کی خدمت میں پیش کی تو آپ نے بڑا ہی مختصر جواب تحریر فرمایا جو ماقل و دل کا مصداق تھا اس سے عبارت کا حل بھی ہو گیا اور اہل تشیع کا اعتراض بھی ساقط ہو گیا ذیل میں ''فیض الباری'' کی اصل عبارت اور اس پر اشکال اور حضرت مولانا کا جواب نقل کیا جا رہا ہے تاکہ قارئین بھی حضرت کے جواب سے مستفید ہوں۔

فیض الباری کی اصل عبارت یہ ہے:

واعلم ان فی التحریف ثلاثة مذهب، ذهب جماعة الي ان التحريف فی الكتب السماوية قدوقع بكل نحو فی اللفظ والمعنی جميعاً وهو الذی مال اليه ابن حزم و ذهب جماعة الي ان التحريف قليل ولعل الحافظ بن تيمية جنح اليه وذهب جماعة الي انكار التحريف اللفظی راسا فالتحريف عندهم كله معنوی قلت يلزم علی هٰذا المذهب ان يكون القرآن ايضاً محرفاً فان التحريف المعنوی غير قليل فيه ايضاً، والذی تحقق عندی ان التحريف فيه لفظی ايضاً اما انه عن عمدمنهم او لمغلطة فالله تعالٰی اعلم به۔ (فیض الباری ص ۳۹۵ ج ۲ ط دار المامون)

اس عبارت میں جملہ والذی تحقق عندی ان التحريف فيه لفظی ايضا سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ بھی (نعوذ باللہ) قرآن کریم میں لفظی تحریف کو ثابت فرما رہے ہیں۔

حضرت مولانا مرحوم اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''فیض الباری کی جو عبارت آپ نے تحریف کے متعلق لکھی ہے اس میں کلمہ ''التحريف فيه لفظی ايضا الخ'' اس کلمہ میں فیہ کی ضمیر کا مرجع اوپر کتب سماویہ مذکورہ مراد ہیں اور تذکیر بتاویل مذکور ذکر کرنا درست ہے، فلہٰذا معترض کا اعتراض ساقط ہے اور علماء اہل سنت میں سے کوئی بھی قرآن کریم میں تحریف لفظی کا قائل نہیں''۔

اس جواب لا جواب سے اصل اعتراض ہی ختم ہو جاتا ہے اس لئے کہ ''فیض الباری'' کی اس عبارت میں قرآن کریم سے متعلق گفتگو نہیں ہو رہی بلکہ کتب سماویہ میں تحریف کی بحث چل رہی ہے، کیونکہ اس عبارت کا تعلق قرآن کریم میں تحریف سے نہیں بلکہ کتب سماویہ میں تحریف سے ہے، کتب سماویہ میں تحریف سے متعلق کئی مذاہب میں سے ایک مذہب یہ ہے کہ ان میں صرف معنوی تحریف ہوئی لفظی نہیں ہوئی۔ حضرت علامہ انور شاہ اس مذہب کو رد فرما رہے ہیں کیونکہ اگر اسے صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس سے قرآن پاک میں تحریف لازم آتی ہے، اس لیے آپ نے وعندی ان التحريف سے فرمایا کہ کتب سماویہ میں صرف تحریف معنوی نہیں بلکہ تحریف لفظی بھی کی گئی ہے، اس توجیہ کے بعد قرآن کریم میں تحریف کا کوئی احتمال باقی نہیں رہتا۔

اب رہا یہ اشکال کہ اگر کتب سماویہ مراد ہوتیں تو فیہ کی بجائے فیھا ہونا چاہئے تھا۔ کما هو مقتضي

القواعد تو اس کا جواب حضرت نے اپنی تحریر بالا میں دے دیا ہے کہ بتاویل مذکور فیہ صحیح ہے۔ بلاشبہ حضرت کی مختصر سی عبارت نے مسئلہ حل کر دیا اور اب کوئی شبہ باقی نہ رہا۔

حضور نبی کریم ﷺ کے ابوین شریفین کے متعلق ہمارے اکابر کے ہاں احوط مسلک یہی ہے کہ سکوت اختیار کیا جائے اور عند المحققین ان کے ہاں راجح مسلک ایمان اور نجات کا ہے۔ حضرت مولانا مرحوم نے اس سوال کے جواب میں اسی محتاط مسلک کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا:

''ابوین شریفین کے ایمان کے متعلق گزشتہ علماء کرام کی تحریروں میں اختلاف پایا جاتا ہے، جس کو اس مسئلہ کی خواہش ہو وہ سلف کی کتابوں میں یہ بحث نفیاً و اثباتاً اٹھا کر دیکھ لے، ہمیں اپنے اساتذہ حدیث کی طرف سے نصیحت کی گئی ہے کہ اس مسئلہ میں کف لسان کیا جائے اور اس میں بحث کرنے سے زبان کو روکا جائے۔''

ایک مرتبہ بندہ آپ کی خدمت میں محمدی شریف بھی حاضر ہوا۔ احقر اس روز چنیوٹ سے حاضر خدمت ہوا تھا عزیز محترم مولانا شکیل احمد سلمہ بھی احقر کے ساتھ تھے حضرت نے بڑی شفقت فرمائی اور کافی دیر تک گفتگو فرماتے رہے احقر ناکارہ کو بڑا وقت عنایت فرمایا اور احقر کے سوالات کا بڑی شفقت سے جواب مرحمت فرماتے رہے۔ اپنی کتاب '' رحماء بینھم '' سے متعلق حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم کے گرامی نامہ کا تذکرہ بھی بڑے عجیب انداز سے فرمایا، حرف حرف سے تواضع ٹپک رہی تھی برائی کا ادنیٰ شائبہ بھی نہ تھا۔

احقر کے استفسار پر فرمایا کہ جس زمانہ میں مَیں نے دیوبند میں پڑھا حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ قید میں تھے اس لیے ہم حضرت سے نہ پڑھ سکے ہم نے حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب اور حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاوی رحمہما اللہ وغیرہ اساتذہ کرام سے پڑھا اور یہ بھی فرمایا کہ حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحبؒ سجادہ نشین کندیاں میرے ہم سبق ہیں ہم کافی دیر حضرت کی خدمت میں بیٹھے رہے اور پھر دعاؤں کی درخواست کے بعد اجازت لے کر واپس ہوئے۔

احقر پہلی دفعہ حضرت والد صاحب کی معیت میں ہی آپ سے ملا تھا حضرت مولانا نے حضرت والد صاحب کا بڑا اکرام فرمایا اور بڑی تواضع سے ملے دونوں بزرگوں کی ملاقات کا منظر دیدنی تھا احقر اس سے بڑا متاثر ہوا، حضرت والد صاحب ان کی کتب اور ان کی تحقیقات کے بڑے مداح تھے اور حضرت کی گوناگوں اوصاف سے متصف شخصیت کی بڑے تعریف فرماتے تھے اور حضرت بھی حضرت والد ماجد کے

قدر دان اور ان کی تحقیق کے معترف تھے آپ کی کئی کتابیں ان کی نظر سے گزری تھیں ان کی بڑی تعریف فرماتے تھے ان کی وفات پر آپ نے احقر کو جو تعزیت نامہ لکھا اس میں تحریر فرمایا:

"حضرت مولانا صاحب ترمذی رحمہ اللہ کے انتقال کی اطلاع ہوئی (ترجیع) يغفر الله له ويدخله فی جناب النعیم حضرت موصوف و مرحوم سلف صالحین کی یادگار تھے کبار علماء میں ان کا شمار ہوتا تھا صاحب تصانیف تھے۔ ان کے ارتحال سے علم کا ایک تحقیقی دور ختم ہوگیا۔"

احقر نے کتاب "تذکرہ حضرت مدنی" جب آپ کو بھیجی تو آپ نے اسے بہت پسند فرمایا، احقر نے ایک عریضہ میں اس کتاب پر تاثرات قلم بند کرنے کی درخواست بھی کی تھی لیکن کمزوری اور عدیم الفرصتی کی وجہ سے اس کی نوبت نہ آئی۔ حضرت رحمہ اللہ کو حق تعالیٰ نے طویل عمر عطا فرمائی اور ان سے دین کی خدمت کا بڑا کام لیا، آپ کی شخصیت اہل حق کے جملہ مکاتب فکر کے لیے محبوب شخصیت تھی سب ہی آپ کے قدر دان اور چاہنے والے تھے، دور دور سے لوگ زیارت، استفادہ اور اجازت حدیث کے لیے حاضر ہوتے تھے، آپ ان پر بڑی شفقت فرماتے، دعائیں دیتے اور انہیں علم سے خوب سیراب کرتے۔

برخورداران عبدالناصر و عبدالملک سلمہما اجازت حدیث کے لیے حاضر ہوئے انہیں اجازت بھی عطا فرمائی اور خوب تواضع بھی فرمائی، انتہائی ضُعف کی وجہ سے اس وقت آپ لیٹے ہوئے تھے کمزوری کی وجہ سے اس وقت بیٹھنا مشکل ہو رہا تھا آپ کا یہ عذر انتہائی معقول تھا اس کے باوجود آپ نے اس پر بڑے متواضعانہ انداز میں معذرت فرمائی، انہوں نے جب احقر کا سلام عرض کیا اور دعا کے لیے کہا تو آپ نے ان کے ذریعہ احقر کو درج ذیل شعر کی صورت میں یہ پیغام بھیجا۔

نہ گلم نہ برگ سبزم نہ درخت سایہ دارم
در حیرتم کہ دہقاں بچہ کارکشت مارا

اس سے آپ کے مقام فنا، تواضع، فروتنی، مسکنت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ سب کچھ ہونے کے باوجود اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتے تھے اور دراصل عارفین کے نزدیک اصل مقام یہی ہے کما قیل۔

تو دروگم شووصال این ست و بس
گم شدگم کن کمال این ست وبس

برخورداران نے جب حضرت کا یہ پیغام احقر کو سنایا تو احقر پر بڑا اثر ہوا اور ساتھ ہی میں نے ان سے

کہا کہ اگر میں وہاں موجود ہوتا تو اس کے جواب میں یہ عرض کرتا۔

تو گلی و برگ سبزی و درخت سایہ داری
در حیرتم کہ گفتی بچہ کارکشت مارا

لیکن افسوس کہ ان کی زندگی میں اس کی نوبت نہیں آئی۔ اب وفات کے بعد ان کے جنازہ میں شرکت کے موقع پر ان کے جسم خاکی کے سامنے زبان پر بار بار یہی شعر آرہا تھا جو یقیناً حسب حال تھا۔

جنازہ میں اتنا بڑا اجتماع عنداللہ آپ کی مقبولیت کی علامت معلوم ہورہا تھا، کہاں کہاں سے اہل علم طلبہ وعوام جوق در جوق جنازہ میں شرکت کی سعادت کے حصول کے لیے پہنچ گئے۔ اللہ تعالیٰ حضرت سمیت سب شرکاء کی مغفرت فرمائے، جامعہ حقانیہ کے طلبہ و اساتذہ کرام نے بھی جنازہ میں شرکت کی برخورداران و برادران احقر کے ساتھ تھے، نماز جنازہ جانشین خواجہ خواجگان حضرت مولانا خواجہ خلیل احمد صاحب مدظلہم نے پڑھائی۔ دعا ہے کہ حق تعالیٰ آپ کی خدمات کو قبول فرمائیں، آپ کی تالیفات اور اولاد صالحہ وتلامذہ کو آپ کے لیے صدقہ جاریہ بنائے، آمین۔

# نرم لہجہ اور گرم دلیل کے مالک

(مولانا شفیق احمد بستوی)

عموماً یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ انسان جس خطۂ ارضی پر پیدا ہوتا ہے اور جہاں اس کی بود و باش ہوتی ہے اس زمین کے اثرات اس کی صفات و مزاج میں نمایاں ہوتے ہیں، کچھ عرصہ قبل راقم الحروف کو حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد مظہر صاحب دامت برکاتہم کی معیت میں چنیوٹ جانے کا موقعہ ملا۔ جی ہاں! وہی چنیوٹ شہر جو دریائے چناب کے قریب واقع ہے جس کے طول و عرض کے بڑے علاقے میں زیرِ زمین لوہے کا اتنا بڑا قدرتی ذخیرہ موجود ہے، جس کے بارے میں قیاس آرائی ہو رہی ہے کہ پورے ایشیاء میں اتنا بڑا ذخیرہ اور کہیں نہیں ہے، اسی بناء پر حکومت پنجاب اس بات کا عزم کیے ہوئے ہے کہ اس علاقہ میں ایشیاء کی سب سے بڑی اسٹیل مل قائم کرنی ہے۔

جس زمین کو قدرت نے آہنی خزانوں سے معمور کر رکھا ہے اس زمین سے جن لوگوں کا خمیر تیار ہوتا ہوگا وہ پھر یقیناً انسانی ماحول میں فولادی مزاج کے حامل ہوتے ہوں گے، اس بات کا تحقیقی جائزہ لینا یا اس پر ریسرچ کرنا ہمارے موضوعِ سخن سے قطعی مربوط نہیں ہے تاہم ہماری آنکھوں کے سامنے سے گزرنے والے ماضی میں دو ایسی شخصیات کو اسی آہنی و فولادی سرزمین نے جنم دیا ہے جن کے کارناموں سے ایک بڑی دنیا آشنا و آگاہ ہے، ان کے کردار و عمل کو دیکھ کر یقیناً یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ لوگ آہنی طبیعت کے مالک تھے، جن کے عزائم کے آگے بڑی تیز و تند مخالف آندھیاں بھی چلیں مگر ان کے پائے ثبات میں کبھی لغزش نہیں آئی اور وہ پوری پامردی کے ساتھ اپنی محنت میں لگے رہے، اللہ تعالیٰ ان دونوں شخصیات کو اپنے شایانِ شان بھرپور جزائے خیر عطا فرمائے۔

میری مراد ایک تو حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمہ اللہ اور دوسرے حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ ہیں ایک نے کاشانۂ رسالت کے ہمہ گیر تقدس کی حفاظت کے لیے خود کو دربانی و حراست کی ذمہ داری بلکہ ندمت کے لیے وقف کیا تو دنیا نے دیکھا کہ ختم نبوت کے مبارک محل میں نقب زنی کرنے والے گورداسپوری ڈاکو اور نقب زن کا ایسا بھرپور تعاقب کیا کہ اسے واپس اس کمین گاہ تک پہنچا کر ہی دم لیا مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ نے پارلیمنٹ میں اپنی مسلسل مساعی مشکورہ کو بروئے کار لا کر مرزائیوں کے شہر (جس کا نام مرزائیوں نے قرآنی لفظ ''رَبوہ'' سے انتساب کر کے رکھا تھا) کا نام تبدیل کروا کر چناب نگر رکھوا دیا، جو کہ ایک بہت بڑی

کامیابی ہے، مرزائیوں کے شہر کا قرآنی نام جو رکھا گیا تھا اس کے پس پردہ ایک پوری تحریک، ایک ذہن سازی اور ان کے باطل نظریات کا ایک بامقصد باب پوشیدہ ہے جس کو عام مسلمان نہیں سمجھ پاتے ہیں، اس کے لیے ایک مستقل مضمون کی ضرورت ہے۔

عرض یہ کرنا ہے کہ جب شانِ رسالت پر آنچ آئی اور ختم نبوت کا مسئلہ درپیش ہوا تو اس فولادی سرزمین کے آہنی مزاج عالم دین نے اپنی خدمات پیش کیں اور شاید عام قارئین کو یہ بات معلوم نہ ہو کہ ردِ قادیانیت کے لیے حضرت مولانا چنیوٹی علیہ الرحمۃ نے جو کتاب تصنیف فرمائی ہے ''ردِ قادیانیت کے زرّیں اصول'' اردو زبان میں اب تک اس سے شاندار کوئی دوسری کتاب نہیں ہے۔ [1]

اب اس سے آگے کی بات کریں تو ہم یہ کہیں گے کہ ہر مسلمان کے لیے جہاں رسول اللہ ﷺ کی ذات والا صفات احترام و محبت، عقیدت و عظمت کے سب سے اعلیٰ مقام پر سمجھی جاتی ہے وہیں رسول اللہ ﷺ سے تعلق رکھنے والے اہل بیت ہوں یا حضرات صحابہ و صحابیات رضی اللہ عنہم و عنہن سب ہی کی شخصیات قابل احترام اور عقیدت و محبت کی ایسی حقدار ہیں کہ حدیث پاک میں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ:

''میرے صحابہ کے بارے میں اللہ سے ڈرو! اللہ سے ڈرو! جس نے ان سے محبت کی اس نے گویا میری محبت کی وجہ سے کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے گویا مجھ سے بغض کی بناء پر ان سے بغض کیا۔''

اسی طرح بخاری شریف میں واضح حدیث موجود ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ ''میرے انصار صحابہ رضی اللہ عنہم سے محبت کرنا ایمان کی علامت ہے اور ان سے نفرت و بغض رکھنا نفاق کی علامت ہے۔''

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی عزت و عظمت، محبت و عقیدت، اور ان کی تعظیم و تکریم کو مسلمانوں کے قلوب سے کم کرنے بلکہ ختم کرنے کی محنت اُسی دور سے شروع ہوگئی تھی جب خیر القرون میں خوارج و روافض کا فتنہ اٹھا تھا۔ اور زمانہ کے ساتھ ساتھ اس فتنہ نے اسلامی معاشرے میں اپنی جڑیں مستحکم و مضبوط کرنے کی بھرپور کوششیں جاری رکھی ہوئیں ہیں۔ اور ہر دور میں علماء حق نے اپنے ربانیین ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے اس فتنہ اور اس جیسے تمام ہی باطل فتنوں کے مدمقابل سینہ سپر ہو کر اپنی جانی، مالی، علمی و عملی، لسانی و قلمی کاوشوں کو احسن طریقہ سے پیش کیا ہے، ان کاوشوں کی بدولت لاکھوں فرزندانِ اسلام گمراہی

---

[1] یہ فاضل مضمون نگار کی غلط فہمی ہے کیونکہ ایک سے بڑھ کر ایک کتاب اس موضوع پر موجود ہے۔ عقیدت کی رَو میں بعض اوقات جب قلم پھسلتا ہے تو لاشعوری اور غیر ارادی طور پر دوسروں کی حق تلفی ہو جاتی ہے۔ اس خلجان اور تکلیف میں بلاوجہ پڑنے کی نہ کوئی شرعی ضرورت ہے نہ علمی و اخلاقی البتہ تقابلی جائزہ لینے کا اپنا ایک محل اسلوب، دلائل اور متعلقہ عنوان پر مطالعہ و تحقیق کا ہونا لازمی ہوتا ہے۔ تب کہیں جا کر اہل علم کے ہاں ایسی باتوں کا کوئی وزن ہوتا ہے۔ سلفی

کی دلدل میں پھنسنے سے محفوظ رہے اور ہزاروں کو اندھیروں سے نکل کر ایمان و عمل کی روشنی ملی۔

حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے سو سالہ زندگی اِسی فولادی سرزمین پر اس کیفیت میں گزاری کہ اس زندگی کا اکثر حصہ علم و عمل سے معمور و بھرپور رہا ہے، آپ رحمہ اللہ نے اپنی دینی و علمی ذخیرے کو بڑے ہی خاموش انداز میں بلکہ یوں کہیے کہ مستقل مزاجی کے ساتھ قرطاس و قلم کے سپرد کیا اور اپنی اس قلمی مہم جوئی کا محور آپ رحمہ اللہ نے عموماً حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت و سوانح کو بنائے رکھا، کیونکہ مسلمانوں کے ماحول میں روافض بڑے ہی خاموش انداز میں اہل بیت کی محبت کا شور مچا کر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توہین و نفرت پھیلانے میں ہمارے وطن عزیز میں بھی مشغول رہے ہیں اور تاہنو یہ فتنہ سامانی جاری ہے اس کے علاوہ پروپیگنڈہ کے ضمن میں مشاجرات صحابہ کے عنوانات کو ہوا دے کر کئی ساری من گھڑت روایات کو عام کر کے سادہ لوح مسلمانوں پر یہ باور کرانے کی کوشش ہوتی ہے کہ اہل بیت اطہار اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے مابین اختلافات ہی نہیں بلکہ بڑی سخت قسم کی دوریاں بھی تھیں۔

اس قسم کے فکری فتنوں کا تعاقب اور ان کا بروقت احتساب اور ان کے منفی اثرات کا سد باب کم ہی لوگ کر پاتے ہیں، حضرت مولانا محمد نافع علیہ الرحمۃ کی شخصیت ایسی ہی معدودے چند شخصیات میں شمار کی جاتی ہے جنہوں نے بڑی فطانت و استقامت کے ساتھ اس فتنہ کا قابل تحسین تعاقب کیا ہے اور بہت بڑی حد تک اس باطل پروپیگنڈے کے اثرات کا ازالہ فرمایا۔ فجزاہ اللہ خیراً

آپ علیہ الرحمۃ کی تصنیفات اپنی مثال آپ ہیں کیونکہ اس موضوع پر ایسی سنجیدہ کاوشیں اگر نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہیں ''رحماء بینھم'' آپ کی لاجواب تحقیقی تصنیف ہے اس کے علاوہ متعدد کتابیں بھی مولانا مرحوم کے سنجیدہ ذوق تحقیق کا شاہکار ہیں۔

حضرت مولانا نافع علیہ الرحمۃ کا جسمانی خمیر علاقہ چنیوٹ کی فولادی زمین سے تیار ہوا تھا تو ان کا علمی وروحانی خمیر از ہر ہند دارالعلوم دیوبند کے مردم خیز ماحول میں بنا تھا اور وہاں ان کو حضرت علامہ محمد ابراہیم رحمہ اللہ حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی امرہوی رحمہ اللہ، حضرت مولانا فخر الدین صاحب رحمہ اللہ دیوبندی، حضرت مولانا عبدالاحد صاحب رحمہ اللہ جیسے اکابر علماء کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کا موقع نصیب ہوا تھا، حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے بھی نسبت حاصل رہی گو کہ تحریک آزادی ہند کی وجہ سے سیاسی مشاغل اور پھر فرنگیوں کی مخالفت کی بنا پر قید و بند کے مراحل حضرت مدنی رحمہ اللہ کے درپیش رہے جس کے سبب باضابطہ اسباق حضرت کے پاس نہ ہو سکے تھے۔

حضرت مولانا محمد نافع علیہ الرحمۃ نے بفضلہٖ تعالیٰ پوری ایک صدی کی عمر پائی اور تعلیم سے فراغت کے بعد سے لے کر تابقائے حیات چنیوٹ کے نواحی قریہ ''موضع محمدی شریف'' میں مقیم رہے اور نہایت ہی سادگی میں عرصۂ حیات گزار، مشاہدہ کرنے والے حضرات بتاتے ہیں کہ حضرت کا مکان مٹی کا بنا ہوا کچا مکان تھا جس میں دور جدید کی شاید صرف ایک ہی سہولت کی چیز تھی اور وہ بجلی ہے علاوہ ازیں کوئی جدید سہولت آپ کے مکان میں نہیں تھی، گویا آپ رحمہ اللہ کی زندگی ''کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل'' کا مصداق تھی، اکیسویں صدی عیسوی میں بھی ایسے درویش صفت، اہل دل علماء نہ صرف خیر القرون کی یادیں تازہ کر رہے ہیں بلکہ ہم جیسے بے ڈھنگے، مادہ پرستی کی دلدل میں پھنسے ہوئے لوگوں کے لیے عبرت کی روشنی بخشنے والا مشعل کا کام دے رہے ہیں۔

حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ اسم بامسمی تھے، یقیناً انہوں نے بہت بڑی تعداد میں لوگوں کو علم و عمل کے میدان میں نفع پہنچایا ہے، اللہ رب العزت ان کی نافعیت کو بہترین صدقۂ جاریہ کے طور پر دوام بخشے۔ حضرت کی پیدائش ۱۹۱۵ء میں ہوئی تھی اور انتقال دسمبر کی ۳۰ تاریخ ۲۰۱۴ء کو ہوا، اللہ تعالیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی خدمات کو حسن قبولیت سے نوازے۔ اور آپ کے علمی ماثر کو عامۃ المسلمین کے لیے نفع بخش فرمائے، اور عالم آخرت میں رحمت و اکرام کی فضا نصیب فرمائے، وما ذلك علی الله بعزیز

وَصَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیرِ مُحَمَّدٍ وَّالِهٖ وَصَحبِهٖ اَجمعِینَ

# پیکرِ علم وفضل

(ابوالخیر عارف محمود)

نبی آخر الزماں الصادق المصدوق حضرت محمد ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں کی مثال سو اونٹ کی مانند ہے، جن میں تم بمشکل ایک اونٹ سواری کے قابل پاؤ گے۔ (صحیح بخاری) جوں جوں زمانہ آگے کی طرف بڑھ رہا ہے اس حدیث کی حقانیت اور بھی واضح ہوتی جارہی ہے، واقعی یہ ایک لاریب حقیقت ہے کہ ایک لمبے عرصے اور طویل محنت شاقہ کے بعد ہی کسی کو کمال کا درجہ حاصل ہوتا ہے۔ اللہ بھلا کرے اکابرینِ اہل سنت دیوبند کا کہ ان کے اخلاص کا ثمرہ ہے کہ "دارالعلوم دیوبند" کے فیض یافتہ رجال نہ صرف اپنی ذات میں انجمن ہوتے ہیں، بلکہ ان کی جامعیت، علم وفضل، اخلاص وتقویٰ، اتباعِ سنت، سادگی وتواضع اور دینی خدمات میں زمانہ مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے فیض یافتہ عبقری صفات کے حامل رجال اللہ میں سے ایک عالم ربانی، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سچے عاشق اور ان کے ناموس کا دفاع کرنے والے عظیم اور بے مثل محقق، ترجمان اہل سنت، اخلاص، تواضع اور سادگی کا پیکر حضرت مولانا محمد نافع صاحب نور اللہ مرقدہ ۳۰ دسمبر ۲۰۱۴ء کو تقریباً ۱۰۰ سال کی طویل عمر پانے کے بعد اس دارفنا سے دارالبقا کے مسافر بن گئے۔ إن لله ما أعطى ولله ما أخذ وإنا إليه راجعون۔

حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ سے غائبانہ تعارف تو ہمیں اس وقت سے حاصل تھا جب ہم نے سن شعور میں پہنچ کر دینی کتب کا مطالعہ شروع کردیا تھا، مگر بالمشافہ ملاقات اور زیارت کا شرف ۲ جولائی ۲۰۱۲م مطابق ۱۱ رشعبان ۱۴۳۳ھ کو اپنے رفقائے سفر مفتی امان اللہ صاحب اور مفتی مبارک علی صاحب (اساتذہ جامعہ فاروقیہ کراچی) کے ہمراہ مولانا بلال صاحب (فیصل آبادی) کی راہنمائی میں ان کی رہائش گاہ محمدی شریف (ضلع جھنگ) پر حاضری کے موقعہ پر حاصل ہوا، اس موقعہ پر حضرت رحمہ اللہ سے ایک طویل نشست رہی جس میں انہوں نے کمال شفقت ومحبت کا اظہار فرماتے ہوئے مختلف علمی موضوعات پر ہماری طالب علمانہ گزارشات سماعت فرمائیں، اجازت حدیث سے نوازا، ڈھیروں دعائیں دیں، بلکہ ہمارے استفسار پر اپنا تعلیمی پس منظر، اساتذہ، دارالعلوم دیوبند سے وابستگی وفراغت، تدریس اور تصنیفی وتحقیقی خدمات کے بارے میں بھی مستفید فرمایا، حضرت کا سوانحی خاکہ مزید کچھ اضافہ کے ساتھ پیشِ خدمت ہے۔

ایک محتاط اندازے کے مطابق آپ کی پیدائش ۱۳۳۵ھ مطابق 1915ء قریہ محمدی شریف کے ایک عالم ربانی حضرت مولانا عبدالغفور صاحب رحمہ اللہ کے ہاں ہوئی، آپ نے ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۳ء میں اپنے والد مرحوم کے پاس قرآن کریم حفظ کیا، دورہ حدیث سے قبل کی تمام دینی تعلیم دارالعلوم محمدی شریف جھنگ اور گجرات میں حاصل کی، یہاں آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا احمد شاہ بخاری رحمہ اللہ (فاضل دارالعلوم دیوبند)، مولانا قطب الدین اچھالوی، مولانا شیر محمد صاحب، مولانا غلام محمد صاحب لاہوری، مولانا غلام یاسین صاحب (واں بچھراں)، مولانا ولی اللہ صاحب گجراتی اور آپ کے برادر بزرگ مولانا ذاکر صاحب رحمہ اللہ معروف ہیں۔

۱۳۶۲ھ میں آپ رحمہ اللہ نے ازہرہند دارالعلوم دیوبند میں دورہ حدیث کی تعلیم کے لیے داخلہ لیا اور ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۹۴۳ء میں باقاعدہ دارالعلوم دیوبند سے سندِ فراغت حاصل کی۔ دارالعلوم دیوبند میں آپ نے شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی صاحب امروہوی رحمہ اللہ، جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا ابراہیم صاحب بلیاوی رحمہ اللہ اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی رحمہ اللہ وغیرہ اساطین علم وفضل سے کسب فیض فرمایا، یاد رہے کہ اس دوران شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ مالٹا میں اسارت کے ایام گزار رہے تھے، حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ دارالعلوم دیوبند سے رسمی فراغت کے بعد اپنے علاقہ میں قائم دارالعلوم محمدی شریف میں تدریس کی خدمات انجام دینے پر مامور ہوئے، ۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان کے بعد تنظیم اہل سنت والجماعت سے منسلک ہوئے اور اعدائے صحابہ کے رد میں تصنیفی وتحقیقی خدمات انجام دینا شروع کردیں، جو تادم وفات جاری رہیں، ۱۹۵۳ء مطابق ۱۳۷۳ھ میں مرزائیت کے شجرہ خبیثہ کے خلاف تحریک ختم نبوت میں بھرپور عملی حصہ لیا اور کئی ماہ تک پس دیوارزنداں بھی رہے اور اس حوالہ سے کتاب بھی تصنیف فرمائی جو'' مسئلہ ختم نبوت اور سلف صالحین'' کے عنوان سے دارالکتاب لاہور سے طبع ہوکر علمی حلقوں سے داد تحقیق وصول کرچکی ہے۔

حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ کی ساری زندگی اتباع سنت، اقتدائے سلف صالحین، دفاع صحابہ کے سلسلہ میں عالمی سطح کی عظیم تصنیفی وتحقیقی خدمات انجام دینے میں بسر ہوئی، آپ کی دینی خدمات کو بیان کرنے کے لیے مستقل دفتر کی ضرورت ہے، قرطاس کی تنگ دامنی کے پیش نظر ہم یہاں دفاع صحابہ کے سلسلہ میں آپ کی تصنیفی وتحقیقی خدمات کے بارے میں اکابر علماء کے تاثرات کو بیان کریں گے، چناں چہ مناظر اہل سنت حضرت مولانا عبدالستار تونسوی صاحب رحمہ اللہ نے اہل سنت اور اہل تشیع کے مابین نزاعی

مسائل پر آپ کی قابل قدر تحقیق کے بارے میں فرمایا کہ:

''اس سلسلے میں عالم شہیر، محقق کبیر حضرت مولانا محمد نافع صاحب اَدام اللہ بقاءہٗ بالخیر نے ہر عنوان پر الگ الگ جامع کتاب تالیف فرمائی ہے، بندہ نے ان کی اکثر کتب مثلاً: رحماء بینہم (مکمل)، حدیث ثقلین، بنات اربعہ، سیرت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، سیرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ دیکھیں، ابھی ان کی نئی تالیف فوائد نافعہ ہر دو جلدوں کو تقریباً اکثر مقامات سے دیکھا، ماشاء اللہ موصوف نے اہل سنت کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا ہے، مولانا موصوف کی مذکورہ کتب میں درج شدہ دلائل ٹھوس، حوالے صحیح اور مطابقی ہیں، ان کی تحقیق انیق سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ریت کے ذرات سے سونا الگ کرنا جانتے ہیں، ردِ مطاعن میں ان کا انداز تحریر عالمانہ، محققانہ مگر مصلحانہ ہے، یہ کتب عقل سلیم وفہم مستقیم رکھنے والے حضرات کے لیے باعث ہدایت اور اہل باطل پر اتمام حجت ہیں ...... لیهلك من هلك عن بینة ویحی من حی عن بینة۔''

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے فرمایا کہ:

''حضرت مولانا محمد نافع صاحب مدظلہم کو اللہ تعالیٰ نے اس بات کی خصوصی توفیق عطا فرمائی ہے کہ انہوں نے اپنی متعدد تالیفات کے ذریعے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حقیقی سیرت و کردار کو مستحکم علمی اور تاریخی دلائل کے ساتھ واضح فرمایا ہے، جن انصاف نا آشنا حلقوں نے ان حضرات پر طرح طرح کے اعتراضات ومطاعن کی بھر مار کی ہے، ان کے اعتراضات کا شافی اور اطمینان بخش جواب دیا ہے، اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان جو علمی اور سیاسی اختلافات پیش آئے ان کے حقیقی اسباب کی دلنشین وضاحت فرمائی ہے، مولانا محمد نافع صاحب کی کتاب ''رحماء بینھم'' جو تین جلدوں میں شائع ہوئی ہے، اپنے موضوع پر ایسی نادر کتاب ہے کہ اس کی نظیر عربی زبان میں بھی موجود نہیں (مذکورہ کتاب عربی میں ترجمہ ہو کر طبع ہو چکی ہے)، اس کے علاوہ ''مسئلہ اقربا نوازی'' ''بنات اربعہ'' اور ''حدیث ثقلین'' پر ان کی کتابیں انتہائی مفید اور قابل قدر ہیں، ابھی کچھ عرصہ قبل ''سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'' منظر عام پر آچکی ہے جس میں انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی سیرت بڑے دل آویز انداز میں تحریر فرمائی ہے، اب ان کی تازہ کتاب ''سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ'' اسی مبارک سلسلہ کی ایک کڑی ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان صحابہ کرام میں سے ہیں جن کے خلاف اعتراضات ومطاعن کے ترکش سے کوئی تیر بچا کر نہیں رکھا گیا، موجودہ کتاب میں حضرت مولانا محمد نافع صاحب نے ان کی سیرت کے حقیقی روشن پہلوؤں کو مضبوط دلائل سے اجاگر فرمایا ہے، کتاب کی دوسری جلد خاص طور سے ان مطاعن کے جواب کے لیے مخصوص ہے جو حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ پر مختلف حلقوں کی طرف سے وارد کیے گئے ہیں، فاضل مؤلف نے ان مطاعن میں سے ایک ایک کو موضوع بحث بنا کر بڑی جاں فشانی کے ساتھ حقائق کی تحقیق کی ہے اور مستحکم دلائل سے اپنا مؤقف ثابت کیا ہے، پھر قابل تعریف بات یہ ہے کہ فاضل مؤلف کا انداز بیان مناظرانہ اور جارحانہ نہیں، بلکہ باوقار اور متین ہے اور سنجیدہ علمی تحقیق کے معیار پر پورا اترتا ہے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت پر اب تک جو کتابیں میری نظر سے گزریں ہیں یہ کتاب ان سب سے بہتر ہے، ان شاء اللہ طالبان علم وتحقیق کی عرصے تک رہنمائی کرے گی۔''

حضرت مولانا علامہ خالد محمود صاحب مدظلہ (پی ایچ ڈی، لندن) حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ کی تصنیف ''حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ'' کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

''موضوع بہت اہم تھا، اس بات کا مواد تاریخ کے اوراق میں بکھرا ہوا تھا، ان مباحث کے پہلو اور زاویے بھی بہت تھے اور مؤرخین کے بیانات میں کئی کئی امور میں تضادات بھی تھے، ایسے موضوع پر قلم اٹھانا اور تحقیق کی راہ سے افراط وتفریط سے بچتے ہوئے کنارے پر نکلنا کوئی آسان کام نہ تھا، لیکن یہ اللہ رب العزت کی عطا ہے، جسے چاہے اس کی توفیق عطا فرمائے، ولقد جاء فی المثل السائر: کم ترک الأول للآخر، یہ سعادت اللہ رب العزت نے مولانا محمد نافع صاحب دامت برکاتہم کے نام لکھی تھی، جو اس ورطہ مباحث میں دور تک چلے گئے اور الحمد للہ کامیاب ہو کر ساحل مراد پر اترے۔''

حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ کی جملہ تصانیف کی طباعت واشاعت کی خدمت ہمارے مخدوم و مکرم برادر دینی جناب حافظ محمد ندیم صاحب مدیر دار الکتاب لاہور انجام دے رہے ہیں، اس سلسلہ میں اب وہ مزید اقدامات بھی اٹھا رہے ہیں اور حضرت رحمہ اللہ کی جملہ تصانیف کو جدید اور خوب صورت انداز سے طبع کرانے کا کام باقاعدہ سے شروع کر دیا ہے، راقم کی مشاورت سے ''رحماء بینہم'' کی تینوں جلدوں، یکجا کمپیوٹرائز کمپوزنگ اور جدید اسلوب کے ساتھ طباعت کے مراحل سے گزر چکی ہیں، ان شاء اللہ اہل ذوق جدید طباعت کو پسند فرمائیں گے، جب کہ حضرت رحمہ اللہ کی دیگر کتب کی طباعتِ جدید کا کام بھی جاری ہے، برادر مکرم حافظ محمد ندیم صاحب کی چاہت ہے کہ حضرت مولانا نافع صاحب رحمہ اللہ کے سوانحی تذکرہ کے ترتیب پر جلد از جلد کام شروع کیا جائے، اللہ تعالیٰ سے توفیق کی دعا ہے کہ اس عظیم کام کو آسان فرما کر پایہ تکمیل تک پہنچائے۔ [1]

---

[1] زیر نظر کتاب اسی مبارک سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ جبکہ ستر سالوں کے روزنامچے، مشاہیر کے خطوط بنام مولانا محمد نافع رحمہ اللہ، مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے مکاتیب بنام مشاہیر اور سینکڑوں کتابوں پر درج شدہ آپ کے علمی وتوضیحی نوٹس مستقل اور الگ مجلدات میں منظر عام پر آئیں گے۔ یاد رہے کہ آنے والے وقت میں اس پورے کام کی ایک اجمالی جھلک زیر نظر کتاب میں موجود ہے۔ سلفی

حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سچے عاشق اور شیدائی تھے، آپ کی تصانیف کا حرف حرف اور سطر سطر اس بات کے گواہ ہیں، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ تاریخ طبری میں موجود مطاعن صحابہ سے متعلق راقم کے سوال پر حضرت مولانا محمد نافع صاحب نے فرمایا کہ معلوم نہیں کہ طبری نے ایسی روایات کیوں ذکر کی ہیں؟ بالخصوص صحابہ بنو امیہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو مطاعن ذکر کیے ہیں، نہ جانے یہ کون سی اسلام کی خدمت کی ہے؟ اس گفتگو کے دوران آپ چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے، باوجود کمزوری اور انتہائی نقاہت کے اٹھ کر بیٹھ گئے اور انتہائی جلال کے عالم میں فرمایا: ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر لعن طعن کے بعد پھر ایمان کہاں باقی رہتا ہے''؟

راقم کو اپنے استاذ محترم اور شیخ، حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم کی شہرہ آفاق شرح بخاری، ''کشف الباری، کتاب الغسل'' پر تحقیقی کام کے دوران، ایک روایت کے تراجم رجال کے ضمن میں امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کے حوالہ سے یہ سننے کو ملا تھا کہ حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ نے ان کے بارے میں جو ''ادراج فی الحدیث'' کی بحث و تحقیق کی تھی اس سے رجوع فرمالیا ہے، لہٰذا اسے شامل بحث نہ کیا جائے، چناں چہ راقم نے اس مجلس میں اس رجوع کے متعلق استفسار کیا تو جواب میں فرمایا کہ رجوع والی بات بالکل غلط ہے، میں نے ہرگز بھی رجوع نہیں کیا، بلکہ مزید فرمایا کہ میں نے جس وقت یہ بحث تحریر کی تو حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ، حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ کی خدمت میں پیش کی تھی، ان حضرات میں سے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے فقط صرف ایک جملہ کی اصلاح کی اور میری اس بحث کی مکمل تصویب فرمائی تھی، چناں چہ ان اکابر کی تصویب کے بعد ہی اسے کتاب کا حصہ بنایا گیا ہے، لہٰذا رجوع والی بات کسی طرح بھی درست نہیں، حضرت کی اس تصریح کے بعد راقم نے مزید شرح صدر کے ساتھ اس بحث سے خوب استفادہ کیا اور امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کے ترجمہ کے ذیل میں اسے ذکر بھی کیا ہے۔

اس موقعہ پر کچھ نصیحت کی درخواست کی تو فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ لوگوں سے دین کا کام لے، اپنے اساتذہ کا احترام کرو اور ان سے عقیدت رکھو، ان پر اعتماد کرو، جادہ مستقیم پر چلو، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اپنے اکابر کی راہ سے ہٹ کر مت چلو کہ اس میں گمراہی ہے اور انتہائی اور انکساری سے کام لیتے ہوئے فرمایا کہ میرے لیے دعا کرو کہ میں بستر علالت پر ہوں اور حسن خاتمہ کی آرزو رکھتا ہوں اللہ تعالیٰ ہم سب کا خاتمہ

ایمان پر فرمائے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ کی کامل مغفرت فرمائے، انہیں جنت الفردوس میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی معیت نصیب فرمائے اور امت کو ان کا بہترین نعم البدل عطا فرمائے، ہمیں اپنے اکابر کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائے کہ اکابر کے دامن سے وابستگی بڑے بڑے علمی اور فکری فتنوں سے حفاظت کا ذریعہ اور سبب ہے، بندہ کی اہل علم سے عاجزانہ گزارش ہے کہ وہ اپنے اپنے حلقوں میں طلبہ اور عوام الناس کو متوجہ فرمائیں کہ حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ کی معتدل، پُر مغز اور عظیم علمی و تصنیفی خدمات سے ضرور استفادہ کریں، آخر میں بس یہی کہوں گا کہ ہمیں اکابر دیوبند سے صرف عقیدت ہی نہیں، بلکہ ان کے ایمان کی بلندی، تقوی وللّٰہیت، علم وفضل، اخلاص، سادگی وتواضع، فرق باطلہ اور جدت پسندی کا علمی اور فکری تعاقب، ما أنا علیه وأصحابي کے دینی تصلب پر قائم رہتے ہوئے امت مسلمہ کی رہنمائی، متعدد تجدیدی کارناموں اور عند اللہ وعند الناس ان کی مقبولیت کی بنا پر ایک ایمانی اور جذباتی لگاؤ اور تعلق ہے اور ہم ایمان کے ساتھ اسی تعلق ومحبت پر حسن خاتمہ کی آرزو رکھتے ہیں:

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

# ایک عظیم المرتبت عالمِ دین

(مولانا عبدالمالک)

حضرت مولانا محمد نافع صاحب گزشتہ ماہ اللہ کو پیارے ہوگئے۔ وہ جلیل القدر اور عظیم المرتبت عالم دین تھے۔ تمام عمر دین کی نشر و اشاعت اور سربلندی میں گزاری۔ علمی میدان میں گراں قدر تالیفات ان کا صدقہ جاریہ ہیں۔ دورِ حاضر میں ان کا شمار ان چند محققین میں ہوتا ہے جنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن، بنات النبی کے موضوع پر مفصل اور مدلل کتب تیار کیں۔

وہ علمی گہرائی اور گیرائی کے باوجود عجز و انکسار کا مرقع تھے۔ اپنے دوستوں اور اہل علم کے ساتھ تعلق نبھانے والے، ان کا خیال رکھنے والے اور قدر کرنے والے تھے۔ عبادت گزاری اور زہد و ورع ان کا ظاہر و باطن تھا۔ ان کا جنازہ بھی عدیم النظیر تھا۔ ملک بھر کے جید علما، طلبہ اور حفاظ، خطبا اور واعظین نمازِ جنازہ میں شریک تھے۔ جنازہ سے یہ بات نمایاں ہو کر سامنے آئی کہ ان کا حلقہ عقیدت بہت وسیع تھا اور بہت پاکیزہ اور بلند و بالا تھا۔

صالح اولادیں جناب محمد مختار عمر اور محمد ابوبکر چھوڑی ہیں، جو اپنے والد مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کی نفع رسانی کا مظہر ہیں۔ خوش اخلاق، ملنسار اور ظاہری و باطنی خوبیوں کے مالک ہیں۔

## پیدائش:

ایک اندازے کے مطابق ۱۳۳۵ھ / ۱۹۱۵ء قریہ محمدی شریف ضلع جھنگ، پنجاب میں پیدا ہوئے۔ (اب ضلع چنیوٹ ہے)

### ابتدائی تعلیم:

مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے اپنے والد گرامی سے ۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۳ء میں قرآن مجید حفظ کیا۔ اس کے بعد ابتدائی دینی کتب کی تعلیم اپنے استاذ مولانا اللہ جوایا شاہ صاحب (المتوفی ۱۳۶۲ھ) اور اپنے برادر بزرگ حضرت مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ سے حاصل کی۔ اور پھر اس کے بعد مدرسہ اشاعت العلوم جامع مسجد کچہری بازار لائل پور (فیصل آباد) میں داخل ہوئے، جہاں مولانا محمد مسلم عثمانی رحمہ اللہ اور مولانا حکیم عبدالمجید رحمہ اللہ سے فصول اکبری، علم الصیغہ اور نحو میر صغریٰ و کبریٰ وغیرہ کتب پڑھیں۔ اسی دوران قریہ محمدی شریف ضلع جھنگ میں آپ کے بردار بزرگ حضرت مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ نے دارالعلوم جامعہ محمدی شریف کی بنیاد رکھی۔ سب سے پہلے

حضرت مولانا احمد شاہ بخاری فاضل دیوبند بطورِ صدر مدرس تشریف لائے۔ چنانچہ مولانا محمد نافع صاحب واپس گھر تشریف لائے اور مقامی دارالعلوم "جامعہ محمدی شریف" میں اپنی تعلیم جاری رکھی اور علم النحو میں ہدایۃ النحو، کافیہ، الفیہ اور شرح جامی، علم فقہ میں قدوری، ہدایہ (اولین) وغیرہ، معقولات میں ایساغوجی، مرقاۃ، شرح تہذیب اور قطبی کا کچھ حصہ پڑھا۔ اس دوران جب جامعہ ہذا میں حضرت مولانا قطب الدین اچھالوی رحمہ اللہ تشریف لائے تو آپ نے ان سے قطبی کا باقی حصہ اور میبذی پڑھیں۔ اور علم فقہ میں شرح وقایہ (اخیرین) اور علم بلاغت میں مختصر معانی وغیرہ کتب پڑھیں۔ مولانا شیر محمد رحمہ اللہ سے نور الانوار اور شرح وقایہ (اولین) وغیرہ کتب پڑھیں۔

بعد ازاں ۱۳۵۹ھ/ ۱۹۴۰ء میں جامعہ محمدی شریف میں مولانا غلام احمد لاہوری رحمہ اللہ کے مشہور شاگرد مولانا احمد بخش رحمہ اللہ از موضع گدائی (ڈیرہ غازی خان) تشریف لائے تو ان سے آپ نے جلالین، شرح نخبۃ الفکر، ہدایہ (اخیرین) اور دیوان متنبی وغیرہ کتب کی تعلیم حاصل کی۔

مزید حصول علم کے لیے آپ واں بھچراں (ضلع میانوالی) تشریف لے گئے اور قریباً سات ماہ میں حضرت مولانا غلام یٰسین رحمہ اللہ سے مشکوٰۃ شریف حمد اللہ عبدالغفور (حاشیہ شرح جامی) وغیرہ کتب پڑھیں۔

اس کے بعد ۱۳۶۰ھ/ ۱۹۴۱ء میں آپ نے موضع انہی ضلع گجرات میں مشہور استاذ مولانا ولی اللہ گجراتی رحمہ اللہ (المتوفی ۱۳۹۳ھ/نومبر ۱۹۷۳ء) سے شرف تلمذ حاصل کیا اور مختلف کتب فنون توضیح تلویح، مسلم الثبوت، میرزاہد، ملا جلال، میر زاہد رسالہ قطبیہ، میر زاہد امورِ عامہ اور قاضی مبارک اور شرح عقائد نسفی و مطول وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔

## دورۂ حدیث دارالعلوم دیوبند

اواخر ۱۳۶۲ھ میں دارالعلوم دیوبند (بھارت) میں داخلہ لیا اور دورۂ حدیث شریف معروف طریقے سے مکمل کیا۔ یہ وہ دور تھا جب اس مشہور دارالعلوم میں شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علی امروہی رحمہ اللہ، حضرت مولانا ابراہیم بلیاوی رحمہ اللہ، حضرت مفتی ریاض الدین رحمہ اللہ اور مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ سینکڑوں طلبا کو علوم دینیہ کا درس دیتے تھے اور مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ جیل فرنگ میں قید تھے۔ مولانا محمد نافع نے مذکورہ بالا حضرات سے دورۂ حدیث پڑھا۔ چنانچہ جب آپ ۱۳۶۲ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے تو آپ کو سندِ فراغ ۱۴۵۳ھ سے نوازا گیا۔ یہ سند ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء میں حاصل ہوئی۔

## درس وتدریس:

آپ جب وطن واپس ہوئے تو اسی سال ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء میں اپنے مقامی دار العلوم جامعہ محمدی میں سلسلہ تدریس شروع کیا۔

## ملی خدمات اور تصنیف وتالیف

قیام پاکستان ۱۹۴۷ء کے بعد تنظیم اہل سنت والجماعت سے تعلق رہا۔ پھر اس کے ساتھ تحقیقی و تصنیفی کام کی طرف متوجہ ہوئے اور تنظیم اہل سنت کے ہفت روزہ جریدہ ''دعوت'' میں تحقیقات نافعہ کے عنوان سے مختلف موضوعات پر مضامین تحریر کیے۔

اسی دوران آپ نے اپنے استاذ محترم مولانا احمد شاہ بخاری رحمہ اللہ کے ماہ نامہ ''الفاروق'' کے لیے بھی کئی مضامین مختلف موضوعات پر تحریر کیے۔ جب ۱۳۷۳ھ/ ۱۹۵۳ء میں مرزائیت کے خلاف تحریک ختم نبوت شروع ہوئی تو اس میں بھرپور عملی حصہ لیا، گرفتاری پیش کی اور تین ماہ پہلے جھنگ میں اور پھر بورسٹل جیل لاہور میں گزارے۔ وہاں سے رہائی کے بعد اپنے استاذ مکرم حضرت مولانا احمد شاہ بخاری رحمہ اللہ کے مشورے اور ہدایات کے موافق کتاب'' رحماء بینھم '' کے موضوع پر تحقیقی کام کرنے کے لیے مواد فراہم کرنا شروع کیا۔

## تعارفِ تصانیف

(۱) مسئلہ ختم نبوت اور سلف صالحین: ۱۳۷۱ھ/ ۱۹۵۳ء میں قادیانیوں کے ایک مشہور مجلہ ''الفضل'' لاہور نے ایک مستقل نمبر ''اجرائے نبوت'' پر شایع کیا تو اس کے جواب میں آپ نے یہ کتابچہ شائع کیا جس میں مرزائیوں کے اعتراضات کا مسکت جواب دیا گیا۔

(۲) حدیث ثقلین: اس میں مشہور حدیث ترکت فیکم الثقلین... پر بحث کی ہے اور کتاب اللہ وسنتی کے الفاظ والی روایت کی اسانید کو جمع کیا ہے اور دونوں روایات پر عمدہ مواد جمع کر کے تحقیق ذکر کی ہے۔ یہ کتاب ۱۳۸۳ھ/ ۱۹۶۳ء میں تالیف کی گئی۔

(۳) رحماء بینھم: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خصوصاً خلفائے اربعہ کے باہم ربط و اتفاق کے سلسلے میں '' رحماء بینھم '' کے نام سے پہلی کتاب حصہ صدیقی ۱۳۹۱ھ/ ۱۹۷۱ء میں تالیف کی گئی۔ دوسری کتاب حصہ فاروقی ۱۳۹۶ھ/ ۱۹۷۶ء اور تیسری کتاب حصہ عثمانی ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء میں تالیف کی گئی۔

ان ہر سہ جلدوں میں خلفائے اربعہ کے باہمی تعلقاتِ نسبی کے علاوہ محبت و اخوت کے باہمی روابط کو واضح کیا گیا ہے۔ کتاب رحماء بینھم ایک مشہور علمی تحقیقی تالیف ہے۔ اس کتاب سے مؤلف کے کئی ہم عصر جید علما نے استفادہ کیا۔ مثلاً مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ نے اپنی کتاب تکملۃ ''فتح الملہم فی شرح صحیح مسلم'' جلد سوم میں اس کتاب کے اقتباسات نقل کیے ہیں اور حوالہ جات دیے ہیں۔ جس سے اس تالیف کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

(۴) مسئلہ اقرباء پروری: یہ کتاب ۱۴۰۰ھ/ ۱۹۸۰ء میں تالیف کی گئی۔ یہ دراصل رحماء بینھم حصہ عثمانی کا ایک تکملہ ہے۔ [1]

(۵) حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کی اہلیہ: یہ کتابچہ ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء میں تالیف کیا گیا۔ بعد ازاں دوسرے ایڈیشن میں یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے تذکرے کا اضافہ کیا گیا ہے۔

(۶) بنات اربعہ رضی اللہ عنہن: اس تالیف میں کتاب وسنت اور جمہور علمائے اہل سنت کی مستند کتب سے ثابت کیا گیا ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں تھیں۔ یہ تالیف ۱۴۰۴ھ/ ۱۹۸۴ء میں مکمل ہوئی۔ کتاب میں چاروں صاحبزادیوں کے متعلقہ حالات وسوانح کو جمع کردیا گیا ہے۔

(۷) سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ: اس تالیف میں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حسب ونسب کے علاوہ آں جناب رضی اللہ عنہ کی غلو عقیدت اور تقصیر شان سے بالاتر ہوکر صحیح سوانح حیات لکھنے کی سعی کی گئی ہے اور مختلف شبہات کا ازالہ بھی کردیا گیا ہے۔ یہ تالیف ۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۸ء میں مکمل ہوئی۔

(۸) سیرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ: صفر ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۰ء میں یہ کتاب دو جلدوں میں تالیف کی گئی۔

(۹) فوائد نافعہ: رجب ۱۴۲۰ھ/ ۱۹۹۹ء میں یہ کتاب دو جلدوں میں تالیف کی گئی۔ پہلی جلد میں عام طور پر ''دفاع عن الصحابہ رضی اللہ عنہم'' کا مضمون مفصل ذکر کیا گیا ہے۔ جب کہ دوسری جلد میں حضرات ''حسنین شریفین رضی اللہ عنہما'' کی سوانح حیات کو مرتب کیا گیا ہے اور ساتھ ہی ان حضرات کی شہادتوں کو صحیح طور پر بیان کردیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ مولانا رحمہ اللہ کی حسنات کو قبول، سیئات سے درگزر فرمائے اور جنت الفردوس میں انبیا، صدیقین، شہدا اور صالحین کی معیت نصیب فرمائے۔ آمین

---

[1] یہ کتاب حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے مودودی صاحب اور دیگر معترضین کے اعتراضات کے دفعیہ میں لکھی تھی۔ فاضل مضمون نگار مولانا رحمہ اللہ کی تصانیف پر گہری نظر رکھتے ہوئے بھی اس کتاب پر زیادہ تبصرہ شاید اس لیے نہ کرسکے کہ مودودی صاحب کی فکر ونظر سے متاثر اور ان کی جماعت و ادارہ سے وابستہ ہیں۔ یہی وہ گروہی اور شخصی تعصبات ہیں جو بعض دفعہ اہل علم کے اظہار مافی الضمیر کے آگے دیوار بن جاتے ہیں۔ سلفی

# جب سورج اور چاند ایک ساتھ غروب ہو گئے

(مولانا اللہ وسایا مدظلہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

پاکستان کی ایک اور نابغہ روزگار شخصیت حضرت مولانا محمد نافع بھی وصال فرما گئے۔ آپ کا وصال فیصل آباد کے ایک ہسپتال میں ۳۰؍دسمبر ۲۰۱۴ء کی شب سوا دس بجے ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

چنیوٹ سے قریباً پینتیس کلومیٹر جھنگ روڈ پر ایک اڈا جامعہ آباد آتا ہے، جامعہ آباد سے بجانب غرب دو کلومیٹر پر ایک گاؤں ''محمدی شریف'' ہے یہاں ایک بزرگ عالم دین حضرت مولانا عبدالغفور صاحب رحمہ اللہ تھے۔ جنہوں نے مولانا سلطان محمود رحمہ اللہ چنیوٹی سے تعلیم حاصل کی تھی مولانا سلطان محمود چنیوٹی نے حدیث شریف کی تعلیم قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ سے حاصل کی تھی۔ مولانا عبدالغفور کے والد گرامی مولانا عبدالرحمن رحمہ اللہ کی بیعت کا تعلق خانقاہ سیال شریف ضلع سرگودھا سے تھا۔ سیال شریف کے بانی حضرات کا تعلق قطب عالم حضرت خواجہ سلیمان تونسوی رحمہ اللہ سے تھا۔ مولانا عبدالرحمن رحمہ اللہ ساکن محمدی شریف نے اپنے صاحب زادہ مولانا عبدالغفور صاحب رحمہ اللہ کو بھی سیال شریف کے اعلیٰ حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمہ اللہ سے صغرسنی میں بیعت کرا دیا۔ مولانا عبدالغفور رحمہ اللہ نے خانقاہ سیال شریف کے حضرت ثانی خواجہ محمد الدین رحمہ اللہ سے بھی شرف بیعت حاصل کیا اور پھر سیال شریف کے حضرت ثالث مولانا خواجہ ضیاء الدین سیالوی رحمہ اللہ سے بھی شرف بیعت کے علاوہ سعادت حصول خلافت کا شرف پایا۔ انہی حضرت مولانا عبدالغفور صاحب رحمہ اللہ کو اللہ رب العزت نے تین صاحبزادے دیئے۔ ان میں سے سب سے چھوٹے کا نام محمد نافع تھا۔ ایک روایت بیان کی جاتی ہے کہ مولانا عبدالغفور ۱۹۱۴ء میں حج کے لیے حاضر ہوئے۔ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ جانے کے لیے اونٹوں پر سفر ہوا، ساربان کا نام نافع تھا وہ اتنا شریف النفس اور عالی اخلاق ساربان تھا کہ سفرِ حج سے واپسی پر مولانا عبدالغفور صاحب کو ۱۹۱۵ء میں اللہ تعالیٰ نے بیٹا دیا تو اس کا نام مدنی ساربان کے نام پر نافع تجویز کیا، عموماً عرب میں مفرد نام ہوتے ہیں تو صرف نافع کی بجائے تبرک کے طور پر اسم گرامی محمد کا اضافہ کر کے ''محمد نافع'' نام تجویز کیا۔ اس صاحب زادہ ''محمد نافع'' نے اپنے والد گرامی مولانا عبدالغفور رحمہ اللہ سے حفظ قرآن مجید مکمل کیا۔ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے برادر بزرگ

حضرت مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ تھے جو فاضل دیوبند اور مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے شاگرد رشید تھے۔ ان سے اور مولانا اللہ جوایا شاہ رحمہ اللہ سے ابتدائی دینی کتب کی مولانا محمد نافع نے تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد جامعہ اشاعت العلوم فیصل آباد جوان دنوں جامع مسجد کچہری بازار میں قائم تھا۔ حضرت مولانا محمد مسلم عثمانی دیوبندی اور حضرت مولانا حکیم حافظ عبدالمجید نابینا بی اے سے مزید تعلیم حاصل کی۔ اس دوران آپ کے برادر بزرگ حضرت مولانا محمد ذاکر نے محمدی شریف میں ''جامعہ محمدی'' کی بنیاد رکھی۔ حضرت مولانا سید احمد شاہ چوکیروی فاضل دیوبند پہلے صدر مدرس کے طور پر یہاں لائے تو مولانا محمد نافع بھی فیصل آباد سے اپنے گاؤں محمدی شریف میں مولانا چوکیروی سے پڑھتے رہے۔ اچھالہ وادی سون سکیسر حضرت مولانا قطب الدین، مولانا احمد بخش گدائی ضلع ڈیرہ غازی خان اور دیگر اساتذہ سے بھی جو اس وقت جامعہ محمدی شریف میں مدرسین تھے آپ نے کسب فیض کیا۔ مشکوٰۃ شریف کے سال آپ نے واں بھچراں ضلع میانوالی میں مولانا غلام یاسین اور دیگر اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ انہی ضلع گجرات کے معروف استاذ الاساتذہ حضرت مولانا ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ سے بھی شرف تلمذ حاصل کیا اور پھر دورہ حدیث شریف دارالعلوم دیوبند سے کیا۔ یہ ۱۳۶۲ھ کی بات ہے، تب شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث تھے۔ (حضرت مدنی رحمہ اللہ نے بخاری شریف شروع کرائی چند دن اسباق پڑھائے اور پھر گرفتار ہو گئے) حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمہ اللہ، حضرت مولانا اعزاز علی امروہی رحمہ اللہ، حضرت مولانا محمد شفیع عثمانی دیوبندی رحمہ اللہ ایسے اساتذہ کرام سے مولانا محمد نافع نے دارالعلوم دیوبند میں حدیث شریف پڑھ کر سند فراغ حاصل کی۔

خواجہ خواجگان حضرت مولانا خان محمد رحمہ اللہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ آپ کے دارالعلوم دیوبند میں ہمدرس تھے۔ فراغت کے بعد آپ اس وقت کی معروف جماعت ''تحریک تنظیم اہل سنت پاکستان'' سے وابستہ ہوئے۔ تنظیم اہل سنت کا اس وقت ترجمان سہ روزہ ''دعوت'' لاہور تھا جس کے ایڈیٹر حضرت مولانا نورالحسن شاہ بخاری رحمہ اللہ تھے۔ چوکیرہ ضلع سرگودھا سے آپ کے استاذ محترم حضرت مولانا سید احمد شاہ چوکیروی رحمہ اللہ کا رسالہ ''الفاروق'' ماہوار شائع ہوتا تھا۔ ان میں آپ نے لکھنا شروع کیا۔ آپ نے ان مضامین کے ذریعے بہت جلد قارئین میں ایک حلقہ پیدا کرلیا فراغت کے بعد اپنے برادر بزرگ حضرت مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ کے قائم کردہ ''جامعہ محمدی شریف'' میں پڑھاتے بھی رہے اور پھر ایک زمانہ میں ناظم بھی رہے۔ سینکڑوں حضرات نے آپ سے کسب فیض کیا۔ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ ایک بزرگ، متبحر اور نکتہ رس

عالم دین تھے۔آپ نے لکھنا شروع کیا تو اس میں اعتدال کی وہ مثال قائم کی کہ خود اس میں ''ضرب المثل'' بن گئے۔عموماً ''رفض'' کے خلاف کام کرنے والے خام ذہن اور راسخ فی العلم نہ ہونے کے باعث ''خارجیت'' کے جراثیم کی آماجگاہ بن جاتے ہیں۔لیکن جن حضرات نے پوری عمر عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے نہ صرف کام کیا بلکہ اس محاذ کے اپنے وقت میں امام قرار پائے ان میں حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ صف اول میں نمایاں اور بہت نمایاں نظر آتے ہیں۔اعتدال میں اپنی مثال آپ تھے جہاں آپ عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم کے نامور وکیل تھے وہاں عظمت وتکریم اہل بیت کے صف اول کے علمبردار تھے۔برصغیر میں ماضی بعید میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ نے عظمت اہل بیت ودفاع صحابہ کرام کے لیے بہت ہی تحریری علمی ذخیرہ چھوڑا۔حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ نے اپنے دور میں اس کام کو آگے بڑھایا اور پھر ان شیخین کریمین کے بعد مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری رحمہ اللہ، مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ، مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ اور ہمارے ممدوح مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے وہ تحریری خدمات سرانجام دیں جس پر آنے والی نسلیں بھی ان کی احسان مند رہیں گی۔مولانا محمد نافع کی تصانیف پر ایک نظر ڈالیں تو بعض وجوہ سے آپ کی کتابیں اپنے معاصر حضرات سے بہت ساری امتیازی شان اپنے اندر رکھتی ہیں معلومات کا خزانہ ہیں۔فریق مخالف کو اس کے مسلّمات سے کمال فروتنی اور جذبہ خیر خواہی علم کے ساتھ ایسا آئینہ دکھاتے ہیں کہ اس سے وہ سوائے اپنے ڈوب، ڈوب جانے کا کوئی راستہ نہیں پاتا۔مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے جس عنوان پر قلم اٹھایا دیانتداری کی بات ہے کہ ان کی تحریر اس عنوان پر ''حرف آخر'' کا درجہ رکھتی ہے۔آپ کی تصانیف میں (۱) مسئلہ ختم نبوت اور سلف صالحین (۲) حدیث ثقلین (۳) رحماء بینہم (۴) مسئلہ اقربا پروری (۵) حضرت ابوسفیان اور ان کی اہلیہ (۶) بنات اربعہ (۷) سیرت سیدنا علی المرتضیٰ ؓ (۸) سیرت سیدنا معاویہ ؓ (۹) فوائد نافعہ (۲ جلدیں) وغیرہم پڑھیں تو معلومات کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر نظر آتا ہے۔اس کی گہرائی تک رسائی حاصل کریں تو موتیوں کے ڈھیر ہی ڈھیر پائے جاتے ہیں۔طرز تحریر، اسلوب بیان، ایسا دلکش، سادہ، عام فہم اور معتدل جو قلب ونظر کو سدا بہار بنا دے۔قادیانیوں نے ۱۹۳۵ء میں ''روزنامہ الفضل لاہور'' کا خاتم النبیین نمبر شائع کیا، جس میں دھوکہ دہی کی انتہا کردی۔دجل وکذب کا شاہکار یہ اخبار سامنے آیا تو دنیا نے دیکھا کہ نام خاتم النبیین اور اندر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ نبوت جاری ہے۔اف اللہ! حد ہوگئی علمی بد دیانتی کی کہ خاتم النبیین کے نمبر کے نام سے اجراء نبوت کا اثبات، اجراء نبوت کے اثبات کو خاتم النبیین کا نام دینا گویا جاہل کو مولوی فاضل اور اندھی کو نور بھری قرار دینے کی کوشش تھی۔قادیانیوں کے اس دجل پر

سب سے پہلے ہمارے جن مخادیم نے امت کی طرف سے فرض کفایہ ادا کیا وہ حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ اور پھر مناظر اسلام مولانا لال حسین اختر رحمہ اللہ تھے۔ مولانا محمد نافع تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں گرفتار بھی رہے۔ پہلے جھنگ پھر لاہور بورسٹل جیل میں تین ماہ سنت یوسفی کو زندہ کیا۔ آپ ختم نبوت کے نہ صرف قدر دان تھے بلکہ ہر دم باخبر رہتے تھے اور غائبانہ دعاؤں سے اس محاذ پر کام کرنے والوں کی ڈھارس بندھواتے تھے۔ وہ کیا گئے، دنیا نے انہیں کیا زیر زمین کیا، کہ علم و فضل کا خزانہ پوشیدہ ہو گیا سو سال عمر پائی آخر وقت تک دل و دماغ، حافظہ، علوم کا استحضار حیرت انگیز طور پر برابر کام کر رہا تھا۔ ۳۰ دسمبر کی رات دس بجے فوت ہوئے ۳۱ دسمبر غروب آفتاب کے وقت تدفین کا عمل مکمل ہوا۔ دنیا نے عجائبات زمانہ سے یہ بھی دیکھا کہ آفتاب آسمان اور مہتاب علم ایک ساتھ غروب ہوئے ان کے غروب کے بعد اندھیرا ہو گیا یا اندھیرے کی گھٹا چھائی یہ قارئین پر چھوڑتا ہوں۔ لاکھوں لاکھ افراد جنازہ میں شریک ہوئے۔ مولانا صاحبزادہ خلیل احمد صاحب سجادہ نشین خانقاہ سراجیہ نے جنازہ پڑھایا۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رحمۃً واسعۃ۔

# علم وفقر کی یکجائی

حافظ ارشد اقبال

علامہ اقبال کے ایک شعر کا مفہوم یہ ہے کہ تو اے خدا! ہمیشہ رہنے والا نور ہے جبکہ ہم چنگاری کی مانند عارضی اور فانی ہیں، ہماری زندگی کے دو ایک سانس ہی ہیں اور وہ بھی ادھار ہیں ...... مگر اِن فانی انسانوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جن کے علم وفقر کے نقوش آنے والے تشنگانِ علم کے لیے ابدیت کا نشان بن گئے۔ اس لیے کہ انھوں نے اپنا تعلق ہمیشہ رہنے والی کتاب وسنت کے ساتھ مضبوط کرلیا تھا۔ انہی باعظمت لوگوں میں سے ایک نام ''مولانا محمد نافع رحمہ اللہ '' کا ہے۔ جو مولانا عبدالغفور رحمہ اللہ جیسے درویش صفت انسان کے گھر میں ۱۹۱۵ء میں محمدی شریف (ضلع چنیوٹ) کے مردم خیز علاقے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے بڑے بھائی مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ بھی اپنے وقت کے جید عالم، صوفی باصفا، نیک سیرت اور فنا فی الرسول جیسے بلند مقام کے حامل تھے۔ جن کے کردار کی عظمت کا یہ عالم تھا کہ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں جب مغربی پاکستان میں پیپلز پارٹی کا عروج تھا۔ وہ جمعیت علمائے پاکستان کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ حیران کن امر یہ تھا کہ انھوں نے علاقہ بھر سے کسی ایک ووٹر سے بھی ذاتی حیثیت میں نہیں کہا تھا کہ مجھے ووٹ دو۔ مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ کے علم اور تقویٰ سے جہاں دیگر اہل علاقہ نے بالخصوص اور اہل پاکستان نے بالعموم استفادہ کیا وہاں مولانا محمد نافع رحمہ اللہ بھی محروم نہ رہے۔ جہاں بڑے بھائی سے ابتدائی درسیات کے اسباق لیے، وہاں ان کے فقر سے بھی بہت کچھ حاصل کیا۔ آپ ابھی درسِ نظامی کی ابتدائی کتب پڑھ رہے تھے جب مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ نے ''جامعہ محمدی شریف'' کی بنیاد رکھی تو مدرسہ ہذا میں اور بعد میں جن اساتذہ فن سے علم حاصل کیا، ان میں نمایاں اسماء مولانا احمد شاہ چوکیروی، مولانا احمد بخش، مولانا غلام یٰسین، مولانا محمد مسلم، مولانا ولی اللہ گجراتی، مولانا اعزاز علی امروہی، مولانا ابراہیم بلیاوی اور مفتی ریاض الدین ہیں۔

۱۹۵۳ء میں جب تحریک ختم نبوت کی تحریک شروع ہوئی تو اس میں عملی طور پر حصہ لیا۔ تین ماہ پہلے جھنگ میں پھر بورسٹل جیل لاہور میں گزارے۔ مولانا مرحوم رحمہ اللہ نے گراں قدر تصنیفی کام کیا۔ یہ اپنی نوعیت کا جداگانہ تحقیقی کام تھا۔ اس سے پہلے اس انداز میں کام کرنے کا منہج بہت کم نظر آتا ہے۔ یہ کہنا یقیناً درست ہوگا کہ وہ اس سلسلے میں پائنیر (Pioneer) تھے۔ ان کی تصنیفات میں (i) رحماء بینھم (ii) حدیث ثقلین (iii) مسئلہ اقربا پروری (iv) سیدنا علی المرتضیٰ (v) سیرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ''مسئلہ ختم نبوت'' نمایاں ہیں۔

مولانا نے کتابوں کے ساتھ ساتھ ہزاروں طلبہ کی صورت میں بھی امت کے لیے ایک عظیم ورثہ چھوڑا، آپ کی ذات میں جیسے علم وفقر کی یکجائی نظر آتی تھی، آپ کے فیض یافتگان میں بھی یہ چیز نمایاں ہے (آپ کے ایک شاگرد حافظ غلام حسین مرحوم سے راقم کو بہت استفادہ کرنے کا موقع ملا، وہ بھی اپنے استاذ کی عملی تصویر تھے)، علامہ اقبال مرحوم نے علم وفقر کو بھی اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔ علم کے حوالے سے وہ دو اقسام کا ذکر کرتے ہیں۔ ایک علم وہ جو حسین اور سلیم الفطرت ہے، دوسرا علم وہ جو کج فطرت اور بد گوہر ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ اور ہمارے درمیان سب سے بڑا حجاب ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

علم اگر کج فطرت و بد گوہر است
پیش چشمِ ما حجابِ اکبر است

اس شعر میں علامہ اقبال رحمہ اللہ نے ایک بہت اہم نکتے کی طرف متوجہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگر علم کی فطرت ہی کج ہو اور اس کی اصل فرسودہ اور اس کی رُوح ناپاک ہو تو یہ ہماری آنکھوں کے سامنے حجابِ اکبر بن کر ہمیں اصل حقیقت سے دور کر دیتا ہے اس لیے ہمیں علوم کی تحصیل کے دوران تنقیدی اندازِ فکر اور تحلیلی شعور سے پہلوتہی نہیں کرنی چاہیے۔ علم کے حوالے سے جب مولانا کی تحریروں اور کتب کا جائزہ لیا جاتا ہے تو وہاں پر تنقیدی اندازِ فکر اور تحلیلی شعور دونوں نمایاں نظر آتے ہیں۔ مولانا نے علم ''اسماء الرجال'' کے حوالے سے اپنی کتب میں جو ابحاث کی ہیں فنی اعتبار سے یقیناً ان کا معیار بہت بلند ہے۔ اسی طرح نفسِ موضوع کے مالہ وما علیہ کو ہر جگہ پر خوب نبھایا ہے۔ جہاں تک فقر اور درویشی کا تعلق ہے تو وہ بھی آپ کی ذات میں نمایاں تھی۔ بہت سارے لوگ علمی خبط کا شکار ہو جاتے ہیں لیکن قربان جائیں مولانا کی پوری شخصیت پر کہ جہاں پہ ایسا کوئی زعم نظر نہیں آتا۔ یہی وجہ ہے کہ عظمت اُن پر ٹوٹ ٹوٹ کر برستی رہی اور برستی رہے گی۔ فقر اور درویشی کیا ہے؟ یہ سوال تصوف کی دنیا میں بہت اہم ہے۔ ہم تصوف کی مشکل ابحاث سے بچتے ہوئے بارِ دیگر علامہ اقبال مرحوم سے راہنمائی لیتے ہیں علامہ اپنی آخری کتاب ''پس چہ باید کرد'' میں فقر کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ فقر ''نگاہِ راہ بین'' اور ''زندہ دل'' ہونے کا نام ہے۔ نگاہِ راہ بین سے مراد راہِ شریعت کو نگاہ میں رکھنا اور اس کی رعایت کرنا ہے جبکہ زندہ دلی سے مراد ہمہ وقت ذکرِ الٰہی سے اپنے دل کو بیدار رکھنا ہے۔ یہ دونوں باتیں جہاں مجتمع ہو جاتی ہیں وہاں شریعت اور طریقت دونوں عملی طور پر پائے جاتے ہیں اور منزل یعنی وصل الٰہی کو پالینے کی حقیقت میسر ہو جاتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

چیست فقر اے بندگانِ آب و گِل
یک نگاہ راہ بیں، یک زندہ دل
فقر کارِ خویش راہ سنجیدن است
بر دو حرف لا الٰہ پیچیدن است
فقر ذوق و شوق و تسلیم و رضاست
ما امینیم ایں متاع مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ست

ان اشعار کی مختصر سی وضاحت یہ ہے کہ اے آب و خاک کے بندو! معلوم ہے فقر کیا ہے؟ فقر تو ایک نگاہِ راہِ بین اور زندہ دِلی کا نام ہے۔ فقر اپنے کام کو پرکھنا یا جانچنا ہے اور ''لا الٰہ'' کے دو حرفوں کو مرکز بنانا ہے ...... فقر تو عمل کے لیے ذوق و شوق اور تسلیم و رضا کی خو ہے، ہم اس فقر کے امین ہیں اور یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی متاع ہے۔

مولانا کی زندگی میں فقر کی یہی جھلک نمایاں تھی جو علامہ کے اشعار میں نظر آتی ہے۔ افسوس کہ علم اور فقر کا سورج ۳۱ دسمبر ۲۰۱۴ء کو قبر کے چوکھٹے میں سج گیا۔

حیف در چشم زدن کہ صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدم کہ بہار آخر شد

افسوس پلک جھپکتے ہی یار کی صحبت ختم ہوگئی، پھول کے چہرے نے تو ابھی بہار کو سیر ہو کے دیکھا ہی نہیں تھا کہ بہار ختم ہوگئی۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

# ایک مخلص عالمِ دین

(مولانا ابو المبارک حماد الرحمن مدنی)

کاروان اسلاف کے وارث، اہل السنۃ والجماعۃ کے ترجمان، مجتہد و بے بدل مصنف، پیکر تواضع، قدیم فاضل دیوبند، مخلص عالم دین، عالمی شہرت یافتہ کتاب (رحماء بینہم) کے مؤلف، مرجع المحققین ہمارے مخدوم بزرگ حضرت مولانا محمد نافع ایک صدی کی عمر پا کر ہم سے پردہ کر گئے، حضرت کو اللہ تعالیٰ نے اسم با مسمیٰ بنایا تھا حضرت اپنے دریائے علم سے خوب تشنگان کو سیراب کرتے رہے، حضرت رحمہ اللہ نے اپنی ساری زندگی اپنے زورِ قلم سے باطل کے قدم اکھاڑنے میں صَرف فرمائی، احقاق حق و ابطال باطل کے اپنے وقت میں امام کی حیثیت رکھتے تھے، آپ کا خاندان علماء دین و بزرگانِ طریقت کا معروف خاندان تھا، آپ کے بھائی مولانا محمد ذاکر (بانی جامعہ دار العلوم محمدی شریف) آپ کے والد مولانا عبدالغفور اور دادا مولانا عبدالرحمن رحمہم اللہ سب کا شمار جید علماء میں ہوتا ہے، حضرت رحمہ اللہ کی تصانیف کے بارے میں اس مختصر مضمون میں لکھنا ممکن نہیں بس یہ کہ حضرت کی تصانیف تحقیق کا وقار، مثبت اندازِ بیان، دلائل و براہین کی ہیبت کی حامل ہیں جس کے ذریعہ آپ نے اہل زیغ والحاد کے مذاہب باطلہ و زعائم مذمومہ کی دھجیاں اڑا کر رکھ دیں، اور ان کا چہرہ ان ہی کے آئینہ کے سامنے کر کے دن میں تارے دکھا دیئے۔

چند سال پہلے کی بات جب ایک دوست نے مسجد نبوی شریف میں حضرت رحمہ اللہ کے بارے میں اطلاع دی تھی اور بتایا تھا کہ حضرت (محمدی شریف) نامی ایک گاؤں میں قیام پذیر ہیں، اسی وقت حضرت رحمہ اللہ سے ملاقات کی شدید خواہش نے بار بار دعا پر مجبور کیا، اور (محمدی شریف) نام نے دل میں گھر کر لیا تھا، بالآخر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ملاقات مقدر فرمائی، ترتیب یہ ہوئی کہ ۲۸ ذوالحجہ کو والد صاحب حضرت مفتی عبدالرحمن کوثر نے سرگودھا میں مولانا اشرف علی سرگودھوی کے ہاں جمعہ پڑھایا پھر ان کے ساتھ عصر کے قریب رؤیۃ الصالحین ورحلۃ فی طلب الحدیث کی غرض سے محمدی شریف بمع انجینئر سلمان انور صاحب کے روانہ ہوئے، وہاں سب حضرات کو پہلے ہی اطلاع ہوگئی تھی اور حضرت رحمہ اللہ کے صاحبزادے انتظار فرما رہے تھے، مغرب کی اذان پر وہاں پہنچے، حضرت باہر چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے، حضرت کے صاحبزادوں نے فرمایا کہ پہلے آپ نماز پڑھا دیں، حضرت والد صاحب کی اقتدا میں تمام حضرات نے نماز ادا کی، پھر حضرت کے پاس حاضر ہوئے، حضرت نے نہایت مسرت کا اظہار فرمایا، تواضع اور اپنی تصنیفات عنایت فرمائی، والد صاحب

نے عرض کیا کہ اجازت حدیث کی خواہش رکھتے ہیں، جس پر حضرت نے ہم سب کو اجازتِ حدیث مرحمت فرمائی، اور اکابر کے مسلک کو مضبوطی سے تھامے رکھنے کی وصیت فرمائی، حضرت کی اجازت کو اپنے لیے موجبِ شرف و باعث سعادت سمجھتا ہوں، آپ کو حصن حصین کی خصوصی اجازت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ سے حاصل تھی، اللہ تعالیٰ حضرت کے جنت الفردوس میں خوب درجات بلند فرمائے۔

اللهم لا تحرمنا أجره ولا تفتنا بعده واغفر لنا وله

# علمائے زاہدین کا نمونہ

''حضرت مولانا محمد نافع صاحب کی کتابیں نافع ہیں۔'' یہ فقرہ شیخ الحدیث مولانا نذیر احمد صاحب رحمہ اللہ (فیصل آباد) کی زبان مبارک سے ہم نے سنا، اسی فقرہ سے ہمارے کان پہلی بار مولانا محمد نافع کی شخصیت سے آشنا ہوئے، مرورِ وقت کے ساتھ ساتھ آپ کی عظمت و محبت میں مزید اضافہ ہوا۔ آپ کی یہی عظمت دوبار آپ کی زیارت وملاقات کے لیے کھینچ کر محمدی شریف (چنیوٹ) لے گئی۔

ردرافضیت میں آپ کی تحریر کردہ کتب سند کا درجہ رکھتی ہیں، آپ نے جس موضوع پر قلم اٹھایا اس کا حق ادا کر دیا، اہل سنت والجماعت کی کتب کے حوالہ جات کے ساتھ ساتھ اہل تشیع کی کتب کے حوالہ جات بھی اپنے ذاتی مطالعہ سے پیش فرمائے۔ فِرَق پر لکھی جانے والی کتب میں عموماً یہ بات سامنے آتی ہے کہ اپنے مسلک کی کتب اور بالخصوص دیگر فِرَق کی کتب کا حوالہ نقل کرنے میں تسامح بلکہ تغافل سے کام لیا جاتا ہے، نقل حوالہ میں اصل مراجع و مصادر کی طرف مراجعت کرنے کی بجائے اس موضوع پر لکھی گئی ثانوی کتب سے حوالہ نقل کر دیا جاتا ہے اور جن ثانوی مصادر سے عبارت یا اقتباس لیا جاتا ہے ان کا حوالہ دینا بھی گوارہ نہیں کیا جاتا۔ مولانا نافع صاحب کا منہج و اسلوب تحقیق کے معیار پر پورا اترتا ہے۔ آپ نے ایک ایک حوالہ اصل کتاب سے پوری دیانتداری سے نقل کیا ہے، آپ کے صاحبزادے جناب ابوبکر صاحب کے بقول آپ جن کتابوں کا حوالہ دیتے وہ اصل کتب یا ان کی فوٹو کاپی اپنے پاس رکھنے کا اہتمام فرماتے تاکہ بوقت ضرورت اُن کا حوالہ پیش کیا جا سکے، وہ کتب اور حوالہ جات جامعہ محمدی کی لائبریری میں اب بھی موجود ہیں، میرے اس سوال پر کہ اس چھوٹے سے قریہ میں بیٹھ کر آپ نے اتنی کتب کے حوالہ جات کیسے درج فرمائے؟ فرمایا! والد صاحب نے ان کتب اور حوالہ جات کے لیے بڑے جانفشانی سے کام لیا اور طویل اسفار کئے، دوبار پیر جھنڈا لائبریری تشریف لے گئے اور کتب کی فوٹو کاپی کرا کر لائے اور کچھ کتب کی فوٹو کاپی اسلامی یونیورسٹی کی لائبریری سے میں نے کرا کر دی، اپنے اور دیگر مسلک کی کتب کے حوالہ جات میں اس قدر دیانتداری اور کدو کاوش کا نتیجہ تھا کہ آپ ہر بات بڑے وثوق، اطمینان قلبی اور ڈنکے کی چوٹ پر لکھتے۔

ایک کتاب لکھنے کے لیے آپ اپنے اور دیگر مسلک کی سینکڑوں کتب کے ہزاروں صفحات کھنگالتے اور آپ کی ایک متوسط کتاب اپنے موضوع سے متعلق ٹھوس مواد پر مشتمل ہے۔ مولانا سید متین شاہ ہاشمی رحمہ اللہ جو بذات خود ایک محقق قلم کار، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور کے ڈائریکٹر ریسرچ سیل اور اسی لائبریری کے

فقہی علمی اور تحقیقی مجلّۃ ''منہاج'' کے بانی تھے، آپ کی خدمت میں تشریف لائے اور کہا: حضرت! آپ ایک کتاب کے لیے اتنے حوالہ جات پیش کرتے ہیں کہ اگر اتنے حوالہ جات ہمارے پاس ہوں تو ہم اس مضمون کو پھیلا کر کئی جلدیں بنا دیں اور رحماء بینھم کے لیے آپ نے جتنے حوالہ جات پیش کئے ہیں اگر یہ حوالہ جات میرے پاس ہوتے تو میں اس کی چالیس جلدیں بنا دیتا۔

رحماء بینھم کی تعریب حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ کے شاگرد مولانا لقمان حکیم نے کی اور بیروت سے خوبصورت ٹائٹل و طباعت کے ساتھ اس کی اشاعت ہوئی۔ مذکورہ کتب کے علاوہ آپ کی دیگر کتب مسئلہ ختم نبوت اور سلف صالحین، مسئلہ اقرباء پروری، سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں۔ ''عظمتِ صحابہ رضی اللہ عنہم'' کتاب کے بارہ میں آپ نے ترتیب شدہ مواد حافظ سعد اللہ (سابق مدیر مسئول دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری) کے حوالے کر دیا تھا اور حافظ صاحب کے ترتیب شدہ مواد کو حضرت نے ملاحظہ بھی فرما لیا اور امید ہے کہ یہ کتاب جلد منظر عام پر آجائے گی، اس کے علاوہ دیگر فقہی تحقیقی رسائل طلاق ثلاثہ اور دعا بعد الفرائض وغیرہ کے حوالہ جات بھی اکٹھے فرما دیئے تھے، جن کو ترتیب دیا جا رہا ہے۔

اس جدید اور ترقی یافتہ دور میں بھی آپ بلا مبالغہ فقرِ ابو ذر اور دور اول کے علمائے زاہدین کا نمونہ تھے، آپ کا انتہائی سادہ کمرہ دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ ہم صدیوں پہلے کے کسی بزرگ کی رہائش یا خانقاہ میں آگئے ہیں، آپ کے کمرہ کی چھت سرکنڈوں کی تھی، چھت کے نیچے کھجور کی شاخیں لٹکا دیں اور فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ مبارک کی چھت بھی کھجور کی شاخوں کی تھی، آپ کے ایک محبت کرنے والے حافظ فاروق صاحب نے جن کی الیکٹرانکس کی دکان تھی چند سال پہلے آپ کے کمرہ میں ٹھنڈے پانی کے لئے ڈسپنسر لگا دیا، اس وقت ان کی محبت اور مروت کی وجہ سے خاموش رہے، دو دن بعد بیٹے سے فرمایا کہ اس کو اتار کر حافظ صاحب کو واپس کر دیں، حافظ صاحب اور دیگر رشتہ داروں کے شدید اصرار پر رکھ لیا کہ مہمان اور گھر والے اس کا ٹھنڈا پانی استعمال کر لیں گے، حافظ صاحب نے ہی جدید طرز کا سردیوں کے لئے ہیٹر لگا دیا جس سے خشکی بھی نہیں ہوتی اور مناسب حرارت کے بعد خود بند ہو جاتا ہے، آپ نے اس کو واپس فرما دیا، سردیوں میں آپ اپنا پرانا کمبل استعمال فرماتے یا دو چادریں اکٹھی اوڑھ لیتے، حالانکہ آپ کے کمرہ میں آپ کے بیٹے نے خوبصورت رضائی رکھوا دی تھی۔

آپ کا سن پیدائش تقریباً ۱۹۱۵ء ہے، شمسی حساب سے آپ کی عمر تقریباً سو سال اور قمری حساب سے

۱۰۳ سال بنتی ہے۔ آپ کی نمازِ جنازہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کندیاں شریف نے پڑھائی، آپ اپنے بیٹے ابوبکر صاحب سے فرماتے کہ میری نماز جنازہ آپ پڑھا دینا یا میرے چھوٹے بھائی حافظ صالح محمد کے بیٹے پڑھا دیں، لوگ وصیت کرتے ہیں کہ میری نمازِ جنازہ فلاں عالم یا بزرگ پڑھائیں، اس میں بھی شہرت ہوتی ہے اور یہ مناسب نہیں۔ کم وبیش ایک لاکھ افراد نے جنازہ میں شرکت کی، قبیل المغرب آپ کی تدفین عمل میں آئی، ۳۱ دسمبر ۲۰۱۴ء کا سورج غروب ہوا اور اس کے ساتھ ایک عاشق رسول نمونہ فقر ابوذر رضی اللہ عنہ اور علم وتحقیق کا یہ سورج بھی ایک صدی ضیاء پاشیاں کرنے کے بعد لحد میں جا اترا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

# مسلکِ حق کے شارح اکبر

مولانا رحمن حقانی، مردان

دنیا دار فانی ہے۔ یہاں سے سب کو جانا ہے۔ کل نفس ذائقة الموت اٹل فیصلہ ہے۔ بعض کے جانے سے میخانے ویران ہوتے ہیں اور امت یتیم ہوتی ہے۔ موت عالم کا سماں ہوتا ہے۔ اس سلسلے کی کڑی عظیم شخصیت اپنے ذات میں انجمن، دور حاضر کے عظیم محقق، مصنف، سلف کی جیتی جاگتی تصویر، علماء اہل سنت کے مسلک حق کے شارح وترجمان مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ ۳۰ دسمبر ۲۰۱۴ء کو شب سوا دس بجے راہیٔ عالم بقاء ہوگئے۔ بروز بدھ ۳۱ دسمبر کو غروب آفتاب کے قریب تدفین سے فراغت ہوئی۔ اور آسمان رشد و ہدایت کا عالمتاب بھی ہمیشہ کے لیے غروب ہوا لیکن آپ کے علمی خدمات تا قیامت جاری رہیں گے۔ واقعی مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کو رب کائنات نے نافع بنایا۔

آسمان تری لحد پر شبنم افشانی کریں
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کریں

## مختصر حالات

مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ چنیوٹ سے پینتیس، چالیس کلومیٹر آگے محمدی شریف میں مولانا عبدالغفور کے ہاں ۱۹۱۵ء میں پیدا ہوئے۔ مولانا عبدالغفور صاحب بہت بڑے عالم تھے۔ مولانا عبدالغفور رحمہ اللہ اور ان کے پورے خاندان کی بیعت کا تعلق مشہور خانقاہ سیال شریف کے بزرگوں سے تھا۔ مولانا عبدالغفور رحمہ اللہ بھی یکے بعد دیگرے خواجہ شمس الدین سیالوی رحمہ اللہ، خواجہ محمد الدین اور بعد میں حضرت ثالث خواجہ ضیاء الدین سیالوی سے بیعت ہوئے تھے۔ مؤخر الذکر سے اجازت و خلافت بھی ملی تھی۔ مؤخر الذکر دیوبند بھی تشریف لے گئے تھے۔ اُس زمانے میں علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ دارالعلوم دیوبند کے مسند تدریس پہ فائز تھے۔ صدر مدرس و شیخ الحدیث تھے۔

## ضروری وضاحت

سیال شریف یا پنجاب کے دیگر خانقاہیں جو مشہور ہے۔ اس کے اکابرین کا علماء دیوبند سے بہت عشق و محبت تھی۔ اور ان کے اکابر سب کے سب علماء دیوبند کے مداح تھے۔ خانقاہ سیال شریف، تونسہ شریف،

گولڑہ، شرقپور وغیرہ کے اکابر کا بہت عشق و محبت کا تعلق تھا۔ جن کو تفصیل اور بسط کے ساتھ بزرگ عالم دین مولانا محمد عبداللہ صاحب (آف بھکر) امیر جمعیۃ علماء اسلام نے اپنے رسالہ میں ذکر کیا ہے۔ جس کا مطالعہ حد درجہ ضروری ہے۔ رسالہ کا نام ہے ''علماء دیوبند اور مشائخ پنجاب''۔ [1]

مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے ابتدائی تعلیم اپنے برادر بزرگ مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ (تلمیذ حضرت علامہ کشمیریؒ) سے حاصل کی۔ اور پھر بھائی کے قائم کردہ مدرسہ جامعہ محمدی میں مزید علمی پیاس بجھائی۔ اور وہاں کے صدر مدرس امامِ پاکستان مولانا سید احمد شاہ صاحب رحمہ اللہ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ اس کے بعد مرکز رشد و ہدایت دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے۔ جہاں پر وقت کے اساطین علم و فضل سے علمی پیاس بجھائی۔ ۱۳۶۲ھ میں دارالعلوم دیوبند سے آپ کی فراغت ہوئی۔ آپ نے متعدد تصانیف اپنے بعد چھوڑی ہیں۔ فراغت کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ اور برادر اکبر کے قائم کردہ مدرسہ میں بحیثیت مدرس کے فرائض انجام دیتے رہے۔ تلامذہ کی تعداد بے شمار ہے۔ اور رد شیعیت میں آپ کے قلم سے ہے علمی و تحقیقی کتب منظر عام پر آئیں۔ جو اس موضوع پر دور حاضر میں اپنی مثال آپ ہیں۔ آپ کی تصانیف میں چند مشہور یہ ہیں۔ مسئلہ ختم نبوت اور سلف صالحین، سیرت معاویہؓ، سیرت علی المرتضیٰؓ، بنات اربعہ، رحماء بینھم (۳) جلد فوائد نافعہ ۲ جلد وغیرہم آپ نے ایسے نازک موضوع پر قلم اٹھایا ہے جس کا حق ادا کرنا بہت مشکل ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں شیعہ نظریات بہت خطرناک ہیں۔ لیکن دوسری طرف بعض حضرات ناصبیت کا پرچم لیے ہوئے ہیں۔ اس افراط و تفریط سے بچ کر اعتدال کے رنگ میں تحقیق مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے حصہ میں آئی ہے۔ اور اس پُر خار وادی کو عبور کرنے میں سو فیصد کامیاب ہوئے ہے۔ اور جو کچھ لکھا ہے۔ عین مسلک اہل حق و مؤقف اہل سنت ہے۔ اس طرح شیعہ حضرات پر رد کرنے میں مناظرانہ لهجہ سے احتراز کیا ہے۔ بلکہ داعیانہ اسلوب اپنایا ہے۔

آپ کی بعض تصانیف پر دور حاضر کے عظیم محقق مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے بہترین انداز میں تبصرہ کیا ہے۔ ''رحماء بینھم'' پر تبصرہ کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں۔ ''یہ کتاب صرف اردو ہی میں منفرد نہیں بلکہ عربی لٹریچر میں بھی اس قسم کی کوئی مفصل کتاب احقر کے علم میں نہیں ہے اور واقعہ یہ ہے کہ

---

[1] مولانا محمد عبداللہ رحمہ اللہ آف بھکر مورخہ ۱۲، دسمبر ۲۰۱۵ء کو انتقال فرما گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کی یاد میں ایک مضمون راقم الحروف نے قلمبند کیا جو ماہ نامہ حق چار یارؓ لاہور، بابت جنوری ۲۰۱۶ء اور ماہ نامہ ''الجمعیت'' راولپنڈی بابت مارچ ۲۰۱۶ء میں شائع ہو چکا ہے۔ اس مضمون کو قدرے طوالت و تفصیل کے ساتھ کتابی شکل میں بھی شائع کرنے کا ارادہ ہے۔ ان شاء اللہ۔ سلفی

فاضل مولف نے اس اچھوتے مگر ضروری موضوع پر تحقیق کا پورا حق ادا کیا ہے۔ ہماری رائے میں کوئی بھی علم دوست آدمی اس کے مطالعہ سے محروم نہ رہنا چاہیے۔ (تبصرے صفحہ ۲۶۷)

ایک دوسرے مقام پر اس کتاب کے متعلق رقم طراز ہیں: ''خاص طور سے ان کی کتاب رحماء بینھم اپنی موضوع پر ایسی لا جواب کتاب ہے۔ کہ اردو اور فارسی تو کجا عربی میں بھی اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ (تبصرے ص ۳۱۲)۔ اس کتاب میں حضرات خلفاء اربعہ اور اہل بیت کے تعلقات پر روشنی ڈالی ہے۔ اور شیعہ کتب سے بطور الزام کے حوالہ جات نقل کیے ہیں۔ اور حکمت و موعظت سے تحقیق کی ہے کہ اگر شیعہ حضرات بنظر انصاف اس کا مطالعہ کریں۔ تو راہِ راست پہ آجائیں گے۔

اس طرح مولانا ؒ کی دیگر کتب سیرت علیؓ، سیرت معاویہؓ بھی ہیں۔ اپنے موضوع سے متعلق بہترین کاوشیں ہیں۔ آپ کی علمی و تحقیقی کتابیں آئندہ نسلوں کے لیے مشعل راہ ہیں۔ خدا کرے کہ ہماری آئندہ نسلیں اس سے خصوصیت سے استفادہ کریں۔ اگرچہ آج کل ہم مادیات میں اتنے ڈوبے ہوئے ہیں۔ کہ مطالعہ کا ذوق ختم ہوگیا ہے۔ حضرت مولانا محمد نافع ؒ کی عظیم علمی کتابوں کے متعلق میں ایک شعر پیش کرتا ہوں ؎

وكتبك حولي لا تفارق مضعى
فيها شفاء للذى أنكاتم

بندہ نے ۱۶ جون ۲۰۱۱ء بروز جمعرات کو ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ گرمی کا موسم تھا۔ ہم تقریباً ایک بجے پہنچے۔ تو خادم نے کہا کہ ابھی حضرت والا آرام کر رہے ہیں۔ آپ بھی آرام کریں۔ چائے سے ہماری ضیافت کی۔ ہم نے آرام کیا۔ دو بجے اُٹھ کر حضرت والا کے خادم نے کھانا پیش کیا۔ پھر نماز کے لیے گئے۔ تین بجے جماعت ہوئی۔ پھر واپس آکر حضرت والا ؒ کے حجرے میں انتظار میں بیٹھ گئے۔ اتنے میں آپ ؒ کے فرزند ارجمند مولانا ابوبکر نافع صاحب نے بلایا اور حضرت سے ملاقات کروا دی۔ آپ کے نورانی چہرے کے دیدار سے مشرف ہوئے۔ پونے ایک گھنٹہ یہ سعادت حاصل کی۔ آپ کی تصانیف سے خوب استفادہ کیا ہے۔ دارالعلوم حقانیہ سے فراغت ہے۔ فرمایا! میں گنہگار ہوں۔ آپ علماء ہیں۔ میری ملاقات کے لیے تکلیف اُٹھائی۔ میری ملاقات میں کیا ملے گا؟ ادنی طالب علم ہوں۔ حضرت والا کی اس تواضع و انکساری کو دیکھ کر ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی کئی کتابوں کے مصنف، دارالعلوم دیوبند کے فاضل، مرجع خواص و عوام ایسے حساس موضوعات پر قلم اٹھایا ہے اور ان کا پورا حق بھی ادا کیا ہے۔ اس موضوع پر افراط و

تفریط سے کوئی نہیں بچا۔ شیعیت کے ضد میں ناصبیت سامنے آئی۔ لیکن آپ کی خداداد صلاحیت و بصیرت نے اس موضوع کا مکمل حق ادا کیا اور اہل سنت والجماعت کے مؤلف کی مکمل ترجمانی فرمائی۔

بہر حال ہم حضرت کے چہرے مبارک کو دیکھ رہے تھے۔ چلنے پھرنے سے معذور، دو آدمیوں کے سہارے سے چلتے تھے۔ ملاقات سے پہلے ہم باہر بیٹھے تھے اور انتظار میں تھے اس وقت حضرت والا نماز پڑھ رہے تھے۔ لیکن احقر نے دیکھا کہ اس بڑھاپے و کمزوری کی حالت میں بھی لمبی لمبی رکعتیں پڑھ رہے ہیں۔ میرے ساتھی نے عرض کیا! حضرت! آپ نے جو اتنی عظیم کتابیں لکھی ہیں یہ بڑی خدمت ہوگا؟ فرمایا! میں کچھ بھی نہیں علم سے خالی ہوں یہ سب بزرگوں کی دعائیں ہیں۔ پھر عرض کیا! حضرت بڑے بڑے مجلدات کا مطالعہ کیا ہے۔ فرمایا نہیں میرے پاس کچھ بھی نہیں۔ اللہ اکبر اتنی تواضع وانکساری؟

ہم نے اجازت حدیث کی درخواست کی! فرمایا حضرت خواجہ خان محمد صاحب رحمہ اللہ کندیاں شریف والے میرے دورۂ حدیث کے ساتھی رہے۔ اور میں نے بخاری و ترمذی مولانا اعزاز علی رحمہ اللہ سے پڑھی ہے۔ مسلم شریف مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمہ اللہ سے طحاوی شریف اور مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ سے بخاری و ترمذی پڑھیں، حضرت مدنی رحمہ اللہ نے فرمائی تھی۔ لیکن وہ قید ہوگئے۔ بعد میں دونوں کتابیں مولانا اعزاز علی رحمہ اللہ کے حوالہ ہوگئیں۔ اس کے بعد فرمایا: یہ میرے اساتذہ حدیث کی تفصیل ہے۔ اور میری طرف سے تم دونوں کو اجازت ہے۔ اللہ تعالیٰ استقامت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ اس کے بعد ہم نے دعاء واجازتِ رخصت چاہی۔ ہاتھ اٹھا کر ہمارے حق میں اس علم و عمل کے تاجدار نے دعا کی اور ہم رُخصت ہوئے۔

# مداہنت نا آشنا دِل کے مالک

(لیاقت بلوچ)

بدقسمتی سے میرا مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ سے براہِ راست تعلق نہیں رہا مگر مولانا کا خاندان مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ کی سربراہی میں پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کی جدوجہد میں ممتاز حیثیت کا حامل رہا ہے۔ دینی غیرت رکھنے والا ہر شخص ان کی جدوجہد سے واقف ہے۔ مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ نے اسلامی یونیورسٹی کے قیام کا بیڑا اٹھایا اور اپنی عمر اس کام میں کھپا دی۔ دریا کے کنارے دور افتادہ مقام پر بچوں اور بچیوں کی تعلیم کا انتظام اگرچہ مکمل طور پر ان کے حسب منشا نہیں ہوسکا مگر جو کچھ ہوا وہ بھی کسی کرامت سے کم نہیں۔ جو روشنی محمدی شریف سے پھیلی تھی اس نے صرف اپنے علاقے کو ہی منور نہیں کیا بلکہ اس کی کرنیں دور دور تک پھیل کر روشنی بکھیر رہی ہیں۔ سیاسی میدان میں بھی اس خاندان نے غیر معمولی کامیابیاں حاصل کیں بڑے بڑے جاگیرداروں کے مقابلے میں فقیروں اور درویشوں کے اس خاندان نے کامیابی کے جھنڈے گاڑے۔ پیپلز پارٹی کے مقابلے میں ضلع جھنگ میں زبردست کامیابی حاصل کی۔ مولانا رحمت اللہ صاحب، مولانا محمد ذاکر صاحب رحمہ اللہ کے اکلوتے صاحبزادے ہیں اور اس علاقے کے عوام کی نمائندگی اسمبلیوں میں کرتے ہیں۔

مولانا محمد نافع رحمہ اللہ علم کے میدان میں سرگرم رہے۔ سیاسی میدان میں بھی انھوں نے اپنے بڑے بھائی کا ہمیشہ ساتھ دیا اور ان کے بیٹے سرگرمی سے اس کام میں لگے رہے۔ مولانا رحمہ اللہ نے دین کی تعلیم بھی بڑی جدوجہد سے حاصل کی۔ مختلف مراحل سے گزر کر بالآخر دارالعلوم دیوبند سے دورۂ حدیث مکمل کیا اور سند حاصل کی۔ مولانا رحمہ اللہ کی سند میں ان کا علمی شجرہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ سے شروع ہوتا ہے اور شاہ عبدالعزیز، شاہ اسحٰق، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا محمود حسن، مولانا اعزاز علی رحمہ اللہ پر ختم ہوتا ہے۔ ہندو پاک میں اس سے وقیع علمی شجرے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا واقعتاً مولانا رحمہ اللہ سلسلۃ الذہب کی ایک معتبر کڑی ہیں۔

تصنیف و تالیف کے میدان میں مولانا رحمہ اللہ کی دلچسپی تاریخ و سیر الصحابہ کے ساتھ زیادہ رہی۔ اسی دلچسپی کے نتیجہ میں بہت سی کتابیں معرضِ وجود میں آئیں اور مولانا علی میاں رحمہ اللہ جیسے لوگوں نے ان کی کتابوں کا حوالہ اپنی کتابوں میں دیا ہے۔[1] جامعہ محمد شریف کی لائبریری میں منتخب اور نایاب کتب کا ایک

---

[1] مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ نے اپنی مشہور زمانہ کتاب ''المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'' میں کئی ایک مقامات پر مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی ''سیرتِ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'' سے استفادہ کیا ہے۔ یہ کتاب اصلاً عربی میں ہے جسے دارالقلم دمشق نے طبع کروایا تھا، بعد ازاں بیروت اور سعودی عرب وغیرہ سے شائع ہوئی۔ پاکستان میں اس کا اردو ایڈیشن نہایت اعلیٰ معیار پر مکتبہ سید احمد شہید لاہور نے ۱۹۹۱ء میں شائع کیا تھا اور اس کے بعد بھی متعدد بار اس کی اشاعت ہوچکی ہے۔ سلفی

بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی پسندیدہ ترین جگہ یہی تھی اور وہ بلاناغہ اپنے وقت کا بڑا حصہ صرف کرتے تھے۔ باقی وقت وہ اپنے ڈیرے کے کچے کمرے میں بیٹھتے۔

علمی زندگی میں وہ تبلیغ کے کام میں بھی لگے ہے۔ درس و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ ختم نبوت کے سلسلے میں مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمہ اللہ کے مدرسے میں ایک تحقیقی کلاس میں ہمیشہ درس دیا، سال کے دو ماہ وہیں مقیم رہتے۔ جمعہ کی نماز جامعہ کی بڑی مسجد میں پڑھاتے اور لوگوں کے لیے شرعی مسائل میں صحیح رہنمائی کے لیے ان سے بہتر کوئی شخصیت نہیں ہوسکتی تھی۔ یہ خدمت بھی انہوں نے ہمیشہ سرانجام دی۔ علاوہ ازیں سنت کے مطابق اور ادو وظائف اور دم و تعویز وغیرہ بھی بلا فیس دیتے رہے۔ دعا بھی فرماتے، نصیحت بھی کرتے، نحیف جثے میں ایک مداہنیت نا آشنا دل دھڑکتا تھا۔ کسی دنیاوی کروفر سے مرعوب کبھی نہیں ہوئے بڑے شہروں کی رونق اور دولت کی فراوانی پر کبھی نگاہ نہیں ڈالی اپنے علاقے کے لوگوں کی دینی رہنمائی کا فریضہ ہمیشہ دلجمعی سے سرانجام دیا۔ ان کی زندگی دنیا دار علما کے بالکل برعکس تھی۔ علامہ اقبال رحمہ اللہ نے جن لوگوں کے لیے یہ شعر کہا تھا کہ

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

مولانا رحمہ اللہ انہی لوگوں میں شامل تھے، حق مغفرت کرے۔ دعا ہے کہ مولانا رحمہ اللہ مرحوم کی اولاد اور دیگر متوسلین ان کے نقش قدم پر چلیں ان کے لیے صدقہ جاریہ بنیں اور ملک وملت کے لیے ایک گرانقدر سرمایہ ثابت ہوں۔ آمین

مجھے افسوس ہے کہ میں بوجوہ نمازِ جنازہ میں شرکت سے محروم رہا، یہ سعادت مرکز جماعت کے بعض احباب کو حاصل ہوئی۔ ضلع چنیوٹ اور جھنگ سے تعلق رکھنے والے جماعت اسلامی کے ساتھی شریک ہوئے۔ سب نے بتایا کہ عوام کی بہت بڑی تعداد نمازِ جنازہ میں شریک ہوئی۔ مولانا رحمہ اللہ کی مساعی جمیلہ کی قبولیت کی یہ بھی ایک دلیل ہے۔

# چند دُھندلے نقوش

(ڈاکٹر فرید احمد پراچہ)

بات اب اتنی پرانی ہوگئی ہے کہ تفصیل تو کجا اجمال بھی حافظے کی محرابوں میں موجود نہیں، بس چند دھندلے سے نقوش ہیں۔ اور تفصیل یاد بھی کیسے رہ سکتی ہے کہ جامعہ محمدی شریف میں حاضری اور مولانا محمد ذاکر صاحب رحمہ اللہ سے ملاقات

دو چار برس کی بات نہیں
یہ نصف صدی کا قصہ ہے

ابا جی مولانا گلزار احمد مظاہری مرحوم داعی اتحاد امت تھے۔ انہیں جستجو ہی نہیں تڑپ اور لگن تھی کہ علمائے کرام کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کیا جائے اس لیے کہ علمائے کرام اگر متحد ہوں گے تو امت متحد ہوگی اور امت متحد ہوگی تو امت کو دنیا میں عروج نصیب ہوگا۔ اسی حوالہ سے میں نے ابا جی سے جامعہ محمدی شریف اور مولانا محمد ذاکر صاحب مرحوم کا تذکرہ اکثر سنا تھا۔ بلکہ جائزہ مدارس دینیہ نامی کتاب میں سے اس ادارے کی تفصیل بھی پڑھ چکا تھا۔ ابا جی مولانا محمد ذاکر صاحب کے تقویٰ، للّٰہیت، علمیت اور خدمات دینی و علمی کا ذکر بہت ہی اچھے الفاظ میں کرتے تھے۔ شاید مولانا ذاکر صاحب ان دنوں ایم این اے بھی تھے۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے عصر کی نماز کے بعد ہم وہاں پہنچے اور تھوڑی دیر بعد ہی ہماری مولانا محمد ذاکر صاحب مرحوم سے ملاقات ہوئی۔ میرا بچپن کا زمانہ تھا اس لیے بڑے علمائے کرام کے ساتھ ایک خاص وضع قطع کا تصور بھی قائم ہو چکا تھا لیکن یہ کیا؟ مولانا محمد ذاکر صاحب سے مل کر ایک دم مایوسی ہوئی۔ نہ جبہ و دستار، نہ مرصع و مقفع گفتگو، نہ خطیبانہ جاہ وجلال نہ عالمانہ وجاہت کی مصنوعی فضاء انتہائی سادگی کے پیکر، عجز وانکساری کی تصویر پاک دل و پاک باز ...... یہ تھے درویش خدامست مولانا محمد ذاکر صاحب رحمہ اللہ ظاہر ہے کہ ابا جیؒ اور مولانا محمد ذاکر صاحب کے درمیان گفتگو اتحاد امت اتحاد علمائے کرام اور قومی اسمبلی کے ذریعے نفاذ شریعت کے دائرے میں ہی ہوتی رہی۔ البتہ میرے دل و دماغ پر اس ملاقات کے گہرے تاثرات اب تک قائم ہیں۔ [1]

---

[1] جماعت اسلامی کی قیادت کا فلسفہ اتحاد امت آج تک امت کی سمجھ میں نہ آسکا، غیروں کے غیر اسلامی افکار کو تقویت دے کر اتحاد کا دعویٰ مبنی برنفاق ہوتا ہے۔ خصوصاً ایران میں خمینی کے انقلاب کے بعد پاکستان میں اس کی راہیں ہموار کرنا بھی اسی نفاق کی کڑی ہے، بلکہ مولانا مودودی صاحب تو فخر یہ کہا کرتے تھے کہ ''خمینی کے ساتھ گزشتہ کئی سالوں سے ہمارے روابط ہیں، انہوں نے میری بعض کُتب کا ترجمہ بھی کرایا ہے، وہ اُن شیعاؤں جیسے نہیں۔'' (مولانا مودودی سے ملاقاتیں، صفحہ نمبر ۱۱۶، مرتب رفیق ڈوگر، مطبوعہ دید شنید پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۸۵ء) اور اب تو شیعی ادارہ ''البصیرہ'' اسلام آباد کے شعبہ تحقیق کے ڈائریکٹر (بقیہ اگلے صفحہ پر)

مولانا محمد ذاکر صاحب مرحوم کے برادر اصغر اور اسی خانوادہء علمی کے چشم و چراغ مولانا محمد نافع صاحب مرحوم کے ساتھ پہلا تعارف ان کی کتاب رحماء بینھم سے ہوا۔ فی الواقع یہ ایک معرکۃ الارا تصنیف ہے۔ موضوع ہی ایسا ہے کہ جس پر قلم اٹھانے، تحقیق کرنے اور حقائق کی روشنی عام کرنے کی ضرورت ہے۔ خلفائے راشدین اور اصحاب رسول سے محبت و تعلق کا تقاضا ہے کہ ان کے بارے میں کوئی بھی غیر محتاط رویہ یا حد ادب کے منافی جملہ استعمال نہ ہو۔ ❶ جب کہ اہل بیت کی محبت بھی مشترکہ متاع اور مشترکہ سرمایہ ہے۔ صحابہ و اہل بیت کے اپنے درمیان نہ تو محاذ آرائی تھی نہ کشاکش، لیکن تاریخ کی بدقسمتی ہے کہ عقیدت نے مستقل عقیدے کی شکل اختیار کر لی۔ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ اس امت کے محسن ہیں کہ انھوں نے دلائل و براہین اور ثبوت و شواہد سے صحابہ کرام اور اہل بیت کی باہمی محبتوں، احترام اور رشتوں کے حقائق بیان کیے۔ اس مقصد کے لیے سورہ الفتح کی آخری آیات میں سے رحماء بینھم کا عنوان کتاب کے مفہوم و مقاصد کو بھی واضح کرنے کا اہم ذریعہ ہے۔ اس لیے کہ ان آیات میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی صفات بیان کی گئی ہیں اور قرینہ یہ ہے کہ یہ صفات خلافت راشدہ کی ترتیب سے بیان ہوئی ہیں۔ مثلاً ''والذین معه...'' ساتھ دینے نبھانے میں اولیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ''اشداء علی الکفار''۔ یہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خاص پہچان ہے۔ رحماء بینھم ......شفقت و نرم دلی، ایثار و قربانی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا امتیازی وصف اور ترھم رکعا سجدا... کثرت رکوع و سجود کی وجہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ زیادہ نمایاں۔ مولانا محمد نافع صاحب نے بھی فضائل و مناقب اور احترام و محبت کے بیان میں اسی ترتیب کو مدنظر رکھا ہے۔

مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ نے ماشاء اللہ برصغیر کے نامور اداروں میں تعلیم پائی اور نامور اساتذہ کرام کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے۔ انھوں نے جامعہ محمدی شریف کے بعد چند دیگر مدارس میں تعلیم پائی اور پھر دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ ان کے اساتذہ کرام میں سے مجھے حضرت مولانا ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ موضع انہی شریف (گجرات) اور حضرت مولانا احمد شاہ بخاری رحمہ اللہ کی زیارت اور استفادہ کا موقع ملا ہے۔ مولانا محمد نافع صاحب

---

(بقیہ گزشتہ صفحہ) نثار علی ترمذی نے ایک کتاب بنام ''داعیٔ اتحاد امت مولانا مودودی'' لکھی ہے جو ملی یکجہتی کونسل کی مجلس عاملہ اور سربراہی کونسل کے اجلاس میں اراکین کو پیش کی گئی۔ اسی مصنف نے اس سے پہلے ایک کتاب ''نقیب وحدت، علامہ عارف الحسینیؒ'' بھی لکھی ہے۔ جماعت اسلامی کی قیادت گزشتہ تین عشروں سے ''وحدتِ امت'' کے نام پر جو ایرانی فکر اور اثر و رسوخ کی راہیں وطنِ عزیز میں ہموار کر رہی ہے اس سے حساس اور فکر مند طبقہ مسلسل تشویش میں ہے۔ سلفی

❶ مضمون نگار کی جماعت کے بانی مولانا ابو الاعلیٰ مودودی صاحب نے اصحاب رسولؐ کے متعلق غیر محتاط اور غیر ذمہ دارانہ بلکہ کسی حد تک جارحانہ قلمکاری کی ہے۔ جو ہر کہہ و مہہ پر واضح ہے۔ اس لیے حدِّ ادب کے منافی جملوں کا جو استعمال مودودی صاحب نے کیا تھا، حبِّ صحابہؓ سے محبت کا لازمی تقاضہ ہے کہ اُس روش کی تسلسل کے ساتھ تردید، نہ کہ دفاع کرنا چاہیے۔ (سلفی)

کی تصانیف میں ۹ سے زائد کتب شامل ہیں۔ ان کی علمی خدمات، کتابوں، مضامین، علمی مقالوں اور شاگردوں کی شکل میں آج بھی ان کے لیے صدقۂ جاریہ ہیں۔

حدیث مبارکہ کے مطابق انسان کے فوت ہونے کے بعد بھی تین اعمال کا ثواب جاری رہتا ہے۔ ان میں قائم کیا گیا کوئی صدقہ جاریہ، مسجد و مدرسہ اور علمی میراث یعنی شاگرد، کتابیں وغیرہ اور اولاد صالح شامل ہیں اور الحمدللہ کہ مولانا محمد نافع مرحوم کے تینوں صدقات جاریہ ان کے لیے توشۂ آخرت کا کام دے رہے ہیں۔

اللہ کریم مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور ان کی اولاد صالح و دیگر کو ان کی بلندئ درجات کا ذریعہ بنائے، آمین۔

# جبلِ علم

مفتی ریاض محمد بلگرامی

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ مشہور صحابی رسول ہیں ان کا نام جندب بن جنادہ ہے پانچویں نمبر پر مسلمان ہوئے تھے زمانۂ جاہلیت میں بھی توحید کے قائل اور شرک سے بیزار تھے۔ مزاج کے سخت مگر انتہائی سادگی والی زندگی گزارتے تھے فقر وزہد میں ضرب المثل تھے مال جمع کرنے اور پاس رکھنے کے بالکل قائل نہ تھے نہ خود مال جمع کیا اور نہ دوسروں کو جمع کرنے دیتے تھے ان کی زاہدانہ زندگی میں زُہد کے عجیب وغریب حالات ملتے ہیں آج اگر ابوذر موجود نہیں ہیں مگر ان کی یہ صفت اب بھی بہت سے رجال میں موجود ہے۔

بندہ نے متوسطہ تا دورہ حدیث جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد میں پڑھا، اپنے مشفق اساتذہ سے بزرگوں اور علماء کرام کے متعدد نام سنے اور ذہن میں ثبت ہوئے ان میں مشہور زمانہ کتاب ''رحماء بینھم'' کے مؤلف حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ کا نام نامی بھی تھا، جب زمانہ طالب علمی میں ان کا نام سنتے تو اساتذہ کرام سے نام کے ساتھ مدظلہ کا جملہ سنا کرتے تھے مگر اب رحمہ اللہ کے مصداق ہیں طالب علمی کے ابتدائی زمانہ سے ہی دل میں حضرت سے ملاقات کا ولولہ اور شوق موجود تھا مگر طلب علم کی مصروفیات کی وجہ سے یہ آرزو پوری نہ ہوسکی بالآخر ۱۹۹۸ء میں دورہ حدیث کے سال حدیث کی مناسبت کی وجہ سے نیز اس خیال سے کہ شاید فارغ ہو کر اس طرف آنا ممکن نہ ہو جھنگ جا کر حضرت سے ملاقات کا تہیہ کر لیا۔ چنانچہ سال کے آخر میں چند ساتھیوں کی رفاقت میں حضرت کی ملاقات کے لیے محمدی شریف ضلع جھنگ پہنچے چونکہ ایک جید عالم اور بزرگ کی ملاقات کے لیے جا رہے تھے اس لیے سفر بڑا خوشگوار اور انتہائی مزیدار محسوس ہوا جس کو یاد کرنے سے اب بھی لذت محسوس ہوتی ہے جمعہ کا دن تھا مسجد پہنچ کر پہلے وضو کیا مکمل تیاری کی پھر مسجد میں داخل ہوئے جمعہ کی تقریر میں خطباء کے عام طریقہ سے ہٹ کر دیکھا کہ ایک بزرگ مسجد کے درمیان میں سادہ کرسی پر براجمان ہیں اور اردگرد لوگوں کا مجمع ہے بزرگ جھنگ کی مقامی ٹھیٹھ پنجابی زبان میں بات کر رہے ہیں وہاں موجود بعض حضرات نے پوچھنے پر بتایا کہ یہی مولانا محمد نافع ہیں یہ منظر دیکھا تو زبان پر بے ساختہ حدیث نبوی جاری ہوگی الا ان البذاذة من الایمان الا ان البذاذة من الایمان۔

آدھا گھنٹہ حضرت کا بیان سنا پھر حضرت نے عربی میں خطبہ دیا اور نماز جمعہ پڑھائی نماز کے بعد اپنے چھوٹے اور انتہائی سادہ کمرے میں تشریف لے گئے ہم بھی کمرے میں گئے۔ اور بالمشافہ ملاقات ہوئی تعارف کرایا کہ سب دورہ حدیث کے طلبہ ہیں اور جامعہ امدادیہ سے ملاقات کے لیے آئے ہیں حضرت بہت خوش ہوئے دعائیں دیں اور کافی دیر بات چیت ہوئی چائے سے تواضع کی اور حدیث کی سند اور اجازت مرحمت فرمائی۔ پتلے بدن کے مالک، نحیف الجسم، سادگی کے پیکر مگر علم کے پہاڑ اور تحقیق کے شناور تھے اہل علم جانتے ہیں کہ مشاجرات صحابہ اور سلف کا آپس کا اختلاف انتہائی پیچیدہ اور بہت ہی نازک موضوع ہے جو حضرات اس دلدل میں قدم رکھتے ہیں وہ عموماً جادہ حق سے ہٹ جاتے ہیں افراط وتفریط کا شکار ہو جاتے ہیں بعض اوقات کسی ایک کے بارے میں بدظن ہو جاتے ہیں یا سوء ادب میں مبتلا ہو جاتے ہیں مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے اس موضوع کو اپنا میدان بنایا اور اس پر انتہائی محققانہ کام کیا۔ روافض کے اصل ماخذ سے رجوع کر کے احقاقِ حق کا حق ادا کر دیا۔ اور سب سے بڑا کمال یہ کہ اس پُر خطر اور پُر خار راہ میں نہ قدم کہیں پھسلا اور نہ ہی زخمی ہوا احتیاط و ادب کا دامن تھامے رکھا یہی وجہ ہے کہ معاصر علماء نے آپ رحمہ اللہ کی تمام تصانیف کو قدر کی نگاہ سے دیکھا۔

ملاقات کے دوران حضرت رحمہ اللہ نے بتایا کہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ نے تکملہ فتح الملہم میں میری کتاب کا حوالہ دیا ہے اور خوشی کا اظہار فرمایا کہ اکابر مجھ پر اعتماد کرتے ہیں بندہ نے تکملہ میں متعلقہ مباحث دیکھیں تو معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے تکملہ فتح الملہم (۳/ ۹۲) اور (۳/ ۱۰۲) میں حضرت کی کتاب رحماء بینھم کا حوالہ دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

> وقد حقق فضيلة مولانا الشيخ نافع ﷺ فى كتاب القيم " رحماء بينهم " (باللغة الاردية) (١/ ١٢٦، ١٢٧) ان قصة مراجعة فاطمه ابابكر رضي الله عنها مروية بست وثلثين طريق۔

اور جلد نمبر ۳ صفحہ ۱۰۲ میں فرماتے ہیں: فذكر فضيلة الشيخ محمد نافع حفظه الله فى كتاب القيم رحماء بينهم۔ استاذ مکرم شیخ الحدیث حضرت مولانا نذیر احمد صاحب رحمہ اللہ بانی جامعہ امدادیہ فیصل آباد فرمایا کرتے تھے کہ مولانا نافع صاحب کی تمام کتب نافع ہیں۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ معارف الحدیث (۶/ ۲۳۶) کے حاشیے میں لکھتے ہیں کہ:

ہمارے زمانے کے ایک وسیع النظر محقق فاضل و مصنف مولانا محمد نافع صاحب نے اس موضوع پر ایک نہایت محققانہ کتاب ''بنات اربعہ'' (یعنی چار صاحبزادیاں) تصنیف فرما کر تحقیق کا حق ادا کیا ہے۔ یہ تقریبا ساڑھے چار سو صفحہ کی کتاب ہے اس میں اہل سنت کی حدیث، تاریخ اور انساب کی کتابوں کے علاوہ شیعوں کی کتب حدیث ان کے ائمہ معصومین کی روایات ان کی تاریخ اور انساب کی کتابوں اور ان کے متقدمین اور متاخرین علماء و مجتہدین کی تصریحات سے جو شیعہ مذہب میں سند کی حیثیت رکھتے ہیں نا قابل تردید طور پر ثابت کیا ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا، حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا چاروں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں تھیں۔ پھر ان صاحبزادیوں اور ان کی والدہ ماجدہ مطہرہ ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سوانح حیات پر بھی یہ کتاب حاوی ہے۔ اللہ تعالیٰ کتاب کے مصنف مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کو جزائے خیر عطاء فرمائے اور ان کی کتب کو علمی دنیا میں قبول عام فرمائے۔

علم و عمل اور تحقیق و تدقیق کے مایہ ناز عالم دین چودھویں صدی کے ابوذر اور رشد و ہدایت کے آفتاب و ماہتاب بھی آج ہم سے رخصت ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت کی قبر پر نور و رحمت کی بارش فرمائے اور کروٹ کروٹ چین نصیب فرمائے۔

# مُحسنِ اہل سُنّت

مولانا نور حسین عارف

کل نفس ذائقة الموت ایک ایسا امر الٰہی ہے جسے کوئی بھی ذی روح مستثنیٰ نہیں اور نہ ہی کسی کے لیے مفر ہے خواہ عالم ہو یا جاہل، امیر ہو یا غریب، بادشاہ ہو یا گداگر، ہر ایک نے اس راستہ کو عبور کرنا ہے۔

لیکن ہر ایک برابر نہیں کچھ ایسے مقربین ہیں جن کے جانے سے زمین و آسمان گریہ کرتے ہیں اور ان کا خلا مدتوں پُر نہیں ہوتا۔ اُن باوقار اور مقربین لوگوں میں محقق اہل سنت، نمونہ اسلاف حضرت مولانا محمد نافع بھی ہیں جو یقیناً اسم بامسمی تھے۔ مؤرخہ ۳۱ دسمبر ۲۰۱۴ء بروز ہفتہ مولانا محمد ریاض انور گجراتی کا فون آیا کہ آج ایک عظیم ہستی دنیا سے کوچ کر گئی یعنی حضرت محقق اہل سنت مولانا محمد نافع صاحب خدا گواہ ہے یہ خبر بجلی کی طرح دل پر لگی۔ کافی سکوت کے بعد اپنے دیگر احباب کو اس خبر فاجعہ سے آگاہ کیا۔

محقق اہل سنت سے غائبانہ تعارف تو زمانہ طالب علمی سے ہی تھا اور عقیدت بھی تھی لیکن جب آپ کی شہرۂ آفاق کتاب ''رحماء بینھم'' کا مطالعہ کیا تو عقیدت میں مزید اضافہ ہوا جو کہ معلومات کا سمندر بے کراں تھا۔ اس کے بعد حضرت کی دیگر کتب کے سلسلہ میں بندہ حضرت کے رابطہ میں رہتا جونہی کوئی کتاب طبع ہوتی فوراً اس کو خرید کر آنکھوں کو جلا بخشتا۔ بندہ کے پاس حضرت کی جملہ کتب موجود ہیں جن سے بندہ تقریباً شب و روز استفادہ کرتا ہے۔ حضرت محقق اہل سنت سے زندگی میں دو دفعہ ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ ایک دفعہ جب کہ خطیب پاکستان ترجمان مسلک اہل سنت علماء دیوبند حضرت مولانا محمد ضیاء القاسمی رحمہ اللہ کی وفات ہوئی تو مولانا محمد نواز بلوچ، مولانا عبدالغفور بٹ مولانا محمد ریاض انور اور بندہ عاجز حضرت کی تعزیت کے لیے فیصل آباد اُن کے گھر حاضر ہوئے۔ حضرت کے صاحبزادگان سے تعزیت کی اور مدرسہ قاسمیہ میں مولانا قاسمی مرحوم کی قبر پر حاضری دی۔ پھر جھنگ چلے گئے وہاں پر حضرت محقق اہل سنت کی زیارت کا پروگرام بن گیا۔ عشاء کے قریب پہلے مدرسہ اور مسجد میں حاضر ہوئے پھر حضرت کے دولت کدہ پر حاضری ہوئی۔ باوجود یہ کہ ان دنوں حضرت سخت علیل تھے۔ لیکن جب علم ہوا کہ گوجرانوالہ سے کچھ دوست زیارت کے لیے حاضر ہوتے ہیں تو فوراً بستر علالت سے اٹھ کر باہر تشریف لائے۔ چونکہ بندہ کے ذہن میں آپ کا خاکہ کچھ اور تھا لیکن جب وہ علم نبوی کی وارث ہستی باہر تشریف لائی تو عجیب سماں تھا چہرہ پر مسکراہٹ، سر پر معمولی سی کپڑے کی ٹوپی، گفتار میں میٹھاس، آنکھوں میں علم کی چمک، سنت نبی کی

پاسداری، درویشانہ زندگی جو کہ قابل دید تھی، جن کے وجود کو دیکھ کر اکابر کی یاد تازہ ہوگئی۔ ملاقات کے وقت حضرت نے کافی اصرار فرمایا کہ آپ میرے مہمان ہیں کچھ نہ کچھ تواضع ہو جائے۔ لیکن ہمارے لیے یہ ہی بڑی سعادت تھی کہ حضرت کی زیارت ہوگئی ہے حضرت نے اپنی نیک دعاؤں سے ہمیں الوداع فرمایا۔

کافی عرصہ گزرنے کے باوجود آج تک وہ نقوش ذہن پر ثبت ہیں جو اس اللہ والے کے چہرے اور گفتگو سے دیکھے اور سنے ہیں۔ حضرت محقق اہل سنت جو تحریری شکل میں اہل سنت پر احسان فرما گئے ہیں اس کا نعم البدل تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہی عطاء فرما سکتی ہے اور اسی ذات سے روزِ قیامت صلہ پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا ملکا عطاء فرمایا تھا کہ بڑے بڑے مشکل عقدے قلم کی ایک جنبش سے حل فرما دیتے اور پھر جس خوبصورت اور محتاط انداز میں انھوں نے قلم اٹھایا یہ اُن ہی کا کمال تھا۔ اپنے اکابر کی تحقیق کو مدار بنا کر جس احسن انداز سے تحقیقی میدان میں مشاجرات صحابہ اور دفاع صحابہ و اہل بیت عظام پر قلم اٹھایا اور گمراہی کے اندھیروں سے پردہ چاک کر کے عالم اسلام کے مسلمانوں کو حق کی کرنوں سے منور اور روشن کیا اور مینارِ حق بن کر باطل کے ایوانوں میں زلزلہ برپا کیا یہ اہل سنت پر ان کا عظیم احسان ہے۔

دشمنان اصحاب رسولؐ نے سمجھا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ اور ان کے شاگرد رشید حضرت مولانا حیدر علی فیض آبادیؒ چلے گئے یا امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی کے بعد اب ہمارے لیے میدان خالی ہو گیا ہے اور اب ہماری آنکھوں میں آنکھ ڈال کر بات کرنے والا کوئی نہیں۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کرنی ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا قاضی کرم الدین دبیرؒ، پیر طریقت وکیل صحابہ حضرت مولانا مرشدی قاضی مظہر حسینؒ، امام اہل سنت حضرت مولانا سید احمد شاہؒ چوکیروی، مناظر اہل سنت حضرت مولانا علامہ عبدالستار تونسوی، قاطع رافضیت حضرت مولانا علامہ دوست محمد قریشی، فخر سادات حضرت مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری وغیرہ کی شکل میں ایسے رجال پیدا فرمائے جنھوں نے زندگی بھر باطل کی سرکوبی کی اور باطل کی دھجیاں فضائے آسمانی میں اڑاتے رہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اہل سنت پر احسان کیا کہ سلف کے امین محقق اہل سنت حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ جیسی عظیم ہستی عطا فرمائی جن کی تحریری خدمات سے کئی دشمنانِ صحابہؓ جو سچی توبہ کر کے نبی کے چاروں کے یار بن گئے۔ ان کی محبت کو دلوں میں جگہ دی اور دین کے سچے خادم بن گئے۔

حضرت نے جو ذخیرہ اپنے نجات کے لیے بطور صدقہ جاری چھوڑا ہے وہ ”رحماء بینھم، بنات اربعہ،

حدیث ثقلین، فوائد نافعہ، سیرت حضرت علی المرتضیٰ، حضرت ابوسفیان اور ان کی اہلیہ وغیرہ کی شکل میں موجود ہے۔ اور انشاء اللہ قیامت کی صبح تک موجود رہے گا جس سے اہل حق کے دلوں کو جلا ملے گی۔ اور باطل کے ایوانوں سے ہائے ہائے کی صدا آتی رہے گی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت محقق اہل سنت کی جملہ خدمات کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور ان کی قبر کو جنت کا گہوارہ بنائے۔ آمین ثم آمین

# لعلِ بدخشاں

مولانا محمد ایوب بن انور خان

زمین کے مختلف حصوں میں پتھر کے ٹکڑوں اور سنگ ریزوں کی تعداد حدِ شمار سے زیادہ پڑی رہتی ہے، جن کو ہر جاندار پامال کرتے رہتے ہیں لیکن ان میں کوئی ایک سنگ ریزہ لعل یا ہیرا بن کر نکلتا ہے۔ اسی طرح سمندر میں بارش کے بے شمار قطرے ہر سال گرتے رہتے ہیں جو شمار سے باہر ہوتے ہیں، لیکن ان ہی میں چند قطرے ایسے ہوتے ہیں جو آغوشِ صدف میں پل کر موتی بن کر نکلتے ہیں۔ ایسا ہی کچھ معاملہ نوع انسانی کے ساتھ ہے۔ روزانہ ہزاروں انسان پیدا ہوتے ہیں، لیکن ان میں چند ہی ایسے ہوتے ہیں جو واقعی انسان کہلانے کے مستحق ہوتے ہیں۔ بقولِ شاعر۔

آدمی کو بھی میسر نہیں انسان ہونا

اب ایسے لوگ کہاں ملیں گے پوری علمی دنیا انہیں اہل السنۃ والجماعت کے علمی ترجمان اور صحابہ کرام و اہل بیت رضی اللہ عنہم کے ناموس و وقار کے تحفظ کی علامت کے طور پر جانتی تھی۔ قحط الرجال کے اس دور میں اس قدو قامت اور مقام و مرتبہ کی شخصیت کا اٹھ جانا ملت اسلامیہ کے لیے ایک ناقابل تلافی سانحہ ہے۔ انھوں نے جو جگہ خالی چھوڑی ہے اسے پُر کرنے والا دور تک کوئی نظر نہیں آرہا ہے۔ آپ نے ایک لمبی عمر پائی جو ملک وملت کی خدمت کے لیے وقف رہی۔

حاصل عمر نثار رہ یارے کردم
شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

آپ امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی نور اللہ مرقدہٗ کے علمی قافلے کے ایک فرد تھے جنھوں نے اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کے تحفظ کے فروغ اور حضرات صحابہ کرام کی حیات و خدمات کی اشاعت اور ان کے بارے میں متعصبین کی طرف سے مختلف اوقات میں پھیلائے جانے والے شکوک وشبہات کے جواب و دفاع میں پیہم جدوجہد کی ہے، اور اس پہلو پر نہ صرف، علمی کارنامے سرانجام دیئے بلکہ عملی جدوجہد میں بھی مسلسل شریک رہے۔

۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں آپ نے امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، حضرت علامہ محمد یوسف بنوری، متکلم اسلام حضرت مولانا شمس الحق افغانی اور قائد شریعت حضرت مولانا عبدالحق رحمہ اللہ کے ساتھ

بھرپور حصہ لیا اور چار ماہ سے زائد عرصہ تک زندان کی صعوبتیں بھی خندہ پیشانی سے برداشت کیں۔

تحقیقی و تصنیفی دنیا میں آپ سہ روزہ ''دعوت'' لاہور اور اپنے استاذ مکرم حضرت مولانا احمد شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ کے ماہنامہ ''الفاروق'' میں مسلسل تحریر و تالیف سے وابستہ ہوئے۔ اور مسلسل لکھتے رہے جس کی بدولت آپ نے اپنی گرانقدر تالیفات و تحقیقات یادگار چھوڑ دیئے۔ آپ نے اپنی عمر عزیز کو ان مشکل اور کٹھن کاموں کے لیے وقف کر دیا تھا اور تحقیق و تدقیق کا حق ادا کیا: فلحمد للہ علی ذالك

اسی سلسلے میں جب قیام پاکستان کے بعد جولائی ۱۹۵۲ء میں قادیانیوں نے اپنے روزنامہ اخبار ''الفضل'' لاہور کا ''خاتم النبین نمبر'' شائع کیا تھا اور اس میں انھوں نے اکابر سلف صالحین جیسے حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت علیؓ، شیخ اکبر ابن عربی، مولانا جلال الدین رومی، علامہ طاہر پٹنی صاحب مجمع البحار، شیخ عبدالوہاب شعرانی، حضرت شیخ احمد سرہندیؒ، امام شاہ ولی اللہ دہلوی اور مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہم اللہ پر یہ الزام لگایا تھا کہ یہ مذکورہ حضرات بھی نعوذ باللہ اجرائے نبوت کے قائل ہیں۔ تو اس وقت ان الزام تراشیوں کے حوالے سے خالص علمی، تحقیقی انداز میں تین حضرات اکابر نے قلم اُٹھایا اور قادیانیوں کے دجل و فریب کا تعاقب کیا۔

(۱)......مناظر اسلام حضرت مولانا لال حسین اختر رحمہ اللہ

(۲)......حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود مانچسٹر لندن

(۳)......محقق العصر حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ

نام نہاد ''خاتم النبین نمبر'' کے رد میں حضرت مولانا محمد نافع صاحب کی کتاب ''مسئلہ ختم نبوت اور سلف صالحین'' کے نام پر منصۂ شہود پر آگئی، یہ کتاب مختصر مگر جامع تھی اور اس میں مذکورہ اکابر کا موقف مبرہن و مدلل بیان کیا گیا اور قادیانی دجل و تلبیس کو طشت ازبام کر دیا گیا۔

آپ رحمہ اللہ کی تمام تصانیف پر جس تصنیف کو زیادہ پذیرائی نصیب ہوئی اور جسے آپ کا علمی شاہکار قرار دے کر نہ صرف اُردو زبان میں بلکہ اسلامی تاریخ میں جو نادر و کمیاب کارنامہ قرار دیا گیا ہے، وہ ''رحماء بینہم'' ہے۔ ۳ جلدوں پر مشتمل یہ علمی سوغات امت مسلمہ کو پیش کر کے ان پر احسان عظیم فرمایا۔ یہ کتاب بہترین خصوصیات کی حامل اور مقاصد عظیم و جلیلہ پر مشتمل ہیں۔ کتاب کے شروع میں آپ نے تاریخی مواد کا تنقیدی جائزہ لیا ہے اور تاریخ کو اسلامی عقائد میں قرآن و سنت کے تابع کیا ہے۔ مختلف تواریخ، ماخذ اور سند سے بڑی احتیاط کے ساتھ استفادہ کیا ہے۔ شروع کتاب میں ''چند تمہیدی امور'' کے نام سے عنوان قائم

کر کے آپ نے اسلام کی نظر میں تاریخ کی صحیح پوزیشن کو واضح کیا ہے، اس کے بعد مقاصد کی طرف متوجہ ہو گئے ہیں جس میں واضح کیا ہے کہ جو تاریخی حوالے قرآن وسنت کے مسلمہ اصول وقواعد اور مزاج سے مطابق ہو وہ بلاشک وشبہ قبول ہے اور جو تاریخی حوالے قرآن وسنت سے متصادم ہو انہیں بڑی عرق ریزی کے ساتھ تحقیق وتنقید کی چھلنی میں چھاننا ہوگا۔

تاریخ میں انتخاب اور اخذ کے حوالے سے مورخین کی نفسیات، عقائد، ان کے ذہنی محرکات، ان کے ماحول اور حالات کے گرد وپیش کا جائزہ لیے بغیر خام تاریخی مواد کو صحیح تاریخی تصویر بنانے میں استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ آپ نے تمام امور پر نظر رکھتے ہوئے تفسیر، حدیث، اسماء الرجال، انساب، طبقات، علم العقائد اور تاریخ کے کتنے بڑے ذخائر کو کنگال کر کام کی موتی نکالنے میں کامیاب ہوئے۔

آپ ؒ کے طرز وتحریر اور تصانیف کی چند خصوصیات:

۱: آپ کی تمام تصانیف میں ہر بات تاریخی حوالوں سے مزین ہے، کوئی بھی بات بغیر تاریخی حوالہ کے درج نہیں ہے۔

۲: آپ کی انداز نگارش میں فرقہ واریت کی جھلک دکھائی نہیں دیتی باوجود یہ کہ ان مسائل پر صدیوں سے امت مسلمہ میں اتحاد واتفاق نہ ہوسکا۔

۳: آپ تاریخ اسلام کے سمندر میں غوطہ لگا کر بڑی مشکل اور کٹھن جدوجہد کے بعد ایسے موتی نکالنے میں کامیاب ہو گئے جنہیں ہر ایک منصف مزاج آدمی قبول کرے گا۔

۴: آپ کا اندازِ تجزیہ جارحانہ نہیں بلکہ عالمانہ، فاضلانہ، محققانہ اور سنجیدہ علمی تحقیق سے لبریز ہے۔

۵: آپ نے اپنے موقف کو تاریخی حوالوں سے صرف اہل والسنۃ والجماعۃ ہی سے نہیں بلکہ اہل تشیع کے ماخذ سے بھی ثابت کیا ہے، جس سے عیاں ہے کہ فاضل مولف کی دونوں ماخذوں پر بڑی گہری نظر تھی۔

۶: آپ کا انداز تحریر داعیانہ، مصلحانہ، ہمدردانہ، خیر خواہانہ اور دوستانہ ہے اور یہ ان کی تصانیف کی بڑی خوبی ہے یہاں تک کہ شیعوں نے خلفاء اربعہ کے درمیان عداوت ونفرت، ظلم وتعدی کے جو قصے گھڑ دیئے تھے آپ نے نہ صرف ماخذ کا حوالہ دے کر ان کی دجل وتلبیس کو واضح کیا بلکہ جذبۂ اخوت و برادری کے تحت مسلمانوں کے درمیان امن وآشتی پیدا کرنے کی سعی خود فرمائی۔

۷: آپ کی تحقیقات وتصنیفات سے عیاں ہوتا ہے کہ اسماء الرجال، انساب اور طبقات پر آپ کی بہت

دسترس اور گہری نظر ہے۔

۸: آپ رحمہ اللہ نے اصولِ حدیث کی روشنی میں روایات کے اسناد پر عمدہ اور ٹھوس بحث کی ہے جیسے حدیث ثقلین پر تحقیق کرتے ہوئے یہ بات نمایاں ہے۔

## جاہ وشہرت سے دوری

آپ نام ونمود اور جاہ وشہرت سے کوسوں دور تھے۔ انکساری و خاکساری میں بے مثال تھے اور یہی بات حضرت مولانا نوراللہ مرقدہٗ کی مابہ الامتیاز تھی۔ آپ کام کے آدمی تھے۔ ''نمونہ اسلاف'' کی ترکیب اب پامال ہوکر بے معنی رہ گئی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ حضرت کی شان استغفاء، غیرت دینی، حمیتِ اسلامی، فقر و درویشی، صبر واستقامت، ایثار وقربانی، دعوت وعزیمت، اوصاف حمیدہ واخلاق حسنہ اور دیگر بے شمار کمالات و محاسن میں اکابر علماء کرام اور اسلاف امت کا کامل نمونہ اور عکس جمیل تھا۔ آپ کی شخصیت میں بلا کی سادگی تھی ان کی خاموش طبیعت میں وعظ ونصیحت، دعوت وارشاد، تحقیق وتدقیق کے ہزارہا دفتر سجائے تھے۔ آپ نے وہ کام کیا جو بڑے بڑے اداروں نے نہیں کیا ہے۔

آپ کی یہ نادر وکمیاب تحقیقات اس قابل تھیں کہ معاصر جدید یونیورسٹی سے آپ کو اعزازی پی ایچ ڈی کی ڈگری عطاء کی جاتی لیکن کیا کیا جائے حضرت اپنی افتادطبع کی بدولت ان دنیاوی عوضوں اور انعامات سے بلند پرواز کرتے تھے۔ آپ کی خوردبین نگاہیں ان اجری الا علی اللہ کے حقیقی نعرہ مستانہ پر مرکوز تھیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو درجات عالیہ سے نوازے اور آپ کی خدمات کو قبول فرمائے اور ہم سب کو آپ کی تصانیف سے استفادہ کرنے کی توفیق عطاء فرمائے اور بے راہوں کے لیے راہ ہدایت بنا دے۔ آمین ثم آمین

# تقویٰ اور ملنساری

حافظ احمد یار

حضرت اقدس مولانا محمد نافع رحمہ اللہ، صاحبِ زہد و تقویٰ، اپنے اسلاف کے تربیت یافتہ اور ان کی اعلیٰ روایات کے حامل و امین تھے۔ اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آپ نے پاس داری کی بے شمار مثالیں قائم کیں۔ راقم الحروف نے اپنی زندگی میں ایسے فہیم، ذکی، ذہین، محتاط، مدبر، متواضع، سلیم الطبع، مستقل مزاج، مؤرخ، مصنف، صائب الرائے منکسر المزاج اور پابندِ اوقات اشخاص بہت کم دیکھے ہیں۔

آپ سادہ لباس، انتہائی سادہ غذا، دلیل کی گفتار، اتحاد کا علمبردار، طلبہ کے گلے کا ہار صحابہ پر سو جان سے نثار، باکردار، عابد شب زندہ دار شخصیت کے مالک تھے۔ آپ ناموس اہل بیت اور ناموس صحابہ رضی اللہ عنہم کے بے لوث وکیل تھے۔ آپ کی زندگی کا ایک ہی مقصد تھا کہ صحابہ کرام کی عظمت اور ان کے صحیح مقام کی شناخت اور امت مسلمہ کو یہ باور کرانا تھا کہ خلفائے راشدین، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت آپس میں شیر و شکر تھے اور ان کے درمیان کسی قسم کا کوئی اختلاف نہ تھا۔ آپ کی تاحیات کوشش رہی کہ ان برگزیدہ ہستیوں سے قلبی ارادت و عقیدت دوبارہ دلوں میں پیدا ہو جائے۔ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ عقیدہ ختم نبوت کی ترجمانی، عظمت اصحاب و اہل بیت رسول اور دینی اقدار کے تحفظ کی صدائیں لگاتے رہے۔

آپ علم و عرفان کے جید عالم باعمل، سچے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور محب اہل بیت اور خلفائے راشدین کے شیدائی تھے جو آسمان رشد و ہدایت پر آفتاب و مہتاب بن کر چمکے۔ آپ کی مذہبی، ملی، علمی اور دینی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ حضرت مولانا بظاہر ایک فرد تھے مگر حقیقت میں ایک ادارہ، ایک انجمن اور دینی علوم کا ایک منبع و مخزن تھے۔ آپ صاحبِ معرفت، اہل شریعت اور علوم ظاہری و باطنی میں یگانہ روزگار تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا کو علم کی دولت سے مالا مال فرمایا تھا، علم و فضل اور پیغمبرانہ اخلاق کے بغیر کوئی بھی شخص اس اعلیٰ منصب کا اہل قرار نہیں پاتا۔ حضرت نے صرف نسبتوں پر اکتفا کر کے تن آسانی سے راحت و آسائش کی زندگی اختیار نہیں کی بلکہ اکتساب علم و فن کے لیے اپنے تن من دھن کو ہمہ تن مصروف رکھا۔ ہم نے دیکھا کہ ایک ایک حوالہ کی تصدیق کے لیے سالہا سال لگ جاتے تھے۔ لیکن غیر مصدقہ ایک لفظ بھی نقل نہ فرماتے۔ قلم کو آئینہ علم سمجھتے ہوئے اس کا خوب اور محتاط استعمال کیا۔ آپ نے متعدد کتب تصنیف کیں جن کے مطالعہ سے دل و دماغ کے دریچے کھلتے چلے جاتے ہیں اور روح کو دائمی سرشاری نصیب ہوتی

ہے۔آپ کے خلوص اور تقویٰ ہی کا نتیجہ ہے کہ آج ان کی تصانیف پوری دنیا میں اتنی مقبول ہوئی ہیں کہ آپ کے سخت ترین مخالفین بھی معترف ہیں۔ بے شمار لوگ ان کی کتب سے استفادہ کے بعد جب ان سے ملاقات کے لیے پہنچتے تو حیران رہ جاتے کہ اتنا دبلا پتلا سادہ درویش نے اتنا بڑا کام کیسے کیا۔

حضرت مولانا محمد نافع انتہائی متقی، پرہیزگار اور ملن ساز تھے۔اپنے بڑے بھائی ولی کامل حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب رحمہ اللہ کی طرح جامعہ کی کوئی بھی چیز اپنے استعمال میں لانا تو درکنار اسے دیکھنا بھی گوارہ نہ تھا۔طلبہ اور دیگر ضرورت مندوں کی اپنی توفیق کے مطابق اپنی جیب سے مدد کیا کرتے تھے۔ ہر آدمی کی دلجوئی اور مطمئن کر کے واپس جانے دیتے تھے۔نمود و نمائش اور شہرت کے کاموں سے ہمیشہ دور رہتے تھے۔ ہر آنے والے شخص سے اپنے لیے دین اسلام اور آخرت کی کامیابی کے لیے دعاء کی درخواست ضرور کرتے تھے۔ میں نے کبھی بھی آپ کو خلاف سنت اور خلاف شروع کوئی کام کرتے نہیں دیکھا۔

میاں محمدی جوان کا پورا خاندان اور پھر ہر خاندان کا ہر فرد غریب نواز ہے۔ ہر دور میں اس خاندان نے کسی نہ کسی حیثیت سے ہر آدمی کو کسی نہ کسی صورت میں غریب نوازی سے مستفید فرمایا۔ میرے چچا جان (حافظ دوست محمد نابینا مرحوم) تقریباً ۱۹۵۵ء کے دوران محمدی شریف کے بزرگوں کی شہرت سن کر حصول علم کی غرض سے بکھر بار (شاہ پور صدر ضلع سرگودھا) سے محمدی شریف گئے اور وہیں سے قرآنِ مجید حفظ کیا۔ پھر تاحیات محمدی شریف کے ہو کے رہ گئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ محمدی شریف کا ہر آدمی ان کو اپنا بھائی، بیٹا اور اپنے خاندان کا فرد سمجھتا تھا۔ اسی لیے حضرت مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ اور خاص کر حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ بھی چچا جان کو بے حد عزیز جانتے تھے اور ان سے بھائیوں جیسا پیار اور محبت کا سلوک فرماتے تھے۔ چونکہ محمدی شریف کے ہر گھر کا کوئی نہ کوئی فرد حافظ قرآن ہوتا تھا اس لیے ان کو شوق پیدا ہوا کہ وہ بھی اپنے خاندان کے کسی فرد کو قرآن مجید حفظ کرائیں۔اسی نیت سے وہ مجھے ۱۹۶۸ء میں محمدی شریف لے گئے اور جامعہ محمدی شریف کے شعبہ حفظ میں قاری غلام محمد صاحب رحمہ اللہ آہیر (جو لکھنو کے فارغ التحصیل مستند قاری تھے) کے پاسِ داخل کرا دیا۔لوگوں کو بڑے فخر سے بتاتے کہ یہ میرا بھتیجا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی محمدی شریف کے تمام لوگ مجھے حافظ دوست محمد نابینا کا بھتیجا کہہ کر پکارتے اور پہچانتے ہیں۔اسی دوران میرا حضرت مولانا محمد نافع صاحب کے پاس آنا جانا ہوا۔ہر روز نماز عصر کے بعد بندہ جامعہ کے کتب خانہ میں حاضر خدمت ہوتا اور جو خدمت ہوتی انجام دیتا۔ یہ سلسلہ ۱۹۷۹ء تک جاری رہا۔

## چچا جان کی وفات اور حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ

میرے چچا جان (حافظ دوست محمد نابینا جو کہ غیر شادی شدہ تھے) تقریباً ۴۵ سال کی عمر میں مؤرخہ ۳/ جون ۱۹۷۳ء کو موضع ''دورھتہ'' (نزد محمدی شریف) کے قریب خیر آباد میں قضائے الٰہی سے انتقال فرما گئے تھے۔ بندہ ان دنوں قرآنِ مجید مکمل حفظ کر چکا تھا۔ ظہر کی نماز کے بعد مجھے بتایا گیا کہ میرے چچا جان انتقال فرما گئے ہیں۔ قاری غلام محمد صاحب اور دیگر ساتھیوں کے ہمراہ خیر آباد پہنچے۔ اس وقت وہاں چچا جان کی نمازِ جنازہ پڑھی جارہی تھی۔ نمازِ جنازہ کے بعد میت کو محمدی شریف لایا گیا۔ محمدی شریف میں تدفین کے تمام انتظامات حضرت مولانا نے اپنی نگرانی میں کروائے تھے۔ کچھ احباب نے کہا کہ تدفین بکھر بار (شاہ پور صدر ضلع سرگودھا) کی جائے تو مولانا نے اس کی مخالفت کی اور نمازِ جنازہ سے لے کر تدفین تک تمام امور اپنی نگرانی میں مکمل کرائے اور تدفین اپنے ہاتھوں سے محمدی شریف کے قبرستان میں ہی کروائی۔ اس دن حضرت مولانا اتنے غمگین تھے جیسے اپنا حقیقی بھائی ان سے جدا ہو گیا ہو۔ اگلے دن صبح خود محمدی شریف کے کچی مسجد میں تشریف لائے اور فاتح خوانی میں شریک رہے۔ پھر مجھے اپنی اپنی نگرانی میں حافظ دوست محمد ڈھڈی کے ہمراہ بکھر بار روانہ کیا۔ اس طرح دوسرے دن میرے والدین کو چچا جان کی وفات کا علم ہوا۔

کچھ دنوں کے بعد میرے والد صاحب اور دادی جان مجھے محمدی شریف چھوڑنے آئے حضرت مولانا محمد نافع صاحب نے دادی جان اور والد صاحب کے لیے صبر جمیل کی دعائیں دیں اور ان کی خوب خاطر تواضع کی اور جاتے ہوئے ان کو پانچ روپے دیئے اور میرے ہر طرح کی کفالت کا ذمہ داری لی۔ اسی طرح حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب رحمہ اللہ نے بھی والد صاحب کو تسلی دیتے ہوئے میرا خیال رکھنے کی یقین دہانی فرمائی اور پانچ روپے نقد دے کر محمدی شریف سے رخصت فرمایا۔

چچا جان کی وفات کے بعد ولیٔ کامل، غریب نواز حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب اور حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ نے اپنے بچوں کی طرح میری پرورش فرمائی۔ ہمیشہ شفقت اور محبت و دلجوئی کا معاملہ روا رکھا۔ اور کبھی کسی چیز کی کمی محسوس نہ ہونے دی۔ اسی طرح محمدی شریف کے تمام احباب نے مجھے چچا جان کی جدائی محسوس نہ ہونے دی۔ اس کے بعد بندہ ۱۹۷۹ء تک جامعہ محمدی شریف میں زیر تعلیم رہا۔

## راقم الحروف کی نوکری میں کوشش اور تعاون

مارچ ۱۹۷۹ء میں میٹرک کے امتحان سے فارغ ہو کر بندہ کچھ دن محمدی شریف میں قیام کے بعد روزگار کی تلاش میں فیصل آباد چلا گیا اور مولانا محمد یعقوب اخلاقی صاحب، قاری عبدالقیوم صاحب، قاری محمد سلیمان

صاحب (سابقہ مدرسین جامعہ) سے مل کر نوکری تلاش کرتا رہا۔ آخر کار قاری عبدالقیوم صاحب نے مجھے ستیانہ روڈ پر ایک مسجد میں بطور موذن تقرری کروا دی، جسے میں نے غنیمت جانا اور یہاں مجھے ۱۵۰ روپے مشاہرہ ملتا تھا۔ اس دوران میرے استادِ محترم قاری غلام محمد صاحب کا اپنی زمین کے کیس کے سلسلہ میں لاہور جانا ہوا اور ان کی ملاقات میاں محمد اسلم جان صاحب سے گلبرگ میں ہوئی۔ قاری صاحب کی شہرت میاں صاحب پہلے ہی سن چکے تھے کہ وہ لکھنو کے مستند قاری ہیں۔ میاں صاحب نے ان سے کہا کہ آپ ہمارے بچوں کو گھر پر قرآنِ مجید حفظ کرائیں۔ ہم آپ کی بھرپور خدمت کریں گے۔ لیکن قاری صاحب نے اپنی گھریلو مجبوریوں کی بنا پر معذرت کرلی۔ تاہم انھوں نے کہا کہ ہم آپ کو اپنے ایک شاگرد قاری صاحب مہیا کردیتے ہیں جو کہ آپ کے معیار پر پورا اترے گا۔ (غالباً ان کا اشارہ میری طرف تھا) میاں صاحب نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ اس کو میرے پاس بلائیں۔ قاری صاحب نے اس کا ذکر حضرت مولانا محمد نافع صاحب سے کیا اور فرمایا کہ میاں اسلم صاحب کو فوری طور پر ایک ایسے اچھے قاری کی ضرورت ہے جو قرآنِ مجید کے ساتھ ساتھ اردو، انگریزی اور حساب بھی پڑھا سکے۔

چنانچہ میری تلاش شروع کردی گئی۔ حافظ محمد یار ہرل کو میرے گاؤں (بکھر بار) بھیجا۔ میرے والدین نے کہا کہ وہ محمدی شریف گیا تھا۔ اس کے بعد ہمیں کچھ علم نہیں۔ پھر مولانا صاحب کو کسی نے بتایا کہ وہ فیصل آباد میں مولانا یعقوب اخلاقی صاحب یا قاری عبدالقیوم صاحب کے پاس ہوسکتا ہے۔ مولانا نے قاری سلیمان صاحب کے ذمہ لگایا کہ اس کو تلاش کر کے میاں اسلم صاحب کے پاس لاہور لے جاؤ۔ قاری صاحب نے حافظ محمد انور (جو کہ فیصل آباد میں ہی نوکری کرتے تھے) کے ذمہ لگایا کہ وہ مجھے تلاش کرے۔ پہلے وہ یعقوب اخلاقی صاحب کے پاس گئے۔ انھوں نے قاری عبدالقیوم صاحب کا پتہ دیا۔ اس طرح حافظ انور صاحب (گلبرگ فیصل آباد) قاری عبدالقیوم صاحب کے پاس گئے اور ان ساری صورت حال سے آگاہ کیا۔ قاری صاحب نے کہا وہ ابھی تھوڑی دیر پہلے یہاں سے ستیانہ روڈ والی مسجد میں گیا ہے۔ وہ جا کر اس سے مل لیں۔ حافظ صاحب جب مسجد پہنچے تو میں موجود نہیں تھا۔ شام کو مجھے پیغام ملا کہ میں قاری سلیمان صاحب کو (دربار غوثیہ ڈی گراؤنڈ) ملوں۔ چنانچہ میں اسی روز عشاء کی نماز کے بعد قاری صاحب کے پاس چلا گیا۔ اور قاری صاحب نے ساری صورت حال سے آگاہ کیا۔ اگلے دن قاری سلیمان صاحب کے ساتھ لاہور جانے کا پروگرام بنا۔ اس طرح قاری صاحب اپنے خرچہ پر مجھے لاہور لے کر آئے۔ رات جی او آر

تھری کی مسجد میں نصرت علی اثیر، حافظ عبدالرحمن، ڈاکٹر غلام محمد کھچی کے ہاں گزاری اور اگلے روز صبح کی نماز کے بعد قاری صاحب مجھے لے کر میاں محمد اسلم جان صاحب کے پاس 80-B-iii گلبرگ پہنچے۔ مجھے کہا گیا تھا کہ آپ نے تنخواہ کی کوئی بات نہیں کرنی۔ میاں صاحب بہت اچھے آدمی ہیں آپ کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے۔ چنانچہ میاں اسلم صاحب نے بچوں کو حفظ کرانے کے لیے مجھے اپنے پاس رکھ لیا۔ تقریباً ایک ماہ بعد کھانا اور رہائش کے علاوہ میاں صاحب نے مجھے جون ۱۹۷۹ء کو ۴۰۰ روپے مشاہرہ دیا جو کہ میں نے میاں سلیمان صاحب کے ذریعے پوری رقم والد صاحب کے نام منی آرڈر کر دی۔ جب یہ میرے والد صاحب کو ملی تو ان کو یقین نہ آیا اور لوگوں سے کہا یہ رقم کسی نے میرے بیٹے سے فراڈ کر کے رقم مجھے بھیجی ہے۔ کیونکہ وہ اتنے پیسے نہیں کما سکتا۔

تقریباً دو اڑھائی سال بعد جب میاں صاحب کے بچے قرآنِ مجید حفظ کر چکے تو میں پھر نوکری کے لیے پریشان ہو گیا، اس دوران بھی حضرت مولانا میرے نوکری کی بھرپور کوشش فرماتے رہے، صاحبزادہ میاں مختار احمد عمر کو حکم دیا کہ حافظ صاحب کے لیے نوکری تلاش کرو۔ چنانچہ میاں مختار صاحب نے اس سلسلہ میں بہت تگ و دو کی۔ بے شمار لوگوں سے نوکری کے لیے کوشش کرتے رہے۔ ان دنوں میاں مختار صاحب کے استاذ مولانا سید محمد متین ہاشمی صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ بہت اچھے مراسم تھے۔ میاں صاحب نے میری نوکری کے لیے قبلہ ہاشمی صاحب اور ان کے صاحبزادہ سراج منیر صاحب سے بات کی دونوں حضرات نے نوکری دلوانے کا وعدہ کیا۔ قبلہ ہاشمی صاحب نے وعدہ فرمایا کہ انشاء اللہ جونہی کوئی جگہ نکلے گی تمہیں نوکری مل جائے گی۔ چنانچہ قبلہ ہاشمی صاحب نے کوشش کر کے اپنے زیر سایہ ریسرچ سیل دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری میں جولائی ۱۹۸۲ء میں بطور جونیئر کلرک اردو ٹائپسٹ بھرتی کر لیا۔ پھر اگلے سال اگست ۱۹۸۳ء میں میرے ساتھ میرے چھوٹے بھائی شان محمد کو لائبریری میں بھرتی کر کے ہمیں نوکری میں مستقل کر دیا گیا۔ اس طرح حضرت مولانا محمد نافع صاحب کی خصوصی توجہ، شفقت غریب پروری اور مہربانی سے ہم برسرِ روزگار ہو گئے۔ اس کے بعد ہمارے خاندان کی آئندہ بھی کئی نسلیں بدل گئیں۔

حضرت مولانا محمد نافع صاحب کی غریب پروری، شفقت اور احسان مندی سے میری بلکہ میرے پورے خاندان کی قسمت ہی بدل گئی۔ اس وقت الحمد للہ ہم تینوں بھائی لاہور اچھی ملازمتوں میں تعینات ہیں اور اپنے اپنے مکانوں میں پُرسکون زندگی گزار رہے ہیں۔ میری تینوں چھوٹی ہمشیرگان کے بھی لاہور اپنے اپنے مکان ہیں اور ان کی اولادیں بھی لاہور میں برسرِ روزگار ہیں۔ آج مجھ جیسا غریب ابن غریب

جس مقام پر ہے یہ صرف اور صرف وکیل صحابہ حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کے طفیل اور ان کے وسیلہ جمیلہ سے ہے۔ میرا پورا خاندان محسن ملت حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب رحمہ اللہ، حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ، محمدی شریف کے تمام احباب اور حضرت قبلہ مولانا سید محمد متین ہاشمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے احسانات کا بدلہ کبھی نہیں چکا سکتا۔

حضرت مولانا کو شاہ پور کے نام سے بڑی محبت تھی اور مجھے ہمیشہ حافظ احمد یار شاہ پوری کے نام سے پکارتے اور یاد فرمایا کرتے تھے۔ ہمیشہ خط و کتابت میں شاہ پوری کے نام سے یاد فرماتے۔ ہمیشہ خط کا جواب ضرور ارسال فرماتے۔ یہ بھی ان کی بندہ نوازی ہے۔

تیری قربت پہ کیوں نہ ہم فخر کریں
ناچیز ہوتے ہوئے بھی بنایا ہم سفر ہم کو

## احقر کی شادی میں شرکت

میری معلومات کی حد تک حضرت محمدی شریف میں بھی شادی بیاہ میں بہت کم شرکت فرمایا کرتے تھے۔ اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ آج کل شادی بیاہ میں ہونے والی رسومات کے سخت خلاف تھے۔ نومبر ۱۹۹۰ء میں بندہ نے اپنی شادی خانہ آبادی کا دعوت نامہ محمدی شریف بھیجا تھا۔ اتفاقاً عین شادی سے ایک دن پہلے آنجناب لاہور تشریف لائے۔ دن کو دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری تشریف لائے۔ میں تو لائبریری سے چھٹی پر تھا البتہ چھوٹا بھائی شان محمد لائبریری میں موجود تھا۔ شان نے حضرت صاحب سے کہا کہ آج آپ بھائی کی شادی میں شرکت کے لیے ہمارے گھر تشریف لائیں۔ حضرت نے فرمایا کہ چونکہ شادی میں خرافات ہوتے ہیں اس لیے میں شادی میں شریک نہیں ہوسکتا۔ جب شان نے یقین دلایا کہ ہمارے ہاں دیگر لوگوں کی طرح خرافات اور شور شرابہ نہیں ہے تو آنجناب شادی میں شرکت کے لیے تیار ہوگئے۔ رات الحمد للہ ہمارے غریب خانہ پر بسر کی۔ رات کو دوران عبادات خوب دعاء مانگی۔ اس طرح ۲۳ نومبر ۱۹۹۰ء ہمارے لیے ڈبل خوشی کا دن ثابت ہوا اور ہماری خوش بختی کی انتہا نہ رہی۔

## کتاب کی قیمت لینے سے انکار پر ناراضگی

ایک دفعہ حضرت کو ایک کتاب کی تلاش تھی۔ لاہور کے ایک کتب خانہ سے مطلوبہ کتاب مل گئی۔ بندہ نے وہ کتاب فوٹو سٹیٹ کے بعد جلد بندی کروا کر حضرت کی خدمت میں پیش کی۔ آپ کتاب دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور مجھے خوب دعاؤں سے نوازا۔ مجھے بھی بہت خوشی ہوئی کہ میری محنت میرے کام آئی۔ آج

کے دور کا کوئی عام قسم کا علامہ، مفتی یا مفکر اعظم ہوتا تو دعاؤں تک ہی محدود رکھتا۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ میں قیمت ادا کیے بغیر کتاب نہیں لوں گا۔ بندہ نے درخواست کی کہ یہ سب کچھ آپ کی کوشش اور دعاؤں کا صدقہ ہے۔ لہٰذا آپ کتاب کی قیمت پر اسرار نہ فرمائیں۔ اس پر آپ مجھ سے سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ مجھے اس طرح کی کتاب نہیں چاہیے۔ آخر کار مجبوراً مجھے اس کی قیمت آپ سے لینا پڑی۔ اس طرح آپ نے پوری زندگی میں کسی بھی جاننے والے دوست، رشتہ دار، طالب علم سے کوئی ذاتی فائدہ اٹھانا گوارہ نہ کیا۔

## مہمان نوازی

مہمان نوازی میاں محمدی جوان کے خاندان کا طرہ امتیاز ہے۔ حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ میں یہ خصوصیت سب پر حاوی تھی۔ آپ کے پاس جس حیثیت سے بھی دور یا قریب سے کوئی آدمی آتا تو سب سے پہلے اس سے کھانے کا پوچھتے۔ بندہ جب بھی لاہور سے محمدی شریف جاتا تو سب پہلے گھر والوں کا حال پوچھتے۔ خاص کر والد صاحب کی خیریت ضرور معلوم کرتے۔ پھر خود یا کسی صاحبزادہ کو بھیج کر گھر سے کھانا منگواتے اور کچھ کھلائے پلائے بغیر کہیں جانے نہ دیتے۔ ایک دفعہ جب میں ان سے ملنے گیا تو شام کا وقت تھا۔ مجھے حکم دیا کہ رات کا کھانا تم نے کہیں نہیں کھانا۔ میں گھر سے لاؤں گا۔ اتفاق سے مجھے دوست احباب سے کو ملتے ملتے کافی دیر ہوگئی۔ لوگوں نے مجھے بتایا کہ حضرت مولانا آپ کا کھانا لے کر کئی بار میاں طیب صاحب کی بیٹھک پر آئے تھے۔ جب میں بیٹھک پر گیا تو حضرت مولانا کھانا لیے انتظار فرما رہے تھے۔ ہمیشہ یہی ہوتا کہ جب تک آپ کی تسلی نہ ہوجاتی کہ میں نے کھانا کھا لیا، آپ کو چین نہیں آتا تھا۔ بعد میں بھی جب آپ چلنے سے معذور ہوگئے تھے تو اپنے کسی گھر والے یا خادم کو حکم دیتے کہ فوراً حافظ صاحب کے لیے گھر سے کھانا لاؤ۔ جب میں کھانے سے فارغ ہو جاتا پھر بھی آپ کو تسلی نہ ہوتی جب تک مجھ سے پوچھ نہ لیتے کہ آپ نے کھانا کھالیا ہے؟ لاہور سے جب بھی کوئی آدمی آپ کو ملنے جاتا تو اپنے ملنے والے سب احباب کی فرداً فرداً سب کا نام لے کر خیریت دریافت کرتے۔ بندہ ناچیز کا نام سرفہرست ہوتا۔

## مولانا کے اخلاص کا ایک واقعہ

۱۹۷۶ء میں حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب رحمہ اللہ کی وفات کے بعد جامعہ کے ناظم عمومی کے انتخاب پر کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ ناظم عمومی مولانا محمد نافع صاحب کو بننا چاہیے۔ کیونکہ مولانا ذاکر صاحب رحمہ اللہ اپنی حیات مستعار میں جامعہ محمدی شریف سے غیر حاضری کے دوران جامعہ کے تمام انتظامی معاملات آپ کے سپرد کر کے جایا کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی آپ ہر لحاظ سے اس کے لیے موزوں ترین شخصیت تصور کیے

جاتے تھے۔ جامعہ محمدی شریف کے نئے ناظم عمومی کی نامزدگی کے لیے حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ، سجادہ نشین آستانہ عالیہ سیال شریف (ضلع سرگودھا) کی زیرِ صدارت اجلاس ہو رہا تھا اور اس اجلاس میں حضرت پیر کرم شاہ صاحب بھی شریک تھے۔ اکثریت مولانا رحمت اللہ صاحب کو جامعہ کا ناظم بنانے کی حامی تھی۔ کچھ کا خیال تھا کہ مولانا محمد نافع صاحب ناظم عمومی کے لیے زیادہ موزوں ہیں۔ جبکہ مولانا نافع صاحب اس سے لاتعلق تھے۔ اسی دوران جامعہ کے ایک طالب علم حافظ غلام حسین مولانا نافع صاحب کے پاس گئے اور کہا کہ حضرت ہم آپ کے ساتھ ہیں، آپ آگے آئیں، بے شمار لوگ آپ کو ناظم بنانے کے حامی ہیں۔ اس بات پر حضرت مولانا سخت طیش میں آگئے اور حافظ غلام حسین کو سخت ڈانٹا اور فرمایا کہ چلے جاؤ یہاں سے! اس طرح جامعہ محمدی شریف اور خاندان آپس کے انتشار اور فتنہ وفساد سے محفوظ رہا۔ یہ واقعہ حافظ غلام حسین صاحب نے دیال سنگھ لائبریری میں بے شمار محمدی شریف کے متعلقین سمیت مجھ سے بھی بیان کیا تھا۔

ایک دفعہ بچوں کے لیے کچھ کپڑے وغیرہ خریدنے کی غرض سے مجھے ساتھ لے کر انارکلی تشریف لے گئے۔ مختلف دوکانوں پر کپڑے پسند کرتے۔ جب کوئی چیز پسند ہوتی تو اس کی قیمت بہت زیادہ ہونے وجہ سے اس کو ترک فرما دیتے۔ میں نے گزارش کی کہ پیسے میں دے دیتا ہوں۔ آپ یہ خرید لیں تو آپ اس پر راضی نہ ہوئے۔ آخر کار ایک ریڑھی والے سے بچوں کے لیے کپڑوں کی خریداری کر کے واپس آگئے۔ لیکن مجھ سے بطور ادھار پیسے لینا بھی گوارہ نہ کیا۔ لاہور میں مختلف اصحاب سے ملاقات کے لیے جاتے وقت بندہ ناچیز کو ساتھ لے جاتے تھے۔ دورانِ سفر ہمیشہ سواری کے تمام اخراجات اپنی جیب سے ادا کرتے تھے۔

## تصانیف میں تغیّر وتبدل کی سختی سے ممانعت

میاں محمد اسلم جان صاحب ذیلدار، ناظم جامعہ فتحیہ اچھرہ لاہور جو کہ علماء کے بہت قدر دان اور خادم تھے حضرت مولانا محمد نافع صاحب کی دل و جان سے عزت واحترام کرتے تھے نے کہا کہ مولانا کی تصانیف اور تحریریں بہت پرانی طرز کی ہیں اور ان میں تکرار بہت زیادہ ہے۔ اس لیے ان میں وقت کے ساتھ ساتھ ان میں جدت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ نیز ان میں جو تکرار ہے اس کو بھی ختم کیا جانا چاہیے۔ یہ کام میں اپنے خرچہ پر کرانے کو تیار ہوں۔ جب اس کا ذکر حضرت مولانا سے کیا گیا تو آپ نے اس کی سختی سے مخالفت کی اور فرمایا کہ میری تصانیف اور تحریرات میں کبھی بھی تغیر وتبدل نہ کیا جائے۔ [1]

---

[1] مناظرانہ مباحث اور تحقیقی کام کی ایک اپنی نوعیت، مقصد اور ضرورت ہوتی ہے، اور ایسے کام میں تکرار کا ہونا کوئی عیب یا نقص نہیں نیز ہر وہ تکرار جو نئے دعوی و دلیل یا الزام وتحقیق میں آئے وہ ''تکرار'' نہیں کہلاتا۔ یہ بات مصنف ہی جانتا ہے کہ اس نے کونسی بات کہاں اور کتنی بار درج کر کے خصم پر حجت قائم کرنی ہے؟ سلفی

# ایک درویش کا سفرِ آخرت

حضرت مولانا محمد نافع صاحب کا جنازہ ایک ناقابل فراموش جنازہ تھا جس سے دنیا میں اصلی حکومت کی جھلک دیکھی جا رہی تھی۔ پتہ چل رہا تھا کہ اصلی حکمران وہ نہیں ہوتے جو اقتدار کے ایوانوں میں بیٹھ کر حکم جاری کرتے ہیں۔ اصلی حکمران تو وہ ہوتے ہیں جو لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسے ہی بے مثال انسان کا جنازہ تھا جو تمام عمر اقتدار کے ایوانوں سے دور رہا لیکن لوگوں کے دلوں میں حکومت کرتا تھا۔ میری گنہگار آنکھوں نے بڑے بڑے لوگوں کے جنازوں میں بڑے بڑے ہجوم دیکھے ہیں لیکن میں نے اور آپ نے کسی ایسے جنازے میں اتنے انسان نہیں دیکھے ہوں گے [1] جس کی وفات کی خبر نہ کسی ٹی وی چینل کے لیے بریکنگ نیوز تھی اور نہ ہی کسی بڑے اخبار کے صفحہ اول کی زینت بن سکی۔ ۳۱ دسمبر ۲۰۱۴ء کو بندہ جب محمدی شریف کے قبرستان سے تھوڑا پہلے کئی ایکڑ پر محیط کھلے میدان میں پہنچا تو حضرت مولانا کی نماز جنازہ کا اہتمام کیا جا رہا تھا۔ پھر جب محمدی شریف پہنچا تو آپ کا جسد خاکی جامعہ کی مسجد کے سامنے گراؤنڈ میں دیدار کے لیے رکھا گیا تھا۔ دور دراز سے آئے لوگ قطار میں کھڑے ہو کر آپ کا دیدار کر رہے تھے۔ مسجد کے اردگرد گراؤنڈ انسانوں سے بھر چکے تھے اور ملک بھر سے لوگوں کے آنے کا سلسلہ جاری تھا۔ خیال تھا کہ مسجد کے گرد گراؤنڈ میں ہی جنازہ پڑھایا جاسکتا ہے تو صاحبزادہ میاں غلام ابوبکر صدیقی صاحب نے فرمایا کہ یہ جگہ ناکافی ہے۔ پھر نماز ظہر کے بعد جنازہ کے لیے کھلے میدان میں لایا گیا۔ جنازہ کے مقام پر پہنچا تو آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ یہ انسانوں کا سمندر تھا جو ٹھاٹھیں مارنے کے بجائے غم اور افسردگی کی تصویر بنا ہوا تھا۔ انسانوں کا سمندر دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا کہ میڈیا کی طاقت کے دعوے فریب کے سوا کچھ نہیں۔ جنازے میں انسانوں کی سمندر کی موجودگی دراصل خلقِ خدا کی طرف سے میڈیا کی طاقت سے انکار کا اعلان تھا۔ اصل طاقت ان لوگوں کے پاس نہیں ہے جو میڈیا پر نظر آتے ہیں۔ اصل طاقت ان لوگوں کے پاس ہے جو طاقت حاصل کرنے کی خواہشات سے آزاد رہ کر لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتے ہیں۔ مولانا نے تمام عمر علم کی روشنی پھیلائی اور ان کا جنازہ بھی یہ روشنی پھیلا رہا تھا۔ آپ نے تمام زندگی درویشوں کی طرح گوشہ نشینی میں گزاری لیکن جنازے پر پتہ چلا کہ وہ تو اپنے وقت کے بہت بڑے حاکم تھے جو لاکھوں کروڑوں کے دلوں پر حکومت کرتے تھے اور لوگ اپنے اس حکمران سے ٹوٹ کر محبت کرتے تھے۔

---

[1] فاضل مضمون نگار کی معلومات کی حد تک اس کی تائید ہو سکتی ہے۔

حضرت مولانا کے جنازہ میں لوگ دور دور سے آئے ہوئے تھے۔ پشاور، راولپنڈی، لاہور، سرگودھا، فیصل آباد، ملتان، ڈیرہ اسماعیل خان، بہاولپور، کوئٹہ اور کراچی وغیرہ کے دور دراز علاقوں کے لوگ بڑی تعداد میں محمدی شریف میں پہنچ چکے تھے۔ بے شمار لوگ مرحوم کی مغفرت کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو بھی بخشوانے آئے تھے۔ لوگوں کا خیال تھا کہ مولانا صرف ایک عالم دین نہیں بلکہ ولی اللہ تھے اور ولی اللہ کے جنازہ میں شرکت سے ان کے گناہ بخشے جائیں گے۔ ہر آدمی حضرت مولانا سے لوگوں کی عقیدت اور محبت دیکھ کر حیران تھا۔ جنازہ میں شریک ہزاروں لوگ ایسے تھے جو مولانا کو وفات سے پہلے جانتے تک نہ تھے۔ بھلوال ضلع سرگودھا سے آئے ہوئے ایک آدمی سے پوچھا کہ آپ مولانا کو کب سے جانتے ہیں؟ تو اس نے بتایا کہ میں مولانا کو بالکل نہیں جانتا تھا۔ آج صبح ایک دوست نے مجھے بتایا کہ آج ایک بہت بڑا عالم اور صوفی دنیا سے رخصت ہوگیا ہے، تو میں ثواب کی نیت سے جنازہ میں شرکت کے لیے پہنچا ہوں بے شمار لوگوں سے پوچھا گیا کہ کیا آپ ان کے شاگرد ہیں؟ زندگی میں کبھی ان سے ملے ہیں؟ تو اکثریت کا جواب نفی میں تھا۔ بتا رہے تھے کہ ہم صرف ایک ولی اللہ کے جنازہ میں ثواب کی نیت سے آئے ہیں۔

مرنے والے مرتے ہیں فنا ہوتے نہیں
یہ حقیقت میں کبھی ہم سے جدا ہوتے نہیں

# اہل سنت کی آبرو!

مولانا عامر شہزاد علوی

امام کے پیچھے کھڑی پہلی صف میں جتنے اصحابِ شعور اور اہلِ علم و دانش کھڑے ہوتے ہیں انھیں اس بات کا ہر گھڑی احساس ہوتا ہے کہ اگر خدانخواستہ امام کو کوئی عذر پیش آگیا تو وہ ہم میں سے کسی کا ہاتھ تھام کے اسے اپنا نائب بنا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: نماز کی حالت میں تم میں سے میرے نزدیک وہ لوگ کھڑے ہوں جو علم و دانش والے ہوں۔

آج ہم جس صورت حال سے دو چار ہیں وہ بعینہ نماز والی ہے۔ ان دس سالوں میں کتنے اکابر ملت ہم سے رخصت ہوگئے اور کتنے مظلومانہ طریقے سے شہید کیے گئے۔ ان میں سے ایک ایک عالم دین شریعتِ مصطفوی کا محافظ، علَم بردار اور جانباز تھا۔ خدا تعالیٰ نے انھیں کیا کیا صلاحیتیں اور کیسی کیسی استعدادیں عطا کی تھیں وہ دینِ اسلام کی بقا و بہبود اور مسلمانوں کی فلاح و صلاح کے لیے اپنے اپنے دلوں میں کیسے کیسے منصوبے بنائے ہوئے تھے اس کا علم صرف علیم بذات الصدور کو ہے اور تھوڑا بہت ان لوگوں کو ہوگا جن کا ان سے کسی بھی درجے میں واسطہ اور تعلق تھا ان کے جانے سے اسلام میں جو شگاف پڑ گیا وہ قیامت تک بند نہیں ہوسکتا۔ آج دینِ اسلام میں ایسے کئی چھید ہو چکے ہیں۔

آج اپنے اکابر سے بدظن کرنے کے لیے کئی حربے اور نت نئی چالیں چلی جا رہی ہیں یہ ہماری کم فہمی اور لاعلمی ہے کہ اول تو ہم نے بڑوں کی لکھی کتب سے استفادہ نہیں کیا اور جو جو اعتراضات ان اذہانِ جدیدہ میں شیطان ڈالتا ہے ان کے جوابات برسوں پہلے ہمارے اکابر زبانی اور تحریری طور پر دے چکے ہیں۔ چنانچہ مدمخالف پہلا کام یہ کرتا ہے کہ اکابر سے بدظن کرنے کی میٹھی چال چلتا ہے وہ کہتا ہے ہمیں براہِ راست قرآن و حدیث کا مطالعہ کرنا ہوگا اور پھر یہ دیکھنا ہوگا کہ کس کی بات قرآن و حدیث کے موافق اور کس کی مخالف ہے تو جس صف میں ہمیں جو نظر آئے ہم نے خود پہچان کرنی ہے کہ جو قرآن و حدیث کا مخالف ہے کہیں ہم اس کی صف میں تو نہیں شامل ہوگئے؟ تو یاد رکھنا چاہیے کہ جو شخص بھی اکابر کو ہٹا کے دین کا مطالعہ کرے گا وہ خود بھی گمراہ ہوگا اور دوسروں کو بھی راہِ راست سے ہٹا دے گا۔ جو علم رجال کے ذریعے آئے وہ کتابوں سے حاصل ہونے والے علم سے کئی درجے افضل ہے۔ اسی طرح جب ہم اپنے اکابر کی رہنمائی سے ہٹ کر کسی خاص نہج پر علمی تحقیق کرنا چاہیں گے تو اس راہ کے نشیب و فراز سے ناواقفیت کی وجہ سے الجھ کر رہ

جائیں گے اور رہزنوں سے اپنا دامن بچا کے منزل تک پہنچنا مشکل ہو جائے گا۔ اسی طرح دیگر مسائل میں ہمارے اکابر نے وہ سب کچھ ہمارے لیے تیار کر کے رکھ دیا ہے جسے ہم تا قیامت فریقِ مخالف کی علمی محاذ آرائی میں ایک خزانے سے کم خیال نہیں کرتے۔ اور یہ خدا کا علماء اہل سنت پر خصوصی کرم ہے کہ وہ تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف اور منطق میں کامل دسترس رکھتے تھے۔ اور جب بھی کسی گروہ یا پارٹی میں انتشار و افتراق، ضلالت و گمراہی آئی تو انہی پانچ میں سے کسی ایک سے انحراف، لاعلمی، بے اعتدالی، اور غلو کرنے سے ہی آئی جتنے گمراہ فقرے اور افراد اسلام کا لبادہ اوڑھ کر سامنے آئے ان میں یہی فکری اور نظریاتی بے اعتدالی تھی اور آپ ان لوگوں اور جماعتوں کی تاریخِ ارتقاء دیکھیں تو وہ اسلام کی بنیادوں پر کھڑی ہوگی لیکن اس کا ''زوال'' وہیں سے شروع ہو جاتا ہے جب وہ ان اصولوں کو پسِ پشت ڈال کے نئے زاویے سے سوچنا اور دین کو سمجھنا شروع کرتے ہیں۔ اسی طرح جتنے گمراہ فرقے ہوئے ان کے سامنے سکندری بننے اور ان کی روک تھام کے لیے ہر طرح کی قربانی کرنے والے صرف علماء اہل سنت ہیں۔ ہمارے اکابر ہمارے لیے سرمایۂ افتخار رہی اور ہماری عزت و آبرو کا ذریعہ ہیں اور واقعی وہ اپنے کمالاتِ علمی اور زہد و تقویٰ کی وجہ سے تھے ہی اس کے قابل لیکن خدارا ہمیں کم از کم ان کے نقش قدم پر چلنا چاہیے ان کی سی علمی لگن، شوقِ تعلم، گیرائی و گہرائی، قوتِ تفہیم، عفو و درگزر، عالی ہمتی و جواں مردی، خودی و خود داری، دنیا سے بے رغبتی، مال و حبِ جاہ سے گریز، سیرت و صورت میں موافقت، قول و فعل میں مطابقت، حُسنِ اخلاق ایثار و قربانی، خلوص و محبت، خیر خواہی و خیر سگالی، خدمتِ خلق، جذبۂ تبلیغ، میانہ روی و اعتدال، حبِ رسول ﷺ و اتباعِ سنت، احترامِ صحابہؓ و ادبِ اکابر، شیریں دہنی و خوش کلامی، کردار گری و رجال سازی، عہد حاضر کی زبان و بیان اور ماحول و کلچر، تہذیب و تمدن اور افراد سے مکمل آگاہی جیسی صفات سے متصف ہونا چاہیے۔ آج ہم اپنی طرف دیکھیں تو ان خوش نما پھولوں میں سے اکثریت سے اپنے دامن کو خالی پائیں گے۔ آج بھی آسمان وہی ہے زمین اسی طرح قائم ہے۔ بہار و خزاں، سرما و گرما اسی ترتیب سے آ رہے ہیں سورج اب بھی مشرق سے ایک نئی صبح کا اعلان کرتے ہوئے بلند ہوتا ہے سارا نظام اسی نہج پر چل رہا ہے صرف ہماری فکر منجمد، ہماری سوچ رنگ آلود اور ہماری ہمت کا پنچھی اپنے بازو شل کر چکا ہے۔ آج بھی ہمارے اکابر کی تحریرات ہمارے لیے چشم براہ ہیں۔ آج بھی ان کی افکار ہمارے ذہنوں کو تازگی دینے کے لیے تیار ہیں، ''عالم ارواح'' میں ان کا موضوعِ سخن یہی ہوتا ہے کاش! ہمارے پس ماندگان تک کسی طرح یہ بات پہنچ جائے کہ راہِ حق یہی ہے جس

کاتم اتباع کر رہے ہو اور یہ کہ صحابہ و تابعین کی روش نہ چھوڑی جائے۔

ان سطور میں حضرت مولانا مرحوم کے چند اوصاف درج کیے جاتے ہیں۔ عاجزی و انکساری ایسا وصف ہے جو لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں ''تسخیر'' کے عمل کی سی قوت رکھتا ہے۔ لیکن لوگوں کو اس عاجزی اور کسی سے دبنے والی کیفیت کے درمیان فرق کا پتا نہیں چلتا تو وہ عاجزی کے موقع پر دبے دبے نظر آتے ہیں۔ تواضع و عدم ترفع اس حالت کا نام ہے جو تکبر کی ضد ہے یعنی لوگوں کو کمتر سمجھنا اور حق بات کا انکار کرنا، ہر طبقے اور مزاج کے لوگوں کی فروتنی اور عاجزی بھی اپنے اپنے دائرۂ کار کے لحاظ سے ہوتی ہے مثلاً کوئی وڈیرہ، زمیندار ہے تو اس کی عاجزی و انکساری یہ ہے کہ وہ اپنے ملازموں، مزارعین کو گھٹیا نہ سمجھے اور انہی میں سے یا کوئی اور شخص اسے حق بات صحیح انداز سے سمجھائے تو اس کا انکار نہ کرے۔

سکول کے اساتذہ کی فروتنی یہ ہے کہ وہ طلبہ کو گھٹیا و کمتر نہ سمجھیں، طلبہ کھڑے ہو کے سبق سنائیں تو خود بھی کھڑے ہو جائیں، طلبہ میں سے اگر کسی صحیح بات کا حوالہ کوئی طالب علم دے تو اسے مان لے اس کا انکار نہ کرے۔ نچلے طبقے کے لوگوں کی عاجزی یہ ہے کہ وہ اپنے سے بالاتر لوگوں کو کنجوس، بخیل جان کر انھیں بے حیثیت نہ سمجھیں بلکہ ان کی قدر کریں کہ انھیں اللہ تعالیٰ نے ان کی ''روزی رسانی'' کا ذریعہ بنایا ہے اور جب وہ کوئی بھلی بات کہہ دیں تو اسے تسلیم کر لیں اور آگے سے حیل و حجت نہ کریں۔

علماء کی عاجزی یہ ہے کہ وہ اپنی علمی کوتاہی کو تسلیم کریں کیوں کہ جب اپنی علمی غلطی پر انسان ڈٹ جائے تو یہی ''انکارِ حق'' ہے اور عوام کو بے علم ہونے کی وجہ سے کم درجہ خیال نہ کریں۔ بلکہ اپنے اوپر ان کی اصلاح اور انھیں دین سکھانے کی ذمے داری سمجھیں اور جہاں تک ہو سکے ان سے نرمی، اُنس اور محبت سے پیش آئیں کیوں کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ جیسے انبیاء نرم خُو، عالی اخلاق، حلم و بُردباری کے پیکر تھے ان کے ورثاء کو بھی انہی صفات سے متصف ہونا چاہیے اس لیے کہ انبیاء مال و زر تو وراثت میں چھوڑ کے نہیں جاتے بلکہ ان کی میراث تو وحی الٰہی سے حاصل ہونے والا علم ہوتا ہے جیسے وہ لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔

''مولانا'' کے ہاں کوئی روک ٹوک، وقت کی پابندی، بڑے چھوٹے کا امتیاز کبھی بھی کسی وقت نہ تھا بس ان کی حویلی میں نووارد اپنا نام آنے کا مقام اور مقصدِ ملاقات واضح کرتا تو پانچ دس منٹ بعد اندر بلا لیا جاتا۔ جو علمی بات پوچھی جاتی، جتنی مستحضر ہوتی بتا دی جاتی، جس کے بارے میں لاعلمی ہوتی فوراً کہہ دیتے ''مجھے اس کا علم نہیں'' بات کرنے والا خواہ عمر میں کتنا ہی چھوٹا ہوتا اس کی بات پورے اطمینان اور سلیقے سے سنتے، اس کی گفتگو کے دوران بات نہ کاٹتے بلکہ اسے اپنی بات مکمل کرنے کا موقع دیتے تھے۔

''مولانا'' کا نفاست و نزاکت وصف بھی خوب تھا آپ سفید کُرتا و شلوار زیب تن کرتے اور سر پر کپڑے کی سفید ٹوپی رکھا کرتے تھے آخر عمر تک صفائی کا بہت اہتمام کرتے اور یہی معمول عمر بھر رہا۔ آپ اپنے علاقے کے رواج کے مطابق، حقے اور نسوار جیسی فضول اشیاء کی لت سے نا آشنا تھے۔ البتہ چائے کے عادی تھے۔ وفات سے چند ہفتے پہلے بس ایک آدھ کپ دودھ اور آدھ کپ پانی خوراک رہ گئی تھی۔ مولانا نے اتنی نقاہت و کمزوری اور جسمانی کیفیت کے باوجود رمضان المبارک کے روزے رکھے۔

لکھنے پڑھنے کے لیے روشنائی والا قلم استعمال فرماتے اور بہت صاف و شفاف اور شُستہ خط میں تحریر کے موتی پروتے۔ کرسی کا استعمال نہیں کیا چارپائی پر ہی بیٹھا کرتے، ہاں تکیے سے ٹیک جب بہت کمزوری ہوگئی تھی، لگا لیتے تھے۔ لیکن آنے والے مہمان کا لحاظ پاس خوب کرتے تھے۔ بعض دفعہ تو خود نو وارد ہی کو ترس اور رحم آجاتا کہ حضرت میری خاطر تکلیف اٹھا رہے ہیں۔ آپ کی حویلی میں داخل ہوتے ہی ہر چیز اپنی جگہ پُرسکون اور ایک خاص سنجیدہ حالت میں محسوس ہوتی ہے آپ کے کمرے کے سامنے وسیع صحن ہے جس میں نیم کے دراز قد پیڑ سایہ افگن ہیں جہاں آپ گرمیوں میں تشریف فرما ہوتے تھے۔ کمرے کے بالکل بالمقابل مسجد ہے جب تک آپ چل پھر سکتے تھے اسی مسجد میں نماز یا جماعت ادا فرماتے۔ یہ سب عمارتیں پرانی طرز کی اور بالکل سادہ وضع کی ہیں۔ ٹھاٹھ باٹھ کا خوگر اس کوچے میں قدم رکھے گا تو پہلی نظر میں وہ شاید سمجھے گا کہ یہاں غربت نہیں سادگی ہے گا ہے۔

نفسیاتی طور پر ہر انسان اس بات کا خواہش مند ہوتا ہے کہ لوگوں میں اس کا اچھا چرچا ہو ہر ایک اس کے گن گائے ہر ایک کی زبان پر اس کا ذکر خیر ہو کوئی اس پر انگلی اٹھانے اور نکتہ چینی کرنے والا نہ ہو جہاں وہ جائے اسے پذیرائی ملے لوگ اس کا استقبال کریں۔ اہل تزکیہ واحسان کی اصطلاح میں اسی نفسیاتی طلب کو ''حبِ جاہ'' یعنی مرتبے کی محبت کہا جاتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ اپنی شہرت حاصل کرنے کے لیے اپنی عزت تک داؤ پر لگا دیتے ہیں شرم و حیا کے سارے بندھن توڑ دیتے ہیں حلال وحرام، جائز و ناجائز کی ساری حدیں پھلانگ جاتے ہیں۔ اہل علم میں سے جن کا قلبی و روحانی تعلق کسی مرشد سے وابستہ نہ ہو تو وہ بہت جلد اس ابلیسی دام میں آجاتے ہیں۔ پھر وہ حق بات کو جانتے ہوئے بھی قبول نہیں کرتے۔ اور جب ان سے کوئی عاجزانہ اپیل کرتا ہے کہ آپ کی فلاں تحقیق کتاب و سنت سے متصادم ہے تو وہ اپنی شہرت کے جھنڈے کو سرنگوں تو نہیں کرتا البتہ حق سے دست بردار ہو جاتا ہے۔ آئے دن جن جن لوگوں سے نظریاتی معرکہ آرائی رہتی ہے بیشتر کا بنیادی مسئلہ یہی شہرت و نمود ہے وہ اس دیوار کو کسی صورت گرانے پر راضی نہیں ہوتے

چاہے حق کتنی ہی دور ہو جائے۔

مولانا کا یہ ''وصف'' للّٰہیت و اخلاص کی بین دلیل تھا۔ آپ کو خدا نے جو عزت و شہرت اور قبولِ عام بین العلماء والعوام عطا کیا تھا آپ اس پر بھی ہمیشہ اپنی بے بضاعتی، عاجزی، خدا کے ہاں بے مقبولیت کے خوف سے سراپا استغفار بنے رہتے اور یہی فرماتے: بس اللہ کے ہاں قبول ہو جائے! ابھی وفات سے سال بھر پہلے آپ کی کتاب ''رحماء بینھم'' کی تعریب بیروت سے تین جلدوں میں مطبوع صورت میں پاکستان آئی تو مولانا کی زبان پر یہی الفاظ تھے کہ یہ ان نفوسِ قدسیہ کی کشش اور ان کے سچے پکے ایمان کی جاذبیت ہے کہ اس کتاب کے اردو، عربی ایڈیشن کو لوگوں نے تہہ دل سے قبول کیا ہے۔ میرا اس میں کوئی کمال نہیں۔ اس کتاب کی تقریب کا بیڑہ شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ کی نگرانی میں اٹھایا گیا تھا جو بحسن وخوبی پایۂ تکمیل تک پہنچا۔

انسانی قلب ایک ایسا برتن ہے جس میں جو ہوتا ہے اس کا اظہار اعضاء و جوارح، حرکات و سکنات، گفتار و کردار سے ہوتا رہتا ہے۔ مولانا اپنے تلامذہ، محبین، مستفیضین اور منتسبین سے یہی فرمایا کرتے تھے کہ یاد رکھیے گا دین کو دنیا کمانے کا ذریعہ نہ بنایئے گا۔ چنانچہ راقم نے جب ''اخلاقِ صحابہ کرام'' کا کام ''الاصابہ فی تمییز الصحابہ'' کے ترجمے کے بعد مکمل کیا اور حضرت کے سامنے پیش کیا تو حضرت کے الفاظ تھے:

> اللہ آپ کا بھلا کرے آپ نے دین کی خدمت کی ہے اور یاد رکھنا کوئی دینی کام نمود و نمائش یا دکھلاوے کے لیے کبھی نہ کرنا، دین کو دین کی خدمت سمجھ کے کریں دنیا کمانے کے لیے نہ کریں تو وہ عند اللہ بھی مقبول ہے اللہ تعالیٰ آپ کا بھلا کرے۔ (اخلاق صحابہ کرام ص ۲۹، مطبوع، المشرق، لاہور)

آپ کے بڑے بھائی مولانا محمد ذاکر صاحب رحمہ اللہ فاضل دیوبند و بانی مدرسہ عید گاہ محمدی شریف اپنے علاقے میں ایم این اے رہے تھے۔ اس دوران کئی لوگوں نے مولانا سے کہا کہ:

> ''آپ کا حلقہ احباب وسیع ہے آپ اگر اس سیٹ کے لیے کھڑے ہوں تو فتح آپ کی رہے گی! مولانا نے فرمایا: یہ کون سی جنگ ہے، سیاست کا سارا تانا بانا جن لغویات اور دین مخالف امور پر مشتمل ہے اس سے یہی لگتا ہے کہ یہ ساری دوڑ دھوپ محض دنیا کی طلب ہے یہ دنیا اور اس کی چیزیں انھی کو مبارک، میرا راستہ یہ نہیں چنانچہ آپ نے الیکشن میں حصہ لینے سے صاف انکار کر دیا۔ اور فرمایا بھائی جان میں جو حزم و احتیاط تھی میں اس سے عاری ہوں۔''

دراصل یہ خدا کی تقسیم تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے جو کام لیا باوجودیکہ آپ کے بڑے بھائی مولانا محمد ذاکر صاحب رحمۃ اللہ علیہ علم وعمر میں آپ سے زیادہ تھے لیکن انھیں خال خال لوگ ہی جانتے ہیں جبکہ مولانا کا شہرہ ملک کے طول وعرض اور بیرون ملک تک پھیل گیا ہے۔ اور سیاسیات کے میدان میں عام لوگ ''مولانا'' کے نام سے بلکہ ان کے کام سے ناواقف و نا آشنا ہیں۔ اب دونوں کے ورثا میں مولانا کے بیٹے، پوتے اسی طرز معاشرت اسی علمی لگن اور اسی مثبت انداز میں دین کی خدمت کر رہے ہیں اور ان کے بڑے بھائی کے بیٹے مولانا رحمت اللہ صاحب سیاسیات سے وابستہ ہیں۔

ایک بار مولانا چنیوٹ ''ردّ رافضیت'' کا دورہ پڑھانے آئے کسی طالب علم کی کاپی چٹائی پر پڑی دیکھی جس پر آپ کے نام کے ساتھ ''یادگارِ اسلاف اور محقق العصر'' کے القاب درج تھے آپ نے لال سیاہی سے یہ دونوں لقب کاٹ دیے اور فرمایا: بھئی! جو مجھے خوشی پہنچانا چاہتا ہے وہ میرے نام کے ساتھ یہ القاب نہ لکھے اور جس کا ارادہ مجھے ایذاء رسانی کا ہو وہ بے شک لکھتا رہے۔ آپ حقیقت پسند انسان اور کھرے مسلمان اور صادق القول والفعل عالم دین تھے۔

## اخلاص وللّٰہیت

مسلمان کا ہر کام عبادت سے لے کر معاشرت تک، اخلاقیات سے لے کر معاملات تک، اخلاص و للّٰہیت پر مبنی ہونا چاہیے۔ جو لوگ ریا ونمود کے لیے کوئی کام کرتے ہیں ان کا کام خواہ کتنی مشقتوں کے بعد منصۂ شہود پر آیا ہو اسے دوام حاصل نہیں ہوتا وہ وقتی اور عارضی لوگوں کے ساتھ زوال پذیر ہو جاتا ہے۔ اردو ادب میں ایک نام ''بابو رام سکینہ'' کا آتا ہے انھوں نے انگریزوں کے لیے انگریزی میں اردو ادب کی تاریخ اور روداد قلم بند کی ہے۔ لیکن اب ان کا نام لیوا کوئی بھی نہیں بلکہ ان کی انگریزی کتاب کا اردو زبان میں ترجمہ کر دیا گیا ہے۔ یوں ان کی ساری محنت وکوشش وقتی اور عارضی تھی۔ مولانا شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ''تحفہ اثنا عشری'' محض اخلاص وللّٰہیت کے لکھی لیکن اس پر کسی وجہ سے اپنا نام نہیں لکھا بلکہ اپنی کنیت لکھی۔ اس دور کے کئی علماء کو وقت کی حکومت نے جواب لکھنے کو کہا لیکن علماء نے اس کا جواب لکھنے سے صاف انکار کر دیا۔ رہتی دنیا تک شاہ صاحب کی اس کتاب سے برابر استفادہ کیا جا رہا ہے۔ سرسید احمد خان نے انگریزوں کے مزاج کے مطابق تفسیر قرآن لکھی لیکن آج کوئی بھی اس تفسیر سے کوئی علمی نکات حاصل نہیں کرتا جبکہ ''تفسیر مظہری''، ''مواہب الرحمن'' نامی تفاسیر آج بھی اسی عقیدت واحترام سے پڑھی سمجھی جاتی ہیں۔

''مولانا'' میں یہ وصف بھی کمال درجے کا تھا آپ کی ہر تصنیف ہر طبقے میں بڑی قدر ومنزلت سے

پڑھی جاتی ہے اور پڑھنے والا آپ کی حق گوئی اور سچائی کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی تصانیف میں اگرچہ سادگی ہوتی ہے لیکن ان میں خاص کشش اور جاذبیت نظر آتی ہے جس کے پیچھے آپ کا اخلاص کارگر ہوتا ہے۔ آپ اپنے متعلقین کو بھی ہمیشہ اخلاص کی تلقین کرتے تھے۔

## مسلک اکابر

ہمارے اکابر علماء دیوبند حق کے پیرو اور متبع قرآن وسنت تھے۔ ان میں کہیں بھی اصول سے انحراف نہیں پایا جاتا۔ وہ اپنے علمی تفردات اور تحقیقات کو اپنے اصولوں کے سامنے کوئی حیثیت نہیں دیتے تھے۔ جہاں اکابر کی کوئی بات خلافِ تحقیق معلوم ہوتی ہے ادب کے دائرے میں رہتے ہوئے اس کی مناسب تاویل کرتے ہیں۔ یہی اعتدال کی راہ اور منزل تک رسائی کا زینہ ہے۔ انسان چاہے جتنی تحقیقات کرلے، اسباب تحقیق خواہ جیسے کیسے بھی مہیا کرلے جب تک وہ سلسلۂ رِجال کو درمیان میں نہیں لائے گا ٹھوکر کھائے گا۔ ہم تک جو دین پہنچا ہے اس کا پہلا ذریعہ رجال ہی ہیں، کتابوں کی حیثیت ثانوی ہے بیشتر مقامات پر کتابوں کے نسخوں میں غلطی واقع ہوجاتی ہے جبکہ سلسلۂ رجال سے جو بات منقول ہوتی چلی آتی ہے اس میں غلطی بہت کم واقع ہوتی ہے۔ ہوبھی تو ''لحن'' کی غلطی ہوتی ہے یعنی س کی جگہ ص یا ذ کی جگہ ز، جبکہ کتابوں میں ''تصحیف'' کی غلطی بہت نمایاں ہوتی ہے۔ مثلاً من کی جگہ ابن لکھ دیا یا وقعت کی جگہ وضعت لکھ دیا۔ اور جہاں مضمون کا مفہوم ومطلب ہی بگڑ جائے تو اسے ''تحریف'' سے تعبیر کرتے ہیں۔

''مولانا مرحوم ومغفور'' نے اپنے اکابر کے مسلک سے کبھی جداگانہ رائے نہیں رکھی بلکہ سچ تو یہ ہے کہ آپ نے کبھی نہیں فرمایا: میری یہ رائے ہے یا میری یہ تحقیق ہے اور نہ کبھی اپنی کسی تحریر میں اس بات کو عیاں ہونے دیا جب بھی فرمایا یا لکھا تو بس یہی: یہ بات میں نے فلاں استاذ سے سنی تھی یا فلاں کتاب میں پڑھی تھی، موجودہ ''مختلف فیہا'' مسائل میں انھوں جمہور ہی کی راہ اختیار کی ہے۔ ہماری معلومات کی حد تک مولانا سے منقول علمی نِکات میں ایک بھی ان کا تفرد نہیں پایا جاتا۔ اس سے بڑھ کا اکابر سے عقیدت مندی، ان کی تحقیقات پر مکمل اعتماد واطمینان کی اور کیا مثال ہوسکتی ہے؟

البتہ صحابہ کرامؓ سے آپ کو جو والہانہ عقیدت ومحبت تھی اور ان سے احترام کا جو دائرہ تھا اس حصار پر اگر کسی طرف سے زد پڑنے کا ہلکا سا شائبہ بھی ہوتا تو آپ بالکل برداشت نہ کرتے تھے برموقع اگر مخاطب سامنے ہوتا یا بذریعہ خط وکتابت اگر وہ شخص دور ہوتا ضرور متنبہ کرتے تھے۔ اکابر میں سے رجال کی کسی کتاب میں کوئی سقم پایا جاتا تو اس کا بھی برملا ذکر فرما دیتے۔ چنانچہ اس ضمن میں راقم کا اپنا شنیدہ واقعہ ہے

کہ ''جب الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ'' کے ترجمے کا آغاز کیا تو مولانا سے رہنمائی لینے محمدی شریف گیا۔ اس وقت دورانِ گفتگو حضرت نے فرمایا کہ حیات الصحابۃ میں ایک ضعیف روایت تھی جس کے متعلق میں نے مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ کو لکھا مولانا زکریا صاحب نے جواب دیا کہ اس روایت پر میری نظر بھی ہے لیکن اب کیا کیا جائے اس کتاب کے مؤلف اس دنیا سے رختِ سفر باندھ کے عازمِ آخرت ہو چکے ہیں۔ فرماتے ہیں۔ پھر میں بھی خاموش ہوگیا، یوں آپ کبھی کسی سے مناظرانہ اور مباحثانہ تکرار نہ کرتے تھے۔ اسی مجلس میں فرمایا کہ مصنف ابن ابی شیبہ کی یہ عبارت الحاقی ہے۔ «ان ابابکر و عمر لھم شھدا» کہ ایسا کوئی عنوان نہ رکھیں جس سے اعداء صحابہ کو انگلی اٹھانے اور ان پر تنقید کرنے یا ان کی تنقیص کرنے کی کوئی راہ ملے۔ میں نے اپنی ایک کتاب کا نام پیش کیا جو زیر تالیف تھی اور اس کا اکثر حصہ مسودے کی شکل میں میرے پاس تھا، چنانچہ آپ کی دور اندیش طبیعت نے فوراً بھانپ لیا اور بندے نے مولانا مرحوم و مغفور کے کہنے پر اس موضوع سے ہاتھ کھینچ لیا اور وہ مسودہ ہمیشہ کے لیے دفن کر دیا۔

میں نے عرض کی: آپ کی کوئی آرزو کسی موضوع کے متعلق جو تا حال پوری نہ ہوسکی فرمایا: صحابہ کرام کے اخلاق کے متعلق کوئی کتاب ہو جس میں ان کے اخلاقی نمونے درج ہوں اور الدین النصیحۃ کے طور پر وہ حضرات ایک دوسرے کے کیسے خیر خواہ تھے تا کہ لوگوں کو پتا چلے کہ کیسے معاشرت ہوتی ہے؟ مولانا کی دعاؤں، راہنمائی اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مولانا کی حیات میں ہی اس موضوع پر ''اخلاق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم'' کے نام سے کتاب منظر عام پر آگئی جس کا نام مولانا ہی کا رکھا ہوا ہے یہ کتاب ''المشرق'' لاہور سے شائع ہو چکی ہے۔

عربی مقولہ ہے: «العلم لا یعطیك بعضه حتی تعطیه كُلَّكَ» جب تک تم اپنے آپ کو پوری طرح علم کے حوالے نہیں کر دیتے علم اپنا ایک جز بھی تمہیں نہیں دے گا۔ علمی دنیا سے تعلق رکھنے والے جانتے ہیں کہ علمی سمندر کے شناور جو نہی دنیاوی قضیوں، رنجشوں اور نفرتوں کے لق و دق صحرا پر قدم رکھتے ہیں تو ان کے پاؤں جھلس جاتے ہیں۔ جن حضرات نے ''پرانے چراغ'' کا مطالعہ کیا ہوگا ان کے سامنے یہ بات آئی ہوگی کہ جتنے بھی علماء کسی دنیاوی کام میں لگے خواہ مجبوراً خواہ ضرورتاً چاہے دلچسپی اور اس کام سے رغبت کی وجہ سے بالآخر انھیں اس کوچے کو خیر باد کہنا پڑا، حضرت امام محمد رحمہ اللہ نے اپنے اہل خانہ سے فرما رکھا تھا کہ تم لوگوں کی جو ضرورت ہو وہ میرے منشی اور خزانچی سے کہہ دیا کرو تا کہ میرے علمی مشاغل میں حرج نہ ہو اسی طرح شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ نے اپنی ''آپ بیتی'' میں لکھا ہے کہ وہ لوگ بے حد نا

انصاف ہیں جو اپنے کسی عالم کو دنیا کے بکھیڑوں میں لگا دیتے ہیں۔

مولانا مغفور و مرحوم نے صاحبزادوں کے ہوش سنبھالنے کے بعد تمام تر معاملات ان کے حوالے کردیئے اور خود ہمہ تن تصنیف و تالیف میں مشغول ہوگئے۔ مولانا کے صاحبزادے بھی بڑے فرمان بردار، حلیم الطبع اور قدر شناس انسان ہیں۔ مولانا نے اپنے صاحبزادے میاں محمد مختار صاحب کو لاہور میں ایک مکتبہ بنا کے دیا لیکن جو بات اوپر تحریر کی گئی ہے اس کی بنا پر وہ اس میں نہ چل سکے یوں وہ مکتبہ بند ہوگیا۔ ہمارا جب بھی جانا ہوتا ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ مولانا کوئی حساب کتاب وصول کر رہے ہوں، یا کوئی معاملات طے کر رہے ہیں، لگتا تھا کہ ان کے ہونہار صاحبزادوں نے انھیں دنیا کے تمام تر نشیب و فراز سے یک طرف کر دیا ہے یوں وہ اس جہاں میں ہوتے ہوئے بھی اس دنیا کے نہیں لگتے تھے۔ یہی وجہ ان کی سادگی اور صاف قلبی کی ہے۔

کسی شخص کے کپڑوں پر سیاہی کا دھبا ہو اور آپ اسے کہیں او گندے انسان ذرا اپنی خبر لو یہ کیا داغ لگا رکھا ہے؟ تو اس کا اثر اس آدمی پر کیا ہوگا؟ لیکن اس کے مقابلے میں آپ کسی انسان سے کہتے ہیں کہ ذرا آئینے میں دیکھیے گا اور اسے اپنی پیشانی پر کلنک کا نشان نظر آجاتا ہے تو وہ آپ کا بے حد شکر گزار ہوگا۔

مولانا نے بھی کبھی کسی پر براہ راست تنقید نہیں کی بلکہ جس بات کے متعلق فریق مخالف اور اہل سنت والجماعۃ کے درمیان نزاع ہوتا جانبین کی کتابوں سے اس پر دلائل کی ایسی روشنی ڈالتے کہ وہ بات منقّٰی و مُصفّٰی ہوکر بے غبار ہو جاتی اور اپنا پرایا ہر ایک اسے تسلیم نہ کرنا بے انصافی خیال کرنے لگ جاتا۔

راقم نے ایک بار مولانا مودودی صاحب کی بات نقل کی کہ وہ فرماتے ہیں: معیوب شخصیت کا عیب عیاں کرنا چاہیے تاکہ لوگ دھوکا نہ کھائیں، مولانا مغفور و مرحوم نے فرمایا: عیب کی ٹوہ لگانے بس تمہی بیٹھے ہو؟ پھر فرمایا: ''یہ طریقہ سلف صالحین کے خلاف ہے'' جس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ علامہ ابو عمر صاحبِ ''استیعاب'' نے اپنی کتاب میں جہاں تمام صحابہ کے اسماء و حالات کا استقصا و احاطہ کرنے کا دعویٰ کیا ہے جس میں وہ احوال و تراجم کی حد تک تو ناکام رہے البتہ دوسری باتیں نقل کر کے کافی ذخیرہ اکٹھا کرلیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ ابو عمر کی اس روش سے بہت سے علما نے ناراضی اور ناپسندی کا اظہار کیا ہے کہ انھوں نے بعض صحابہ پر حرف گیری کی ہے۔ چنانچہ جو مقبولیت ''الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ'' کو حاصل ہوئی وہ کسی اور کتاب کو نہ مل سکی، ''اسد الغابۃ'' مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت کے محقق علامہ خالد طرطوسی نے بجا فرمایا ہے کہ تراجم الصحابۃ میں ''الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ'' کو تاج کی حیثیت حاصل ہے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض قلم کار اپنی کتابوں کے آغاز میں بڑی کشادہ دلی سے اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ ہم نے اعتدال سے انحراف کی طرف اور بے ادبی و بے احترامی کا ہاتھ مارنے سے پوری کوشش کی ہے۔ لیکن پہچاننے والے پہلی نظر اور اولین سطر سے ہی انھیں پہچان لیتے ہیں۔ مثلاً مولانا غلام رسول سعیدی صاحب مؤلف ''تبیان القرآن'' نے اپنی تفسیر کے مقدمے میں اس بات کو ذکر کیا ہے اور کافی حد تک انھوں نے اس کا ایفا بھی کیا ہے لیکن تعصب کی چھپی چنگاری کا دھواں کسی نہ کسی مقام پر ظاہر ہو ہی جاتا ہے۔ آخر میں جہاں انھوں نے مصادر و مراجع کا ذکر کیا ہے وہاں متقدمین میں سے اپنے ہم خیال علما کے ساتھ امام اور علامہ کا لقب لگایا ہے اور مخالفین یا بزعم جناب گمراہ لوگوں کے ساتھ شیخ کا لقب استعمال کیا ہے۔ [1]

اس کے برعکس مولانا مغفور و مرحوم کی کتابوں میں کسی بھی جگہ اس قسم کا تاثر نہیں ملتا بلکہ غیر جانب داری کے ساتھ مسئلے کو سامنے رکھ دیا جاتا ہے اور پڑھنے والے پر نتیجہ نکالنا یا فیصلہ اخذ کرنا چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اور اس بات کا اعتراف موافق و مخالف سبھی کرتے ہیں۔ ایک بار مولانا احمد رضا خان صاحب کے فرقے سے متعلق ایک پیر صاحب راقم سے کہنے لگے: ''مولانا محمد نافع صاحب محقق تو بڑے زبردست ہیں لیکن وہ مخالف کو دلائل سے شکنجے میں کستے نہیں کہ وہ لاجواب ہو جائے'' عرض کیا گیا کہ اس دور میں کتنے باندھنے والے بے شمار و بے حساب ہیں لیکن ''ادفع بالتی ھی احسن'' کی عملی تصویر انگلیوں پہ گنے جا سکتے ہیں، نیز مولانا کا مزاج شروع سے ہی ہر معاملے میں اعتدال پسند اور میانہ رو واقع ہوا ہے۔ جھگڑالو پن، اجڈ مزاج، تندخوئی، کینہ پروری، غرور و تکبر جیسی جملہ امراض سے خدائے قدوس نے انھیں تا دمِ زیست محفوظ و مامون رکھا اور دوسری بڑی نعمت انھیں یہ عطا ہوئی تھی کہ عمر بھر کسی مہلک اور جان لیوا مرض میں مبتلا نہیں ہوئے تھے۔ اگرچہ آپ نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ محمدی شریف میں ہی گزار دیا۔ آپ حد درجہ متحمل مزاج اور صبر و توکل والے انسان تھے۔ آپ نے کبھی کسی کی شکایت نہیں کی تھی۔

علم و مطالعے کی دنیا سے تعلق رکھنے والے ایک صاحب سے کسی نے پوچھا: آپ نے اتنی تھوڑی عمر میں اتنا کچھ کیسے پالیا؟ انھوں نے جواب دیا: میں نے استفادہ کرنے میں کبھی جھجک محسوس نہیں کی اور نہ کبھی افادے میں بخل سے کام لیا مولانا مغفور و مرحوم اسم بامسمی تھے۔ آپ ہر چھوٹے کی بات غور سے سنتے اور اس

[1] یہ ایک طبعی بات ہے کیونکہ جب ہر انسان کی فکر و نظر متعین ہے تو لامحالہ اپنے فکری مخالفین کے متعلق لاکھ حزم و احتیاط کے باوجود زبان و بیان میں کہیں نہ کہیں فرق لگ ہی جاتا ہے، اس پر کسی ایک مسلک کے لوگوں کو موردِ الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا، انیس، بیس کے فرق کے ساتھ مذکورہ روش تقریباً سبھی میں پائی جاتی ہے۔ سلفی

کی معلومات سے کوئی علمی نکتہ ملتا تو ضرور فائدہ اٹھاتے اور جوان سے کوئی بات پوچھتا، علمی اصلاح لیتا تو کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ نے اسے محروم واپس کیا ہو بلکہ مستفیدین کے لیے اپنا آرام تک قربان کر دیتے۔ بالآخر دیکھنے والوں کو خود ہی رحم آجاتا اور وہ اجازت لیتے ورنہ مولانا علمی سمندر سے ایسے ایسے نایاب جواہر نکال کے سائل کے ہاتھ پر رکھ دیتے جنھیں تلاش کرنے کے لیے اسے کئی سال لگ جاتے۔

افادے و استفادے میں دو چیزیں ضروری ہیں جس سے آپ نے کوئی علمی فائدہ اٹھانا ہے اس کی مزاج، تھکاوٹ اور نشاط کا خوب خیال رکھیں۔ ایک تابعی فرماتے ہیں: میں ایک صحابی سے قرآنِ مجید سیکھتا تھا جونہی مجھے محسوس ہوتا کہ اب وہ تکان سے بوجھل ہونے لگتے ہیں یا وہ جمائی لیتے تو میں فوراً اٹھ جاتا دوسرے دن پھر نشاط اور چستی سے سلسلۂ تعلیم چلتا، اور استفادے کا جب تک مخاطب اہل نظر نہ آئے از خود اسے کوئی چیز بتانا علم کی بے قدری ہے۔ مولانا محمد نافع صاحب میں یہ دونوں باتیں ترازو کی زبان کی طرح برابری کا ثبوت دے رہی تھیں۔ جب تک مخاطب سوال نہ کرتا آپ کبھی بھی اس کے سامنے از خود کوئی بات بیان فرماتے تھے۔

مولانا خاموش طبع، متفکر مزاج، اکثر نگاہیں زمین پر جھکائے کسی گہری سوچ میں مصروف رہتے۔ خادمین کو بھی جرأت نہیں ہوتی تھی کہ آپ کی فکر کے تسلسل کو توڑیں بلکہ حضرت کے از خود اٹھنے، بولنے سے وہ جواب دیتے اور جو آپ کی منشا ہوتی اس کے مطابق ضرورت کی چیز چائے، پانی، کھانا وغیرہ پیش کیا جاتا۔ آخری عمر میں اکثر لوگ چڑ چڑے، غصیلے اور اول فول کہنے والے ہو جاتے ہیں۔ لیکن مولانا کے لب سے کبھی نازیبا لفظ نہیں سنا گیا۔ مولانا مختار صاحب اور شب و روز کے خصوصی خادم حافظ غلام رسول کا کہنا ہے کہ مولانا کو جلال اگرچہ آتا تھا لیکن آپ نے کبھی گالی گلوچ اور دشنام بازی نہیں کی۔ زیادہ سے زیادہ ڈانٹ دیتے تھے بس!

اللہ تعالیٰ آپ کی خدماتِ دینیہ کو اپنی بارگاہ میں منظور فرما کر بلندی درجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین ثم آمین

# اخلاق کریمانہ کی جھلک

(مولانا سیف اللہ خالد جامعہ اسلامیہ ملیہ، چنیوٹ)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں ایک جملہ تحریر کیا ہے: «الانبیاء قبل نَبِيِّنَا ﷺ کَانُوْا یُبْعَثُوْنَ اِلٰی اقوامھم خاصۃً وَبُعِثَ نَبِیُّنَا ﷺ اِلٰی کَافَّۃِ النَّاس »ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ سے قبل جتنے نبی آئے وہ خاص خاص قوموں، قبیلوں اور علاقوں کے نبی تھے اور ہمارے نبی ﷺ کو ساری کائنات کا نبی ﷺ بنا کر بھیجا گیا۔ اسی طرح آپ ﷺ کی طفیل آپ ﷺ کی امت کے بعض علماء بھی عالمی علماء ہوئے ہیں۔ اور ان کا فیض پورے دنیا کے کونے کونے تک پھیلا ہے۔ جیسے امام الدنیا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ امام دارالھجرۃ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ یہ چاروں آئمہ تو وہ ہیں جن کا مسلک اللہ تعالیٰ کی بعض حکمتوں کی بنا پر امت خیر میں قائم اور باقی رکھا گیا۔ اس وقت تقریباً پچاس فی صد امت محمدیہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مقلد ہے ویسے تو چودہ صدیوں میں بے شمار ایسی ہستیاں گزری ہیں جن کا فیض عالمی تھا کیونکہ میرے مضمون کا موضوع مناظر اسلام، غزالی دوراں محقق زماں حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ ہیں اس لیے ان کی مناسبت سے ان کا اور ان مشائخ و اساتذہ کا ذکر کروں گا جن کی برکت و وسیلہ سے مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ کا فیض بھی پورے عالم کے اندر پھیل گیا۔ ہندوستان میں خواجہ معین الدین چشتی، حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ، پھر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد جس کا فلہ حریت کے فیض نے پوری دنیا کے کونے کونے کو منور تاباں کر دیا تھا اور سورج کی کرنوں کی طرح زمین کے ہر خطہ تک پہنچ گیا۔ وہ اکابر علماء دیوبند ہیں سلاسل میں حضرت مولانا امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ جن کا فیض ہندوستان کی ہر قریہ و بستی سے ہوتا ہوا حرمین کریمین تک پہنچ گیا۔ پھر حاجی صاحب کے تربیت یافتہ بانی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی سے یہ فیض شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ کی طرف منتقل ہوا حجۃ الاسلام حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کاشمیری اپنے استاذ شیخ الہند کے بارے میں فرمایا کرتے تھے مجھے پشین گوئیاں کرنے کی عادت نہیں لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ ایک وقت ایسا آجائے گا جب شیخ الہند کے علوم پوری دنیا میں پھیل جائیں گے تو حضرت مولانا محمود حسن شیخ الہند کے نام سے مشہور تھے اگر کوئی حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے سامنے شیخ الہند کہتا تو آپ ناراض ہو جاتے اور فرماتے میرے استاد شیخ الہند نہیں بلکہ شیخ العرب والعجم ہیں۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنی جنہوں نے سترہ سال تک روضہ رسول ﷺ کے

سامنے بیٹھ کر حدیث پڑھائی۔ مولانا شبیر احمد عثمانی مسلم شریف کی شرح فتح الملہم کی وجہ سے اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ اپنے اصلاحی اور تصنیفاتی کمالات کی وجہ سے اور مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ کا فیض تبلیغی جماعت کی وجہ سے دنیا کے کونے کونے تک پھیل گیا تو پھر ان کے استاذ شیخ الہند کا کیا عالم ہوگا؟

مولانا محمد نافع رحمہ اللہ اور ان کے بڑے بھائی مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ اسی قافلہ حریت کے تربیت یافتہ تھے ان ہی کا روحانی وعلمی فیض تھا کہ جس نے مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کو سورج کی طرح پوری دنیا میں چمکا دیا اور ان کا فیض سورج کی کرنوں کی طرح پوری دنیا میں پھیل گیا۔ محمدی شریف ایک چھوٹی سی غیر معروف بستی سے یہ علم وعمل کا بادل اٹھا اور پوری دنیا پر برسا اور اپنے علوم سے تمام اہل حق کو سیراب کر دیا اور اہل باطل کو حیران کر دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسی شخص کے بارے میں دریافت کیا تو مسئول عنہ نے جواب دیا کہ وہ بہت اچھا آدمی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تو نے اس کے ساتھ کبھی سفر کیا ہے؟ تو اس نے کہا نہیں تو آپ فرمانے لگے پھر تجھے کیا پتہ وہ کیسا ہے؟ واقعتاً سفر میں آدمی کے اخلاق کی پرکھ ہوتی ہے ۱۹۸۰ کی بات ہے جامعہ عربیہ چنیوٹ کے سلسلہ میں حافظ شیر محمد رحمہ اللہ کے ساتھ سفر ہوا یہ شعبان و رمضان کے دن تھے استاذی المکرم "جامعۃ العلوم الاسلامیہ" بنوری ٹاؤن میں مذاہب باطلہ کے رد میں دورہ پڑھانے کے لیے گئے ہوئے تھے واپسی سفر ہمارے ساتھ کیا تو میں نے دیکھا کہ پیرانہ سالی کے باوجود صلوٰۃ و اذکار کی پابندی کرتے تھے۔ اگر ہم سے کبھی طبیعت کے غیر موافق بات ہوتی تو بڑی خندہ پیشانی سے برداشت کرتے اور جواب بھی بڑی دھیمی آواز میں دیتے یہ ان کے اخلاق کریمانہ کی ایک جھلک ہے پوری زندگی راقم کو ہر ملاقات میں یہ اندازہ لگا کہ آپ میں اتباع سنت کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی تھی۔

ایک سال جامعہ عربیہ چنیوٹ میں مولانا منظور احمد چنیوٹی رحمہ اللہ کی خواہش پر دورہ ردّ مذاہب باطلہ پڑھایا تو راقم بھی شریک ہوا استاذی المکرم بندہ پر خصوصی توجہ اور شفقت فرماتے تھے روزانہ کا سبق کاپی پر صاف لکھ لاتا اور مغرب کے بعد آپ کی خدمت میں پیش کرتا اگلے دن جب حاضر خدمت ہوتا تو اصلاح کی ہوئی ہوتی تھی۔

ان ایام میں سیرتِ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی مرتب فرما رہے تھے دورہ کا سبق پڑھانے کے بعد بندہ آپ کے لیے کھانا اور پانی وغیرہ لاتا طعام اور حوائج ضروریہ سے فارغ ہو کر پھر مجھے اپنے پاس بٹھا لیتے اور کاغذ کے چھوٹے چھوٹے پرزوں پر لکھے حوالہ جات کو الگ الگ کر کے مجھے دیتے جاتے اور میں ان کے کہنے پر

ترتیب لگاتا جاتا۔ تو اسی دوران ایک کاغذ کے ٹکڑے پر حوالہ تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غسل قدمین کے بارے میں تو میری زبان سے غَسل کی بجائے غُسل پڑھا گیا تو فوراً اصلاح فرمادی فرمانے لگے باب تو ایک ہے یعنی ضَرَبَ یَضرِبُ لیکن مصدر کے بدلنے سے معنیٰ بدل جاتا ہے۔ غسل غ کے ضمہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنیٰ نہانا اور غ کے فتحہ کے ساتھ ہو تو معنیٰ دھونا ہوگا میں بڑا حیران ہوا کہ استاذی المکرم نے اس چھوٹی سی لغزش پر بھی چشم پوشی نہیں کی بلکہ اصلاح فرمادی۔[1]

## قدرت کا بنا بنایا حلوہ

آپ کو پھلوں میں کیلا بہت پسند تھا جب آپ تناول فرماتے تو ساتھ ساتھ فرماتے جاتے سبحان اللہ، اللہ تعالیٰ نے بنا بنایا حلوہ بھیج دیا ہے۔

## حیوانات کی طرح مت کھائیں

اگر آپ کے سامنے کوئی کیلا دانتوں سے کاٹ کر کھاتا تو ناراضگی کا اظہار فرماتے اور کیلے کو خود ہاتھوں سے توڑتے اور فرماتے یہ انسان کا طریقۂ طعام ہے دانتوں سے کاٹ کر کھانا طریقہ حیوانات ہے الا کہ جہاں کہیں صاحب شریعت نے اس کے برعکس کیا ہو۔

## مطالعہ کی اہمیت

اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو محقق عصر بنا دیا اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے آپ کی جوانی تو مطالعہ ہی میں گزری اس پیرانہ سالی میں بھی مطالعہ کا یہ انداز تھا کہ اگر کسی نے کوئی کتاب بھیجی تو آپ نے چند دنوں میں اس کا مطالعہ کر کے اس کی کمی پیشی سے مؤلف کو آگاہ کر دیا۔

## محض کتب جمع کرنے کی حرص نہ تھی

ایک بار ملاقات کے دوران مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور اور شیخ التفسیر دارالعلوم دیوبند کی تفسیر ''معارف القرآن'' کا راقم نے ذکر کیا تو آپ کو بڑا اشتیاق ہوا اس کے دیکھنے کا، میں ان کے میلان کو دیکھ کر اس کا مکمل سیٹ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور

---

[1] جبکہ یہ چھوٹی لغزش نہیں تھی، ایک بڑی غلطی پر تنبیہ تھی۔

فرمانے لگے سورۃ احزاب کے آخر میں آیت ہے: «اِنَّا عَرَضْنَا الامانۃ علی السَّمٰوٰت والارض» وہ نکالیں تفسیر سے وہ جگہ نکال کر دکھائی تو فرمانے لگے ماشاء اللہ مولانا نے اس آیت پر طویل بحث کی ہے اور پھر فرمانے لگے کہ تفسیر آپ واپس لے جائیں میں بار بار عرض کرتا رہا کہ آپ کے لیے لے آیا ہوں آپ قبول فرمالیں۔ لیکن آپ کا انکار بڑھتا رہا فرمایا زیارت مقصود تھی وہ ہوگئی ہے بس! آپ کے اس فعل سے یہ بات عیاں ہوگئی کہ آپ کو محض کتابوں کے جمع کرنے کی حرص نہ تھی ضرورت ہوتی تو قبول کر لیتے ورنہ واپس کر دیتے دوسری ملاقات میں مولانا محمد ادریس رحمۃ اللہ علیہ کی شہرہ آفاق تصنیف ''عقائد الاسلام'' خدمت میں پیش کی تو قبول کر لی۔ اس پر ہم سب اہل علم کو عمل کرنا چاہیے۔

## اتباع سنت علماء دیوبند میں دیکھی

ایک بار ہماری مسجد بن والی میں مسجد میں گم شدہ چیز کے اعلان کرنے نہ کرنے پر اختلاف ہوگیا یہ میرا طالب علمی کا دور تھا مسجد بن والی کے امام وخطیب حضرت مولانا عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ مجاز حضرت مولانا علی المرتضیٰ نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد کے مقتدیوں سے مشورہ کیا کہ ایک فتویٰ مرتب کیا جائے اور جامعہ محمدی شریف بھیجا جائے۔ فتوی لے جانے کے لیے راقم کا نام لیا گیا۔ میں وہ فتویٰ لے کر محمدی شریف پہنچا آپ اپنی حویلی میں ایک درخت کے نیچے تشریف فرما تھے زندگی کے آخری لحات میں بھی دھوپ کے دوران اسی درخت کے نیچے آرام فرماتے تھے فتوی آپ کے سامنے رکھا آپ نے پڑھ کر اس کا جواب تحریر کیا اور اس کے بعد فرمانے لگے میں نے طالب علمی کے دور میں دیوبند میں اپنے اکابر اور اساتذہ کو دیکھا کہ ان کے ہاں اتباع کا سنت کا شدت سے اہتمام تھا اور یہی صفت ان کی دنیا میں مقبولیت کا سبب ہے۔

دارالعلوم دیوبند کی مسجد میں کبھی گم شدہ چیز کا اعلان نہیں ہوا بلکہ مسجد کے مین دروازہ کے سامنے ایک چبوترا بنا ہوا تھا ایک بابا جی نماز کے بعد وہاں کھڑے ہو کر گم شدہ چیز کا اعلان کرتے تھے یہ ذکر کرنے کے بعد استاذ جی بار بار فرماتے جا رہے تھے آج لوگوں نے بے سروپا غلط باتیں اکابر دیوبند کی طرف منسوب کر دی ہیں جن کا کہیں وجود نہیں وہ بڑے متبع سنت تھے اتباع سنت ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو مقامات عالیہ سے نوازا ہے۔ اور فرمانے لگے دیوبند نام ہے اتباع سنت کا، آخر میں بابا جی کا ایک اور کام بتایا کہ روزانہ بابا جی کا معمول تھا کہ طلبہ کے کمروں اور رہائش گاہوں کا چکر لگاتے اور جو کھانا بچا ہوا ہوتا تھا اسے اٹھاتے اور جمع کر کے ان طلبہ کو کھلاتے جن کا کھانا کسی وجہ سے مطبخ سے بند ہو جاتا تھا۔

## دل جوئی آپ کا خاصہ تھا

مَیں ۱۹۹۶ء میں جھنگ جیل میں نظر بند تھا اس دوران سیرت علی رضی اللہ عنہ کا بالاستیعاب مطالعہ کیا بندہ کو بعض مضامین کے بارے میں تقدیم و تاخیر محسوس ہوئی تو میں نے جیل سے ایک طویل خط تحریر کیا شاید حضرت کے کاغذات میں وہ خط موجود ہو۔ جب میں رہا ہوا اور ملاقات کے لیے حاضر ہوا تو سلام کے جواب کے بعد فوراً فرمانے لگے آپ کا خط ملا تھا جیسے آپ نے مشورہ دیا تھا ویسے کر دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اتنے بڑی محقق ہونے کے باوجود ایک عامی آدمی کی رائے کو رد نہیں کیا۔

## ''رحماء بینہم'' آپ کی مقبولیت عامہ کا سبب بنی

ویسے تو آپ کی ہر تحریر آب زر سے لکھنے والی ہے لیکن جس کتاب کی وجہ سے آپ کو پوری دنیا کے اندر شہرت ملی اور محققین اور علماء کی نگاہ میں قدر سے دیکھنے لگے وہ ''رحماء بینہم'' ہے جس کے کئی زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں۔ میری معلومات کے مطابق چودہ صدیوں میں دو کتابوں کی نظیر نہیں ملتی جو صحابہ رضی اللہ عنہم پر لکھی گئی ہیں ایک رئیس التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف رحمہ اللہ کی ''حیات الصحابہ'' اور آپ کی کتاب رحماء بینھم۔ دعا ہے اللہ ان کتابوں کو آپ کے لیے آخرت کا ذخیرہ بنائے۔ آمین

# عالمانہ وقار و انکسار ❶

(انجم نیازی)

چنیوٹ سے جھنگ جاتے ہوئے تقریباً ۲۵ کلومیٹر کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی بستی یا بس سٹاپ ''جامعہ آباد'' کے نام سے مشہور ہے، اس سے دائیں ہاتھ مڑ کر ایک پتلی سی سڑک ''محمدی شریف'' کی طرف جاتی ہے، جامعہ آباد سے محمدی شریف کا فاصلہ تقریباً تین کلومیٹر ہے۔ محمدی شریف ضلع چنیوٹ کا ایک چھوٹا سا مگر بہت اہم قصبہ ہے۔ جو علمی، روحانی اور سیاسی لحاظ سے بہت اہمیت کا حامل ہے۔ جہاں کوئی بڑا زمیندار نہیں رہتا۔ تقریباً سب کے سب کسان اور مزدور پیشہ ہیں۔ جہاں کوئی بنگلہ یا کوٹھی دکھائی نہیں دیتی۔ البتہ ایک بہت خوب صورت جامع مسجد ہے، جو مولانا محمد ذاکر نے تعمیر کروائی تھی اور انھوں نے ہی ایک دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی تھی جو ان کی زندگی میں کامیابی سے چلتا رہا۔ یہاں ایک بہت بڑی لائبریری ہے جس میں بہت سی نایاب کتب ہیں، مگر ان کا مطالعہ کرنے والا کوئی نہیں۔

یہ گاؤں پہلے مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ کے والد گرامی مولانا عبدالغفور رحمہ اللہ کی وجہ سے مشہور ہوا۔ جو سیال شریف (سرگودھا) کے سجادہ نشین حضرت مولانا ضیا الدین رحمہ اللہ کے خلیفہ تھے۔ پھر اس گاؤں کی شہرت کا باعث ان کے بیٹے حضرت مولانا محمد ذاکر بنے جو بیک وقت ایک عالم، پیر اور سیاست دان بھی تھے۔ یہ لوگوں سے ووٹ نہیں مانگتے تھے بلکہ لوگ ان کو خود آ کر ووٹ دینے کی پیش کش کیا کرتے تھے۔ یہ اپنے مثالی تقوے اور پرہیزگاری کے لیے مشہور تھے، ان کے تقوے اور پرہیزگاری کی مہکار سارے پاکستان کے کونے کونے تک پھیلی ہوئی تھی۔ ان کی وجہ سے یہ گاؤں مقامی سطح سے اٹھ کر قومی سطح تک جانا پہچانا جاتا تھا۔ اب یہ گاؤں ان کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا محمد نافع کے علم اور تقوے کی وجہ سے ساری دنیا میں جانا اور پہچانا جاتا ہے۔ عرب ممالک میں سعودی عرب، مصر، شام، اردون، لبنان، الجزائر وغیرہ تک ان کی شہرت ہے۔

دبلے پتلے جسم کے مالک یہ درویش جو مولانا محمد نافع کے نام سے جانے جاتے ہیں نہایت معمولی غذا کھاتے ہیں۔ مولانا محمد نافع محض ایک درویش ہی نہیں بلکہ ایک مستند مؤرخ بھی ہیں۔ بان سے بنی ہوئی کھردری چارپائی پر سوتے ہیں۔ چٹائی پر بیٹھے وہیں اپنا دربار لگاتے ہیں۔ وہیں اسلامی تاریخ کا مطالعہ

---

❶ یہ مضمون حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی وفات سے چند ماہ قبل تحریر کیا گیا تھا۔

کرتے۔ تاریخ میں جھوٹے قصے کہانیوں کو صاف کرتے ہیں۔ زہریلی جڑی بوٹیوں اور خاردار جھاڑیوں جن کو خاص مقصد کے لیے لگایا اور پالا پوسا گیا تھا اکھاڑ پھینکتے ہیں سینکڑوں سال تک پرورش پانے والے خودرَو پودے جواب گھنے درختوں کی شکل اختیار کر گئے تھے، اپنے قلم کی ایک ہی ضرب سے نیست و نابود کر دیتے ہیں۔ اسلامی تاریخ کے صحن میں گندگی اور غلاظت کے جو ڈھیر جمع کیے گئے تھے ان کا ایک عظیم محقق کی طرح جائزہ لیتا ہے۔ اس کے ایک ایک لفظ اور حوالے پر غور کرتا ہے۔ جرح اور تنقید کا حق استعمال کرتا ہے۔ ان کو رد کرنے کے ناقابل تردید حوالے پیش کرتا ہے۔ فیصلہ خود کرنے کے بجائے قارئین پر چھوڑ دیتا ہے۔ قارین کی ڈانٹ ڈپٹ نہیں کرتا۔ ان کو جاہل اور اَن پڑھ نہیں سمجھتا۔ ''ہم چوں ما دیگرے نیست'' کا راگ نہیں الاپتا، اپنی تحریروں میں مخالفین کی دل آزادی نہیں کرتا، ان کو طعنے نہیں دیتا۔ فتوے جاری نہیں کرتا، ان کو ''تُو'' اور ''تم'' کہہ کر مخاطب نہیں کرتا۔ مخالف کو مخاطب کرتا ہے تو ''دوست''، ''میرے دوست'' کہہ کر کرتا ہے۔ ان کی تحریر میں تنقید کا زہر اور کڑواہٹ نہیں ہوتی، بلکہ الفاظ نرمی، مٹھاس اور ہم دردی سے لبریز ہوتے ہیں۔ کوئی اس کی بات تسلیم کرے یا نہ کرے اس کی بات کا برا نہیں مناتا۔ اس سے نفرت نہیں کرتا۔ یہ کسی کو تشدد پر نہیں اکساتا، کسی کو غصہ نہیں دلاتا، کسی کی عزت نفس مجروح نہیں کرتا جو بھی مؤقف پیش کرتا ہے، اس پر اچھی طرح غور کر لیتا ہے۔ قابلِ اعتماد حوالہ جات جمع کرتا ہے۔ پہلے خود کو مطمئن کرتا ہے پھر دوسروں کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی تحریروں میں بلا کی تاثیر ہوتی ہے۔ الفاظ میں عالمانہ تکبر کے بجائے درویشانہ عاجزی اور انکساری ہوتی ہے۔ شہرت اور لالچ سے کوسوں دور بھاگتا ہے، بے نفسی ایسی کہ ملنے والے شرمندہ ہو جاتے ہیں۔ اس کی بے طلبی کو دیکھ کر میں سوچتا ہوں کہ اگلی دنیا میں جنت میں اپنے عظیم خوب صورت محل کو دیکھ کر کہیں یہ نہ کہہ دے کہ میرے مالک میرے لیے تو ایک مصلیٰ، ایک لکڑی کی چوکی اور لوٹا ہی کافی ہے۔ میں اس بڑے محل کو کیا کروں گا؟

میرے دل میں خیال آتا ہے کہ یہ شخص اپنی تعریف سے دور بھاگتا ہے۔ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ اس سے مخاطب ہوگا کہ: ''محمد نافع! میرے بندے! تو نے یہ یہ نیکیاں کی ہیں'' تو اس کے جواب میں یہ ''نہ'' کہہ دے کہ: اللہ میاں! میں تو ناکارہ بندہ ہوں میں نے تو کوئی نیکی نہیں کی۔ یہ اس لیے میں سوچتا ہوں کہ اس کو کسرِ نفسی کی عادت ہے اور یہ کسرِ نفسی اتنی پختہ ہوگئی ہے کہ یہ اس کے دائرے سے باہر نکل نہیں سکتا۔ اس نے اتنا بڑا کام کیا ہے۔ اس پر فخر کرنے کے بجائے عاجزی سے اس کا سر جھک جاتا ہے اور جھکا رہتا ہے۔ لوگ ٹھیک ہی کہتے ہیں کہ پھل دار شاخِ شجر، پھل کے بوجھ سے جھکی رہتی ہے۔

خوش قسمت ہے وہ ماں جس نے اس کو جنم دیا، گود میں لٹایا، گود میں سُلایا، کھلایا پلایا، پالا پوسا، خوش قسمت ہے وہ باپ جس نے اس کی پرورش کی۔ خوش قسمت ہے وہ بھائی جس نے اس کی تربیت کی، تعلیم دی اور آگے بڑھنے کا حوصلہ دیا۔ خوش قسمت ہے وہ استاذ جس نے اس کو پڑھایا اور عالم و محقق بنایا۔ خوش قسمت ہے وہ عہد جس میں یہ پیدا ہوا۔ خوش قسمت ہے وہ ملک جس پر اس نے تقریباً اب تک اٹھانوے سال بسر کیے، جس کو اس نے قابلِ فخر بنایا۔ خوش قسمت ہے وہ اولاد جس نے اس کے زیر سایہ تربیت پائی۔ اخلاق سیکھے اور علم حاصل کیا۔ میں بھی کچھ کم خوش قسمت نہیں جس نے کئی بار زیارت کا شرف حاصل کیا، جس کو رہ نمائی ملی۔ اس کی گفتگو کی مٹھاس سمیٹی، گفتگو کا سلیقہ سیکھا۔

میں جب جھنگ میں تعینات تھا تو اکثر محمدی شریف جایا کرتا تھا۔ ایک بڑی لائبریری میں ایک لکڑی کی چوکی پر ایک دبلا پتلا بزرگ بیٹھا دکھائی دیتا تھا۔ ہر وقت کتب ہی میں مگن دکھائی دیتا تھا۔ اس کے پاس صرف ایک لوہے کی چائے دانی اور مٹی کی ایک پیالی پڑی ہوتی تھی۔ ان کے صرف دو ٹھکانے تھے۔ لائبریری اور گھر کی بیٹھک۔ جہاں ملنے والے حاضر خدمت ہوتے تھے۔ نیاز حاصل کرتے اور گفتگو کی مٹھاس سمیٹتے اور ان کے اخلاق سے لطف حاصل کرتے تھے۔ ہر سوال کا تسلی بخش جواب پاتے تھے۔ جہاں کوئی پروٹوکول نہیں تھا۔ ملنے پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ کسی ملاقاتی کو انتظار نہیں کرنا پڑتا تھا۔ کسی کو پیشگی وقت نہیں مانگنا پڑتا تھا۔ ملاقات کے دورانیہ پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ حضرت آرام فرما رہے ہیں۔ حضرت غسل فرما رہے ہیں، حضرت لباس بدل رہے ہیں، حضرت فون سن رہے ہیں، حضرت کھانا تناول فرما رہے ہیں، حضرت لکھ رہے ہیں وغیرہ وغیرہ، اس قسم کی باتیں نہیں سننی پڑتی تھیں۔ میں جب کبھی جاتا جس وقت جاتا انھیں موجود پاتا۔ وہ خود چارپائی کھینچ کر بیٹھنے کے لیے کہتے، میرے جیسا معمولی آدمی ان کے حسنِ سلوک کی وجہ سے شرمندہ ہو جاتا۔ ہزار بار منع کرتا کہ حضرت! آپ تکلف نہ فرمائیں۔ ہمیں گنہگار نہ کریں مگر حضرت کب باز آنے والے تھے۔

وہ صرف میرے ہی نہیں ہر کسی کے ساتھ ایسا ہی کرتے اور ایسے ہی محبت سے پیش آتے۔ میں جس کسی بزرگ سے ملا ہوں بہت ہی کم سہی مگر تھوڑا بہت رکھ رکھاؤ دیکھا ہے۔ یہ وہ بزرگ ہیں جن میں بڑائی کا رتی بھر شائبہ نہیں ملتا۔ جب ان کی شخصیت پر غور کرنا ہو تو اقبال کا یہ شعر زبان پر آجاتا ہے۔

نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پر سوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے

# حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ نے تین مرتبہ فرمایا

# مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے پیچھے ضرور نماز پڑھو!

مولانا فضل کریم سیالوی

(۱) میں اپنے چچا اور سسر حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی اقتداء میں نماز نہیں پڑھتا تھا، نوجوانی کے دن تھے اور طالب علمی کا زمانہ تھا۔ چنانچہ مجھے والد گرامی حافظ صالح محمد نے حکم دیا کہ جب کبھی تمہارا سیال شریف جانا ہو تو حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ سے پوچھ لینا کہ میرے بھائی مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی اقتداء میں نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اس زمانہ میں دیوبندی، بریلوی کشمکش اپنے عروج پر تھی۔ اور ہمارے قصبہ محمدی شریف پر خانقاہ سیال شریف کا اثر ورسوخ زیادہ تھا جبکہ چچا جان مولانا محمد نافع رحمہ اللہ دار العلوم دیوبند کے فاضل تھے، بلکہ حضرت مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ نے بھی دورۂ حدیث دیوبند سے ہی کیا تھا۔ والد صاحب کا یہ فرمان سن کر میں بہت خوش ہوا کہ والد صاحب بھی میرے ہم خیال ہیں اور جب سیال شریف سے عدم جواز کا فتویٰ مل گیا تو مجھے بڑی تقویت مل جائے گی۔ چنانچہ ایک دن میں اپنے ایک متشدد دوست مولوی طالب کے ہمراہ سیال شریف جا پہنچا۔ میں نے شیخ الاسلام حضرت مولانا خواجہ قمر الدین صاحب سیالوی رحمہ اللہ کو پیغام دیا کہ میرے والد صاحب گرامی نے پوچھا ہے کہ میری نماز میرے بھائی مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی اقتداء میں ہو جاتی ہے یا نہیں؟ تو حضور شیخ الاسلام نے تین مرتبہ پوری تاکید کے ساتھ فرمایا کہ اپنے والد صاحب کو جا کر کہو مولانا محمد نافع کے پیچھے ضرور نماز پڑھیں۔ میں یہاں سیال شریف میں جوڑنے کے لیے بیٹھا ہوں توڑ پیدا کرنے کے لیے نہیں، اور میں قصبہ محمدی شریف میں انتشار نہیں پھیلانا چاہتا۔ حضرت خواجہ صاحب کا یہ فرمان سن کر میرے خیالوں پر تو جیسے اوس ہی پڑ گئی اور دل ہی دل میں بہت نادم بھی ہوا، پھر اسی کیفیت میں مولوی محمد طالب اور میں واپس اپنے گھر آ گئے۔

(۲) میں جب درسِ نظامی کی کتب پڑھ کر فارغ ہوا تو مولانا احمد رضا خان صاحب کی کتابوں سے بہت متاثر ہو چکا تھا اور ذہن میں ہمہ وقت علماء دیوبند کے خلاف وسوسے پیدا ہوتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت شیخ الاسلام مولانا خواجہ قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ ہمارے ہاں محمدی شریف تشریف لائے اور رات کو قیام فرمایا آپ رحمہ اللہ کے ہمراہ مولانا حافظ سدید الدین رحمہ اللہ آف تونسہ شریف بھی تھے میں نے ان کو ہم فکر بنا کر علماء دیوبند کی وہ کتب جن میں میرے زعم کے مطابق قابل اعتراض عبارتیں تھیں اور وہ کتب جن میں مولانا

احمد رضا خان صاحب نے فتوے درج کیے تھے، اکٹھی کر کے حضرت خواجہ صاحب رحمہ اللہ کے سامنے رکھ دیں، جوانی کا گرام خون تھا، اور کچھ علمی خمار بھی سوار تھا چنانچہ تایا جان حضرت مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ، چچا جان مولانا محمد نافع رحمہ اللہ اور والد صاحب حافظ صالح محمد صاحب کی موجودگی میں جب میں نے یہ کتب حضرت خواجہ صاحب کے سامنے رکھ کر اپنی گفتگو شروع ہی کی تھی کہ حضرت خواجہ صاحب نے انتہائی ناگواری کے ساتھ مجھے فرمایا کہ یہ کتب اٹھالو، مجھ سے میرے رب کریم نے ان کے متعلق کوئی سوال نہیں کرنا، مزید فرمایا کہ مولانا احمد رضا خان بھی میری طرح کے ایک عالم تھے ان کی باتیں میرے لیے کوئی حجت نہیں ہیں۔

# نگاہ فقر میں یہ شانِ سکندری کیا ہے؟

جناب ملک احمد علی ارشد

حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے قمری حساب سے ۱۰۳ سال اور شمسی حساب سے ۱۰۰ سال کی عمر پائی ہے۔ آپ نے شب گیارہ بجے بروز بدھ ۱۰ ربیع الاول ۱۴۳۶ھ بمطابق یکم جنوری ۲۰۱۵ء کو وصال فرمایا۔ مجھے اپنی زندگی کا ایک طویل عرصہ تک محمدی شریف کے ان دو شہزادوں مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ اور مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی خدمت کرنے کا شرف حاصل رہا ہے۔ آپ رحمہ اللہ کی کس کس خوبی کو بیان کروں اور کون کون سی ادا کو حیطۂ تحریر میں لاؤں؟ راقم جب ۱۹۹۵ء میں حج پہ گیا تو وہاں سے میرے ایک عریضہ کے جواب میں آپ نے لکھا:

''عزیز محترم جناب ملک صاحب احمد علی سلم ربکم، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مزاج گرامی؟ دعائے سلامتی کے بعد تحریر ہے کہ آپ کا مکتوب مکہ معظمہ سے ارسال شدہ موصول ہوا اور نہایت قلبی راحت ہوئی۔ الحمد للہ، آپ اپنے ساتھ والوں سمیت بخریت و عافیت سے رہیں اور اللہ کریم آپ کا سفر مقبول فرمائے۔ اور مزید ارادۂ خیر کی توفیق نصیب فرمائے ہم ناکاروں کے لیے بھی مقامات مقدسہ میں سلامتیٔ ایمان کی دعائیں کریں خصوصاً دعائے خاتمہ بالایمان کا التزام فرمائیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔ اور ہمارا مالک کریم ہمیں دینِ متین کی خدمت کے لیے قبول ومنظور فرمائے۔ ان دونوں مقامات کے قیمتی تحفے تو یہی ہیں۔ الحمد للہ یہاں خیریت ہے۔

والسلام مع طلب الدعاء

دعا گو محمد نافع عفا اللہ عنہ

بمقام محمدی شریف ضلع جھنگ پنجاب پاکستان

۲۸ شوال ۱۴۱۵، ۳۰ مارچ ۱۹۹۵ء

اس خط میں سب سے قیمتی بات جو آپ رحمہ اللہ نے درج فرمائی وہ ''اُن مقاماتِ مقدسہ کے قیمتی تحفے تحائف تو یہی ہیں'' ہے اور یہ بات آپ رحمہ اللہ نے میری اس پیشکش کے جواب میں کہی تھی جس میں مَیں نے لکھا تھا کہ یہاں سے جو بھی چیز آپ کو پسند ہو تو حکم فرمائیں تاکہ میں لیتا آؤں۔ مگر آپ رحمہ اللہ جیسے درویش خدا مست کو دنیا کی چیزوں سے کیا دلچسپی ہوسکتی تھی؟ سچ ہے کہ ''نگاہِ فقر میں یہ شان سکندری ہے؟''

آپ رحمہ اللہ کی زندگی کے معمولات بڑے ہی قابل رشک تھے۔ رات کو عشاء کی نماز باجماعت ادا فرما کر گھر کے کچے کمرے میں آ کر محوِ استراحت ہوتے، تہجد کی نماز گھر میں ادا کرنے کے بعد مناجات و وظائف کا عمل کرتے، پھر صبح کی نماز باجماعت مسجد میں پڑھ کر اشراق کے نوافل تک مسجد میں ہی رہتے، بعد ازاں گھر واپس آ کر اولاً لسی اور پھر چائے کے ساتھ ناشتہ فرماتے، پھر اپنے ضروری کاغذات کا بستہ اٹھا کر اپنے کتب خانہ میں جا کر کام میں مصروف ہو جاتے۔ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد قیلولہ فرماتے اور ظہر کی نماز باجماعت پڑھنے کے بعد پھر تدریس و تصنیف کا سلسلہ شروع ہو جاتا جو عصر کی نماز تک جاری رہتا، بعد از نماز عصر گھر تشریف لے آتے اور ملنے ملانے والوں کو وقت عطا کرتے تھے۔ میں نے پوری زندگی آپ رحمہ اللہ جیسا نرم دِل انسان نہیں دیکھا، غالباً ۱۲ ستمبر ۲۰۱۰ء کی بات ہے کہ احقر زیارت کے لیے حاضر ہوا، اس دوران حضرت مولانا عبدالجبار صاحب صدر مدرس مدرسہ دارالہدیٰ چوکیرہ تشریف لائے، نہایت خندہ پیشانی سے آپ رحمہ اللہ ملے اور فرمایا کہ میں کمزوری و بیماری کی وجہ سے صحیح ہاتھ اٹھا کر نہیں مل سکتا، ناراض نہ ہو جانا کہ پتہ نہیں یہ تکبر کر رہا ہو، ہم سب مسکرا پڑے۔ میرے سینہ میں آپ رحمہ اللہ کی کرامات اور زہد و اتقاء کے سینکڑوں واقعات محفوظ ہیں جس کا میں چشم دید گواہ ہیں مگر اب اتنا بوڑھا ہو چکا ہوں کہ یہ ساری باتیں لکھنے سے قاصر ہوں، اللہ تعالیٰ حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کو اجرِ عظیم سے نوازیں اور ان کی خدمات دینیہ سے آنے والی نسلوں کو زیادہ سے زیادہ مستفید و مستفیض ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

# کاروان اہل سنت کے نامور معمار

## مولانا عبدالحمید تونسوی

(۳۰ دسمبر ۲۰۱۴ء/ ۸ ربیع الاول ۱۴۳۶ھ) کو بندہ ناچیز سندھ کے تبلیغی سفر پر تھا کہ اچانک فون کے ذریعہ یہ اطلاع ملی کہ حضرت مولنا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ اس دار فانی سے رحلت فرما گئے ہیں ، یہ غمناک خبر سب مسلمانوں کیلئے پریشانی کا باعث تو تھی ہی مگر اہل علم کیلئے جانکاہ صدمہ ثابت ہوئی ۔ کیونکہ عوام الناس کو دین سمجھانے والے تو بہت ہیں مگر علماء کی راہنمائی کرنے والا اب کوئی نہیں۔شاید کسی بھی شام کا منظر اتنا اداس نہیں ہوگا، جتنا کاروان اہل سنت کے اس علمی سورج کے ڈوبنے سے چھا گیا۔حضرت والا قدس سرہ ملت اسلامیہ کے عظیم سپوت،کاروان اہل سنت کے نامور معمار ،اسوۂ صحابہؓ کے سچے پیرو، اسلاف کے مشن کے علمبردار اور مذہب حق کے پاسدار تھے۔

سورج کے ڈوبتے ہی میرا دل بھی ڈوب گیا آج
اتنا اداس شام کا منظر نہ تھا کبھی

### پہلی ملاقات:

بندہ ناچیز نے ایک عرصہ سے نابغہ روز گار حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ کا اسم گرامی سن رکھا تھا۔علمی اور دینی حلقوں میں ان کی شہرت کی وجہ سے ان کی زیارت کا اشتیاق اپنے قلب وجگر میں کروٹیں لیتا تھا۔کیونکہ موصوف ایک محقق عالم دین ،اہل حق کے ترجمان اور اہل سنت کے پشتیبان تھے۔ مگر حضرت والا کی زیارت وملاقات کا شرف مجھے پہلی مرتبہ ۱۹۸۰ء میں اس وقت حاصل ہوا، جب آنجنابؒ میرے جد امجد حضرت اقدس علامہ محمد عبدالستار تونسویؒ کی دعوت پر مرکز تنظیم اہل سنت دارالمبلغین ملتان میں علماء کی تعلیم وتربیت کیلئے تشریف لائے اور وہاں مذہب حقہ اہل سنت والجماعت کی حقانیت کے براہین اور دفاع صحابہؓ کے حوالے سے علمی جواہر پارے بکھیرتے رہے ،اس علمی وتحقیقی اور روحانی ماحول کا منظر آج تک آنکھوں کے سامنے ہیں۔

خیالک فی عینی وذکرک فی فمی
ومثواک فی قلبی فاین تغیب

بعد ازاں حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ سے تعلق اور محبت وعقیدت کا مستقل سلسلہ چل نکلا، اس ناچیز کو ان سے تلمذ کا شرف بھی حاصل ہوا اور پھر ان کی حیات طیبہ کے آخری لمحہ تک ان سے مسلسل رابطہ بھی رہا۔ ضلع چنیوٹ کے گردونواح میں جب بھی دعوت وتبلیغ کی نسبت سے احقر کا جانا ہوتا تو حضرت والا کے دولت کدہ (محمدی شریف) میں جا کر ان کی زیارت کے بغیر گزر جانا ممکن نہ ہوتا۔

## اکابر کی زندگی:

مرکز تنظیم اہل سنت دارالمبلغین ملتان میں ہم نے جن اکابر کو دیکھا ان میں حضرت اقدس علامہ تونسوی رحمہ اللہ، حضرت اقدس علامہ ڈاکٹر خالد محمود مدظلہم، حضرت اقدس مولانا نورالحسن شاہ بخاری رحمہ اللہ، حضرت اقدس مولانا منظور احمد چنیوٹی اور حضرت اقدس مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔

جب ہم اکابر علماء وصلحاء کرام کے حالات زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو ایک بات ہمیں قدر مشترک نظر آتی ہے کہ یہ نفوس قدسیہ پہلے ظاہری علوم میں مہارت وکمال حاصل کرتے اور اس کے بعد جادۂ عشق ومحبت الٰہی پر قدم رکھتے۔ اور اس وقت تک مصروف عمل رہتے جب تک خلاق عالم ان کے اشتیاق کی بے تابیوں پر رحم فرماتے ہوئے حریم ذات کے دروازے ان کیلئے نہ کھول دیتا۔

دست از طلب ندارم تا کام من برآید
یا تن رسد بجاناں یا جاں ز تن برآید

ماشاء اللہ حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ جو اپنے اکابر کے معاملہ میں نہایت غیور اور پابند مسلک رہے، زندگی میں بھی اپنے اکابرین کی تربیت کا عکس جمیل ہویدا ہے۔

## ایک اور ملاقات کا حال:

۲۲ ستمبر ۲۰۱۲ء بمطابق ۵ ذی قعدہ ۱۴۳۳ھ بمقام محمدی شریف ضلع چنیوٹ حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ کی زیارت ہوئی، اور ارشاد فرمایا کہ ''میں نے پاکستان بننے سے چار سال قبل دارالعلوم دیوبند میں دورہ حدیث کیا وہاں میں نے حدیث کا سبق حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ شیخ الادب والفقہ اور حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب کا بلیادی رحمہ اللہ (جنہوں نے سلم العلوم کا حاشیہ لکھا ہے) اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ سے حاصل کیا ہے۔ بندہ کے استفسار پر انہوں نے بتایا کہ اس سال حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ جیل میں تھے اور وہ پورا سال وہیں رہے اور ہماری شومی قسمت ہم ان سے استفادہ نہ

کر سکے اور نہ ہی ان کی زیارت کر سکے ...... حضرت مدنیؒ انگریز کے خلاف تقاریر فرماتے تھے اس لئے انہوں نے بہت تکالیف اٹھائیں (رحمۃ اللہ علیہ)۔

حضرت نے بتایا کہ اس سال میرے ساتھ مولانا خان محمد صاحب امیر تحفظ ختم نبوت، کندیاں والے بھی دورہ حدیث میں شریک تھے۔

بندہ ناچیز کی درخواست پر حضرت والا نے احقر کو سند حدیث کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔ اور دو عدد کتابیں، [حدیث ثقلین اور سیرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ] اپنے مبارک ہاتھوں کی تحریر کے ساتھ ہدیہ میں عنایت فرمائیں۔

**نوٹ:** اس ملاقات کے دوران حاجی عجب خان صاحب روڈو سلطان اور صوفی محمد الیاس صاحب ساکن لشاری بھی بندہ کے ہمراہ تھے۔

## علمی مقام و مرتبہ:

حضرت والا کا شمار ملک بھر کے ان چند جید علماء میں ہوتا ہے جن کی نہ صرف علمی و تحقیقی اور تصنیفی خدمات کو ہمیشہ قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا گیا بلکہ ان کی دینی صلابت و مسلکی خدمات بھی اپنے معاصرین میں سب سے منفرد، ممتاز اور نمایاں رہیں۔

اسلاف پر اعتماد، مذہب اہل سنت پر مضبوطی سے قیام، مشرب علماء دیوبند پر تصلب، راہ اعتدال پر گامزن، تشدد سے کوسوں دور اور تجدد سے کنارہ کش رہنا ان کی امتیازی و نمایاں صفات ہیں۔

دور حاضر میں وہ ایسے عظیم دانشور اور محقق و مدقق جس نے اپنی عبقریت اور علمی رزانت کے لافانی نقوش تاریخ عالم پر ثبت کیے، جنہوں نے تبحر، تعمق، اور تحقیقات علمیہ میں وہ منفرد مقام حاصل کیا کہ سالہا سال کی کاوشیں ان کی علمی تحقیق و تدقیق کے مقابلے میں ہیچ نظر آنے لگیں۔

اس کا انداز نظر اپنے زمانے سے جدا
اس کے احوال سے محرم نہیں پیران طریق

یہی وجہ ہے کہ اسلامی دنیا کے سرکردہ علماء و مشائخ علمی، تحقیقی اور مسلکی حوالے سے آپ پر نہ صرف بھرپور اعتماد فرماتے ہیں بلکہ اکثر و بیشتر مؤلفین آپ کے خوشہ چین ہیں۔

## شان تواضع:

علمی مقام کے ساتھ ساتھ حق تعالیٰ نے آپ کو شان تواضع عطا فرمائی تھی، آپ طبعاً بہت منکسر المزاج تھے، تصنع اور بناوٹ اور ظاہرداری سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ بندہ ناچیز نے جب [امام ابوحنیفہ اور علم حدیث، توضیحات، رسومات محرم، ذاکر نائیک اور اسکے نظریات] وغیرہ رسائل تحریر کئے تو جہاں اپنے جد امجد حضرت اقدس علامہ محمد الستار تونسوی کو دکھائے، وہاں استاذی المکرم حضرت مولانا محمد نافع صاحب کی خدمت میں بھی اصلاح ودعا کی غرض سے ارسال کئے۔ حضرت اقدس نے انہیں دیکھ کر بہت خوشی کا اظہار فرمایا، دعائیں دیں اور ہر ایک رسالہ پر اپنی رائے گرامی بھی تحریر فرمائی اور موقع بموقع مسائل، دلائل اور استدلال وغیرہ میں جہاں کوئی سقم نظر آیا تو اس کی اصلاح بھی فرمائی۔ جزاھم اللہ احسن الجزا...نور اللہ ضریحہ وبرد اللہ مضجعہ

رسائل کی دوسری اشاعت میں ہم نے جب حضرت والا کی آراء گرامی کو شائع کیا تو ان پر حضرت کے نام کے ساتھ چند القابات ''نمونہ اسلاف، امام اہل سنت، محقق اسلام، وکیل صحابہ'' بھی لکھے۔ حضرت والا نے جب نئے ایڈیشن میں انہیں دیکھا تو ناگواری کا اظہار فرمایا اور فوراً مجھے اپنے مکتوب گرامی میں اس کا شکوہ کیا جس کے ایک ایک لفظ سے آپ کی شان تواضع، عاجزی، انکساری اور سادگی ٹپکتی ہے۔ چنانچہ ایک مکتوب گرامی میں آپ رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

> ''تسلیمات مسنونہ کے بعد تحریر ہے کہ جناب کی طرف سے کتابچہ ''ذاکر نائیک اور اسکے نظریات'' موصول ہوا۔ یادآوری کا شکریہ۔ اس کے بعد ہم آپ سے ایک ضروری شکوہ ذکر کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ بندہ کے نام کے ساتھ کتابچہ پر آپ نے بڑے بڑے القاب تعلی وترفع کے ذکر کردیے ہیں، جو مجھے ہرگز پسند نہیں اور میرے سادگی پسند مزاج کے برخلاف ہیں۔ یہ آپ نے میرے حق میں بہت زیادتی کی ہے اور مجھے پریشان کیا ہے۔ مہربانی فرما کر آئندہ ان القابات سے مجھے معاف رکھیں اور کتابچہ کے آئندہ ایڈیشن میں یہ القابات حذف کردیں، ازحد مہربانی ہوگی اور مجھے راحت قلبی حاصل ہوگی۔''

والسلام مع الدعاء

دعا گو ناچیز محمد نافع عفا اللہ عنہ

۲۰ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ''

## خاص مشن:

حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے اپنے گردونواح کے ماحول کو دیکھا تو وہاں انہیں زیادہ تر رافضیت کے جراثیم نظر آئے جس کی وجہ سے آپ نے اپنے لیے اسی موضوع پر کام کرنے کا فیصلہ کیا کہ بہرصورت اہل رفض کے اعتراضات اور حملوں سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور مسلک اہل سنت کا دفاع کیا جائے اور مذہب تشیع کی ضلالتوں کو واضح کر کے حجت حق قائم کی جائے۔

ایک حدیث میں ہے ''ان اللہ اختارنی واختار لی اصحابی......''

جس طرح حق اللہ تعالیٰ نے نبوت کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اور آپ کی رفاقت وقرابت کیلئے آپ کے صحابہ کا انتخاب فرمایا اس طرح اس علیم وخبیر ذات نے اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی جماعت کے دفاع ووکالت کیلئے امت محمدیہ میں سے بعض حضرات کا انتخاب فرمایا۔ پھر انہیں علوم قرآن وحدیث، فہم سلیم اور نوربصیرت سے نوازا۔ وہ خوش نصیب حضرات جو ایسی منفرد وممتاز صفات سے متصف ہوکر احقاق حق وابطال باطل کی محنت میں مگن رہے، دور حاضر میں ان میں ایک بلندتر نام حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ کا بھی ہے، جو آفتاب آمد دلیل آفتاب کے مصداق ہیں۔

## دین اسلام کی مدافعت کی ذمہ داری:

خدا کا نظام قدرت حکیمانہ ہے اس نے جہاں انسانوں کو اپنے عبادت کا حکم دیا ہے وہاں عبادت فریضہ کی یاددہانی اور عبادت کا انداز ورہنمائی کی ضرورت کو پورا کرنے کیلئے ہر دور میں اپنے نبی اور رسول بھیجے۔ یہ چیز دراصل خدا کی رحمت اور عدل وحکمت کا تقاضا ہے کہ انسان کو یونہی جہالت وگمراہی کے اندھیرے میں نہ چھوڑا جائے۔ بلکہ خدا کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنے میں اس کی مدد کی جائے تاکہ وہ اپنے رب کے سامنے سرخرو وبامراد ہوسکے۔

اسی طرح یہ بھی عادت اللہ ہے کہ جہاں کہیں ظلم وستم، کفروشرک نے زور پکڑا تو خلاق عالم نے اس کی قوت کو زیر کرنے کیلئے اپنے پیغمبروں کو دین متین کی مدافعت کی ذمہ داری سونپی......

مثل مشہور ہے ''لکل فرعون موسیٰ'' ہر فرعون کیلئے موسیٰ ہے کے بمصداق ہر دور میں خدا نے دین اسلام کے دفاع کیلئے علماء امت سے کام لیا ہے۔

پاکستان کے چاروں صوبوں پر طائرانہ نگاہ ڈالنے سے پتا چلتا ہے کہ اس کے سب سے بڑے صوبہ پنجاب

میں چار اضلاع میں رفض کے جراثم باقی علاقوں کی نسبت کچھ زیادہ تھے۔(وگرنہ ملک بھر کی حکومتی مردم شماری کے مطابق اہل تشیع ،۳فیصد سے زیادہ نہیں۔ ملک کی واضح اکثرتی آبادی اہلسنت ہے جوتقریباً ستانوے فیصد سے زائد ہے)۔

پنجاب بھر میں جہاں رفض کے جراثیم پائے جاتے تھے اوروہاں کے وڈیرے اپنی دنیوی،مالی اور سیاسی قوت کے بل بوتے مذہب حق راہ میں رکاوٹ تھے خدانے وہیں سے ایسے عظیم سپوت پیدا کیے جنہوں کے عقل وفہم ،علم دانش اور تحقیق وتدقیق کے ذریعہ کتاب وسنت کے دلائل وبراہین سے اہل رفض کا منہ توڑ جواب دے کران کا ناطقہ بند کردیا۔

۱: رفض کا زیادہ زور پنجاب کے ضلع جہلم (چکوال،تلہ گنگ ،اٹک )وغیرہ میں تھاتو خدانے وہاں حضرت مولانا قاضی مظہرحسین رحمہ اللہ کو پیدا کیا۔جن کی محنت وکاوش سے مذہب اہل سنت کوتحفظ حاصل ہوا۔

۲: رفض کا کسی قدر اثر پنجاب کے ضلع ملتان (مظفر گڑھ ،ڈی جی خان،لیہ،بھکر) میں تھاتو خدانے وہیں سے حضرت مولانا محمد عبدالستار تونسوی رحمہ اللہ کو پیدا کیا۔جن کی حق گوئی وبیبا کی نے خرمن رفض کو بھسم کر کے رکھ دیا۔

۳: رفض وبدعت کا زیادہ شور پنجاب کے ضلع سرگودھا (جھنگ، چنیوٹ،فیصل آباد)میں تھاتو خدانے وہیں سے حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ کو پیدا کیا،جن کی تحریر وقلم نے اہل رفض کے دعاوی کی قلعی کھول کرانہیں لاجواب ومبہوت کردیا۔

سالہا باید کہ تا یک سنگ اصلی زآفتاب
لعل باشد در بدخشاں یاعقیق اندر یمن

ایک صدی پرمحیط ان اکابر کی خدمات جلیلہ...... یااسفا کہ اس ایک عہد کا خاتمہ ہوگیا۔

هيهات لا ياتى الزمان بمثلهم
ان الزمان بمثلهم لبخيل

وہ صورتیں الٰہی کس ملک بستیاں ہیں
اب دیکھنے کو جن کے آنکھیں ترستیاں ہیں

## ’’رحماء بینہم‘‘ کی تالیف کا عظیم کارنامہ:

یوں تو حضرت والا نے تصنیف وتالیف کے میدان میں جو تحقیقی وعلمی کام کیا ان میں سے آپ کی ہر ایک کتاب اپنے اپنے موضوع پر ایک بہترین تالیف ہی نہیں بلکہ مذہب حقہ اہل سنت والجماعت کا صحیح پر چار بھی ہے اور تحقیق کا انمول شاہکار بھی۔ (دیدہ باید)

مگر یہاں قابل ذکر بات یہ ہے کہ دین اسلام کی تشریح واشاعت میں تاریخ وسیرت کے سینکڑوں عناوین پر ہزاروں لاکھوں کتابیں لکھی گئیں مگر روئے زمین پر ’’رحماء بینہم‘‘ جیسی کتاب موجود نہیں۔ جس میں صحابہ کرامؓ واہل بیت عظامؓ کی باہمی قرابت، نسبت اور محبت وتعلق کو فریقین کی کتب معتبرہ کے دلائل قاہرہ سے مبرہن کیا گیا ہے۔ صحابہؓ واہل بیتؓ کی منقبت ووکالت کی یہ منفرد خدمت حضرت والا قدس سرہ ہی کے حصہ میں آئی ہے۔ تاریخی حقائق ومعلومات کا جو خزینہ آپ نے بطون اوراق میں جمع کیا ہے، وہ بانگ دہل اس بات کی شہادت ہے کہ اس سے قبل اس انداز کا کام نہیں ہوسکا، جس نے فریق مخالف کو دم بخود ولاجواب کر دیا ہے۔

تو مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا

☆ ’’رحماء بینھم‘‘ ایک ایسی عظیم کتاب ہے جس پر مکمل تبصرہ، تو مستقل ایک تحقیقی مقالہ کا عنوان ہے۔ تاہم رحماء بینھم پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے تو اس کی چند اہم خصوصیات وامتیازات نمایاں طور پر نظر آتے ہیں، جو کہ حسب ذیل ہیں۔

☆ ’’رحماء بینھم‘‘ شیعہ وسنی نزاعی مسائل پر فیصلہ کن کتاب ہے۔

☆ ’’رحماء بینھم‘‘ ایسے ٹھوس دلائل، براہین اور بینات پر مبنی ہے جن کا فریق ثانی جواب نہیں دے سکے۔

☆ ’’رحماء بینھم‘‘ میں صحابہ کرامؓ واہل بیتؓ کی باہمی قرابت کے ٹھوس شواہد کتب شیعہ سے پیش کرکے فریق ثانی کو مبہوت لاجواب کر دیا ہے۔

☆ ’’رحماء بینھم‘‘ اسم بامسمیٰ ہے۔ اور خروج عن المبحث اور خلط فی المبحث سے بالکل پاک ہے، جس کی وجہ سے اس میں بیجا طوالت نہیں۔

☆ ’’رحماء بینھم‘‘ خواص وعوام، علماء وطلباء دانشور ووکلاء سبھی میں یکساں مقبول ہے۔

☆ ''رحماء بینھم'' ایک ایسی محقق کتاب ہے جس میں پیش کردہ ایک حوالہ بھی ایسا نہیں جسکی فریق ثانی تردید کرسکیں، نقل دلائل میں حد درجہ احتیاط جہاں مؤلف کی دیانت کا اعلیٰ ثبوت ہے، وہاں اہل سنت کی حقانیت کی بہترین دلیل بھی ہے۔

☆ ''رحماء بینھم'' میں (شیعہ وسنی) دونوں فریقوں کی کتب سے حوالہ جات پیش کیے گئے ہیں۔ جس سے صحابہ واہل بیت کی باہمی محبت وتعلق خوب نمایاں ہوکر سامنے آیا ہے۔

☆ ''رحماء بینھم'' کا انداز تحریر، سادہ وسلیس اور عام فہم ہے، جس سے ہر طبقہ کے لوگ یکساں استفادہ کرسکتے ہیں۔

☆ ''رحماء بینھم'' کے موضوع پر آج تک ایسی کتاب تحریر نہیں کی گئی جو کہ مؤلف ؒ کی علمی رزانت، تحقیقی بصیرت اور شان عبقریت کی غماز ہے، نیز مذہب اہل سنت کی حقانیت اور صحابہ کرام ؓ کے ایمان وعدالت کا منہ بولتا ثبوت بھی ہے۔

☆ ''رحماء بینھم'' کا نام قرآن مجید کی آیت سے لیا گیا ہے، اور پوری کتاب کا موضوع بھی یہی ہے کہ (صحابہ کرام ؓ آپس میں رحم دل وشیر وشکر ہیں) یہ بات دراصل دیگر حسب ذیل متعدد آیات کا خلاصہ ہے۔

[ا] "فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَاناً" (العمران ۱۰۳)

[ب] "وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنفَقْتَ مَا فِي الأَرْضِ جَمِيعاً مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَكِنَّ اللهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ" (انفال: ۶۳)

[د] "أُولَئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ" (انفال: ۷۲)

☆ کتاب ''رحماء بینھم'' کا انداز جارحانہ نہیں بلکہ معتدلانہ، مشفقانہ اور مصلحانہ ہے۔ جو کہ کتاب وسنت کے پیش کردہ، اصول تبلیغ ودعوت، اُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ... فَقُولَا لَهُ قَوْلاً لَّيِّناً لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَى... وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ...

اور احادیث طیبہ ''یسروا ولا تعسروا، بشرو اولا تنفروا... الدین النصیحۃ... کے عین مطابق ہے۔ جو کہ منکرین ومعاندین پر اتمام حجت ہے۔

☆ ''رحماء بینھم'' کی مقبولیت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس کی تعریب بھی بیروت سے شائع ہوچکی ہے۔

☆ "رحماء بینھم" کتاب لاجواب ہے، جس طرح منہاج السنۃ لابن تیمیہ اور تحفۃ اثناعشریۃ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ، نصیحۃ الشیعہ مولانا محمد احتشام الدین مراد بادی رحمہ اللہ وغیرہ کا رافضیت جواب نہیں دے سکی، اسی طرح رحماء بینھم کا رہتی دنیا تک کوئی جواب نہیں دے سکتا۔

## غیر معمولی اعتدال:

حضرت اقدس مولانا محمد نافع رحمہ اللہ نے اپنی ساری زندگی دفاع صحابہ رضی اللہ عنہم کیلئے وقف کردی آپ نے ہر محاذ پر دشمنان صحابہ رضی اللہ عنہم کا علمی تعاقب کیا، عموماً دیکھنے میں آتا ہے کہ اس میدان میں کام کرنے والے شخص کا اعتدال سے ہٹ جانا قرین قیاس ہوتا ہے مگر حضرت والا نے ہمیشہ تحریر وتدریس میں ہر ایک چیز کے انتخاب میں بڑی احتیاط، اعتدال اور دیدہ ریزی سے کام لیا ہے۔ اور مقدور بھر ان کی کوشش رہی ہے کہ سچے موتیوں کے ساتھ خزف ریزے نہ آنے پائیں۔ آپ کا ہر عمل اس پر شاہد عدل ہے کہ آپ نے اعدائے صحابہ سے نظریاتی اختلاف میں ایک لحہ کیلئے بھی اہل سنت والجماعت کے مسلک اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا، اِدھر روافض زمانہ نے اصحاب ثلاثہؓ اور ازواج مطہراتؓ کو سب وشتم کا نشانہ بنایا تو اُدھر خوارج نے حضرت علی رضی اللہ عنہ وفاطمہ رضی اللہ عنہا وحسنین رضی اللہ عنہم کو مشق ستم بنالیا اور دونوں افراط وتفریط کا شکار ہوئے۔ اسی طرح مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا پہلو ہو یا عظمت اہلبیتؓ کا، شہادت حسین رضی اللہ عنہ کا موضوع ہو یا فسق یزید کا، عظمت پیغمبرؐ کی بات ہو یا شان اولیاء کی الغرض عقائد سے لے کر اعمال تک ہر لحاظ سے حضرت والا نے اپنے اکابر کی تحقیقات کو حرز جان بنایا اور کسی مقام پر بھی راہ اعتدال سے ہٹ کر علیحدہ موقف اختیار نہیں کیا آپ کا جادۂ اعتدال پر گامزن رہنا ہمارے لئے قابل تقلید ہے۔

## نام بھی نافع، کام بھی نافع:

انسان کے اعمال واحوال پر ناموں کے اثرات پڑنے کا کئی احادیث سے ثبوت ملتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات میں صرف اچھے ناموں کو پسند اور برے ناموں کو ناپسند فرمانے پر ہی اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ بہت سے برے اور اچھے ناموں کی نشاندہی بھی فرمائی اور برے ناموں کو بدل کر اچھے ناموں سے تبدیل فرمایا۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مولانا مرحوم کا نام مبارک بھی اس کی ایک واضح مثال ہے جو کہ اسم بامسمیٰ ہے جس طرح آپ کا نام "نافع" ہے اسی طرح اللہ نے آپ سے جو کام لیا وہ بھی نافع ہے۔ مذہب حق کی

ترجمانی اور صحابہؓ کی وکالت کا جو کام حق تعالیٰ نے آپ سے لیا اس کی مثال ناپید ہے آج خواص وعوام سبھی اس سے نفع اٹھا رہے ہیں۔آپ کی خدمات جلیلہ نافعہ نہ صرف رہتی دنیا تک یادگار رہیں گی بلکہ ان شاء اللہ مشعل راہ بھی بنیں گی۔

## اعدائے صحابہؓ کا علمی تعاقب:

انسانیت کی بدقسمتی ہے کہ دنیا میں ایسے بھی لوگ بستے ہیں جو ایسی جامع کمالات اور ہمہ صفت موصوف ہستیوں سے بغض وعداوت رکھتے ہیں، جن کی تعریف کتاب وسنت کے ہر ورق پر موجود ہے اور یہاں تک کہتے نہیں شرماتے:

> ''شیعہ اگر چند مخصوص اصحاب کے طرز عمل کو پسندیدہ نگاہوں سے نہیں دیکھتے تو ان کو حق حاصل ہے کہ وہ ان سے دوری چاہیں، برے کو اچھا نہ سمجھنا یا ظلم پر بوجہ اس کے مظالم کے نفرین کرنا کسی تہذیب میں برا نہیں، یہ غلط اور گمراہ کن پروپیگنڈہ ہے کہ تبرا خلاف تہذیب ہے، تبرا عین فطرت، عین اخلاق اور عین مذہب ہے، بلکہ ایسے موقع پر خاموشی مجرمانہ حیثیت رکھتی ہے۔''(رموز حقیقت صفحہ نمبر ۱۰۔۱۱ شائع کردہ ادارہ تحفظ حقوق شیعہ پاکستان)

کہ وہ اصحاب پیغمبر ﷺ تربیت یافتگان رسولؐ جن کی قرآن نے مدح سرائی وثنا خوانی کی، احادیث رسول کا دفتر جن کے فضائل ومناقب سے لبریز ہے مگر روافض زمانہ نے انہی حضرات صحابہؓ سے تبرا، ان کی شان میں ہرزہ سرائی حتی کہ ان کی تکفیر کرکے ان پر سب وشتم کو اپنا مذہبی فریضہ گردانا ایسی ناگفتہ بہ کیفیت میں عوام تو کیا خواص بھی دم بخود ہونے لگے۔ان حالات میں پاکستان کی تاریخ میں سب سے پہلے تنظیم اہل سنت کے پلیٹ فارم سے جن علماء حقہ نے دفاع صحابہ رضی اللہ عنہم کا پرچم بلند کیا ان اکابرین میں سے حضرت مولانا احمد شاہ صاحب چوکیروی رحمہ اللہ، حضرت مولانا عبدالستار تونسویؒ، حضرت مولانا نورالحسن شاہ بخاری رحمہ اللہ، حضرت مولانا دوست محمد قریشی رحمہ اللہ، حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ، حضرت مولانا اللہ یار خان چکڑالوی رحمہ اللہ اور حضرت علامہ خالد محمود صاحب مدظلہ سرفہرست ہیں۔انہی حضرات نے اس عنوان پر سب سے پہلے کام شروع کیا، ہر شہر اور ہر گاؤں میں جاکر اہل سنت کی ذہن سازی کرکے انہیں مقام صحابہؓ سے روشناس کرایا اور اعدائے صحابہؓ کا علمی تعاقب، تحریر وتقریر کے علاوہ مناظروں کی شکل میں کیا، اور انہیں ایسا لاجواب کیا کہ اس زمانے کے شیعہ اپنے حواس کھو بیٹھے، شیعہ مناظرین ومؤلفین ہمیشہ اپنی شاطرانہ چالوں سے سنیوں پر اعتراض کرتے جب کہ کم فہم سنی ان کے سوالات کے جواب دیتے رہے۔مگر ان حضرات نے اپنی تحریرات

وتقریرات میں ان کے باطل عقائد، من گھڑت نظریات اور خود ساختہ مسائل پر کڑی جرح کر کے انہیں مجیب بنایا۔ جس سے شیعیت مبہوت ہوگئی۔ یہ ہمارے اکابر کی علمی بصیرت کی ایک عدیم النظیر مثال ہے۔

اولئک آبائی فجئنی بمثلھم

اذا جمعتنا یاجریر المجامع

## حضرت علامہ تونسوی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی باہمی محبت:

ماضی قریب میں دفاع صحابہؓ کے موضوع پر جن عظیم ہستیوں کو کام کرنے کیلئے خلاق عالم نے منتخب فرمایا ان میں حضرت علامہ محمد عبدالستار صاحب تونسوی رحمہ اللہ ، حضرت مولانا احمد شاہ صاحب چوکیروی رحمہ اللہ ، حضرت مولانا دوست محمد صاحب قریشی رحمہ اللہ ، حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ ، حضرت مولانا اللہ یار خان صاحب چکڑالوی رحمہ اللہ ، حضرت مولانا نور الحسن شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ ، حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ اور حضرت علامہ خالد محمود صاحب مدظلہ العالی بطور خاص قابل ذکر ہیں ۔تمام حضرات کی باہمی محبت ، دینی تعلق، علم دوستی، تنظیمی مشاورت، اور ایک دوسرے پر اعتماد اپنی مثال آپ تھا۔

حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ کا میرے جد امجد حضرت تونسویؒ کے ساتھ جو دوستانہ ، برادرانہ مسلکی ہم آہنگی کا تعلق تھا ان واقعات کو ضبط تحریر میں لایا جائے تو شاید کئی ضخیم کتابیں مرتب ہوں۔ اس وقت چند واقعات پیش کیے جاتے ہیں جو ان حضرات کی مسلکی ہم آہنگی اور باہمی محبت واعتماد کے خوب غماز ہیں ۔

(ا) حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ جب مذہب اہل سنت کی ترجمانی اور صحابہ کی وکالت میں نہایت قیمتی کتب تالیف فرمائیں تو میرے نانا بزرگوار حضرت تونسوی رحمہ اللہ نے ان پر ایک جامع تقریظ تحریر فرمائی اور اسے بذریعہ ڈاک ارسال کرنے کے بجائے بندہ ناچیز (محمد عبدالحمید تونسوی) کو حکم فرمایا کہ اسے حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہو کر پیش کیا جائے چنانچہ حضرت نانا جی رحمہ اللہ کا وہ مکتوب اور رائے گرامی لیکر احقر حضرت کے دولت کدہ بمقام محمدی شریف حاضر ہوا اور ان کی خدمت میں وہ مکتوب پیش کیا، حضرت والا نے اسے بڑے غور سے دیکھا تو بے حد مسرور ہوئے اور آبدیدہ ہو کر حضرت تونسوی رحمہ اللہ کو بے حد دعائیں دینے لگے۔

(حضرت تونسوی رحمہ اللہ کی وہ رائے گرامی حضرت والا کی کتب کے ساتھ شائع ہو چکی ہے )

## حضرت تونسوی رحمہ اللہ کے ارشادات:

میرے جدامجد حضرت اقدس علامہ عبدالستار تونسوی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ:

''حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت رسول اکرم ﷺ کی نبوت کے چشم دید موقع اور واقعہ کے گواہ ہیں، وہ قرآن کی قرآنیت کے گواہ ہیں، جو شخص صحابہؓ پر تنقید وتنقیص کرتا ہے وہ کتاب خدا اور نبوت ﷺ کے واقعہ کو کمزور کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے کہ جس مقدمہ کے گواہ کمزور اور مجروح ہوجائیں وہ واقعہ کمزور اور مشکوک ہوجاتا ہے۔ پس جو شخص حقائق ثابتہ کے باوجود محض تاریخی رطب ویابس، ضعیف وموضوع روایات پر اعتماد کر کے کسی صحابی رسول ﷺ پر زبان یا قلم سے حرف گیری کرے اسے اپنے ایمان وعاقبت کے متعلق فکر کرنی چاہئے۔''

نیز فرمایا:

''رافضیت (شیعیت) نہ کوئی مذہب ہے اور نہ ہی مغالطہ، بلکہ یہ اسلام، قرآن، نبی آخرالزماں ﷺ اور نبی ﷺ کے خاندان کے خلاف ایک منظم گہری سازش ہے جس کا بانی ابن سباء یہودی ہے۔''

پھر مزید فرمایا:

''اسلام میں جتنے فرقے بھی پیدا ہوئے وہ غلط فہمی یا دنیاوی اغراض ومقاصد کے تحت پیدا ہوئے، ماسوائے سبائیت کے، کہ یہ صرف اسلام کی بیخ کنی اور اہل اسلام کے استیصال کیلئے تیار کیا گیا۔''

پھر فرمایا:

''یہ خالص اسلام اور کفر کا مسئلہ ہے جس کی تحقیق کیلئے میں نے ہزاروں میل کے سفر کیے اور اکابر علماء کی صحبت اٹھائی تو حقیقت آشکارا ہوئی۔ ایسا عالم جو مذہب تشیع کے متعلق پوری معلومات نہیں رکھتا اس بارے میں اس کی رائے معتبر نہیں۔''

نیز فرمایا:

''جس نے تسلی کرنی ہو تو وہ مجھ سے کر لے، اگر میں نہ ہوں تو میرے بعد یہ مسئلہ حضرت مولنا محمد نافع صاحب سے پوچھ لینا اور اگر وہ بھی نہ ہوں تو حضرت علامہ خالد محمود صاحب مدظلہ کی طرف رجوع کرنا۔''

(قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید)

## حضرت والا کا آخری مکتوب گرامی:

بندہ ناچیز کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ ملاقات کے علاوہ حضرت سے خط وکتابت کا سلسلہ بھی رہتا تھا۔احقر نے جب بھی کوئی رسالہ تحریر کیا تو اسے حضرت والا کی خدمت میں اصلاح ودعاء کیلئے ضرور ارسال کیا اور حضرت کی خصوصی شفقت وکرم نوازی تھی کہ وہ نہ صرف اس کے ملنے کی اطلاع دیتے تھے بلکہ علمی طور پر غلطیوں کی اصلاح کر کے رہنمائی بھی فرماتے تھے اور اپنی قیمتی آراء سے بھی نوازتے تھے۔

چنانچہ ہمارے رسائل (امام ابو حنیفہ اور علم حدیث ،توضیحات،امام زہری رحمہ اللہ،مسئلہ امامت،ذاکر نائیک،غامدی صاحب کا منہج فکر)وغیرہ کے متعلق حضرت والا کے مکاتیب اور آرائے گرامی اس لائق ہیں کہ انہیں بھی شائع کیا جائے کیونکہ وہ ایسا قیمتی علمی اثاثہ ہیں، جو نہ صرف ان کی یادگار ہیں بلکہ اس میدان میں کام کرنے والے حضرات کیلئے مشعل راہ بھی ہیں۔

آخر میں ہم بطور تبرک حضرت والا کا ایک اور مکتوب گرامی نقل کیے دیتے ہیں جو غالباً حضرت اقدس کی زندگی کا آخری گرامی نامہ ہے اور آپ نے اسے ۱۲دسمبر ۲۰۱۴ء کو اپنے مبارک ہاتھوں سے اس ناچیز کے نام رقم فرمایا..............اور پھر ۱۸ دنوں کے بعد ۳۰دسمبر کو آپ نے اس جہان فانی سے رحلت فرمائی۔انا للہ وانا الیہ راجعون

وہ مکتوب گرامی حسب ذیل ہے:

باسمہ تعالیٰ

### ازمحمدی شریف ضلع چنیوٹ،۱۹ صفر المظفر ۱۴۳۶ھ

### ۱۲دسمبر ۲۰۱۴ء

عزیز القدر مولانا عبدالحمید صاحب تونسوی دام مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج شریف!

تسلیمات مسنونہ کے تحریر ہے کہ آپ کے مرسلہ[ دو مسئلے اور امام صاحب کے متعلق کتاب] بذریعہ ڈاک موصول ہوئے،ارسال فرمانے کا بہت بہت شکریہ!

آپ نے بڑی علمی خدمت کی ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

میری حالت حسب سابق معذوری کی ہے اور ضعف غالب ہے۔ دعا خیر سے یاد فرماتے رہیں۔

والسلام مع الاحترام

دعا گو محمد نافع عفا اللہ عنہ

حضرت والا کے مکتوبات وتحریرات کے ایک ایک لفظ سے اخلاص وللّٰہیت اور تحقیق وتدقیق کے موتی ٹپکتے نظر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت کی خدمات جلیلہ نافعہ کو قبول فرمائے اور کروٹ کروٹ انہیں جنت کی راحتیں نصیب فرمائے۔ آمین

طاب اللہ ثراہ وجعل الجنة مثواہ

# باب نمبر 16

## مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی ڈائری

## (۱۹۴۶ءتا۱۹۴۹ء)

### نوٹ:

مولانا محمد نافع رحمہ اللہ بلا ناغہ ڈائری لکھتے تھے جس میں خانگی و خاندانی ضروریات، اخراجات، آمدن، خرچ، شخصیات سے ملاقاتیں، یادداشتیں، مباحثوں کی رودادیں، موسمی تغیرات، ملکی احوال اور کتابوں کی خرید۔ نیز اپنے مطالعہ کا ماحصل وغیرہ وغیرہ اہتمام سے درج فرماتے تھے۔ یوں آپ کی یہ ڈائریاں تقریباً ستر سال کی ہمارے پاس موجود ہیں جنہیں اس سوانحی سلسلہ کی الگ اور مستقل جلد میں اکٹھا کیا جارہا ہے۔ تاہم زیرنظر کتاب میں بطورنمونہ اور جھلک ابتدائی تین سال کی ڈائریاں یہاں پیش کی جارہی ہیں۔ تاکہ باذوق قارئین مکمل ڈائریوں کے مطالعہ کے لیے شوق وجستجو کا مزید سفر جاری رکھ سکیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## ۲۱ فروری ۱۹۴۶ء، ۱۸؍ربیع الاول ۱۳۶۵ھ

داستان زندگی میں شدید ترین اوقات (والد صاحب قبلہ کی وفات)

آج ۱۳۶۵ھ، ۱۸، ۳ کو پانچ چھ روز کی علالت کے بعد بوقت ظہر بروز خمیس قبلہ حضرت میاں مولانا عبدالغفور صاحب علیہ الرحمۃ دار فانی سے دار بقاء کو انتقال فرما گئے انا للہ وانا الیہ راجعون، کل نفس ذائقة الموت، کل من علیها فان۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

اس واقعہ کا اثر ہر خاص و عام کے قلب پر طاری رہا، فرطِ غم کا کچھ عجیب نظارہ لگا ہوا ہے کہ صبر و تسکین کی صورت نہیں بن رہی، ہر طرف آہ و فغاں ہے، ہر فرد دوسرے سے زیادہ طوفان شوق میں ڈوبا ہوا نظر آتا ہے، اللہ اللہ یہ سانحہ کئی منزلیں، کئی مراحل عبور کر کے خدا جانے کہاں تک پہنچائے گا، اللہ تعالیٰ حافظ و ناصر ہے، جس کے بغیر کوئی نہیں، آمین بحرمته النبی الکریم و بحرمته جمیع الصالحین صلواة الله علیهم اجمعین۔

داستان درد کی صحیح توضیح بیان سے باہر ہے۔ آں قبلہ گاہی جد امجد حضرت میاں امام الدین رحمۃ اللہ الی یوم الدین کے صحیح معنوں میں حقیقتاً یادگار نورِ آثار تھے۔ جب سے یہ سلسلہ خاندان میاں صاحب محمدی کا چلا ہے، نسلاً بعد نسلٍ، خلفاً بعد خلفٍ اس زمانہ سے لے کر آج تک ایک نہ ایک فرد یگانہ منبع فیوض و برکات رہا ہے۔ روحانی فیض و استفادہ سب سے پہلے ملتان شریف غوث صاحب مرحوم کی اولاد سے کچھ زمانہ تک چلا آیا ہے، اس کے بعد میاں حافظ بدرالدین صاحب مرحوم نے اپنی بیعت میاں صاحب جی چکی والے سے جا کر کی، وہاں سے اپنا مقسوم فیض حاصل کیا، اتقیاء میں ان کا خصوصی امتیاز اکل حلال رہا ہے، نہایت زاہد، متقی، ذو داثر صاحب تاثیر تھے، ان کے بعد ان کے ابن البنت (نواسے) حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب، صوفی عاشق باللہ جانشین ہوئے، انہوں نے اپنا ارتباط روحانی مرد کامل شمس العارفین حضرت مولانا خواجہ شمس الدین سیالوی رحمہ اللہ سے پیدا کیا، جہاں آپ نے مجسم پیکر عشق ہو کر اپنے مقصد کو طے کیا۔ ان کے بعد وُلدِ صالح، زاہد کامل ہمارے حضرت میاں صاحب حاجی مولانا عبدالغفور صاحب مرحوم اپنے والد کی جگہ جلوہ افروز ہوئے، سلسلہ بیعت اور تاثر فیضِ روحانی خواجہؒ موصوف سے اور اپنے والد بزرگوار سے اکمل طریق پر حاصل کیا۔ تمام روحانی اقتباسات و باطنی انکشافات کو ضبط و ربط کے

ساتھ محفوظ رکھا، استقامتہ علی الشریعت اور پابندئ دین میں سرِمُو پس و پیش نہیں ہوئے۔ تمام عمومی علاقہ کے لیے واحد برکت اور خصوصی خطہ محمدی کے لیے روح رواں تھے۔ حق تو یہ ہے کہ جد امجد صاحب میاں محمدی مرحوم کا جو ظاہری جلال برسوں سے چمکتا، دمکتا چلا آ رہا تھا، آج ہماری آنکھوں سے پسِ پردہ ہو گیا۔

''وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا''

## ۲۷ فروری ۱۹۴۶ء بمطابق ۲۴، ربیع الاول ۱۳۱۵ھ

میروی و میرود جانم بتو
خوش برو فاالله خیرٌ حافظاً
حال من در ہجر حضرت کمتر از یعقوب نیست
او پسر گم کردہ اند و من پدر گم کردہ ام

یادداشت۔ خصوصاً میاں روشن کے، صاحبان نے میاں صاحبؒ کے تمام تعزیت کے مہمانوں کی خاطر دودھ اور چاول اپنے ذمہ لے رکھے ہیں، اللہ تعالیٰ اجر عظیم دے۔ آمین

## ۱۸ مارچ ۱۹۴۶ء بمطابق ۱۳، ربیع الثانی ۱۳۶۵ھ

آج مولوی محمد شریف صاحب علالت طبع کی وجہ سے مدرسہ سے رخصت ہو کر گھر تشریف لے گئے ہیں، ان کی جگہ مولوی عبدالرحمن رمانوی عارضی طور پر مدرس مقرر کیے گئے۔ سب سے پہلے مولوی نذر محمد لالی کی مولوی عبدالقدوس کے ذریعہ حتی المقدور کوشش کی گئی، لیکن جائے امید خالی باشد کی رو سے مایوس ہونا پڑا۔ ''مولوی لالی زندہ باد''

## ۲۸ مارچ ۱۹۴۶ء بمطابق ۲۳، ربیع الثانی ۱۳۶۵ھ

آج حافظ دوست محمد کا خط کارڈ موصول ہوا، تکمیل طب کا خیال ہنوز باقی ہے ان کے ہاں اللہ تعالیٰ نے فرزند عطا فرمایا ہے، مبارکبادی کا کارڈ ضرور ارسال کیا جائے۔

## ۲۹ مارچ ۱۹۴۶ء بمطابق ۲۴، ربیع الثانی ۱۳۶۵ھ

۱۔ آج مولوی محمد شریف صاحب کا لفافہ موصول ہوا ہے، قدرے افاقہ بیان کیا ہے۔ دیگچی والی معجون حافظ شبیر کے ذریعہ روانہ کی جائے۔

۲۔ تحقیق الخطبہ یک آنہ سے آج موصول ہوا ہے، منیجر صاحب کے نام قیمت مذکورہ ادا کرنی ہے۔

## ۳۰ مارچ ۱۹۴۶ء بمطابق ۲۵، ربیع الثانی ۱۳۶۵ھ

آج حافظ نذیر احمد صاحب ڈھلوی و حافظ غلام حسن صاحب کندیالوی تشریف لائے، جلسہ مدرسہ کی یہی تاریخ ہے۔ حضرت صاحب قبلہ سیالوی خواجہ قمر الدین تشریف لائے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جلسہ کامیاب فرمائے۔

## ۲، مارچ ۱۹۴۶ء بمطابق ۲۸، ربیع الثانی ۱۳۶۵ھ

مولوی لعل خان صاحب کا وی پی مشتمل بر بہشتی زیور ۱۱، حصے و فتاویٰ دار العلوم دیوبند آٹھ حصہ، بہ قیمت ساڑھے تئیس روپے موصول ہو چکا ہے ۱۰، ان کے پہلے جمع ہیں۔

## ۳، اپریل ۱۹۴۶ء بمطابق ۲۹، ربیع الثانی ۱۳۶۵ھ

۱۔ آج حافظ دوست محمد صاحب کی طرف سے سفوف برائے جریان، جس کی خوراک ایک رتی سے ۴ رتی تک ہے، موصول ہوئی ہے۔ خود بھی آنے والے ہیں۔

۲۔ تحقیق الخطبہ مولانا عثمانی اور منصب امامت، مولوی فضل نور صاحب چاولی، چکوال، جہلم کو واپس کرنی ہے۔ حافظ مولوی محمد دین طالب العلم اسی شہر (چاولی) کے یہاں پڑھتے رہے ہیں۔

## ۴، اپریل ۱۹۴۶ء بمطابق یکم جمادی الاول ۱۳۶۵ھ

آج مولوی عبد الرحمن رمانوی واپس ہو گئے ہیں، اپنے شہر والوں کی طرف سے مجبوری ظاہر کرتے ہیں۔

## ۷، اپریل ۱۹۴۶ء بمطابق ۴، جمادی الاول ۱۳۶۵ھ

مولوی فضل نور صاحب کو کتاب ''منصب امامت'' روانہ کر دی گئی پیسے پارسل پر خرچ ہوئے
مقام و ڈاک خانہ چاولی تحصیل چکوال ضلع جہلم۔

## ۱۴، اپریل ۱۹۴۶ء بمطابق ۱۱، جمادی الاول ۱۳۶۵ھ

مکتوبات قاسمیہ آنہ سے بصورت بیرنگ مکتبہ اعزازیہ ارسال کی ہے۔

## ۱۵، اپریل ۱۹۴۶ء بمطابق ۱۲، جمادی الاول ۱۳۶۵ھ

حمائل مترجم شاہ ولی اللہؒ پتہ ذیل سے بتخمینہ آٹھ روپیہ آٹھ آنہ مل سکتی ہے۔

مطبع کریمی، بمبئی ۱۰

## ۱۹، اپریل ۱۹۴۶ء بمطابق

آج مولوی صاحب ندوی (نیاز علی) واپس رخصت جانے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ مدرس کی ضرورت ہے۔

## ۲۰، اپریل ۱۹۴۶ء بمطابق ۶، جمادی الاول ۱۳۶۵ھ

رسالہ ''الانصاف'' مترجم حافظ احمد یار صاحب کو استعارۃً مطالعہ کے لیے دیا گیا ہے۔
(وصول ہو چکا ہے۔ محمد نافع)

## ۲۴، اپریل ۱۹۴۶ء بمطابق ۲۱، جمادی الاول ۱۳۶۵ھ

کافیہ (بعداز) ہدایۃ النحو شروع ہونے والا ہے۔ کتابیں دے دی گئی ہیں۔

## ۲۶، اپریل ۱۹۴۶ء بمطابق ۲۳، جمادی الاول ۱۳۶۵ھ

آج ہی ''قرۃ العینین [1]'' جلد بندی چرمی بقیمت آنہ کرائی ہے۔

## یکم مئی ۱۹۴۶ء بمطابق ۲۸، جمادی الاول ۱۳۶۵ھ

آج مولوی غلام جان کو خاص کام کے لیے خط لکھا گیا، اللہ تعالیٰ بہتر صورت پیدا فرمائے۔ آمین
(استفسار مذکور کا جواب آ گیا تھا کہ ابتداء سال میں پہنچنا مفید رہے گا، لیکن بعض عوارض کی بناء پر تا حال جانا نہیں ہو سکا، ھو الذی ونعم الوکیل)

## ۱۰، مئی ۱۹۴۶ء بمطابق ۸، جمادی الثانی ۱۳۶۵ھ

مولوی عبداللہ صاحب کا کفری سے نامہ موصول ہوا، انہیں کان کی تکلیف رہی ہے۔ اب افاقہ ہے۔ باقی خیریت ہے۔

## ۱۲، مئی ۱۹۴۶ء

آج جناب حاذق الحکماء ملک علی محمد صاحب سرگودھا، بسلسلہ تعزیت تشریف لائے۔ بہت جلدی واپس ہو رہے ہیں۔ قبل ازیں تقریباً ایک ہفتہ مولانا مولوی حکیم عطا محمد صاحب قریشی چک بھٹیاں والہ مع اپنے فرزند

---

[1] حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی تصنیف ہے۔

محمد حسن تشریف لائے تھے۔

## ۱۵، مئی ۱۹۴۶ء بمطابق ۱۰، جمادی الثانی ۱۳۶۵ھ

آج بتوکل الٰہی انگلش زبان کے سیکھنے کی ابتداء کی گئی ہے۔ حافظ احمد یار صاحب کی خدمت میں، اللہ تعالیٰ مقصد میں کامیاب کرے۔ (لیکن چند روز کے بعد جلد ہی یہ شوق ختم ہوگیا)

## ۲۴، مئی ۱۹۴۶ء بمطابق ۲۲، جمادی الثانی ۱۳۶۵ھ

پاپوش جدید عطا ہوا ہے، اللہ یرحم

## ۶، جون ۱۹۴۶ء بمطابق ۶، جمادی الثانی ۱۳۶۵ھ

آج مولوی محمد شریف صاحب بدستور حالت سابقہ تشریف لائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ یا شافی الامراض اشف

## ۸، جون ۱۹۴۶ء

صوفی غلام رسول صاحب چشتی کی تقریب سعید شادی ۱۱، شوال ۶۵ھ کو آ رہی ہے، انہوں نے بلا بھیجا ہے۔ دیدہ باید

## ۱۱، جون ۱۹۴۶ء بمطابق ۷، رجب ۱۳۶۵ھ

منتخب النفائس (لغت) حافظ احمد یار صاحب کو استعارۃ دی گئی ہے۔

## ۲۹ جون ۱۹۴۶ء بمطابق ۲۸، رجب ۱۳۶۵ھ

معراج کے متعلق ایک رسالہ تردید میرزائیت میں مولوی مرتضیٰ حسن صاحب کا ہے، وہ مولانا غلام محمد شاہ صاحب ڈیروی نے مطالعہ کے لیے لیا ہے۔ (واپس لے لیا گیا ہے، محمد نافع بقلم)

## ۹، جولائی ۱۹۴۶ء بمطابق ۹، شعبان ۱۳۶۵ھ

محترم مولانا احمد بخش صاحب برخورداری نے تحفہ اثنا عشریہ، قرۃ العینین، آفتاب ہدایت، [1] ہر کتب مع کتب مدرسہ استعارۃً لی ہیں۔

---

[1] اول الذکر حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ، ثانی الذکر حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اور ثالث الذکر ابوالفضل مولانا محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی تصنیف ہے۔

انتباہ! تحفہ مذکور واپس آ گیا ہے، باقی، باقی ہیں۔
۲۔ آفتاب ہدایت بھی واپس آ گئی ہیں۔

## ۱۲، جولائی ۱۹۴۶ء بمطابق ۱۲، شعبان ۱۳۶۵ھ

غایۃ الأوطار جلد اول اور حیات امام مالکؒ ہر دو کتب مولوی محمد قابل غوری صاحب کو مطالعہ کے لئے دی گئی ہے۔
انتباہ! واپس آ گئی ہیں۔ محمد نافع بقلم

## ۲۲، جولائی ۱۹۴۶ء بمطابق ۲۲، شعبان ۱۳۶۵ھ

حافظ دین محمد صاحب طالب العلم کو بیس روپے چار آنہ منی آرڈر کرنے کے لیے دے گئے ہیں۔ پتہ ذیل ہے۔
ریاست بہاولپور، اسٹیشن سمہ سٹہ
محکمہ انٹرلاکنگ، مستری چراغ دین صاحب وصول کریں۔

## ۲۴، جولائی ۱۹۴۶ء بمطابق ۲۴، شعبان ۱۳۶۵ھ

آج مولوی صدیق کوٹ سارنگ والہ کا ترجمۃ القرآن ختم ہوا۔ بفضلہ۔ کل گھر چلے جائیں گے۔

## ۲۷، جولائی ۱۹۴۶ء بمطابق ۲۷، شعبان ۱۳۶۵ھ

### "مدحِ صحابہؓ"

ابوبکرؓ ہمچو کعبہ عمرؓ در طواف اُو
عثمانؓ آب زم زم علیؓ حجِ اکبر است
ابوبکرؓ جان ما است عمر دیدگان ماست
عثمانؓ زبان ماست علیؓ تاج برسراست
ابوبکرؓ چوں درخت عمرؓ شاخ آں درخت
عثمانؓ مثل برگ علیؓ میوہ برسراست
ہرکس ازیں چہار یکے را خلاف کرد
اوراتیقین بداں زیہودان خیبر است

## ۲۸، جولائی ۱۹۴۶ء بمطابق ۲۸، شعبان ۱۳۶۵ھ

لکھ لکھ ہزار لعنت برجان رافضی
برجان آنکہ دشمن بوبکرؓ عمرؓ است
لکھ لکھ ہزار رحمت برجاں موموناں
برجان آنکہ سنی و بردین سرور است
سنی منم کہ سعدیؒ شیرازی۔ جائے منم
مدح رسولؐ کردہ یم جانم معطر است

## ۲، اگست ۱۹۴۶ء

کتب کے لیے دو پتے ذکر کیے جاتے ہیں:
ا۔ مولانا مولوی کامل دین صاحب مقام رتّو کالا، ڈاک خانہ پُھلروان ضلع سرگودھا۔
۲۔ مولانا عبدالجلیل صاحب مقام چوراں والی ڈاک خانہ جلالپور جٹاں، ضلع گجرات۔

## ۲۸، اگست ۱۹۴۶ء بمطابق ۴، رمضان ۱۳۶۵ھ

کُلیات جدولیہ فی احوال اولیاء اللہ
تاریخی نام
تحفۃ الابرار از جناب مرزا بیگ دہلوی (نہایت ضروری ہے)

## ۸، ستمبر ۱۹۴۶ء بمطابق ۱۱، شوال ۱۳۶۵ھ

۱۱ شوال ۶۵ھ صوفی غلام رسول صاحب چشتی بہشتی کی شادی ہے۔ انہوں نے بڑے زور کی دعوت دی ہے، مگر پہنچنا مشکل لگ رہا ہے۔

## ۱۰، ستمبر ۱۹۴۶ء بمطابق ۱۳، شوال ۱۳۶۵ھ

ھوالحافظ

مولوی حافظ عبداللہ صاحب دورہ حدیث شریف کے لیے بریلی شہر جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ [1]

---

[1] ان بزرگوں کا بریلی شریف جانا چونکہ مستقبل میں خطرے کی ایک گھنٹی تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ کے حضور رحم و کرم کی اپیل لکھی گئی ہے اور بریلی شریف سے واپسی کے بعد ان کے وجودِ بے مسعود سے جو تنفر پھیلا اس کی مکمل تفصیل ایک مستقل باب کی صورت میں اس کتاب کے گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔ سلفی

## ۱۱، ستمبر ۱۹۴۶ء بمطابق ۱۴، شوال ۱۳۶۵ھ

اللهم بارك لنا فی اعمالنا كلها واشغالنا تمامها۔

آج افتتاح سالِ جدید تعلیمی ہوا ہے۔ مشکوٰۃ شریف، مقاماتِ حریری، نور الانوار وغیرہا شروع ہوئیں ہیں اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائے بحرمته النبی الکریم علیه الصلوٰۃ والتسلیم۔

## ۱۲، ستمبر ۱۹۴۶ء بمطابق ۱۵، شوال ۱۳۶۵ھ

(۱) تحقیقاتِ چشتی از نور احمد چشتی، اللہ والے کی دوکان کشمیری بازار، لاہور سے دستیاب ہے۔

## ۱۸، ستمبر ۱۹۴۶ء بمطابق ۲۱، شوال ۱۳۶۵ھ

آج صوفی صاحب چشتی بہشتی کا شکایت نامہ موصول ہوا ہے۔ ملک عبدالقدوس صاحب ایگری کلچر اور بندہ پر سخت ناراض ہو رہے ہیں کہ ہماری شادی پر باوجود مکرر دعوت کے کیوں نہیں آمد ہوئی؟ (خیال ہے کہ معذرت نامہ لکھا جائے بفضلہٖ تعالیٰ)

## ۷، اکتوبر ۱۹۴۶ء بمطابق ۱۱، ذی قعدہ ۱۳۶۵ھ

مرقات اور الفیہ ہر دو ذاتی کتب طلبہ کو دی ہوئی ہیں، غلام عباس و محمد شفیق وغیرہ کو۔ اور اصول الشاشی وغیرہ بھی۔

## ۹، اکتوبر ۱۹۴۶ء بمطابق ۱۳، ذیقعدہ ۱۳۶۵ھ

۱۔ صوفی صاحب کی آمد مع سواری ہوئی ہے، فتاوی امدادیہ ہر چہار جلد مع تتمہ جات کا سیٹ ساتھ لائے ہیں جزاکم اللہ تعالیٰ۔

۲۔ مولوی محمد شریف صاحب کا نامہ آیا ہوا ہے، مشورہ برائے قیام طلب کرتے ہیں۔

## ۱۰، اکتوبر ۱۹۴۶ء بمطابق ۱۴، ذیقعدہ ۱۳۶۵ھ

مولانا سید غلام محمد شاہ صاحب ڈیروی مدرس دار العلوم (کاغذ پھٹا ہوا ہے۔ سلفی) کتاب غنیۃ الطالبین و مظاہر حق جلد چہارم طلب کی ہے۔ ہر دو کتب روانہ کر دی ہیں۔ مظاہر حق عاریۃً لے کر دی گئی ہے۔

## ۱۵، اکتوبر ۱۹۴۶ء بمطابق ۱۹، ذیقعدہ ۱۳۶۵ھ

۱۔ وی پی مکتبہ امدادیہ (دیوبند) سے وصول ہوئی ہے۔ مالابدکلیمی کی بجائے مالابد قاضی صاحب پانی پتی بھیج دی ہے۔ وجہ تسامح دریافت کرنی چاہیے، صوفی صاحب آج واپس ہورہے ہیں۔ آٹھ روپے کی دعوت پوری کر گئے ہیں۔

۲۔ جدید پاپوش عطا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ برکت فرمادیں۔

۳۔ کپڑے کی حد درجہ کی گرانی و ناپیدگی واقع ہورہی ہے۔

## ۱۶، اکتوبر ۱۹۴۶ء بمطابق ۲۰، ذیقعدہ ۱۳۶۵ھ

مولوی عبدالخالق صاحب ہزاروی مدرس دارالعلوم کے ہاں شرح وقایہ جلد اول عاریۃً گئی ہے۔

مولوی نذر محمد صاحب لالی کے ہاں شرح عقائد قدیم و خیالی جدید عاریۃً گئی ہے۔ واپسی کا خیال رکھنا چاہیے۔

## ۲۷، اکتوبر ۱۹۴۶ء بمطابق یکم، ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ

۱۔ فتوح الغیب سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ

۲۔ بلاغ المبین، امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ

ہر دو کتب کی فرمائش کتب خانہ عزیزیہ کشمیری بازار لاہور کو ارسال کی گئی ہے۔

۳۔ سید حسین جعفری ولد سید عبدالغنی مجاور شاہ کلیم اللہ درمیان لال قلعہ و جامع مسجد دہلی کے ہاں چند کتب کی تفصیل طلب کرنی ہے۔

## ۸، نومبر ۱۹۴۶ء بمطابق ۱۳، ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ

محترم مولوی نذر محمد صاحب لالی وارد ہوئے، واپسی پر شرح عقائد نسفیہ و خیالی مجتبائی جدید مجلد عاریۃً لے گئے، ہر دو کتب ذاتی ہیں۔

(ہر دو کتب واپس کردی گئی ہیں، بہ نفس نفیس تشریف لائے)

## ۱۱، نومبر ۱۹۴۶ء بمطابق ۱۶، ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ

مولوی عبدالقادر صاحب ہزاروی رخصتوں سے آج واپس آ گئے ہیں۔ شاہ صاحب ابھی نہیں پہنچے۔

## ۱۴، نومبر ۱۹۴۶ء بمطابق ۱۹، ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ

مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کو مسلم لیگ کے متعلق چند گزارشات مع ارسال کی گئی ہیں۔ اور جواب کے لیے ٹکٹیں ساتھ روانہ کی ہیں۔

(مگر جواب نداد ند، واللہ اعلم)

## ۱۵، نومبر ۱۹۴۶ء بمطابق ۲۰، ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ

## (جشن سیمین)

۱۵ نومبر تا ۱۸ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی جامعہ نگر کی پچیس سالہ کارکردگی کی شاندار جوبلی منائی جارہی ہے۔ جامع مسجد (جامعہ ملیہ) کا سنگِ بنیاد بدست مولانا عبدالقادر رائے پوری صوفی رکھی جائے گی، مشاہیر علماء و عظماء کا جمگھٹا ہوگا۔ افسوس ہم نہیں پہنچ سکے، اطلاع دیر سے آئی ہے۔

## ۱۶، نومبر ۱۹۴۶ء بمطابق ۲۱، ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ

(۱) استاذ شاہ صاحب [1] مدرس واپس ہوئے۔

(۲) صوبہ بہار کے بعد دہلی میں ہندو مسلم فساد کی شنوائی ہے، مسلمانوں کا اللہ تعالیٰ ہی حافظ ہے۔

(۳) ۲۹، ۳۰ نومبر اور یکم دسمبر کو مرکز تنظیم اہل سنت کا سالانہ جلسہ لاہور میں ہو رہا ہے۔ بہ صدارت قاری محمد طیب صاحب سلمہم اللہ، مہتمم دارالعلوم دیوبند۔

## ص ۱۷، نومبر ۱۹۴۶ء بمطابق ۲۲، ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ

کٹاری باغ ضلع پٹنہ میں ۵ ہزار ہندوؤں نے صرف چار مسلمانوں پر حملہ کیا، یہ چاروں مسلمان، ایک سو تیس (۱۳۰) ہندوؤں کو ہلاک کر کے خود جاں بحق ہو گئے۔ خیر القرون کی یاد تازہ کر دی۔ رحمھم اللہ تعالیٰ وجعل اللہ الجنۃ مثواھم (زمزم، ۱۱ نومبر ۴۶ء)

---

[1] امام پاکستان علامہ احمد شاہ چوکیروی رحمہ اللہ مراد ہیں۔

## ۲۲،نومبر ۱۹۴۶ء بمطابق ۲۷،ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ

''زمزم'' کو ۹ روپیہ چندہ کر کے اجراء کے لیے روانہ کیا ہے، ۱۵ نومبر سے حساب شمار ہوگا۔ آج سے قبل تاریخ کے پرچے یکمشت روانہ کردینگے ''مدینہ'' مولوی غلام محمد شاہ صاحب منگوار ہے ہیں۔

## ۳،دسمبر ۱۹۴۶ء بمطابق ۸،محرم الحرام ۱۳۶۶ھ

۱۔ مولوی امیر احمد صاحب ہاشمی کندیاں جامع مسجد اسٹیشن نے حب نزلہ کی شیشی روانہ کی ہے۔ قیمت ۸ آنہ ہے۔

۲۔ مزید براں دو چار چیزیں اور ذکر کر رہے ہیں کہ ہمارے ہاں نہایت مفید مجرب ہیں واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ "دواخانہ نظام الشفاء"

## ۱۳،دسمبر ۱۹۴۶ء بمطابق ۱۸،محرم الحرام ۱۳۶۶ھ

آج مدرسہ کا یوم تاسیس منایا گیا، خاص اہتمام سے جلسہ ہوا، مولوی حافظ نذیر احمد صاحب تشریف لائے۔ نام کی تبدیلی کی گئی ہے، جامعہ عربیہ اسلامیہ آج سے موسوم کیا جائے گا انشا اللہ تعالیٰ۔

## ۱۴،دسمبر ۱۹۴۶ء بمطابق ۱۹،محرم الحرام ۱۳۶۶ھ

کتب خانہ عزیزیہ لاہور کا جواب آیا ہے، انہوں نے فتوح الغیب اور البلاغ المبین اور دو عدد سفید کاپی بلا قیمت روانہ کی ہیں، ترجمہ کروانے کا خیال رکھتے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ:

''جیسا مناسب خیال فرمادیں، کردیں، آپ کو اختیار ہے، جب فرصت ہو، تکلیف معاف۔''

(عزیز بیگ)

## ۲۵،دسمبر ۱۹۴۶ء بمطابق ۳۰،محرم الحرام ۱۳۶۶ھ

آج ملک عبدالقدوس صاحب (۱) مختار الصحاح (۲) دیوان عبدالرحیم ہر دو مطالعہ کے لیے لے گئے ہیں۔

روزنامہ ''زمزم'' کا پہلا پرچہ آج موصول ہوا۔

(ہر دو کتب بالا نوشتہ واپس ہو چکی ہیں)

محمد نافع عفی اللہ عنہ

# ۱۹۴۸ء بمطابق ۱۳۶۷ھ

## ۳، جنوری ۱۹۴۸ء بمطابق ۲۰، صفر ۱۳۶۷ھ ہفتہ

کتب استعارۃً دادہ شدہ

۱۔ بیضاوی ...... صدر صاحب

۲۔ ترمذی ...... مولوی محمد خان صاحب

۳۔ شرح وقایہ ...... برخوردار مولوی عبداللہ صاحب

۴۔ گلستان محشی ...... حامد علی

۵۔ شرح جامی ...... کابلی

۶۔ تاریخ الخلفاء اور عرف الشذی وغیرہ مولوی محمد شریف صاحب کے پاس ہیں۔

## ۹، جنوری ۱۹۴۸ء بمطابق ۲۶، صفر ۱۳۶۷ھ

جناب مرزا عبدالوحید صاحب برلاس کو بطور عاریۃً دیوان حافظ مترجم دیا گیا۔
مفتاح العلوم اول لطف الٰہی کے پاس ہے (موصول ۴، ۵، ۶۷ھ)

## ۱۶، جنوری ۱۹۴۸ء بمطابق ۴، ربیع الاول ۱۳۶۷ھ

۱۔ بوادر النوادر ...... مولانا تھانویؒ (تقریباً تین یا چار جلد)

۲۔ تہذیب الاخلاق ...... (ہر چہار جلد از سر سید احمد خان)

۳۔ دعوات عبدیت ...... (متعدد حصص از حضرت تھانویؒ)

۴۔ اشتراکیت کے لیے اشتراکیت اور اسلام ...... مسعود عالم ندوی
ہیگل مارکس اور اسلامی نظام۔

## ۱۷، جنوری ۱۹۴۸ء بمطابق ۵، ربیع الاول ۱۳۶۷ھ

خرید کتب

۱۔ اسلام کا اقتصادی نظام ...... مولانا سیوہاروی

۲۔اسلامی معیشت ...... سید مناظر احسن گیلانی

۳۔علم المعیشت ...... الیاس برنی

۴۔اسلام اور سود ...... ڈاکٹر انور اقبال قریشی

۵۔قومی معیشت ...... ڈاکٹر ذاکر حسین، جامعہ ملیہ دھلی

۶۔جنگ اور اسلام ...... مولانا آزاد صاحب ابوالکلام

۷۔الجہاد فی الاسلام ...... مودودی صاحب

## ۱۹، جنوری ۱۹۴۸ء بمطابق ۷، ربیع الاول ۱۳۶۷ھ

بنام امین صاحب چنیوٹ

ادارہ ہذا کا تقریباً شروع سے ہی اعتدال (میانہ روی) کا مسلک رہا ہے۔ اور اب دولت خداداد کے زمانہ میں اس ضرورت کو مزید خاص مدنظر رکھا گیا ہے، بلکہ بفضلہٖ تعالیٰ ملک بھر میں یہی ایک ایسا وسیع النظر عمومی ادارہ ثابت ہوگیا جو ملک میں نہایت ہی خوشگوار فضا (اور باہمی اتحاد و اخلاص کی بہترین زمین) تیار کر سکے۔ بعونہ۔ (از ناظم صاحب دفع وہم کیا گیا ہے)

## ۲۱، جنوری ۱۹۴۸ء بمطابق ۹، ربیع الاول ۱۳۶۷ھ

بنام حکیم عبدالرحیم صاحب صدر جماعت اسلامی حلقہ چنیوٹ

شاید آپ راقم الحروف اور ادارہ ہذا کے عمومی مسلک سے زیادہ واقفیت نہیں رکھتے ہوں گے۔ اس قسم کے فروعی معاملات میں خوامخواہ پڑنے کو ہم نہایت لغو بلکہ اسلام کے عمومی اصول کے خلاف سمجھتے ہیں۔ ادارہ کے آغاز کار سے ہی بفضلہٖ تعالیٰ ادارہ ہذا کا عمومی مسلک نہایت ہی معتدل (غیر جانبدارنہ) رہا ہے اور خاص اب پاکستان کے نئے ماحول میں ہم اپنے روایتی معمول کو مزید اعلیٰ معیار پر ترقی دینا چاہتے ہیں (بعونہ تعالیٰ) لیکن ایسے کوتاہ اندیش، تنگ نظر افراد کے طریقہ کار کو کبھی مستحسن نہیں قرار دے سکتے۔ اور ایک مسلمان کو غیر مسلم کہے یا کہلانے کو کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتے۔

## ۲۳، جنوری ۱۹۴۸ء بمطابق ۱۱، ربیع الاول ۱۳۶۷ھ

جامعہ محمدی رجسٹرڈ کرایا گیا ہے، حساب کتاب کی باقاعدگی لازم ہوگی، مجلس عاملہ بھی مقرر کی گئی ہے، متعدد ارکان ہیں۔

## ۲۴، جنوری ۱۹۴۸ء بمطابق ۱۲، ربیع الاول ۱۳۶۷ھ

نمبر رائفل ذاتی: 6337-1942

تاریخ ساخت: 1942ء

لائسنس تیار ہو چکا ہے۔

## ۲۵، جنوری ۱۹۴۸ء بمطابق ۱۳، ربیع الاول ۱۳۶۷ھ

آج سب انسپکٹر ڈویژن ملتان قاضی عبدالرحمن صاحب کی آمد کی پختہ امید تھی۔ مدرسہ کے سب ضروری کام ان کے متعلق معلق تھے، ان کی تشریف آوری کے لیے تیاریاں ہوتی رہیں ہم لوگ (عربی دانوں) نے عربی سپاسنامہ (اڈریس) تیار کیا، مکتب والوں نے اردو میں علیحدہ تیار کیا، ساری تیاری دھری رہ گئی، اطلاع ملی کہ وہ صاحب ملتان سے ہی نہیں چل سکے۔ وعلی اللہ التکلان هو المستعان

## ۲۶، جنوری ۱۹۴۸ء بمطابق ۱۴، ربیع الاول ۱۳۶۷ھ

## (ڈی سی) ڈپٹی کمشنر صاحب چیمہ کی آمد

ڈی سی صاحب (چوہدری مشتاق احمد چیمہ) مع شیخ محمد سعید صاحب وکیل مگھیانہ ودیگر بعض معززین جامعہ محمدی میں اپنی کار ولاؤڈ سپیکر سمیت تشریف لائے۔ سابقہ کوششوں کی بناء پر مدرسہ دیکھنے کے لیے اور علاقہ میں ہدایات وتبلیغ بھی مقصود تھی۔ اچھا مجمع ہوا۔ مدرسہ کی امداد کی خاطر حتی المقدور سعی کا وعدہ کیا، سب سے پہلے مرزا عبدالوحید صاحب ہیڈ ماسٹر نے سپاسنامہ خود پڑھا، بعد ازاں شیخ صاحب موصوف نے برجستہ مختصر تقریر کی، اس کے بعد چوہدری صاحب نے چند پُر مغز ہدایات عوام الناس وخواص کے لیے فرمائیں۔ چوہدری صاحب کے اخلاق واخلاص وانتظام قابل قدر وصد تحسین ہے۔

## ۳۰، جنوری ۱۹۴۸ء بمطابق ۱۸، ربیع الاول ۱۳۶۷ھ

آج دہلی میں مہاتما گاندھی کو ۵ بجے شام پرارتھنا کے وقت نتھورام نے پستول سے مار دیا، مہاتما فوراً چل بسے۔

## ۶، فروری ۱۹۴۸ء بمطابق ۲۵، ربیع الاول ۱۳۶۷ھ

## صوفی صاحب کی آمد

صوفی صاحب غلام رسول تشریف لائے اور رات گزار کر فتاویٰ امدادیہ ہر چہار جلد واپس لے گئے ہیں، فتاوی دارالعلوم کے بدلے مذکور فتاوی دینے کا وعدہ کیا ہے۔ بلا قیمت و بدلہ دینے کو تیار نہیں ہیں۔

## ۱۱، فروری ۱۹۴۸ء بمطابق ۳۰، ربیع الاول ۱۳۶۷ھ

اس سال گندم حد درجہ کی گراں ہو رہی ہے۔ کنٹرول ریٹ تقریباً ۹، روپے یا دس روپیہ فی من کے حساب سے مقرر ہے۔ مگر بلیک میں لوگ چالیس روپے فی من تک بعض لوگ پہنچ چکے ہیں۔ تین پڑوپی یا ٹوپہ فی روپیہ تو عام لین دین ہو رہا ہے لوگ خوراک کے لحاظ سے بڑے تنگ ہیں، دو دو دن فاقہ میں کاٹ کر ساگ پات، گاجر مولی وغیرہ پر گزارہ کر رہے ہیں۔ القحط۔ لهذا الحد لا نری قط قبله هذا، ابتداء عظیم و حمیم روغن زرد (گھی) تین شارک تک بعض اوقات رہا ہے۔

## ۱۳، فروری ۱۹۴۸ء بمطابق ۲، ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ

دارالقوۃ (رائفل کلب) کی تجویز:

مولوی عبدالقدوس صاحب ناظم مجلس مذکور قرار دیئے گئے، چند افراد نے شمولیت کی ہے اور ایک روپیہ چندہ فی کس لیا گیا۔ جس وقت اچھے خاصے افراد جمع ہو جائیں تو ڈی سی کو اطلاع دے کر باقاعدہ کا اجراء شروع ہوگا۔ رائفل خواہ اپنی ہو یا نہ ہو، سب کو سکھلائی کرائی جائے گی۔

## ۱۴، فروری ۱۹۴۸ء بمطابق ۳، ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ

## تجدید مسلم لیگ

تحصیل چنیوٹ میں توسیع مسلم لیگ ضروری ہے، ایک مختصر سا اجلاس مشتمل بر مولوی صاحب برخورداری محمد حسین صاحب مہاجر و عملہ مدرسہ، مسجد جامعہ محمدی میں کیا گیا۔ جس میں پروگرام کی تقسیم و تعمیل کی صورتیں طے کی گئیں ہیں۔ مرکز جھنگ کی ہدایات لازمی طور پر معلوم ہونی چاہئیں، ۳۱/مارچ ۴۸ء تک یہ کام مذکور کو تمام کروانا ہے۔

## ۱۵، فروری ۱۹۴۸ء بمطابق ۴، ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ

مولانا مولوی احمد بخش صاحب برخورداری تفسیر خازن جلد اول لے گئے ہیں، اور چند کتب مدرسہ کی بھی لے گئے ہیں، قبل ازیں تفسیر حسینی فارسی ان کے ہاں گئی ہوئی ہے۔ مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا رومؒ جلد اول بھی مولوی صاحب موصوف کے پاس عاریۃً گئی ہوئی ہے۔

## ۱۹، فروری ۱۹۴۸ء بمطابق ۸، ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ

برائے مہاجرین۔ محمد یار کمہار کو ۴۰ روپیہ گندم کی خرید کے لیے دیئے گئے ہیں۔

## ۲۲، فروری ۱۹۴۸ء بمطابق ۱۱، ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ

آج سوموار کی رات کو ڈویژن انسپکٹر مدارس جناب قاضی عبدالرحمن صاحب چنیوٹ کے راستہ سے تشریف لائے۔ جامعہ سے نہایت رواداری کا ثبوت دیا۔ بہت نیک اور شریف الطبع ہیں، صبح کو معائنہ تمام شعبہ ہائے مدرسہ کیا۔ آخر میں مختصر سا اجلاس منعقد ہوا۔ حصہ عربیہ کی طرف سے عربی میں سپاسنامہ اور ایک دو تقریریں ہوئیں۔ مکتب والوں نے اردو میں سپاسنامہ پیش کیا اور نظمیں بھی سنائیں۔ تقریباً ایک بجے واپسی ہوئی۔

## ۲۳، فروری ۱۹۴۸ء بمطابق ۱۲، ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ

آج عطا محمد صاحب حکیم میانوالی،[1] چک بھٹہ تشریف لائے، مسلم لیگ علاقہ کے قیام کی تجویزیں ہوئیں۔

## ۲۴، فروری ۱۹۴۸ء بمطابق ۱۳، ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ

## ”حادثۂ فاجعہ عظیمہ“

منگل کی رات کو عشاء کے وقت موضوع سحنیکے میں میاں احمد کمہار کے بچے محمد صدیق، محمد سعید معصوم اور زینب بچی، ہر سہ کو ڈاکوؤں نے ذبح کر دیا۔ تمام رات کسی کو خبر نہ ہوئی۔ صبح ہر کسی کو علم ہوا۔ پولیس کا اطلاع کی گئی۔ کپتان پولیس اور جنرل انسپکٹر پولیس لاہور کو بھی تاریں ارسال کی گئی ہیں، تفتیش جاری ہے۔

---

[1] مولانا حکیم عطاء محمد قریشی مراد ہیں جو بہت پختہ عالم دین اور خاندانی وحاذق حکیم تھے مولانا سید احمد شاہ چوکیروی رحمہ اللہ جیسے اہل علم کے اساتذہ میں شمار ہوتے تھے۔ اصلاً دلیوالا (ضلع میانوالی) کے تھے مگر کافی عرصہ چک بھٹہ متصلاً قصبہ محمدی شریف میں مقیم رہے اور یہاں اپنا مطب بھی قائم کیے رکھا۔ ''یادِ ایام'' کے نام سے اپنی خودنوشت سوانح بھی لکھی جس کا ذکر اس کتاب میں اپنے مقام پہ موجود ہے۔ سلفی

## ۲۵، فروری ۱۹۴۸ء بمطابق ۱۴، ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ

مولانا بخش صاحب تاجر سے نمبروالی رسید بک سے، برائے چندہ مہاجرین وصول ہوا ہے۔ بدست حکیم نور الزماں صاحب دفتری۔

## یکم، مارچ ۱۹۴۸ء بمطابق ۱۹، ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ

### انتباہ!

کشمیر اکتوبر ۱۹۴۷ء سے ہندوستان میں شمول کا اعلان کر چکا ہے۔ انڈونیشیا ۱۷، اگست ۱۹۴۵ء سے آزاد ہو چکا ہے، امسال ۴۸ء تیسرا یوم آزادی انہوں نے ۱۷، اگست ۴۸ء کو بڑی دھوم سے منایا۔

## ۳، مارچ ۱۹۴۸ء بمطابق ۲۱، ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ

ولادت عزیزہ

الیوم ولدت سعیدہ زینب

## ۴، مارچ ۱۹۴۸ء بمطابق ۱۳۶۷ھ

مولانا نذر محمد صاحب لالی، مولانا عطاء محمد چک بھٹہ، مولانا احمد بخش برخورداری و دیگر حضرات کو جامعہ کی چند ضروریات کے لیے ہدایات دی گئی ہیں۔ خدا کرے کوئی معتد بہ کام سرانجام دے سکیں، آج ہی حافظ نذیر احمد صاحب کا کارڈ ملا، چند امور کے متعلق خاص طور پر دریافت کرتے ہیں۔

حکیم صاحب دلالی تشریف نہ لا سکے، اجلاسِ مشاورت ہفتہ (یوم السبت) پر ملتوی ہوا۔

## ۵، مارچ ۱۹۴۸ء بمطابق ۲۳، ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ

آج جمعہ جناب مولوی برخورداری صاحب نے پڑھایا، ''انما المؤمنون الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم واذا تلیت علیھم آیاتہٗ ذاتھم ایماناً وعلی ربھم یتوکلون'' موضوع تقریر رہا، مجمع نہایت محفوظ و متاثر ہوا۔

## ۶، مارچ ۱۹۴۸ء بمطابق ۲۴، ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ

میاں سلطان احمد سمندری رکن مجلس عاملہ کے کہنے پر پہلا اجلاس مجلس عاملہ کیا گیا، متعدد اہم چیزیں طے ہوئیں۔عربی کانفرنس کا انعقاد اواخر جمادی الثانی میں متعین ہوا۔موجود اراکین نے ۵ روپیہ چندہ ادا کرنے کا وعدہ فرمایا۔

جناب لالی صاحب نے آج ورود مسعود فرمایا ہے۔

## ۷، مارچ ۱۹۴۸ء بمطابق ۲۵، ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ

بادل و بارش۔

ملکوال جواب لکھا گیا ہے، اسباق وغیرہ کا دوبارہ تعین اوقات و نظام کی تجویزیں آئی ہیں۔

## ۸، مارچ ۱۹۴۸ء بمطابق ۲۶، ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ

## مگھیانے روانگی

جناب مرزا صاحب برلاس، میاں احمد شریک سفر ہیں، آج سارا دن انتظار کیا گیا، مگر لاری نہ مل سکی۔

## ۹، مارچ ۱۹۴۸ء بمطابق ۲۷، ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ

آج بمعیت منشی صالح محمد صاحب و برلاس صاحب، کل بدھ کو آخری لاری پر شام کو مگھیانہ پہنچے۔میاں محمد بخش صاحب ہنجرا ایڈووکیٹ کے مکان پر رات کو قیام کیا۔میاں صاحب بڑے احسان و اخلاص سے ملاقی ہوئے، تین رات متواتر یہیں قیام رہا، صبح کو دفاتر کے کام کار نمٹانے ہوں گے۔

## ۱۰، مارچ ۱۹۴۸ء بمطابق ۲۸، ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ

چیمہ صاحب ڈی سی سے ملاقات، شیخ صاحب و احمد نور کی معیت میں ہوئی۔ پیر ولایت شاہ صاحب ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس جھنگ سے بھی ملاقات ہوئی۔

## ۱۱، مارچ ۱۹۴۸ء بمطابق ۲۹، ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ

مدرسہ کی چند ضروری اشیاء خریدی گئیں۔

۱۔دوسیر صابن، بحساب ایک روپیہ ۸ آنہ فی سیر۔

۲۔لائف بوائے ایک ٹکیہ

۳۔چھڑی دستی نہیں ملی

۴۔جمعرات اور جمعہ ہر دو دن لاری نہیں مل سکی، مجبوراً مقید ہو رہے ہیں۔

## ۱۳، مارچ ۱۹۴۸ء بمطابق ۳۰، ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ

بارش:

سپرٹینڈنٹ پولیس سے برلاس صاحب نے ملاقات کی، مقصد میں اچھی خاصی کامیابی ہوئی۔ ملک محمد یار خاں صاحب بندیال اور ڈی آئی صاحب سے پُراثر ذوالمعنی ملاقاتیں رہیں۔ گرانٹ ۵۰۰۰ کی وصولی کل تک ہوسکے گی (بعونہ تعالیٰ)۔

آج بھی لاری نہ مل سکی، طوعاً و کرہاً جکڑے بیٹھے ہیں۔

## ۱۳، مارچ ۱۹۴۸ء بمطابق یکم، جمادی الاول ۱۳۶۷ھ

آج بصد مشکل پہلی لاری قریباً ۹ بجے ملی، شام دو بجے واپسی ہوئی۔ گرانٹ کی وصولی چیئرمین عارف حسین صاحب سے ہونی ہے۔ مرزا صاحب و منشی صاحب نقود لے کر آئیں گے۔ ان شاء اللہ۔

مذکورہ کام نمٹانے میں شیخ محمد سعید صاحب اور رائے احمد نور صاحب نے کافی معاونت کی۔ امسال شوال ۶۶ھ سے کافی بارشیں ہوتی رہی ہیں۔ سردیوں میں بھی بہت بارش ہوئی تھیں۔ چیت میں بھی بے حد بارشیں ہوئیں۔ دریا میں طغیانی بھی آئی۔ دریائی فصل برباد ہوئی۔

## ۱۴، مارچ ۱۹۴۸ء بمطابق ۲، جمادی الاول ۱۳۶۷ھ

غلام رسول و برادرش اکبر شاہ صاحب ہر دو دورہ سے واپس ہوئے ہیں۔ ہمارے ہاں رات گزاری اور یکصد چہل روپیہ دے کر گئے ہیں، بقیہ مائتہ کا وعدہ قریبی کیا ہے اور یہ کہ ہمارے گھر پر آنے کی اس کے لیے ہرگز تکلیف نہ کی جائے، ہم خود پہنچا دیں گے۔

## ۱۵، مارچ ۱۹۴۸ء بمطابق ۳، جمادی الاول ۱۳۶۷ھ

ہدایہ کا سبق کتاب الاقرار اور شرح وقایہ کتاب الصلح اور شرح جامی کا باب المستثنیٰ جاری ہے۔ اسباق متعدد ناغے پیش آرہے ہیں۔ مشکوٰۃ شریف، لطف الٰہی صاحب چھوڑ کر (فراراً) رُوپوش ہو گئے ہیں۔

ربنا اغفرلنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکفرین۔

## ۱۶، مارچ ۱۹۴۸ء بمطابق ۴، جمادی الاول ۱۳۶۷ھ

۱۔ برخورداری صاحب سے (تفسیر) خازن اول، حسینی ومثنوی اول وصول ہو چکی ہیں۔

۲۔ صدری جدید کی سلائی اڑھائی روپیہ آج مدت کے بعد ادا کی گئی ہے، محمد وارث لے کر گئے ہیں۔

## ۲۵، مارچ ۱۹۴۸ء بمطابق ۱۲، جمادی الاول ۱۳۶۷ھ

مولانا حافظ محمد خلیل صاحب انگوی کو ملفوف ارسال کیا گیا، دیکھئے جواب کی تکلیف کی جاتی ہے یا نہیں؟

## ۲۸، مارچ ۱۹۴۸ء بمطابق ۱۶، جمادی الاول ۱۳۶۷ھ

سید امام علی شاہ صاحب ساکن چنیوٹ نے کتاب ''مشکوٰۃ شریف'' بوسیدہ مدرسہ کے لئے وقف کی ہے۔ رسید وصولی لالیاں کے پتہ پر یا موضع سمندر والوں کو ارسال کی گئی ہے۔

## ۳۰، مارچ ۱۹۴۸ء بمطابق ۱۸، جمادی الاول ۱۳۶۷ھ

اور سنو!

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی طرف سے اپیل نامے طبع ہو کر آج موصول ہو رہے ہیں کہ لائسنس دارانِ رائفل سب ۱۵، اپریل ۴۸ء کو اپنی اپنی رائفل واپس کریں، کیونکہ سرحد پاکستان پر خطرہ کی وجہ سے حکومت کو اسلحہ کی ضرورت ہے، بعد از فراغت مالکوں کو مل جائیں گی۔ لہٰذا سب کو تشویش ہو رہی ہے کہ رائفلوں کا کیا ہوگا؟

## ۴، اپریل ۱۹۴۸ء بمطابق ۲۳، جمادی الاول ۱۳۶۷ھ

اس تاریخ کو صدر مسلم لیگ والوں نے کموکہ وغیرہ جگہوں پر اجلاس رکھے، ہم لوگ مصیبت اٹھا کر پہنچے، مگر خاطر خواہ فائدہ نہ ہوا۔ سنا گیا ہے کہ مہاجرین بچوں کی امدادی تعلیم کے لئے ضلع جھنگ میں حکومت نے پچاس ہزار رقم کثیر کا وعدہ کیا ہے اور پچاس ہزار پبلک سے جمع کر کے مہاجرین کی تعلیم پر صرف کرنے کی تجویز ہوئی ہے۔

## ۷، اپریل ۱۹۴۸ء بمطابق ۲۶، جمادی الاول ۱۳۶۷ھ

### ''سفرِ لاہور''

چنیوٹ تک منشی صالح محمد صاحب کی معیت میں سفر طے کیا، پھر لاہور کو براستہ پنڈی بھٹیاں، شیخوپورہ جانا ہوا۔ بدھ وار شام چھ بجے لوئر مال روڈ نمبر ۴۳ فوڈ پرچیس (خوراک کی خرید) دفتر میں مرزا عبدالخالق صاحب و برلاس صاحب نہ مل سکے۔ ان کا رہائشی مکان موھنی روڈ، راعی بلڈنگ نمبر ۴ معلوم نہ تھا، لہٰذا بڑی خفت و سوخت کے بعد تھانہ قریبی کے پاس والی مسجد کے حافظ صاحب گجراتی کی عنایت التفات کے بدولت وہیں رات گزاری۔ صبح سوا دس بجے دفتر لاٹ صاحب میں انتظار کیا گیا۔ مفتی محمد حسن امرتسری کی ملاقات جامعہ نیلا گنبد کے پاس ہوئی، ہاں! خمیس کو صبح سویرے بعد از نماز جامعہ اشرفیہ، نیلے گنبد کے قریب، مولانا محمد حسن امرتسری کا درس قرآن مجید سنا گیا۔ بہت لطیف پیرایہ بیان اور بعض بعض ربط کے متعلق نہایت دقیق چیزیں بیان ہوئیں۔

## ۱۰، اپریل ۱۹۴۸ء بمطابق ۲۹، جمادی الاول ۱۳۶۷ھ

لاہور میں کل جمعہ کسی غیر معروف مسجد میں بمعیت برلاس صاحب، مرزا عبدالخالق صاحب، میاں محمد اکرم صوفی سالک پڑھا گیا۔ ۳، بجے لاہور سے موٹر کی روانگی ہوئی، شام کو نماز چنیوٹ آ کر پڑھی۔ صبح سویرے منشی صالح محمد صاحب سے ملاقات پر معلوم ہوا کہ وفد کا بہت کچھ مدار سیٹھ محمد دین پر ہے، ہفتہ کا سارا دن اسی وفد کی تیاریوں اور شیخ برادری کو آمادہ کرنے میں گزر گیا۔ کل انشاء اللہ قریہ محمدی روانگی ہوگی۔

## ۱۴، اپریل ۱۹۴۸ء بمطابق ۳، جمادی الثانی ۱۳۶۷ھ

۱۔ بے کار چنیوٹ میں گھوم رہے ہیں، مشکوٰۃ شریف اور علی امام شاہ صاحب ساتھ ہیں۔

۲۔ حکیم مولوی اللہ دتہ صاحب کے لڑکے (نام یاد نہیں) کے ہاں سے تصانیف مولوی صاحب اردو مل سکیں گی، مسجد چنیوٹیاں کے نیچے دوکان کرتے ہیں۔

## ۱۵، اپریل ۱۹۴۸ء بمطابق ۴، جمادی الثانی ۱۳۶۷ھ

### "ہدایات خصوصی"

طلبہ کو جمع کر کے محنتِ علمی کے متعلق کافی تفہیم وغیرہ کی گئی ہے، تکرار و مطالعہ میں انہماک کا مشورہ دیا گیا ہے تا کہ سالانہ امتحان کی تیاری بہتر ہو سکے۔ رخصتیں ملتوی رکھی جائیں۔ کانفرنس کی تاریخیں ۱۱، ۱۲، ۱۳ رجب المرجب ۶۷ھ مقرر ہوئی ہیں۔

## ۲۱، اپریل ۱۹۴۸ء بمطابق ۱۰، جمادی الثانی ۱۳۶۷ھ

۱۔ ملک میں عموماً ہر جگہ یوم اقبال منایا جائے گا۔ بھوآنہ کے ہیڈ ماسٹر ناز صاحب نے بھی بڑا اہتمام کر رکھا ہے۔ جامعہ والوں کو خاص کر دعوت دے رکھی ہے۔

۲۔ بھوآنہ! مولوی محمد خاں صاحب اور بندہ مذکورہ اجلاس میں مدعو ہو کر شامل ہوئے۔

۳ بجے شام سے ساڑھے پانچ بجے تک اجلاس ہوا۔ اسی دن واپسی ہوئی۔

## ۲۶، اپریل ۱۹۴۸ء بمطابق ۱۵، جمادی الثانی ۱۳۶۷ھ

کانگریس نے نیا دستور منظور کر لیا ہے۔ زبان کے مسئلہ کو ملتوی کر دیا ہے، کہ کہیں جمہور کے دل اور دماغ اعتدال پر نہ آجائیں۔ جمہوریت کے حقیقی تقاضوں کو پورا نہیں کیا جا رہا۔ حیدر آباد کے لیے اب صرف دو رستے ہیں جنگ یا الحاق!

(بمبئی میں کانگریس کا اجلاس)

## ۴، مئی ۱۹۴۸ء بمطابق ۲۳، جمادی الثانی ۱۳۶۷ھ

مرزا صاحب برلاس مولوی محمد خان صاحب عربی تعلیمی پروگرام کے سلسلۂ دعوت شرکاء کی خاطر بدھ سے لاہور گئے ہیں۔ تا حال واپس نہیں آئے، خدا جانے کیا معاملہ ہے؟

## ۵، مئی ۱۹۴۸ء بمطابق ۲۴، جمادی الثانی ۱۳۶۷ھ

امسال مولانا عبدالقادر صاحب تشریف لائے، مدت کے بعد شرف ملاقات ہوا، مولانا مذکور ایک لوئی وطنی مٹیالا رنگ، (بھورا) والی لائے ہیں۔ سرگودھا میں کسی چک میں موعودہ ہیں۔

## ۶، مئی ۱۹۴۸ء بمطابق ۲۵، جمادی الثانی ۱۳۶۷ھ

(اخبار) ''مدینہ'' کئی دنوں سے نہیں آرہا۔ شاید چندہ کی میعاد ختم ہوگئی ہے۔

## ۷، مئی ۱۹۴۸ء بمطابق ۲۶، جمادی الثانی ۱۳۶۷ھ

منشی صالح محمد صاحب وقاضی صاحب جامعہ کے لئے چنیوٹ سٹور سے راشن، منظور کردہ ڈی سی صاحب لینے گئے ہیں۔ تحصیل چنیوٹ حافظ احمد یار صاحب اور ایک اور صاحب نے جامعہ کے خلاف ایک جعلی درخواست تحصیل دار صاحب کے نام دی ہوئی ہے۔ ادھر سابق محرر دفتر کے یہ کرتوت ہیں کہ کاغذات خود خورد برد کر کے بدنامی کروانے کے لیے کاغذات الاٹ منٹ طلب کروا رہے ہیں اور اسی قسم کی درخواستیں جامعہ کے خلاف کہ جامعہ والوں نے راشن کارڈ جعلی اور زائد بنوائے ہوئے ہیں اور لوٹ کھسوٹ کا مال بغیر الاٹ کے دبائے ہوئے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

## ۹، مئی ۱۹۴۸ء بمطابق ۲۸، جمادی الثانی ۱۳۶۷ھ

جناب مولانا عبدالقادر ہزاروی تشریف لائے۔

## ۱۰، مئی ۱۹۴۸ء بمطابق ۲۹، جمادی الثانی ۱۳۶۷ھ

### حادثہ فاجعہ

برلاس صاحب سے مگھیانہ میں بیگ (جس میں ضروری کاغذات اور کافی نقدی تھی، گم ہوگیا ہے (ترجیع)

## ۱۱، مئی ۱۹۴۸ء بمطابق یکم، رجب ۱۳۶۷ھ

مختصر المعانی اللفظی صنعة (بدیع) ص ۴۸۷ تک ہوگئی ہے، مگر اختصار کرتے ہوئے اب یہیں ختم کردی گئی ہے۔

اللهم بارك لنا اولاً وآخراً

## ۱۲، مئی ۱۹۴۸ء بمطابق ۲، رجب ۱۳۶۷ھ

جامعہ کے لیے چنیوٹ سٹور سے مختلف (کرسیاں، دیگ، بڑے دیگچے، پرات وغیرہ)

ڈی سی صاحب چیمہ نے دلوائے ہیں اور آج پہنچ چکے ہیں۔ جزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

## ۱۵، مئی ۱۹۴۸ء بمطابق ۱۳۶۷ھ

(اخبار) مدینہ کو پتہ کی تصحیح کے لیے اور تصویر کشی کے متعلق لکھا گیا ہے۔ علاوہ ازیں مدرسہ کے ضیوف کے لیے چھ بالین ایک گاؤ تکیہ دو پلنگ پوش جدید تیار کروائے جا رہے ہیں۔ سادہ موٹا کپڑا اور عمدہ غلاف والا۔ اور مولانا عبدالقادر صاحب ہزاروی کو شرح مثنوی اردو مفتاح العلوم جلد اول عاریۃً دی گئی ہے۔

## ۱۶، مئی ۱۹۴۸ء بمطابق ۶، رجب ۱۳۶۷ھ

مجلس استقبالیہ تعلیمی کانفرنس

مشاورتی اجلاس مشتمل بر قاضی صاحب، ملک صاحب، و دیگر مولوی صاحبان مدرسین کیا گیا۔ کام کی تقسیم کار ہوتی رہی۔ اور متعلقہ سب صاحبان نے اپنے اپنے نام لکھوائے۔ نیز ضیوف کے لیے جدید چند بسترے بنوائے جا رہے ہیں۔

## ۱۹، مئی ۱۹۴۸ء رجب ۱۳۶۷ھ

## اجلاس کی کارکردگی کیلئے روانگی

منشی صالح محمد، اور بندہ محمد نافع و دیگر چند طلبہ کانفرنس کے انتظامات کی خاطر روانہ ہوئے۔ جلسہ گاہ اسلامیہ ہائی اسکول مقرر ہوا، چوہدری اللہ بخش صاحب (ہیڈ ماسٹر صاحب) سے اجازت حاصل کی گئی۔ آٹا گھی وغیرہ ساتھ لے کر گئے تھے۔ حافظ مشتاق احمد صاحب کے پاس جناب مولانا محمد نعمان صاحب کی خدمت میں رات گزار کر خمیس کی صبح کو سکول مذکور کی چابی چپڑاسی فضل الٰہی صاحب سے لی اور سکول کھلوایا۔ سامانِ قیام و طعام کی فراہمی مثلاً چار پائیاں، بسترے، پلیٹیں، دیگڑے، جکوگ وغیرہ استعمال کرنے کے لیے مندرجہ ذیل اصحاب نے اشتراک کیا۔

شیخ غلام محی الدین صاحب، مرزا اسحاق صاحب ایم اے، حافظ غلام حسین جھرکن والے، اصلاح المسلمین وغیرہم۔

## ۲۱، مئی ۱۹۴۸ء بمطابق رجب ۱۳۶۷ھ

## تعلیمی کانفرنس کی پہلی تاریخ، چنیوٹ

مدعوین و معززین تشریف لانے والوں میں قابل ذکر یہ ہیں۔

۱۔ پیر صاحب سیالوی محمد فخر الدین صاحب

۲۔ شاہ صاحب بھیروی

۳۔ مولانا مرید احمد صاحب نوشہروی

۴۔ نذیر احمد صاحب ملکوالی

۵۔ مولانا احمد یار صاحب بدیوانی گجراتی

۶۔ مولانا بشیر احمد اخگر

۷۔ محمد یوسف سلیم صاحب چشتی

۸۔ قاضی نصیر الدین صاحب چکڑالوی (نائب الرئیس جمعیۃ اسلامیہ لاہور)

۹۔ علامہ علاؤالدین صاحب صدیقی جنرل سیکرٹری صوبہ، مسلم لیگ

## ۲۲، مئی ۱۹۴۸ء بمطابق ۱۲، رجب ۱۳۶۷ھ

دوسرے دن کانفرنس اچھی خاصی کامیاب رہی۔ خصوصاً علامہ علاؤالدین صدیقی نے مؤثر بیان فرمایا۔ جمعہ کی نماز کے بعد مرید احمد صاحب ان کے بعد مولانا احمد یار صاحب نے تقریریں کیں اور رات علامہ صاحب نے گرما گرم تقریر فرمائی۔ اور زریں ہدایتیں ارشاد فرمائیں۔

## ۲۳، مئی ۱۹۴۸ء بمطابق ۱۳، رجب ۱۳۶۷ھ

## کانفرنس کی نشست

قابل ذکر تقریروں میں مولانا بشیر احمد اخگر کا لوگوں پر خوب اثر رہا، نو بجے شب زیر صدارت جناب چوہدری مشتاق احمد صاحب چیمہ (ڈی سی) منعقد ہوا، قاضی نصیر الدین صاحب مذکور اور مولانا عطاء محمد صاحب قریشی نے تقریریں کیں، آخر میں ڈی سی صاحب نے ہدایات عمدہ سے عوام و خواص کو آگاہ کیا۔ شاہ صاحب بغدادی [1] نے دعا کروائی اور اجلاس ختم ہوا فللہ الحمد اولاً و آخراً۔

---

[1] مولانا سید مبارک شاہ رحمہ اللہ بغدادی مراد ہیں۔

## ۲۵، مئی ۱۹۴۸ء بمطابق ۱۵، رجب ۱۳۶۷ھ

چنیوٹ، مگھیانہ وغیر ہما کے سفری اخراجات کے بلوں سے نجات ہوئی ہے۔ اوراس میں نقص ناتجربہ کاری کی وجہ سے ہوا، صوفی غلام رسول صاحب بھی ان حسابات میں شریک کوفت تھے بڑے پریشان رہے۔

## ۲۶، مئی ۱۹۴۸ء بمطابق ۱۶، رجب ۱۳۶۷ھ

## ''جدت آئین''

اسلحہ لائسنس داروں کو ۱۵، اپریل ۴۸ء تک اسلحہ جمع کرانے کا حکم صاحب بہادر ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی طرف سے جاری کیا گیا تھا۔ جنہوں نے اب تک اسلحہ واپس نہیں کیا، ان سے پولیس جبراً لے رہی ہے۔

اللہ حفیظ علیٰ کل حال۔

## ۲۸، مئی ۱۹۴۸ء بمطابق ۱۸، رجب ۱۳۶۷ھ

۱۔ صوفی صاحب نے عشرین روپیہ ادا کر دیئے ہیں اور ثمانین باقی ہیں۔ فاحفظ

۲۔ آنے والے چند دن کے لیے صوفی و مولوی محمد خان صاحب فراہمی گندم کے لیے جا رہے ہیں۔ بعض علاقوں میں مولوی عبداللہ صاحب بھی جا رہے ہیں۔

## ۳، جون ۱۹۴۸ء بمطابق ۲۴، رجب ۱۳۶۷ھ

کتب خانہ (مکتبۃ العربیہ) کے لیے کتابوں کی فہرست مرتب کر کے مہتمم صاحب کے ہاں برائے منظوری گئی ہوئی ہیں، خدا کرے کچھ منظوری ہو جائے۔ کتب خانہ سب مدوں سے پیچھے ہو رہا ہے۔ کوئی اضافے کی صورت ہو جائے تو بہتر ہے۔

## ۴، جون ۱۹۴۸ء بمطابق ۲۵، رجب ۱۳۶۷ھ

طلبہ کی طرف سے عجلت امتحان سالانہ کے سلسلہ میں اصرار کے ساتھ جاری ہیں بلا وجہ بڑے تنگ ہو رہے ہیں اور جلدی نجات کے نہایت درجہ متمنی ہیں۔ مولوی محمد خان، مولوی عبداللہ گاؤں گئے ہوئے ہیں ان کی انتظار کی جا رہی ہے۔ کئی طلبہ (عبدالرحمن، ریاض، محمد بخش، صغیر وغیرہ) حاضر نہیں ہیں۔ بلا وجہ و بلا رخصت مفرور ہیں۔ اس

قسم کے عوارض سے بڑی بدمذاقی پیدا ہوتی ہے۔ ہمارا ذوق یہ ہے کہ تعلیم کا شروع سال میں جلدی افتتاح ہونا چاہیے اور سالانہ امتحان تاخیر سے ہونا چاہیے۔ لیکن طلبہ کا اللہ ہی حافظ ہے۔

## ۸، جون ۱۹۴۸ء بمطابق ۲۹، رجب ۱۳۶۷ھ

ہدایہ اخیرین کتاب الاحیاء (اراضی مردہ کو آباد کرنا) تک ختم ہو کر بس کر دی گئی ہے۔ شرح وقایہ بھی کتاب الکراھتہ تک ختم ہو چکا ہے، شرح جامی بحث فعل تک ہو چکی ہے۔ مختصر المعانی ''صفۃ لفظی'' تک ختم کر دی تھی۔ بحمد اللہ سال تمام ہوا۔ فللہ الحمد اولاً و آخرًا۔

## ۱۰، جون ۱۹۴۸ء یکم، شعبان ۱۳۶۷ھ

## (سالانہ امتحان حصہ عربیہ)

چند ضروری امور کی بناء پر آج یکم شعبان سے امتحان لینا تجویز ہوا ہے۔ باہر سے کوئی ممتحن نہیں بلائے گئے۔ خود اساتذہ مولانا محمد شریف صاحب، بابا عبدالقادر صاحب مدظلہ اور بندہ ہی امتحان لے رہے ہیں۔ اس دفعہ طلبہ کوئی خاص تیاری بھی نہیں کر سکے۔

## ۱۳، جون ۱۹۴۸ء بمطابق ۳، شعبان ۱۳۶۷ھ

آج کل اکیس طلبہ عربی خورد و کلاں شریک امتحان ہوئے۔ امتحان سالانہ پورا ہو گیا ہے، لطف الٰہی، ریاض، محمد بخش غیر حاضر ہیں، بقیہ سب حاضر ہیں۔ فراغت کے بعد تمام صاحبان اپنی خوش دلی سے فراہمی گندم اور ابتدائی لیگیں قائم کرنے کے لئے علاقہ ملحقہ میں جا رہے ہیں۔ آفندی صاحب بھی تشریف لائے ہیں۔

## ۱۴، جون ۱۹۴۸ء بمطابق ۴، شعبان ۱۳۶۷ھ

آج اتوار کی صبح جمعیت طلبہ کی طرف سے مختصر سا اجلاس ہوا، مدرسین و دیگر کارکنوں کو دعوت شمولیت دے گئی۔ شاہ محمد اور عبدالرحمن وغیرہ نے مراسم اجلاس (سپاسنامہ وغیرہ) اور آخر میں بندہ نے مختصر جملوں میں تفہیمانہ چند چیزیں عرض کیں، مقصد تعلیم، اصلاحِ عمل و اخلاق کی ضرورت پر متوجہ کیا۔ ازاں بعد چائے نوشی مذکورہ جمعیۃ طلبہ کی طرف سے کرائی گئی۔ فللہ الحمد اولاً و آخرا۔ مولوی عبداللہ صاحب نے الوداعی موقع پر طلبہ سے خدمت میں کمی پر معافی چاہی۔

## ۱۶، جون ۱۹۴۸ء بمطابق ۷، شعبان ۱۳۶۷ھ

مولانا نور محمد صاحب برخورداری اپنے ولد سعید کے داخلہ کے سلسلے میں تشریف لائے۔
نواب محمد حیات قریشی وفات پاچکے ہیں، اخبار ''زمیندار'' کے ذریعہ اطلاع ہوئی ہے۔

## ۱۷، جون ۱۹۴۸ء بمطابق ۸، شعبان ۱۳۶۷ھ

پاپوش جدید عطا ہوا ہے۔

## ۱۸، جون ۱۹۴۸ء بمطابق ۹، شعبان ۱۳۶۷ھ

## ''سفر چنیوٹ''

صبح سات بجے ڈاک خانہ پہنچے، تا حال نہیں کھلا تھا۔ حافظ مشتاق محمد صاحب کے ہاں دوپہر کو قیام کیا۔ ۲، بجے جمعہ پڑھا۔ بعد از جمعہ پھر ڈاک خانہ کا طواف کیا کہ جو صاحب فوت ہو چکے ہیں، ان کے لیے مستقل درخواست (بایں مضمون کہ) وہ صاحب فلاں تاریخ کو فوت ہو چکے ہیں، ان کے بعد ان کے نام کی پنشن ہمیں ملنے چاہیے، اور قریشی رشتہ دار تمام ہمارے حق میں راضی ہیں۔ ان کو کوئی اعتراض نہیں۔ یہ درخواست بنام پوسٹ ماسٹر صاحب چنیوٹ دی جائے۔ بعد ازاں وہ تاریخ وفات کی خاطر جھنگ روانہ کریں گے۔ خلاصہ یہ کہ کئی ماہ کے لیے رسوائی اٹھانے کے بعد شاید کوئی مسئلہ حل ہو سکے، خدا اس محکمہ کو ہدایت دے کہ ہمارے جیسے ناواقفوں کو ہزار مصیبت میں ڈال رکھا ہے۔

## ۲۰، جون ۱۹۴۸ء بمطابق ۱۱، شعبان ۱۳۶۷ھ

استاذ جناب حضرت شاہ صاحب [1] سے شرف ملاقات حاصل ہوا، کئی علمی مسائل سے واقفیت ہوئی۔

## ۲۴، جون ۱۹۴۸ء بمطابق ۱۵، شعبان ۱۳۶۷ھ

حافظ محمد شفیق ولد صوفی غلام محمد صاحب، ساکن چک متعلم جامعہ محمدی کتاب آفتاب ہدایت [2] مطالعہ کے لیے لے گئے۔

---

[1] علامہ احمد شاہ چوکیروی رحمہ اللہ مراد ہیں

[2] تصنیف ابوالفضل مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ۔

## ۳، جولائی ۱۹۴۸ء بمطابق ۲۴، شعبان ۱۳۶۷ھ

حیدر آباد سندھ

قریباً ۸، بجے پہنچے، میاں محمد یوسف برخوردار کے ہاں قیام کیا، نہلائی دھلائی کے بعد ۴ بجے شام جامعہ عربیہ میں سید اکبر علی شاہ صاحب کراچی، گاڑی کھاتہ، زکریا لاج، پروفیسر غلام حسین جلپائی کے قریب ایک مدرس صاحب سے ملاقات ہوئی۔

## ۴، جولائی ۱۹۴۸ء بمطابق ۲۵، شعبان ۱۳۶۷ھ

کراچی کو ۵ بجے شام حیدر آباد سے روانگی۔ ٹکٹ نمبر ۱۲۳۵۹ و ٹکٹ نمبر ۱۲۳۶۰ ہیں دار الحکومت کراچی میں مولوی عبد العزیز صاحب چنیوٹ گھر گئے ہوئے تھے۔ ان کے ہاں قیام ہے۔

## ۱۵، جولائی ۱۹۴۸ء بمطابق ۷، رمضان المبارک ۱۳۶۷ھ

کل اور آج کا دن ہم دونوں دوکانوں اور مکانوں پر چکر کاٹ رہے ہیں، فرداً فرداً ملنا ہو رہا ہے۔ بعض اچھی دلچسپی لیتے ہیں اور بعض اتنا مایوس کہ پریشانی کی حد ہو جاتی ہے۔ [1]

## ۱۶، جولائی ۱۹۴۸ء بمطابق ۸، رمضان المبارک ۱۳۶۷ھ

یوم الحمی

ایک بجے بخار شروع ہوا، ڈاکٹر صاحب سے دوائی لائی گئی، مگر بہت گرم ہونے کی وجہ سے استعمال نہیں کی، بہت پریشانی ہو رہی ہے اللہ یشفی دوسرے روز بھی بڑی سخت تکلیف رہی۔ اتوار کو بخار کم ہوا اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ آمین

## ۱۷، جولائی ۱۹۴۸ء بمطابق ۹، رمضان المبارک ۱۳۶۷ھ

### یوم التعطیل

بخار کی وجہ سے کام نہیں ہو سکتا، ڈاکٹر صاحب بڑا اصرار کر رہے ہیں کہ دوا ضرور پیو، آرام سے بستر پر پڑے رہو اور چائے کے بغیر کوئی چیز نہ کھائی جائے۔ فروٹ میں انگور کھا سکتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

---

[1] جامعہ محمدی شریف کی تعلیمی و تعمیری ترقی میں مولانا محمد نافع رحمہ اللہ اپنے بھائی مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ کے شانہ بشانہ شریک رہے۔ ملک بھر کے دور دراز گوشوں میں جا کر اہل ثروت کو مالی تعاون کے لیے متوجہ کرتے ہوئے جن حالات اور بعض کیفیات سے گزرنا پڑتا تھا وہ ڈائری کی اس یادداشت سے ظاہر ہے۔ سلفی

## ۲۲، جولائی ۱۹۴۸ء بمطابق رمضان المبارک ۱۳۶۷ھ

دس بجے دن خانیوال پہنچے، یہاں سے بدل کر شورکوٹ، یہاں سے بدل کر مگھیانہ، اور جمعہ کی شب لائل پور پہنچے، بارش رات کو بہت ہوئی، ہم گھبرائے۔ اس سفر میں چار دن بخار اور جلاب زور سے رہے بہت نقاہت ہوئی ہے منشی صاحب کا بھلا ہو کہ انہوں نے بہت سہولت دی، جمعہ یہیں قیام کرنا پڑا، بارش کی وجہ سے لاری نہ مل سکی۔

## ۲۵، جولائی ۱۹۴۸ء بمطابق ۱۷، رمضان المبارک ۱۳۶۷ھ

آج اتوار کی صبح سحری کے بعد انصاریاں والا وارد ہوئے۔ یہاں سے سائیکل پر سوار ہو کر بڑی جدوجہد کے بعد ایک بجے دن محمدی پہنچے۔ الحمد للہ

## ۲۶، جولائی ۱۹۴۸ء بمطابق ۱۸، رمضان المبارک ۱۳۶۷ھ

بارش کافی ہوگئی ہے۔ اس دفعہ بہت بارش ہوئی ہے۔ بڑے سیلاب دو بار آئے ہیں قریباً پنجاب بھر کے شہروں میں یہی حالت ہے، بڑے نقصانات ہوئے ہیں۔

## یکم جنوری ۱۹۴۹ء بمطابق یکم ربیع الثانی ۱۳۶۸ھ

در عجم گردیدم وہم در عرب
مصطفیٰ نایاب و ارزاں بولہب

## ۲، جنوری ۱۹۴۹ء بمطابق ۲، ربیع الاول ۱۳۶۸ھ

مولانا غلام یٰسین صاحب مدظلہ مع دیگر ہمراہیاں (مولوی عبدالباقی وعبدالباری وغیرہ) مولوی فضل کریم صاحب مرحوم کے سانحہ ارتحال پر تشریف لائے تھے۔ آج متروکہ سامان مولوی صاحب لے کر واپس ہوئے ہیں، صرف بوٹ بھول کر رہ گئے ہیں، بقیہ سب مال جا چکا، حافظ محمد خان نے یاد دلوایا۔

(یاد رہے کہ بوٹ بدست حافظ محمد خان ارسال کیے جا چکے)

## ۳، جنوری ۱۹۴۹ء بمطابق ۳، ربیع الاول ۱۳۶۸ھ

ایں کہ خون خوردہ ودلبردہ بے را
بسم اللہ اگر تاب نظر ہست کے را

دیوانہ عین است کہ دیوانہ نہ شد
فرزانہ ہمیں است کہ فرزانہ نہ شد
جاں نہاں در جسم اور دربماں مہاں
اے مہاں اندر اندر نہاں اندر نہاں

## ۴، جنوری ۱۹۴۹ء بمطابق ۴، ربیع الاول ۱۳۶۸ھ

ان دنوں سے تعلیم بیگمات جاری کی گئی ہے، معلمہ مولوی اعجاز ولی خان صاحب کی بیگم تجویز ہیں، نائب معلمہ منشی صالح محمد صاحب کی سالی ہے۔

## ۵، جنوری ۱۹۴۹ء بمطابق ۵، ربیع الاول ۱۳۶۸ھ

### کشمیر

محاذ کشمیر پر دو حکومتوں نے آزادانہ رائے شماری کے لیے کشمیر کمیشن کے کہنے پر وقتی طور پر لڑائی بند کرنے کا اعلان کر دیا ہے، خدا کرے کوئی بہتر تصفیہ ہو سکے۔ یہ معاملہ کسی مغالطہ میں ڈالنے کی خاطر نہ کیا گیا ہو۔

## ۷، جنوری ۱۹۴۹ء بمطابق ۷، ربیع الاول ۱۳۶۸ھ

مولوی اعجاز ولی خان نے رسالہ میراث مرتب کیا ہے۔
سلم العلوم کی اردو شرح بابا مولانا عبدالسمیع صاحبؒ امدادیہ دیوبند سے چھپ چکی ہے۔

### موضع سمندر

میاں حکیم غلام رسول صاحب کی اہلیہ کی تعزیت کے لیے بمعیت میاں غلام علی نمبردار و فتح محمد صاحب واحسن موضع سمندر جانا ہوا۔ میاں حسام الدین صاحب کی ایک کتاب محمد امین کے ذریعہ لائی گئی۔ واحد روپیہ دیا گیا۔

## ۱۳، جنوری ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۳، ربیع الاول ۱۳۶۸ھ

میاں حاجی حضور محمد صاحب انصاری مرحوم کی فاتحہ خوانی کے لئے بمعیت میاں نصیر الدین انصاریاں والا جانا ہوا۔ تمام معرکہ (میاں غلام حسین، حافظ چراغ دین، صالح محمد، میاں نور الزمان وغیرھم) نے بڑے تپاک سے خیر مقدم کیا۔ جمعرات گزار کر صبح واپس جمعہ کو محمدی پہنچ گئے۔ اسی تاریخ کو میاں عبدالعزیز مہانہ نے جامعہ آباد کی مسجد کے لیے آٹھ روپیہ فنڈ دینے کا وعدہ کیا۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ۔

## ۱۵، جنوری ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۵، ربیع الاول ۱۳۶۸ھ

## ایام الزکام

اپنے مہتمم صاحب سیال شریف بمعیت میاں احمد، صاحبزادگان (مہرالدین مظہر صاحب) کی شادیوں کی تقریب کے سلسلہ میں گئے ہوئے ہیں۔

## ۱۶، جنوری ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۶، ربیع الاول ۱۳۶۸ھ

۱۔ام الامراض بدستورِ سابق جاری ہے۔
۲۔حافظ شیر صاحب مرولیانوالہ گئے ہوئے ہیں۔

## ۱۷، جنوری ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۷، ربیع الاول ۱۳۶۸ھ

جامعہ کی عمارت گزشتہ شوال میں تین پختہ کمرے بمع دارالحدیث جانب غربی تیار ہوئے تھے، محرم صفر میں مقابل میں تین کمرے شرقی جانب تیار ہوئے ہیں۔ ربیع الاول حالیہ میں بڑے چاہ کے قریب حمام طہارت خانے، دھلائی کی جگہ تیار کی گئی ہے۔

## ۱۹، جنوری ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۹، ربیع الاول ۱۳۶۸ھ

مولوی نذیر محمد صاحب لالی عرس کی خاطر تاریخ کی غلطی سے ایک دن قبل تشریف لائے۔ جمعہ تک مقیم ہیں۔

## ۲۰، جنوری ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۰، ربیع الاول ۱۳۶۸ھ

اس دفعہ کئی عرب موقع پر نہیں تشریف لائے۔ قضیہ اتفاقیہ معلوم ہوتا ہے اور بڑی مدت کے بعد ایسا ہوا ہے۔ مولوی عبداللہ صاحب اسرائیلی، مولوی نور محمد برخورداری، مولوی احمد بخش ضیائی اور مولوی سید رسول صاحب وغیرھم کا اجتماع قدرۃً میسر ہوا۔ جناب ضیائی صاحب نے فلک النجاۃ حاصل کرنے کی بڑی تاکید کی ہے۔ امیرالدین وعلی محمد روافض نے تصنیف کی ہے اس کا جواب لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ [1]

---

[1] ضلع جھنگ کے علاقہ میں مولانا علی محمد اور مولوی امیر الدین نے ایک کتاب عربی میں ''فُلك النجات'' تالیف کی تھی، اس کا ایک مختصر جواب مولانا یار محمد پیر کوٹی نے لکھا تھا، اور امام اہل سنت علامہ عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ ۱۹۲۷ء میں جب سفرِ پنجاب پہ آئے تو سیال شریف میں ''فلك النجات'' آپ کو بغرضِ جواب دی گئی تھی۔ اس طرح مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے قریبی دوست مولانا احمد بخش ضیائی نے بھی اس کا جواب لکھا تھا مگر دونوں حضرات کی یہ جوابی کتب زیور طباعت سے آراستہ نہ ہو سکی تھیں۔ سلفی

## ۲۱، جنوری ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۱، ربیع الاول ۱۳۶۸ھ

۱۔ کان فی یوم الاختتام اجتماعاً کثیراً قد قال بعض المقررین فی خطابته بوضاحة النبی اولی الخ۔ افتراء محضاً فی دین القیم وجود النبی علیه السلام فی کل مکان و کون وعلم لکل شئی علی جمیع الکوائف۔ ماهذه الاعاجیب یقولون بالسنتهم مالیس له اصل و معه، هذا هو منجر الی الشرك وتغلیط النصوص انصریحه۔

۲۔ میاں احمد کمہار سخت بیماری (ذات الجنب) میں اچانک مبتلا ہو گیا ہے۔ شفاہُ اللہ تعالیٰ۔

## ۲۲، جنوری ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۲، ربیع الاول ۱۳۶۸ھ

### مودة القربیٰ

(۱) ۲۱ ربیع الاول ۶۸ھ کی شب کو تمام معرکہ برادری کی طعامِ دعوت کی گئی ہے۔

یجمع اللہ تعالیٰ قلوبہم۔ ہر سال ایسا ہی ارادہ ہے۔

۲۔ جناب مولانا انگوی صاحب کا کارڈ آیا ہوا ہے، پتہ یہ ہے۔

قلندر خان صاحب اعوان ضلع میانوالی۔ ڈاک خانہ عیسیٰ خیل۔

مقام اعواناں والہ۔

## ۲۳، جنوری ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۳، ربیع الاول ۱۳۶۸ھ

بشب دوشنبہ خورلک دماغی تیار کردہ شدہ و نیز معجون نرگو سفند تیار کردہ اند۔

## ۲۴، جنوری ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۴، ربیع الاول ۱۳۶۸ھ

### یوم المشاورة

۱۔ جامعہ کی مرکزی حیثیت تسلیم کرنے کی حکومت سے مزید سعی واستدعاء اور تعلیم کے لیے صوبائی حکومت نے جو پچپن لاکھ روپیہ منظور کیا ہے اس میں استحقاق جامعہ کے لیے جدوجہد جاری ہے۔

۲۔ نصابِ تعلیم کے لیے اقدامات

۳۔ شعبۂ تبلیغ کے لیے مزید ترقی

۴۔ مدرسہ البنات کا کام میاں احمد یار نمبردار صاحب کے سپرد ہونا تجویز ہوا۔

## ۲۵،جنوری ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۵، ربیع الاول ۱۳۶۸ھ

(۱) نخبۃ الفکر تمام ہوا۔گلستان سعدی عنقریب ختم ہوگی۔

(۲) یوم العبرت۔ ۲۶ جنوری ۴۹ء کو موجودہ وزارت (وزیر اعظم نواب افتخار حسین ممدوٹ) وزیر تعلیم چوہدری فضل الٰہی، وزیر مال مبارک شاہ صاحب، شاہ جیونہ وغیرہم، میں جو کشمکش جاری تھی، دولتانہ، ممدوٹ رقابتیں زوروں پر تھیں۔آج خواجہ ناظم الدین اور گورنر جنرل پاکستان نے دفعہ ۹۲ (الف) کی رو سے انگریز گورنر پنجاب (سر فرانس موڈی) کو صوبہ کے اختیارات تفویض کر دیئے ہیں۔ ہمارے وزراء اپنی اہلیت وقابلیت پر ماتم کریں۔

## ۲۶،جنوری ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۶، ربیع الاول ۱۳۶۸ھ

ا۔نصاب تعلیم۔موجودہ مجوزہ نصاب تعلیم جدید کے لیے دیو بند مہتمم صاحب کو لکھا گیا ہے کہ مجلس نے کیا فیصلہ کیا ہے؟

۲۔جامعہ عثمانیہ وجامعہ نظامیہ حیدر آباد دکن سے بھی نصاباتِ تعلیم طلب کیے گئے ہیں اور جوابی لفافے سب مذکور حضرات کو روانہ کیے گئے ہیں۔

۳۔گلستان ختم ہو چکی ہے، اس کی جگہ بوستان شروع کر رہے ہیں۔

## ۲۷،جنوری ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۷، ربیع الاول ۱۳۶۸ھ

ابوداؤد شریف، کتاب الصوم باب القول عند الافطار لحیہ کے قبضہ کے متعلق ابن عمرؓ کی تصریح موجود ہے۔ص ۳۲۱

## ۲۸،جنوری ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۸، ربیع الاول ۱۳۶۸ھ

(۱) آج جمعہ کے وقت غلام عباس شاہ صاحب رئیس ٹھٹھی بالا راجہ ولد شیخ جوہڑ شاہ صاحب اور میاں غلام محمد صاحب رنگین سمندری و دیگر ہمراہیان اپنی ٹیکسی لے کر محمدی پہنچے، مسلم لیگ کا عام پرچار و دیگر مقاصد سامنے رکھتے تھے۔عصر کے وقت کھانا کھایا گیا، تھوڑی دیر بعد روانہ ہوئے، مولوی محمد خان کو بھوآنہ تک ساتھ لے گئے۔

ایک ذرے میں دکھائی دے رہا ہے حسن طور
جہل کی ظلمت میں ہے ظاہر ہوا رنگ شعور
اے میرے حسن تصور زندگی تیری دراز
جامعہ ملیہ سے پھوٹے جامعہ ازہر کا نُور

## ۲۹، جنوری ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۹، ربیع الاول ۱۳۶۸ھ

۱۔ مولانا (شبیر احمد) عثمانی کو دستور ساز اسمبلی کی چند تجاویز برائے نظام شرعی ومحکمہ شرعیہ کے متعلق استفسار کیا گیا ہے (جوابی لفافہ)

۲۔ سجاول کراچی کو بھی ارسال کیا ہے۔

## ۳۰، جنوری ۱۹۴۹ء بمطابق ۳۰، ربیع الاول ۱۳۶۸ھ

کل، پرسوں پوپھی صاحبہ کو مرض سعال وحمی وغیرہ کی تکلیف شروع ہے، کل کو درود شریف پڑھانے کے لیے خمسۃ عشر نقود انہوں نے دیئے ہیں کہ پڑھنے والوں میں تقسیم ہوں۔

## ۳۱، جنوری ۱۹۴۹ء بمطابق ۱، ربیع الثانی ۱۳۶۸ھ

لیلۃ یوم الاثنین رؤ الھلال فمن ھذا الیوم شرع الشھر الربیع الثانی

۱۔ تنبیہ الطربی عن تنزیہ العربی (1)

۲۔ اعلاء السنن (بیس جلدیں) (2)

مندرجہ ذیل پتہ سے پتہ کیا جائے

خانقاہ امدادیہ..... تھانہ بھون

مولوی شبیر علی صاحب، ضلع مظفر نگر۔ یو۔ پی

## یکم فروری ۱۹۴۹ء بمطابق ۲، ربیع الثانی ۱۳۶۸ھ

صدر صاحب مولانا عبدالمصطفیٰ از ہری بیس دن کی رخصت پر وطن چلے گئے۔ مسلم ہر دو جلد اور بخاری اول جلد تمام وبعض حصہ ثانی، جلد پورا کر کے تعطیل کی گئی ہے۔ قریباً بیس روز یا زیادہ ہو رہے ہیں کہ بیضاوی یا ایھا الناس اعبدو ربکم الخ رکوع میں جا کر ترک کر دی گئی ہے۔ اس کی بجائے ابن ماجہ رکھا گیا، وہ بھی چند روز کے بعد چھوڑ دیا گیا۔ ابود...کتاب الجہاد جاری ہے، ترمذی قریب لاختتام ہوگئی، ترجمہ سورۂ مریم میں اور مشکوٰۃ کتاب النکاح میں جاری ہے۔

ھو الوکیل، ھو المعین، ھو المستعان یا اللہ یا رحمٰن یا رحیم۔

---

(1) حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی تصوف پر بہترین علمی اور دقیق کتاب، شیخ ابن عربی رحمہ اللہ کی "فصوص الحکم" وغیرہ کتابوں کی بعض عبارات سے جو غلط فہمیاں پیدا ہوتی رہیں، ان کا ازالہ اور بہترین توضیح وتاویل اس کتاب کا مرکزی موضوع ہے۔

(2) علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی نہایت نادر اور علمی یادگار ہے۔

## ۲، فروری ۱۹۴۹ء بمطابق ۳، ربیع الثانی ۱۳۶۸ھ

منجانب جامعہ رسالۂ میراث تالیف مولوی اعجاز ولی خان صاحب کی طباعت لاہور میں کی جا رہی ہے، صاحب تالیف خود تشریف لے گئے۔

## ۷، فروری ۱۹۴۹ء بمطابق ۸، ربیع الثانی ۱۳۶۸ھ

پرسوں سے سرمہ کحل الجواہر خرید ا گیا ہے۔
ھو الشافی علی کل حال۔

## ۸، فروری ۱۹۴۹ء بمطابق ۹، ربیع الثانی ۱۳۶۸ھ

۱۰ روپیہ از خدا یار لوہار برائے جامعہ محمدی چندہ دادہ اند، داخل کردہ شود

## ۹، فروری ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۰، ربیع الثانی ۱۳۶۸ھ

مولوی سید رسول صاحب ملحقہ علاقہ میں تبلیغی دورے کر رہے ہیں، وعظ کا رنگ بدلنے کی ضرورت ہے، جس سے پوری بیداری اور اسلامی صحیح زندگی پیدا ہو۔

واعظِ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی
رہ گئی رسم اذاں روحِ بلالی نہ رہی

## ۱۰، فروری ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۱، ربیع الثانی ۱۳۶۸ھ

۱۔ جناب حضرت صاحب قبلہ سیالوی، دفعۃً دفعۃً تشریف آوردند بر کار از راہ جامعہ آباد۔

۲۔ تفسیر مظہری [1] خریدنے کا پتہ

سید جمیل الدین احمد و سید نصیر الدین احمد، چیچہ وطنی، ضلع منٹگمری، مکان مولانا غلام محمد صاحب خطیب جامع مسجد۔

۲۔ بہاولپور۔ جناب سید جمیل احمد معرفت مولانا فاروق احمد صاحب شیخ الحدیث جامعہ عباسیہ۔ بہاولپور

---

[1] بیہقی وقت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ کی عربی زبان میں تفسیر ہے جو آپ رحمہ اللہ نے اپنے شیخ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمہ اللہ کے نام نامی سے منسوب کی۔ اردو سمیت اب اس کے چند دیگر مختلف زبانوں میں بھی تراجم شائع ہو چکے ہیں۔ سلفی

## ۱۱، فروری ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۲، ربیع الثانی ۱۳۶۸ھ

### تحقیقات

۱۔ بابا رتن ہندی (کنیت ابو الرضاء) بھٹنڈا، ان کی تفصیل ''الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ رضی اللہ عنہ'' میں ہے۔ جلد اول ص ۵۱۵

۲۔ علی فیصل والی عراق نے دجلہ کے کنارے سے حضرت حذیفہ بن علی رضی اللہ عنہ کی نعش مبارک، جو صحیح سالم بعینہ موجود تھی، نقل کروادی تھی۔

۳۔ مسنداتِ حذیفہ رضی اللہ عنہ (مسند امام احمد میں) انہوں نے اپنے کفن کی تبدیلی کے متعلق پیشگوئی فرمائی ہے۔

## ۱۲، فروری ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۳، ربیع الثانی ۱۳۶۸ھ

### یوم تعطیل

مواضعات جدیدہ ملحقہ چکوک وغیرہ میں دورہ کیا جارہا ہے۔ اس الیکشن کے لیے سطح ہموار کرنا ضروری ہے۔

## ۱۴، فروزی ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۵، ربیع الثانی ۱۳۶۸ھ

۱۔ روافضِ رجوعہ (مثلاً غلام حسین شاہ وغیرہ) نے عوام کو تنگ کیا، اس پر مدافعانہ جوابی طور پر حضرت سجادہ نشین بمع چند علماء (جناب مولوی قطب الدین صاحب، مولوی احمد بخش صاحب، مولوی عطاء محمد صاحب، مولوی اعجاز ولی خان وغیرھم) چک رجوعہ پہلوان کے، منگل کی رات کو پہنچے، روافض کچھ ٹال مٹول کرتے رہے کوئی چیز طے نہ ہونے پائی۔

۲۔ آئندہ الیکشن کے لیے تحصیل چنیوٹ میں سید امام علی شاہ کو حضرت سجادہ نشین صاحب قبلہ نے تجویز کیا ہے کہ ان کو اہل سنت کی طرف سے کھڑا کیا جائے، وہ بھی بظاہر تیار ہیں، اللہ تعالیٰ کامیابی عطا فرمائے۔ آمین

## ۱۵، فروری ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۶، ربیع الثانی ۱۳۶۸ھ

### مناظرہ

آج بھی شرائط وموضوع وغیرہ جات میں کافی وقت ضائع کیا گیا، آخر کار میدانِ وعظ قائم ہوا اور خصم نے بھی مقابل میں آکر میز نصیب کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد غلام عباس رئیس رجوعہ مجمع میں متکبرانہ وضع وہیئت میں پہنچا، اور

بڑا افروختہ ہوکر کہنے لگا کہ یہ آگ مناظرہ کی میں اپنے علاقہ میں نہیں لگنے دوں گا وغیرہ وغیرہ۔ اصل میں ان روافض حضرات کی ہنگامی تحریک تبدیل مذہب کا ردّعمل تھا جو آج مجبوراً مناظرہ تک اترنا پڑا۔ آخر کار حکمت عملی سے مولوی قطب الدین صاحب نے زور دے کر کہا کہ سردار صاحبان، خدا اور رسول ﷺ کی تعریف کرنے پر تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ آپ بھی سنیں گے! اس بہانہ سے حمد وتعریف کرتے کرتے عظمت وعزت صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ وسیدہ حفصہؓ ان سے کیسے کر سکتے تھے؟ بعد ازاں جوابی طور پر پروفیسر الطاف صاحب انصاری، مہاجر (مقیم علاقہ رجوعہ) و دیگر ملا صاحبان وغیرہ میں پروفیسر صاحب کھڑے ہوئے اور دراز تمہید کے بعد اس پر زور دیا کہ بیوی سے عموماً دو مقصد ہوتے ہیں۔ ایک افزائش نسل دوسرا تسکین خاطر وحصولِ راحت وغیرہ، یہ مذکورہ بیویوں سے پہلے خدیجہؓ سے حاصل تھے، کچھ ایسے پھیر پھیر سے مذمت بیان کرنا چاہتا تھا، آخر سورۂ تحریم کی آیت اِنْ توبا الی اللہ الخ سے اپنا مدعی پورا کرنے پر اس نے زور ڈالا۔ اس اثنا میں ترجمہ آیت مذکور ہماری جانب سے پوچھا گیا، خصوصاً شرط وجزا، تفصیل وتطبیق وترتیب وغیرہ، تو کہنے لگا کہ میں تو پروفیسر ہوں، ہمارے مولوی صاحب ترجمہ کریں گے، اس پر مجمع عام میں اس کی بڑی فضیحت ہوئی، آخر ملا صاحب اٹھے مگر صحیح ترجمہ نہ کر سکے۔ عبارتی حل میں سے عہدہ برآ بھی نہ ہو سکے۔ اس پر مجمع میں ہائے ہو مچ گئی، اجلاس (مناظرہ) ختم کرنا پڑا۔ عصر کے وقت پھٹنیکا چک کو تمام علماء روانہ ہوئے۔

## ۱۷، فروری ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۸، ربیع الثانی ۱۳۶۸ھ

گزشتہ منگل سے صوفی غلام رسول صاحب بمع اہلیہ تشریف لائے ہیں، اور خانگی قیام قلعہ کنگراں میں رکھنے کی تجویز ہے۔

## ۱۸، فروری ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۹، ربیع الثانی ۱۳۶۸ھ

جناب قاری صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند کا نصاب تعلیم کے متعلق جواب آیا ہے کہ نصاب کا کام سفر حج کی وجہ سے ملتوی رہا، اب جلدی ہی ترمیم واصلاح جو ہوگی، اس سے آگاہ کریں گے۔

## ۱۹، فروری ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۰، ربیع الثانی ۱۳۶۸ھ

کراچی۔ ساڑھے ۵۲ باون لاکھ آدمی مہاجرین، ہند سے پنجاب غربی میں آباد ہو چکے ہیں (سرکاری اطلاع)

## ۲۱، فروری ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۲، ربیع الثانی ۱۳۶۸ھ

"فلك النجات فى الامامته والصلوٰة" منگوانے کے لیے منیجر کتب خانہ امامیہ ریلوے روڈ۔ لاہور کو لکھا گیا ہے کہ بمع فہرست وی پی ارسال کردی جائے۔

## ۲۲، فروری ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۳، ربیع الثانی ۱۳۶۸ھ

مولانا عثمانی صاحب کا آج مطبوعہ جواب پہنچا ہے، مرکزی اسمبلی میں دستور اسلامی شرعی کے متعلق پوری کوشش کی گئی ہے، غالب امید ہے کہ یہ مطالبہ منظور کرلیا جائے گا۔

## ۲۳، فروری ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۴، ربیع الثانی ۱۳۶۸ھ

فتاوٰی امدادیہ (کامل) صوفی غلام رسول صاحب سے موصول ہوا ہے، اس کے عوض ان کو کوئی کتاب دی جائے گی، ان شاءاللہ تعالیٰ

## نظرات

ا۔ جاپان میں مسیحی مبلغ اوسطاً روزانہ پچاس جاپانیوں کو عیسائی بنا رہے ہیں۔

۲۔ ہندوستان میں ۷۵ لاکھ عیسائی ہیں۔ صرف پنجاب میں پانچ لاکھ عیسائی ہیں۔

## ۲۴، فروری ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۵، ربیع الثانی ۱۳۶۸ھ

صرف ایک عیسائی عورت (مسز رینالڈز) نے بارہ لاکھ ڈالر مذہبی وقومی بہتری پر خرچ کرنے کی وصیت کی ہے۔

فتيقظوا ايها النائمون

احمدیوں کی دو تازہ تجویزیں:

ا۔ بیس لاکھ روپیہ سے اپنا دین پھیلانا

۲۔ ہر مرزائی کم از کم ایک آدمی کو ضرور مرزائی بنائے۔

## ۲۵، فروری ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۶، ربیع الثانی ۱۳۶۸ھ

۴۳ء عیسوی میں پندرہ لاکھ بنگالی موت کا شکار ہوئے، اس زمانہ میں گورنمنٹ نے چاول کی خرید وفروخت سے ایک ارب پچاس کروڑ روپیہ کمایا، گویا ایک آدمی کی موت سے ایک ہزار روپیہ نفع ہوا، فاعتبروا یااولی الابصار۔

(پرچہ تنظیم اہل سنت لاہور ۱۵ مارچ ۴۹ء، مضمون قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب شمس آبادی)

## ۲۷، فروری ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۸، ربیع الثانی ۱۳۶۸ھ

فیروز اللغات فارسی، کلاں، جلد بندی کے لیے حافظ غلام حسین صاحب کو دی گئی ہے۔

اس ہفتہ کے اواخر کی خبر ہے کہ صرف لاہور شہر میں ڈھائی لاکھ روپے کے روزانہ سگریٹ خریدے جاتے ہیں۔ لاہور کی آبادی سترہ لاکھ ہے، گویا دو آنہ آنے فی کس یومیہ سگریٹ کا خرچ ہے (''عروج'' جھنگ ۲۴، مارچ ۴۹ء، جلد ۲۰ شمارہ نمبر ۳۰) یعنی ڈھائی لاکھ روپیہ روزانہ ایک شہر غیر ممالک کی نذر کر رہا ہے، صرف فضول خرچی اور ضیافتِ طبع میں۔

## ۲۸، فروری ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۹، ربیع الاول ۱۳۶۸ھ

لیاقت علی خان وزیر اعظم، مسٹر تمیز الدین صدر مرکزی اسمبلی وغیرہم کو آج جامعہ کے عملہ وطلبہ کی طرف سے شرعی قانون کی ترویج کے لیے پُرزور مطالبہ کیا گیا، ایک مبسوط تقریر پر دستخط سب عملہ وطلبہ کے لیے گئے اور وہ روانہ کر دیئے گئے۔

## یکم، مارچ ۱۹۴۹ء بمطابق ۳۰، ربیع الثانی ۱۳۶۸ھ

۶ عدد طلائی بالیاں کلاں، ۲ عدد خورد

۱۱ چوڑیاں۔ نقرہ

ایک کڑی۔ نقرہ

مندرے ۲ عدد نقرہ

نوٹ تمام زیورات فروخت کر دیئے گئے ہیں، دو سو ساٹھ روپیہ وصول ہوا ہے، اس میں ۵۰ روپیہ آج مہاجرین میں تقسیم کر دیا گیا۔ باقی ۲۱۰ روپیہ نقد امانت مہاجرین موجودہ کو غلہ ، اناج لے کر دینے کی تجویز ہوئی ہے یہ بحکم جناب مہتمم صاحب کیا گیا۔

## ۳، فروری ۱۹۴۹ء بمطابق ۲، جمادی الاول ۱۳۶۸ھ

۱۔ مقامی میلہ موضع برخوردارے کی شرکت سے طلبہ عربی کو تمام مدرسین عربی نے منع کر دیا ہے۔ اہل علم کی شرکت ایسے لغویات میں نازیبا ہے۔

۲۔ دھلو والی چک میں رجوکہ، دادڑے تنازع کے سلسلہ میں مولانا احمد بخش ضیائی اور ناچیز کو جانا ہوا، شام مغرب کی نماز کے وقت پہنچے، رات کو قیام میاں بابل رجوکہ کے ہاں ہوا۔ صبح انشاء اللہ فریقین کی گفتگو زیر بحث ہوگی۔

## ۴، فروری ۱۹۴۹ء بمطابق ۳، جمادی الاول ۱۳۶۸ھ

صبح فریقین رجوکہ دادڑہ کو جمع کیا گیا، بیانات سنے گئے، عورت کے بیانات کے لیے بیرے چک جانا پڑا۔ آخرکار برائے فیصلہ تاریخ ۱۸ مارچ آئندہ مقرر ہوئی۔ محمدی شریف میں آکر فریقین فیصلہ کی سماعت کریں۔ واپسی پر چک روڈہ ۲۳۸ ہوتے ہوئے شنبہ کی رات کو محمدی آ، وارد ہوئے۔

## ۵، فروری ۱۹۴۹ء بمطابق ۴، جمادی الاول ۱۳۶۸ھ

۱۔ جناب مہتمم صاحب معہ مولوی محمد خان جھنگ میٹنگ کے لیے گئے ہیں۔
۲۔ آج ہفتہ کو رات سے پھر زکام آرہا ہے، ھوالشافی۔

## ۶، فروری ۱۹۴۹ء بمطابق ۵، جمادِی الاول ۱۳۶۸ھ

۱۔ ایام الزکام
۲۔ تھانہ بھون، خانقاہ امدادیہ مظفر نگر مولوی شیر علی صاحب سے چند کتب کا استفسار کیا گیا، مثلاً اعلاء السنن، التکشف وغیرھما۔

## ۷، مارچ ۱۹۴۹ء بمطابق ۶، جمادی الاول ۱۳۶۸ھ

## ایام الزکام

جناب میاں غلام میراں صاحب ہنجرا، مولانا احمد بخش ضیائی تشریف لائے، مولوی صاحب کے جامعہ میں مستقل قیام کے متعلق گفتگو کی گئی ہے۔

## ۸، مارچ ۱۹۴۹ء بمطابق ۷، جمادی الاول ۱۳۶۸ھ

تفسیر مظہری وآئمہ تلبیس کے لیے بہاولپور لکھا گیا ہے۔

نوٹ: ۱۸ جمادی الاول کو تفسیر مظہری تین جلد ڈاک خانہ میں بہاولپور سے آگئی ہے۔

## ۹، مارچ ۱۹۴۹ء بمطابق ۸، جمادی الاول ۱۳۶۸ھ

کنز العمال، صواعق محرقہ، منتہی الکلام اور منہاج السنۃ لابن تیمیہؒ کے لیے ابناء علامہ سورتی کو لکھا گیا ہے۔

## ۱۰، مارچ ۱۹۴۹ء بمطابق ۹، جمادی الاول ۱۳۶۸ھ

## امتحان ششماہی

صدر صاحب نہیں آئے، تاہم امتحان طلبہ لیا جاتا ہے، دو تین لڑکے غیر حاضر ہیں۔

## ۱۱، مارچ ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۰، جمادی الاول ۱۳۶۸ھ

## قیام پاکستان کے بعد پہلی اہم قرارداد

وزیر اعظم لیاقت علی خان صاحب نے مؤرخہ ۷ مارچ ۴۹ء کو مرکزی اسمبلی کراچی میں پیش کی۔ قائد اعظم نے اپنے نظریہ کا متعدد موقعوں پر اظہار کیا تھا کہ ''پاکستان اس لیے قائم کیا گیا کہ اس بقعہ صغیر کے مسلمان اپنی تعمیر اسلامی تعلیمات وروایات کے مطابق کریں۔''

بعض خیالات کی تردید کرتے ہوئے وزیر اعظم نے تصریح کی کہ ''ہم یہ چاہتے ہیں کہ تمام اقتدار جو ہمیں خداوند تعالیٰ کی طرف سے ایک مقدس امانت کے طور پر تفویض ہوا ہے، اسے اسلام کے مقرر کردہ معیار کے مطابق استعمال کریں، تاکہ اس کا استعمال غلط طریق پر نہ ہو سکے۔ قرارداد میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ مملکت تمام اختیارات کو عوام کے منتخب کردہ نمائندوں کے ذریعہ کام میں لائے گی۔ مولانا عثمانی نے اس قرارداد پر مفصل بیان دیتے ہوئے فرمایا کہ ''قرارداد مادیات کی تاریکی میں روشنی کا مینار ہے۔''

## ۱۲، مارچ ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۱، جمادی الاول ۱۳۶۸ھ

۱۔ وفیات۔ شب کو قریباً چار بجے آخری رات ماموں میاں رحمن بخش صاحب نے وفات پائی انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ماموں صاحب مرحوم خاموش طبع، نیک سیرۃ، دنیاوی لالچوں سے گریز کرنیوالے، سادہ فطرت، مرنجاں مرنج، خوب خصلت انسان تھے، اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائے۔

اللھم الغفرۃ والرحمۃ واعف عنہ

۲۔ بیس جلدیں روح المعانی کی محمد بخش صاحب سے آچکی ہیں۔

## ۱۳، مارچ ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۲، جمادی الاول ۱۳۶۸ھ

میاں فضل دین چشتی نے آج پہنچ کر بیان دیئے، لڑکی نے بعد از طلاق نکاح ثانی کے لیے اجازت دے دی۔

## ۱۸، مارچ ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۷، جمادی الاول ۱۳۶۸ھ

۱۔ دہلووالی معرکہ کو پھر آئندہ بدھ کی تاریخ فیصلہ دی گئی ہے، بایں وجہ کہ ضیائی صاحب مگھیانہ علی پوری اجلاس کی شرکت کے لیے چلے گئے تھے۔

۲۔ میاں ممتاز دولتانہ نے مسلم لیگ کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا ہے، بایں وجہ کہ بعض حلقوں میں انتشار کا خطرہ ہے۔ اتحاد و یکجہتی صوبائی قائم و دائم رکھنے کے لیے خود بخود علیحدہ ہو گئے ہیں، اللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ بعد میں میاں عبدالباری صاحب بلا مقابلہ و بلا اختلاف صدر صوبہ، لیگ منتخب ہوئے ہیں، نیازی صاحب نے چند اعتراض پیش کیے۔

## ۱۹، مارچ ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۸، جمادی الاول ۱۳۶۸ھ

۱۔ آمد وفد کی تیاریاں

۲۔ تفسیر مظہری بہاولپور سے آ گئی ہے،؟ قیمت۔

## ۲۰، مارچ ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۹، جمادی الاول ۱۳۶۸ھ

قریباً ۱۱ بجے مستقل لاری کے ذریعہ (جو ایک سو بیس روپیہ کرایہ پر لی گئی) معرکہ شیخ برادری کے بیس آدمی پہنچے۔ سیٹھ محمد دین صاحب کے ایماء پر یہ آمد برادری کی ہوئی ہے، دیکھئے کیا نتیجہ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت استاذ شاہ صاحب مدظلہ نے پیغام چند کتب کے لیے ارسال کیا، جو پیش کی گئی ہیں۔

## ۲۱، مارچ ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۰، جمادی الاول ۱۳۶۸ھ

جناب استاذ شاہ صاحب مدظلہ تشریف لائے، جامعہ میں تھوڑی دیر (چند ساعات) قیام کیا، واپسی کی جلدی تھی۔ ظہر کے بعد روانہ ہوئے۔

۱۔ مسح الرجلین فی رد غسلین

۲۔اسلامی نماز (ارسال الیدین کی بحث) شیعہ کے رسائل کا ذکر کیا۔کتاب الشہادت مرزا حیرت دہلوی کا ذکر ہوا،انہوں نے شہادت سے انکار کیا ہے،موت علی الفراش ثابت کی ہے۔

## ۲۳،مارچ ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۲،جمادی الاول ۱۳۶۸ھ

## تنازعہ فریقین

ایک فریق دارڑے پہنچا،دوسرا فریق رجوکہ معرکہ نہیں آئے،ایک رقعہ کے ذریعہ تاریخ مزید طلب کی ہے۔
سخت تنبیہ وغیرہ کے بعد آئندہ ۶ جمادی الثانیہ ۶،اپریل ۴۹ء بدھ وار کی دوبارہ ہر دو فریق کو تاریخ دی گئی ہے۔

## ۲۴،مارچ ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۳،جمادی الاول ۱۳۶۸ھ

قاری صاحب مہتمم دارالعلوم سے تفصیل نصاب جدید لی گئی کہ موجودہ نظام کس طرح ہے پاکستان و ہند کا نصاب الگ ہوگا یا کیا صورۃ ہوگئی،اسمبلی میں مسلمانوں کی کیا پوزیشن ہے مذہبی معاملات کچھ آزاد ہیں یا مجبوریاں بڑھ گئی ہیں،علماء ہند کا کیا مقام ہے؟ مدرسہ کو زد تو نہیں پہنچی،یا آئندہ مدرسہ حکومتی امداد لے گا یا نہیں؟ مدرسین مدرسہ سابقہ ہی ہیں یا کچھ تبدیل ہو رہے ہیں۔ہندی زبان مدرسہ میں رکھی جائے گی یا نہیں؟

## ۲۵،مارچ ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۴،جمادی الاول ۱۳۶۸ھ

ساڑھے آٹھ بجے دن حضوری باغ حاضر ہوئے،کوئی صاحب نہیں ملے،اپنے مواضع میں چلے گئے ہیں۔
بڑے مخدوم صاحب نیز سندھ چلے گئے ہیں علامہ عثمانی کی وجہ سے نہیں چلے،قاری صاحب کو ۲۰ تک پرمٹ نہیں ملا،اللہ اعلم۔قرارداد کے متعلق اہل جلسہ حکومت سے مطالبہ نہیں کرنا چاہتے،اہل علم خود نصاب (مرتب) کر کے چلائیں اور اپنائیں،اس کی صورت یہ ہو کہ علماء کی مجلس شوریٰ بلائی جائے۔

## ۲۶،مارچ ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۵،جمادی الاول ۱۳۶۸ھ

محترم خورشید صاحب سے شام کو ملاقات ہوئی،فرماتے ہیں کہ بڑے مخدوم صاحب کی سندھ سے یکم کو آمد ہوگی،کچھ نہیں کہا جا سکتا،غیب کا علم اللہ کو ہے،نہ مجھ کو ہے نہ تم کو،بزرگ آدمی ہیں!

## ۲۷، مارچ ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۶، جمادی الاول ۱۳۶۸ھ

صبح ۵ بجے واپس مولوی عبدالرحمن میانوی اور مولانا خیر محمد کو دعوت تھی، مگر انہی تاریخوں کے دوسری جگہ مقرر ہونے سے معذور ہیں، مولوی فیض محمد ساکن گجہ، ڈاک خانہ بھکر ضلع میانوالی ملے، حالات معلوم کیے۔ صاحب رائے پوری (ساکن جھاوریاں ڈاکخانہ ایضاً، معرفت حکیم فیض بخش صاحب ضلع سرگودھا) یہاں ایک ماہ سالم گزار کر واپس ہوں گے۔ مولوی شاہ محمد نے واپسی پر اسٹیشن تک پہنچایا، بارك الله في الدنيا والآخرة۔ اسی دن مگھیانہ سے ہوتے ہوئے محمدی آنا ہوا، مولوی محمد خان معروف متعلقہ اجلاس تھے۔

## ۲۸، مارچ ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۷، جمادی الاول ۱۳۶۸ھ

۱۔ مولانا سعید احمد صاحب (والد صاحب سجاد ہاشمی) چنیوٹ تشریف لائے ہوئے ہیں۔ صوفیانہ مجلس ہے، اللہ والوں کا سا ذوق ہے، اپنی مختصر سی سرگزشت سنائی سہار نپور میں مولانا خلیل احمد محدثؒ سے ہدایہ وجلالین وغیرہ دیگر کتب پڑھیں، اسی زمانہ میں شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری سے ملاقات نصیب ہوئی تو بیعت ہوئے۔ مہینہ میں ایک آدھ دفعہ سہار نپور سے دیرہ دون کی سڑک پر رائے پور جایا کرتے تھے، ان کے ہم سبق مولانا عبدالقادر کو بھی ان کی وساطت سے شوق ہوا اور وہ حلقۂ ارادۃ میں شامل ہوئے۔ نیز فرمایا کہ مولانا سلطان محمود صاحب نے حدیث مولانا گنگوہی صاحب سے پڑھی تھی اور معقول کانپور میں پڑھا تھا۔

۲۔ ''رَبِّ زِدْنِي عِلْماً'' کلید علم ہے، اول وآخر درود شریف پڑھیں۔

## ۲۹، مارچ ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۸، جمادی الاول ۱۳۶۸ھ

پتہ کتب خانہ۔ حافظ نجم الدین صاحب۔ خضر منزل ملتان شہر

ان سے مندرجہ ذیل کتب کا کہا ہے:

۱۔ کتاب الاسماء والصفات للبیہقی

۲۔ حصن حصین۔ مطبوعہ مجتبائی

۳۔ فتاوٰی شاہ عبدالعزیزؒ (اردو)

۴۔ مثنوی مولانا روم محشی، بحاشیہ کثیرہ نادرہ کلاں۔

## ۳۰، مارچ ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۹، جمادی الاول ۱۳۶۸ھ

چنیوٹ اجلاس کی تیاری کے لیے آج منشی صالح محمد صاحب، منشی عطا محمد صاحب اور ناچیز جامعہ آباء سے روانہ ہوئے۔ دوسرے دن حافظ غلام حسین صاحب بمع چند لڑکوں کے آپہنچے۔

## ۳۱، مارچ ۱۹۴۹ء بمطابق ۳۰، جمادی الاول ۱۳۶۸ھ

اسلامیہ ہائی سکول اندرونی میں قیام ہوا۔ ضروریات (بڑی چارپائیاں وغیرہ اور سامان خورد و نوش و چائے) مختلف حضرات سے لیے گئے۔ پہلے اجلاس میں کوئی مقرر نہیں پہنچا، صرف صوفی شریف صاحب پہنچے۔ ازہری صاحب نے صدارت کی اور کام تمام کیا گیا۔

## یکم، اپریل ۱۹۴۹ء بمطابق یکم، جمادی الثانی ۱۳۶۸ھ

۱۔ مولانا سید نور الحسن شاہ صاحب تنظیم والے بعد از جمعہ پہنچے۔ رات کو انہوں نے اور قاضی صاحب مولانا زاہد الحسینی شمس آبادی نے ہفتہ کی رات کو تقریریں فرمائیں قادیانیت کی خوب تردید کی۔ پبلک چندہ چنداں فراہم نہیں ہوا۔ الاقلیل

۲۔ مولوی عبد الہادی صاحب جہلمی، اور قاضی محمد زاہد صاحب الحسینی شمس آبادی اور قاضی مرید احمد صاحب مردانی جمعہ سے قبل پہنچے، اور دیوان صاحب اجمیری کے برادر سید آل نبی صاحب سرگودھا سے بذریعہ ٹیکسی (کانت اجرتہ (کرایہ) خمسین روبیۃ) تشریف لائے، صرف اجلاس جمعہ کے بعد صدارت کر کے واپس ہوئے۔ جناب حکیم صاحب (نام سمجھ نہیں آرہا۔ سلفی) ساتھ تھے، کوئی تقریر وغیرہ نہیں فرمائی۔

## ۳، اپریل ۱۹۴۹ء بمطابق ۲، جمادی الثانی ۱۳۶۸ھ

### مگھیانہ روانگی

تمام حضرات بغیر قاضی مرید احمد صاحب کے ہفتے کی صبح مگھیانہ کو براستہ لائل پور روانہ ہوئے۔ منشی صالح صاحب اور بندہ کو شیخ برادری کے چندہ کے لیے چھوڑا گیا۔ مگر کامیابی نہ ہوسکی۔ شیخ محبوب الٰہی کے ذریعہ قاضی غلام مرتضیٰ صاحب (ان کو صدارت کی دعوت دی گئی تھی مگر؟ کی آمد کی وجہ سے مہتمم صاحب نے قاضی صاحب کو صدارت نہ دی اور یہ خاموش چلے گئے) کے پاس ان کے ڈیرہ پر گئے تو انہوں نے رائے ظاہر کی کہ شیخ برادری

سے شیخ مولا بخش رودھاون نے چند شبہات جامعہ پر پیش کیے ہیں۔

ان کومل جل کر رفع کیا جائے۔اس کے بعد ان کے پاس جانے کے لیے صورت نہ ہو سکی، کام ڈھیلا معلوم ہوتا ہے۔

## ۳، اپریل ۱۹۴۹ء بمطابق ۳، جمادی الثانی ۱۳۶۸ھ

ا۔نیز میاں صاحب امین جامعہ نے کہا تھا کہ مولوی صاحب خود وہیں رہ کر اجتماع کی صورت کریں، ان کے شرما شرمی سے کچھ کیا، بہت کچھ کام نکل آئے گا۔تمہارے کہنے سے خاص اثر نہیں ہو رہا۔

پہلی لاری سے بندہ اتوار کو واپس محمدی آ گیا ہے۔مولوی صاحب لائل پور چلے گئے ہیں، منشی صالح محمد پھر پھرا رہے ہیں۔

ھو المعین ھو الناصر ھو الوکیل۔

۲۔مولانا مولوی سعید احمد صاحب کھوکھر محلہ دھر کھاناں نے بطور ہدیہ جامعہ کو چند کتابیں دی ہیں:

جزاہ اللہ تعالی احسن الجزاء۔

## ۴، اپریل ۱۹۴۹ء بمطابق ۴، جمادی الثانی ۱۳۶۸ھ

دائرۃ المعارف الاسلامیہ کی اب تک ۲۹ جلدیں طبع ہو چکی ہے۔

## ۵، اپریل ۱۹۴۹ء بمطابق ۵، جمادی الثانی ۱۳۶۸ھ

آج جو کتب نظر سے گزریں۔

تاریخ: البدایہ والنہایہ لابن کثیر

تاریخ: التشریع الاسلامی للخضری

اخلاق...... کتاب الذریعۃ الاحکام الشریعہ لابن راغب

مالیات...... کتاب الاموال لابی عبید

کتاب الاسعاف فی احکام الاوقاف

تعزیرات...... معین الحکام

فوجداری...... کتاب الاختیار

## ۶، اپریل ۱۹۴۹ء بمطابق ۶، جمادی الثانی ۱۳۶۸ھ

تصانیف شیعہ صاحبان

۱۔ مصحف ناطق، ہر سہ ۳ جلد عرف حسبنا کتاب اللہ

۲۔ خلافتہ الٰہیہ مکمل (چہار جلد)

۳۔ اسلامی نماز

۴۔ مسح الرجلین فی رد غسل الرجلین

۵۔ فلک النجاۃ

لاہور۔ ریلوے روڈ۔ کتب خانہ امامیہ

## ۷، اپریل ۱۹۴۹ء بمطابق ۷، جمادی الثانی ۱۳۶۸ھ

۲۴ واں پارہ کلام اللہ کا جا رہا ہے، ہدایہ اولین کا جلد اول تا حال تمام نہیں ہوا۔ مشکوٰۃ فتن و ملاحم کے ابواب میں جارہی ہے۔ ابوداؤد کتاب الرتق میں جار ہا ہے۔

افتاء کے لیے ذیل کی کتب ضروری ہیں:

۱۔ عقود رسم المفتی از ابن عابدین

۲۔ مفید المفتی۔ از مولانا عبدالاوّل

۳۔ تاسیس النظر

## ۸، اپریل ۱۹۴۹ء بمطابق ۸، جمادی الثانی ۱۳۶۸ھ

کل سے رجوکہ معرکہ اور دادڑا معرکہ کے قضیہ کا فیصلہ نہیں ہوسکا، پھر ۶ رمئی ۲۴ بیسا کھ کی تاریخ مقرر کر دی گئی ہے۔ مولانا سید بہادر شاہ صاحب حکم مقرر ہوئے ہیں۔ یہ فیصلہ وہی کریں گے۔

۴۔ ۴۔ ۹ ۴۹ء کو جامعہ کے شعبہ تالیفات کا افتتاح کیا گیا۔ اس میں اس امر کی حتی الوسع کوشش کی جائے گی کہ ملت کے لیے تعلیمی و تبلیغی کتب اعلیٰ معیار پر مرتب کر کے شائع کی جاسکیں۔ سیکرٹری شعبہ نشر و اشاعت جامعہ محمدی ضلع جھنگ۔ (تنظیم اہل سنۃ لاہور ۱۲، اپریل ۴۹ء چوک جھنڈا، لوہاری دروازہ)

## ۹، اپریل ۱۹۴۹ء بمطابق ۹، جمادی الثانی ۱۳۶۸ھ

۱۔ مولوی محمد ذکی صاحب ولد مفتی محمد شفیع صاحب، ادارہ اسلامیات بالمقابل بائبل سوسائٹی نمبر ۱۹۰، انارکلی لاہور۔

۲۔ مولوی شیر علی صاحب سے جواب آیا ہے کہ اکثر تصانیف ہمارے ہاں سے مل سکتی ہیں، بعض نایاب ہیں وہ نہیں ملتیں، اعلاء السنن کے گیارہ جلد طبع ہوئے ہیں لیکن دوسرا جلد نایاب ہے۔ امیر الروایات نہیں ملتی۔

ملنے کا پتہ۔ نور محمد کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ (دہلی والے) فریدروڈ کراچی

## ۱۰، اپریل ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۰، جمادی الثانی ۱۳۶۸ھ

شمس آباد (اٹک) قاضی محمد زاہد صاحب الحسینی کو کتب ضروریہ برائے تالیف (یعنی اشتراء کے لیے) فرمائش روانہ کردی گئی ہے۔

۱۱، اپریل ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۱ جمادی الثانی ۱۳۶۸ھ

بقول مرزا صاحب قادیانی

کربلا است سیر ہر آنم
صد حسینؓ است در گریبانم
منم مسیح زماں و منم کلیم خدا
منم محمد و احمد کہ مجتبیٰ باشد

مرزا صاحب حیاتِ مسیح اور ان کی آمد ثانی کا اقرار براہین احمدیہ ص ۴۹۸ پر اپنی زبانی کر چکے ہیں۔ پھر عیسیٰ کو کہتے ہیں کہ صلیب پر (وہ) چڑھائے گئے۔ (نزول المسیح ص ۱۸) فیا للعجب!

## ۱۲، اپریل ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۲، جمادی الثانی ۱۳۶۸ھ

حافظ شفیق صاحب کے نام مفتاح العلوم مثنوی شرح اردو، دو جلد ذاتی عاریۃً ہے۔

(ہر دو وصول ہوئیں ۶۸ھ۔ ۱۱۔ ۱۳)

## ۱۳، اپریل ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۳، جمادی الثانی ۱۳۶۸ھ

فرمائش برائے کتب خانہ امامیہ ریلوے روڈ۔ لاہور

۱۔مصحف ناطق عرف حسبنا کتاب اللہ
۲۔خلافتہ الٰہیہ مکمل
۳۔فلک النجاۃ
۴۔مسح الرجلین در غسل الرجلین
۵۔اسلامی نماز
۶۔میزان حق
۷۔پیغام توحید
۸۔رجال کشی

## ۱۶،اپریل ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۶،جمادی الثانی ۱۳۶۸ھ

بعض لوگوں نے افتراءً مہتمم صاحب قبلہ کی طرف سے (غالب ظن احمد یار وغیرہ) جاگیرداری کی حمایت میں پُرزور لفظوں میں اخبار روزنامہ امروز لاہور بتاریخ ۴۹ء۔ ۴۔ ۱۳ کو مضمون دیا ہے۔ پھر امروز والے نے اس کی تردید میں خوب قلم اٹھایا، بعض لیڈروں، مولویوں کو خوب طعن و تشنیع کا موقع ملا، اسی روز مولوی محمد خان کو تردیدی بیان لکھ کر روانہ کیا گیا، پہلے چنیوٹ میں انہی تاریخوں میں ردقادیانیت اجلاس جاری ہے۔ قاضی صاحب شجاع عبادی، مولوی محمد علی صاحب جالندھری وغیرھم حضرات شامل ہیں۔ اہل اجلاس کو اس واقعہ سے پوری طرح مطلع کر کے پھر لاہور امروز کے دفتر جانا ہو سکے گا، تا کہ اصل واقعہ سے آگاہ کرے کہ کس کی طرف سے افتراء ہے اور محض غلط ہے۔ اصل خط کی نقل حاصل کی جائے۔ نقل دفتر والوں نے نہیں دی، اتنا کہا ہے کہ وہ خط پیڈ پر تھا، اس پر مولوی صاحب کے دستخط معلوم ہوتے تھے۔ ہاں البتہ اس کی تردید جو مولوی صاحب نے کی ہے اس کو کل کے پرچہ امروز میں یعنی ۲۰، اپریل کو تردیدی مضمون بھی برلاس صاحب شائع کر دیا ہے۔ اس کی نقل اور اصل دفتر میں آچکی ہے۔ پیرزکوڑی والا خط جعلی معلوم ہوتا ہے۔

## ۱۸،اپریل ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۸،جمادی الثانی ۱۳۶۸ھ

ان دنوں قادیانیوں کا زبردست اجلاس ربوہ (چنیوٹ کے قریب) میں ہو رہا ہے۔ انہی تواریخ کو مسلمانانِ چنیوٹ نے کاذبِ نبوت کے خلاف اجلاس جاری رکھا ہے۔

## ۲۰، اپریل ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۰، جمادی الثانی ۱۳۶۸ھ

## النار

ان تاریخوں میں مدرسہ (؟) کے پانچ عدد چھپر اچانک دوپہر کو آگ لگنے سے جل گئے ہیں۔ اس کے بعد اہل قریہ نے اور دوسرے لوگوں نے کافی امداد، نقدی و درخت وغیرہ کی ہے۔ کمروں کی تجویز ہوئی ہے کہ دارالاقامۃ کی جگہ بھی تعلیم ہو بعد میں تعلیم گاہیں بن جانے کے بعد انتقال ہو جائے گا۔ اللہ اعلم۔

## ۲۱، اپریل ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۱، جمادی الثانی ۱۳۶۸ھ

جمعیت علماء کا اجلاس لکھنؤ

.................................................

ایڈیٹر ''مدینہ'' مسلم ہند کی حالت زار و جبر کا ذکر کرتے ہوئے کھلے لفظوں میں لکھتے ہیں کہ:

''ہندیونین کے مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اب خدا کے سوا تمام سہاروں سے محروم ہو چکے ہیں۔ انہیں اپنی قسمت کے علاوہ کسی پر اعتماد نہیں۔ نہ کانگریس پر، نہ کانگرسی حکومتوں پر، نہ کانگریسی راہنماؤں پر، کانگریس کے نیک دل لیڈران کو سہارا دیتے ہیں اور وہ بھی کانگریس کا نام لیتے ہیں صرف اس لیے کہ یہ حالات کا جبر ہے۔ (۹ مئی ۴۹ء)

## ۲۲، اپریل ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۲، جمادی الثانی ۱۳۶۸ھ

یوم الصدیق الاکبرؓ

## ۱۶، اپریل ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۶، جمادی الثانی ۱۳۶۸ھ

مولوی محمد منظور عالم صاحب کتاب مذکور ''زلیخا'' استعارۃً لے گئے ہیں، عزیز طفیل احمد موجود تھا، پوچھا گیا کہ یہ (سائیکل مولوی صاحب مذکور کے پاس تھا) کیا ہے؟ تو کہتا ہے (ذرا سوچ کے بعد) یہ لاری ہے۔ بڑی ہنسی ہوئی۔

## ۲۸، اپریل ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۸، جمادی الثانی ۱۳۶۸ھ

## فتنۂ مرزائیت وجواب

۱-اَوْ صانی باالصلوۃ والزکاۃ ما دُمْتُ حیا سے ممات مسیح ثابت کر کے کہا جاتا ہے کہ اگر زندہ ہیں تو آسانوں میں زکوۃ کیسے دیا کرتے ہیں؟ جواب میں غور کی ضرورت ہے، زکوۃ مال پر واجب ہوا کرتی ہے، جہاں مال ہی نہیں اور نہ زکوۃ لینے والے ہیں تو نفس وجوب کیسے ہوگا؟ پھر وجوب ادا کیسے ہوگا؟ [1]

۲-یاتی مِن بعد اسمہ احمد سے قادیانی (مرزا) مراد لیا جاتا ہے، اس لیے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تو ''محمد'' ہے۔

۳-وَجَعلْنَا فِی ذُریتہ النبوۃ سے اجراء نبوت کا ثبوت (دیا جاتا ہے)۔

۴-نبوت ایک خدائی رحمت ہے، رحمت کسی زمانہ سے مختص نہیں ہے۔ رحمت عام ہوتی ہے، ہمیشہ جاری رہتی ہے وغیرہ وغیرہ۔

## ۲۹، اپریل ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۹، جمادی الثانی ۱۳۶۸ھ

جمعۃ کی رات کو لالیاں (مہانہ ٹھٹھہ) مولانا مولوی نذر محمد صاحب کے ہاں ساڑھے ۸، بجے شام پہنچے، الٰہی بخش واحمد قاضی ساتھی ہیں۔ مضافات کے حالات قابل رحم ہیں، ٹھوس تبلیغ کی اشد ضرورت ہے؟

حسین پیر (والد مراتب علی) نے آٹھ روپے برائے جوتی مراتب علی امانۃً دیئے، نعلین سلا کر دی جائے۔

## ۳۰، اپریل ۱۹۴۹ء بمطابق یکم، رجب ۱۳۶۸ھ

۱-جناب قبلہ حضرت صاحب کے مشورہ کے موافق علاقہ لالیاں میں تبلیغی اجلاس مجوز ہوا ہے، ۱۷ جون ۴۹ء

---

[1] اس اعتراض کا ایک تفصیلی جواب حضرت سلطان العلماء علامہ ڈاکٹر خالد محمود نے بھی لکھا ہے کہ ''حضرت عیسیٰ ؑ نے جب کہا تھا کہ مجھ پر نماز اور زکوۃ فرض کی گئی ہے تو اس سے ان کی مراد زمینی زندگی کی نماز و زکوۃ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو عالم تکلیف بنایا ہے۔ جہان بدل جائے تو انسان مکلف نہیں رہتا، جب آپ آسمانوں پر لے جائے گئے تو ظاہر ہے کہ آپ پر دنیا کے احکام باقی نہ رہیں گے۔ نماز روزے کے ان احکام کے ساتھ ہی ''وبرًّا بوالِدَتی'' بھی تو ہے، کیا اس حکم کا بھی یہی تقاضہ ہے کہ آپ کی والدہ بھی ساتھ ہی آسمانوں پر لے جائی جائیں تاکہ آپ وہاں والدہ سے حسن سلوک کرتے رہیں؟...... زکوۃ ہر مسلمان پر اعتقاداً فرض ہے، عملاً فرض اس وقت ہوتی ہے جب کوئی صاحب نصاب ہو جاتا ہو۔ آنحضرت ﷺ کبھی صاحب نصاب نہ ہوئے مگر زکوۃ کی فرضیت کا ہمیشہ اعلان فرماتے رہے۔ نبی کے مال پر زکوۃ اس لیے بھی فرض نہیں ہوتی کہ زکوۃ مال کو پاک کرتی ہے اور نبی کا مال پہلے سے ہی پاک ہوتا ہے، ناپاکی اس کے قریب نہیں پھٹکتی''۔ (عقیدۃ خیر الامم فی مقامات عیسیٰ بن مریم، صفحہ نمبر ۱۸۷، دار المعارف لاہور، سلفی)

۲۔کتاب البریہ از غلام احمد قادیانی، طبع قادیان گورداسپور دسمبر ۳۲ء۔

بچپن کے زمانہ میں تعلیم اس طرح ہوئی کہ جب میں چھ، سات سال کا تھا تو ایک فارسی خواں معلم میرے لیے نوکر رکھا گیا، جنہوں نے قرآن شریف اور چند فارسی کتابیں مجھے پڑھائیں اس بزرگ کا نام ''فضل الٰہی'' تھا۔ اور جب میری عمر قریباً دس برس کی ہوئی تو ایک عربی خواں مولوی صاحب میری تربیت کے لیے مقرر کیے گئے، جن کا ''فضل احمد'' نام تھا، (ذرا آگے چل کر فرماتے ہیں) مولوی صاحب موصوف جو ایک دیندار اور بزرگوار آدمی تھے، وہ بہت توجہ اور محنت سے پڑھاتے رہے اور میں نے صَرف کی بعض کتابیں اور کچھ قواعد نحو ان سے پڑھے اور بعد اس کے جب میں سترہ برس یا اٹھارہ کا ہوا تو ایک مولوی صاحب سے چند سال پڑھنے کا اتفاق ہوا، ان کا نام ''گل علی شاہ'' تھا ان سے بھی میرے والد صاحب نے نحو، منطق اور حکمت وغیرہ علوم مروّجہ کو جہاں تک اللہ تعالیٰ نے چاہا، حاصل کیا اور بعض طبابت کی کتابیں میں نے والد صاحب سے پڑھیں۔ (ص ۱۴۹، ص ۱۵۰، حاشیہ کتاب مذکور)

## ۲، مئی ۱۹۴۹ء بمطابق ۳، رجب ۱۳۶۸ھ

## ترکی

یکم مئی ۴۹ء کو کراچی میں مسٹر ظفر حسن ایبک پروفیسر انگریزی ٹرکش وار اکیڈمی نے منگل کی شام کو میڈیکل کالج ہال میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ:

۱۔ترکی میں معیار زندگی کافی بلند ہے، اگرچہ ترکی زیادہ تر زراعتی ملک تھا، مگر اب وہاں کافی صنعتیں جاری ہیں جن میں پارچہ بافی، اونی کپڑے، کاغذ، سیمنٹ وغیرہ کی صنعتیں شامل ہیں۔

۲۔ترکی نے صرف نظامِ حکومت غیر مذہبی بنیادوں پر بنایا ہے، مذہب کو اس نے ترک نہیں کیا (یعنی ذرا سا چھوڑ دیا ہے، انا اللہ الخ)

۳۔تاریخی ارتقاء کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر نے کہا کہ ترکوں نے خلافت کا خاتمہ کیا، پردے اور تعدد ازدواج کی فرسودہ رسموں کو چھوڑا، لاطینی رسم الخط کو اختیار کیا، اور قانونِ شریعت کی بجائے قانونِ شہریت کو اپنایا۔

۴۔ترکی میں تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر ایبک نے کہا کہ تعلیم یافتہ لوگوں کا تناسب چار فیصدی ہے۔ اب چالیس فیصدی ہوگیا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ ترکی میں مخلوط تعلیم کا رواج ہے (انا اللہ الخ) اور بہت سی عورتیں، ڈاکٹروں، انجینئروں، ایڈووکیٹوں، اور مجسٹریٹوں کی حیثیت میں قوم کی خدمت انجام دیتی ہے۔ (اخبار ''مدینہ'' بجنور۔ ۹ مئی ۴۹ء)

## ۳، مئی ۱۹۴۹ء بمطابق ۴، رجب ۱۳۶۸ھ

واپسی پر چنیوٹ میں مولانا عتیق الرحمن صاحب سے ملاقات ہوئی۔ وہ جماعت اسلامی کے اجتماع لاہور ۵ر ۶ مئی میں شرکت کا ارادہ رکھتے ہیں۔

## ۴، مئی ۱۹۴۹ء بمطابق ۵، رجب ۱۳۶۸ھ

## قرآن مجید ''فی لوح''

روس میں فلسفہ کو قرآن کریم پر ترجیح دینے کے سلسلہ میں جن مسلمانوں نے احتجاج کیا تھا، ان کو نظر بند کر دیا گیا ہے اور ان سے سخت محنت لی جاتی جا رہی ہے۔ ان کے تعداد تیس لاکھ ہے (''سعادت'' لائل پور ''مدینہ'' بجنور ۹ر مئی ۴۹ء)

## ۵، مئی ۱۹۴۹ء بمطابق ۶، رجب ۱۳۶۸ھ

۱۔ پاکٹ بک محمدیہ (جناب معمار صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ)

۲۔ پاکٹ بک احمدیہ۔ عبدالرحمن صاحب احمدی

۳۔ ختم نبوت فی القرآن

فی الحدیث......از مولانا مفتی محمد شفیع مفتی دار العلوم دیوبند

فی الآثار

۴۔ ائمہ تلبیس......

۵۔ رئیس قادیان (ابو القاسم دلاوری)

۶۔ الکاویہ علی الغاویہ (مولوی محمد عالم صاحب آسی)

## ۶، مئی ۱۹۴۹ء بمطابق ۷، رجب ۱۳۶۸ھ

۱۔ بمبئی (۹) عمر کھادی، جیل روڈ نارتھ۔ حاجی آقا شیرازی کے ہاں رفض و تشیع کی کتب مل سکتی ہیں۔

۲۔ امامیہ کتب خانہ ریلوے روڈ۔ لاہور

۳۔ کربلائی شیخ غلام شہید یہ مینیجر خواجہ بک ایجنسی موچی دروازہ، لاہور

۴۔کتب خانہ اثنا عشری،کوچہ مغل حویلی۔لاہور

۵۔اندرون لوہاری دروازہ (چوک جھنڈا) مرکز تنظیم اہل سنت لاہور

## ۷،مئی ۱۹۴۹ء بمطابق ۸،رجب ۱۳۶۸ھ

آج مشکوٰۃ شریف ختم کی گئی ہے،عبدالرحمن،محمد حسن،اور محمد شفیق شریک سبق رہے۔دورہ والے طحاوی جناب صدر صاحب کے پاس شروع کرنے والے ہیں چند دنوں بعد نسائی (شریف) کا بھی تبرک ہوگا۔

## ۹،مئی ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۰،رجب ۱۳۶۸ھ

۱۔نیلہ سے عطاء صاحب کا جواب آیا ہے کہ تنظیم چھ ماہ کے لیے جاری کرار ہے ہیں۔یہ ہمارے مشورہ پر اجراء کیا جارہا ہے۔

۲۔کنز العمال،فتح الباری معہ مقدمہ،مسند امام احمدؒ،ابن کثیر،کبیر،الاصابہ،اور الاستیعاب کے لیے آج فرمائش جامعہ کی جانب سے جاچکی ہے۔

## ۱۰،مئی ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۱،رجب ۱۳۶۸ھ

ترجمہ کلام اللہ آج ختم کیا گیا ہے،محمد شفیق اور عبدالرحمن موجود،شریک سبق تھے۔ابوداؤد شریف آخر کتاب السنۃ تک پہنچ چکی ہے۔

ہوالشافی

کلکیر یانوس۶ دوائی چھوٹے بچوں کے جلابوں کو مفید چیز ہے،خصوصاً دانتوں کے نکلتے ایام میں نافع ہے۔

## ۱۱،مئی ۱۹۴۹ء بمطابق رجب ۱۳۶۸ھ

کل آبادی پاکستان ...... قریباً آٹھ کروڑ

ہندوستان کی مسلم آبادی ...... ساڑھے چار کروڑ

پاکستان کی کل مہاجر آبادی بقول مسٹر لیاقت علی خان وزیراعظم۔ستر لاکھ

(اخبار "مدینہ" بجنور ۲۸ جولائی ۱۹۴۹ء)

## ۱۴،مئی ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۵،رجب ۱۳۶۸ھ

ابوداؤد شریف آج مورخہ ۱۵/رجب ۶۸ھ کو شرکاء کتاب مذکور،مولوی گل محمد،صوفی حامد علی،مولوی محمد خان،

مولوی شاہ محمد اور مولوی اللہ دتہ صاحبان نے ختم کی ہے، اللہ تعالیٰ ان کو اور ان کی برکت سے اس ناچیز کو علم و عمل میں خیر و برکت نصیب فرمائے۔

## ۱۹، مئی ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۰، رجب ۱۳۶۸ھ

## کتاب مجوزہ

۱۔ مختار الصحاح، خورد مصری
۲۔ التصریح فی نزول المسیح
۳۔ سیف چشتیائی
۴۔ شمس الہدایہ
۵۔ ختم النبوۃ ہر دو حصہ بلا جلد
۶۔ دفع الحجاج
۷۔ آئمہ تلبیس
۸۔ پاکٹ بک مرزائیہ از لالیاں

## ۲۰، مئی ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۱، رجب ۱۳۶۸ھ

## لالیاں

۱۔ مولانا خطیب صاحب نہ ملے، بعد از بسیار انتظار جمعہ کے وقت تشریف لائے، بعد از نماز پھر غائب! خیر ہم نے تھوڑی بہت خواہ مخواہ تقریر کر ہی ڈالی، خطیب صاحب بجائے ہماری معاونت کے پیر کوٹ سدھانہ کو سدھار رہے ہیں۔ اللہ معنا۔ جمعہ کو بغیر ملاقات حضرۃ کہیں چلے گئے۔ ہم نے آخر کار بھبودی آنا بھبودی سمجھا، میاں غلام حسین صاحب لالی وفقہ اللہ خیر التوفیق کی رہنمائی میں رات بھبودی گزارنی ہے ہو اللہ المعین۔

۲۔ مائۃ واحدہ از جانب مہر خدا بخش ولد مہر مولا بخش و مہر برخوردار نے ۹ / رجب ۶۸ھ خمسین و خمسین داخل کردہ شدہ۔

## ۲۱، مئی ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۳۶۸ھ

ہفتہ کی رات بہبودی میں آدمی کچھ زیادہ جمع نہ ہو سکے، باوجود کوشش کہ کوئی اہل اقتدار ہمارے پاس نہ آیا، ایک کے بغیر، آخر صبح کو ناچار واپس ہوئے۔ میاں غلام حسین نے بڑے افسوس کے ساتھ ہمیں الوداع کیا، ہم لوگ ''جبانے'' پہنچے۔ میاں شیر محمد، محمد حسین وغیرہ سے ملاقات ہوئی۔ میاں برخوردار موجود نہیں تھا، وہاں سے تجویز ہوا کہ ڈاورارات کو جانا چاہیے۔ ظہر کی نماز کے بعد مولانا خطیب صاحب اپنا سارا پروگرام عرس وغیرہ منسوخ کر کے صرف للّٰہیت اور وفور شفقت کی بناء پر جبانہ تشریف لائے، ہمیں تو گویا ہلالِ عید نظر آیا، خوشی کی انتہا نہ رہی۔ پھر سب مل ملا کر رات کو ڈاور پہنچے مولوی احمد بخش سے اور اہل قریہ سے مل کر لوگ عشاء کو جمع کیے۔ رات اتوار گزار کر صبح ایک مرزائی سے تبادلۂ خیالات ہوا، تقریری گفتگو سے گھبرا کر تحریر پر اڑے۔ آخر رطب ویابس مار کر اٹھ گئے۔ فللہ الحمد

## ۲۲، مئی ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۳، رجب ۱۳۶۸ھ

صبح مبلغ احمدی سے فارغ ہو کر احمد نگر کا رخ کیا، میاں شیر محمد جبانہ والے اور مولوی نذر محمد صاحب امیر قافلہ تمام شریک مقصد سفر تھے۔ ۹ بجے احمد نگر پہنچے، خادم حسین صاحب کے ہاں ٹھہرنا ہوا، اہل بلدہ نے کہا کہ تقریر کی خاص حاجت نہیں ہے، ہم لوگ ان سے پہلے ہی سے پورے مجتنب ہیں۔ باقی اگر آپ ٹھہریں تو کل اجتماع ہو سکے گا۔ اتنا وقت نہیں تھا، اس لیے بعد از نمازِ ظہر چل دیئے۔ قاضی کوٹ رات کو پہنچے۔ قاضی نور محمد و محمد موسیٰ امام مسجد کے ذریعہ رات چند لوگ بہت تھوڑے جمع ہوئے، ہم نے اپنا فریضہ ادا کیا۔ بعد از تقریر محمد اکرم اور ظہور احمد صاحبان ہنجرا نے بعض چیزوں پر استفسار کیا، جواب ما حضر عرض کیے گیے، ان کا خیال ہے کہ احمدی مبلغ بلا کر پوری طرح تبادلہ خیالات ہو جائے۔ ہماری طرف سے اجازت ہر وقت عام ہے، جس وقت چاہیں آپ بلائیں اور ہمیں اطلاع کر دیویں۔ صبح سویرے کوٹ قاضی سے کوٹلہ پہنچے۔ اگلے پہر میں قیام ہے۔ شاید ظہر کے وقت کوئی تبلیغ کی صورت ہو جائے۔

## ۲۳، مئی ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۴، رجب ۱۳۶۸ھ

بوقت ظہر مولوی نذر محمد (علاقہ) دھن چلے گئے اور مولانا مولوی احمد بخش صاحب نے مختصر سے مجمع میں تقریر کی۔ (علاقہ) مل سپرا میں آئندہ رات بمشکل چند آدمی جمع ہوئے۔ فریضہ ادا کرنے کے بعد صبح مولانا مولوی احمد

بخش صاحب وڑچھ شب معراج کے لیے تشریف لے گئے، ہم نے (مولوی نذر محمد صاحب اور ناچیز) کوٹ سمائل میاں محمد کے پاس رات گزاری۔ یہاں بھی چند لوگ جمع ہو سکے۔ تقریر کی گئی۔ صبح لالیاں پہنچے، ہر دو رات (شب معراج خمیس والی اور جمعرات) وہیں بے کار گزریں، شب معراج پر ولگ نہ جمع ہو سکے۔ صبح خمیس کو بزور چند آیات کا ترجمہ عرض کیا گیا۔ پیلو وال میں صرف اکیلے مجھے جانا ہوا، مولوی نذر محمد اپنے کسی مقدمہ کے سلسلہ میں مگھیانہ چلے گئے۔ ضیائی صاحب نے واپس ہو کر لالیاں میں جمعہ پڑھایا بندہ نے جمعہ بھلوال پڑھا کہ میاں غلام علی لالی کی معیت میں شب ''جبانے'' حسب وعدہ پہنچے۔ مولانا ضیائی صاحب پہلے ہی مع ظہور اللہ صاحب پہنچ چکے تھے۔ جبانہ میں بہت عمدہ حسب منشاء اجتماع ہوا، خوب مقصد واضح کیا گیا، صبح ناشتہ کرا کے سواریاں دے کر میاں مہر برخوردار نے ادبار کافی مسافت تک کیا۔ اخلاق حمیدہ سے ہم لوگ کافی متاثر ہوئے بعد ازاں معرکہ جو یہ نے بڑا سلوک ہمدردی کر کے دوپہر کو ٹھہرانا چاہا۔ بصد مشکل معذرۃ کر کے ۱۲، بجے کانویں والا پہنچے۔ میاں دوست محمد ہنجرا پہلے سے موجود تھے۔

## ۲۵، مئی ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۶، رجب ۱۳۶۸ھ

اتوار کی رات مجمع کافی ہو گیا تھا۔ گیس وغیرہ مہیا کر کے کافی رونق کی گئی۔ دوسرے دن صبح مہر صاحبان چونکہ تمام موجود نہیں تھے، بنا بریں وہ دن تمام وہیں بے کار گزرا آخر کار دوسری رات مہر مہند وغیرہ تمام حضرات نے امداد جلسہ لالیاں کا پوری ہمدردی سے وعدہ کیا، صبح سوموار انہوں نے تین سواریاں گھوڑیاں ''ولّے ونو کے'' تک میاں دوست محمد کی کہے کہائے پہ بھی عطا کیں، رستے میں لالیاں ہوتے ہوئے (مولوی نذر محمد صاحب اطلاع دی گئی کہ اہل جیانہ واہل کانوے والا اجلاس مجوزہ کی امداد کے لیے تیار ہیں۔ اسی طرح انشا اللہ اہل ولّہ دنو کہ بھی امداد کریں گے۔ اب آپ کی ہمت درکار ہے) مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کی آمد کی کوشش بھی کرنی ہے، علاقہ والوں کا تقاضہ ہے۔ شہر لالیاں سے ہو کر دوپہر سوموار یکم شعبان ۶۸ھ کو ولّے پہنچے، احمد شیر ولد محمد حیات مرحوم وہاں موجود نہیں تھا اس کا بھائی سرفراز خان موجود تھا، وقت اچھا گزرا، رات کو مسجد میں مجمع ہوا، تقریریں ہوئیں، اعانت اجلاس کا وعدہ لوگوں نے کیا۔ صبح منگل وار ۲، شعبان کو واپسی میاں دوست محمد صاحب سے رخصت ہو کر محمدی کا رخ کیا، دریا کے رستہ سے پیدل محمدی پہنچے۔

## ۲۷، مئی ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۸، رجب ۱۳۶۸ھ

## ''نتائج سفر متعلقہ تبلیغ''

۱۔عوام کے متوجہ کرنے کے لیے اولاً شخصیت کے اثر ورسوخ کو بڑا دخل معلوم ہوا ہے۔

۲۔خوش آواز وخوش الحان نعت خواں یا واعظ خود کامیاب رہتا ہے۔

۳۔اجلاس میں کوئی مطالبہ چندہ وغیرہ ہرگز نہ ہونا چاہیے، مطالبات سے اثر تمام تر زائل ہو جاتا ہے۔

۴۔اپنا خرچ تبلیغ خود کرے تو مفید اور مؤثر ہے۔پہلے سے ہی انتظام قیام وطعام کر کے یہ راہ اختیار کی جائے۔

## ۳۱، مئی ۱۹۴۹ء بمطابق ۲، شعبان ۱۳۶۸ھ

## ''لائسنس کا قصہ''

رائفلوں کی واپسی کے سلسلہ میں جناب جرار علی شاہ صاحب انسپکٹر پولیس وارد ہوئے۔ بڑے اخلاق سے واپسی رائفلوں (جو محمدی میں ہیں) ان کا مطالبہ کیا، بڑی جرح قدح کے بعد اس نے لائسنس کی تجدید پر زور دیا کہ آپ لوگوں نے کیوں تجدید نہیں کرائی؟ یہ قانوناً جرم ہے، آپ کو صرف چند یوم کی مہلت دی جاتی ہے کہ اس کی کوشش کر لیجئے۔ اگر تجدید لائسنس ہو جائے تو بہتر، ورنہ رائفل ضبط ہونا لازمی ہوگا۔

## یکم، جون ۱۹۴۹ء بمطابق ۳، شعبان ۱۳۶۸ھ

میاں غلام حسین صاحب سیال سکنہ چاہ نورے والا متصل چنیوٹ نے کتاب ''میری جدوجہد'' جامعہ کے لیے وقف کر دی ہے، اور رسید داخلہ ودرج کتاب مذکور دی گئی ہے۔

## ۲، جون ۱۹۴۹ء بمطابق ۴، شعبان ۱۳۶۸ھ

## ''تجدید لائسنس کا قضیہ''

جناب منشی صالح محمد صاحب، حافظ غلام مصطفی اور ناچیز مگھیانہ روانہ ہو کر شام کو پہنچے۔ میاں محمد بخش صاحب ہنجرا کے مکان پر رات گزاری، ملک صاحب سے ملاقات ہوئی، شیخ محمد سعید صاحب سے ملنا ہوا، رائے سلطان صاحب کے ذریعہ بعض کلرکوں نے یہ تجویز دی کہ ایک درخواست دی جائے جس میں معذرت کر کے نیشنل گارڈ یا

رائفل کلب کے رضا کار ہونا ذکر کیا جائے، اس کے بعد ہماری (کلرک مذکور) طرف سے لکھا جائے کہ علاقہ کا انسپکٹر پولیس تھانہ بھوانہ رپورٹ کر کے تائید وتصدیق کرے، تب جا کر اس کی کوئی صورت ہوگی۔

دوسرے دن (جمعہ کو) واپس محمدی پہنچے، ایک رومال زرد وسرخ میں خرید ا گیا ہے۔

## ۴، جون ۱۹۴۹ء بمطابق ۶ شعبان ۱۳۶۸ھ

## ''مولوی خان کا سفر ملتان''

اجلاس لالیاں مجوزہ (۱۹/ ۲۰ شعبان حالیہ) کے لیے سیال تشریف سے دعوتی چٹھی لے کر مولوی محمد خان ملتان بخاری صاحب سے ملے، انہوں نے بہت کچھ معذرت کے بعد فرمایا کہ ہماری جماعت سے گفت وشنید کی جائے، پوری تیاری سے کام ہو تو ہم لوگ تیار ہیں۔ اقتدار مرزائیت جو حکومت وقت سے ان کو حاصل ہو رہا ہے (سر ظفر اللہ وزیر خارجہ، اسد اللہ مرزائی بریگیڈیئر فوج) یہ ناجائز مراعات کیوں حاصل کر رہے ہیں؟ اس کے خلاف بولنا ہوگا۔ آخر کار اس اجلاس میں نہیں شریک ہو سکتے، پھر دیکھا جائے گا۔

## ۵، جون ۱۹۴۹ء بمطابق ۷، شعبان ۱۳۶۸ھ

## ''عدم اعتماد کا ووٹ''

صدر مسلم لیگ (میاں عبدالباری صاحب) اور لیگ کی اکثریت کی طرف سے مطالبہ ہے کہ گورنر پنجاب سر فرانس موڈی کو مرکزی حکومت واپس بلالے، ہمیں پاکستانی گورنر چاہیے، لاہور میں لیگ صوبہ کا اجلاس ۵ جون ۴۹ء کو ہوا۔ عدم اعتماد کا ووٹ اکثریت کی طرف سے پاس ہوا۔ ہمارے مہتمم صاحب بھی دعوت ملنے پر تشریف لے گئے تھے۔

## ۷، جون ۱۹۴۹ء بمطابق ۹، شعبان ۱۳۶۸ھ

بهذا العام الجاري قد درسنا كتباً وندرج هاهنا

۱۔ ترجمہ کلام اللہ تعالیٰ

۲۔ ابوداؤد للسجستانیؒ

۳۔ مشکوٰۃ المصابیح

۴۔ نخبۃ الفکر مع شرحہ

۵۔ گلستان

۶۔ بوستانِ سعدی

اسی شعبان میں دار الاقامتہ مکتب کی تعمیر جاری ہے۔

## ۸، جون ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۰، شعبان ۱۳۶۸ھ

## ''یوم الامتحان''

قریباً ۳۵ سے زائد طلبہ عربی سالانہ امتحان میں شریک ہوئے، باہر سے ممتحن نہیں منگوایا گیا، دورۂ حدیث والے پانچوں طلبہ اچھے نمبروں میں پاس ہوئے۔ باقی بعض پاس کچھ فیل!

امتحان کے بعد پتہ چلا کہ امتحان کا پورا انتظام نگرانی وڈسپلن نہ ہونے کی وجہ سے کئی ایک طلبہ نے سرقہ، جعل سازی و دریافت وغیرہ جاری رکھی۔ اور حقیقت میں ایسے امتحانات کا کوئی معتدبہ فائدہ بھی نہیں ہے جس میں سختی نہ کی گئی ہو، ایسے کڑے قیود وشرائط کو ہمارے معرکہ پسند نہیں کررہے، ماشاءاللہ سب موج کریں۔

## ۹، جون ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۱، شعبان ۱۳۶۸ھ

## ''کتب کی واپسی''

کتب کی واپسی آج شروع ہے۔ جامعہ کی کتب کے ماسوا ذاتی کتب، ترمذی، بیضاوی، شرح وقایہ اول، گلستان محشی بھی آگئی ہیں، ہاں آفتاب ہدایت مولانا محمد بخش صاحب برخورداری اور مفتاح العلوم ہر دو جلد مولوی محمد شفیق صاحب کے پاس ہیں نیز شرح جامی، تاریخ الخلفاء، عرف الشذی اور سوال کابلی مولانا محمد شریف کو واپس کر دی ہیں۔

## ۱۰، جون ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۲، شعبان ۱۳۶۸ھ

## ''پہلی مرتبہ جامع مسجد میں جمعہ اور جلسہ اسناد''

جمعہ کے بعد جلسہ اسناد شروع ہوا، صدر مولانا نور الحسن صاحب مہتمم مرکز تنظیم اہل سنت لاہور تھے۔ مختصر تقریروں کے بعد دستار بندی (مولوی محمد خان، صوفی حامد علی، مولوی گل محمد، مولوی شاہ محمد، حافظ اللہ دتہ) کو کرائی گئی۔ صدر صاحب، مولوی محمد شریف، ناچیز، مولوی اعجاز ولی صاحب نے (دستار بندی) کرائی۔ مولانا حکیم عطاء محمد صاحب، مولانا نور محمد صاحب برخورداری وغیرہ اور مجمع کثیر موجود تھا۔ تھوڑی دیر بعد لیگ ضلع والے (میاں عابد حسین کرنل، عارف رجیانہ، سید احمد رجوعہ والے وغیرہ) اپنا پروگرام پیش کیا۔

## ۱۱، جون ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۳، شعبان ۱۳۶۸ھ

(سب نے) اس پر زور دیا کہ شیعہ وسنی سوال نہ اٹھایا جائے، اتفاق کیا جائے وغیرہ وغیرہ۔ کرنل عابد حسین صاحب نے کہا کہ مجھ پر الزام دیا گیا ہے کہ میں نے پانچ ہزار روپیہ تعصب کی بناء پر جامعہ کا روک رکھا ہے، یہ قسم سے عرض ہے کہ حالات و واقعات کی وجہ سے روکا گیا ہے نہ کہ تعصب کی وجہ سے، اور حالیہ چالیس فیصدی جو گورنر راج نے بڑھایا، اس کے خلاف احتجاج کیا جائے، اس میں میں خود تیرہ ہزار اور عارف صاحب قریباً پندرہ ہزار روپیہ ادا کر چکے ہیں۔ ابھی لیڈر لیگ اس کے خلاف گفت وشنید کر رہے ہیں، اگر یہ ٹیکس؟ ہٹالیا گیا تو اچھا، ورنہ ہمیں معاملہ روک کر سول نافرمانی کر دینی چاہیے۔ شام کے بعد ان کو روٹی کھلائی گئی، کھانا کھانے کے بعد کار پر سوار ہو کر واپس چلے گئے۔ سید صاحب ہفتے کی صبح کو لالیاں کے لئے (شرکت) کا وعدہ دے کر لاہور روانہ ہوئے۔

## ۱۲، جون ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۴، شعبان ۱۳۶۸ھ

۱۔ کل ہفتہ کی عصر ۱۳، شعبان کو لسوڑی کے درخت سے چند لڑکے گر پڑے، منشی صالح محمد کے (لڑکے) امان اللہ کو سر میں سخت چوٹ آگئی ہے۔ رات کو اُسے چنیوٹ ڈاکٹر اسماعیل کے ہاں لے گئے۔ ہمارا افضل کریم بھی گرا تھا، مگر چوٹ سے بفضل خدا محفوظ رہا۔ اللہ تعالیٰ تمام کو خیریت سے رکھے۔

۲۔ القمیص الجدید۔ جدید قمیص موٹا کھدر ۱۲ ر دنوں سے استعمال میں لایا گیا ہے، بعونہ تعالیٰ۔ چادر سبز جدید ۲ ہفتوں سے مستعمل ہے الحمد للہ علی ذالک۔ زرد رومال ۴ ر شعبان سے خرید ا گیا ہے۔

## ۱۳، جون ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۵، شعبان ۱۳۶۸ھ

## ''عزمِ لالیاں''

مولوی محمد خان، حافظ محمد شفیق اور ناچیز آج لاری کے ذریعہ لالیاں کے اجلاس کے انتظامی امور کی خاطر روانہ ہو رہے ہیں، پہلی لاری نہ مل سکی، دوسری کا انتظار جاری ہے۔ ۲ ربجے روانہ ہو کر چنیوٹ منشی صاحب اور لطیف الٰہی سے عیادت کر کے میاں دوست محمد صاحب (جرکن) کے ہاں پہنچے، جلسہ کا مکمل انتظام ان کے ذمہ ہونے کی صراحت کی گئی بعد ازاں مل کر لالیاں سے ہوتے ہوئے جبانہ جانا ہوا، خطیب صاحب لالیاں میں موجود نہ تھے۔ مہر احمد یار سے خضر حیات مرحوم کی تعزیت کی گئی۔ صبح واپس ہو کر منگل کا دن شہر گزرا۔

## ۱۴، جون ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۶، شعبان ۱۳۶۸ھ

اشتہارات طبع نہیں ہوئے تھے۔ مولوی محمد خان صاحب کو لائل پور روانہ کیا گیا، دو سو اشتہارات کے لیے کاغذ مستری سلطان احمد نے مفت دیا؟ مستری مذکور سے لیا گیا، خطیب صاحب کی واپسی پر دیا جائے گا۔ اخراجات کی تفصیل میاں محمد شفیق کے ذمہ تحریر کرنا ہے ۱۰ روپے ذاتی موجود ہیں، باقی اخراجات نکال کر، تا حال خطیب صاحب وارد نہ ہوئے، بے کار بیٹھے ہیں، اسی تاریخ کو بھاب ماچھی فوت ہو گیا ہے۔

## ۱۵، جون ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۷، شعبان ۱۳۶۸ھ

اسی دن مولانا محمد خان صاحب بڑی ہمت کر کے اشتہار طبع کرالائے، تقسیم اشتہار بڑی جلدی سے کی گئی۔

خرچ کتابت۔ ۸ پیسے

طباعت۔ ۸ روپے

(کاغذ اپنے تھے)

حضرت صاحب قبلہ کے لیے تمام قیام میاں غلام حسین میراں و پسرش غلام حسین وغیرہم نے اپنے ذمہ لیا ہے۔ (دیگر) علماء کرام کے لیے میاں مہر برخوردار صاحب جبانہ والے نے انتظام کرنا ہے۔

## ۱۶، جون ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۸، شعبان ۱۳۶۸ھ

محلہ والوں نے اپنی جگہ خاص خاص حضرات کا قیام وطعام اپنے ذمہ لیا۔ لاؤڈ سپیکر شامیانے وغیرہ سرگودھا سے لائے گئے۔

کل رات (بدھ وار) کو سید عباس ایوب صاحب نے ہم لوگوں کی دعوت فرمائی۔ بڑے اخلاص سے پیش آئے۔ جدید النوع، کھانے کے ساتھ ساتھ خربوزہ تراش وکاٹ کر اس پر قند سفید اور الائچی خورد پیس کر ڈالی ہوئی لائے، ہم لوگ شناخت نہ کر سکے کہ یہ کیسے تیار کیا گیا ہے، بہت لذیذ خوشبودار تھا۔

## ۱۷، جون ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۹، شعبان ۱۳۶۸ھ

۸، بجے صبح مولانا فاروق صاحب چنیوٹ سے تشریف لائے۔ عین ۱۲، بجے مولانا اختر صاحب ازہری صاحب، اور مہتمم صاحب وغیرہم بھی (آگئے) اجلاس کی کاروائی بعداز جمعہ شروع کی گئی، جمعہ ازہری صاحب نے پڑھایا، تلاوت ونظم کے بعد تعارفی تقریر میں چیلنج دے کر واضح کیا کہ اجلاس میں آکر صداقت مرزا ثابت کیجئے۔ مگر کون آسکتا تھا؟ حیات مسیح پر تقریر ہوئی، مجمع اچھا خاصہ ہوا، یعنی امید سے زائد۔

## ۱۸، جون ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۰ شعبان ۱۳۶۸ھ

ہفتہ کی رات ۱۰، بجے حضرت صاحب پہنچے، آپ نے آتے ہی تقریر فرمائی، اس کے بعد فاروق صاحب نے بقیہ مضمون تمام کیا۔ آخر میں اختر صاحب نے معذرت کی کہ وقت ختم ہوگیا ہے ورنہ ختم نبوت پر تقریر ہوتی۔

---

صبح آٹھ بجے جلسہ شروع ہوا، مولانا اختر صاحب [1] نے مرزائیوں کی آمد کا ذکر کیا اور مناظرہ سے ان کے فرار کا تذکرہ کیا۔ ختم نبوت اور صداقت مرزا وغیرہ پر اور عام متداول سوالوں پر پوری بحث کی جو مرزائی عموماً کیا کرتے ہیں۔
۱۲، بجے اجلاس ختم ہوا، ۵ بجے شام روانہ ہو کر چنیوٹ پہنچے۔ فاروق صاحب کو خمس وعشرین اور اختر صاحب کو ثلثین دیئے گئے۔

## ۱۹ جون ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۱ شعبان ۱۳۶۸ھ

اتوار کو جھر کن پہنچے، اختر صاحب کے ساتھی سید صاحب بخاری مرکز والے بھی آگئے، اتفاقاً رات کو آندھی چلی، عام جلسہ نہ ہو سکا، آخر طے ہوا کہ صبح کو منادی کر کے اختر صاحب، بخاری صاحب اور حضرت صاحب قبلہ تقریر کریں گے۔ آٹھ بجے اجلاس ہو کر ۱۱ بجے ختم ہوا، بخاری صاحب کو وقت نہ مل سکا، بایں وجہ

---

[1] فاتح مرزائیت مولانا لعل حسین اختر رحمہ اللہ

کہ سجادہ نشین صاحب کو واپس جانا ضروری تھا، آپ کے رخصت ہونے سے مجمع منتشر ہو گیا۔ لالیاں شہر میں با قاعدہ انجمن کے قیام کے لیے ۱۲، اگست ۱۶ شوال ۶۸ھ تاریخ منعقد ہوئی ہے، ۲۲ شعبان ۶۸ھ ۲۰ جون ۴۹ء کو تنظیم اہل سنۃ جھنگ کا قیام ہوگا، بہ تحریک مہتمم صاحب جامعہ محمدی!

## ۲۰ جون ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۲ شعبان ۱۳۶۸ھ

رمضان المبارک کے اعزاز و احترام کے لیے حکومت سے مطالبات ہو رہے ہیں کہ شراب، ہوٹل، قحبہ خانے، سینما وغیرہ بند کیے جائیں، اللہ اکبر، ان کی اصلاح کے لیے مطالبہ کی ضرورت ہے اور وہ بھی کوئی نہیں سنتا، مسلم لیگ نے کوئی اقدام نہیں کیا، انما اشکوا بثی و حزنی الی اللہ، باقی سب انتظامات ہو رہے ہیں، مگر دینیات کو کوئی نہیں پوچھتا۔ پیر صاحب زکوڑی شریف (عبداللطیف صاحب کو) قیوم وزارت نے اپنے مفاد کے خلاف ملزم گردان کر گرفتار کر لیا ہے۔ اسی طرح مانکی شریف (امین الحسنات) بھی وزارت کے خلاف بیان و تقریر کر رہے ہیں، بلکہ سنا گیا ہے (وہ بھی) قید ہو چکے ہیں۔

## ۲۱ جون ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۳، شعبان ۱۳۶۸ھ

اللھم زد فزد

یہ کتب اس شعبان میں (۱۳۶۸ھ) جامعہ میں منگوائی گئی ہیں۔ الحمد للہ علی ذالک

۱۔ کنز العمال کامل آٹھ جلد

۲۔ سنن الکبریٰ للبیہقی۔ دس جلد

۳۔ فتح الباری مع مقدمہ۔ ۱۳ جلد

۴۔ کبیر کامل معہ ابو السعود آٹھ جلد

۵۔ ابن کثیر کامل ۴ جلد زرد

۶۔ مسند امام احمدؒ۔ ۶ جلد

۷۔ الاصابہ فی معرفۃ الصحابہؓ۔ ۴ جلد

۸۔ الاستیعاب

## ۲۲جون ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۴شعبان ۱۳۶۸ھ

صوفی حامد علی اور مولوی محمد خان صاحب آج واپس اوطان جا رہے ہیں۔ازہری صاحب (صدر صاحب) چھٹیاں یہیں گزار رہے ہیں، واپس وطن نہیں گئے۔

## ۲۳جون ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۵شعبان ۱۳۶۸ھ

۲۰جون ۴۹ء کو مگھیانہ میں مسلمانان اہل سنت ضلع جھنگ کے تحفظ حقوق (از روئے مذہب وسیاست) کی خاطر ادارہ کی تشکیل عمل میں لائی گئی ہے۔فی الحال انتخاب یوں ہے۔

۱۔صدر، جناب پیر محمد افضل شاہ صاحب گیلانی پیر کوٹ سدہانہ

۲۔نگران۔جناب مہتمم صاحب جامعہ محمدی

۳۔سیکرٹری۔رنگین صاحب (مدیر عروج ورحیلِ جھنگ)

## ۲۴جون ۱۹۴۷ء بمطابق ۲۶شعبان ۱۳۶۸ھ

### امام التراویح

جمعہ میں قصوا لشوارب واعفوا اللحی کی وضاحت کر کے پُرزور عرض کیا گیا کہ آئمہ تراویح بالحیہ و نمازی ہونے چاہئیں۔کترانے، منڈانے والوں سے پرہیز کیا جائے۔ان لوگوں کی اقتداء سے نماز بالکل برباد ہو جاتی ہے۔

## ۲۵جون ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۷شعبان ۱۳۶۸ھ

### نامہ جات

کراچی جمشید روڈ۔عامل کالونی نمبر ۲ پر چند سوالات (تحذیر الناس کا مقامِ فتوحات کا حل وغیرہ) دریافت کیے گئے ہیں۔جوابی لفافہ لکھا گیا ہے۔

## ۲۶ جون ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۸ شعبان ۱۳۶۸ھ

## ”وانھم میّتون“

وفیات۔

وریام گاذر بن نواب گاذر آج رخصت ہوگیا ہے (ترجیع)

## ۲۷ جون ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۹، شعبان ۱۳۶۸ھ

## ”ہجرت کا قضیہ“

آٹھ لاکھ عرب مہاجرین کی آبادکاری تاحال نہیں ہوسکی، کچھ مصر کچھ شرق اردن وغیرہ کے ہاں پڑے وقت گزار رہے ہیں اور بھوکے تڑپ رہے ہیں۔ مجلس اقوام متحدہ کوئی بہتر حل نہیں پیش کرسکی، یہ وہی لوگ ہیں جو اسرائیلی حکومت کے حدود سے مجبوراً نکلے ہوئے ہیں، اب ان کی واپسی کی کوئی صورت نہیں عرب علاقے اس تعداد کے متحمل نہیں ہورہے۔ یہ کثیر افراد بڑی مصیبت میں گرفتار ہیں۔ (اخبار ”سعادت“ وغیرہ ۲۷، جون ۴۹ء)

## ۲۸ جون ۱۹۴۹ء بمطابق یکم رمضان ۱۳۶۸ھ

## ”رمضان“

رات منگلوار کو سخت بادل تھا، چاند اس علاقہ میں نہیں دیکھا گیا، کوٹ وساوا سے تار کے ذریعہ معلوم ہوا کہ پشاور، دہلی میں دیکھا گیا ہے۔ چنیوٹ، مگھیانہ وغیرہ میں ریڈیو کی اطلاع مذکورہ پر روزہ رکھا گیا ہے۔ ہم نے بھی اسی اطلاع (کے) موافق سحری کی، گو شہادت شرعیہ نہیں ہے۔

## ۲۹ جون ۱۹۴۹ء بمطابق ۲، رمضان ۱۳۶۸ھ

۱۔ کھولہ شریف ”عبقات“ کی تلاش کے متعلق پُرزور لکھا گیا ہے۔

۲۔ رحیم یار خان ضلع۔ رحیم آباد مقام وڈاک خانہ، مولوی حافظ نور محمد صاحب کو جواب دیا گیا۔

## ۳۰ جون ۱۹۴۹ء بمطابق ۳، رمضان ۱۳۶۸ھ

## ''امام التراویح''

اللہ تعالیٰ کا بڑا شکر ہے کہ امسال تراویح کے امام بڑے پرانے پختہ منزل والے نیک آدمی (حافظ عطاء محمد صاحب ولد شیر محمد مہانہ) ہیں۔ سنانے، سننے کا بڑا ذوق ہوتا ہے۔

دوسرا یہ کہ گردان کی سعادت بھی بندہ کو ان کے ساتھ امسال نصیب ہے۔ بعد از نماز ظہر دور ہوتا ہے۔

## یکم جولائی ۱۹۴۹ء بمطابق ۴، رمضان المبارک ۱۳۶۸ھ

۱۔ ''فضائل الصیام''

۲۔ منشی صالح محمد صاحب و حافظ غلام حسین صاحب دونوں آج سفر کراچی کے لیے رخصت ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کامیاب واپس بخریت لائے۔ (آمین)

## ۴، جولائی ۱۹۴۹ء بمطابق ۷، رمضان ۱۳۶۸ھ

۱۔ تردید مرزائیت کی قلمی ابتداء، بعونہٖ تعالیٰ پیغام احمدیت کے جواب کی ضرورت ہے۔ قادیانی نبوت کا جائزہ کے نام سے ایک مضمون تردید مرزائیت میں لکھا گیا ہے، پرچہ تنظیم لاہور میں شائع ہو چکا ہے۔

## ۱۰ جولائی ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۳، رمضان ۱۳۶۸ھ

ضلع جھنگ کا مسلمان چکی کے دو پاٹوں کے درمیان پس رہا ہے کے نام سے مضمون پرچہ تنظیم میں بخاری صاحب شائع کر رہے ہیں۔ یہ تین قسطوں میں ہوگا۔

## ۱۱ جولائی ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۴، رمضان ۱۳۶۸ھ

۱۔ کھولہ (خانقاہ سراجیہ مجددیہ) کندیاں، میانوالی، مولانا خان محمد صاحب نے جواب دیا ہے کہ عبقات موجود ہے، ۱۷۵ صفحے ہیں۔ نقل کی ہماری طرف سے اجازت ہے۔!

۲۔ نہج البلاغہ خورد ازہری صاحب مطالعہ کے لیے مستعار لے گئے ہیں۔ (واپس شد)

## ۱۲ جولائی ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۵، رمضان ۱۳۶۸ھ

کراچی۔لارنس روڈ، اورینٹل ملز

مولوی عبدالعزیز صاحب کی طرف سے جواب مبارکبادی کا خط آچکا ہے، راضی خوش ہیں۔اور ارادہ ظاہر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحت وزندگی بخشی تو حفظِ قرآن اور دینی علوم کی تعلیم دی جائے گی۔ان شااللہ

''سفیرین صاحبان بخریت کام میں مشغول ہیں۔''

## ۱۳ جولائی ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۶، رمضان ۱۳۶۸ھ

ا۔مرزائی مضمون بعونہ تعالیٰ ختم ہوا، اس میں چار دن زائد بے کار شامل ہیں، دو دن لکھائی بیاض مسودہ۔

۲۔۱۱ جولائی ۱۹۴۹ء کو سر فرانسس موڈی گورنر غربی پنجاب نے موجودہ وزارت کی کشمکش کی صورت میں (جو کہ مسلم کی طرف سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ گورنر پنجاب ہونا چاہیے) استعفیٰ دے دیا۔

## ۲۱ جولائی ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۴، رمضان المبارک ۱۳۶۸ھ

### ''اللباس لباس التقوٰی''

جدید قمیص پتلی عطا ہوئی ہے اور یہ سنت کے خلاف ہے، افسوس بر عمالِ ما۔

## ۲۲ جولائی ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۵، رمضان ۱۳۶۸ھ

### جمعۃ الوداع، المطر

بارش امسال رمضان میں دو تین دفعہ ہوئی ہے، ہر ایک خوشحال ہے بعونہ تعالیٰ مولوی عبداللہ صاحب نے معرکہ سرانجام دیا، تقریر جمعہ وغیرہ وغیرہ، اول وآخر تقریر جاری رہی۔

## ۲۳ جولائی ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۶، رمضان المبارک ۱۳۶۸ھ

### ''المکتبہ للجامعہ''

ا۔آنے والے تعلیمی سال کے لیے جن کتب کی ضرورت ہو وہ افتتاحِ تعلیم سے قبل مہیا ہونی ضروری ہیں۔

۲۔ ہفتہ میں دوبار سوموار اور جمعرات کی شام کتب کا اجراء ہو سکے گا۔
۳۔ صدر صاحب کی منظوری مشروعہ درسی کتاب بنام طالب علم جاری ہونی چاہیے۔

## ۲۴ جولائی ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۷، رمضان ۱۳۶۸ھ

بڑی مدت بعد، قریباً ۴/۵ ماہ کے بعد (ماہ نامہ) الجامعہ شائع ہوا ہے، آج پہنچا ہے۔ ایسے طویل ناغے اچھا اثر قائم نہیں ہونے دیئے۔

## ۲۵ جولائی ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۸، رمضان ۱۳۶۸ھ

## ''پنجاب گورنر مسلمان''

انگریز گورنر فرانسس موڈی کی جگہ مسلمان گورنر مقرر کیا گیا ہے۔ مرکز میں وزیر مواصلات سردار عبدالرب نشتر سرحد والے گورنر تجویز ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے، بڑی مدت کے بعد آج مسلمان اعلیٰ افسر پنجاب مقرر ہوا ہے، ۲، اگست ۴۹ء کو چارج لیں گے ان شاء اللہ۔ نیز سرحد کا گورنر مسلمان کرنل خورشید صاحب مقرر ہوئے ہیں، یہ انگریز گورنر مسٹر ڈانڈاس کی جگہ آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عمل علی الشریعۃ کی توفیق نصیب فرمائے تاکہ عدل وانصاف قائم ہیں۔

## ۲۶ جولائی ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۹، رمضان ۱۳۶۸ھ

ہوالناصر۔ زمینداری جاگیرداری کے خاتمہ کے آثار پائے جاتے ہیں۔ ہندصوبہ یوپی اسمبلی میں خاتمے کا بل پیش ہو چکا ہے۔ پاکستان کے اخبارات میں اس نوع کے مباحث بڑے زوروں پر ہیں۔ ہر ایک سسٹم کے ختم کردینے کا حامی نظر آتا ہے الا ماشاء اللہ۔ (صوبہ) بہار میں اس کا خاتمہ ہو چکا ہے، مشرقی بنگال میں بھی مطالبہ یہی ہو رہا ہے کہ اور مشرقی پنجاب میں بھی یہی وبا جاری ہے۔

## ۲۸ جولائی ۱۹۴۹ء بمطابق یکم، شوال ۱۳۶۸ھ

عید کا چاند تیس کا دیکھا گیا ہے۔ مجمع عید میں مختصر تقریر کی گئی۔ کچھ سیاسی حالات پر بھی تبصرہ ہوا، اور تنظیم اہل سنۃ کی تشریح وغیرہ بھی کی گئی ہے۔ بعدازاں جامعہ کے لیے چندہ کی اپیل ہوئی اس میں قریباً پونے تین سو (۲۷۰ روپے) جمع ہوئے۔ سایہ کا انتظام ناکافی تھا۔

## ۲۹ جولائی ۱۹۴۹ء بمطابق ۲، شوال ۱۳۶۸ھ

کل سے بخار آرہا ہے، مولانا ضیائی صاحب بغرضِ ملاقات تشریف لائے تاہنوز قرض معہود بحال ہے۔
(وصول شدہ)

## ۳۰ جولائی ۱۹۴۹ء بمطابق ۳، شوال ۱۳۶۸ھ

### نصاب تعلیم

اشاعۃ العلوم لائل پور کے انتظام کے تحت مدارس عربیہ کا ایک اجلاس ۸، ۱۹ر ذی قعدہ ۶۸ء کو تجویز ہوا ہے،
اس میں:

۱۔ تنظیم دارس عربیہ
۲۔ نصاب تعلیم
۳۔ نوع وکیف تدریس
۴۔ وغیرہ پر بحث ہوگئی۔
مہتمم کاکاخیل صاحب

## ۳۱ جولائی ۱۹۴۹ء بمطابق ۴، شوال ۱۳۶۸ھ

کل دوصد روپیہ ودیگر نقدی بموقع عید الفطر تقسیم کردہ شدہ۔ بحکم مہتمم صاحب

## ۱۲، اگست ئی ۱۹۴۹ء بمطابق ۶، شوال ۱۳۶۸ھ

### "المطر کثیر"

بارشیں اسمال جاری ہیں۔

## ۳، اگست ۱۹۴۹ء بمطابق ۷، شوال ۱۳۶۸ھ

### "المطر کثیر"

۱۔ دار الاقامۃ کے چند قواعد
۲۔ دار الاقامۃ کے طلبہ کو چند آداب وتہذیب کی تلقین

ان ہر دو عنوانات کے مضمون بہت ضروری، ''معارف'' نمبر ۴ جلد ۶۴ میں ''اسلامی نظامِ تعلیم'' کے عنوان سے درج ہے۔ از مولوی ریاست علی ندوی۔

## ۶، اگست ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۰، شوال ۱۳۶۸ھ

## الارتحال

ملک صاحب وصوفی صاحب باوطان خویش ارادہ سفر کردہ اند، ہفتہ عشر تعطیل خواہند کرد، صوفی غلام رسول صاحب عشرہ روپیہ امانۃً بحوالہ ناچیز کردہ۔ (امانت مذکور ادا کردہ شدہ ۲۵-۱۰-۶۸ھ)

## ۱۳، اگست ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۷، شوال ۱۳۶۸ھ

اعانت توجہ برائے مدارس عربیہ حکومت کو کرائی گئی، ایک مضمون اس عنوان پر لکھا گیا ہے۔ تنظیم اہل سنۃ لاہور، شمس الاسلام بھیرہ کو دیا گیا ہے۔

## ۱۴، اگست ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۸، شوال ۱۳۶۸ھ

## یوم آزادی

جامعہ آباد میں آج یوم منایا گیا۔ پروگرام گھوڑ دوڑ، سائیکل دوڑ، تقاریر مسجد خورد میں، جس میں سایۂ ناکافی تھا، کبڈی (بھی ہوئی) اعلان تمام علاقہ میں کیا گیا تھا، اچھا خاصا ہجوم ہوا، اجلاس ۱۰ بجے سے پہلے تمام ہونا چاہیے تھا۔ لیکن ساڑھے بارہ بجے تقریر ختم ہوئی، بڑی سخت دھوپ اور گرمی میں واپس آنا پڑا۔ دو چیزوں کا التزام ضروری معلوم ہوا، ایک وسیع سایہ، دوسرا، ۱۰ بجے اختتام چاہیے۔

## ۱۵، اگست ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۹، شوال ۱۳۶۸ھ

## ''افتتاح تعلیم تدریس''

بڑی شدید تاخیر کے بعد آج سبق شروع کیے گئے ہیں۔ پُرانے طلبہ کے نہ آنے کی وجہ سے، اور جدید دو، چار ہی پہنچے ہیں، یہ سب تاخیر ہوتی رہی ہے۔ محمد شفیق والی جماعت نے تو اب تک مدرسہ کی راہ نہیں دیکھی، گھروں میں آرام فرما ہیں، علم کے لیے روز بروز شوقِ ترقی زوروں پر ہے۔ اوقات عزیز کا احساس بڑھتا جا رہا ہے۔

## ۱۶،اگست ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۰،شوال ۱۳۶۸ھ

## ''اسباق مشروعہ''

۱۔جلالین...... برخوردار ظہور احمد وغیرہم

۲۔نفحۃ العرب......صوفی اسحاق، اللہ دتہ صاحب

۳۔دروس الادب......مراتب علی سید وغیرھم

۴۔ترمذی......شاہ محمد، مولوی احمد بخش

(بہت بعد میں شروع ہوئی)

## ۱۷،اگست ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۱،شوال ۱۳۶۸ھ

منجانب لائل پور (اشاعت العلوم) اجلاس متعلقہ مدارس عربیہ ۸، ۹، ۱۰ ذی قعدہ کو ہو رہا ہے۔اہل جامعہ کو دعوتِ اجلاس آچکی ہے۔ایجنڈا شائع ہو چکا ہے۔

## ۱۹،اگست ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۳،شوال ۱۳۶۸ھ

ان تاریخوں میں گورنر غربی پنجاب نشتر صاحب لائل پور، چنیوٹ، سرگودھا وغیرہ مقامات میں دورہ کیا، جامعہ کی طرف سے بھی دعوت کی صدا گوش گزار کی گئی۔

## ۲۱،اگست ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۵،شوال ۱۳۶۸ھ

۱۔مولوی محمد خان صاحب بمع اہل وعیال اور مفتی اعجاز ولی صاحب تشریف لائے۔

۲۔طلبہ پورے پورے تا حال نہیں وارد ہوئے۔محمد احسن بھی نہیں پہنچا۔

## ۲۳،اگست ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۷،شوال ۱۳۶۸ھ

ایام الزکام

## ۲۴، اگست ۱۹۴۹ء بمطابق ۸، شوال ۱۳۶۸ھ

### ایام الزکام

صوفی حامد علی واتباعھم تشریف لائے، محمد شفیق، شاہ محمد بھی انہی دنوں پہنچے۔ مولوی فاضل کا سوال درپیش ہے۔

## ۲۵، اگست ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۹، شوال ۱۳۶۸ھ

### ایام الزکام

مولوی فاضل کی تیاری کے لیے جامعہ میں اجراء کیا گیا ہے، اللہ اعلم یہ امر درس حدیث پر کیسے اثر انداز ہوگا۔ شاہ محمد، صوفی حامد علی، شائقین مولوی فاضل فی الحال شریک درس ہیں۔

## ۲۶، اگست ۱۹۴۹ء بمطابق یکم، ذی قعدہ ۱۳۶۸ھ

(من الزکام بعض الافاقة)

''وزیراعظم کا اعلان''

لاہور میں ۲۵، اگست کو وزیراعظم مسٹر لیاقت علی خان صاحب نے ایک عظیم الشان مجمع کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ پاکستان میں شریعت کے خلاف کوئی قانون نافذ نہیں کیا جائے گا۔ اسلام کا نظام معاش دنیا کا بہترین نظامِ معاش ہے، ہم وہی اقتصادی و معاشی نظام چاہتے ہیں جو آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے چلایا گیا تھا۔ پاکستان تمام دنیا کو اسلام کی روشنی دے گا۔ (از بصیرت لاہور جلد ۲ شمارہ نمبر ۴۳، ۲ ستمبر ۱۹۴۹ء)

## ۲۸، اگست ۱۹۴۹ء بمطابق ۳، ذی قعدہ ۱۳۶۸ھ

یوم الاجلاس المخصوص تنظیم اہل سنۃ جھنگ

ضلع کی سنی کانفرنس ۱۸۔۱۹۔ اکتوبر ۱۴۔۱۵ ذوالحجہ ۶۸ھ کو تجویز ہوئی ہے۔ عبداللہ شاہ صاحب قریشی شور کوٹ اور میاں نور محمد صاحب بھی شریک اجلاس ہوئے۔

## ۲۹، اگست ۱۹۴۹ء بمطابق ۴، ذی قعدہ ۱۳۶۸ھ

جلالین ذاتی الطاف حسین جہلمی اور ہدایہ اولین کے نسخے شاہ محمد کے پاس عاریۃً دیئے گئے۔ بیضاوی ذاتی درسی محمد شفیق لے گئے ہیں۔

## ۳۰، اگست ۱۹۴۹ء بمطابق ۵، ذی قعدہ ۱۳۶۸ھ

دیوان حافظ مترجم غلام عباس قریشی نے عاریۃً لی، نیز مثنوی کی دو جلدیں بھی!

## یکم، ستمبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۷، ذی قعدہ ۱۳۶۸ھ

ا۔ ''محمد مختار صدیقی عرب'' کی آمد ہوئی۔ رمضان گزشتہ سے لے کر آج تک یہ بزرگ پانچویں بار تشریف لائے ہیں۔ ہر ایک (مرتبہ) مائۃ او خمسین سے کم مطالبہ نہیں کیا۔ یہ صاحب یک خواب متعلق حضرت میاں صاحب لے کر آئے ہیں، باعتبار صداقت کیا کہا جائے؟ اللہ تعالیٰ اعلم

۲۔ کھدر کی جدید قمیص عطا ہوا ہے، اور جدید جوتا شوال سے پہنا ہوا ہے۔

## ۲، ستمبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۸، ذی قعدہ ۱۳۶۸ھ

آج شام (جمعہ) کو روانہ ہو کر رات میاں احمد یار نمبردار کی عیادت کے لیے چنیوٹ پہنچنا ہوا۔ مولانا میر زاہد صاحب پشاوری، مردانی کے ہاں شب باشی کی۔

## ۳، ستمبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۹، ذی قعدہ ۱۳۶۸ھ

صبح سویرے مولانا سے چائے پی کر لائل پور روانہ ہوا، ایم بی سکول لائل پور میں قیام علماء تھا، اجلاس کی کارروائی شروع ہونے والی تھی، مولانا خیر محمد صاحب خیر المدارس والے تشریف لائے ہوئے تھے۔ اجلاس شروع ہو کر ۲ ربجے جا کر ختم ہوا، شریک اجلاس ہونے والے علماء مولانا خیر محمد صاحب، مولانا محمد چراغ صاحب اور مولانا محمد نعیم لدھیانوی وغیرہم (سمیت) قریباً ۲۴ تھے۔ ہفتہ، اتوار کو اجلاس جاری رہا۔

## ۴، ستمبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۰، ذی قعدہ ۱۳۶۸ھ

### ''مجوزہ امور''

ا۔ ایک نصاب جدید تجویز کیا گیا جو بطور تجربہ و آزمائش مدارس میں جاری کیا جائے۔ اس میں غیر ضروری کتب کم کر کے ضروریاتِ جدیدہ کی کتابیں داخل کی گئیں۔

۲۔ مستند علماء کی ایک کمیٹی تجویز کی جائے جو مدارس کے آخری سالانہ امتحان لینے اور سند فراغت عطا کرنے

کی مجاز ہو۔ اس کے ساتھ جو مدارس اتفاق کریں، ان کا وفاق یا بلاک قائم کیا جائے تا کہ یہ تحریک اتحاد و ترقی حکومت سے امداد اور سندِ فراغ کا اعتبار بحیثیت جماعتی تسلیم کرا سکے۔

## ۵، ستمبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۱، ذی قعدہ ۱۳۶۸ھ

مولانا میر زاہد کے پاس رات گزار کر صبح کتابیں شرح عقائد اور رسالہ خطبہ لے کر واپس ہوا۔

## ۶، ستمبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۲، ذی قعدہ ۱۳۶۸ھ

مجلس عاملہ مسلم لیگ آل پاکستان کے اجلاس منعقدہ ۲۹، اگست ۴۹ء نے ایک قرارداد کے ذریعہ مطالبہ کیا ہے کہ طول وعرض میں جلد از جلد جاگیرداری کو ختم کر دیا جائے۔ اور موروثی جائدادوں کا کوئی معاوضہ نہ دیا جائے۔ مجلس نے بڑی بڑی زمینداریوں کو ختم کرنے کا اصول بھی تسلیم کر لیا ہے۔ (غازی، لاہور ۶/ذوالقعدہ ۶۸ھ، ۱۳، اگست ۴۹ء)

## ۷، ستمبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۳، ذی قعدہ ۱۳۶۸ھ

### دورۂ حدیث

آج لطف الٰہی، مولوی احمد بخش، مہر محمد افضل بھروانہ نے دورۂ حدیث شروع کیا ہے۔ ان کے ماسوا دوسرے سب بزرگ حافظ شفیق وغیرہ مولوی فاضل اس میں شریک ہوئے۔

## ۸، ستمبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۴، ذی قعدہ ۱۳۶۸ھ

۴ ستمبر (عشرۂ اولیٰ) کو مولانا محمد دین صاحب لاہور کی اپیل مسلمانوں کے نام شائع ہوئی ہے کہ قربانی صرف حاجیوں کے لیے ضروری ہے۔ باقی لوگوں کو یہ (قربانی) والا روپیہ تعمیر ملت پاکستان کے لیے حکومت کو دے دینا چاہیے۔ یہاں قربانی نہیں ہوئی۔

## ۹، ستمبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۵، ذی قعدہ ۱۳۶۸ھ

فہرستیں۔ آئندہ اجلاس الیکشن کے لیے ووٹروں کی فہرستیں تیار کی جا رہی ہیں اس کے متعلق جمعہ کے بعد اعلان عام کیا گیا کہ ۲۱ سال سے لے کر تمام مرد وعورت بلا ذات پات کے ووٹ درج کرایا جائے۔ یہ ایک قومی وسیاسی حق ہے، اس کو ہرگز ضائع نہ کیا جائے۔ اور نمائندہ بھی صحیح، ہم خیال، خیر خواہِ قوم ہی منتخب کیا جانا چاہیے۔

## ۱۰، ستمبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۶، ذی قعدہ ۱۳۶۸ھ

آج (قصبہ) محمدی کے لیے پٹواری شیر محمد صاحب فہرستیں تیار کرنیوالے ہیں اللہ تعالیٰ مقصد میں برکت دے۔

لائل پور شہر کی ۲ لاکھ آبادی ہے اس میں مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ تین نشستیں شہر کو ملنی چاہئیں۔ ایسے کل ضلع لائل پور کی ۲۸ لاکھ آبادی ہے اس میں کل ۱۹ نشستیں ضلع کو مل سکتی ہیں، مزید مطالبہ ہو رہا ہے۔ ہمارے ضلع کا اللہ حافظ ہے۔

## ۱۱، ستمبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۷، ذی قعدہ ۱۳۶۸ھ

صدر صاحب از ہرتی نے شامی جلد اول و ثالث اور کبیری عاریۃً بدست محمد بخش منگوائی ہیں۔

## ۱۶، ستمبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۲، ذی قعدہ ۱۳۶۸ھ

## ''امتناعِ شراب''

سرکاری اعلان ہوا ہے کہ اس صوبہ میں مسلمانوں کے لیے شراب بالکل بند کر دیا گیا ہے۔ غیر مسلموں کے لیے پرمٹ مل سکے گا۔ (''زمیندار'' ۱۶رستمبر ۴۹ء لاہور)

## ۱۷، ستمبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۳، ذی قعدہ ۱۳۶۸ھ

واضح تر ہے کہ پہلی ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء تک والی جنگ عظیم کا محرک اول قیصر ولیم تاجدار جرمنی تھا۔

## ۱۸، ستمبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۴، ذی قعدہ ۱۳۶۸ھ

۱۸ ستمبر ۱۹۴۹ء کو صوبہ لیگ کونسل لاہور کا اجلاس ہوا ہے۔ شہروں کے مسئلہ پر اختلاف ہوا، ہمارے ضلع لیگ والوں نے شہروں کی حمایت میں ووٹ دیا ہے، ہمارے ناظم صاحب نے اس کے خلاف (نہ ہونے چاہیے) پر ووٹ دیا۔ آخرکار ۲۶۰ قریباً حمایت والوں کی کثرت سے پاس ہو گیا کہ شہر ہونے چاہئیں۔

## ۱۹، ستمبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۵، ذی قعدہ ۱۳۶۸ھ

## ''مروجہ سکہ کی قیمت''

حکومت پاکستان نے اپنے سکہ روپیہ کی قیمت بدستورِ سابق قائم رکھی ہے اور ہند نے قریباً ایک ثلث روپیہ کی قیمت کم کردی ہے، اس حساب سے یک صد پاکستانی روپیہ ۱۴۴ روپے ہندی کے برابر ہوگا۔ اور ایک صد ہندوستانی روپیہ ۶۹ روپیہ پاکستانی روپیہ کے برابر ہوگا۔ ہند نے یہ سب کچھ انگلستان کی تقلید میں کیا ہے۔ برطانیہ نے اپنے زرقانونی پونڈ کی قیمت میں فیصدی کمی کا اعلان کردیا ہے۔ ہند کا روپیہ؟ قریباً تصور کیا جائے۔ (بصیرت ۲۱ ستمبر ۱۹۴۹ء لاہور)

## ۲۵، ستمبر ۱۹۴۹ء بمطابق یکم، ذوالحج ۱۳۶۸ھ

## ''فرانس میں مسلمان''

تخمینہ یہ ہے کہ فرانس میں مسلمانوں کی مجموعی تعداد چالیس لاکھ تک پہنچتی ہے۔ ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان پیرس اور اس کے گردونواح میں آباد ہیں۔ (''مدینہ'' بجنور ۲۵ ستمبر ۴۹ء)

## ۲۶، ستمبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۲، ذوالحجہ ۱۳۶۸ھ

## تحفظ حقوق شیعہ

پاک پنجاب اسمبلی کی پہلی وزارت میں شیخ کرامت علی وزیر تعلیم اور بعد میں میجر مبارک علی شاہ شیعہ تھے۔

بیرونی ممالک میں متعین شیعہ پاکستانی سفیروں میں سے

راجہ غضنفر علی ............ عراق وایران

مسٹر اصفہان ............ امریکہ

مسٹر چندریگر اسمٰعیل ............ افغانستان

ابراہیم رحمت اللہ ............ انگلستان

سیٹھ اسحاق ............ مصر وحجاز

(یہ سب) شیعہ حضرات ہیں، کیا اب بھی ادارہ تحفظ حقوق شیعہ لاہور کی ضرورت ہے؟؟ (تنظیم ص ۵، ۲۶ ذوالعقدہ ۶۸ھ)

## ۲۷،ستمبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۳، ذوالحجہ ۱۳۶۸ھ

اس ماہ کی فضیلت اور اس کے اسلامی رسومات حج و قربانی کے فوائد و اسرار پر ایک مضمون ۱۴ صفحات کا لکھا گیا ہے۔ تنظیم، شمس الاسلام، الجامعہ، کو اشاعت کیلئے دینے کا ارادہ ہے۔

## ۲۸،ستمبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۴، ذوالحجہ ۱۳۶۸ھ

### المطر ۔ المطر ۔ المطر

حافظ مولوی گل محمد صاحب تشریف لائے، تنظیم اہل سنۃ کے متعلق بات ہوئی۔ حتی المقدور کوشش جاری رکھیں گے۔ اجراء اخبار کی تاکید کی گئی ہے۔

### جرمنی کا نیا تحرک

اس عالمگیر جنگ کے بعد جرمنی کو چار منطقوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا، ان پر برطانیہ، امریکہ، فرانس اور روس نے قبضہ جمایا۔ بعد میں اتحادیوں نے (امریکہ، برطانیہ، فرانس) اپنے منطقوں کو ملا دیا۔ دوسرے لفظوں میں جرمنی اب دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک حصہ اتحادیوں کے پاس ہے، دوسرا سویٹ یونین اور اس کے اثر۔ یاد رہے کہ مغربی جرمنی اتحادیوں کا ہے اور مشرقی جرمنی روس کا ہے۔

## ۲۹،ستمبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۵، ذوالحجہ ۱۳۶۸ھ

### ''شوقِ علم کی قلت''

عیدالاضحیٰ کی رخصتوں کو آج سے شروع سمجھئے، نویں (عرفہ) تک صبر کرنا دشوار ہو گیا ہے۔ اسکول والوں کے رشک میں ہمارے طلبہ بھی بیچارے بے چین نظر آتے ہیں۔ چونکہ ۱۴، ذوالحجہ کو ضلع سنی کانفرنس ہو رہی ہے۔ لہٰذا پورے دس دن چھٹی ہوگی۔ اس پر طلبہ بڑے مسرور ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علم کا شغل مقصد ہی نہیں رہا۔

## ۳۰،ستمبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۶، ذوالحجہ ۱۳۶۸ھ

مولوی اللہ دتہ کا کارڈ آیا ہوا ہے۔ جواب دینا مناسب ہے، جھاوریاں، ضلع سرگودھا، مولوی دین محمد صاحب حکیم کی معرفت بہتر ہوگا۔

## ۴، اکتوبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۰، ذوالحجہ ۱۳۶۸ھ

عیدالاضحیٰ ۔ بقرعید

صدر صاحب ازہری نے عید پڑھائی ۔ قربانی امسال لوگ کم کر رہے ہیں، مہنگائی بہت ہے ۔ ۵۵ روپے سے لے کر ۱۴۰ تک گائے لوگوں نے خرید کر قربانی کی ہے بھیڑ، بکری ۲۵، تیس، چالیس تک ملتے ہیں ۔ ہم لوگوں نے گائے مشترک ۱۱۵ کی لے کر قربانی کی ہے ۔ کشمیر فنڈ کے لیے حکومت نیز لوگوں سے مطالبہ کر رہی ہے کہ کھالیں تھانوں میں پہنچائیں ۔ آگے کچھ غبن خورد برد ہوگا، کچھ بچا کھچا آگے روانہ کر دیں گے ۔

## ۵، اکتوبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۱، ذوالحجہ ۱۳۶۸ھ

۲۶ ستمبر (سی پی) لیجسلیٹو (Legislative) اسمبلی کا اجلاس ۵/اکتوبر ۴۹ء کو شروع ہوگا، اس میں قراردادیں جو پیش ہونگی، ان میں سے ایک یہ ہے کہ ”صوبائی حکومت کے دفتروں میں یورپین ٹوپی کا استعمال ممنوع قرار دیا جائے اور تمام افسروں اور اہلکاروں کیلئے کوئی ہندوستانی ٹوپی یا پگڑی مقرر کر دی جائے ۔ (زمیندار لاہور ۲۸/ستمبر ۱۹۴۹ء بحوالہ ٹائمز آف انڈیا)

## ۷، اکتوبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۴، ذوالحجہ ۱۳۶۸ھ

### پہلا دن

اجلاس بعد الظہر شروع ہوا، صدر صاحب نے افتتاحی تقریر کی، جناب حضرت قبلہ سیالوی صاحب نے اس کے بعد پُرمغز تقریر کی ۔ پھر رات آٹھ بجے کے اجلاس میں احمد خان صاحب سردار پتافی، نے خطبۂ صدارت پڑھا، اس کے بعد مسلم صاحب لاہوری نے پُرجوش تقریر کی ۔ مدعوین حضرات جو کانفرنس میں تشریف لائے ۔

۱۔ علامہ ابوالحسنات صاحب، وزیر خان مسجد لاہور

۲۔ مولانا محمد بخش مسلم ۔ لاہور

۳۔ سردار احمد خان صاحب پتافی ۔ جام پور

۴۔ مولانا سید نورالحسن شاہ صاحب ۔ بخاری، مہتمم مرکز

۵۔ مولانا لعل حسین صاحب اختر مبلغ اعظم

۶۔مولانا سید مبارک شاہ صاحب بغدادی

۷۔مولانا غلام غوث ہزاروی

## ۹،اکتوبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۵،ذوالحجہ ۱۳۶۸ھ

## دوسرا دن

۹ بجے مولانا ابوالحسنات نے خطبہ صدارت پڑھا، اس کے بعد نعتیں ہوتی رہیں۔آخری تقریر مولانا غلام غوث ہزاروی نے کی، اجلاس ختم ہوا۔یاد رہے کہ جناب حضرۃ پیر صاحب قبلہ صبح سویرے خاص کام کی وجہ سے جلدی واپس چلے گئے۔بعد الظہر پھر اجلاس ہوا۔صدارت بغدادی صاحب کی تھی اور تقریر ایک صاحب مبلغ نے کی۔پھر عشاء کے وقت ۹ بجے سے اجلاس شروع ہوا۔صدارت بخاری صاحب مہتمم کی تھی۔انہوں نے اپنا خطبہ صدارت مطبوعہ طویل اور تاریخی پڑھا۔بڑا اثر انداز ہوا۔الحمد للہ کہ تمام پانچوں اجلاس بڑے کامیاب رہے۔ضلع میں بفضل خدا بیداری کی لہر دوڑ گئی ہے، عوام مقصدِ تنظیم سے روشناس ہو رہے ہیں، یہ فضلِ ایزدی ہے۔کل سوموار کو واپسی ہوگی۔

## ۱۰،اکتوبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۶،ذوالحجہ ۱۳۶۸ھ

## ’’ڈی سی کی تبدیلی‘‘

سید سرفراز حسین صاحب ڈی سی جھنگ ہفتہ عشرہ سے تبدیل ہو چکے ہیں۔مسٹر ایچ بٹلر (انگریز) ڈی سی کے عہدہ پر آچکے ہیں۔مسلم لیگ کی طرف سے مذکورہ سید صاحب پر یونٹ نوازی اور مسلم لیگ کی مخالفت وغیرہ کے الزامات ہیں، اسی بناء پر مسلم لیگ کی طرف سے؟ کو واپسی یا تبدیلی کا مطالبہ کیا گیا تھا، وہ اب پورا ہوا۔

## ۱۲،اکتوبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۸،ذوالحجہ ۱۳۶۸ھ

## مقویٔ دماغ

مغز بادام۔شہد خالص، مسکہ مکھن، آمیختہ نجواند علی الریق۔از جناب مولوی قطب الدین صاحب جوتوی
(موسم سرما کے موافق ہے)

## ۱۴، اکتوبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۰، ذوالحجہ ۱۳۶۸ھ

## سفر ڈھلی مینگنی

حسب تجویز شعبہ آج مینگنی جمعہ کو مولانا احمد بخش صاحب اور بندہ پہنچے۔ فضائل صحابہؓ پر تقریر تھی۔ محمد خان چوہدری نے واویلا بے جا کر کے اور الزام دے کر کہا کہ تم لوگ ہماری زمینداریاں اور سرداریاں ختم کرنا چاہتے ہو، ہم رجوعہ سے منہ نہیں موڑ سکتے وغیرہ وغیرہ۔ تقریر خراب کی، اور رات کو جلسہ نہ ہونے دیا۔ ہم لوگ وقتی مصلحت کے مطابق زیادہ زور نہ دے سکے اور ڈیلی رات کو پہنچے۔ رات کے جلسہ کے بعد صبح واپسی ہوئی، ہفتہ کے اسباق کو پہنچنا ہوسکا۔

## ۱۵، اکتوبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۱، ذوالحجہ ۱۳۶۸ھ

کل جمعہ کو پیر قطبی شاہ صاحب سے ملتانی تشریف لائے، خاص خاص مشورے ہو رہے ہیں، تبلیغی پروگرام بعد از عاشورا شروع ہوگا۔ قرب وجوار ربوہ کی مخصوص تجویز کی ایک خاص مفید صورت حل ہو رہی ہے۔ اللہ معین خواجہ نظام صاحب کو دعوت دینا مناسب ہے۔

## ۱۷، اکتوبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۳، ذوالحجہ ۱۳۶۸ھ

جدید سبق، ہدایہ اخیرین دو سیالکوٹی طلبہ نے شروع کیا ہے۔

## ۲۱، اکتوبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۷، ذوالحجہ ۱۳۶۸ھ

## شیعہ دار العلوم (سرگودھا)

۲۴، ۲۵ ستمبر ۴۹ء کو سرگودھا شیعہ حضرات کا شاندار اجلاس بہ نگرانی حافظ کفایت حسین صاحب، سید اظہر حسن زیدی صاحب منعقد ہوا، ضلع بھر کے روساء و معززین وعوام نے پورے شوق سے حصہ لیا۔ مدرسہ محمدیہ کی توسیع وترقی کا پروگرام مرتب ہوا، حسب ذیل اعانت ہوئی۔

۱۔ نواز علی شاہ، رئیس جہانیاں شاہ۔ ایک مربع زمین

۲۔ سردار عبدالرحمن خان، رئیس ساہی وال۔ ایک مربع زمین وقف

۳۔ میاں سلطان علی ننگیانہ۔ ایک مربع وقف، تین ہزار سالانہ مستقلاً

۴۔ دو مربع مختلف حضرات نے وقف کیے۔ کل ۵ مربع

۵۔ بہت سے حضرات نے ماہوار و سالانہ چندہ دینے کا وعدہ کیا۔

۶۔ دو ہزار چھ سو روپیہ کی سٹیج پر وصولی ہوئی۔ فافہم

## ۲۲، اکتوبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۸، ذوالحجہ ۱۳۶۸ھ

مصروفیت بوجہ موجودہ اسباق

۱۔ جلالین ۲۔ مشکوۃ شریف ۳۔ ہدایہ اخیرین

۴۔ ترمذی شریف ۵۔ دروس الادب ۶۔ نصحۃ العرب

## ۲۳، اکتوبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۹، ذوالحجہ ۱۳۶۸ھ

### شوریٰ جامعہ

حاجی محمد علی شاہ صاحب، میاں حسام الدین صاحب و دیگر اراکین جامعہ کی موجودگی میں آج مشورہ ہو رہا ہے۔

## ۲۴، اکتوبر ۱۹۴۹ء بمطابق یکم، محرم ۱۳۶۹ھ

### سکھ اسٹیٹ

ماسٹر تارا سنگھ نے ۲۳/ اکتوبر کو امرتسر میں اعلان کیا ہے کہ سکھ، ہندوؤں کی غلامی میں نہیں رہ سکتے۔ وہ ہندوستان کے مشترکہ دفاع رکھتے ہوئے ایک الگ سکھ اسٹیٹ کا مطالبہ کرتے ہیں۔ (اخبار "مدینہ" ۲۸/ اکتوبر ۴۹ء)

## ۲۹، اکتوبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۶، محرم ۱۳۶۹ھ

### آہ! پیر کوٹی مرحوم

(آج) ۲۹/ اکتوبر صبح کو بمقام کراچی جناب پیر سید افضل شاہ صاحب پیر کوٹ سدھانہ والے چند دن گردوں کے درد میں مبتلا رہ کر رحلت فرما گئے۔ ترجیح حروں کے تصفیہ وغیرہ کے سلسلہ میں کراچی گئے تھے۔

## ۳۱، اکتوبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۸، محرم ۱۳۶۹ھ

### تعطیلات

امسال ۸ رمحرم سے ۱۲ تک تعطیل جامعہ، حصہ عربیہ ہو چکی ہیں، تعلیم و تعلم ہر دو جانب کا قصور ہے۔

## یکم، نومبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۹، محرم ۱۳۶۹ھ

پھر زکام کی صعوبت

## ۲، نومبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۰، محرم ۱۳۶۹ھ

### مسجد جامعہ میں مختصر اجلاس

۱۔ قلعہ کنگراں میں (دسویں) کے تابوت میں، حاضری زیادہ ہوگی اور سنیوں کے دم قدم سے۔ پرائی دوکان چمکانے والے سنی ہی تو ہیں۔

۲۔ چھوٹا سا اجلاس ہوا، بندہ نے اور صدر صاحب نے تقریریں کیں، ظہر کو فراغت ہوئی۔ رات کو کی ہوئی۔ حسب معمول سابق۔

۳۔ اہل خانہ کے لیے پارچات کی خرید

## ۹، نومبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۷، محرم ۱۳۶۹ھ

### جدید سبق

دیوانِ متنبی سیالکوٹی صاحبان نے شروع کی۔

## ۱۰، نومبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۸، محرم ۱۳۶۹ھ

جناب صاحبزادہ عبداللہ صاحب سلمہ اللہ اپنی گھوڑی کے سرقہ والے سلسلہ میں تشریف لائے۔ کل جمعہ کو روانہ ہوں گے۔

## ۱۴، نومبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۲، محرم ۱۳۶۹ھ

### امانت

پانچ روپیہ آٹھ آنہ علم الدین صاحب متعلم نے برائے حافظ شیر دیئے ہیں۔ تاکہ ادا کیے جائیں۔
(ادا کردہ شد)

## ۱۸، نومبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۶، محرم ۱۳۶۹ھ

بعد از جمعہ جناب مولانا نذر محمد صاحب خطیب مسجد لالیاں
پیرکوٹ کی واپسی پر تشریف لائے، تبلیغی مساعی کا پورا تذکرہ ہوا۔ فی الحال ایک مختصر دورہ اختر صاحب کی معیت میں کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد کوئی خاص صورت متعین ہوگی۔ ان اللہ معنا

## ۱۹، نومبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۸، محرم ۱۳۶۹ھ

### دورۂ تنظیم اہل سنت

آج اتوار شام تنظیمی حضرات چوہدری ولی محمد، نوابزادہ منصور احمد، جناب غلام محمد نگین، مفتی عبدالرحیم صاحب پانی پتی اور بنگالی صاحب مہاجر الی العرب وغیرہم کار پر تشریف لائے۔ رات گزار کر صبح (سوموار) مختصر سا جلسہ ہوا، اس کے بعد واپس سمندر کو تشریف لے گئے۔

## ۲۱، نومبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۹، محرم ۱۳۶۹ھ

### الٰہی خیر

۴ بجے تقریباً نگین صاحب نے پیغام بمع سواری روانہ کیا کہ آج سمندر میں مرزائی مولوی صاحبان، جلال الدین شمس اور عبدالحمید آصف تبلیغ کے سلسلہ میں پہنچے ہیں۔ لہٰذا جامعہ کے صدر جناب ازہری صاحب اور دیگر صاحبان تشریف لاویں، اسی وقت ہم لوگ ضروری کتب لے کر برخوردار سے ہوتے ہوئے سمندر شام کے وقت پہنچے۔ رات کو ضیائی صاحب بھی آگئے۔ غور وخوض اور تیاری وغیرہ ہوتی رہی، محمد شفیق اور ظہور احمد وغیرہ طالب علم ہمراہ تھے۔

## ۲۲،نومبر ۱۹۴۹ء بمطابق یکم صفر ۱۳۶۹ھ

## مناظرہ کی تشکیل

صبح اگلے پہر ڈیڑھ پر اجتماع ہوا، فریقِ ثانی آمقابل میں جمع ہوئے۔ شرائط مناظرہ (مدعی ہر سہ مسائل نمبر ا اجراء نبوت نمبر ۲ وفات مسیح نمبر ۳ کذب مرزا) میں ہوں گے۔ اولاً اجراء نبوت پر کلام ہوگا، بعدہ علی الترتیب کلام کریں گے۔ اوقات میں سے مدعی کو آخری وقت خاص نہیں ملے گا۔ بلکہ مجیب ہی کو ملے گا۔ اور صدر کوئی ایسا معتبر بندہ مقرر ہو جو خارج از بحث جانے والے کو روک سکے۔ ان چیزوں پر بڑی بحث وتکرار ہوتی رہی۔ آخر کار صدر منتخب نہ ہوسکا۔ باقی امور منوا لیے گئے۔ ۲ ربجے سے لے کر مغرب تک ختم نبوت پر بحث ہوئی، صدر صاحب (ازہری) نے مناظرہ کیا اور بہت خوب رہا، اچھا رہا۔ راتوں رات عبدالرحمن اور ظہور احمد ۱۲، رات چنیوٹ پہنچے۔ اور مولوی عبداللہ صاحب معمار کو صبح پہلی لاری سے لے آئے۔ معمار صاحب کے آنے پر مرزائی کو موت آگئی۔ بہانہ کیا کہ یہ (معمار) صاحب گالیاں دیتے ہیں لہٰذا ہم ان سے مناظرہ ومباحثہ نہیں کریں گے۔ بڑے اصرار کے بعد معمار صاحب صرف اپنی تقریر کر کے اسی دن واپس ہوگئے۔ مرزائی بھی تقریر کر کے واپس ہوئے غلام نبی اور میاں محمد بخش کے لڑکے مذبذب نظر آتے ہیں اللہ تعالیٰ (علاقہ) سمندر کو محفوظ رکھے، اس کا ایمان غرق نہ ہو۔ میاں حسام الدین صاحب میاں سلطان احمد، فضل احمد وشیخ احمد ودیگر صاحبان نے بڑا خیر مقدم کیا۔ بدھ کی شام واپسی ہوئی۔

## ۲۶،نومبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۵، صفر ۱۳۶۹ھ

## امتحان ششماہی

بدھ ۹ رصفر ۶۹ ھ سے حصہ عربیہ کا تحریری وتقریری امتحان ہوگا۔ ہم نے مندرجہ ذیل اسباق کی فہرست دی گئی۔

۱۔جلالین ۲۔مشکوٰۃ ۳۔ہدایہ اخیرین ۴۔ترمذی

۵۔متنبی ۶۔نفحۃ العرب ۷۔روضۃ الادب

## ۲۷،نومبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۶، صفر ۱۳۶۹ھ

آج مولانا ضیائی صاحب برخورداری (سے) تشریف لائے۔ شرح مثنوی دفتر دوم، خازن اول جلد، تحفہ اثنا

عشریہ (ذاتی) قرۃ العینین (شاہ ولی اللہ) ہر چہار کتب لے گئے۔ منگوآنہ لے جانا چاہتے ہیں۔ جامعہ میں فی الحال کام کرنا ملتوی کر دیا ہے۔

(نوٹ! مذکورہ کتب ۴ جمادی الاول ۶۹ھ کو خود مولانا واپس کر گئے)

## ۳۰، نومبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۸، صفر ۱۳۶۹ھ

## یوم الامتحان

بدھ اور خمیس کو تحریری امتحان، نیز تقریری بھی لیا جا رہا ہے۔ جناب مرزا اسحاق صاحب ہیڈ ماسٹر صاحب بی اے بی ٹی آج مستعفی ہو کر روانہ ہو رہے ہیں۔

## یکم، دسمبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۹، صفر ۱۳۶۹ھ

## ارسال خطوط

۱۔ حضرت مولانا سید صاحب (استاذ) کو لفافہ سمندر کے لیے لکھا گیا اور مولانا منظور عالم صاحب برخورداری تشریف لائے۔ تھوڑی دیر ان سے مجلس گرم کی۔

۲۔ جناب ناظم صاحب قبلہ شورکوٹ تنظیم کے اجلاس کے لیے بمع چند طلبہ تشریف لے گئے ہیں۔

۳۔ ماسٹر صوفی محمد حسین صاحب نے آج ۹ صفر کو ثلاثہ مائۃ روبیات منجانب اسکول میری تحویل میں دیئے ہیں۔ واللہ علی ما نقول وکیل، ھو علی کل شی حفیظ۔ (۱-۷-۶۹ھ۔ ادا کردہ شد)

## ۳، دسمبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۱، صفر ۱۳۶۹ھ

## (کانفرنس)

اجلاس تنظیم اہل سنت جھنگ، شورکوٹ میں بڑا کامیاب رہا۔ خواجہ نظام الدین تونسوی صاحب کی بجائے ان کے بھتیجے صاحبزادہ غلام مرتضیٰ صاحب تشریف لائے تھے۔ باقی علماء باقی وہی جھنگ کانفرنس والے علماء پہنچے۔ فیض محمد جنجیانہ، اور میاں عبداللہ صاحب قریشی نے امداد کی۔

## ۶، دسمبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۴، صفر ۱۳۶۹ھ

### رحلت

ملک قدوس صاحب قد راح الی وطنیہ وھو یوم الآن تعلیم فصا اثنا عشر او فوق ذالک۔ حاجۃ للحاجۃ۔

## ۷، دسمبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۵، صفر ۱۳۶۹ھ

''ساڑھے ۴ کروڑ مسلمانوں کی شدھی''

آریہ سماج لیڈر لالہ دیوی چند ایم اے نے تقریر میں وضاحت کی ہے کہ جب تک ساڑھے چار کروڑ مسلمان شُدھ نہیں ہو جاتے، ہم چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ وغیرہ وغیرہ (''مدینہ'' بجنور بحوالہ رجیت جالندھر ۳، دسمبر ۹۴ء)

## ۹، دسمبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۷، صفر ۱۳۶۹ھ

### جمعہ

ہماری مسجد میں جمعہ ہمیشہ دیر سے ہوا کرتا ہے۔ خطیب صاحب مولانا مولوی محمد شریف صاحب کو متعدد دفعہ کہا گیا، مگر اثرے ندارد۔ ایں را چہ علاج؟

## ۱۰، دسمبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۸، صفر ۱۳۶۹ھ

آج جامعہ کے اراکین و مدرسین جمع ہوئے، راقم الحروف غیر حاضر تھا۔ کوئی مؤتمر قائم ہوئی ہے۔ جس کی تفصیل ہم کو معلوم نہیں۔

## ۱۱، دسمبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۱۹، صفر ۱۳۶۹ھ

کسے گفت کہ عیسیٰ ز مصطفیٰ اعلیٰ است
کہ ایں زیر زمین دفن و آں باوج سما است

جواب

بگفتمش کہ نہ ایں حجت قوی باشد
حباب برسر آب و گوہر تہہ دریا است

## ۱۲، دسمبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۰، صفر ۱۳۶۹ھ

پاکستان کے قیام کے بعد علامہ عثمانی کو پاکستان کا شیخ الاسلام بنا دیا گیا۔ ہندوستان بھر میں ایک شخصیت بھی ایسی نہ تھی، جو آپ کے فہم وفراست اور دینی ومذہبی بصیرت اور بتحر علمی کا مقابلہ کر سکتی۔ آپ حضرت مولانا شیخ الہند کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ (زمیندار لاہور، ۱۱، دسمبر ۴۹ء)

## ۱۳، دسمبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۱، صفر ۱۳۶۹ھ

۱۔ ''پاکستان کا آفتابِ علم وعرفان غروب ہو گیا۔''

آہ! آج علامہ شبیر احمد عثمانی ۱۳، دسمبر ۴۹ء کو بہاولپور میں ۱۲ بجے دن حرکتِ قلب (بند) ہونے کی وجہ سے فوت ہو گئے ہیں۔ ترجیع۔

۲۔ آج صدر (ازہری) صاحب وطن میں ایک ماہ کی تعطیل پر گئے ہیں۔

## ۱۴، دسمبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۲، صفر ۱۳۶۹ھ

سیالکوٹی طلبہ آج روپوش ہو کر چلے گئے۔ اللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

## ۱۵، دسمبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۳، صفر ۱۳۶۹ھ

### ''ترجیع''

آج میاں گہنہ ترکھان (حنیکے) بعد الزوال انتقال دارِ آخرت کر گئے انا اللہ الخ۔

صلوۃ الجنازۃ لہ انا صلیت وفزت۔ لھذہ السعادۃ

## ۱۶، دسمبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۴، صفر ۱۳۶۹ھ

### ''عیادت''

میاں شیخ محمد صاحب کی معیت میں میاں احمد اہیر کی عیادت کے لیے ان کی قیام گاہ پر جانا ہوا۔ بہت نازک حالت ہے۔ اللہ یرحم

## ۱۸، دسمبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۷، صفر ۱۳۶۹ھ

## ’’ڈپٹی انسپکٹر مدارس ملتان‘‘

آج ڈپٹی صاحب معائنہ پر جامعہ محمدی میں تشریف لائے۔ معائنہ کی تسلی بخش رپورٹ ذکر کی۔ بڑے خلیق شریف آدمی ہیں۔ اپنی وسعت کے تحت حتی المقدور کوشش کا وعدہ کیا۔ بالمواجہہ مدح وثناء کا عام رواج ہوگیا ہے۔ حالانکہ حدیث شریف میں سخت مذمت واقع ہے۔ مگر اتباع سنت کی آج کل ضرورت نہیں رہی۔ آج کے جلسہ میں بھی یہی ہوا اور بھی موقع بہ موقع یہی ہوتا ہے۔

## ۱۹، دسمبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۲۷ تا ۲۹، صفر ۱۳۶۹ھ

## ’’قدس‘‘

۷ / دسمبر ۴۹ کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے ۳۹ موافق ۱۴ / مخالف اور ۱۶ / غیر جانب دار ووٹوں سے بیت المقدس کے مستقبل کا فیصلہ کر دیا ہے۔ اس فیصلہ کے نمایاں نکات یہ ہیں۔

۱۔ بیت المقدس جسے عرب ’’قدس‘‘ اور عیسائی ’’یروشلم‘‘ کہتے ہیں۔ اب ایک بین الاقوامی شہر ہوگا۔

۲۔ اس شہر کی بین الاقوامی حکومت کا انتظام ٹرسٹی شپ کونسل کا مقرر کردہ انتظامی عملہ کرے گا۔

۳۔ ٹرسٹی سب کونسل (تولیتی مجلس) نے اپنے نمائندہ اجلاس (غالباً جنوری میں) بیت المقدس کے لیے ایک دستور تیار کرے گی۔ یہ دستور اب تک کی منظور شدہ قراردادوں میں درج شدہ اصولوں کے مطابق ہوگا۔

۴۔ اگر قدس کے دستور کے نفاذ کو روکنے کیلئے کوئی حکومت مزاحمت کرے گی تو تولیتی کونسل کو اس کا مقابلہ کرنے کا اختیار ہوگا۔

یاد رہے کہ عرب لیگ کے تاریخی اختلافات اس طرح ہیں کہ عرب لیگ کی حکومتیں تین حصوں میں تقسیم ہیں۔

۱۔ حکومت شرق اردن اور حکومت عراق، جن کے حکمران شریف حسین مرحوم کے ہاشمی شہزادے ہیں۔

۲۔ مصر جو عرب لیگ کا سب سے بڑا رکن ہے۔

۳۔ سعودی (نجد، حجاز) عرب اور یمن انگریزوں نے دوسری جنگِ عظیم کے بعد عربی ممالک کو شریفی

خاندان میں اس طرح تقسیم کیا تھا، شریف حسین اور علی بن حسین کیلئے حجاز کی حکمرانی، امیر فیصل کے لیے شام و فلسطین کی بادشاہی، امیر عبداللہ کے لیے شرق اردن کی حکومت۔ انگریزوں کے اس فیصلہ کے بعد فرانسیسیوں نے امیر فیصل کو فلسطین اور شام سے نکال دیا اور وہ عراق کے بادشاہ ہوگئے۔ فلسطین پر انگریزوں نے قبضہ کرلیا اور شام پر فرانسیسیوں نے، ابن سعود نے حجاز سے شریف حسین کو نکال دیا، حجاز سعودی عرب بن گیا، اسی طرح ہاشمی اور سعودی خاندان میں اقتدار کی جنگ ظاہر ہوئی جسے عرب لیگ نے رونما ہوکر ختم کردیا، مگر اس کے باوجود سعودی عرب مصر کے گروپ کا ممبر ہوگیا۔ اور یمن بھی اس کے ساتھ مل گیا۔ جب عرب، یہود جنگ ہوئی تو عنقریب عرب کو فتح مل رہی تھی، مگر امیر عبداللہ نے ہلال اخضر اور شام عظمیٰ کی سکیم پیش کر کے دعوی کردیا کہ فلسطین شرق اردن کا ساحل ہے اور یہ دونوں شام کے حصے ہیں۔ اس لیے سبز ہلالی پرچم کے سایہ میں شام عظمیٰ کے نام ان کو ایک کردیا جائے، عراق نیم دلی سے عبداللہ کے ساتھ ہوکر اس سکیم کا حامی ہوگیا، مگر شام میں حسنی زعیم برسر اقتدار آگئے۔ انہوں نے اس سکیم کے خلاف ہوکر ہاشمی خاندان کے مقابلہ میں مصر گروپ میں شرکت کی، انگریز اور ہاشمی ڈپلومیسی کے تحت حسینی زعیم قتل کرادیئے گئے، اسی طرح عربوں کی فتح شکست سے بدل گئی اور یہود بیت المقدس تک پہنچ گئے۔ والی اردن اور یہود نے طے کرلیا کہ قدس کو شام عظمیٰ اور اسرائیل دونوں آپس میں تقسیم کرلیں۔ مصر کا خیال ہے کہ ہاشمی اور یہودی قبضہ سے یہ بہتر ہے کہ قدس کو بین الاقوامی قبضہ میں دے دیا جائے۔ اسرائیلی ریاست کا رقبہ بارہ لاکھ سات ہزار نفوس پر مشتمل ہے۔ جس میں نو لاکھ ۸۶ ہزار یہودی اور ایک لاکھ ۷۰ ہزار عرب ہیں۔ دنیا بھر کے یہودیوں کے لیے اسرائیل کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اسرائیلی علاقہ قریباً ۵ لاکھ ۳۰ ہزار ایکڑ زمین بڑا سرسبز و شاداب اور انواع واقسام کے پھل اور غلہ جات سے بھرا ہے۔ نہایت بہتات سے جدید آلات کے ساتھ کاشتکاری کی جاتی ہے۔ تل ابیب اپنے حسن اور جدید ساز وسامان کے لحاظ سے دنیا کا خوبصورت ترین شہر ہے۔ تعلیم و سائنس دانی کو بڑی ترقی حاصل ہے۔ آئندہ کے منصوبے میں اسرائیل کے وزیراعظم نے کہا ہے کہ اس وقت ہمارے سامنے دو بنیادی مقصد ہیں۔ (۱) یہودی آبادی کو (جہاں کہیں پھیلی ہو) اسرائیل میں منتقل کرنا، (۲) ملک کو زیادہ سے زیادہ ترقی یافتہ بنانا، چنانچہ اسی مقصد کے لیے انہوں نے ایک دس سالہ پروگرام بنایا ہے۔ (''بجنور'' ۳۱ جنوری ۵۰ء)

## ۲۲، دسمبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۳۰، صفر ۱۳۶۹ھ

## ''ترجیع''

میاں احمد ہیر ولد شاہو، مخلص و صادق پرانی مرض کے بعد آج فوت ہوگیا ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون، اس کی قبر موافق وصیت بنائی گئی ہے۔

## ۲۴، دسمبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۲، ربیع الاول ۱۳۶۹ھ

### ''کافیہ''

سید مراتب علی شاہ نے کافیہ شروع کیا ہے۔

## ۲۵، دسمبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۴، ربیع الاول ۱۳۶۹ھ

کل شام کو شیخ محمد سعید صاحب اور احمد نواز سنگرا، وکیل بمع قاضی مرید احمد و مولوی جمال الدین و سیکرٹری ضلع لیگ جلال الدین صاحب اور وفد لیگ وارد ہوا۔ صبح جلسہ ہوا۔ اس کے بعد امانہ چک جانا ہے۔

## ۲۶، دسمبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۴، ربیع الاول ۱۳۶۹ھ

### ''بیضاوی''

صدر صاحب کا سبق چند دن کیلئے بیضاوی شریف طلبہ نے شروع کی ہوئی ہے، آیت (کیف تکفرون باللہ و کنتم۔ الخ) (جاری ہے)

## ۳۰، دسمبر ۱۹۴۹ء بمطابق ۸، ربیع الاول ۱۳۶۹ھ

### چک تارڑ ۲۱۰

سردار غلام عباس رجوعہ، میاں ریاض حسین ٹھٹھہ اور محمد شاہ صاحبان کی کوشش سے چک مذکور میں ۱۲/ ربیع الاول ۶۹ھ کو آئینی تعطیل میں سکول میں سکول ماسٹروں کی میٹنگ بلائی اور تبلیغی جلسہ شیعی مشن کے لیے کرایا گیا، مولوی بشیر ٹیکسلے والا اور مولوی اسمٰعیل گوجرے والا اس علاقہ میں نارِ رفض شعلہ بار کرنے کے لیے پہنچے۔ سنیوں نے جوابی کاروائی کے لیے مولانا قطب الدین صاحب، مولانا احمد بخش ضیائی اور ناچیز کو مدعو کیا، آخر ان کے چیلنج کرنے پر ہم نے (مناظرہ) کرنا قبول کیا اور مناظرہ ہوا۔ ہماری طرف سے ضیائی صاحب اور شیعوں کی طرف سے شیعہ مناظر اسمٰعیل تھا، ایمان بالقرآن اور خلافت پر مناظرہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے سنی اچھے رہے دوسرے دن صرف اپنی اپنی تقریریں ہوئیں۔ آخری تقریر مولانا قطب الدین نے کی، تب یہ اجلاس تمام ہوئے۔ آج کل اس علاقے میں رفض کی تبلیغ بڑے زور سے جاری کردی گئی ہے۔ شاید اکثریت کے ساتھ سیاسی مقابلہ بھی ملحوظ

ہے۔ چک رجوعہ میں یہی دعویدار تھے کہ ہمارے علاقہ میں یہ (مناظرہ) کے تنازعہ کی آگ نہ لگائی جائے۔ شاید آج اس کا بدلہ لیا گیا۔

۲۔ ''کتب ضروریہ''

| | |
|---|---|
| ۱۔ پاکٹ بک احمدیہ | عبدالرحمن صاحب مرزائی |
| ۲۔ ایام الصلح | مرزا صاحب |
| ۳۔ محمدی پاکٹ بک | مولانا عبداللہ معمار |
| ۴۔ قادیانی مذہب | الیاس برنی |
| ۵۔ کشتی نوح | مرزا صاحب |

# باب نمبر 17

# مکتوبات بنام مولانا محمد نافع رحمہ اللہ

① علامہ احمد شاہ چوکیروی رحمہ اللہ
② حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ
③ حضرت مولانا اللہ یار خان چکڑالوی رحمہ اللہ

## نوٹ:

مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے نام مشاہیر اور معاصرین کے سینکڑوں خطوط محفوظ ہیں، جن پر کام جاری ہے اور وہ ایک مستقل جلد میں پیش خدمت ہوں گے۔ ویسے تو ان خطوط کی کل تعداد دو ہزار سے متجاوز ہے، مگر ان میں سے اہل علم کے خطوط چھانٹ کر شائع کیے جائیں گے۔ تاہم تین بڑی شخصیات کے کچھ خطوط بطورِ نمونہ یہاں بھی پیش کیے جا رہے ہیں تاکہ قارئین کھانے سے قبل ذائقہ چکھنے کے عمل سے سبکدوش ہو سکیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# مکاتیب علامہ احمد شاہ چوکیروی رحمہ اللہ بنام مولانا محمد نافع رحمہ اللہ

برادر عزیز محمد نافع صاحب زید علمہ' وضوعف عملہ'

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ......مزاج شریف؟

ایک نوید مسرت سماعت فرمایئے کہ کتاب ''رجال مامقانی'' مکمل دستیاب ہوگئی ہے۔ سرگودھا شہر میں ایک دکاندار صابن فروش حاجی اللہ بخش نام ہیں، بروز خمیس انہوں نے مجھ سے کہا کہ شاہ صاحب آپ نے ایک کتاب میرے پاس رکھی تھی۔ کیا آپ کو کوئی اس کی ضرورت نہیں ہے؟ میں نے کہا دکھلاؤ! تو بحمد اللہ انہوں نے تنقیح المقال سامنے رکھ دی۔ خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا، آج پانچواں دن ہے کہ میرے وجود میں خوشی کی لہریں دوڑ رہی ہیں۔ ''بریں مژدہ گرجاں فشانم رواست'' ملاقات کے لیے جی چاہتا ہے۔ تھوڑا وقت نکال کر مل جائیں۔

دعا گو۔ احمد شاہ بخاری بقلم خود

۲۶ مارچ ۱۹۶۲ء

## (۲)

عزیزم مولوی محمد نافع صاحب زید علمہ وعملہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ......مزاج شریف؟

کل کا جمعہ میں نے گڑھا کی جامع مسجد (چنیوٹ) میں پڑھا ہے، آپ کی وہ کتابیں جو مولوی غلام نبی صاحب نے میرے پاس رکھی تھیں، میں نے کل مولوی منظور صاحب کے پاس رکھ دی ہیں۔ آپ اس عریضہ کو دیکھتے ہی اپنا مال سنبھال لیں۔ سیاہ رنگ کی باریک رسی یا تاگہ یا لیر سے بندھی ہیں۔ ''رجال مامقانی'' ہاتھ آ گئی ہے۔ سرگودھا میں اپنے ایک عزیز کے یہاں رکھی تھی۔ میرے نسیان نے پریشان کیا۔ جس قدر کہ پریشانی ہوئی، قبل ازیں ایک خط کے ذریعے سے ''رجال مامقانی'' کی دستیابی کی اطلاع دے چکا ہوں...... خدا جانے وہ مکتوب ملا یا نہ؟ معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھی دیگر علمائے زمانہ کی طرح ڈاک کے معاملہ میں سُستی روا رکھتے ہیں...... ایک سنیاسی یہاں آیا ہے میرے خیال میں وہ معالجہ میں لائق ہے اگر ضرورت ہو تو جلدی پہنچیں۔

دعا گو۔ احمد شاہ بخاری بقلم خود

۱۸، اپریل ۱۹۶۲ء

(۳)

عزیزم محمد نافع نفعہ اللہ تعالیٰ بعلومہ۔ آمین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج شریف؟ یاد آوری کا شکریہ۔ عزیزم شاہ محمد کے مکتوب کی بناء پر پتہ چلا ہے کہ ''الفاروق'' کی منظوری ہو چکی ہے مگر ایک ہزار روپیہ نقدی ضمانت سے معلق ہے خدا کے فضل وکرم سے ایک ہزار روپیہ کسی عزیز سے قرضہ لے کر داخل کر دیا گیا ہے۔ اور مجسٹریٹ نے ڈیکلریشن جاری کر دیا ہے۔ اگرچہ ابھی تک میرے ہاتھ نہیں آیا مگر یقیناً ہاتھ آجائے گا۔ آپ کے اور شاہ محمد کے کام کی میرے دل میں بڑی بھاری قدر ہے۔ کبھی دعا سے فراموشی نہیں ہوگی۔ عنقریب ''الفاروق'' آپ کے ہاتھوں میں پہنچ رہا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ پہلے پرچے میں ہم ''صداقت'' کے عزہ محرم کے جوابات لکھ رہے ہیں۔ کیونکہ اس پرچہ میں مولوی اسماعیل نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر بڑے اعتراضات کیے ہیں۔ مطلوبہ پرچوں سے اطلاع بخشیں، میں نے ایک کارڈ بھی بھیجا ہے اور ایک دستی رقعہ بھی بھیجا ہے۔ تعجب ہے کہ نہیں ملے۔ ''النجم'' کے پرچے اگر دستیاب ہیں تو روانہ کریں، کیونکہ بہت سے احباب کا تقاضہ ہے کہ ''النجم'' کے مضامین شائع کیے جائیں۔ ''الفاروق زندہ باد''۔

فقط۔ احمد شاہ بقلم خود از چوکیرہ

(۴)

عزیزم مولوی محمد نافع صاحب زید مجدہٗ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مزاج شریف؟ بحمدہٖ تعالیٰ کتاب ''تحقیق فدک'' طبع ہو کر مدرسہ ہذا کے دفتر میں آچکی ہے۔ تقریباً تین سو صفحات کی کتاب ہے۔ قیمت صرف دو روپے رکھی گئی ہے۔ جس قدر نسخے مطلوب ہوں، طلب فرمائیں۔ وی پی کر دیئے جائیں گے۔ اور اگر اس چیز کو گراں تصور کریں تو پارسل کر دی جائیں گی۔ مولانا مولوی محمد خان صاحب کی خدمت میں شوقِ ملاقات کے بعد تسلیم مسنون معروض ہیں۔ یہ کارڈ ان کو بھی دکھادیں۔

والسلام۔ احمد شاہ بقلم خود از مدرسہ
عربیہ دار الہدیٰ چوکیرہ ضلع سرگودھا
یکم محرم الحرام ۱۳۷۵ھ

(۵)

عزیزم مولانا محمد نافع صاحب زید مجدہٗ۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہم ...... مزاج شریف؟

کل چنیوٹ گیا تھا، رات میری بھی تقریر تھی یہ چھٹی مباہلہ کانفرنس تھی۔ جس میں راقم الحروف کے ہمراہ شیخ القرآن صاحب کی بھی تقریر تھی۔ آپ نے جلال الدین صاحب سے ملاقات کی ہوگی؟ جمعہ کی صبح کا سفر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے میں نے اپنی ڈائری میں بروز خمیس سفر برائے جلسہ بھوآنہ لکھ دیا ہے، پس آپ گھر ہی رہیں تاکہ میں رات آسانی کے ساتھ گزار سکوں اور جمعہ کی صبح حجامت، اغتسال اور تبدیلیٔ لباس میں فرق نہ آئے۔ آپ کو یہ پروگرام میرے ساتھ گزارنا ہوگا۔ تحقیق فدک کے کچھ خریدار مہیا کرنا آپ کا فرض عین ہے۔

والسلام

احمد شاہ بخاری مہتمم دارالعلوم فاروق اعظمؓ

بی بلاک، سرگودھا

(۶)

عزیزم مولوی محمد نافع صاحب زید نفعہٗ من اللہ تعالیٰ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مزاج شریف؟

کل حکیم صاحب کا ''دھدھڑ'' سے مکتوب آیا جس میں عبدالرشید کی حالت کے خطرناک ہو جانے کا تذکرہ تھا۔ اس لیے میں ۱۳، اکتوبر کو شورکوٹ سے واپس آ کر ''دھدھڑ'' جانے کا پختہ ارادہ کر چکا ہوں۔ آپ اس تبدیلی کو اضطراری تصور کریں اور اس خط کے پہنچنے کی ضرور اطلاع کر دیں۔

احمد شاہ بخاری بقلم خود

۸، اکتوبر ۱۹۶۸ء

(۷)

عزیزم مولوی محمد نافع صاحب سلمہٗ اللہ تعالیٰ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مزاج شریف؟

حسرت وارمان کے ساتھ اطلاع دیتا ہوں کہ حکیم نذیر عالم کے فرزند ارجمند مولوی عبدالرشید صاحب اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ میاں احمد نجار کے ہاتھ جو رقعہ بھیجا تھا اس میں ذکر کرنا

یاد نہ رہا۔ میں آج تعزیت کر کے واپس آیا ہوں۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ بذریعہ تحریر تعزیت کرلیں کیونکہ آج وہ فرما رہے تھے کہ چند دن کے لیے میں گھر سے باہر رہوں گا۔ حضرت مولانا عبید اللہ صاحب نے تاکید کی ہے کہ اگرچہ سامان نہیں ہے مگر توکل برخدا دارالمبلغین کا کام شروع ہونا ضروری ہے اس لیے ''خدام الدین'' اور ''ترجمان اسلام'' میں اشتہار دے دیا ہے کہ آپ دیکھ لیں گے۔

دعا گو۔ احمد شاہ بقلم خود

## (۸)

عزیزم مولانا محمد نافع صاحب زید علمہ، وعملہ۔ آمین یارب العالمین وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مزاج شریف ایک عریضہ پہلے آیا تھا آج دوسرا بھی پہنچ گیا ہے۔ جزاك الله تعالیٰ فی الدارین خیر الدارین۔ حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمہ اللہ کی وفات سے موحدین کا نقصان عظیم ہوا ہے۔ خدا تعالیٰ قادر ہیں کہ اس نقصان کی تلافی فرما دیں۔ حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب کے ادھر آنے کی کوئی توقع نہیں اور حکومت حجاز کسی غیر حجازی کو وہاں مقیم ہونے کی اجازت نہیں دیتی۔ اس معاملہ میں آج کل بہت تشدد استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لیے میری رائے تو یہ ہے کہ آپ پاکستان ہی میں رہ کر اسلام کی خدمت کریں۔ اگر آپ پاکستان ہی میں رہ کر اسلام کی خدمت کریں تو ہوسکتا ہے کہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں آپ کو وہ قرب اور عزت حاصل ہو جو حرمین شریفین کے باشندوں کے وہم وگمان میں بھی نہیں۔ دوم شوال کو غالباً میں جامعہ عربیہ آؤں گا مولوی غلام نبی نے آپ کے واسطے کتابیں دی ہیں وہ ساتھ لاؤں گا۔ میاں خان محمد صاحب بتا کے نہیں گئے تھے ورنہ انہیں تمہاری جاتیں۔ ملاقات کے لیے جامعہ عربیہ ہی بہتر ہے۔ کیونکہ شوال کا پہلا ہفتہ یہاں قیام نہیں ہوگا۔ میاں حسام الدین صاحب نے حویلی کے جلسہ کے لیے لکھا ہے میں نے معذرت کردی آپ ضرور اس جلسہ میں شامل ہوں اگر مجھے سخت موانع کا سامنا نہ ہوتا تو ضرور آجاتا، آج روزہ رکھ کر میاں خان محمد صاحب لاہور گئے ہیں گھوڑے کی زین وہ جامعہ عربیہ میں رکھ جائیں گے۔ مالکان کو اطلاع دے دیں تاکہ وہ اپنی زین جامعہ عربیہ سے لے لیں۔

دعا گو

احمد شاہ بقلم خود

۱۹۶۱ء

(۹)

عزیزم مولوی محمد نافع صاحب زید نفعہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ...... مزاج شریف بخیر ہوں...... ۱۹، شعبان کا اعلان کیا تھا امید تھی کہ آپ ۱۸، شعبان کو آئیں گے۔ مگر آج ۲۲ شعبان ہے۔ شدید انتظار کے ساتھ اضطراب بھی لاحق ہے۔ عبدالحق مخدوم ملا تھا اس نے بتلایا تھا کہ آپ ایک وفد کے ہمراہ کمشنر صاحب کو ملنے کے لیے سرگودھا آنے والے ہیں۔ میں نے پیغام زبانی روانہ کیا تھا کہ آپ تیار ہو کر سرگودھا آئیں تا کہ پھر واپس نہ جائیں۔ اور ساتھ عرض کیا تھا کہ ایک طالب علم ساتھ لائیں کرایہ پورا دے دوں گا۔ خدا جانے مخدوم صاحب نے سلام دیا تھا یا نہ؟ بہرحال اس عریضہ کو دیکھتے ہی رختِ سفر باندھ لیں میرے پاس کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جسے آپ کی آسانی کے لیے یہاں سے بھیج دوں۔ آپ کو معلوم ہے کہ آپ کی تحریک کا اس دار المبلغین کے اجراء میں بہت زیادہ دخل ہے پھر خدا جانے کیا توقف ہے؟ ناظم عمومی صاحب کو آپ کے ارشاد کے مطابق علیحدہ کتب بھیج دی تھیں۔ امید ہے کہ انہوں نے قبول فرمائی ہونگی۔

والسلام احمد شاہ بقلم خود

۱۱، نومبر ۱۹۶۱ء

(۱۰)

عزیز از جان مولانا محمد نافع صاحب زید مجدہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

بدھو آنہ کا جلسہ ۲۹ جون ہفتہ کے روز منعقد ہو رہا ہے دعوت نامہ آیا ہے میں نے قبول کر لیا ہے۔ امید ہے کہ آپ کو بھی دعوت نامہ پہنچ گیا ہوگا۔ اور قبول ہو چکا ہوگا۔ ''کان ابو بکرٍ اعلمنا'' کا امید ہے کہ حوالہ مل جائے گا۔ آپ بے فکر رہیں، میرا ارادہ ہے کہ جون کے وسط میں آپ کے علاقہ کا دورہ کروں گا، ان شاء اللہ۔

طالب دعا۔ احمد شاہ بخاری بقلم خود

از جامع مسجد فاروق اعظمؓ سرگودھا

(۱۱)

مکرم جناب مولانا مولوی محمد نافع صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ...... مزاج شریف، شبیر احمد کے ہاتھ ایک قلمی رقعہ روانہ کیا تھا۔ مل گیا ہوگا۔

''توثیق فدک'' جو کہ شیعہ نے لکھی ہے اس کا جواب مل گیا ہوگا۔ ''توثیق فدک'' جو کہ شیعہ نے لکھی ہے اس کا جواب مولوی عنایت اللہ صاحب حال مدرس دارالہدیٰ چوکیرہ نے لکھا ہے اس کا نام ''جواب ضروری تردید توثیقِ منظوری'' ہے اور اس کی قیمت صرف چھ آنہ مقرر کی گئی ہے یہ حصہ اول ہے صرف ''توثیق فدک'' کے پہلے باب کی تردید ہے۔ دوسرا حصہ لکھا جا رہا ہے عنقریب طبع ہو جائے گا۔ ''الفاروق'' کی منظوری ہو چکی ہے آپ کے شاگرد شاہ محمد نے بڑی کوشش کی ہے اس کے لیے دعا گو ہوں اور آپ تو ویسے بھی میری دعاؤں میں ہی رہتے ہیں۔ آپ نے ''الفاروق'' کے جس قدر خریدار بنائے ہیں ان کے اسماء اور صاف پتے لکھ کر روانہ کریں تا کہ روانہ کیے جا سکیں۔ ''جواب ضروری'' کے جس قدر نسخے مطلوب ہوں، چنیوٹ میں مولانا منظور احمد صاحب سے حاصل کر لیں، سستی نہ کریں۔

والسلام احمد شاہ بقلم خود

از چوکیرہ

(۱۲)

بسم اللہ تعالیٰ شانہٗ

عزیزم مولانا محمد نافع صاحب زید مجدہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مزاج شریف؟

پندرہ روزہ ''الفاروق'' کے اجراء کے لیے میں نے درخواست دے دی ہے، پانصد خریدار قبل از طباعت لازمی ہیں۔ لہٰذا سعی بلیغ کی ضرورت ہے۔ کوشش کریں کہ قبل از طباعت خریدار مذکورہ مہیا ہو جاویں۔ میرا خیال ہے کہ آپ کم از کم ایک سو خریدار بنا سکیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ یہ عریضہ دیکھتے ہی کوشش شروع کر دیں۔ تمام ملک میں اپنے احباب کو خطوط لکھیں نیز ماہ نامہ ''الجامعہ'' میں پروپیگنڈا کرائیں۔ یہ نہایت ضروری ہے اور کیا ہی اچھا ہو کہ ''دعوت'' میں بھی پروپیگنڈا کرا لیں یہ کام آپ کروا سکتے ہیں۔ کیونکہ آپ کے مضامین کو وہ بخوشی شائع کرتے ہیں کیونکہ آپ تنظیم کے خاصے ممبر ہیں، جواب کا منتظر ہوں۔

احمد شاہ بقلم خود

۱۵، اپریل ۱۹۵۶ء

(۱۳)

بسم اللہ تعالیٰ

مکرم جناب مولوی محمد نافع صاحب زید علمہ، وضوعف عملہ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

مزاج شریف۔

احمد ترکھان کی ملاقات کی مجھے ضرورت ہے۔ بلا کر دریافت کریں۔ آیا آج کل وہ فرصت میں ہیں یا نہ؟ اگر فرصت پا کر مجھ سے مل سکے تو بہتر اور اگر سرِ دست فصل کی نگرانی کی مصروفیت ہو تو جس وقت فراغت ہو، ضرور ملاقات کر لے۔

احمد شاہ بخاری بقلم خود

(۱۴)

عزیز از جان مولانا محمد نافع سلمہٗ الرحمن وزید نفعہ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مزاج شریف؟ جن تاریخوں کا آپ نے ذکر فرمایا ہے، وہ تو ضلع لائل پور میں لگ چکی ہیں البتہ جلد از جلد پروگرام بنا کر روانہ کروں گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ آپ بے فکر رہیں، ایک ہفتہ آپ کے علاقہ میں صَرف کرنے کا پکا ارادہ ہے جس کی ابتداء آپ کے قلعہ کنگراں ہی سے ہوگی۔ عزیزوں کو سلام۔

احمد شاہ بخاری بقلم خود
۱۴، ستمبر ۱۹۶۷ء

(۱۵)

عزیز از جان مولوی محمد نافع صاحب زید علمہٗ۔

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

مزاج گرامی؟

کنونشن کا اجلاس کامیاب رہا۔ متوسلینِ دیو بند کا جمِ غفیر دیکھا اہل حدیث حضرات بھی آ گئے تھے نیز مولانا غلام اللہ خان صاحب اور قاضی شمس الدین صاحب بھی آئے ہوئے تھے۔ شیعوں کے مطالباتِ ثلاثہ کے بالمقابل

مطالبات حکومت کے سامنے رکھے گئے۔ بریلوی حضرات باوجود مواعید کے نہیں آئے۔ مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ سے ملاقات ہوئی۔ میں نے اُن سے وہ بات کی ہے اور کہا کہ نوٹ بک پر لکھ لیں، تو آپ نے فرمایا میرا حافظہ بہت اچھا ہے۔

احمد شاہ بخاری

۱۳، اگست ۱۹۶۷ء

(۱۶)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عزیزم مولوی محمد نافع صاحب زید نفعہ۔

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

مزاج شریف؟

ابھی کل آپ کا مکتوب ملا، آپ کے چلے جانے کے بعد میاں خان محمد صاحب تشریف لائے تھے اور ایک پروگرام میرے ذمہ کیا تھا۔ جس کی وجہ سے آنے والی جمعرات یا جمعہ کو میں نہیں پہنچ سکتا۔ اس لیے آپ ۲۵، اگست والی جمعرات کا پروگرام بنائیں۔ یا پھر مجھے مستثنیٰ کر دیں، جواب سے ضرور مطلع کریں۔

احمد شاہ بقلم خود

(۱۷)

عزیز از جان مولوی محمد نافع صاحب زیدہ مجدہٗ،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

گرامی نامہ وصول کیا یاد فرمائی کا شکریہ! مجھے بھی افسوس ہے کہ میں پروگرام میں نہ پہنچ سکا۔ عنقریب متبادل پروگرام بناؤں گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

برخوردار مولوی منظور احمد ملے تھے وہ بھی بھوانہ کے حالات سے متاثر تھے اور جلسہ کے متعلق ارشاد فرمایا تھا، خدا کرے جلد از جلد ملاقات ہو جائے۔ عزیزوں کو پیار۔

دعا گو احمد شاہ بخاری بقلم خود

۲۸، اکتوبر ۱۹۶۷ء

(۱۸)

عزیز از جان مولوی محمد نافع صاحب زید نفعہ وانفاعہ۔

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

مزاج شریف؟

گرامی نامہ وصول کیا، جزاکم اللہ تعالیٰ فی الدارین خیر الدارین آپریشن کے لیے جو ہفتہ مقرر تھا، جھاوریاں جانا نہیں ہوسکا، دارالعلوم فاروق اعظمؓ کے لیے ماہ رجب آگیا ہے اس لیے اب تو آپ کے علاقہ کا دورہ کچھ مشکوک نظر آتا ہے بہرحال سعی کروں گا کہ پروگرام کو صحیح طور پر پورا کروں۔ آدمی کوئی روانہ مت کریں۔

فقط۔ احمد شاہ بخاری غفرلہ الباری

۱۴، اکتوبر ۶۷ء

(۱۹)

بسم اللہ تعالیٰ شانہٗ۔

عزیزم محمد نافع صاحب زید مجدہٗ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مزاج شریف؟

کل بروز جمعۃ المبارک آپ کا مکتوب ملا، یادآوری کا شکریہ! درخواست لاہور چلی گئی ہے، ڈائریکٹر محکمہ تعلقاتِ عامہ کے دفتر میں کیا آپ کا کوئی واقف کا آدمی ہے؟ تاکہ جلدی منظوری ہوجائے۔ ارادہ یہ ہے کہ ۲۰ صفحات پر ''الفاروق'' کو شائع کیا جائے۔ پندرہ روزہ ہوگا، چندہ سالانہ صرف ساڑھے پانچ روپے مقرر کیا ہے تاکہ اشاعت زیادہ ہو، مضامین کی پیشکش بصد شکریہ قبول ہے۔ ''دعوت'' میں آپ کا مضمون مختصر تھا اس کو ذرا پھیلا کر لکھ بھیجیں، نیز خوشخط لکھیں تاکہ پڑھنے میں آسانی ہو۔ ''الجامعہ'' میں اطلاع کے طور پر شائع کرادیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔ ''الفاروق'' چوکیرہ سے شائع کریں گے۔ میری اس تحریک کے روحِ رواں آپ ہیں اس تصور سے کبھی خالی نہ رہیں، مضامین دیتے رہا کریں، خریدار بھی مہیا کرتے رہیں امید ہے کہ پہلا پرچہ بعد از رمضان شریف شائع ہوگا۔

دعاگو۔ احمد شاہ بخاری از مدرسہ عربیہ دارالہدیٰ چوکیرہ

ضلع سرگودھا۔ ۲۶، اپریل ۵۶ء

(۲۰)

بسم اللہ تعالیٰ شانہٗ۔

مکرم عزیز مولوی محمد نافع صاحب زید مجدہٗ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔مزاج شریف!

''الفاروق'' کی درخواست دفاتر ضلع سے تصدیق پا کر لاہور کے کسی بڑے دفتر میں پہنچ چکی ہے میں رمضان کے بعد لاہور جاؤں گا، اور حسب الارشاد سعی کروں گا۔سرگودھا میں پورا ایک مہینہ خرچ ہوگیا۔اس کی وجہ شاید وہی ہے جو آپ نے بیان فرمائی ہے۔ان شاء اللہ تعالیٰ میں نذرانہ دینے سے دریغ نہیں کروں گا۔رمضان شریف کے بعد شوال کے پہلے ہفتے مین آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ رکھتا ہوں۔حاجی افتخار احمد صاحب سے میرا تعارف تو ہے مگر ضعیف ہے۔اس میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ وہ میرے ''الفاروق'' کا پروپیگنڈا کرنے پر بغیر نذرانے کے آمادہ ہو جائیں۔اس لیے آپ اپنے تعارف کو استعمال فرمادیں، نیز رنگین صاحب سے میں خود ملاقات کروں گا۔کیونکہ بعد رمضان المبارک میرا مگھیانہ جانے کا ارادہ ہے آپ میاں حسام الدین صاحب اور مولوی عبدالرب صاحب سے ''الفاروق'' کے پروپیگنڈا کی بابت ضرور عرض کریں،خریدار بنانے میں سعی بلیغ کی ضرورت ہے اور بھوانہ میں خریدار بنانے کی سخت ضرورت ہے اس واسطے کہ وہاں شیعہ کی کثرت ہو چکی ہے۔

احمد شاہ بقلم خود از چوکیرہ ضلع سرگودھا

(۲۱)

بسم اللہ تعالیٰ شانہٗ۔

عزیزم مولوی محمد نافع صاحب زید مجدہٗ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔مزاج شریف؟

محبت نامہ ملا، یاد آوری کا شکریہ......آج کے پرچہ میں ارباب ''دعوت'' نے میرا مضمون شائع کیا ہے اور ساتھ ایڈیٹر صاحب کا نوازش نامہ بھی آیا ہے جس میں انہوں نے اجازت سے نوازا ہے۔مگر ہم پرچہ کے اجراء کی درخواست دے چکے ہیں امید ہے کہ منظوری مل جائے گی۔اب آپ کا فرض ہے کہ خود بھی خریدار بنیں اور دوسرے احباب کو بھی خریدار بنائیں۔پریس والوں نے کہا ہے کہ پانچ سو خریدار مہیا کرو پھر پرچہ شائع کرنا، اس لیے میں خریدار بنانے کی مہم چلا رہا ہوں تقریباً ایک سو خریدار بنا چکا ہوں۔آپ میاں حسام الدین صاحب اور مولوی

عبدالرب صاحب نیز مولوی منظور احمد برخورداری کو اطلاع دیویں۔ اور اس کام کے اندر سستی نہ کریں۔ محض متوکلاً علی اللہ اس کام کو شروع کیا جا رہا ہے۔

منتظرِ جواب۔ احمد شاہ بقلم خود از چوکیرہ

(۲۲)

عزیزم محمد نافع صاحب زید علمہٗ۔

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ آپ کا کارڈ اور لفافہ تھیلے میں ڈال دیئے تھے کہ بہت جلد جواب لکھوں گا مگر یاد نہ رہا۔ آج ۱۷، اگست کو تھیلے کی پڑتال کی تو اتفاقیہ نظر آ گئے۔ بہت افسوس ہوا۔ عزیز نومولود کا نام عمر فاروق رکھا گیا۔ ملتان سے جو کتب شیعہ دستیاب ہوسکتی ہیں کیا ابھی تک موجود ہیں یا فروخت ہو چکی ہیں؟ ان میں سے آپ نے کونسی خریدی ہیں؟ منظور حسین اجنالوی کے پاس کتب شیعہ موجود ہیں۔ کل خریدنے کے لیے جاؤں گا۔ پرسوں آپ کو لکھ دوں گا۔ رمضان المبارک میں تربیت کا خیال ضروری ہے آپ کی دعا کی ضرورت ہے۔ عزیزم ابوبکر کا کیا حال ہے؟

احمد شاہ بخاری

(۲۳)

عزیزم مولوی محمد نافع صاحب زید علمہ وزید مجدہٗ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مزاج شریف؟

آپ میٹنگ سے فارغ ہو کر آ گئے تو افسوس ہوا کہ آپ نے میری درخواست کے حشر کی تو خبر ہی نہ دی۔ منظوری ہوئی یا نہ؟ اور اگر منظوری ہوئی ہے تو مطلق یا مشروط؟ نیز مضامین ملتان بھیجنے ہیں یا کہ لاہور؟ میں سخت منتظر ہوں، آپ کو معلوم ہوگا کہ ابھی تک ''دعوت'' نے برابر تردیدی مضمون شائع نہیں کیا۔ اور گوجرہ سے بدستور بمباری جاری ہے۔ اگر ''دعوت'' والے ہماری رفاقت سے قاصر ہوں تو متوکلاً علی اللہ، بسم اللہ کیجیے اور خریدار اخبار مہیا کیجئے اور نام بمعہ پتہ میرے پاس روانہ کیجیے تاکہ میں کام شروع کر دوں۔ جواب جلدی دیویں، سخت انتظار ہے۔

احمد شاہ بخاری بقلم خود

۱۶، فروری ۱۹۵۶ء

(۲۴)

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

عزیزم محمد نافع صاحب زید مجدہٗ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔آپ کی رائے کے مطابق ناظم عمومی صاحب کی خدمت میں سفارش کر دی ہے جو حقیقت میں درخواست ہے۔ ۱۹، شعبان کو کورس شروع ہو رہا ہے عنقریب آدمی بھیج رہا ہوں جو آپ کو یہاں لانے میں آسانی کا باعث ہوگا۔لسان العرب اور ''قاموس'' وغیرہ سب کتابیں موجود ہیں۔آپ ''کتاب الحجۃ'' ساتھ لیتے آئیں۔ ''شرح سیر کبیر'' بھی ضروری ہے۔خدا کرے کہ عزیزم ابوبکر جلد از جلد عافیت حاصل کریں اسی طرح ان کی والدہ کے لیے بھی دعا کرتا ہوں۔

احمد شاہ بخاری بقلم خود

۳،نومبر ۱۹۶۱ء

(۲۵)

عزیز از جان مولوی محمد نافع صاحب زید علمہٗ۔

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔مزاج شریف؟

علامہ خالد محمود صاحب سے تو میں مایوس ہو چکا ہوں۔کسی وقت جا کر ان سے کتاب لے آؤں گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۲۷ اور ۲۸ جولائی یعنی منگل اور بدھ کی درمیانی رات موضع برخوردار میں تقریر میں نے منظور کر لی ہوئی ہے۔(مذکورہ) موضع برخوردار کے منظور صاحب کی دعوت تھی واقعی انہوں نے بہت اصرار کیا جس کے مقابلے میں انکار نہ ہوسکا، ورنہ آج کل ناغہ سخت ناجائز ہے۔مگر ان کے اصرار نے ایک ناغے پر مجبور کر دیا۔منگل کے اسباق پڑھا کر سفر کروں گا شاید عصر اور مغرب کے درمیان آجاؤں گا تا کہ خمیس کے سبق کا ناغہ نہ ہو۔امید ہے کہ آپ عصر کی نماز موضع برخوردار میں پڑھیں گے۔رات کو ان شاء اللہ ملاقات ہوجائے گی۔

''کیا یار بھروسہ ہے چراغِ سحری کا''

(۲۶)

عزیزم مولوی محمد نافع صاحب زید نفعہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔مزاج شریف؟

کافی دن ہوئے مکتوب گرامی وصول کرلیا تھا مگر جواب لکھنے میں خلاف معمول دیر ہوگئی ہے۔ بہرحال اپنے گناہ کا اعتراف بھی لازمی چیز ہے۔ گزارش ہے کہ آپ جب تشریف لاویں گے تو جناب کو کھلا وقت دیا جائے گا۔ بےفکر رہیں۔ مولانا اللہ یار خاں صاحب کا ایک دستی مکتوب کل ملا ہے جس میں وہ کتاب کے مطالعہ کی تاکید کررہے ہیں، معلوم ہوا کہ انہیں کتاب کی ضرورت ہے۔ میں اس جمعہ سے جو ۱۸ ستمبر ۱۹۶۴ء کو واقع ہے، چوکیرہ سے غیر حاضر ہو جاؤں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ پھر توقع ہے کہ دوسرے جمعہ پر جو ۲۵ ستمبر کو ہے، واپس آؤں گا، پورا ہفتہ، غیر حاضری کا خیال ہے۔ اس مدت میں آپ چوکیرہ آنے کی تکلیف نہ کریں۔ عزیزوں کو سلام ودعاء۔

احمد شاہ بقلم خود

۹ ستمبر، ۱۹۶۴ء

(۲۷)

برادر عزیز من مولانا محمد نافع زید علمہٗ وعافاہ اللہ تعالیٰ من جمیع الامراض۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔ مزاج شریف؟ جنگ کے بعد متصلاً جو والا نامہ آیا تھا اس کا جواب ڈاک کے سپرد کردیا تھا، خدا معلوم ملا یا نہ؟ سنا تھا کہ آپ عبدالمالک سمیت لاہور گئے تھے۔ قیاس آیا کہ شاید علامہ خالد محمود صاحب سے ملاقات مقصود ہوگی اور ''حدیث ثقلین'' کا مسودہ واپس وصول کرلیں گے۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ آیا ''حدیث ثقلین'' واپس لے آئے ہیں؟ یا علامہ خالد محمود صاحب نے کتابت شروع کرادی ہے؟

(دیگر عرض ہے کہ) دولت کمہار کو بلا کر دریافت کریں کہ بان کے ادھر بھیجنے میں کیا دیر ہے؟ کیا ابھی تک پورا تیار نہیں ہوا؟ اگر پورا ہوگیا ہے تو جلدی جامعہ عربیہ میں پہنچادیں اور اگر پورا نہیں ہوا تو جلد پورا کرنے کی سعی کریں۔ کیونکہ ہم انتظار میں ہیں۔ اگر دولت کمہار کا ملاقات کے لیے آنے کا ارادہ ہو تو حاجی صاحب کو ساتھ لے آئے۔

احمد شاہ بخاری بقلم خود

یکم نومبر ۱۹۶۵ء

(۲۸)

عزیزم مولانا مولوی محمد نافع صاحب زید مجدہٗ۔
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مزاج شریف؟

کل آپ کے واسطے اجنالہ گیا تھا ماسٹر صاحب سے ملاقات ہوئی، کتابیں اجنالہ میں نہ تھیں۔ بلکہ سرگودھا میں تھیں اس لیے رویتِ جمیع نہ ہوسکی۔ اب ذوالحجہ کی سات تاریخ مقرر ہوئی ہے وہ اس تاریخ کو اجنالہ میں موجود رکھے گا۔ ''شرح نہج البلاغہ'' حدیدی بیروت کی مطبوعہ کا دوسو روپیہ طلب کرتا ہے۔ ''شرح لمعہ'' کے بھی دوسو مانگ رہا ہے۔ ''کشف المراد'' کے پچیس روپے چاہتا ہے۔ رجال مامقانی اس کو ہاتھ نہیں آئی۔ شاید میری غلط فہمی تھی۔ ''مناقب ابن شہر آشوب'' کا ابھی تک اس نے سودا نہیں کیا۔ کہتا ہے کہ اگر تم نے یقیناً خریدنا ہو تو میں خرید لیتا ہوں۔ اضحیہ کی عید سے پہلے کا پروگرام موزوں رہے گا۔ ضروری ہے۔ اس عریضہ کا جواب عجلت مانگتا ہے تاکہ میرا وقت صحیح طور پر استعمال ہو سکے۔ عزیزوں کے واسطے حسبِ تقاضہ دعا شروع کر دی ہے۔

احمد شاہ بخاری بقلم خود
۲۲ مارچ ۱۹۶۶ء

(۲۹)

بسم اللہ۔ اللہ اکبر۔
عزیزم مولوی محمد نافع صاحب
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مزاج شریف؟

میاں خان محمد صاحب کے والد شریف میاں اللہ داد صاحب کی وفات کی وجہ سے میرا پروگرام تبدیل ہوگیا۔ اب بروز منگل آپ کے پاس پہنچنے کی سعی کروں گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ۱۶ فروری بروز منگل آپ کے پاس پہنچنے کی سعی کروں گا۔

احمد شاہ بخاری بقلم خود

(۳۰)

بسم اللہ تعالیٰ شانہٗ۔

عزیزم مولوی محمد نافع صاحب زید علمہٗ۔

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ برکاتہٗ۔ مزاج شریف؟ کل ملفوف شریف وصول ہوگیا ہے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ فی الدارین۔ جو تین کتابیں خرید کرلی گئی ہیں وہ بڑی مفید ہیں۔ ماسٹر صاحب کا کارڈ جو آپ نے واپس کیا ہے۔ یہ کارڈ آپ کو بھیج چکا تھا کہ اس کے بعد منظور حسین صاحب کا کارڈ آیا جس میں ''رجال مامقانی'' کے مل جانے کی اطلاع تھی۔ ''احسن الفوائد'' وہی ہے جو مولوی محمد حسین صاحب رافضی سرگودھا نے عقائد صدوق کی شرح لکھی ہے۔ اور آپ کو دکھلائی اور خریدنے کی ترغیب دلائی تھی۔ ابھی تک منی آرڈر نہیں پہنچا۔ منی آرڈر بھیجنے کی کوئی ضرورت نہ تھی جب آتے تو ہمراہ لے آتے، ڈاک فیس بہت زیادہ لگ رہی ہے۔

احمد شاہ بخاری بقلم خود

۹ مارچ ۱۹۶۶ء

(۳۱)

بسم اللہ، اللہ اکبر۔

عزیزم مولوی محمد نافع صاحب زید نفعہٗ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مزاج شریف؟

دس روپے پہلی رقم کے موجود تھے۔ ۱۴۰ بھی پہنچ چکے ہیں پورا ڈیڑھ سو ہوگیا۔ کسی وقت اجنالہ جانے کو تیار ہوں، سودا کروں گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ہاں تو آپ نے جو بعد از عید قربانی تحریر فرمایا ہے وہ میرے پروگرام سے متصادم ہے۔ اس لیے از رہ کرم اور وسعت قلب آپ عید سے پہلے تشریف لاویں۔ ماہ مقدس ذوالحجہ کی ششم یا ہفتم کو آجاویں اور پھر نہم کو واپس جاسکتے ہیں۔ اس خط کا جواب جلدی لکھیں اور سوچ سمجھ کر تحریر فرماویں۔ بعد از عید الاضحیہ راقم کو ایک سفر درپیش ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ آپ عید سے پہلے آجاویں۔

احمد شاہ بخاری بقلم خود

۲۰ مارچ ۱۹۶۶ء

(۳۲)

بسم اللہ، اللہ اکبر۔

عزیزم مولوی محمد نافع صاحب زید علمہٗ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔مزاج شریف؟

گرامی نامہ وصول ہوگیا۔ یادفرمائی کا شکریہ، واقعی ہمارے قریب دشمن کے گولے گرے ہیں۔سرگودھا کے قریب ہونے کی وجہ سے خطرہ بھی تھا مگر خدا تعالیٰ نے مدرسہ اور اہل مدرسہ کو اپنی حفاظت میں رکھا۔آئندہ بھی اسی کی حفاظت کا بھروسہ ہے۔سردار، احمد نجار، محمد یار آف قلعہ کنگراں اور محمد اسماعیل سب کو سلام مسنون۔نیز میاں غلام مصطفیٰ صاحب کو بھی سلام عرض کردیں۔

احمد شاہ بخاری بقلم خود

۴، اکتوبر ۱۹۶۵ء

(۳۳)

بسم اللہ، اللہ اکبر۔

عزیزم مولوی محمد نافع صاحب زید مجدہٗ۔

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔مزاج شریف؟

گرامی نامہ وصول کیا، یادفرمائی کا بہت شکریہ۔فی الحال لاہور جانے کا کوئی پروگرام نہیں ہے۔علامہ خالد محمود صاحب کو خط لکھ رہا ہوں جو جواب آئے گا، جناب کو مطلع کردیا جائے گا۔معلوم ہوتا ہے کہ ادارۂ تصنیف قائم کیے بغیر کوئی کام ہم نہیں کرسکتے۔کوئی شخص دوسرے کی بکری کو چارہ نہیں ڈالتا۔تقریباً دو ماہ بعد پروگرام بن سکتا ہے، اگر رائے شریف میں آجائے تو مطلع کریں۔

دعا گو احمد شاہ بخاری بقلم خود

۵، جولائی ۱۹۶۵ء

آج حکیم نذیر عالم صاحب کا ایک مکتوب آیا ہے جس میں انہوں نے اپنی مجبوری کے مفصل ادلہ ذکر کیے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ عبدالرشید کو تمام درس نظامی پڑھانا ہمارے لیے بہت مشکل ہے۔ اور مولوی منظور احمد صاحب اپنے جامعہ کے مجوزہ پروگرام کی وجہ سے مجبور ہیں وہ اس سال عبدالرشید کو فاضل عربی کی جماعت میں بیٹھانے سے قاصر ہیں اس لیے مولوی محمد نافع صاحب جامعہ محمدی میں داخل کر کے فاضل عربی کا نصاب پڑھا دیں۔ آپ کو میرے اور حکیم صاحب کے تعلقات معلوم ہیں۔ سو میں بصمیم قلب کے گزارش بخدمت کرتا ہوں کہ آپ جلد از جلد عزیزم عبدالرشید کو اپنے جامعہ میں داخل فرما کر فاضل عربی کورس پڑھا دیں۔ اگر پہنچ چکا ہے تو فبہا، اور اگر ابھی تک نہیں پہنچا تو عبدالرشید کے نام ایک ملفوف مکتوب بھیج کر اپنے پاس بلالیں۔ میں نے آج ہی مولانا منظور احمد صاحب پرنسپل جامعہ عربیہ چنیوٹ کو عبدالرشید کے بارہ میں لکھا ہے کہ آپ اس کو جامعہ محمدی میں داخل ہونے کی اجازت عطا کر دیں۔ یقین ہے کہ مولوی صاحب موصوف رکاوٹ نہیں ڈالیں گے۔

دعا گو احمد شاہ بخاری بقلم خود

۷، اگست ۱۹۶۵ء

## (۳۵)

جناب مولانا مولوی محمد نافع صاحب زید مجدکم۔

بعد از سلام گزارش اینکہ ماسٹر محمد یوسف سے رقعہ وصول کیا۔ پورے افسوس اور مکمل حسرت کے ساتھ عرض گزار ہوں کہ استفتاء کا جواب مولانا مولوی قطب الدین صاحب کے مشورہ کے ساتھ تحریر کر دیا گیا تھا اور نکاح ثانی کے جواز کا فتویٰ دیا تھا۔ گمانِ غالب تو یہ ہے کہ ڈاک میں روانہ کر دیا تھا مگر آپ بار بار لکھتے ہیں کہ جواب نہیں آیا اس لیے میں نے اپنے دفتر میں بڑی جستجو کی ہے کہ شاید وہ الجواب دفتر ہی میں نذر رندِ نسیان نہ ہو گیا ہو۔ لیکن میں کامیاب نہیں ہوا۔ غالب گمان یہی ہے کہ دفتر سے روانہ کر دیا گیا ہو گا۔ آپ کو واصل نہیں ہوا۔ پس اب بہتر صورت یہ ہے کہ دوبارا استفتاء روانہ کریں اور اپنے اوپر ہی اعتماد کر کے ''الجواب الصحیح'' لکھ دیں۔ ۱۴ ربیع الاول کو محمد قاسم اور اس کی ہمشیر کی شادی کر دی ہے فالحمد للہ علی ذالک۔ کسی دوست کو دعوت نہیں دی گئی۔ موسم نہایت گرم تھا اور اجنالہ میں کوئی مناسب جگہ ہمارے پاس نہ تھی کہ جس میں احباب کو ٹھہرایا جاتا۔ اس واسطے دعوتِ احباب کا پروگرام نہیں بنایا گیا امید ہے کہ آپ محسوس نہیں کریں گے۔ اگر قبل از وقت علم ہو جائے تو آئندہ پروگرام سے آپ کو مطلع کر دیا جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

احمد شاہ بخاری بقلم خود

۲۸ جولائی ۱۹۶۶ء

# (۳۶)

# مکاتیب

## حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ بنام مولانا محمد نافع رحمہ اللہ

حضرت مولانا المکرم زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ عنایت نامہ ملا۔ طالب خیر بخیر ہے۔ علامہ محب الدین خطیب کا وہ رسالہ بندہ کے پاس نہیں ہے۔ اور نہ کسی جگہ موجود ہونے کا علم ہے۔ میری کتاب ''بشارت الدارین بالصبر علیٰ شہادت الحسینؓ'' ابھی مکمل نہیں ہوئی۔ کتابت لاہور میں ہو رہی ہے۔ مسئلہ ماتم تو ختم ہو چکا ہے اب ''مسئلہ خلافت وامامت'' پر بحث شروع کی ہے۔ تفصیل کی تو گنجائش نہیں رہی کیونکہ کتابت کی ضخامت پہلے ہی بڑھ گئی ہے۔ دعا فرمائیں کہ اس مسئلہ پر مدلل لکھنے کی توفیق نصیب ہو۔ آمین ان شاء اللہ طبع ہونے پر ارسال خدمت کردی جائے گی۔

مجلس عمل ختم نبوت میں جو شیعوں سے اتحاد کیا گیا ہے۔ اور وہ بھی مولوی اسمٰعیل شیعہ مناظر کو مرکزی تشکیل میں شامل کیا، جیسا کہ ''خدام الدین'' اور ''ترجمان اسلام'' میں اس کی کارروائی شائع ہوئی ہے۔ مجھے تو اس سے بڑا دکھ ہوا ہے۔ غالباً اکابر کی فتنۂ شیعیت اور اس کے اثرات پہ نظر نہیں ہے۔ جس طرح پاکستان میں عوام اہل سنت کو شیعہ بنایا جا رہا ہے اور جتنی محنت روافض کی طرف سے ہو رہی ہے بمشکل اہل سنت کو ان سے بچایا جا سکتا تھا۔ اب تو مجلس عمل کے تحت سنی دیوبندی مساجد میں شیعوں کی اور ان کے امام باڑوں میں اہل سنت (دیوبندی و بریلوی) کی تقاریر ہو رہی ہیں۔ اور عموماً مقررین یہی کہہ رہے ہیں کہ سنی، شیعہ اختلافات فروعی ہیں نہ کہ اصولی! بندہ نے ایک مضمون بعنوان ''شیعوں سے ہمارا اختلاف اصولی ہے نہ کہ فروعی'' ہفت روزہ الجمعیت میں شائع کرایا ہے۔ آپ کو بھی اس کا پرچہ بھیج دیا جائے گا۔ آپ جیسے حضرات کو اس فتنہ کا انسداد کرنا چاہیے۔ میں تو ضرورتاً لکھتا ہوں، معلومات بھی نہیں ہیں اور کتابیں بھی کم ہیں۔ یہ اتحاد ایک تاریخی فتنہ ہے اور ایسا کبھی بھی نہیں ہوا۔ یہاں ہمارے قریبی امام باڑہ میں مولوی محمد حسین ڈھکو آف سرگودھا نے اپنی تقریر میں کہا کہ خدا کرے یہ سنی، شیعہ اتحاد قیامت تک رہے، وہ اشارتاً میری تقریروں کا جواب بھی دیتا رہا۔ پھر میں نے بھی اس کی تردید کردی، ایسی خوشی شیعوں کو

اسلام کی تاریخ میں غالباً کبھی نہیں ہوگی کہ بُلا کر سنی علماء شیعوں کی اپنی مساجد میں تقریریں کروا رہے ہیں۔ حالانکہ شیعہ عقیدہ امامت ختم نبوت کے بالکل منافی ہے۔ اور نہ ایسی اضطراری حالت ہے کہ شیعوں کو مسئلہ ختم نبوت کے حل کے لیے اس طرح ساتھ ملایا جائے کہ مسجد اور امام باڑہ میں فرق ہی ختم ہو جائے۔ یہ مسئلہ آئینی طرز پر حل ہو رہا ہے اور اس کا یہی کامیاب راستہ ہے اور امید ہے کہ قومی اسمبلی مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دے گی۔ وما ذالك علی اللہ بعزیز۔ جھاٹلہ کی سنی کانفرنس ماشاء اللہ کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی۔ کوٹ ادو میں بہت تھوڑی مدت کا کورس کروایا جا رہا ہے کم از کم ایک سال یا چھ مہینے میں فارغ التحصیل علماء کو مناظرہ سکھانا چاہیے شیعہ مجتہدین نوجوان علماء کو مناظرے کی تربیت دیتے ہیں۔ بندہ کی خواہش ہے کہ مستقل طور پر کوئی ایسا دارالمبلغین ہو جو سارے پاکستان کو مناظر اور مبلغ بھیج سکے۔ واللہ الموفق۔

والسلام خادم اہل سنت
الاحقر مظہر حسین غفرلہ
مدنی جامع مسجد چکوال
۲۹ رجب ۱۳۹۴ھ

(۳۷)

جناب حضرت مولانا محمد نافع صاحب زید فیضہم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

کتاب کی مصروفیت کی وجہ سے جواب میں تاخیر ہو جاتی ہے، ماشاء اللہ آپ نے بڑی محنت سے مسند ابن حنبل رحمہ اللہ کی طرف منسوب روایت تلاش فرمائی ہے۔ مرقات میں جو مناقب سے متعلق روایت ہے وہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے بارہ میں ہے، میں نے اس کا ذکر ہی نہیں کیا۔ جواب الجواب میں میری کوشش یہ ہوتی ہے کہ روایات کی حتی الامکان تاویل کر دی جائے۔ کیونکہ مسئلہ ماتم یہ عوامی موضوع ہے کہیں قارئین کو شبہات نہ پڑ جائیں کہ روایات کا زیادہ انکار ہی کیا جا رہا ہے۔ اور روافض کا استدلال بے سروپا روایات سے ہی ہوتا ہے۔ اور اہل سنت کی بعض کتابوں میں روافض کے تصرفات بہت ہیں۔ کتاب ''سر الشہادتین'' جو لاہور کے شیعوں نے شائع کی ہے وہ نسخہ دستیاب ہو گیا ہے، روافض تو اپنے جھوٹے مشن کی اشاعت وحفاظت کے لیے اتنی محنت کر رہے ہیں اور ان کے مقابلہ میں ہمارے سُنی علماء حضرات عموماً اس پہلو سے مذہب اہل سنت کے تحفظ سے بالکل غافل ہیں۔

ہمارے پاس انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ میں پھیلانے کے لیے سنی لٹریچر حسب ضرورت نہیں ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس فتنہ کی معلومات عطا فرمائی ہیں، آپ اپنا سلسلۂ تصانیف وسیع فرمائیں۔ اور عام فہم لٹریچر شائع کریں۔ ''النجم'' کے جو فائل ہمارے پاس ہیں وہ آپ کو ان شاء اللہ کتاب کی اشاعت کے بعد بھیج دوں گا۔ میرا مطالعہ تو حسب ضرورت ہوتا ہے اور نسیان بھی کافی ہے۔ صرف دن میں لکھتا ہوں، رات کو آنکھوں پر اثر پڑتا ہے۔ آپ کتاب کی اشاعت کے لیے دعا فرماتے رہیں۔ آپ کا وجود غنیمت ہے۔ مولانا قاری شیر محمد صاحب نے لاہور سے لکھا ہے کہ آپ کو کتاب ''فلاح الکونین'' مطلوب ہے۔ ان شاء اللہ بھجوا دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اہل سنت کو ہر محاذ پر کامیابی نصیب فرمائیں آمین۔

والسلام۔ خادم اہل سنت الاحقر مظہر حسین غفرلہٗ
مدنی جامع مسجد چکوال
۲۷ صفر ۱۳۹۴ھ، یوم الجمعہ

## (۳۸)

حضرت مولانا المکرم زید فیضھم۔
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

گرامی نامہ مع تحقیق سوال سوم موصول ہوا، جزاکم اللہ تعالیٰ۔ ان شاء اللہ حسب فرصت جواب لکھ دوں گا۔ مصروفیت زیادہ ہے اور دن تھوڑے ہیں، تکمیل کے لیے دعا فرما دیں۔ آمین۔ بندہ کی رائے یہ ہے کہ آپ ایک مستقل رسالہ ''سر الشہادتین'' کے متعلق لکھیں تاکہ اہل سنت اس فریب سے کچھ بچ سکیں۔ وقت کی قلت کی وجہ سے مزید نہیں دیکھ سکا کہ حضرت مولانا عبد الشکور لکھنویؒ نے کہیں اس کے متعلق کچھ لکھا ہے یا نہیں؟ مولانا عبد الشکور حنفی مرزا پوری نے اپنے رسالہ ''دشمنان حسینؓ'' میں اس کے متعلق یہ لکھا ہے کہ ''مابہٗ النزاع سر الشہادتین کا ذکر ہی فضول ہے''۔ اللہ تعالیٰ آپ کی زیر تالیف کتاب ''رحماء بینھم'' کی تکمیل و اشاعت کی جلد توفیق عطا فرمائیں آمین۔ ہمارے ہاں رد شیعہ میں تالیف و تصنیف کا سلسلہ اب تقریباً ختم ہے۔ حق تعالیٰ آپ کے ذریعہ اس شعبہ کو ترقی عطا فرمائیں گے ان شاء اللہ۔ بندہ تو حسب ضرورت کچھ لکھ لیتا ہے۔ ان شاء اللہ اپنی کتاب ''بشارت الدارین'' کی تکمیل کے بعد آپ سے ملاقات کروں گا۔ آپ کی تحریرات نقل

کر کے واپس بھجوا رہا ہوں۔

والسلام

خادم اہل سنت الاحقر مظہر حسین غفرلہٗ

مدنی جامع مسجد چکوال ۲۸ ذوالحجہ ۱۳۹۳ھ

## (۳۹)

حضرت مولانا المکرم زید مجدہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ گرامی نامہ موصول ہوا۔ طالب خیر بخیر ہے۔ رسالہ ''حادثہ کربلا'' ارسالِ خدمت کر رہا ہوں۔ جس پر مولانا ندوی کی تقریظ ہے۔ نیز ''داستانِ کربلا'' بھی ارسال ہے۔ جو ڈاکٹر احمد حسین کمال کا مولفہ ہے، یہ ڈاکٹر احمد حسین کمال ''ترجمان اسلام'' کا ایڈیٹر رہا ہے جو کسی طرح قابل اعتماد نہیں اور جمعیت کے دور سے بندہ اس سے اچھی طرح واقف ہے۔ ''حادثہ کربلا'' کا یہی نسخہ اپنے پاس ہے جو پیش خدمت ہے۔ ہم مزید نسخے کراچی سے منگوانے کی کوشش کریں گے۔ اگر اور مل گیا تو پھر یہ آپ اپنے پاس ہی رکھ لیں۔ آپ نے جو اپنی کتاب میں یزید کے متعلق کچھ لکھا ہے اس کی نقل اگر بھیج سکیں تو میں استفادہ کروں گا۔ ممکن ہے اس پر اپنی رائے بھی عرض کرسکوں۔ میرے نزدیک تو مودودیت اور عباسیت دونوں ہی اہل سنت کے لیے فتنے ہیں۔ گو راہیں ان کی جدا جدا ہیں۔ ''محمودیت'' کے لفظ میں معنوی طور پہ تعریف کا پہلو نکلتا ہے۔ بظاہر اس کی یہ اصطلاح درست نہیں ہے۔ لہٰذا بندہ اس کو عباسیت سے تعبیر کرتا ہے گو یہاں بھی حضرت عباس کی نسبت پائی جاتی ہے، لیکن اس کے بغیر چارہ نہیں۔ یزید کے بارہ میں آپ نے جو فرمایا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ صحابہؓ اس کی طرف تھے تو بندہ تو اس کے بارہ میں علامہ ابن خلدون کی تطبیق کو مستحسن سمجھتا ہے جو کہ مقدمہ ابن خلدون میں مذکور ہے یعنی صحابہ کرامؓ کی بیعت یا عدم بیعت اھون البلیتین پر مبنی تھی۔ عموماً اکابر امت یزید کے فسق کے قائل ہیں۔ لیکن لعن و تکفیر میں اختلاف ہے۔ اس میں احتیاط لازم ہے۔ میں نے ''بشارت الدارین'' میں جواب الجواب کے طور پر لعن یزید پر مختصر بحث درج کر دی ہے۔ واللہ اعلم۔ خلافت و ملوکیت سے متعلق مودودی صاحب کے جواب میں اختصار سے کام نہ لیں۔ کیونکہ اس موضوع پر تفصیلی بحث کی ضرورت ہے تاکہ اس کتاب سے جو لوگوں پر غلط اثرات پڑے ہیں ان کا ازالہ ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہم سب کو اتباع سنت اور خدمتِ اہل سنت کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

والسلام۔ خادم اہل سنت

الاحقر مظہر حسین غفرلہٗ۔ مدنی جامع مسجد چکوال

۱۸ جمادی الثانی ۱۳۹۵ھ

(۴۰)

حضرت مولانا المکرم زید مجدہم۔

(۱) السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ گرامی نامہ موصول ہوا، طالب خیر بخیر ہے۔ مصروفیات وعوارض کی بناء پر جواب میں تاخیر ہوگئی ہے۔ چکوال کے حادثہ (مسجد کی بے حرمتی اور لاٹھی چارج) کے خلاف ہم نے ہائی کورٹ لاہور میں استغاثہ کر دیا ہے کامیابی کے لیے دعا فرمائیں۔ آمین

(۲) کلمۂ اسلام کے متعلق جو رٹ ہائی کورٹ میں دائر ہے اس کی کاپیاں آئی ہیں، اس میں تعجیل سے کام لیا گیا ہے اور سیاست ہی غالباً درکار ہے۔ میں نے اپنے وکیل میاں محمد یٰسین صاحب وٹو کو اس باب میں اپنا اشکال یہ بتایا کہ ہائی کورٹ نے تو آئینِ پاکستان کے مطابق فیصلہ کرنا ہے اور آئین پاکستان میں کلمۂ اسلام متعین نہیں ہے اس لیے ہم یہ جواب دے سکتے ہیں کہ قومی اسمبلی میں مسئلہ حل کرایا جائے۔ اللہ اعلم۔ فی الحال تو مذکورہ رٹ کی تاریخ پیشی نہیں بتائی گئی۔ ویسے اندازہ یہ ہے کہ ''رہنمائے اساتذہ'' حکومت واپس لے لے گی۔ شیعوں کا خود ساختہ کلمہ حکومت کے لیے پہلے ہی پریشانی کا سبب بن رہا ہے۔ اور الحمد للہ اس بنیادی مسئلہ پر اہل سنت زیادہ بیدار ہو رہے ہیں۔ روافض نے اپنا کفر خود ہی ظاہر کر دیا ہے، جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہے۔

(۳) شیخین صابر بندہ کے نزدیک قابل اعتماد نہیں ہے۔ ایک تو وہ عباسی ذہنیت کا آدمی ہے، دوسرے اقتدار پسند بھی لگتا ہے، کلمۂ اسلام کی رٹ میں ان کا کوئی خاص دخل نہیں ہے، نمائشی طور پہ ساتھ لگا ہوا ہے، وہ خود ایک نئی جماعت کا نام شائع کر کے خود ہی اس کا جنرل سیکرٹری بن جاتا ہے۔ چنانچہ اب اس کی چٹھی آئی ہے جس پر ''اسلامی سنی سنٹر'' کا بطور جنرل سیکرٹری اپنے متعلق درج کر رکھا ہے۔ شیر انوالہ مرکز میں ۲۹ مارچ کو مجوزہ سنی کنونشن کا بندہ کو بھی دعوت نامہ آیا ہے یہ وہ جماعت ہے جو تنظیم اہل سنت سے جدا ہوئی ہے، اس کے صدر مولانا عبد الشکور صاحب دین پوری اور ناظم اعلیٰ مولانا عبد المجید ندیم بنے ہوئے ہیں۔ تنظیم اہل سنت کے سربراہ مولانا نور الحسن شاہ صاحب بخاری نے جو نصاب دینیات کی ابتداء میں تائید کر دی اور ''راہنمائے اساتذہ'' کے حصۂ اہل سنت کے یہ مصنف بھی ہیں، تو یہ ان کی تاریخی غلطی ہے، کوئی معمولی نہیں۔ لیکن انہوں نے جتنے ٹریکٹ شائع کیے ہیں سب میں اپنی صفائیاں دے رہے ہیں۔ حالانکہ ایسی عظیم غلطی پر واضح معافی کا اعلان کرنا چاہیے تھا، تنظیم کے موجودہ صدر حضرت مولانا عبد الستار صاحب تونسوی ہیں جن کو ہم اپنے جلسوں میں مدعو کرتے رہتے ہیں، اور ان کو ان کی شخصیت کی بناء پر دعوت دی جاتی ہے نہ کہ تنظیم کی وجہ سے۔ میرا مزاج یہ ہے کہ میں جماعتی پالیسی میں نرمی بالکل پسند نہیں کرتا، کیونکہ عموماً اہل حق کی جماعتیں نرم پالیسی کی وجہ سے ناکام ہوئی ہیں۔ اہل سنت کے لیے تو ایک مستقل جماعتی

پالیسی کی ضرورت ہے جس کے تحت مودودیوں اور شیعوں سے بالکل اتحاد واشتراک روا نہ رکھنا چاہیے۔ ہم خدام اہل سنت اسی پالیسی پر قائم ہیں، دعا فرماتے رہا کریں کہ اللہ تعالیٰ خلوص نیت کے ساتھ خدمت اہل سنت کی توفیق عطا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی ''رحماء بینھم'' کی محنت قبول فرمائیں۔ بندہ تا حال مصروفیت کی وجہ سے مکمل نہیں پڑھ سکا۔

والسلام۔ مظہر حسین غفرلہ
۳، ربیع الاول ۹۳ ۱۳ھ

(۴۱)

حضرت مولانا المکرم زیدہ مجدہم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ موصول ہوا۔ طالب خیر بخیر ہے۔ الحمد للہ کتاب ''بشارت الدارین'' شائع ہو گئی ہے۔ آنجناب کی خدمت میں دفتر سے بھیج دی گئی ہوگی۔ اُس وقت کتابت وطباعت کی جلدی تھی اس لیے مسودہ کسی عالم کو نہ دکھا سکا، لیکن باوجود اس کے طباعت میں تاخیر ہو گئی ہے۔ اصلاحِ نظر فرما کر اپنے ارشادات سے مطلع فرمائیں۔

''آفتاب ہدایت'' کا جواب ڈھکو شیعہ مجتہد نے ''تجلیاتِ صداقت'' کے نام سے لکھا ہے جو مجھے ''بشارت الدارین'' کی تکمیل کے بعد ملا۔ اس پر حسب ضرورت مختصر جواب لکھ کر آخر میں شامل کر دیا گیا ہے اور علیحدہ بھی چھاپنے کا ارادہ ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ مفصل جواب لکھنے کے لیے وقت چاہیے۔ ارادہ ہے کہ ''آفتاب ہدایت'' کے حواشی میں اس کا مفصل جواب دے دیا جائے۔ واللہ الموفق۔ ❶

---

❶ صاحب مکتوب علیہ الرحمۃ کے والد گرامی ابو الفضل مولانا کرم الدین دبیرؒ کی مشہور زمانہ کتاب ''آفتاب ہدایت رد رفض وبدعت'' ہے جس کی اشاعت کے چالیس سال بعد شیعوں کے مجتہد مولوی محمد حسین صاحب ڈھکو نے ''تجلیات صداقت'' لکھی اس کا مختصر جواب تو حضرت اقدس قاضی صاحبؒ نے ''ایک اجمالی نظر'' کے نام سے لکھ دیا تھا مگر مفصل جواب لکھنے کی فرصت نہ مل سکی تھی، اس کا مکمل و مدلل جواب سلطان العلماء علامہ ڈاکٹر خالد محمود نے دو مجلدات میں ''تجلیاتِ آفتاب'' کے نام سے لکھ کر شائع کیا ''آفتاب ہدایت'' کتاب پر ایک مفصل مقدمہ احقر کو بھی لکھنے کا شرف حاصل ہوا جسے ادارہ مظہر التحقیق لاہور نے بہت خوبصورت انداز میں شائع کیا ہے۔ علاوہ ازیں حضرت مولانا کرم الدین دبیرؒ کی حیات و خدمات پر احقر نے دو جلدوں میں کتاب لکھی ہے جو بحمد اللہ شائع ہو چکی ہے۔ اسی طرح مکتوب ہذا میں جو ''بشارت الدارین بالصبر علیٰ شہادت الحسینؓ'' کتاب کا ذکر ہے اسے بھی طبع ثانی کے طور پر احقر کے مقدمہ و حواشی کے ساتھ شائع کیا جا چکا ہے الحمد للہ علیٰ ذالک۔ سلفی

مسئلہ خلافت پر بھی میرا کتاب لکھنے کا ارادہ ہے۔ اس موضوع پر شیعوں کی تو متعدد کتب موجود ہیں مگر اہل سنت کی کوئی نئی کتاب شائع نہیں ہوئی۔ مفتی محمد یوسف صاحب مودودی کی کتاب ''علمی جائزہ'' کا جواب دو سال سے ''علمی محاسبہ'' کے نام سے لکھا ہوا ہے۔ آخر میں عصمت انبیاء کی کچھ بحث باقی رہ گئی تھی، مگر اس کے لیے فراغت میسر نہ آسکی۔ خدا کرے کہ یہ کتاب بھی جلد مکمل ہو کر شائع ہو سکے کیونکہ مودودیت کا لٹریچر دھڑا دھڑ شائع ہو رہا ہے۔ ❶ شیعہ نصاب کا مرحلہ ابھی باقی ہے۔ اس کے خلاف ''غیر منصفانہ فیصلہ'' حضرت مولانا محمد اسحق صاحب صدیقی (کراچی) کا رسالہ ''سرکاری مدارس میں شیعہ مذہب کی تعلیم'' اور ماہ نامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک کا ایک مضمون ملک بھر میں تقسیم کیا جا رہا ہے۔ اب نویں، دسویں کلاسوں میں شیعہ نصاب کا انتظار ہے۔ اس کے دیکھنے کے بعد ہی کوئی بیان دیا جاسکتا ہے۔ افسوس ہے کہ تنظیم اہل سنت کے مولانا سید نور الحسن شاہ صاحب نے حکومت اور شیعوں کے مابین نصابی سمجھوتہ کے تحت مرتب ہونے والے نصاب کی تائید شائع کرادی۔ اور اس بارے میں اہل سنت کو ہدیہ تبریک پیش کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ خلافت راشدہ کانفرنس کا علم اسی ٹریکٹ پر شائع شدہ اشتہارات کے ذریعے ہوا تھا۔ معلوم ہوا ہے کہ ملتان میں مجوزہ یہ کانفرنس ہو چکی ہے اگر آپ اس میں تشریف لے گئے ہیں تو حالات سے مطلع فرمائیں۔ ''نصاب شیعہ'' کے متعلق چونکہ شاہ صاحب اور ہمارے موقف میں فرق بلکہ تضاد تھا، اس لیے اس مسئلہ پر مشترکہ جدوجہد نہ ہو سکی۔ شیعہ فرقہ مرزائیت سے اپنی نوعیت میں زیادہ خطرناک ہے، جو آپ پر مخفی نہیں ہے۔ غالباً آپ کو معلوم ہو چکا ہوگا کہ لاہور میں سنی، شیعہ طلبہ کی ایک اتحادی تنظیم بھی قائم ہو چکی ہے۔ ان کی چٹھی مجھے بھی آئی تھی میں نے اس کا تردیدی جواب لکھ کر بھیج دیا اور وہ خط مع اضافات اب الگ سے شائع کرنے کا ارادہ ہے۔ ہمارے سنی مدارس میں شیعہ، سنی تقابل کے طور پر کوئی تعلیم نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ دورۂ حدیث کے بعد بھی نوجوان علماء بالکل لاعلم ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس شیعہ معمولی طالب علم، بلکہ ذاکر بھی اختلافی مسائل کو خوب جانتا ہے اللہ تعالیٰ سنی علماء حضرات کو احساس عطا فرمائیں آمین۔ اور اہل سنت کو ہر محاذ پر کامیابی نصیب فرمائیں۔ لاہور ہائی کورٹ سے ہماری عبوری ضمانت ہوئی ہے۔ اب تک تو اللہ تعالیٰ کی نصرت خوب شامل احوال رہی ہے اور آئندہ بھی بطفیل صحابہ کرامؓ امید ہے۔ آپ دعاؤں کا اہتمام فرمائیں۔

والسلام۔ خادم اہل سنت مظہر حسین غفرلہٗ
مدنی جامع مسجد چکوال
۴، جمادی الاولیٰ ۱۳۹۵ھ

---

❶ ''علمی محاسبہ'' نہایت علمی، تحقیقی اور معلوماتی کتاب ہے جو اس زمانہ میں شائع ہوگئی تھی، دوسرا اڈیشن ملتان سے اور پھر تیسرا اڈیشن احقر کے مختصر مقدمہ کے ساتھ ادارہ مظہر التحقیق لاہور نے بھی شائع کر دیا ہے۔ سلفی

(۴۲)

حضرت مولانا المکرم زید فیضہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ...... طالب خیر بخیر ہے۔

حوصلہ افزائی اور راہنمائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ روایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ان کی جرح میں ان شاء اللہ حسب ضرورت دوسرے اڈیشن میں اضافہ کر دیا جائے گا۔ ''کتاب المناقب'' کی روایت پہ خود ہی نقد پیش کیا تھا کیونکہ مخالف نے اس کا حوالہ نہیں دیا تھا اور اس احتمال پر کہ ممکن ہے یہ روایت مسند احمد میں ہو، اس دوسرے پہلو سے نقد کر دیا۔ آپ نے بھی اس کو تلاش کیا تھا، بندہ نے یہ بعد میں خریدی مگر اتنی فراغت نہیں تھی کہ اس کے مزید حوالے تلاش کرتا۔ بندہ کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ حتی الوسع مخالف کی پیش کردہ روایت کی تاویل و توجیہہ کر کے جواب دیا جائے۔ کیونکہ نقد وغیرہ کی بناء پر تردید علمی رُو سے تو صحیح ہوتی ہے لیکن عوام پر مخالف اثر پڑ جاتا ہے کہ دیکھیں جی فلاں بزرگ کی فلاں کتاب کی فلاں روایت کا انکار کر دیا۔ اور ویسے کتب اہل سنت میں مخالفین کی طرف سے تحریف کا بڑا دخل معلوم ہوتا ہے۔ اہل سنت سے اس پہلو سے غافل رہے ہیں۔ اور روافض نے تقیہ سے کام لے کر ایسے تصرفات کر لیے ہیں اور اب تو سنی علماء اس شیعی فتنے کی تردید میں ہی غافل ہو کر رہ گئے ہیں۔ اور وہ اس موضوع کو اپنی علمی شان سے فروتر سمجھتے ہیں الا ماشاء اللہ۔ بندہ نے تو مجبوراً قلم اٹھایا ہے۔ ماشاء اللہ آپ جیسے حضرات موجود ہیں۔ ''بشارت الدارین'' میں کوئی ایسا مقام نہ آ گیا ہو جو خلاف حق ہو اس لیے مزید اصلاح مطالعہ فرما کر مجھے آگاہ کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی تصنیف ''رحماء بینھم'' کو قبول فرمائیں آمین۔ آپ مودودی صاحب کی خلافت وملوکیت کا حوالہ دے کر مطاعن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جوابات دیں تو زیادہ اچھا ہوگا۔ حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب صدیقی کو ردشیعیت میں خاص انہماک ہے۔ اور اس فتنہ کا تعاقب بھی خوب کر رہے ہیں۔ لیکن مقام افسوس یہ ہے کہ وہ محمود احمد عباسی کے نظریہ یزید کے پورے حامی ہیں۔ اور عباسی پارٹی ان کے سہارے اپنا کام آگے بڑھا رہی ہے۔ انہی دنوں کراچی سے ایک ٹریکٹ ''حادثہ کربلا'' موصول ہوا ہے۔ جس پر مولانا موصوف کی تقریظ ہے۔ اور اس میں وہی عباسی ذہن نقش ہے۔ خدا جانے آپ کی یزید کے بارے میں کیا رائے ہے؟ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ اور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ وغیرہ اکابر تو اسے یزید پلید اور فاسق تک لکھتے ہیں۔ اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ سے لے کر امام اہل سنت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمہ اللہ تک جن اکابر کی تصانیف کا مطالعہ کرنے کی مجھے توفیق نصیب ہوئی ہے ان میں کوئی تحریر بندہ کو

یزید کی منقبت میں نہیں ملی۔ البتہ شیعوں کو الزامی جوابات دینے میں اس کی صفائی کا پہلو نکلتا ہے، تحقیقی طرز پر نہیں۔ بہرحال بندہ کے نزدیک عباسیت ایک زبردست فتنہ ہے جو اہل سنت کا موقف مجروح کررہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل سنت کو ہر محاذ پر کامیابی نصیب فرمائیں۔ آمین

خادم اہل سنت مظہر حسین غفرلہٗ
مدنی جامع مسجد چکوال
۵، جمادی الثانیہ ۱۳۹۵ھ

## (۴۳)

حضرت مولانا المکرم زید فیضہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ......آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا۔

(۱) طالب خیر بخیر ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کاملہ عطا فرمائیں۔ آمین حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دفاع میں آپ کی تصانیف قابل قدر ہیں۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔ سیرت سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ طبع ہونے پر ضرور ارسال فرمائیں۔ آج کل بندہ کی صحت بھی کمزور ہے زیادہ محنت نہیں کرسکتا۔ حضرت والد صاحب ابوالفضل مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی کتاب ''آفتاب ہدایت'' کا جواب مولوی محمد حسین ڈھکو نے بنام ''تجلیات صداقت'' شائع کیا تھا، مختصر جواب تو میں نے اسی وقت دے دیا تھا جس میں اس کے جھوٹ ثابت کیے گئے تھے۔ اب اس نے دو جلدوں میں دوسرا اڈیشن بھی شائع کردیا ہے لیکن میں عوارض ومصروفیات کی وجہ سے تاحال مفصلاً اس کا جواب ابھی نہیں لکھ سکا۔ فتنۂ خارجیت کے پیش نظر ان کے رد میں ''خارجی فتنہ'' حصہ اول و دوم، کشفِ خارجیت اور دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کتابیں کی ہیں، تجلیات یعنی خرافات کے جواب میں فرصت نہ مل سکی۔ حالانکہ اس کا جواب ضروری ہے۔ اور پختہ ارادہ بھی ہے۔ حق تعالیٰ اپنی رضا کے مطابق جواب لکھنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

(۲) ایک اشکال ''آفتاب ہدایت'' کی ایک عبارت کے متعلق یوں ہے کہ میرے والد صاحب گرامی نے ''رجال کشی'' مطبوعہ بمبئی صفحہ ۲۰ کے حوالہ سے بعنوان ''فضائل اصحاب ثلاثہ کا ثبوت کتب شیعہ سے'' کے تحت بریدہ اسلمی کی روایت لکھی ہے کہ ''قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان الجنۃ مشتاق الي ثلاثہ فجاء ابوبکر فقال انت الصدیق انت ثانی اثنین اذھما فی الغار فلو سئالت رسول اللہ عن ھؤلاءِ الثلاثہ'' اس کا ترجمہ یہ لکھا ہے: ''بریدہ اسلمی نے مجھے بتایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، فرمایا بہشت تین اشخاص کی مشتاق ہے۔ اتنے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ آگئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

توصدیق ہے تو دوسرا دو کا ہے جو غار میں تھے۔ راوی کہتا ہے کاش میں حضور ﷺ سے پوچھتا کہ ''تین کون ہیں''۔ اس کے جواب میں ڈھکو نے لکھا ہے کہ بمبئی کے نسخہ میں ''قال'' کی جگہ ''قیل'' ہے اور ''آفتاب ہدایت'' میں نقل کرتے ہوئے بددیانتی کی گئی ہے۔ اب معلوم نہیں ہے کہ حضرت والد صاحب نے رجال کشی کا کونسا نسخہ دیکھا تھا یا ممکن ہے اصل کتاب کی بجائے کسی دوسرے مصنف کی کتاب سے اخذ کیا ہو، کیونکہ فی الحال مجھے اپنے والد صاحب مرحوم کے کتب خانہ میں سے ''رجال کشی'' کا کوئی نسخہ نہیں مل رہا۔ کیا آپ کے پاس مذکورہ کتاب کا کوئی ایسا نسخہ ہے جس میں قیل کی بجائے ''قال'' درج ہو؟ اس کی تحقیق مطلوب ہے۔ اتنا تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ دربار رسالت میں جس نے بھی کہا ہے اس سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا صدیق اور یار غار ہونا تو ثابت ہو گیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے نکیر نہیں فرمائی۔ لیکن کسی نسخے سے اگر والد صاحب گرامی کی منقولہ عبارت ثابت ہو جائے تو معاملہ صاف ہو جاتا...... آپ خود تو آج کل مصروف ہوں گے، کسی شاگرد کے ذریعہ اس روایت کی تحقیق فرمالیں۔ میری آنکھوں میں بھی موتیا آرہا ہے جس کی وجہ سے رات کو لکھ پڑھ نہیں سکتا۔ دن کی روشنی میں ہی کچھ لکھ لیتا ہوں۔ حق تعالیٰ آپ کو اور ہمیں اپنی مرضیات کی توفیق دیں اور اہل سنت والجماعت کو ہر محاذ پر کامیابی عطا فرمائیں آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ۔

(نوٹ) غلام حسین نجفی بہت زیادہ کذاب اور بدگو ہے۔ اس کی دیگر کتابیں بھی آپ قاری شیر محمد صاحب کے ذریعے لاہور سے منگوا سکتے ہیں۔

والسلام۔ خادم اہل سنت مظہر حسین غفرلہ
مدنی جامع مسجد چکوال ۷ فروری ۱۹۹۰ء

(۴۴)

حضرت مولانا المکرم زید مجدہم۔
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

(۱) آپ ماشاء اللہ کتب شیعہ کی کافی معلومات رکھتے ہیں۔ میرے رسالہ ''ہم ماتم کیوں نہیں کرتے؟'' کا جواب شیعوں نے بنام ''فلاح الکونین فی عزاء الحسین رضی اللہ عنہ'' شائع کیا ہے، جس کا جواب لکھ رہا ہوں۔ ارادہ ہے کہ محرم تک چھپ جائے۔ واللہ الموفق۔ اس میں مصنف نے ''سر الشہادتین'' حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کی عبارتیں بھی لکھی ہیں۔ اس کا ترجمہ ''تحریر الشہادتین'' بھی ہے۔ آپ سے یہ تحقیق مطلوب ہے کہ کیا یہ رسالہ واقعی حضرت شاہ صاحب کا ہے؟ اگر ہے تو کیا اس کی عبارتیں الحاقی ہیں؟ اور اگر کسی اور محقق سنی عالم نے اس پر کلام

• کیا ہے تو ان کا نام مع تصنیف تحریر فرمائیں۔

(۲) میرے پاس لکھنؤ کی مطبوعہ ''الکافی'' کے ٹائٹل پر ''ھذا کافٍ لِشیعتنا'' امام غائب کی طرف منسوب کر کے لکھا ہے۔ مصنف ''فلاح الکونین'' نے لکھا ہے کہ یہ مطبع والوں نے لکھا ہے۔ دوسری مطبوعات میں درج نہیں ہے اور اس کی صحت سے انکار کیا۔ اگر آپ کے پاس اس کی کوئی تحقیق ہو تو مطلع فرمائیں۔ امید ہے کہ توجہ فرمائیں گے۔ جوابی لفافہ مرسل خدمت ہے۔

والسلام۔ خادم اہل سنت الاحقر مظہر حسین غفرلہٗ
مدنی جامع مسجد چکوال ۲۸ ذیقعدہ ۱۳۹۳ھ

(۴۵)

حضرت مولانا المکرم زید مجدہم۔
وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

(۱) عنایت نامہ موصول ہوا۔ کتاب کا جو حصہ لکھا جا چکا ہے وہ کتابت کے لیے آج کل بھیجنے کا ارادہ ہے۔ اس میں ''سر الشہادتین'' اور ''تحریر الشہادتین'' کے حوالوں کی بحث بھی ہے۔ ''تحریر الشہادتین'' کی تو میں نے تردید کر دی۔ متن پہ بحث نہیں کی۔ اگر آپ اس کے متعلق اپنی تحقیق روانہ کر دیں تو شاید وہ حصہ لکھنے تک ہم اصلاح کر کے وہ جزو کاتب کو بھیج سکیں۔

(۲) کافی کے ٹائٹل کے الفاظ ''ھذا کافٍ لِشیعتِنا'' کی تحقیق بعد میں بھیج دیں وہ بحث ابھی نہیں آئی۔ آپ کا پہلے مجھے تعارف نہ تھا، بعض علماء اور آپ کے تلامذہ نے ذکر کیا۔ اور اگلے دن قاری شیر محمد ساکن جھاٹلہ ضلع کیمبلپور نے بھی بتایا کہ (وہ آپ کے شاگرد ہیں) آپ حضرت مدنی قدس سرہ کے شاگرد ہیں تو اور زیادہ خوشی ہوئی۔ ❶

والسلام۔ خادم اہل سنت مظہر حسین غفرلہٗ
مدنی جامع مسجد چکوال ضلع جہلم
۱۳ ذوالحجہ ۱۳۹۳ھ

---

❶ تعارف کے ابتدائی دنوں میں حضرت اقدسؒ کو غلط فہمی کی بنیاد پر بتایا گیا ہوگا کہ آپ حضرت مدنی رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں، وگرنہ مولانا محمد نافع رحمہ اللہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے براہ راست شاگرد نہیں تھے، کیونکہ جس زمانہ میں مولانا محمد نافع رحمہ اللہ دار العلوم دیوبند میں شریک دورۂ حدیث تھے، تب حضرت مدنی رحمہ اللہ سلہٹ میں پابندِ سلاسل تھے، اور کتاب ہذا میں اس کی تفصیل کئی ایک مقامات پر گزر چکی ہے۔ سلفی

(۴۶)

بخدمت حضرت مولانا المکرم زید فضلہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ طالب خیر بخیر ہے۔ آپ کی تصنیف ''سیرت سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'' مع گرامی نامہ وصول ہوگئی تھی۔ جواب میں بہت زیادہ تاخیر ہوگئی ہے۔ جس پر معذرت خواہ ہوں۔ کتاب کا فی الحال بالاستیعاب مطالعہ نہیں کرسکا۔ ضعف کی وجہ سے کام نہیں کرسکتا۔ بعض مقامات دیکھے ہیں اور عنوانات پر سرسری نگاہ ڈالی ہے۔ ماشاء اللہ آپ کی کتاب موضوع پر جامع کتاب ہے۔ مشاجرات کے سلسلہ میں آپ نے اہل سنت والجماعت کا موقف ہی پیش کیا ہے۔ جو باعث اطمینان ہے۔ بندہ ناکارہ آپ سے حُسن ظن رکھتا ہے اور آپ کی تصانیف کی قدر کرتا ہے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔ مشاجرات کے مسئلہ میں آج کل افراط وتفریط پائی جاتی ہے۔ دور حاضر کی خارجیت کے امام محمود احمد عباسی کی تصانیف سے کئی اہل علم متاثر ہورہے ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطاء کو تسلیم کرنے کو بھی سبائیت قرار دینے لگے ہیں۔ مولانا قاضی شمس الدین صاحب مرحوم سے میری اس مسئلہ میں بحث تھی۔ اور آج کل مولوی ابوریحان عبدالغفور سیالکوٹی کی کتاب ''سبائی فتنہ'' زیر بحث ہے جو ماہ نامہ حق چاریارؓ میں قسط وار جاری ہے۔ آپ اگر مطالعہ کرسکیں تو قابل اصلاح عبارات سے مطلع فرمادیا کریں۔ اللہ تعالیٰ اتباع وتبلیغ حق کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ اگر آپ کی اس کتاب میں بندہ کی نزدیک کوئی بات قابل اصلاح ہوئی تو عرض کردوں گا۔ جنگ جمل کے تذکرہ میں آپ نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر معترضین نے یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ سفر انہوں نے بغیر شرعی محارم کے کیا تھا۔ اور محرم ان کے ساتھ نہیں تھے فلہٰذا یہ سفر عندالشرع صحیح نہیں۔ آپ نے اس اعتراض کے ازالہ میں لکھا ہے کہ:

اس طعن کے جواب میں گزارش کی جاتی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ سفر ایک نیک مقصد کے لیے تھا اور شرعی محارم آپ کے ساتھ تھے۔ علماء نے اس بات کی وضاحت کردی ہے کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے خواہر زادے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ساتھ تھے اور آپ کے بہنوئی حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ جو حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ کے شوہر ہیں وہ بھی ساتھ تھے۔ اور اسی طرح تیسرے محرم حضرت طلحہ بن عبیداللہ جو ان کی بہن ام کلثوم بنت ابی بکر کے شوہر ہیں، وہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ اور ان دو بہنوئیوں کی اولادیں بھی ساتھ دیں۔ (صفحہ نمبر ۲۸۴)''

اس میں تسامح یہ پایا جاتا ہے کہ بہنوئی شرعاً محرم نہیں ہے۔ کیونکہ شرعی محرم تو وہی ہے جس سے کبھی نکاح نہ ہوسکے جبکہ بہن کی وفات یا طلاق کے بعد بہنوئی سے نکاح ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہم سب کو اپنی مرضیات

کی توفیق دے دیں۔ اور اہل سنت والجماعت کو ہر محاذ پر کامیابی نصیب فرمائے۔

والسلام

خادم اہل سنت مظہر حسین غفرلہٗ، مدنی جامع مسجد چکوال

۲۰ محرم الحرام ۱۴۱۳ھ

(۴۷)

# مکاتیب حضرت مولانا اللہ یار خان رحمہ اللہ

## بنام

## حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ

بگرامی قدر جناب حضرت مولانا مولوی محمد نافع صاحب زید مجدکم

السلام علیکم۔ مزاج مقدس؟

ردروافض میں میری دوسری کتاب ''الدین الخالص'' طبع ہو کر آ گئی ہے۔ یہ ''تحذیر المسلمین عن کید الکاذبین'' سے بڑی ہے اور اس کے لکھنے کا حکم اس عاجز کو روحانی طور پر ہوا ہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ بہت اعلیٰ کتاب ہے۔ تقریباً ۸۰ نسخے جماعتِ پشاور نے لاہور بھیجے ہیں۔ میں نے ان تمام آیات وروایات کو لیا ہے جن سے شیعہ استدلال کرتے ہیں۔ اور مسئلہ خلافت کے متعلق بھی مذہب اہل سنت خوب اجاگر کیا ہے۔ اس سے پہلے ''تحذیر المسلمین'' کافی تعداد میں ڈھاکہ (بنگال) چلی گئی اور دہلی (ہندوستان) میں بھی کافی گئی ہے۔ ہماری جماعت کا ایک بڑا تاجر ملتان سے دہلی گیا تھا اس کے ہاتھ ہم نے بہت ساری کتابیں بھجوائی ہیں۔ اب ''تحذیر المسلمین'' کے بعد میں نے ایک چھوٹا سا رسالہ ''نفاذ شریعت اور فقہ جعفریہ'' لکھا ہے جس میں فقہ جعفریہ کی فیاضی اور دیگر کرشمے جمع کیے گئے ہیں، شیعہ لوگ انگلیاں کاٹ رہے ہیں۔ میں راولپنڈی گیا تو وہاں بروہی صاحب اور ہائی کورٹ کا جج محمد افضل چیمہ آئے تھے اور مجھے کہا کہ حدود شرعی میں جو شیعہ وسنی کے درمیان بڑے اختلافات ہیں، وہ ہمیں لکھ دو، اور روافض سے متعلقہ کوئی اور مسئلہ پیش آیا تو ہم جھگڑا لے کر آپ کے پاس آ جائیں گے۔ تو میں نے ان کے لیے یہ طبع کروایا، مگر اسے اپنے نام سے طبع نہیں کروایا چونکہ لوگوں میں پہلے سے ''تحذیر المسلمین'' نے اضطراب اور ہیجان پیدا کر دیا ہے۔ اور بڑے بڑے جلسوں میں حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ مصنف کے خلاف

مقدمہ چلایا جائے۔ اور کتاب ضبط کی جائے۔ اب ذرا کچھ ٹھنڈے ہوئے تھے کہ دوسری کتاب ''الدین الخالص'' ظہور پذیر ہوگئی۔ اس پر بھی خوب شور ہوگا۔ ان کے جو لچھن میں نے اس کتاب میں لکھے ہیں یہ بھلا کب برداشت کریں گے؟ ''الدین الخالص'' کا نسخہ بھی جناب کو بذریعہ مولوی نذیر احمد صاحب کے پہنچا دیں گے۔ اس وقت عرب، خاص کر حرمین شریفین میں سخت خطرہ ہے۔ اس ملعون مذہب کا سدباب کرنے کے لیے ہمارا خیال ہے کہ ''تحذیر المسلمین'' اور ''الدین الخالص'' کا عربی میں ترجمہ کرکے وہاں تقسیم کیا جائے۔ اور فارسی ترجمہ کرکے ایران اور افغانستان میں فارسی زبان بولی جانے والے علاقوں کے علاوہ عراق میں بھی بھیجنے کا ارادہ ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ مولانا بڑا صدمہ ہوتا ہے، یہ میدان بالکل خالی ہوگیا ہے۔ علماء کو ذرہ بھر خیال نہیں ہے جبکہ اس ملعون مذہب کے حامی سخت منظم ہو چکے ہیں۔ ''نفاذ شریعت'' کے نام سے ایک مقالہ لاہور سے اب شائع ہوا ہے جس میں جنرل ضیاء الحق کو دھمکی دی گئی ہے کہ فقہ حنفی کو ہم پر مسلط نہ کیا جائے۔ مولانا میں تو اب بے کار ہو کر رہ گیا ہوں۔ خدا حافظ۔ باقی خیریت ہے۔

ناچیز فقیر اللہ یار خان از چکڑالہ ضلع میانوالی
۲۶، اپریل ۱۹۷۹ء

(۴۸)

بخدمت جناب حضرت مولانا محمد نافع صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

میں اپنا دورہ مکمل کرکے بخیریت پہنچ گیا ہوں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ تین جولائی ۱۹۷۱ء کو بمقام منارہ حاضر ہو کر ۲۳ جولائی تک قیام کروں گا۔ آپ ان دنوں میں جب چاہیں منارہ تشریف لائیں۔ سرگودھا سے خوشاب کا ٹکٹ لے کر چکوال والی گاڑی پہ بیٹھ جائیں جو براستہ کلر کہار، چکوال جائے۔ موضع پٹیل کے آگے ایک میل کے فاصلے پر ''پدھراڑ'' ہے اور پدھراڑ سے آگے ایک میل کے فاصلہ پر ''منارہ'' ہے۔ آپ منارہ اتر کر بندہ کی قیام گاہ دریافت کرلیں۔ میں ایک ہائی سکول میں قیام پذیر ہوں گا۔ باقی سب خیریت ہے۔ بہرحال یہ ۲۲ دن میں ''منارہ'' میں ہی گزاروں گا۔ ملاقات کے لیے میں نے ''منارہ'' اس لیے پسند کیا ہے کہ بہ نسبت چکڑالہ کے، یہ آپ کو بہت قریب پڑتا ہے۔ دوم علاقہ بھی قدرے سرد ہے۔ گرمی کی شدت نہیں ہے۔ گو آج کل بوجہ ضعیف العمری اور حافظ کی کمزوری، ردشیعہ پر زیادہ استحضار نہیں رہتا۔ مگر جو کچھ خدمت کرسکا، دریغ نہیں کروں گا۔

الداعی الی الخیر ناچیز اللہ یار خان
۱۷ جون ۱۹۷۱ء از چکڑالہ

(۴۹)

بخدمت گرامی قدر حضرت مولانا مولوی محمد نافع صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میں کافی دنوں سے دورہ پر ہوں۔ پہلے لاہور رہا، پھر چند دن کے بعد کراچی چلا آیا۔ کراچی میں ۱۶ دن کا قیام ہے۔ غالباً میں ۱۷ دسمبر ۷۲ء کو واپس جہلم چلا جاؤں گا۔ عمرہ کا خیال ہے۔ دو چار ساتھی میرے ساتھ ہوائی جہاز پر جائیں گے اور باقی بحری جہاز کے ذریعے جائیں گے۔ ایک کتاب رد روافض میں ان کے عقائد باطلہ پر لکھ رہا ہوں۔ اس علاقہ میں اس کا طبع ہونا مشکل ہے۔ بہت سخت چیزیں لایا ہوں۔ عمرہ کے بعد ارادہ ہے کہ دو چار ساتھی کابل چلے جائیں، وہاں بھی جماعت تو ہے، وہاں سے اس کی طباعت کروالی جائے۔ آپ کو ایک تکلیف دے رہا ہوں کہ تفسیر ''منہج الصادقین'' ملا فتح اللہ کاشانی والی تو آپ کے پاس ہے ہی، اس میں سے متعہ کی مد میں زیادہ سے زیادہ حوالے بقید صفحہ لکھ کر چکڑالہ کے پتہ پر ارسال کر دیں سفر میں کتابوں کا حصول مشکل ہوتا ہے۔ آپ یہ تفصیل ضرور ارسال فرمادیں۔ میں ۲۳ دسمبر تک ان شاء اللہ گھر پہنچ جاؤں گا۔ کراچی میں مجھے محمود احمد عباسی بھی ملنے آیا تھا، شیعہ کے خلاف کافی گفتگو ہوئی، میں نے کہا یزید کے متعلق اپنا نظریہ صاف کرو۔

ناچیز اللہ یار خان از کراچی

۱۳، دسمبر ۱۹۷۲ء

(۵۰)

بگرامی قدر حضرت مولانا مولوی محمد نافع صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

کل گزشتہ ۲، جنوری ۱۹۷۷ء کو عزیزم مولوی نذیر احمد صاحب تشریف لائے، ان کی زبانی المناک خبر سنی کہ حضرت مولانا محمد ذاکر صاحب دنیائے فانی سے دار بقاء کی طرف رخصت ہوگئے۔ منہ سے فوراً انا للہ وانا الیہ راجعون نکلا۔ میں نے کئی دنوں سے اخبار تو دیکھی نہیں، پتہ کیسے چلتا؟ بڑا دکھ ہوا کہ آپ کا بازو راست کٹ گیا ہے۔ خصوصاً روافض کے تقابل کی سیاسی قوت ٹوٹ گئی ہے۔ خدا تعالیٰ انہیں غریق رحمت فرمائے اور اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے آمین...... اب بغیر صبر کے چارہ نہیں۔ میرے دل کو تو بہت ہی صدمہ پہنچا۔ خدا کی مرضی کہ دن بدن علماء سے دنیا خالی ہوتی جا رہی ہے۔ اور روافض دن بدن زور پکڑتے جا رہے ہیں۔ کافی دنوں سے میں بھی

علیل ہوں۔کافی سارے افسران تشریف لائے تھے تو عمرہ کے لیے فروری کے اواخر میں دن طے ہوئے ہیں۔خدا خیر فرمائے، دین اور اہل دین کی حالت روز بروز دگرگوں ہورہی ہے۔

والسلام۔ناچیز اللہ یار خان از چکڑالہ

۳، جنوری ۱۹۷۷ء

## (۵۱)

بخدمت حضرت مولانا مولوی محمد نافع صاحب زید مجدکم۔

السلام علیکم!

جوابی لفافہ کی آپ نے تکلیف فرمائی۔میری حالت سخت کمزور ہے۔پانچ ماہ بیمار رہا۔بخار، نزلہ، کھانسی اور ضعف جگر کی وجہ سے اب دماغ کام نہیں کرتا، مسجد تک جانا مشکل ہے۔کسی وقت ظہر یا عصر میں چلا جاتا ہوں۔جمعہ پر بھی نہیں جاسکتا۔کتاب کا دیکھنا محال ہے، فی الحال سر چکراتا ہے۔نظر بہت کمزور ہوگئی ہے۔عینک کوئی لگتی نہیں ہے۔جناب کو بہت مشکل سے جواب دے رہا ہوں۔''تحذیر المسلمین عن کید الکاذبین'' پشاور سے طبع کروائی ہے۔پنجاب والوں نے تو انکار کردیا تھا۔پشاور پریس کے مالک نے دیکھ کر کہا کہ اس کتاب کو ضرور چھاپوں گا اگرچہ جیل جانا پڑے۔طبع ہوتے ہی جہاں جہاں سلسلہ کے امیر تھے ان کے ہاتھ بھجوا کر تقسیم کروا دی گئی ہے۔میرا خیال تھا کہ مولوی نذیر احمد صاحب نے آپ کو نسخہ بھیج دیا ہوگا۔ان کا خط آیا پڑا ہے ان کو لکھتا ہوں کہ آج ہی آپ کو کتاب دے دے۔اس کتاب میں عاجز نے سابقہ علماء کی طرح مدافعانہ کاروائی نہیں کی۔بلکہ سیدھا ان پر وار کیا ہے۔مسئلہ بداء، امامت اور رجعت کو زیادہ لیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ رجعت ہندوؤں کے عقیدہ اوگون کی طرح کا ہے اور واقعات سے ثابت کیا ہے کہ یہ خدا کو العیاذ باللہ جاہل کہتے ہیں۔انبیاء کی توہین کرتے ہیں۔ان کا سارا مذہب ہی مشکوک ہے۔پہلے بھی انہوں نے بڑا شور مچایا تھا کہ اس مصنف پر مقدمہ چلایا جائے۔کتاب ضبط کی جائے وغیرہ وغیرہ۔اس نے فرقہ وارانہ راہ اختیار کی ہے۔سخت مذہبی منافرت پھیلائی ہے مگر آخر کار بھونک بھونک کر خاموش ہوگئے۔ہمارے علاقہ میں کئی شیعوں نے توبہ کرلی ہے۔تلہ گنگ کے بعض شیعوں نے لکھا کہ اگر یہ شیعہ مذہب ہے تو ہماری توبہ! کراچی اور بلوچستان سے بھی کافی خطوط مل رہے ہیں۔علاقہ ونہار کے شیعوں کی زبانی یہ بات نکلی کہ اگر کتاب کی باتیں سچ سمجھی جائیں تو ہمارا مذہب کسی شمار و قطار میں نہیں ہے۔میں نے پورا مذہب کھول کر بیان کردیا ہے۔دوسری کتاب بھی عنقریب طبع ہوجائے گی۔وہ تمام باتیں جن سے یہ استدلال کرتے ہیں، کا قلع قمع کردیا ہے۔یہ بھی مولوی نذیر احمد صاحب کے ہاتھ بھیج دوں گا۔اور آپ کی ''انوارِ

نعمانیہ" بھی بھیج دوں گا۔ ورنہ صحت ٹھیک ہونے پر آپ کو دوبارہ مطلع کردوں گا۔ آپ تشریف لے آنا اور لے جانا۔ زیادہ مطالعہ سے تو اب معذور ہوں۔

ناچیز۔ اللہ یار از چکڑالہ

۱۰، جنوری ۱۹۷۹ء

## (۵۲)

بگرامی خدمت جناب حضرت مولانا محمد نافع صاحب السلام علیکم۔

گرامی نامہ کافی دنوں سے مل چکا ہے۔ مگر میں سخت مصروف تھا۔ ابھی تک وہی حال ہے بلکہ پہلے سے بھی سخت مصروف ہو گیا ہوں۔ ہندوستان سے احباب آرہے ہیں، حج کی وجہ سے بھی کافی لوگ آرہے ہیں حتیٰ کہ کابل کی جماعت نے بھی آنے کی اجازت چاہی ہے کہ ہم چند دن آپ کے پاس آکر رہنا چاہتے ہیں۔ میں ان کو اسباق وغیرہ پڑھا دیتا ہوں۔ میرا ایک ساتھی آج کل ایران گیا ہوا ہے اس نے حسب ذیل کتب خرید لی ہیں۔

تفسیر فرات، فیض الاسلام شرح نہج البلاغہ، معانی الاخبار، امالی طوسی، مناقب ابن شہر آشوب، صحیفۂ کاملہ، تفسیر قمی، تنقیح المقال اور منتہی المقال وغیرہ سمیت ۴۵ عدد کتب شیعہ مل گئی ہیں۔ تنقیح المقال کا مزید نسخہ مل گیا تو آپ کو مطلع کردوں گا۔ ابھی تک وہ آدمی ایران ہی میں ہے۔ باقی ہمارے ہاں چکڑالہ میں سنی، شیعہ فساد ہو گیا ہے۔ مگر آخر ہم نے ان ملعونوں پر قبضہ پالیا بعون اللہ تعالیٰ۔ بہرحال آپ کے لیے "تنقیح المقال" میں نکال کر چھوڑوں گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ بے فکر رہیں۔

ناچیز اللہ یار خان از چکڑالہ

۱۵ مئی ۱۹۷۷ء

## (۵۳)

بخدمت اخی المکرم حضرت مولانا محمد نافع صاحب۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

میں تقریباً دو ماہ باہر دورے پر رہا۔ گلگت بھی گیا تھا، وہاں اسمٰعیلی شیعوں کی اکثریت ہے۔ مولوی اکثر غلام خانی ہیں جو بجائے اہل سنت پر محنت کرنے کے، باقی ماندہ سنیوں کو مشرک سمجھ رہے ہیں۔ باقی رسالہ "نفاذ شریعت اور فقہ جعفریہ" والا مقدمہ چل رہا ہے۔ گجرات میں بندہ کے بیان بھی قلمبند ہو گئے ہیں۔ پولیس سخت گھبرائی ہوئی

ہے اس پرچہ سے۔اور علماء شیعہ بھی عاجز آچکے ہیں۔امید ہے کہ پرچہ خارج ہوجائے گا۔میں راولپنڈی گیا تھا۔ وہاں کے علماء کرام آئے تھے کہ شعبان پورا مہینہ وضاحت کے ساتھ مسئلہ تحریف قرآن سمجھادو، ہم ۸۰ مولوی پیش کریں گے۔میں نے کہا میں دس دن میں سمجھادوں گا۔''نفاذ شریعت'' کی ضبطی کا جو حکم ہوا تھا وہ تو میں نے ضائع کروادیا ہے۔اب اس کی فوٹو اسٹیٹ کرواکر دوبارہ طبع کررہے ہیں۔ستر ہزار نسخے تو صرف کراچی اور ایران گئے تھے۔الحمدللہ۔

ناچیز اللہ یار خان از چکڑالہ

۲۶ جون ۱۹۸۰ء

## (۵۴)

بگرامیٔ قدر حضرت مولانا محمد نافع صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔جناب نے سنا یا دیکھا ہوگا کہ جو فرضی اور جعلی ''مناظرہ بغداد'' مولوی حسین بخش جاڑا نے لکھ کر شائع کیا ہے اور سب بکواسات سے لبریز ہے بہت جانب سے مجھے خطوط ملے کہ اس کا جواب لکھواور ضبط کرانے کی کوشش کرو۔اب جماعت کے وکلاء کی کوشش سے ضبط ہوگیا ہے۔میں نے جواب بھی بیس دن میں مکمل کرکے کاتب کے حوالے کردیا ہے۔کاتب لوگ عربی میں بڑی غلطیاں کرتے ہیں۔جیسا کہ تحریف قرآن والی کتاب میں جاہل کاتب نے بہت ساری غلطیاں کی ہیں۔اس میں بھی بہت سخت باتیں آگئی ہیں۔مقدمہ کا خطرہ ہے شورکوٹ والے حادثے کی خبر وہاں کے مہتمم نے دے دی تھی۔اور مدرسہ کبیر والا سے بھی آگئی تھی۔اس دفعہ پشاور کے ۶۰ علماء کرام کو میں نے جمع کرکے شیعیت کے خلاف بیدار کیا۔اسی طرح کوہاٹ، درہ پیزہ اور وزیرستان کے علماء کی دعوت پر بھی گیا تو ان کو بیدار کیا۔پھر ڈیرہ اسماعیل خان کے علماء کو میں نے کہا کہ اپنے اپنے اختلافات کو ختم کرکے روافض کا خیال کرو، وہ دن دور نہیں جب شیعہ تمہاری ڈاڑھیوں سے پکڑ کر ذلیل کریں گے۔

فقط ناچیز اللہ یار خان از چکڑالہ

۱۷، جنوری ۱۹۸۲ء

## (۵۵)

بگرامی خدمت حضرت مولانا وبالفضل مولانا مولوی محمد نافع صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔آپ کا گرامی نامہ صد برکات لایا۔یاد آوری کا بہت شکریہ۔''رحماء بینھم'' حصہ فاروقی دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی۔

ان شاء اللہ بالاستیعاب پڑھ کر آپ کو اپنی رائے پیش کر دوں گا۔ میں بھی ضعف کے باوجود عظمت صحابہ کے مشن پر لگا ہوا ہوں۔ میں عالم ظاہری بھی ہوں اور باطنی بھی! تردید رفض دراصل صوفیہ کا حصہ رہا ہے۔ اس لیے مجھ پر بھی یہ تردید ظاہری و باطنی طور پہ قرض ہے۔ ''فلک النجاۃ'' مولوی محمد علی والی دیکھ رہا ہوں۔ اس پر بھی بشرط صحت تبصرہ کر دوں گا۔ فی الحال آپ جواب نہ دیجئے گا کیونکہ میں سفر میں چلا جاؤں گا واپسی پہ مطلع کر دوں گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ناچیز اللہ یار خان از چکڑالہ
(تاریخ وسن ندارد)

## (۵۶)

گرامی قدر جناب حضرت مولانا مولوی محمد نافع صاحب
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

لفافہ ارسال کرنے کی تکلیف کیوں کی؟۔ اس کی حاجت نہ تھی۔ اس سے پہلے تو شیعہ حضرات کی تحریف فی الکلمہ وغیرہ کے درپے رہا۔ جمعیت محبان صحابہ لاہور نے امداد طلب کی تھی۔ انہوں نے باقی بھی علماء کو خطوط لکھے تھے مگر جواب ندارد! میں نے ان سے کہہ دیا تھا کہ آپ علماء کو نہ بلائیں کسی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں خود اپنے خرچ پر آؤں گا۔ جتنے دن لاہور رہنا پڑا اپنے خرچ پر رہوں گا۔ اپنی جماعت پاس ہوگی، وکیل کو مکمل تیاری کراؤں گا۔ شیعہ علماء کے لیے اعتراضات میں خود پیش کروں گا۔ محرف شدہ کلمہ کا بار ثبوت بذمہ شیعہ اس کا ثبوت نہیں، خود مسلم فریقین کتب کے طلب کروں گا۔ بلکہ صرف کتب شیعہ سے بھی ثبوت محال ہے۔ پھر میں نے ایک مکمل رسالہ لکھ کر ان کو ارسال کیا۔ میں نے ''جمعیت محبان صحابہ'' کو بتایا کہ ثبوت ہمارے ذمہ نہیں، یہ شیعہ کے ذمہ ہے۔ میں نے ہائی کورٹ کے جج کے ساتھ اپنی جماعت کے افسران کو بلایا۔ آخر ہائی کورٹ نے بھٹو صاحب کو پورا حال بتایا تو بھٹو نے کہا کہ کلمہ تو میرا باپ دادا بھی یہی پڑھتے تھے۔ یہ اضافی تو صرف شیعوں کی ایجاد ہے۔ اس کا فوری تدارک ہونا چاہیے۔ بحمد اللہ کام ختم ہو گیا ہے۔ آج کل فصلوں کی بھی کافی مصروفیت ہے۔ میں اچھا خاصہ زمیندار بھی ہوں۔ صرف مولوی نہیں ہوں۔ موٹا تازہ زمیندار ہوں۔ کچھ مزارعین کے ساتھ تنازعہ بھی ہے۔ اور فراغت کے بعد تین چار جگہ جلسوں میں بھی جانا ہوگا۔ یہ سارے جلسے شیعوں کے خلاف میں نے خود رکھوائے ہیں۔ میں نے چند دن پہلے ایک عرب ساتھی سے ''عینی شرح بخاری'' کی ۲۴ جلدیں، مغنی ابن قدامہ اور زاد الہادی منگوالی ہیں۔ میرا اس بار حج پر جانا مشکوک ہے، پاسپورٹ کی میعاد ختم

ہورہی ہے۔ میرے ایک رفیق حلقہ ڈی آئی جی پولیس حبیب الرحمن کو پاسپورٹ اور شناختی کارڈ وغیرہ دیئے تو انہوں نے جواباً یہ بات بتائی۔ میں آج کل رسالہ ''اکلوتی بیٹی'' از قاضی سعید الرحمن کروڑی اور مولوی اسماعیل گوجروی کے اعتراضات کے جوابات لکھ رہا ہوں۔ دعا فرماویں۔

والسلام۔ ناچیز اللہ یار خان از چکڑالہ

۱۶ مئی ۱۹۷۶ء

(۵۷)

بخدمت حضرت مولانا مولوی محمد نافع صاحب۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ گرامی نامہ مل کر صد برکات لایا، یاد آوری کا شکریہ۔ التمہید لابن عبدالبر رحمہ اللہ نابود ہے۔ میں نے شاہ فیصل مقتول کے معالج خاص ڈاکٹر غلام اکبر مقیم جدہ شریف جو اصلاً میانوالی کا ہے اور ان کے پورے خاندان کا ناچیز سے واسطہ ہے۔ میں نے ''التمہید'' ان کے ذمہ لگائی تھی انہوں نے مصر اور بیروت تک سے پتہ کروایا مگر تا حال نہ مل سکی۔ عرب میں تو میں نے خود بھی بڑی تلاش کی تھی مگر نہ مل سکی۔ مکتبہ سلفیہ مدینہ المنورہ کے مالک سے میں نے ''صحیح ابن حبان'' کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ ۳، ۴ جلدیں تو طبع ہوگئی ہیں باقی ہو رہی ہیں اور بہت جلد ۱۴ جلدوں میں مکمل ہو کر آرہی ہے اسی طرح ''السنن الکبریٰ'' للبیہقی رحمہ اللہ ۸ جلدوں میں طبع ہو رہی ہے۔ عرب میں ''کنز العمال'' پہلے نادر تھی اب موجود ہے اسی طرح ''الاعتقاد علیٰ مذہب السلف'' کا گزشتہ سال تک عرب میں کوئی وجود نہ تھا۔ بندہ کافی عرصہ وہاں اس کا متلاشی رہا مگر اب ہر مکتبہ پر دستیاب ہے۔ اب میں نے عرب میں موجود دوستوں کو آپ کے لیے بھی ''الاعتقاد'' کا ایک نسخہ لکھ دیا ہے جو بہت جلد آپ کی خدمت میں پیش کر دی جائے گی۔ یہ آپ کو بطور تحفہ پیش کروں گا، ان شاء اللہ آپ کی طبیعت کھل جائے گی۔ باقی علم کلام کی اکثر کتابیں عرب میں ممنوع الدخول ہیں۔ آپ نے ''الفتح الربانی'' کی ۲۴ جلدوں والی جو کتاب لکھی ہے اس کا مصنف کون ہے؟ مجھے تو علم نہیں ہے۔ ایک ''فتح الربانی'' شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی ہے اس کی تو صرف ایک جلد ہے اور وہ میرے پاس ہے۔ میں تین جولائی ۱۹۷۶ء سے ۸، اگست تک منارہ میں رہوں گا۔ کیا ہی اچھا ہو کہ آپ ان ایام میں منارہ تشریف لاویں اگر ترتیب بن جائے تو سر آنکھوں پر۔ اسباق تقریباً ختم ہو رہے ہیں۔ نسائی شریف اور ابوداؤد شریف کچھ باقی ہے۔

والسلام۔ ناچیز اللہ یار خان از چکڑالہ

۸، نومبر ۱۹۷۵ء

(۵۸)

بخدمت جناب مولانا مولوی محمد نافع صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

گرامی نامہ موصول ہوکر کاشف احوال ہوا۔ ہمارے ہاں چکڑالہ میں شیعوں کا ایک بھاری جلسہ ہوا۔ شیعہ مولوی تو وہی پرانی راگنی گاتے ہی چلے گئے۔ مگر ایک منہ پھاڑ ذاکر نے بکواس کی کہ عرب میں ایک سانپ تھا جو صرف حرامی کو ڈستا تھا۔ میں نے وہاں بندہ بھیج کر حوالہ طلب کیا تو آئیں بائیں شائیں شروع ہوگئی۔ بد بخت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی توہین کر رہا تھا۔ یہ حال ہے ان بدنصیبوں کا۔

والسلام

۱۶ ستمبر ۱۹۶۲ء

# باب نمبر 18

## خطوط مولانا محمد نافع رحمہ اللہ

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے دستی مکاتیب بنام معاصرین و مشاہیر بھی ان شاء اللہ مستقل جلد میں شامل ہوں گے۔ تاہم بطور نمونہ چند ایک خطوط پیش کیے جا رہے ہیں۔ چونکہ آپ کا طرزِ تحریر نہایت صاف ستھرا تھا اور آپ مرصع نگار تھے۔ اس لیے یہاں ان خطوط کے نمونے دیئے جا رہے ہیں تاکہ مندرجات کے ساتھ ساتھ سوادِ تحریر کا لطف بھی لیا جا سکے۔

## محترم جناب مولانا منظور احمد آفاقی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ......مزاج شریف!

آپ کا محبت نامہ تشریف لایا۔ الحمد للہ خیریت سے ہیں۔ خط میں آپ نے ''مسئلہ تحریف قرآن'' کے متعلق چند ایک چیزیں درج کی ہیں۔ اس کے متعلق ذیل میں چند گزارشات عرض ہیں:

ا۔ حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ نے اس مسئلہ کے متعلق جو شیعوں کی طرف سے صفائی پیش کی ہے وہ صحیح نہیں۔ حضرت مولانا موصوف بہت بڑے فاضل تھے مگر شیعہ مذہب کی کتب کے مندرجات سے ناواقف تھے" ولکل فن رجال"۔

۲۔ شیعہ جمہور علماء کے نزدیک یہ قرآنِ مجید محرَّف، مبدَّل اور متغیر ہے۔ اس میں تغیر سورۃ، آیات، کلمات کی صورت میں موجود ہے۔ ان سب شکلوں میں ان کے نزدیک تغیر اور تبدل آچکا ہے۔

چنانچہ شیعہ مشہور فاضل ومحدث نعمت اللہ الجزائری اپنی کتاب ''انوار النعمانیۃ'' میں لکھتے ہیں کہ:

ا۔ ان الاصحاب قد اطبقوا علی صحۃ الاخبار المستفیضۃ بل المتواترۃ الدالۃ بصریحھا علی وقوع التحریف فی القرآن کلاماً ومادۃً واعراباً والتصدیق بھا۔" (انوار النعمانیۃ ص ۲۵۷ جلد ثانی لنعمۃ اللہ الجزائری)

۲۔ "عن ابی عبداللہ (جعفر صادق علیہ السلام) قال ان القرآن الذی جاء بہ جبرائیل علیہ السلام الی محمد ﷺ سبعۃ (۱۷۰۰۰) عشر الف آیۃ۔" (اصول کافی از محمد بن یعقوب الکلینی الرازی ص ۶۷۱ آخر کتاب فضل القرآن طبع لکھنؤ)

(نوٹ: موجودہ قرآنِ مجید چھ ہزار چھ صد چھیاسٹھ (۶۶۶۶) آیات پر مشتمل ہے)۔

۳۔ ابو منصور احمد بن علی بن ابی طالب الطبرسی نے اپنی مشہور کتاب ''احتجاج الطبرسی'' میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک زندیق کے ساتھ مکالمہ مفصل ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ:

... انھم (صحابہ کرام) اثبتوا فی الکتاب مالم یقلہ اللہ لیلبسوا علی الخلیفۃ فاعمی اللہ قلوبھم حتی ترکوا فیہ مادل علی ما احدثوا فیہ وحرفوا فیہ ... الخ۔ (احتجاج الطبرسی ص ۱۲۰ طبع ایران تمت احتجاجہ علیہ السلام علی الزندیق)

۴۔ اور ملا نوری نے اپنی کتاب فصل الخطاب میں لکھا ہے کہ:

ان الاخبار الدالة علی ذالك تزید علی الفی حدیث...الخ۔

یعنی دو ہزار سے زائد احادیث اور اخبار تحریف قرآن پر دال ہیں۔

(فصل الخطاب فی اثبات تحریف کتاب رب الارباب از ملا حسین بن محمد تقی النوری ص ۲۲۷، تحت الدلیل الثانی عشر۔ تالیف ۱۲۹۸ھ)

۳۔ تحریف قرآن کے مسئلہ میں شیعہ کے اکابر علماء میں سے چار علماء تحریف کے قائل نہیں:۔

۱۔ شیخ صدوق ابن بابویہ القمی (مصنف من لا یحضرہ الفقیہ وغیرہ)

۲۔ سید مرتضیٰ علم الہدیٰ۔ (مصنف کتاب الشافی وغیرہ)

۳۔ ابوجعفر الطوسی (مصنف تہذیب الاحکام، الاستبصار، امالی وغیرہ)

۴۔ ابوعلی الطبرسی (مصنف تفسیر مجمع البیان وغیرہ)

یہ چار علماء عدم تحریف کا قول کرتے ہیں لیکن یہ ان کا قول ''تقیہ'' پر محمول ہے۔ اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ انہوں نے تحریف قرآن کا قول کرنے والوں پر کوئی شرعی حکم نہیں لگایا، نہ ان کے کفر کے قائل ہوئے ہیں، نہ ہی ان کو گمراہ اور ضال کہا، نہ ہی کوئی زجر و توبیخ کا کلمہ ان کے حق میں کہا ہے۔

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان بعض علماء شیعہ کا عدم تحریف قرآن کا قول کرنا بطور تقیہ کے ہے اور تقیہ ان کے نزدیک بوقتِ ضرورت واجبُ العمل ہے۔

محمد نافع عفا اللہ عنہ
از محمدی شریف ضلع جھنگ
یکم شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ
۱۷ر فروری ۱۹۹۱ء

عزیز محترم مولانا محمد عبدالحمید صاحب تونسوی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ !

تسلیمات مسنونہ کے بعد تحریر ہے کہ جناب کی طرف سے کتابچہ ”ڈاکٹر ذاکر نائیک اور اس کے نظریات“ موصول ہوا۔ یاد آوری کا شکریہ!

اس کے بعد ہم آپ سے ایک ضروری شکوہ ذکر کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ بندہ کے نام کے ساتھ کتابچہ پر آپ نے بڑے بڑے القاب تعلّی وترفع کے ذکر کر دیئے ہیں جو مجھے ہرگز پسند نہیں اور میرے سادگی پسند مزاج کے برخلاف ہیں۔ یہ آپ نے میرے حق میں بہت زیادتی کی ہے۔ اور مجھے پریشان کیا ہے۔

مہربانی فرما کر آئندہ ان القابات سے مجھے معاف رکھیں اور کتابچہ کے آئندہ ایڈیشن میں یہ القابات حذف کر دیں از حد مہربانی ہوگی اور مجھے راحت قلبی حاصل ہوگی۔

حضرت مولانا تونسوی صاحب کے تمام عزیزوں کی خدمت میں سلام مسنون۔

والسلام مع الدعاء
دعا گو ناچیز محمد نافعؒ عفا اللہ عنہ
بروز یکشنبہ

بخدمت جناب......السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

مولانا دوست محمد صاحب قریشی مرحوم کے کتابچہ (معرکۃ الآراء مناظرہ جھوک دایہ ضلع جھنگ) میں علامہ زہری کو شیعہ لکھا گیا ہے یہ قطعاً صحیح نہیں ہے، غلط ہے۔ اکابر اہل السنۃ والجماعۃ علماء کی تراجم ورجال کی کتابیں دیکھ لیں۔ ہماری معلومات کی حد تک کسی نے بھی زہری کو شیعہ نہیں قرار دیا۔ ❶

البتہ زہری کے ادراج فی الروایۃ کا قول علماء ذکر کرتے ہیں یعنی زہری روایت میں بعض دفعہ ادراج کر دیتے تھے۔

اسی چیز کو بندہ نے بھی اپنی کتاب رحماء بینهم حصہ اول (صدیقی) بحث فدک ومال فئی میں ذکر کیا ہے اور باحوالہ کلام کیا ہے۔ یعنی سابق علماء کرام کے اقوال کی روشنی میں ہی یہ مسئلہ (ادراج فی الروایۃ) بیان کیا ہے۔ اور ''محدث زہری کے متعلقہ کوائف'' کا عنوان دے کر کلام چلایا گیا ہے۔

یاد رہے کہ شیعہ علماء نے اپنے تراجم میں علامہ زہریؒ کے حق میں لکھا ہے کہ وہ آخر عمر میں امام زین العابدین کے پاس آئے۔ اور ان کے ساتھ تعلق قائم کیا اور معتقد ہو گئے......الخ۔

یہ روایت بالمعنیٰ ہے:

(کتاب "تحفۃ الاحباب" از شیخ عباس القمی ص ۳۵۲، ۳۵۳۔ طبع تہراُن)

اسی طرح دیگر علماء شیعہ نے بھی ان کا ذکر اپنی تالیفات میں کیا ہے (کتاب علل الشرائع) وغیرہ میں یہ چیز پائی جاتی ہے۔

جس وقت جھوک دایہ (ضلع جھنگ) میں مناظرہ سنی شیعہ ہوا تھا اس وقت سنی علماء کی طرف سے بطور الزام کے زہری کو شیعہ کہا گیا تھا......اس پر شیعوں نے بڑا شور برپا کیا تھا کہ سنی زہری کے شیعہ ہونے کے قائل ہیں......الخ۔

اس کے جواب میں حضرت مولانا استاذ سید احمد شاہ صاحب اجنالوی چوکیرویؒ نے اپنے پندرہ روزہ رسالہ ''الفاروق'' میں بھی اور ہفت روزہ ''دعوت'' لاہور میں اس کا جواب شائع کرایا تھا کہ ''میرا مقصد اس سے محض الزام تھا۔''

یعنی ہمارا تحقیقی موقف یہ نہیں ہے کہ زہری شیعہ ہے بلکہ صرف شیعہ کتب کے حوالہ سے یہ الزامی جواب دیا تھا۔

ہمارے نزدیک زہری سنی ہے تمام ہماری کتب اس پر گواہ ہیں۔

---

❶ اس پر مفصل بحث سابق اوراق میں گزر چکی ہے، ملاحظہ فرمائی جائے۔ سلفی

وسیلہ بالذات کا جواز احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ حضرت عباس بن مطلب رضی اللہ عنہ عم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسل برائے طلب بارش صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کیا ہے۔

مشکوٰۃ شریف ص ۱۳۲ طبع نور محمد دہلی۔ باب الاستسقاء الفصل الثالث۔

عن انس رضی اللہ عنہ ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کان اذا قحطوا استسقٰی بالعباس بن عبدالمطلب۔ فقال اللھم انا کنا نتوسل الیک بنبینا...الخ۔

خلافت راشدہ کا مسئلہ جس طرح سابق اکابر علمائے کرام نے تحریر کردیا ہے وہی صحیح ہے۔ یعنی خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا عہد خلافت راشدہ ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کے بعد خلافت صحیحہ ہے اور عادلہ ہے لیکن جمہور علماء اہل السنہ نے اسے خلافت راشدہ سے تعبیر نہیں کیا۔

اس مسئلہ میں جمہور سلف صالحین کا مسلک ہی قابل حجت ہے اور صحیح ہے اس کے خلاف جو علماء کے اقوال پائے جائیں وہ لائق التفات اور قابل قبول نہیں۔ بلکہ وہ مرجوع و متروک ہیں۔ یہ مسئلہ اپنی عقائد کی کتب میں درج ہے شرح مواقف شرح مقاصد، شرح مسائرہ۔ شرح عقیدہ الطحاویہ وغیرہ وغیرہ بحث خلافت ملاحظہ فرمادیں۔

بندہ نے اپنی تالیف سیرۃ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جلد دوم ص ۱۱۸، تا ص ۱۲۹ میں مسئلہ خلافت وملوکیت کے متعلق بحث ذکر کی ہے اگر مناسب سمجھیں تو رجوع فرمالیں۔

## لطیفہ:

بندہ نے کتاب ''رحماء بینھم'' تالیف کی تو اس وقت میں نے مولانا سید نورالحسن شاہ صاحب رحمہ اللہ کے ہاں نظر اصلاح ڈالنے کے لیے پیش کی جہاں جہاں میں نے امام حسن رضی اللہ عنہ امام حسین رضی اللہ عنہ کا نام مختلف مقامات میں ذکر کیا تھا شاہ صاحب رحمہ اللہ موصوف نے وہاں سے لفظ ''امام'' کاٹ دیا...... لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

امام حسن رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ کو امام کے ساتھ ذکر کرنے سے وحشت ونفرت ہوئی یاللعجب!! اور خود ان کو ان کے عقیدت مند امام اہل السنۃ کہتے ہیں یہ عجیب منطق ہے۔ خود را فضیحت دیگراں را نصیحت!!۔

آنجناب کے مزاج میں بے جا شدت تھی تحریر میں بھی اور تقریر و بیان میں بھی۔

بہرکیف ان کے یہ متفردانہ اقوال ہیں ان سے متاثر نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ کریم ان کو معاف فرمائے۔

اکابر علماء دیوبند کے مسلک سے ان مسائل میں انحراف کرنا غلط ہے۔ اور بے راہ روی ہے۔

## ضابطہ:

اکابر علماء مثلاً ملا علی القاری نے ایک ضابطہ لکھا ہے "الثقة اذا شذّ لا یقبل ما شذ فیه"۔ ہمیشہ اسے پیش نظر رکھنا چاہیے۔ نہایت مفید ہے۔

مرقات شرح مشکوٰۃ ص ۳۲۸۔ ج ۶۔ طبع ملتان۔ باب العدة۔ الفصل الاول۔ تحت روایات فاطمة بنت قیس۔

## تنبیہ:

بندہ نے "رحماء بینهم" حصہ اول میں زہری کے متعلق کلام کیا تو اس پر زہری کے حق میں قلیل سے الفاظ ذرا سخت درج ہو گئے تھے۔

مسودہ ہذا حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب" آف کراچی (والد گرامی مولانا تقی عثمانی) کی خدمت میں برائے تقریظ پیش کیا گیا تو حضرت مفتی صاحب مرحوم نے اس کی اصلاح فرماتے ہوئے درج ذیل عبارت اس پر تحریر فرمائی۔

"امام زہری کے معاملہ میں الفاظ محتاط ہونے چاہیے ان کے قول کو خود ساختہ کہنا ذخیرہ حدیث سے اعتماد اٹھانے کے مترادف ہے ان کی جلالۃ قدر فی الحدیث کو مجروح نہیں کیا جا سکتا۔

بات صرف اتنی ہے کہ زہری کا یہ قول کسی صحابی کی طرف منسوب نہیں۔ اور خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شرکاء واقعہ کا بیان ان کے مقابلہ میں راجح ہے۔ اور یہ مرجوح ہے۔ باقی سب درست ہے۔"

اس کے بعد بندہ نے وہ الفاظ جو قابل اعتراض تھے مسودہ سے خارج کر دیئے تھے اس کے بعد اس کو شائع کیا تھا۔

مختصر یہ ہے کہ اکابر علماء دیو بند زہری کے حق میں سر وثاقت کے قائل ہیں اور اسے معتمد راوی فی الحدیث سمجھتے ہیں۔ اس کے شیعہ ہونے کے ہرگز قائل نہیں ہیں۔

والسلام

محمد نافع عفا اللہ عنہ۔ از محمد شریف

۴، جون ۲۰۰۴ء

محترم المقام جناب حافظ عبدالوحید صاحب حنفی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

مزاج گرامی! تسلیمات مسنونہ کے بعد تحریر ہے کہ آپ کی جانب سے کتاب ''خلافت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ'' کے دو نسخے بذریعہ ڈاک پارسل موصول ہوئے۔ کتاب ہذا میں بڑی محنت کے ساتھ مرتب کی ہے جو عوام الناس کے لیے نفع بخش ہوگی۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ کتاب ہذا آپ نے دورِ حاضر کے علماء کی تالیفات سے حوالہ جات اخذ کر کے مرتب کی ہے۔

بہرکیف یہ عوام کے لیے بہتر معلومات مرتب ہو گئے ہیں اور فائدہ مند ہونگے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اعمال صالحہ کی توفیق بخشے۔

بندہ پر تا حال حسب سابق ضعف غالب ہے۔ خاتمہ بالایمان وخاتمہ بالخیر کی دعا فرماتے ہیں۔

والسلام خیر الختام

ناچیز دعا گو محمد نافع عفا اللہ عنہ

بروز پنجشنبہ

گرامی قدر جناب حافظ عبدالوحید صاحف حنفی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مزاج گرامی!

تسلیمات مسنونہ کے بعد گزارش ہے کہ جناب کی طرف سے دو عدد رسائل (سیرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ) بذریعہ ڈاک موصول ہوئے۔ یاد آوری کا بہت بہت شکریہ!

اس دور میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فضائل ومناقب اور اعمال وکردار کو بیان کرنا بہت کارِ خیر ہے۔

آپ اس کام کو نہایت عمدہ طریقے سے بجا لا رہے ہیں۔

اس کام میں اس چیز کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ جو روایت بیان کی جائے وہ ایک تو قابل اعتماد ہو اور اس کا حوالہ مستند ماخذ سے دیا جائے۔ کمزور اور ناقابل اعتماد روایات سے ہمیشہ اجتناب کرنا چاہیے۔ یہ بہتر طریق ہے۔

بندہ حسب سابق صاحب فراش ہے۔ طبع پر ضعف غالب ہے۔ دعا خاتمہ بالخیر اور خاتمہ بالایمان سے تعاون جاری رکھیں۔ نہایت نوازش ہوگی۔

از محمدی شریف ضلع چنیوٹ

۱۴ ر رجب المرجب ۱۴۳۳ھ

۵ ر جون ۲۰۱۲

# مصادر و مراجع


۱۔ قرآنِ مجید

۲۔ صحیح مسلم، جلد دوم

۳۔ عزیمت کے راہی، حافظ محمد ادریس

۴۔ ذاتی ڈائری مولانا محمد نافع رحمہ اللہ۔ ۱۹۴۶ تا ۱۹۵۲ء

۵۔ مخطوطاتِ نافع برائے احوال زندگی اجداد۔

۶۔ ضرب شمشیر۔ مولانا غریب اللہ، موضع مانگی صوابی

۷۔ ذکر ذاکر۔ نصرت علی اثیر جتّہ

۸۔ یادِ ایام۔ مولانا عطاء محمد قریشی رحمہ اللہ

۹۔ تذکرہ مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ۔ پروفیسر حافظ محمد سعد اللہ

۱۰۔ ماہ نامہ ''الجامعہ'' کا مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ نمبر۔ جنوری و فروری ۱۹۷۷ء

۱۱۔ ماہ نامہ ''الفاروق'' ۱۹۵۶ء کی فائل سے چند شمارے

۱۲۔ ماہ نامہ ضیاء حرم شمس العارفین نمبر جنوری ۱۹۸۰ء

۱۳۔ تاریخ دار العلوم دیوبند۔ سید محبوب رضویؔ

۱۴۔ ذکرِ حبیب۔ ملک محمد دین۔ مطبوعہ ۱۴۰۴ھ

۱۵۔ مرات العاشقین۔ طبع اول مطبع مصطفائی ۱۳۰۳ھ

۱۶۔ ماہ نامہ شمس الاسلام بھیرہ۔ دسمبر ۱۹۳۳ء

۱۷۔ ابوالفضل مولانا کرم الدین دبیرؒ۔ احوال و آثار۔ حافظ عبدالجبار سلفی

۱۸۔ انوارِ شمیہ۔ مولانا امیر بخش۔ مطبوعہ ۱۹۱۴ء

۱۹۔ تذکرہ اکابر اہل سنت۔ مولانا عبدالحکیم شرف قادری۔ مطبوعہ ۲۰۰۵ء

۲۰۔ ہوالمعظم۔ غلام نظام الدین مرولویؔ۔ مطبوعہ ۱۹۷۹ء

۲۱۔ فوز المقال جلد چہارم۔ حاجی مرید حسین چشتی مطبوعہ ۲۰۰۷ء

۲۲۔ تحفہ حسینیہ جلد اول۔ مولانا محمد اشرف سیالوی۔ مطبوعہ ۲۰۰۷ء
۲۳۔ تذکار بگویہ، جلد اول۔ ڈاکٹر انوار احمد بگوی۔ مطبوعہ ۲۰۰۴ء
۲۴۔ سوانح شاہ آلِ احمد اچھے میاں مارہرویؒ۔ مطبوعہ ۲۰۱۵ء
۲۵۔ کشف التلبیس۔ مولانا سید ولایت حسین شاہؒ، مطبوعہ مجلس حزب الانصار
۲۶۔ اجتناب الحنفیہ عن اختلاط الرافضیہ والمرزائیہ۔ مطبوعہ ۱۹۳۱ء
۲۷۔ ماہ نامہ شمس الاسلام بھیرہ۔ جنوری ۱۹۳۱ء
۲۸۔ تذکار بگویہ، جلد اول، جلد سوم۔ ڈاکٹر انوار احمد بگوی
۲۹۔ انوارِ سخن۔ حافظ نور محمد انور۔ مطبوعہ ۱۴۰۰ھ
۳۰۔ جُہدِ للبقاء۔ سردار احمد خان پتافیؒ۔ مطبوعہ ۱۹۴۳ء
۳۱۔ تحریک تنظیم اہل سنت۔ مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری ۱۹۴۳ء
۳۲۔ روزنامہ شہباز لاہور۔ ۲۹ مارچ ۱۹۴۵ء
۳۳۔ خلافت وملوکیت۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ
۳۴۔ مجلہ ''بحر العلوم'' میر پور خاص۔ محدث العصر نمبر
۳۵۔ تبصرے۔ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی
۳۶۔ بشارت الدارین بالصبر علیٰ شہادت الحسینؓ۔ مولانا قاضی مظہر حسینؒ
۳۷۔ ماہ نامہ ''حق چار یارؓ'' قائد اہل سنت نمبر۔ مطبوعہ ۲۰۰۵ء
۳۸۔ ماہ نامہ البلاغ۔ اپریل ۲۰۱۵ء
۳۹۔ ملفوظات فقیہہ الامت، مولانا محمود حسن گنگوھی رحمہ اللہ
۴۰۔ تذکرہ علامہ تونسویؒ۔ مطبوعہ تحریک تنظیم اہل سنت ملتان
۴۱۔ روزنامہ ''مشرق'' لاہور، ۸ نومبر ۱۹۹۲ء
۴۲۔ ہفت روزہ ''زندگی'' لاہور ۸ تا ۱۴، اگست ۱۹۹۲ء
۴۳۔ المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ۔ مطبوعہ ۱۹۹۸ء
۴۴۔ مجلہ ''فکر و نظر'' اسلام آباد، جولائی ۱۹۸۵ء
۴۵۔ علامہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ، اپنی تصانیف کے آئینہ میں (غیر مطبوعہ) حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسینؒ

۴۶۔نقوش زندگی، مولانا عبدالحمید تونسوی، مطبوعہ تحریک تنظیم اہل سنت پاکستان
۴۷۔دفاعِ حضرت حسین رضی اللہ عنہ۔مولانا حافظ عبدالجبار سلفی۔مطبوعہ ۲۰۱۵ء
۴۸۔محمود احمد عباسی اپنے نظریات کے آئینہ میں۔علی مطہر نقوی، مطبوعہ ۱۹۸۳ء
۴۹۔ماہ نامہ ''بینات'' کراچی، رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ
۵۰۔دفاع سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، پیش لفظ رضاء الحسن قادری، مطبوعہ ۲۰۱۳ء
۵۱۔ناقدین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، مولانا قاضی طاہر علی الہاشمی، مطبوعہ ۲۰۱۳ء
۵۲۔تگ وتاز، ایم اسلم۔مطبوعہ ۱۹۷۵ء
۵۳۔تفسیر معارف القرآن جلد ششم، مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ
۵۴۔سلوک وطریقت، مولانا حمید الدین رشیدی رحمہ اللہ
۵۵۔اشرف السوانح، حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمہ اللہ۔مطبوعہ ملتان
۵۶۔تقریری نکات، مولانا مفتی غلام حسن قادری مطبوعہ ۲۰۰۷ء
۵۷۔مناظرہ جھوک دایہ، ناشر تنظیم اہل سنت پاکستان ملتان
۵۸۔حیاتِ ترمذی رحمہ اللہ، مرتب مولانا سید عبدالقدوس ترمذی، مطبوعہ ساہیوال ضلع سرگودھا
۵۹۔تحقیق فدک، علامہ احمد شاہ چوکیروی رحمہ اللہ، طبع چہارم
۶۰۔تصویر کے دورخ، مقدمہ از مولانا طاہر مکی، مطبوعہ کراچی
۶۱۔قرآن مقدس اور بخاری محدث، مولانا احمد سعید خان ملتانی
۶۲۔دفع اعتراضاتِ الخبث علٰی بخاری محدث، مولانا عبدالقدوس خان قارن، مطبوعہ ۲۰۰۹ء
۶۳۔خیر السوانح، مولانا آفتاب احمد، مطبوعہ ۲۰۰۰ء
۶۴۔تاریخ جھنگ، بلال زبیری۔مطبوعہ ۱۹۷۶ء
۶۵۔سانحہ حسّو بلیل، حکیم سلطان محمود۔مطبوعہ جھنگ صدر
۶۶۔امام اولیاء، حبیب الرحمن صدیقی، مطبوعہ لاہور
۶۷۔ہدیۃ الاصفیاء فی مسئلہ سماع الصلحاء۔ابوالفضل مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ مطبوعہ مسلم پرنٹنگ پریس لاہور
۶۸۔سیرتِ ثنائی۔مولانا عبدالمجید خادم سوہدروی رحمہ اللہ، مطبوعہ ۱۹۸۹ء
۶۹۔فیصلۂ شرعیہ، مولانا قطب الدین جھنگوی رحمہ اللہ، طبع اول مطبوعہ قطب آباد جھنگ
۷۰۔مناظرہ چک رنوڈو کے چدھڑ، مولانا قطب الدین جھنگوی رحمہ اللہ مطبوعہ ۱۹۲۵ء

# کتب شیعہ

۷۱۔تنزیہہ الامامیہ۔مولانا محمد حسین نجفی (ڈھکو)۔مطبوعہ ۲۰۱۳ء

۷۲۔ماہ نامہ ''الحافظ'' اپریل ۱۹۲۵ء

۷۳۔ماہ نامہ ''افکار العارف'' لاہور۔جنوری ۲۰۱۵ء

۷۴۔ماہ نامہ ''دقائق اسلام'' سرگودہا۔فروری ۲۰۱۵ء

۷۵۔شیخ احمد احسائی ایک پُراسرار جاسوسی کردار۔سید محمد حسین زیدی برستی۔مطبوعہ ۱۹۸۵ء چنیوٹ

۷۶۔تحقیقات الفریقین فی حدیث الثقلین۔مولانا محمد حسین نجفی المعروف ڈھکو صاحب

۷۷۔میراث برصغیر، شش ماہی رسالہ، کراچی مطبوعہ ۱۴۳۳ھ محرم الحرام نمبر۔

۷۸۔نور الانوار ترجمہ عبقات الانوار، مصنف، شجاعت حسین گوپالپوری

۸۹۔مرد علم میدان عمل میں، طاہر عباس اعوان، مطبوعہ لیہ

۹۰۔قول مقبول فی اثبات وحدتِ بنت رسول، غلام حسین نجفی، آنجہانی مطبوعہ ۱۹۸۲ء، لاہور

۹۱۔ترجمہ مقبول دہلوی، مطبوعہ بمبئی، حیدری کتب خانہ

۹۲۔جلاء العیون فارسی، علامہ باقر مجلسی مطبوعہ ایران

۹۳۔حواشی جلاء العیون، مولوی کوثر بھریلوی۔ملتان

۹۴۔کردار معاویہ ویزید، غلام حسین نجفی، مطبوعہ لاہور

۹۵۔جواباتِ عالیہ دررد خرافاتِ غالیہ، بلال مہدی، مطبوعہ ۱۹۸۵ء اسلام آباد

۹۶۔العقائد الحقیہ، سید محمد حسین زیدی برستی مطبوعہ ۱۹۹۶ء

۹۷۔فتوحاتِ شیعہ، ناصر حسین نجفی مطبوعہ خوشاب

۹۸۔تنزیہہ الامامیہ، مولانا محمد حسین ڈھکو

۹۹۔حقائق العقائد، ابتدائیہ آغا طاہر عباس نقوی، مطبوعہ ڈسکہ ضلع سیالکوٹ

۱۰۰۔مولوی محمد حسین ڈھکو کا مذہب، محمد عباس قمی مطبوعہ ۲۰۰۷ء، لاہور

۱۰۱۔تائید حق وتردیدِ باطل، سید تصدق حسین بخاری، مطبوعہ سرگودہا۔

۱۰۲۔ تحقیق حق کتاب پر تبصرے۔ مولانا ضمیر الحسن جھنگوی

۱۰۳۔ ڈھکو کے ڈھکوسلے۔ مولانا سبط حسن، مطبوعہ ۱۹۹۷ء

۱۰۴۔ رسالہ ''لیلیہ'' علامہ مجلسی، مترجم سید محمد عارف، مطبوعہ لاہور

۱۰۵۔ رسالہ ''لیلیہ'' مترجم مولانا ڈھکو۔ مطبوعہ ۱۹۸۰ء

## کتبِ خوارج

۱۰۶۔ شمائل علی رضی اللہ عنہ۔ نذیر احمد شاکر، کراچی۔ مطبوعہ ۱۴۰۰ھ

۱۰۷۔ آثار سحر۔ مولانا عظیم الدین صدیقی، کراچی۔ مطبوعہ ۱۹۸۹ء

۱۰۸۔ حقیقتِ خلافت وملوکیت۔ محمود احمد عباسی، کراچی۔ مطبوعہ ۱۹۶۸ء

## کُتب متاثرین شیعہ

۱۰۹۔ سیاست معاویہ۔ مولوی مہر محمد حسین ساکن کامرہ، مطبوعہ ۱۹۸۸ء

۱۱۰۔ تاریخِ نواصب۔ عبدالقیوم علوی۔ مطبوعہ پنڈ سنگرال ۱۹۸۸ء

# چند مشاہیر کی نظر میں

مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی شخصیت اہلسنت کے لیئے باعثِ افتخار ہے

قائد اہلسنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ

مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی تحقیقی کتب بے شک دنیائے علم پر احسان عظیم ہے

سلطان العلماء علامہ ڈاکٹر خالد محمود

مولانا محمد نافع رحمہ اللہ انصاف کے دامن کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اور تعصب سے پوری طرح محفوظ رہتے ہیں.

علامہ احمد شاہ چوکیروی رحمہ اللہ

مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی کتاب "رحماء بینھم" ایک ایسی نادر کتاب ہے کہ جسکی نظیر عربی زبان میں بھی موجود نہیں ہے

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

مولانا محمد نافع رحمہ اللہ ریت کے ذرات سے سونا الگ کرنا جانتے ہیں

علامہ عبد الستار تونسوی رحمہ اللہ

مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی تصانیف سے بشرط انصاف ہر فریق مستفید ہوسکتا ہے

علامہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ

مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کا ہر دعوی مدلل و مبرہن اور ہر دلیل صرف مسکت ہی نہیں بلکہ اطمینان بخش اور فہم افروز ہوتی ہے

مولانا محمد اسحٰق سندیلوی رحمہ اللہ

اللہ سبحانہ وتعالی نے مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کو عظیم الشان فرض کی ادائیگی کی توفیق مرحمت فرمائی

مولانا پیر محب اللہ راشدی رحمہ اللہ

مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے

علامہ مولانا محمد طاسین

مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کی دیانت کا میں بہت پہلے سے قائل ہوں

مولانا محمد اسمٰعیل گوجروی، مناظر شیعہ

ادارہ مظہر التحقیق پاکستان
+92-321-4145543, +92-300-4273864